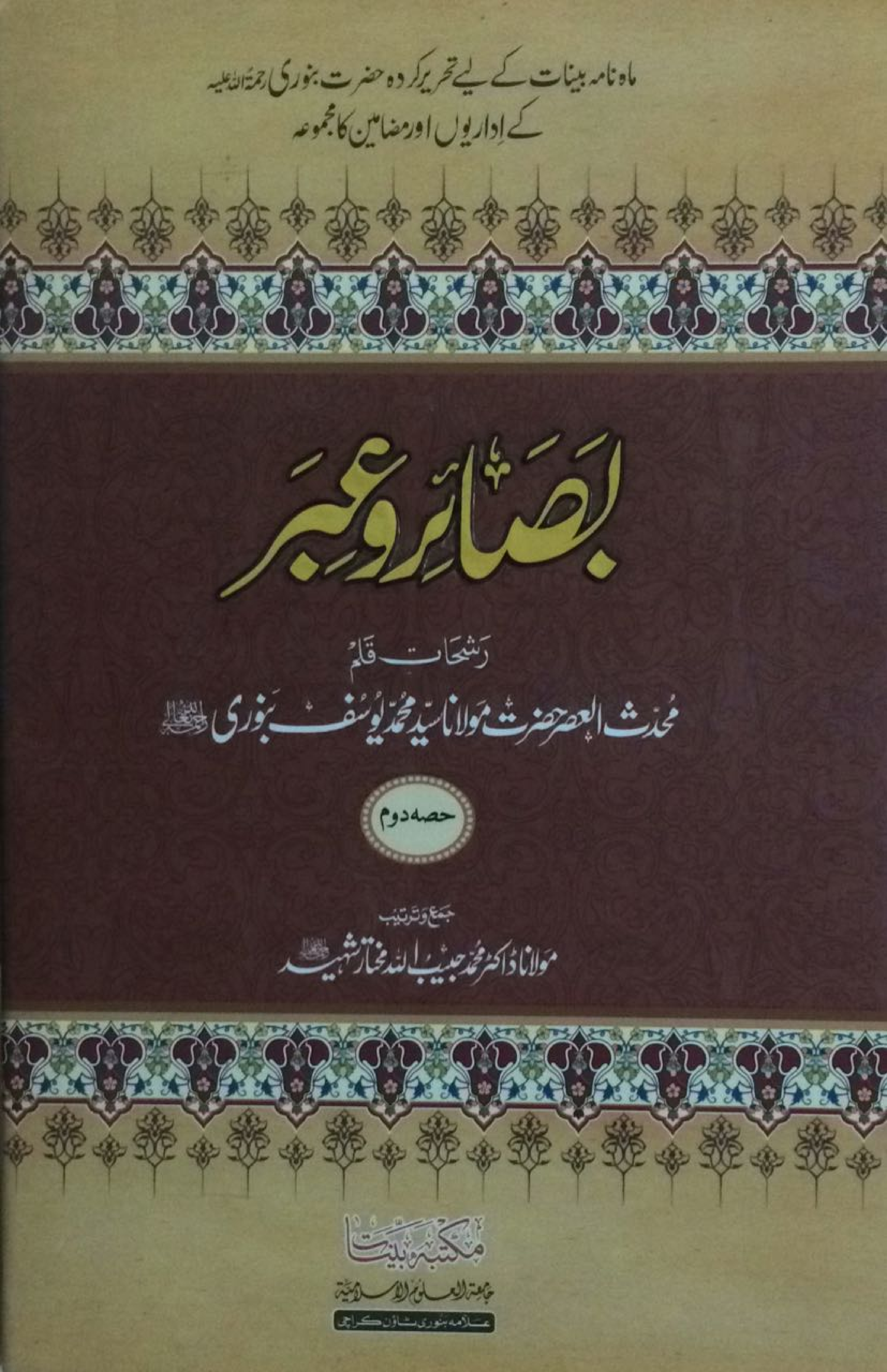

ماہ نامہ بینات کے لیے تحریر کردہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ
کے اِداریوں اور مضامین کا مجموعہ

بصائرِ و عِبر

رشحاتِ قلم

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ

حصہ دوم

جمع و ترتیب

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

مکتبہ بینات
جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم

2014 - ١٤٣٥

Maktaba Bayyenat
Jamia uloom e islamiyyah
Allama Banuri Town Karachi
Pakistan

مکتبہ بینات
جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

Tel: +92-21-34913570 34927233 34121152
Fax: +92-21-34916819 34925352
Mail: info@banuri.edu.pk
Web: www.banuri.edu.pk

ماہ نامہ بینات کے لیے تحریر کردہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے اِداریوں اور مضامین کا مجموعہ

بصائر و عبر

رشحاتِ قلم

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

حصہ دوم

جمع و ترتیب

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمۃ اللہ علیہ

مکتبۂ بینات
جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

فہرست مضامین

باب دوم : حالات حاضرہ

پاکستان اور اسلام ۱۵
اسلام کا قانون ۱۷
اسلامی قوانین کی ترتیب وتدوین کے لئے
تحقیقاتی جدوجہد ۱۹
اسلام اور پاکستان ۲۲
قانون کا بنیادی مقصد ۲۳
انسانیت کے امراض اور انکا علاج ۲۴
اللہ جل شانہ کا کامل ومکمل آخری قانون ۲۴
کسی ملک کا دارالاسلام بننے کا مدار کس چیز پر ہے؟ ۲۵
اسلام کیا ہے؟ ۲۶
شریعت اسلامیہ کا نفاذ اور پاکستان ۲۷
سیرت کانفرنس اور اسلام ۲۸
اسلامی مملکت کیسی ہونا چاہئے؟ ۳۰
مسلمانوں کی دردناک صورتحال اور اس کا سبب ۳۲
اسلام کیا سکھاتا ہے؟ ۳۳
اسلامی مملکت کے صحیح خدوخال ۳۴
مملکت پاکستان اور مسلمانوں کا فریضہ ۳۶
دینی اتحاد ۳۷
مجمع البحوث الاسلامیہ ۳۸
حکومت کے اوصاف اور سربراہ کے فرائض ۴۳
اسلامی میلہ انگلستان ۴۵
دستور پاکستان اور اس کی حقیقت ۴۵
کمیونزم اور اسلام ۴۸
ضروری تنبیہ ایمان وکفر، نفاق والحاد،
ارتداد وفسق ۴۹
پاکستان کا موجودہ نظام تعلیم ۵۲
مسجدوں میں دنیوی تعلیم کا حکم ۵۲
جدید تہذیب ومخلوط تعلیم کی برکات ۵۴
مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا شعبہ تحقیق وتصنیف ۵۵
پہلی اسلامی سربراہ کانفرنس لاہور ۵۶
موجودہ کانفرنس کا بنیادی مسئلہ ۵۶
کانفرنس کا اصل مقصد کیا ہونا چاہئے؟ ۵۶
گندی سیاست ۵۹
مشاورتی کونسل اور شراب ۶۰
ہر کسے را بہر کارے ساختند ۶۴
اوقاف کے ناظم اعلیٰ کا حیرت انگیز اور
مضحکہ خیز بیان ۶۷
چوں کفر از کعبہ برخیزد ۶۸
محکمہ اوقاف اور اس کی ذمہ داری ۶۸
جمعیۃ علماء اسلام اور مولانا احتشام الحق تھانوی ۷۰
نعمت خداوندی پاکستان اور اس نعمت کا شکر
ادا کرنے کا طریقہ ۷۵
اسلام کو چھوڑ کر مادی اسباب اختیار کرنے کا خمیازہ ۷۶
ملک وقوم کیلئے ایک خطرناک ابتلاء اور آزمائش ۷۷
اسمبلیاں اوران کا فائدہ ۷۸

حکومت اور ان کے بجٹ ۷۹
احکام الٰہی سے سرتابی کا نتیجہ ۸۰
یہود کی اسلام دشمنی ۸۱
استحکام پاکستان اور قیام امن کا راستہ اسلام اور صرف اسلام ہے ۸۲
داخلی وخارجی فتنوں اور پریشانیوں کا سبب اسلام سے بے وفائی ہے ۸۳
اسلام اور پاکستان، سوشلزم اور کمیونزم ۸۶
نئی تعلیمی پالیسی ۸۷
پاکستان اور داخلی وخارجی فتنے اور ان سے بچاؤ کی تدابیر ۸۸
سوشلزم صیہونی جال کا ایک پھندا ہے ۹۰
اسلام کے نام پر حاصل کردہ مملکت پاکستان ۹۰
اسلام کا نام لے کر اسلام سے دشمنی ۹۱
اسلام اور پردہ ۹۳
اسلامی مساوات کسے کہتے ہیں؟ ۹۴
مملکت پاکستان پر اللہ کا شکر کس طرح بجالایا جائے؟ ۹۴
پاکستان کی حفاظت کے لیے لطیفہ غیبی اور قوم کی ناشکری ۹۵
دردناک صورتحال اور اس کا علاج ۹۶
پاکستان کے بحران کے باطنی اسباب ۹۸
بھارت کا مشرقی پاکستان پر حملہ ۱۰۰
پاکستان میں اسلامی شعائر کا احترام اور اسکی وجہ ۱۰۱
آئینی بحران اور اس کا دانشمندانہ حل ۱۰۳
قوموں کا آئین اور دستور ۱۰۴
سربراہ مملکت کی ذمہ داریاں ۱۰۵
آئین میں اصلاح طلب چند امور ۱۰۶
اسلامی آئین کسے کہتے ہیں؟ ۱۰۶
پاکستان کے جدید اور قدیم دساتیر کا فرق ۱۰۷
رحمت الٰہی اور رضاء خداوندی حاصل کرنے کا طریقہ ۱۰۸
موجودہ نام نہاد اسلامی آئین کی خامیاں ۱۰۹
صحیح اسلامی آئین ۱۱۰
اسلامی آئین کے نفاذ کا تقاضا ۱۱۰
فریضہ دعوت وتبلیغ اور مسلمان ۱۱۱
مغربی سیاست اور اس کے مضر اثرات ۱۱۲
قانون الٰہی سے روگردانی اور اس کی سزا ۱۱۴
پاکستان کی باطنی وظاہری تعمیر ۱۱۶
عائلی قوانین اور اسلام ۱۱۷
عذاب وسزا کے سلسلہ میں قانون الٰہی ۱۱۸
پاکستان کی تعمیر کے لئے موثر اقدامات ۱۱۸
پاکستان کی باطنی تعمیر کے لئے اہم نکات ۱۲۰
دین اسلام سے انحراف اور اس کی سزا ۱۲۱
مسلمانوں کی موجودہ پستی اور اس کا علاج ۱۲۵
کفر اور امن عالم ۱۲۶
جمعیت علمائے اسلام اور اس کا منشور ۱۲۷
کتاب (آدمیت کی کہانی) اور جامعہ اسلامیہ بہاولپور ۱۲۸
مسلمانوں کے تفرق، اختلاف وانتشار کے ظاہری وباطنی اسباب ۱۳۰
مسلمانوں کے تفرق وانتشار کا باطنی وظاہری علاج ۱۳۳
پاکستان میں فسادات، اُن کا سبب اور علاج ۱۳۵

انحطاط وتنزل اور اس کے اسباب ______ ۱۳۹
انتخابات ______ ۱۴۴
اسلامی قانون کا نفاذ ______ ۱۴۵
اسلامی قانون ______ ۱۴۷
صدر مملکت کے اختیارات وفرائض ______ ۱۴۸
ایک نہایت اہم تنبیہ ______ ۱۴۹
انتخابات اور اس کا نتیجہ ______ ۱۵۱
دردناک قومی المیہ ______ ۱۵۲
جمہوری الیکشن اور اس کی حقیقت ______ ۱۵۲
وجود میں آنے والی اسمبلی کے فرائض ______ ۱۵۳
پاکستانی قوم کے بائیس سال ______ ۱۵۴
کامیابی وکامرانی کا راستہ ______ ۱۵۵
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرائض منصبی ______ ۱۵۵
حضرات صوفیاء اور اشاعت دین ______ ۱۵۷
اسلامی سیاست اور موجودہ سیاست ______ ۱۵۷
مسلمانوں کی نمائندگی ______ ۱۵۸
موجودہ حکومت اور اسلامی آئین ______ ۱۵۹
راہ نجات ______ ۱۶۰
علماء کرام اور الیکشن ______ ۱۶۱
صوبائی تعصب اور فتنہ رنگ ونسل کا اصل علاج ______ ۱۶۴
مرزا ناصر احمد کا دورہ یورپ اور سعودی عرب ٹیلی
ویژن پر اس کی نمائش ______ ۱۶۵
مسلمان فروعی اختلافات ختم کر کے تبلیغ میں
مشغول ہوں ______ ۱۶۶
برطانوی عہد حکومت اور مسلمان ______ ۱۶۷
حکومت برطانیہ اور فتنہ قادیانیت اور مرزائیت ______ ۱۶۷
مرزا غلام احمد اور دعویٰ نبوت ______ ۱۶۹
انگریزی دربار اور مرزا غلام احمد اور اسکی امت ______ ۱۷۰
تاج برطانیہ خود کاشتہ پودا ______ ۱۷۱
قادیانی انگریزوں کے ایجنٹ ______ ۱۷۱
کفر وارتداد سے توبہ کا طریقہ ______ ۱۷۳
مسئلہ ختم نبوت اور پاکستان ______ ۱۷۷
عقیدہ ختم نبوت کو تسلیم کئے بغیر پاکستان
قائم نہیں رہ سکتا ______ ۱۷۸
ایک ناگہانی حادثہ اور اس کے اثرات ______ ۱۷۹
غیر مسلموں سے مقاطعہ (سوشل بائیکاٹ) ______ ۱۷۹
ایک غلط فہمی کا ازالہ ______ ۱۸۱
قادیانیت کے خلاف اہل پاکستان کا شدید رد عمل ۱۸۱
برطانیہ کی اسلام دشمنی ______ ۱۸۱
ربوہ ایک نیا قادیان ______ ۱۸۲
تحریک ختم نبوت ______ ۱۸۳
حادثہ ربوہ اور اس کے نتائج ______ ۱۸۳
تحریک ختم نبوت کا طریقہ کار ______ ۱۸۴
سپاس وتشکر ______ ۱۸۸
آثار ونتائج ______ ۱۹۰
پاکستان اور مسلمانوں کی بقاء اسلام سے وابستہ ہے ۱۹۰
اقلیت قرار دیئے جانے کے بعد مرزائیوں کی حیثیت ۱۹۱
مرزائیوں سے متعلق مسلمانوں اور حکومت کے
کرنے کا اصل کام ______ ۱۹۱
برطانیہ اسلام کا سب سے بڑا دشمن ______ ۱۹۳
قادیانیت انگریز کا خود کاشتہ پودا ______ ۱۹۳
قادیانیوں کی پاکستان کے خلاف سازشیں ______ ۱۹۴
قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے تقاضے ۱۹۴
قادیانی۔ آئینی ترمیم پر عملدرآمد ______ ۱۹۴

غنڈہ گردی اور اس کا سدباب ۱۹۶
لفظ غیر مسلم لکھوانے سے قادیانیوں کا انکار ۱۹۶
دین اسلام اور رنگ ونسل وعلاقائیت ۱۹۷
سندھ صدیوں کے آئینہ میں ۱۹۸
قادیانیت اور عالم اسلام (ایک سفرنامہ کا اقتباس) ۱۹۹
طاغوتی قوتوں کی اسلام دشمنی ۲۰۱
اعداء اسلام کی ریشہ دوانیوں کا سبب ۲۰۲
فتنۂ انکار حدیث (فتنہ پرویزیت) ۲۰۲
پرویزی تحقیقات ملحدانہ پر ایک نظر ۲۰۳
اسلام اور پیغمبر اسلام کیخلاف یہودی زہر آلود ذہنیت ۲۰۶
مفتی محمود صاحب کی وزارت علیا ۲۰۹
بلوچستان کی وزارت ۲۱۱
پاکستان اور حقوقِ نسواں کمیٹی ۲۱۱
پاکستان کی سلامتی اسلامی قوانین کے جاری کرنے میں ہے ۲۱۳
اسلامی قانون کے نفاذ میں حائل عذرِ لنگ ۲۱۴
اسلامی نظریاتی کونسل کی جدید تشکیل ۲۱۵
یوم تجدید میثاق اور توبہ وانابت ۲۱۷
اسلام دشمن طاقتیں اور پاکستان ۲۱۸
بھٹو دورِ حکومت اور پاکستان ۲۱۹
قومی اتحاد اور مسٹر بھٹو ۲۲۰
قومی تحریک اور اس کی قیادت ۲۲۰
عزت وکامرانی کے اسباب ۲۲۱
بھٹو حکومت کا خاتمہ اور مارشل لاء کا نفاذ ۲۲۳
دین اسلام نعمتِ ربانی ہے ۲۲۴
تہذیب وتمدن کے علمبرداروں کی حالتِ زار ۲۲۵
حکومت کویت کا موسوعۂ فقہ اسلامی ۲۲۶
رابطہ عالم اسلامی اور اس کے فرائض ۲۲۶
حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کا سعودی عربیہ کے مشہور روزنامے "الندوۃ" کو انٹرویو ۲۲۹
قادیانیت سامراج کا آلہ کار ۲۳۰
قادیانیت استعمار کا ایک حربہ ہے ۲۳۰
اسلامی اتحاد و باہمی اعتماد کی منزل تک پہنچنے کا راستہ ۲۳۰
باہمی اتحاد وتعاون ہی اسلام کی روح ہے ۲۳۱
مجمع البحوث قاہرہ کی کانفرنس اور اس کی تجاویز ۲۳۱
دین کے خلاف محاذِ جنگ ۲۳۲
رابطۂ عالم اسلامی کو کیا کرنا چاہئے؟ ۲۳۴
مؤتمر قاہرہ کے مشاہدات وتاثرات - ادارہ مجمع البحوث الاسلامیہ کی مختصر روئیداد ۲۳۴
کانفرنس کا محلِ انعقاد ۲۳۷
مجمع البحوث الاسلامیہ اور اس کی پہلی کانفرنس کے بارے میں تاثرات ۲۴۰
مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ کی دوسری کانفرنس ۲۴۲
غیرتِ اسلام اور پاکستان ۲۴۲
ادارۂ تحقیقات اسلامی اور اس کے سنہری کارنامے ۲۴۴
منصب نبوت ۲۴۵
الحاد وزندقہ ۲۴۶
یاس وناامیدی کی تاریک گھٹاؤں میں امید وآس کی ایک کرن ۲۴۸
مؤتمر قاہرہ کے مشاہدات وتاثرات ۲۴۹
علمائے ازہر کے بارے میں رائے ۲۴۹
جدید ازہر کے خدوخال ۲۵۱
جمال عبدالناصر ۲۵۲
مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ کی پانچویں کانفرنس ۲۵۳

شیخ الازہر شیخ عبدالحلیم محمود کی پاکستان آمد ۲۵۸
عرب و اسرائیل جنگ اور شکست کے اسباب ۲۵۹
مسلمان قوم اور اس کے امراض ۲۶۱
بیت المقدس پر اسرائیل کا قبضہ ۲۶۳
اسرائیل کا بیت المقدس پر قبضہ علاماتِ قیامت کا پیش خیمہ ۲۶۳
اتحادِ عالم اسلام ۲۶۴
فتح و شکست کے حقیقی اسباب ۲۶۵
قومیت اور اشتراکیت کی نحوست ۲۶۷
عالم اسلام کے اتحاد کی ضرورت ۲۶۸
مشرقِ وسطیٰ اور جمال عبدالناصر ۲۶۹
مصر اسرائیل جنگ سے درسِ عبرت ۲۷۵
مسلمانوں کے لئے لائحہ عمل ۲۷۷
فلاح و کامیابی اور عزت و ترقی کا راستہ ۲۸۱
طرابلس اور شیخ محمد بن علی السنوسیؒ ۲۸۲
عرب قوم، انکے امراض اور انکا علاج ۲۸۳
مال و دولت کی فراوانی اور اس کا معاشرہ پر اثر ۲۸۵
انقلاب لیبیا ۲۸۶
سوشلزم اور کمیونزم کا صحیح علاج ۲۸۹
اتحاد اور اس کی ضرورت ۲۸۹
اسرائیلی جارحیت اور اس کا حل ۲۹۲
لیبیا میں اسلامی دعوت و تبلیغ کی پہلی کانفرنس ۲۹۴
سربراہ کانفرنس کے نام جناب حسین شافعی کا پیغام ۲۹۹
قدس کی آزادی کے بعد اگلا مرحلہ مسلم اتحاد کے لئے کوشش ۳۰۱
اسلامی اتحاد کے دوررس اور خوش آئند نتائج ۳۰۴
دورۂ انگلستان ۳۰۵
قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے پر مبشرات ۳۰۸
علاقائی ثقافتی میلے اور اسلام ۳۰۹
مسلمانوں کا اسوہ و نمونہ اور نصب العین ۳۱۱
اسلام اور سوشلزم ۳۱۱
امن و عافیت کا راستہ ۳۱۲
معاہدہ تاشقند اور اس کے نتائج ۳۱۲
نعمت الٰہی کا شکر ادا کرنے کا طریقہ ۳۱۴
رویت ہلال اور نظام شریعت ۳۱۵
رویت ہلال اور شرعی نقطہ نگاہ۔ مولانا مفتی محمد شفیع اور شیخ الحدیث مولانا یوسف بنوری کا مشترکہ بیان ۳۱۸
عمومی اعلان کی شرطیں ۳۲۰
چند تجاویز ۳۲۱
قابل توجہ ۳۲۲
مسلمانوں کے لئے دوسرا اسرائیل بھارت ۳۲۳
۱۹۶۵ء کی پاک و ہند جنگ ۳۲۴
قابل عبرت نتائج و حقائق ۳۲۵
نعمت خداوندی اور اس کا شکریہ ۳۲۶
کسی قوم کی موت ۳۲۶
مسلمانوں کی بنیادی قوت ۳۲۷
عصر حاضر اور علماء کرام ۳۲۸
مدیر فکر و نظر اور علما ۳۲۹
بھارت اور پاکستان کی جنگ ۳۳۰
پاکستان اور روس ۳۳۱
ماضی کی بے اعتدالیاں ۳۳۳
ماضی قریب کی سب سے مہلک غلطی ۳۳۳
حالیہ غفلت اور غلط کاری ۳۳۴
اللہ کی رحمت کا مستحق بننے کا طریقہ ۳۳۵

مسلمانوں کو غیر اسلامی تعبیرات و نعروں سے بچنا چاہئے ۳۳۶
جہاد کے متعلق حضرت تھانویؒ کے چند ملفوظات ۳۳۷
تقویٰ فتح اور کامرانی کا ذریعہ ہے ۳۳۸
ہزیمت ۳۴۰
سقوط مشرقی پاکستان ۳۴۰
عصر حاضر کا سب سے بڑا المیہ ۳۴۱
سقوط مشرقی پاکستان کے اسباب ۳۴۲
اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی سزا ۳۴۴
حکومت وقت سے التجا ۳۴۵
اخبارات و جرائد و صحافت اور قوم و ملت ۳۴۵
منشور جمعیت علماء اسلام اور لیبر یونین ۳۴۶
پاکستان اور نظام تعلیم ۳۴۷
عالم عرب اور اسرائیل ۳۴۸
حکومت پاکستان اور سعودی عرب کو حج کے سلسلے میں چند تجاویز و مشورے ۳۴۹
صوبہ سندھ میں ہندوؤں کو دوبارہ آباد کرنے کا مسئلہ ۳۵۱
سرکاری مدارس میں شیعہ حضرات کیلئے علیحدہ دینیات ۳۵۳
قوم کا اتحاد و اتفاق مستقبل کے لئے نیک فال ۳۵۴
حکومت تشدد کر کے کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی ۳۵۵
مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کا بیان ۳۵۶
حکام کے وعدے اور اسلام سے ان کا تعلق ۳۵۷
اخوت اسلامی اور اس کی اہمیت ۳۵۹
جہاد پاکستان اور اتحاد ۳۶۰
پاکستان کی اصلاح کیلئے چند ضروری تجاویز ۳۶۲
گروہ بندی، افتراق اور علمائے کرام ۳۶۲
مسلمانوں کے لئے دنیا کی عزت و آبرو حاصل کرنے کا طریقہ ۳۶۳
دورۂ برطانیہ ۳۶۵
پاکستان اور اس کے دشمن ۳۶۶
ضروریات دین کا انکار موجب کفر ہے ۳۶۷
روز افزوں خرابیاں اور ان کا تدارک ۳۶۸
امت اسلامیہ کی زبوں حالی اور اسکا اصل علاج ۳۷۰
اصلاح معاشرہ کا صحیح طریقہ ۳۷۱
پاکستان کے بحرانوں کا حقیقی علاج دعوت الی اللہ ۳۷۲
ایک خواب اور پیغام ۳۷۴
خواب اور پیغام ۳۷۴
مسلمانوں کی زبوں حالی کے اسباب اور انکا حل ۳۷۶
قانون الٰہی کا نفاذ ۳۷۷
خالی نعروں سے اجتناب ۳۷۸
درآمد شدہ نظریات کی ناکہ بندی ۳۷۹
اسلامی معیشت کا نفاذ ۳۷۹
اسلامی اخوت ۳۸۰
اسلامی معاشرے کی اصلاح و تربیت ۳۸۴
عالم اسلام اور مسلمانوں کی حالت زار ۳۸۶
فرنگی قوانین کو اسلامی قالب میں ڈھالنے کی جانب ایک قدم ۳۸۹
اسلامی حکومت میں غیر اسلامی عائلی قوانین کا تحفظ ۳۹۰
خدافراموشی اور اس کی سزا ۳۹۱
مملکت پاکستان کی روح ۳۹۲
قیام پاکستان کا مقصد ۳۹۲
ہماری معاشرتی زندگی کی ایک جھلک ۳۹۴
انسان کا کمال اور اس کی بدنصیبی ۳۹۵

عالم انسانیت اور پیٹ کا مسئلہ ۳۹۷
قرآن کریم کیا ہے؟ ۴۰۰
رویت ہلال ۴۰۲
ماہ رمضان اور اس کے برکات وفضائل ۴۰۷
نفسِ امارہ کا تزکیہ ۴۰۷
جشن قرآن کریم اور پاکستان ۴۰۸
محفل میلاد اور اجلاس سیرت النبی ﷺ ۴۰۹
حج بیت اللہ اور ارباب حکومت کو چند مشورے ۴۱۰
حج بیت اللہ سے متعلق چند ہدایتیں اور حجاج سے چند شکایتیں ۴۱۴
مسجد حرام اور مسجد نبوی کی نماز اور عورتیں ۴۱۶
حج اور اس کے فوائد واسرار ۴۱۷
حکومت وقت کی حج پر پابندیاں اور اسکے نقصانات ۴۱۸
ٹیلی ویژن اور مشرکانہ پروگرام ۴۱۹
قابل توجہ مسائل حاضرہ ۴۲۰
عقود ومعاملات ۴۲۰
تعلیم وتربیت ۴۲۱
علاج الامراض وادویہ ۴۲۲
عبادات ۴۲۲
مسائل حاضرہ ۴۲۳
مسائل شرعی کے حل کا طریقہ ۴۲۴
اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے ضروری امر ۴۲۴
حکام پاکستان کا فریضہ ۴۲۵
ایک اچھا اقدام ۴۲۷
دینی مدارس اور پاکستان ۴۲۹
دینی مدارس کو حکومت کی تحویل میں لینے کا منصوبہ ۴۳۰
پاکستان میں دین واسلام کی بقاء، دینی مدارس کی مرہون منت ہے ۴۳۱
مدارس عربیہ کے لئے لائحہ عمل ۴۳۳
دینی مدارس کے علماء وطلباء کے لئے لمحہ فکریہ ۴۳۷
مکتوب مبارک ۴۳۸
جامعۃ العلوم الاسلامیہ میں تخصص فی الفقہ الاسلامی کا اجراء ۴۴۰
دار التصنیف سے حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب کا انسلاک ۴۴۱
مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی تاسیس وابتداء اور ارتقائی مراحل ۴۴۱
قدیم وجدید نصاب تعلیم کا امتزاج ۴۴۴
مدارس دینیہ اور مدارس عصریہ کے نصاب تعلیم کا تقابل ۴۴۶
حقیقی علوم کیا ہیں؟ ۴۴۸

باب سوم: وفیات

مولانا مفتی محمد صادق بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ ۴۴۹
مولانا اظہار الحق سہیل عباس امروہی رحمۃ اللہ علیہ ۴۴۹
الحاج خواجہ ناظم الدین رحمۃ اللہ علیہ ۴۵۰
مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ ۴۵۰
مولانا عبد الرحمن کاملپوری رحمۃ اللہ علیہ ۴۵۳
مولانا محمد شفیع سرگودھوی رحمۃ اللہ علیہ ۴۵۶
مولانا عبد الحنان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ ۴۵۷
مولانا عبد الخالق رحمۃ اللہ علیہ ۴۵۷
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی والدہ ماجدہ ۴۵۸
مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ ۴۵۹
مولانا جان محمد رحمۃ اللہ علیہ ۴۵۹

مولانا شیر محمد سندھی رحمۃ اللہ علیہ ۴۶۰
مولانا احمد حسن چاٹگامی رحمۃ اللہ علیہ ۴۶۰
مولانا محمد اسماعیل چاٹگامی رحمۃ اللہ علیہ ۴۶۱
مولانا تاج الاسلام رحمۃ اللہ علیہ ۴۶۱
اہلیہ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ ۴۶۲
مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ ۴۶۲
مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ ۴۶۳
مولانا سید حمید الدین فیض آبادی رحمۃ اللہ علیہ ۴۶۴
مولانا شمس الحق فرید پوری رحمۃ اللہ علیہ ۴۶۵
مولانا نصیر الدین غور غشتی رحمۃ اللہ علیہ ۴۶۵
محترم جناب حاجی محمد یعقوب کالیا رحمۃ اللہ علیہ ۴۶۶
مولانا سید احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ ۴۶۷
مولانا عبد الغفور عباسی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ ۴۶۸
مولانا محمد مبین خطیب رحمۃ اللہ علیہ ۴۷۰
مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ ۴۷۰
مولانا شاہ محمد یعقوب مجددی بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ ۴۷۱
مولانا سید طلحہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ ۴۷۲
مولانا عبد الشکور کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ ۴۷۳
مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ ۴۷۳
مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ ۴۷۷
مولانا خدا بخش ملتانی رحمۃ اللہ علیہ ۴۷۸
مولانا سید محمود احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ۴۷۹
مولانا محمد عثمان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ ۴۷۹
شیخ محمد نصیف رحمۃ اللہ علیہ ۴۸۰
مولانا محمد رسول خان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ ۴۸۱
مولانا حکیم عبد الجبار حیدر آبادی رحمۃ اللہ علیہ ۴۸۲
مولانا عرض محمد بلوچستانی رحمۃ اللہ علیہ ۴۸۳
مولانا محمد خلیل انگوی رحمۃ اللہ علیہ ۴۸۳
مولانا حافظ حکیم عبد المجید لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ ۴۸۴
مولانا فخر الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ ۴۸۵
وفات اہلیہ محترمہ حضرت مولانا بنوریؒ ۴۸۶
مولانا حبیب اللہ گمانی رحمۃ اللہ علیہ ۴۸۷
مولانا عبد العزیز ساہیوال والے رحمۃ اللہ علیہ ۴۸۸
مولانا عبد الجبار بوہر منڈی والے رحمۃ اللہ علیہ ۴۸۸
سید جلیل الرحمان دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ۴۸۹
مولانا قاضی عبد الرب رحمۃ اللہ علیہ ۴۹۰
مولانا حافظ حبیب اللہ لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ۴۹۰
مولانا عبد الرحیم اشرفی رحمۃ اللہ علیہ ۴۹۱
حاجی ابراہیم میاں سملکی رحمۃ اللہ علیہ ۴۹۱
آغا عثمان جان مجددی رحمۃ اللہ علیہ ۴۹۲
مولانا لال حسین اختر رحمۃ اللہ علیہ ۴۹۳
مولانا پیر خورشید احمد ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ ۴۹۳
حاجی ابو الحسن پشاوری رحمۃ اللہ علیہ ۴۹۳
حاجی حبیب احمد پاکولا والے رحمۃ اللہ علیہ ۴۹۳
مولانا گل بادشاہ طوروی رحمۃ اللہ علیہ ۴۹۴
مولانا عبد الحق نافع رحمۃ اللہ علیہ ۴۹۵
حزینہ ۴۹۸
مولانا عبد المنان میواتی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ۴۹۹
حاجی علی محمد موسی رحمۃ اللہ علیہ ۵۰۰
الشیخ محمد ابو زہرہ مصری رحمۃ اللہ علیہ ۵۰۱
مولانا سید شمس الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ ۵۰۱
مولانا عبد الرحمان جالندھری رحمۃ اللہ علیہ ۵۰۲
مولانا دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ ۵۰۴
مولانا خیر محمد بہاولپوری مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ ۵۰۵

مفتی اعظم سید محمد امین الحسینی فلسطینی رحمۃ اللہ علیہ اور
مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ۵۰۶
مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ۵۰۹
حضرت مولانا یوسف عباسی رحمۃ اللہ علیہ ۵۱۱
مولانا محمد زکی کیفی رحمۃ اللہ علیہ ۵۱۲
سیدہ فاطمہ بنوریہ رحمۃ اللہ علیہا ۵۱۳
شاہ فیصل شہید رحمۃ اللہ علیہ ۵۱۵
حضرت مولانا عبدالودود مردانی رحمۃ اللہ علیہ ۵۱۶
علامہ ابوالوفاء قندہاری رحمۃ اللہ علیہ ۵۱۷
قاری محمد حسن امروہوی رحمۃ اللہ علیہ ۵۲۱
مولانا ابواحمد عبداللہ لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ ۵۲۱
مولانا فاروق احمد بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ ۵۲۲
مولانا گل محمد سکھروی رحمۃ اللہ علیہ ۵۲۳
مولانا عبدالباری انصاری لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ ۵۲۴
مولانا سید مہدی حسن شاہ جہاں پوری رحمۃ اللہ علیہ ۵۲۵
حالات محدث شاہ جہاں پوری رحمۃ اللہ علیہ ۵۲۷
مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ ۵۳۱
مولانا اطہر علی بنگالی رحمۃ اللہ علیہ ۵۳۴
نواب محمد مسعود علی رحمۃ اللہ علیہ ۵۳۵
مولانا محمد احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ۵۳۶
مولانا عبدالماجد دریا آبادی رحمۃ اللہ علیہ ۵۳۶
حکیم عبدالسلام ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ ۵۳۷
والد ماجد حضرت بنوریؒ
مولانا سید محمد زکریا بنوری رحمۃ اللہ علیہ ۵۳۸

باب دوم

حالات حاضرہ

پاکستان اور اسلام

بینات کے صفحات پر عرصہ سے اس امر کو واضح کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ:

دین اسلام ہی اللہ تعالیٰ کی وہ آخری نعمت ہے جو اس عالم کو دی گئی اور عصرِ حاضر کی تاریخ میں پاکستان ہی ایک ایسا ملک ہے جو اسلام کے نام پر وجود میں آیا ہے۔

لیکن ان روشن حقائق کے باوجود:

پاکستان ہی ایسا ملک ہے جہاں نہایت سرعت کے ساتھ اسلام کے نام پر غیر اسلامی معاشرہ پھیل رہا ہے۔ پاکستان ہی وہ بدنصیب ملک ہے جہاں شعوری یا غیر شعوری طور پر اسلامی شعائر، اسلامی خصائص اور اسلامی تہذیب کو فنا کیا جا رہا ہے۔

پاکستان ہی وہ بدقسمت سرزمین ہے جہاں اسلام کے نام سے غیر اسلامی قانون بنائے اور جاری کئے جا رہے ہیں۔

پاکستان ہی وہ خطہ ہے جہاں ملک و ملت کے خزانے کی بھاری رقمیں اسلام کی تحریف پر بہائی جا رہی ہیں۔

پاکستان ہی وہ مملکت ہے جہاں آزادیٔ فکر اور آزادیٔ رائے کے بہانے سے تمام عیسائی مشنریوں کو تمام زنادقہ و ملاحدہ کو دل کھول کر اسلام پر اعتراضاف کرنے اور طعن و تشنیع کا نشانہ بنانے کا موقعہ دیا جا رہا ہے۔

پاکستان ہی وہ حکومت ہے جس کے جتنے حکمران بھی آئے ہر ایک کے عہد حکومت میں پاکستان کے دینی معیار کو بلند کرنے سے غفلت برتی گئی۔

توقع ہوگئی تھی کہ صدر محترم فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے جس طرح پاکستان کی اقتصادی اور سیاسی پوزیشن کو مضبوط کر دیا ہے شاید ان کے عہد میں دینی اقدار کو بھی استحکام نصیب ہو جائے اور ان کی وہ انحطاط پذیر حیثیت نہ رہے جو سابق ادوار میں رہی ہے لیکن افسوس:

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

تعجب و تاسف کا مقام یہ ہے کہ ایک طرف نو قرار داد مقاصد اور دستور میں یہ طے کیا جائے کہ کتاب

وسنت پر پاکستان کے قانون کا مدار ہوگا اور کتاب وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا۔

لیکن دوسری طرف جو قانون بنائے جائیں کتاب وسنت کے خلاف بنائے جائیں۔

اور صرف اتنا ہی نہیں کہ کتاب وسنت کے خلاف قانون بنائے جائیں بلکہ ستم ظریفی یہ ہے کہ اسی کے ساتھ یہ بھی قانون بنا دیا جاتا ہے کہ ان قوانین کو بڑی سے بڑی عدالت میں بھی چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ بتیس جدید قوانین ایسے بنائے گئے ہیں جن میں عائلی قانون بھی شامل ہے جن کی حفاظت کے لئے قانون بنایا گیا ہے کہ ان کو کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آخر اس تلبیس کی کیا ضرورت ہے قرارداد مقاصد ہی کو کیوں نہیں ختم کر دیا جاتا؟ سابق دستور کو کیوں نہیں منسوخ کر دیا جاتا؟ پھر جو قانون مزاج چاہے بنائیے۔

بہرحال اس پر آشوب صورت حال میں ہمارے محترم ایس ایم ظفر وزیر قانون کا حالیہ بیان جو ٢٠/ستمبر ٦٦ء کی پریس کانفرنس میں انہوں نے دیا ہے وہ ان مایوس کن گھٹاؤں میں امید کی اک ہلکی سی کرن ہے، موصوف فرماتے ہیں:

"اسلام ہی ایک ایسا مضبوط رشتہ ہے جو مشرقی اور مغربی پاکستان کی یک جہتی کو قائم رکھ سکتا ہے، پاکستان میں مسلم معاشرہ کی تشکیل کے لئے پروگرام مرتب کیا گیا ہے، نوجوانوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے گا اور اس سلسلہ میں ایک جامع کتاب "اسلامی قوانین" شائع کی جائے گی جس پر آئندہ قانونی عمل درآمد ہوگا"۔

اس امید افزا اعلان سے کون مسلمان ہے جو خوش نہ ہوگا اور وزیر محترم کو خراج تحسین نہ پیش کرے گا لیکن جن ہاتھوں سے یہ عظیم کام انجام پائے گا بیان میں جو کچھ اس کی تفصیل آئی ہے، افسوس کہ اس کی بھیانک تاریکی میں وہ امید کی کرن ایسی تہہ بتہہ ظلمتوں میں چھپ جاتی ہے کہ آئندہ کے لئے کوئی امید باقی ہی نہیں رہتی، فرمایا ہے:

"یہ کام ادارہ تحقیقات اسلامی کے سپرد کیا گیا ہے اور ماہنامہ فکر ونظر (اردو) اسلامک اسٹڈیز (انگریزی) الدراسات الاسلامیہ (عربی) الامۃ (انگریزی) کے ذریعہ سے ادارہ کے محققین، پروفیسروں، ریڈروں، ریسرچ فیلوز اور بیرسٹروں کی نگرانی میں ہو رہا ہے"۔

یہ وہ مایوس کن تفصیل ہے جس نے جو امید بندھی تھی اس کو خاک میں ملا دیا اور بدرجہ مجبوری راقم الحروف نے پریس کو ایک بیان دیا جو ٦/ستمبر ٦٦ء کے مؤقر روزنامہ جنگ کراچی میں شائع ہو چکا ہے اور اس میں یہ کہنا پڑا کہ ڈاکٹر فضل الرحمن کی نگرانی میں اب تک جو تحقیقی کارنامے منظر عام پر آئے ہیں ان کو دیکھتے ہوئے یہ توقع غلط ہے کہ ان کی نگرانی میں اور ان کے قلمی رفقاء کے ذریعہ کوئی صحیح کام ہو سکے گا یا کوئی معیاری اسلامی کارنامہ وجود میں آئے گا اور ساتھ ہی یہ بھی صاف صاف کہہ دیا کہ اگر اس ملک کے مقتدر علماء دین پر اعتماد نہیں ہے اور ان کی تنگ نظری کا شکوہ ہے تو پھر ممالک اسلامیہ شام، مصر، عراق، حجاز، الجزائر وغیرہ سے ایسے چند ممتاز علماء و محققین کو جو جدید

وقدیم علوم کے ماہر ہوں کچھ عرصہ کے لئے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے دعوت دی جائے مثلاً:

①ڈاکٹر محمد مصطفیٰ زرقاء ②ڈاکٹر محمد مبارک کو دمشق سے
③ڈاکٹر عبداللہ بن محمد جسر طرابلسی کو بیروت سے ④ڈاکٹر عمر بہاء الامیری کو حلب سے
⑤ڈاکٹر محمد عبداللہ العربی ⑥اور ڈاکٹر ابوزہرہ کو قاہرہ سے۔

یہ حضرات وہ ممتاز اہل علم ہیں جن سے حکومت پاکستان بھی متعارف ہے چنانچہ ۱۹۵۸ء میں جو انٹر نیشنل کلوکیم لاہور میں ہوئی تھی یہ سب حضرات اس میں شامل تھے اور ڈاکٹر جسر طرابلسی کو تو اس کے بعد مؤتمر عالم اسلامی کی ایک کانفرنس میں بھی نمائندگی کا موقعہ دیا گیا تھا۔

لیکن اگر مدارِ کار ادارہ تحقیقات اسلامی کے موجودہ ''ارباب تحقیق'' پر رہا اور یہی ڈاکٹر فضل الرحمن، مسٹر کمال فاروقی، مسٹر رفیع اللہ خان اور عمر احمد تھانوی جیسے حضرات ہی متوقع اسلامی معاشرہ کی تشکیل اور قوانین اسلام کی تدوین کے روح رواں رہے تو پھر:

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

تعجب اس پر ہے کہ اگر اتفاق سے ادارہ تحقیقات اسلامی میں بعض ایسے افراد آ گئے ہیں جن سے کسی قدر صحیح کام کی امید ہوسکتی ہے تو یا تو ان کو نہایت سرعت کے ساتھ ان کے دینی تصلب کی بناء پر علیحدہ کر دیا گیا ہے یا ان کو عضو معطل بنا کر ڈال دیا گیا ہے، ان سے اسلامی موضوعات پر کام کرایا جاتا ہے مگر ان کے صحیح کام میں قطع برید کر کے اسے اپنے منشا کے سانچے میں ڈھال لیا جاتا ہے۔

بہرحال ۶ رستمبر ۱۹۶۶ء کے روزنامہ جنگ میں مدیر محترم نے ایک قیمتی شذرہ اپنے ایڈیٹوریل نوٹ کے ذیل میں اس موضوع پر لکھ کر حکومت کو متوقع فتنہ سے بروقت متنبہ کیا ہے، ہم شکریہ کے ساتھ قارئین بینات کے لئے اس کو نقل کرتے ہیں:

اسلام کا قانون

''مرکزی وزیر قانون ایس ایم ظفر نے بتایا ہے کہ اسلامی تحقیق کا ادارہ اس وقت ''اسلام کا قانون'' نامی ایک کتاب مرتب کر رہا ہے، یہ کتاب تقریبا چار سال میں مکمل ہوگی اور وزیر قانون کا کہنا ہے کہ اسے عدالتوں کی رہنمائی کے لئے استعمال کیا جاسکے گا، مسٹر ظفر نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس کتاب میں اسلامی قوانین پر جدید وقدیم علماء کے افکار شامل ہوں گے اور اس پر تعمیری تنقید کا خیر مقدم کیا جائے گا تاکہ بعد کے ایڈیشنوں کو بہتر بنایا جاسکے، ظاہر ہے پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اور اس ملک میں اسلام کا قانون ہی چلنا چاہیئے لیکن مغرب کی غلط تقلید نے پاکستان کے تعلیم یافتہ طبقہ کو کچھ اس طرح گمراہ کیا کہ اسلام کے نام پر حاصل کی جانے والی

اس مملکت میں اسلام سے اکثر انحراف ہوتا رہا، اسلام کو پوری قومی زندگی پر حاوی دیکھنے والے حلقے یقیناً وزیر قانون کے اس اعلان کا خیر مقدم کریں گے لیکن اس کتاب کی تدوین میں اس بات کا خاص خیال رکھنا ہوگا کہ قدیم کے ساتھ جدید علماء کے افکار پیش کرنے کی کوشش میں قرآن وحدیث کے مطلب ومعنی کو غلط رنگ میں پیش نہ کیا جائے، اس کتاب کی ترتیب کا خیال بہت نیک ہے لیکن مسودہ کو قطعی صورت دینے سے قبل انتہائی احتیاط کے ساتھ اس کی جانچ ہونی چاہیئے، اس لئے کہ مختلف ادوار میں اسلام کو دانستہ یا نادانستہ مسخ کرنے کی کوششیں ہوتی رہی ہیں، ہم اسلام کی سربلندی کے علمبردار ہیں، ہماری ذرا سی لغزش سے ایک نیا فتنہ کھڑا ہوسکتا ہے، لہٰذا اسلام کو بروئے کار لانے کے اقدامات میں ہمیں ضرورت سے زیادہ محتاط رہنا ہوگا، امید ہے اسلامی تحقیق کا ادارہ صحیح اسلامی اسپرٹ سے کام لے گا اور اس کتاب کی اشاعت سے قبل تمام اسلام پسند حلقوں کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرے گا تاکہ بعد میں تعمیری نکتہ چینی کے بجائے کوئی نیا فتنہ کھڑا نہ ہوجائے''۔ (روزنامہ جنگ ۶ ستمبر ۱۹۶۶ء)

گذشتہ چند سال کے تلخ تجربوں کی روشنی میں مدیر موصوف نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے، ظاہر ہے کہ جب تک وزیر قانون یہ کام قابل اعتماد ارباب تحقیق کے سپرد نہیں کریں گے ہرگز قابل اطمینان اور ملک وملت کے لئے قابل قبول نہ ہوگا بلکہ بقول مدیر موصوف ملک میں ایک نیا فتنہ کھڑا ہوجائے گا، بقول شاعر:

ایں رہ کہ تو می روی بترکستان است

واضح رہے کہ اگر حکومت یا وزیر قانون کی نیت بخیر ہے اور امت وملت کو کسی غلط فہمی میں مبتلا کرنا مقصود نہیں ہے اور واقعی دینِ اسلام کا صحیح قانون بنانا ہی مقصود ہے اور اب تک پاکستان میں جو کچھ ہوا ہے اس کی تلافی کرنے کا عزم ہوچکا ہے تو قطعاً اس کی ضرورت ہے کہ رجال کار کا صحیح انتخاب کیا جائے اور ممالک اسلامیہ سے ایسے صحیح رجال کار کو بلا کر یہ کام سپرد کیا جائے جن میں اسلام وایمان کی پختگی کے ساتھ ساتھ جدید وقدیم علوم سے واقفیت بھی اعلیٰ درجہ کی ہو یعنی شریعتِ محمدیہ کے نہ صرف قوانین واحکام جانتے ہوں بلکہ شریعت محمدیہ کے مزاج شناس ہوں اور عصر حاضر کے دینی تقاضوں کو اور پاکستانی مسلمانوں کے دینی مزاج وخواہشات کو جانتے ہوں۔

اگر ان حضرات کے بجائے کہیں یورپ وامریکہ سے چند مستشرقین کو بلایا گیا اور اسمتھ اور شاخت جیسے اعداء اسلام سے اس کام کی تکمیل کرائی گئی تو اس مضحکہ خیز طریقہ کار کی نہ صرف پاکستانی مسلمان بلکہ دنیا کا کوئی بھی مسلمان تحسین نہیں کرسکتا بلکہ یہ صورت کار جہاں اسلامی غیرت، دینی حمیت، ملکی مصلحت کے خلاف اور اپنی بے دینی وبدنیتی کا واضح ثبوت ہوگی ساتھ ہی اس ملک کے عوام میں شدید اور دوررس انتشار پیدا کرنے کے مترادف اور بقول مدیر جنگ ایک نئے فتنہ کا دروازہ کھولنا ہوگا، اس دردناک صورت حال سے بدرجہا بہتر یہ ہے کہ صاف اعلان کردیا جائے کہ اس ملک کے اندر ''رومن لاء'' یا ''سوئیزرلینڈ'' کا قانون یا امریکہ یا لندن کا قانون نافذ کیا جائے گا لیکن اگر اسلام کے نام سے ہمارے سروں پر کفر کے قانون کو مسلط کرنے کی کوشش کی تو یاد رہے کہ اس

ملک کے اندر غیر مختتم انتشار و اضطراب کا سلسلہ رونما ہوگا اور اس کے جو بدترین سیاسی نتائج نکلیں گے اس کی ذمہ داری انہی سربراہان حکومت پر ہوگی جو دیدہ دانستہ اس عظیم گناہ کے مرتکب ہوئے ہوں گے، جب موجودہ ''ادارہ تحقیقات'' کا یہ عملہ باوجود دعویٰ اسلام وایمان اور دعویٰ دین کے اسلامی قانون کی تشکیل کے لئے اہل نہیں تو شاخت اور اسمتھ جیسے مستشرقین عیسائی اور یہودی کیسے قابل اعتماد ہوسکتے ہیں اور یہ کہنا قطعاً کھلا ہوا فریب ہے کہ ہم ان مستشرقین کو طریق کار سکھانے کے لئے بلاتے ہیں جیسا کہ موجودہ ڈاکٹر صاحب نے اب سے تین سال پہلے اپنے ایک ڈان مورخہ ۹/۱۰/۶۳ء میں شائع شدہ انٹرویو میں کہا تھا۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کراچی میں رہ کر ان کو اس اقدام کی جرأت نہیں ہوسکی ہے اسی لئے ادارہ کو اسلام آباد راولپنڈی لے گئے ہیں، بہر حال ہم اس اقدام کے انتہائی خطرناک نتائج سے بروقت حکومت اور وزیر قانون کو متنبہ کرتے ہیں، جدید طرز تحقیق کے ان سے بدرجہا بہتر ماہرین اس وقت اسلامی ممالک میں موجود ہیں جن کے تحقیقی شاہکاران مستشرقین کے علی الرغم شائع ہوچکے ہیں۔

مزید وضاحت اور قارئین کی معلومات میں اضافہ کی غرض سے ادارہ بینات روزنامہ حریت کراچی ۸/ستمبر ۶۶ء میں رفیقِ محترم مولانا مفتی ولی حسن کا اسی موضوع پر شائع شدہ مضمون پیش کرتا ہے:

اسلامی قوانین کی ترتیب وتدوین کے لئے تحقیقاتی جدوجہد

محترم وزیر قانون نے ۳۰/اگست ۱۹۶۶ء کو راولپنڈی کی ایک پریس کانفرنس میں ایک اہم حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کہ:

> ''پاکستان میں اسلامی نظریہ کو محوری حیثیت حاصل ہے، ملک کے دونوں صوبوں کے درمیان یک جہتی کے لئے اسلام ایک مستقل قوت ہے اس لئے نئی نسل کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانا ضروری ہے۔''

ہم محترم وزیر قانون کے اس خیال کی پرزور تائید کرتے ہوئے ان سے گذارش کرتے ہیں کہ آپ کے یہ الفاظ پاکستان کے دس کروڑ عوام کے دلوں کی آواز ہے، اسلامی نظریہ حیات پاکستان کی روح ہے اس مملکت کا قیام بھی اسی نظریہ کے لئے ہوا، اس کی بقاء بھی اسی نظریہ میں مضمر ہے اور اس کی کامیابی بھی اسی کی رہین منت ہوسکتی ہے۔

پاکستان کے دونوں صوبوں کے درمیان وسیع خلیج کو یہی نظریہ حیات پاٹ سکتا ہے کیونکہ دونوں صوبوں کے درمیان اگر کوئی چیز مشترک ہے تو وہ اسلام اور صرف اسلام ہے اس لئے اس رشتہ کو جس قدر مضبوط کیا جائے گا اسی قدر پاکستان مضبوط ہوگا، اس کے دونوں صوبے ایک دوسرے سے قریب تر آجائیں گے جس طرح حصول پاکستان کے وقت متحد تھے اور دونوں صوبوں کے درمیان علیحدگی پسند عناصر کا فتنہ اپنی موت آپ مرجائے گا۔

نئی نسل کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانا ضروری ہے، ہماری نئی نسل پر مادیت کے سائے گہرے ہوتے جارہے ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے برگزیدہ دین سے یہ نہ صرف ناواقف بلکہ منحرف ہیں، ہمارے تعلیمی

ادارے اس سلسلے میں جو کردار ادا کر رہے ہیں اس سے آپ بے خبر نہیں ہیں۔

محترم! ادارہ تحقیق اسلامی کے بارے میں آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ہمارے لئے محلِ نظر ہے، ہم اپنی معروضات بصد ادب پیش کر رہے ہیں، امید ہے کہ آپ ہماری معروضات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے۔ ہمارے اس ملک میں ادارہ تحقیق اسلامی کی ضرورت اپنی جگہ مسلم کیونکہ آپ نے جن موضوعات کی نشاندہی فرمائی ہے، واقعی ان پر کام کرنے کی ضرورت ہے مثلاً: اسلامی قانون کی ترتیب وتدوین، اسلام کا سماجی نظام، اسلام کے اقتصادی اصول، اسلام کا سیاسی نظام وغیرہ لیکن ہمیں بصد افسوس عرض کرنا پڑتا ہے کہ موجودہ ادارہ تحقیق اسلامی جس پر ملک کا لاکھوں روپیہ خرچ ہو رہا ہے اپنے مقصد تاسیس سے نہ صرف بہت دور بلکہ اس کی ضد ہے۔

محترم! آپ نے ادارہ تحقیق اسلامی کے مقصد تاسیس کو اس طرح بیان فرمایا ہے: ''ادارہ کا بنیادی مقصد عوام الناس کو اپنی زندگی اسلامی تعلیمات کی مطابق گذارنے میں مدد دینا ہے''۔

اس مقصد کو سامنے رکھ کر جب ہم ادارہ کے اب تک کے کام کا نہایت اخلاص سے جائزہ لیتے ہیں تو ہم کو شدید مایوسی ہوتی ہے، ادارے کے قیام کو ایک عرصہ ہو گیا لیکن اس کی طرف سے اب تک اسلام کی کوئی قابل ذکر خدمت سامنے نہیں آئی ہمیں تو ایسا نظر آتا ہے کہ ادارہ ایک نئے اسلام کی داغ بیل ڈال رہا ہے جس سے یہاں کے عوام سخت انتشار میں مبتلا ہو گئے ہیں، اس نئے اسلام کے بنیادی خطوط بطور نمونہ درج ذیل ہیں، جن سے آپ ادارہ کے دانشوروں، علماء، محققین، پروفیسروں، ریڈروں، ریسرچ فیلوز کے ذہنی رخ کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں:

① قرآنی احکام ابدی نہیں بلکہ ان کی علل وغایات ابدی ہیں۔
② حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمانۂ مابعد کی پیداوار ہیں۔
③ سنت ہر زمانہ کے رسم ورواج کا نام ہے۔
④ شرعی سزائیں قابل تبدیلی ہیں۔
⑤ قرآن ایک اخلاقی کتاب ہے۔
⑥ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن میں بنا بنایا قانون موجود ہے، وہ جاہل اور کم فہم ہیں۔
⑦ بینک کا سود حلال ہے۔
⑧ زکوۃ مالی عبادت نہیں بلکہ ٹیکس ہے۔
⑨ زکوۃ کی شرح میں اضافہ ہونا چاہیئے۔
⑩ بیئر، شراب حلال ہے وغیرہ وغیرہ۔

ہم نے اس مختصر مراسلے میں صرف چند ارشادات پر اکتفا کیا ہے، آپ اگر اس سلسلہ میں تحقیق کرنا چاہیں (جس کی ذمہ داری ادارہ کا صدر ہونے کی بنا پر آپ پر بھی عائد ہوتی ہے) تو ہم ادارہ تحقیق اسلامی کے اب

تک کے کام کا تفصیلی جائزہ لینے میں آپ کا ہاتھ بٹا سکتے ہیں، ان محققین بلکہ متجددینِ عصر کی تحقیقات کو صحیح اسلام کی روشنی میں آپ کو دکھا سکتے ہیں کہ یہ حضرات کس مشن کے تحت اسلامی تحقیقات کر رہے ہیں۔

جہاں تک اسلامی قوانین کی ترتیب وتدوین کا تعلق ہے تو اس بارے میں عرض ہے کہ ادارہ تحقیق اسلامی ترتیب وتدوین کا مطلب یہ سمجھتا ہے کہ کتاب وسنت کے منصوص ومقررہ احکام میں بھی ترمیم واضافہ کیا جائے، زمانہ اور حالات کو کتاب وسنت کے ماتحت نہ کیا جائے بلکہ خود کتاب وسنت کو زمانہ اور حالات کے ماتحت کر دیا جائے۔ یہ نظریہ اور انداز فکر اسلام کے لئے نہایت خطرناک اور مہلک ہے، اس طرح تو یہ دین قیم بازیچہ اطفال بن جائے گا اور اپنی ابدیت کھو بیٹھے گا۔ ترتیب وتدوین کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ کتاب وسنت اور فقہاء ومجتہدین کی کاوشوں اور تحقیقات کی روشنی میں جدید ترتیب وتہذیب کے ساتھ ایک ایسا مجموعہ قوانین اسلام مرتب کیا جائے جس میں منصوص احکام کو جوں کا توں باقی رکھ کر فقہاء امت کی تحقیق کی پیروی کی جائے اور جدید مسائل اور پیش آمدہ صورتوں کو قرآن وسنت اور فقہ کی روشنی میں حل کیا جائے۔

ادارہ تحقیق اسلامی سے اس ملک کے عوام کو بڑی توقعات تھیں کیونکہ اسلام کو اس ملک میں پھولتا پھلتا دیکھنا ان کی سب سے بڑی آرزو ہے اور جب اس ادارہ کی بنیاد رکھی گئی تو عوام کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی اور لوگ کہنے لگے تھے کہ حکومت نے بالکل صحیح قدم اٹھایا ہے لیکن ادارہ کے کام کو دیکھ کر توقعات سراب سے زیادہ ثابت نہیں ہوئیں، اب ان کے دلوں میں ناقابل تردید شکوک وشبہات بلکہ ناقابل برداشت ''جراحتیں'' ہیں جو ادارہ کے نام نہاد علمائے محققین نے اسلام کے خلاف کام کر کے ان کے قلوب میں ڈالی ہیں جن کے پس منظر کی اطلاع بہت کچھ آپ کو بھی ہے۔

محترم! ان جراحتوں کا مرہم پریس کانفرنس نہیں بلکہ ادارہ کا صحیح رخ موڑنا ہے، ادارہ کا قبلہ شروع سے اب تک میکگل یونیورسٹی، یہودی ونصرانی مستشرقین کی تحقیقات ہیں، آپ اس کا رخ کعبۃ اللہ، قرآن کریم، حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور فقہاء ومحدثین ومفسرین اسلام کی طرف موڑ دیجئے، لوگوں کی جراحتیں مندمل ہو جائیں گی اور اسلام اور ملک وملت کو ان سرنگوں سے نجات مل جائے گی جو زیر زمین بچھائی جا رہی ہیں اور اس ملک کے عوام آپ کو اسلام کے وکیل اور کامیاب وزیر قانون کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رکھیں گے۔

[جمادی الثانیہ ۱۳۸۶ھ - اکتوبر ۱۹۶۶ء]

اسلام اور پاکستان (۱)

ہمارے ملک کے نامور قانون دان جناب تنزیل الرحمن صاحب ایم اے، ایل ایل بی ایڈوکیٹ، مشیر قانون ''ادارہ تحقیقات اسلامی پاکستان'' مجموعہ قوانین اسلام کے نام سے اسلامی قانون کی تدوین کا کام کر رہے ہیں، اس کی پہلی جلد پر جو قانون نکاح پر مشتمل تھی بینات میں تفصیلی تبصرہ کیا جا چکا ہے، دوسری جلد جو قانون طلاق پر مشتمل ہے ہمیں کچھ دن ہوئے موصول ہوئی ہے، مصنف محترم اس کے مقدمہ میں اسلامی قانون طلاق کے بالمقابل یہودی عیسائی اور ہندو مذاہب نیز ترقی یافتہ مغربی ممالک کے رائج الوقت قانون ''طلاق'' کا جائزہ لیتے ہوئے آخر میں اپنے نتیجہ فکر کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''حقیقت یہ کہ ان نام نہاد ''ترقی یافتہ'' قوانین کے مقابلہ میں اسلامی قانون طلاق توازن، عدل و انصاف، رواداری، اخلاق و عصمت کی محافظت، محبت و مودت، مقاصد نکاح کے حصول، نجات اخروی، مصلحت عامہ اور انسانی فطرت کے اصولوں پر قائم ہے اور ہم فخر کے ساتھ دنیا کے سامنے یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ چودہ سو سال پہلے جو قانون اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے عطا کیا ہے وہ مغربی دنیا کے موجودہ قوانین طلاق سے افضل اور بدرجہا بہتر ہے (اس دعوے کے ثبوت میں انتہائی انکسار اور عاجزی کے ساتھ یہ کتاب حاضر ہے) دراصل مغربی دنیا کا قانون اخلاقی قانون کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا اور نہ ہی نکاح کے دیوانی نتائج مذہبی نتائج کے مطابق ہو سکتے ہیں، اس کا اعتراف خود ہالسبریز لاز آف انگلینڈ مرتبہ لارڈ سیمانڈس جلد: ۱۳ صفحہ: ۴۳۴ پر کیا گیا ہے''۔

وسیع مطالعہ، طویل غور و فکر اور مسلسل تحقیق و ریسرچ کے بعد ایک مسلمان ماہر قانون جس نتیجہ پر پہنچا ہے اسے متعدد غیر مسلم انصاف پسندوں نے بھی تسلیم کیا ہے مگر چونکہ وہ اعتراف حقیقت کے باوجود خود اسلامی قانون پر ایمان لانے سے محروم رہے ہیں اس لئے ہم انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتے نہ انہیں یہاں نقل کرنا چاہتے ہیں۔

انسان کے خود ساختہ قوانین خواہ وہ مشرق والوں کے ہوں یا مغرب والوں کے، امریکہ اور انگلینڈ کے ہوں یا روس اور چین کے، دقیانوسی دور کے ہوں یا آج کی ترقی یافتہ تہذیبوں کے، خدائے خالق و مالک کے نازل کردہ قوانین کے مقابلہ میں ان کی حیثیت وہی ہے جو خالق کے مقابلہ میں مخلوق کی ہو سکتی ہے، ملحد سے ملحد تہذیبیں بھی انسانی فطرت کو بہر حال تسلیم کرتی ہیں اور یہ کہ انسان اپنی فطرت کے تابع ہے، انسانی فطرت کے تمام تقاضوں، اس کی ضرورتوں آسائشوں اور مضرتوں کا ٹھیک ٹھیک علم بھی انسان کو نہیں بلکہ خود خالق فطرت ہی کو ہو سکتا

---

(۱) حضرت اقدس مولانا بنوری مد فیضہم علالت کی بناء پر ''بصائر و عبر'' نہیں لکھ پائے۔ البتہ آپ نے چند ارشادات لکھ کر عنایت فرما دیئے۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی نے ذیل کی تحریر ان ہی ارشادات کی روشنی میں سپرد قلم کی ہے۔

ہے، وہی اس کی صحیح نشوونما کر سکتا ہے اور اسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ فطرت کی راہنمائی کے لئے قانون سازی کرے، یہ کام نہ خود فطرت انجام دے سکتی ہے نہ انسان جو اپنے صحیح یا غلط فطری تقاضوں کے سامنے سپر انداز ہے۔

قانون کا بنیادی مقصد

اہم ترین مقصد عدل وانصاف کو بروئے کار لانا اور انسانیت کو ظلم وجور اور بہیمیت ودرندگی کے چنگل سے نجات دلانا ہوتا ہے، لیکن اگر خود قانون کجروی اور درندگی کی آماجگاہ بن جائے، قانون ساز اداروں پر ظلم پیشہ درندوں کا تسلط ہو جائے اور وہ اپنی پست اور گھٹیا خواہشات کے مطابق اندھا دھند قانون سازی کرنے لگیں تو ظاہر ہے کہ قانون حفاظت عدل کے بجائے ظلم وعدوان کا پشتیبان اور پاسبان بن کر رہ جائے گا، اس خطرہ سے بچنے کے لئے ضرورت ہوگی کہ عدل کا مفہوم متعین کیا جائے اور اسے ظلم وعدوان سے ممتاز کیا جائے۔

عدل کیا ہے؟ اور ظلم کسے کہتے ہیں؟ یہ ایک ایسا نکتہ ہے جس کے بغیر قانون کا سارا دفتر لغویت وہذیان کا پلندہ بن کر رہ جاتا ہے اور ہمیں یہ سن کر حیرت ہوتی ہے کہ دنیا کے اعلیٰ ترین مفکر اور ماہرین قانون، عدل کا ایسا مفہوم متعین کرنے سے عاجز ہیں جو تمام انسانیت کے لئے یکساں قابل قبول ہو اور جو شخص یہ نہیں جان سکتا کہ عدل کیا ہے؟ آخر کس قانون سے اسے قانون سازی کا حق حاصل ہے؟ ایک حق تعالیٰ ہی کی ذات ایسی ہے جس کا علم کائنات کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے اور جس کی رحمت ساری انسانیت بلکہ ساری کائنات کے لئے عام ہے، انسانوں کے کسی خاص گروہ سے اس کا مفاد وابستہ نہیں، وہی انسانیت کے لئے ''عدل'' کا ٹھیک ٹھیک مفہوم متعین کر سکتا ہے اور اسی کا نازل کردہ قانون، قانون عدل کہلانے کا مستحق ہے، قانون الٰہی کے سوا دنیا کے خود تراشیدہ قانون نہ عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کر سکتے ہیں نہ انسانیت کو ظلم وستم کے آہنی پنجے سے نجات دلا سکتے ہیں، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ [الحديد: ٢٥]

ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے احکام دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور انصاف کرنے والے ترازو کو نازل کیا تا کہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں۔

جرم اور سزا کے درمیان وہی رشتہ ہے جو مرض اور دوا کے درمیان ہے، ایک ماہر طبیب مرض کی نوعیت اس کے اسباب وعوارض اور اس کے آثار ونتائج کو سمجھتا ہے، مریض کی عادت ونفسیات کا بغور مطالعہ کرتا ہے، اس کے محل، بود وباش اور تقاضائے سن وسال کو سوچ سمجھ کر اس کے لئے نسخہ تجویز کرتا ہے، طریقہ استعمال بتاتا ہے، غذا اور پرہیز کی بابت ہدایات دیتا ہے، لیکن ایک عطائی کو ان چیزوں سے سروکار ہے نہ اہلیت، اس نے کہیں سے

سن لیا کہ فلاں مرض کے لئے فلاں دوا مفید ہے بس وہ دوا اٹھائی اور لوگوں کو دینا شروع کر دی، اس کے بعد مریض کی قسمت کہ وہ جئے یا مرے۔

انسانیت کے امراض اور ان کا علاج

جرائم انسانیت کے سب سے بڑے امراض ہیں اور قانون کے ذریعہ ان امراض کا علاج کیا جاتا ہے۔ قانون کا سب سے مشکل مرحلہ جرم اور سزا کے درمیان توازن کا قائم کرنا ہے اور ایسی ترازو دنیا کے کسی کارخانے میں تیار نہیں ہوتی جس سے جرم کے آثار و نتائج کا وزن کر کے اس کے ہم وزن سزا تجویز کی جائے، یہی وجہ ہے کہ انسانی قانون کی تمام تر دراز دستیوں کے باوجود مہذب ممالک میں حنا ؤنے جرائم کی رفتار تیز تر ہوتی جا رہی ہے اور جب تک دنیا اس ''انبیائی میزان'' کے مطابق جرم و سزا کا موازنہ نہیں کرتی اس وقت تک انسانیت پر جنگل کا قانون نافذ رہے گا اور انسانیت ظلم و عدوان کے نیچے سسکتی بلکتی رہے گی۔

یہی میزانِ نبوت ہمیں بتاتی ہے کہ زنا اپنے اندر تعفن اور گندگی کی کتنی مقدار رکھتا ہے اور اس کا علاج کتنے پتھروں یا کوڑوں سے ہونا چاہئے اور کسی کے مال پر ناجائز ہاتھ ڈالنا کتنا بڑا معاشرتی روگ ہے اور اس کا علاج صرف ہاتھ کاٹنے سے ہو سکتا ہے، جو شخص فالج کا علاج کونین سے اور موتیا بند کی تدبیر ''اسپرو'' سے کرنا چاہتا ہے وہ جاہل مریض کا دوست نہیں، دشمن ہے اور جو شخص قتل کا علاج اتنے سال کی قید سے اور ڈکیتی کا علاج اتنے ماہ کی قید سے کرنا چاہتا ہے وہ قانون ساز نہیں، انسانیت کا قاتل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مہذب ممالک کے جیل خانے جرائم کی تربیت گاہ بن کر رہ گئے ہیں، مجرم جب سزا کاٹ کر واپس آتے ہیں تو مرضِ جرم سے شفایاب ہو کر نہیں نکلتے بلکہ عادی مجرم بن کر آتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ کا کامل و مکمل آخری قانون

خدائے برتر کا آخری قانون اپنی جامع اور کامل ترین صورت میں حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، اس نے انسانیت کے لئے عدل و انصاف، مودت و رحمت، ہمدردی و خیر خواہی، اخوت و مواسات اور سکون و اطمینان کی وہ فضا پیدا کی جس کی مثال چشم فلک نے کبھی نہ دیکھی تھی، یہ ایک ایسا خود کار نظام تھا جس کی بدولت اوّل تو جرائم کی تعداد گھٹتے گھٹتے صفر کے نقطہ تک پہنچ گئی تھی اور کبھی سہو یا بشریت کی بنا پر کوئی جرم کسی سے صادر ہو ہی جاتا تو مجرم خود ہی طهرنی یارسول الله (یا رسول اللہ! مجھے سزا دے کر پاک کر دیجئے) کا نعرہ لگاتے ہوئے عدالت کے کٹہرے میں حاضر ہوتا اور جب تک عدالت نبوت اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کر دیتی اس کے ضمیر کی خلش، ایمان کی حرارت اور محاسبہ آخرت کی فکر اسے مسلسل بے چین کئے رکھتی، نہ کسی کو کسی سے شکایت نہ کوئی طبقاتی مسئلہ، نہ کوئی اقتصادی الجھن نہ کوئی سیاسی آویزش، کیا آج کا ترقی یافتہ لیکن بے حد مظلوم

انسان اس کا تصور بھی کر سکتا ہے؟ یہ تھی اسلامی شریعت! جس نے دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

قد جئتكم بالسمحة البيضاء ليلها ونهارها سواء(۱)

میں تمہارے پاس ایسی آسان اور روشن شریعت لایا ہوں جس کے رات دن یکساں روشن ہیں۔

پاکستان اس مقصد کے لئے معرض وجود میں آیا تھا کہ اسے دار الامن والایمان ومہد السلامۃ والاسلام، ایمان واسلام کا گھر اور امن وسلامتی کا گہوارہ بنایا جائے گا، لا الہ الا اللہ کا واسطہ دے کر ہم نے خدا اور سول سے نیز دس کروڑ مسلمانوں سے عہد کیا تھا کہ اس مملکت خداداد کا آئین اسلام ہوگا، ہماری اجتماعی زندگی کا ایک ایک شعبہ اسلام کے زیر نگین ہوگا، ہم اپنے سفر حیات کی ایک ایک لائن کو شریعت محمدیہ کے صراط مستقیم پر لائیں گے اور آج کی دکھ بھری دنیا کو بتائیں گے کہ تم جس متاع گم گشتہ کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہو وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کی پیروی سے آج بھی مل سکتی ہے۔

اگر ہمارے ارباب اقتدار نفاق ورزی سے کام نہ لیتے اور امت مسلمہ کے ساتھ ساتھ خدا اور رسول کو بھی صرف وعدوں اور لکچروں سے نہ بہلاتے تو یہ ملک واقعۃً اسلام اور سلامتی کا گہوارہ اور پوری دنیا کے لئے مثالی نمونہ ہوتا، پاکستان کی اعلی قیادت ایک نئی دنیا کی معمار ہوتی اور آج عالم اسلام کا نقشہ یقیناً کچھ اور ہوتا، مگر یہاں بائیس سال سے جو کچھ ہوا اور اس کی جو قیمت پوری قوم کو ادا کرنا پڑی اور ہم اس کے نتیجہ میں جس خود غرضی، افرا تفری، افتراق وانتشار اور ذلت ونکبت کا شکار ہوئے اس کا تذکرہ رنج والم اور ندامت وخجالت کا موجب ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا مقصد اسی وقت پورا ہو سکتا ہے اور اسلامی مملکت کا خواب اسی وقت شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے جبکہ یہاں اسلامی آئین نافذ ہو اور اسلامی شریعت اور خدائی قانون کو زندگی کے تمام شعبوں میں جاری کیا جائے، عدلیہ میں قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کے مطابق فیصلے کئے جائیں، حدود اللہ کا اجراء کیا جائے، اسلامی قانون کتاب وسنت اور فقہ اسلامی میں مدون ومرتب موجود ہے، صدیوں اس پر عمل ہوتا رہا ہے، وہ آج بھی نافذ کیا جا سکتا ہے۔

کسی ملک کے دار الاسلام بننے کا مدار کس چیز پر ہے؟

تمام علمائے امت کا اتفاق ہے کہ کسی خطۂ زمین کے دار الاسلام بننے کا مدار اس بات پر نہیں کہ وہاں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب کیا ہے، بلکہ اس کا مدار قانون اسلام کے نفاذ پر ہے، جس ملک میں برسر اقتدار طبقہ کی جانب سے عوام کو اسلامی قانون کے فیوض وبرکات سے مستفید ہونے کا موقعہ نہ دیا جائے، جہاں کفر اور جاہلیت کا

---

(۱) سنن ابن ماجه، المقدمة، باب اتباع النبي صلى الله عليه وسلم ص: ۲، ط: قديمي

آئین وقانون مسلط ہو اور جہاں کے بے بس عوام مسلسل احتجاج کے باوجود خدائی قانون کے بجائے طاغوتی قانون کے مطابق اپنے مقدمات فیصل کرانے پر مجبور ہوں، اسے ہزار بار مسلمانوں کا ملک کہہ لیجئے لیکن اسے حقیقی معنی میں اسلامی مملکت اور دارالاسلام کہتے ہوئے حیا آتی ہے۔ اسلام کے گھر میں بھی اگر اسلام کو قدم ٹکانے کی اجازت نہ ہو تو وہ مسلمانوں کا گھر تو ہوسکتا ہے لیکن کیا دنیا کا کوئی عقلمند اسے اسلام کا گھر مان ے گا؟ پاکستان اگر واقعی ''دارالاسلام'' اسلام کا گھر ہے تو یہاں کے دس گیارہ کروڑ فرزندان اسلام اور اس کے قائدین سے اپیل بے جا نہ ہوگی کہ خدا کے لئے اس گھر میں اسلام کو قدم رکھنے کی جگہ دیجئے اور اسے اپنے گھر کی اصلاح کرنے دیجئے۔

اسلام کیا ہے؟

بعض حضرات کی زبان فیض ترجمان سے اسلامی اقدار، اسلامی اصول، اسلامی نظریہ حیات اور اسلامی مساوات جیسے مبہم الفاظ وقتاً فوقتاً سننے میں آتے ہیں، یہ تعبیر بڑی غلط فہمی اور تلبیس کا موجب ہوسکتی ہے، اسلام صرف چند مبہم اصولوں یا اعلیٰ اخلاقی قدروں کا نام نہیں، بلکہ وہ عقائد، عبادات، معاملات، تعزیرات اور اخلاق کے تفصیلی قوانین کا مجموعہ ہے۔ اسلام اگر زنا، چوری، ڈکیتی، قتل، شراب نوشی جیسی گھناؤنی حرکات کو جرائم قرار دیتا ہے تو ان کے انسداد کے لئے ایک مفصل تعزیراتی نظام بھی دیتا ہے، وہ جہاں معاشی تحفظ کا وعدہ دیتا ہے وہاں اقتصاد و معاش کی جائز اور ناجائز صورتیں بھی بتاتا ہے، اگر وہ معاملات میں عدل اجتماعی پر زور دیتا ہے تو اس کے لئے ایک دیوانی قانون بھی رکھتا ہے، اگر وہ اصلاح معاشرہ کی ذمہ داری لیتا ہے تو اس کے لئے ایک کامل نظام ہدایت بھی دیتا ہے۔

الغرض زندگی کا کون سا گوشہ ہے جس کے لئے اسلام نے تفصیلی قوانین وضع نہ کئے ہوں، دارالاسلام وہی ہوسکتا ہے اور اسلامی مملکت وہی ہوسکتی ہے جہاں اسلام کی ہمہ گیر فرمانروائی ہو اور جہاں اسلام کے وہ تمام احکام وقوانین جاری ہوں جن کی تفصیلات کتاب وسنت اور فقہ اسلامی میں موجود ہیں اور جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر زوال خلافت کے آخری دور تک عمل ہوتا رہا ہے، جو لوگ اسلام کا نام لیتے ہوئے شرماتے ہیں اور صرف اسلامی اصول اور اسلامی مساوات جیسی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں ان کے بارے میں یہ اندیشہ غلط نہیں کہ وہ اسلام کے نام پر ''جاہلیت جدیدہ'' لانا چاہتے ہیں۔

یکم جنوری سے شروع ہونے والا نیا سال ملک میں نئے انقلاب اور نئی تبدیلیوں کا پیغام لا رہا ہے، پردہ غیب سے کیا کچھ طلوع ہوگا؟ اس کا ٹھیک علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے تاہم حالات کی نزاکت بتاتی ہے کہ اس موقعہ پر ادنیٰ غفلت اور معمولی لغزش بے حد تباہ کن اور سنگین نتائج کی حامل ہوگی، اس لئے ضروری ہے کہ قوم کا ایک ایک فرد یہ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرے کہ مجھے کل اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کی جواب دہی کرنا ہوگی، اگر خدانخواستہ وقت کی نزاکت کا صحیح احساس نہ کیا گیا اور جس مقصد کی خاطر پاکستان بنا تھا اسے پس منظر میں ڈال دیا گیا تو اس کا

خمیازہ پوری قوم کو دنیا و آخرت میں بھگتنا ہوگا۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی ذمہ داری مارشل لاء حکومت پر عائد ہوتی ہے، موجودہ حکومت کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ اس نے قوم کے تمام طبقات کے لئے اطمینان بخش پالیسی اختیار کی ہے، اسے اس سے آگے بڑھ کر ایسی پالیسی بھی اختیار کرنی چاہئے جس سے اللہ اور رسول خوش ہو جائیں اور ایسے اقدامات بھی کرنے چاہئیں جس سے اسلامی نظام کے قیام کے امکانات روشن ہوں اور حکومت کو رضائے خداوندی کا تمغہ ملے۔ دوسری ذمہ داری طبقہ علماء پر عائد ہوتی ہے کہ تمام نزاعات کو بالائے طاق رکھ کر کامل یکسوئی، جانفشانی اور للّٰہیت کے ساتھ قوم کا ذہن اسلام کے سایہ رحمت کے لئے تیار کریں۔ تیسری ذمہ داری قوم کے قائدین اور سیاست دانوں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ فروعی اور علاقائی نعروں کو چھوڑ کر صرف اسلام کے لئے کام کریں، سب سے آخری اور عظیم ذمہ داری مسلم عوام پر عائدہ ہوتی ہے کہ وہ صرف اسلام کے لئے اپنا حق رائے دہی استعمال کریں، یہ گذارشات نہایت اختصار کے ساتھ پیش کی گئی ہیں، ضرورت ہوئی تو انشاء اللہ کسی صحبت میں اس پر مفصل معروضات پیش کی جائیں گی۔

اے اللہ! ہماری حالت زار پر رحم فرما اور ہمیں ایسے اعمال کی توفیق عطا فرما جس سے تو راضی ہو اور ہمیں ایسی حرکات سے بچا یو جو دنیا و آخرت میں تیرے غضب کا موجب ہیں۔

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ صفوۃ البریۃ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

[ذوالقعدہ ۱۳۸۹ھ-جنوری ۱۹۷۰ء]

شریعت اسلامیہ کا نفاذ اور پاکستان

اسلام دین رحمت ہے اور ہر مسلمان جس کے دل میں ایمان کی رمق بھی موجود ہو اس کی دلی تمنا یہی ہوگی اور یہی ہونی چاہئے کہ وہ اسلام کی سراپا عدل ورحمت حکمرانی کو ہر شعبہ زندگی میں جاری وساری دیکھے، اسی کی خاطر مسلمانوں نے پاکستان کا مطالبہ کیا تھا، مگر گزشتہ ربع صدی میں اسلام سے سرد مہری اور لاپرواہی کا جو مظاہرہ ہوتا رہا اسے دیکھتے ہوئے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ پاکستان کی سرزمین میں اسلامی شریعت کے نفاذ کے لئے شاید عمر نوح کی ضرورت ہوگی، انگریز کی ذہنی غلامی اور مغرب کے بے خدا تمدن سے مرعوبیت ہم لوگوں پر کس حد تک مسلط ہے؟ اس کا اندازہ کرنے کے لئے صرف ایک چھوٹی سی مثال کافی ہے۔ تیس اکتیس سال کا طویل عرصہ گذرنے کے بعد ہمارے ارباب اقتدار کو اسلام پر بس اتنا رحم آیا کہ یوم جمعہ کی سرکاری تعطیل کا اعلان کیا گیا اور وہ بھی فی الفور نہیں بلکہ اس شرط کے ساتھ کہ آئندہ جولائی سے اتوار کے بجائے جمعہ کی تعطیل ہوا کرے گی، بلاشبہ جمعہ ایک عظیم تر اسلامی شعار ہے اور جمعہ کا دن مسلمانوں کے نزدیک اس سے کہیں بڑھ کر مقدس و معظم ہے جتنا کہ عیسائیوں کے نزدیک اتوار، عیسائی ممالک میں ہفتہ وار چھٹی اتوار کو ہوتی ہے اس کے برعکس تمام ممالک اسلامیہ عربیہ میں یہ شعار

ہمیشہ سے قائم ہے کہ ہفتہ وار تعطیل بجائے اتوار کے جمعہ کو ہوتی ہے، مگر اسلامی قوانین کے مقابلے میں اس کی کیا حیثیت ہے؟ اور جب اکتیس سال بعد صرف یوم جمعہ کی تعطیل کا اعلان ہو سکا تو غور فرمایئے کہ اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے کتنی صدیاں درکار ہوں گی۔

سیرت کانفرنس اور اسلام

قیام پاکستان سے لے کر آج تک ہمارا ملک ارباب اقتدار کے دعووں کے باوجود اسلام اور اسلامی قانون سے محروم ہے اور اسلامیت کا بھرم رکھنے کے لئے سراسر مصنوعی سہاروں سے کام لیا جا رہا ہے۔ چنانچہ قومی سیرت کانفرنس کی بنیاد رکھی گئی جس کی اسلام میں کوئی اہمیت نہیں، اسلام کے قرون اولیٰ، قرونِ مشہود لہا بالخیر میں اس کا کہیں پتہ تک نہیں ملتا، پس اسلامیت کی نمائش کے لئے ان مصنوعی چیزوں کو اپنانا درحقیقت اس امر کی علامت ہے کہ قوم میں اصلی روح تو باقی نہیں رہی اس لئے اس مصنوعی ڈھانچے سے دلوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

صحابہ و تابعین سیرت کانفرنسیں منعقد نہیں کرتے تھے نہ انہیں ضرورت تھی، کیونکہ اس دور میں ہر مسلمان اپنی شکل و وضع، رفتار و گفتار، نشست و برخاست، عبادات و معاملات الغرض اپنی ایک ایک چیز سے سیرت نبوی کا عملی نمونہ پیش کرتا تھا، مسلمانوں کی زندگی کا ایک ایک شعبہ اپنی جگہ عملی سیرت کانفرنس تھا، سیرت نبوی ان کا قول نہیں عمل تھا، گفتار نہیں کردار تھا، وہ اسی پر جیتے تھے اور اسی پر مرتے تھے، اس کے برعکس جب سے سیرت نبوی کو زندگی کے ایک ایک شعبہ سے خارج کر دیا گیا، سیاسیات و معاملات تو کجا شکل و وضع تک سیرت نبوی کے مطابق نہ رہی تو سیرت کی یاد منانے کے لئے سیرت کانفرنسیں ہونے لگیں، یہ گویا بزبان حال اس امر کا اعتراف ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ دنیا سے ختم ہو گئی ہے اور ہمارے کسی شعبہ زندگی میں اس کی نمود نہیں، چلو اس سیرت گم گشتہ کی یاد منانے کے لئے سیرت کانفرنس یا میلاد کی محفلیں گرم کریں، عیسائی قومیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت و کردار کو فراموش کر کے جس طرح ان کا یوم میلاد مناتی تھیں مسلمانوں نے بھی اسی کی نقالی شروع کر دی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی یادگار منانے کا سلسلہ چھٹی صدی ہجری میں موصل کے بادشاہ نے شروع کیا تھا، اگرچہ وہ محض محفل نہ تھی بلکہ فقراء و مساکین پر ہزاروں دینار خرچ کئے جاتے تھے، انہیں کھانا کھلایا جاتا تھا اور کپڑے تقسیم کئے جاتے تھے، بہرحال خدا فراموش قوم کو اسوۂ رسول یاد دلانے کے لئے سیرت کانفرنسیں منعقد کی جاتی ہیں لیکن جب مقصد ہی محض نمائش اور نقالی ہو تو اس پر کیا نتائج مرتب ہو سکتے ہیں؟ چنانچہ ان کانفرنسوں سے ان محفلوں سے کتنے لوگوں کی اصلاح ہوئی! کتنی سیرتیں بنیں! کتنی صورتیں درست ہوئیں! کتنے لوگ نمازی بن گئے! کتنے باخدا بن گئے! یہ فیصلہ آپ خود فرمالیں۔

پھر ستم بالائے ستم یہ کہ اس بے جان رسمی چیز کو اتنی اہمیت دی جاتی ہے کہ گویا اسلام کا سب سے بڑا شعار قائم کیا جا رہا ہے، بڑی شد و مد سے اعلان کیا جاتا ہے کہ جناب بھٹو صاحب اس کا افتتاح کریں گے اور اس پر طرہ یہ کہ یہ نمائش ٹھیک اس وقت کی جاتی ہے جب جناب بھٹو صاحب الیکشن کے لئے کمندیں ڈالیں گے، گویا انتخاب میں کامیابی کے لئے پبلک کو اسلامی کارناموں کا یقین دلانا ضروری ہے، اس کے لئے بطور وسیلہ سیرت کانفرنس استعمال ہوگی اور انتخابی معرکہ میں سیاسی اسلحہ کا کام دے گی، بس یہی اسلام ہے جو سیاست میں کام آئے گا:

”لا دین الا السیاسة“

گزشتہ پانچ سالوں میں حسن اتفاق سے قادیانی امت کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا مگر کب؟ جبکہ ان کے حوصلے اتنے بڑھ گئے کہ مسلم نوجوانوں کو کھلے دن میں ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا اور اس کے ردعمل کے طور پر پوری قوم شعلۂ جوالہ بن گئی اور پھر جب قادیانی گروہ کے سربراہ مرزا ناصر احمد نے قومی اسمبلی میں وہ بیان دیا جس سے تمام ارکان اسمبلی، ملک کا صدر اور وزیراعظم اور تمام امت مسلمہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں، جب جاکر آنکھیں کھلیں کہ اب فیصلہ کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے کروڑوں افراد جو عقیدہ ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں بقول قادیانیوں کے نعوذ باللہ کافر و مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں یا پھر مرزا کی جدید نبوت پر ایمان لانے والے کافر و مرتد ہیں، بیک وقت دونوں کو مسلمان تسلیم نہیں کیا جا سکتا، فیصلہ واضح تھا کہ منکرین ختم نبوت ہی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، اس لئے تمام اراکین اسمبلی نے متفقہ طور پر امت مرزائیہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا، بلاشبہ بھٹو صاحب کے دور حکومت میں یہ قابل قدر فیصلہ ہوا تھا لیکن صد افسوس کہ اڑھائی برس گزرنے پر بھی اس کے لئے مناسب قانون سازی نہیں کی گئی، گویا بکری نے دودھ دیا مگر مینگنیاں ڈال کر، اس کی وجہ تو یہ ہے کہ بھٹو صاحب دل سے اس فیصلہ پر راضی ہی نہ تھے اس لئے دفع الوقتی کے لئے آئین میں تو ترمیم کر دی گئی مگر قادیانیوں کی دل جوئی کے لئے قانون سازی سے گریز کیا گیا، شاید اس کو آئندہ انتخابات میں طمع دلانے کے لئے چھوڑا گیا تا کہ اس کو انتخابی نعرہ بنایا جا سکے اور اس کے ذریعہ شکار ہو سکے، آئندہ پانچ سالوں میں شاید یہ وعدہ بھی پورا کر دیا جائے کہ اس کے لئے مناسب قانون سازی ہو جائے لیکن کیا اس ملک میں کوئی ایسا وقت آئے گا کہ شراب پر پابندی ہوگی؟ زنا جرم قرار پائے گا؟ اور اس پر شرعی حد جاری ہوگی؟ عائلی قوانین جو ایوبی دور کی بدترین یادگار ہیں کبھی منسوخ کئے جائیں گے؟ جن کی رو سے دوسری شادی تو قابل تعزیر جرم ہے لیکن داشتہ رکھنا اور شب و روز حرام کاری اور بدکاری کرنا کوئی جرم نہیں۔

اسلام کے ہزاروں مسائل ہیں اور بے شمار قوانین و ضوابط ہیں۔ اب اگر ہر ایک ضابطہ کے لئے پانچ پانچ سال کا عرصہ درکار ہو تو حساب لگا لیجئے کہ کیا اسلامی قانون کے نفاذ کا کام عمر نوح میں انتہا کو پہنچ سکتا ہے؟ ہمارا

ناقص خیال تو یہ ہے کہ اگر ارباب اقتدار نے اپنے دعووں کی پاسداری کی یہی وضع قائم رکھی جواب تک رہی ہے تو یہ عرصہ بھی قطعاً کافی نہیں بلکہ شاید صور اسرافیل تک یہی سلسلہ رہے گا، آخر دنیا ختم ہو جائے گی مگر اس بدنصیب ملک میں اسلامی قانون کے نفاذ کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ اسلام کی خدمت کے نمائشی وعدے کرنا اور پھر ان سے انحراف کر لینا سیاست کا کھیل بن چکا ہے، تحریک پاکستان سے لے کر اب تک یہ خوشنما وعدے ہوتے رہے مگر وعدہ وفائی کی شاید نیت ہی نہیں ہوتی نہ اس کی توفیق ہوتی ہے، ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اگر خدا اور رسول پر ایمان ہے، قیامت کے حساب وکتاب پر ایمان ہے، آخرت کی جزا وسزا پر ایمان ہے تو یہ طرز عمل کیوں اختیار کیا جاتا ہے، اسلام سے بے اعتنائی و بے وفائی کیوں اختیار کی جاتی ہے، موت وحیات کا سلسلہ اس عالم میں جاری ہے، خدا تعالیٰ کی ذات یکتا و بے ہمتا مالک الملک ہے اسی کے قبضہ میں عزت وذلت ہے اور دنیا ایک عبرت کدہ ہے، رات دن اور صبح وشام عبرت انگیز واقعات آنکھوں کے سامنے آتے ہیں، ظالموں کا انجام بھی دیدہ عبرت سے مخفی نہیں، عاد وثمود کے واقعات کو تو جانے دیجئے عصر حاضر کی تاریخ بھی نو بہ نو واقعات سے لبریز ہے۔

حق تعالیٰ عقل وفہم نصیب فرمائے، اس ملک کے ارباب اختیار واقتدار کو اسلام کی سچی وفاداری نصیب ہو اور ان کا نام ظالموں کے بجائے خدا تعالیٰ کے وفادار اور نیک وعادل حاکموں کی فہرست میں لکھا جائے۔

وصلى الله تعالى على خير خلقه صفوة البرية محمد وآله واصحابه واتباعه الى يوم الدين

[صفر ۱۳۹۷ھ-فروری ۱۹۷۷ء]

اسلامی مملکت کیسی ہونا چاہیے؟

عرصہ دراز کے بعد ایک خطہ حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو عطا فرمایا تا کہ یہ خطہ اس آخری دور میں ملت مسلمہ کی ایک مثالی مملکت ہو جہاں حق تعالیٰ کے قوانین عدل جاری ہوں اور اس مملکت کے باشندے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے مالا مال ہوں اور ظاہری وباطنی برکات سے سرفراز ہوں، یہاں سکون قلب نصیب ہو، جان ومال وآبرو محفوظ ہو، امن وعافیت کی زندگی ہو، ظلم وعدوان کا دور ختم ہو، ہر شخص اس امانت الٰہیہ کا حق امانت ادا کرے، راعی ہو یا رعیت، فوج ہو یا پولیس، حاکم ہو یا محکوم، تاجر ہو یا زمیندار، دکاندار ہو یا مزدور۔ ہر شخص اپنا فرض منصبی ادا کرے اور اطمینان کا سانس لے اور راحت کی زندگی گزارے اور صحیح معنی میں جنت جیسی زندگی ہو:

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

حقیقت میں اسلامی زندگی دنیا میں ہی جنت کی زندگی ہوتی ہے، سب سے بڑی عظمت جو صحیح اسلام کی دولت سے نصیب ہوتی ہے وہ سکون قلب اور عافیت واطمینان ہے، اگر ہزاروں نعمتیں حاصل ہوں، مال ودولت کی فراوانی ہو، عیش وعشرت کے تمام وسائل واسباب میسر ہوں لیکن قلبی سکون نہ ہو اور حزن وغم سے قلب حزیں ہو تو یہ تمام نعمتیں بے سود ہیں اور تمام باغ وبہار بے کار:

بہارِ گل دل آسودہ رابکار آید
چودل ملول بود گل بدیدہ خار آید

خیال یہی تھا کہ پاکستان کے وجود میں آتے ہی ایک نیا نقشہ ہوگا جس طرح روئے زمین کے نقشہ پر پاکستان کا وجود رونما ہوا اسی طرح زندگی کا ایک نیا نقشہ ہوگا، اخوت ومودت کا عالم ہوگا صوبائی اور قبائلی وطنی اور لسانی تفریق مٹ جائے گی، نہ سندھی، نہ پنجابی، نہ پٹھان، نہ بلوچ، نہ مہاجر، نہ اصلی باشندہ، اسلام کی عالمگیر اخوت کا مظاہرہ ہوگا، نہ مشرقی کا فرق نہ مغربی کا فرق، ایک اسلامی روح تمام جسم پاکستان میں جلوہ گر ہوگی، راعی یا سربراہ مملکت کے دل میں اپنی رعیت کی محبت ومودت ہوگی، ان کے سامنے تمام باشندے یکساں ہوں گے، بلا تفریق وطن اور بلاتمیز مسلک سب حقوق انسانی برادری کے اصول سے یکساں طور پر ادا ہوں گے، قرآن وحدیث میں جو کچھ اسلامی اخوت کے حقوق واصول بیان ہوئے ہیں اور جن کا ایک اچھا خاصا حصہ اس حقیر مجلہ ''بینات'' کے صفحات پر بار بار پیش کرنے کی سعادت حاصل کی گئی ہے خیال تھا کہ یہ نقشہ سامنے آئے گا بے تاب نگاہیں اور تڑپتے ہوئے دل اس کے مشاہدے سے تسکین روح حاصل کریں گے، لیکن جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے آپ کے سامنے ہے، عیاں راچہ بیاں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ درحقیقت سب سے بڑی مصیبت صالح قیادت کا فقدان ہے بالکل ابتداء میں کچھ توقع ہوگئی تھی لیکن چشم زدن میں وہ توقع ختم ہوگئی:

از ماست کہ بر ماست

حدیث نبوی میں جو ارشاد ہوا کہ:

''بادشاہ یا اسلامی مملکت کا سربراہ حق تعالیٰ کا اس زمین میں سایہ ہے(۱)''، یہ ظل خداوندی یہ سایہ الٰہی اگر نصیب ہو تو پھر کس بات کا خطرہ؟ خلافت الٰہیہ کا صحیح مظہر ایک اسلامی ملک کا سربراہ ہی ہوسکتا ہے، حق تعالیٰ شانہ کی ربوبیت کا پورا ظہور نسل انسانی میں کسی ملک کا صالح فرمانروا ہی ہوتا ہے، اس کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کا وہ ذمہ دار ہوتا ہے، بھوکوں پیاسوں کے لئے تمام انتظامات کرتا ہے، ضروریات زندگی کی کفالت کرتا ہے، غرض کہ تمام رعایا کے لئے ہر طرح صحیح معنوں میں ملجا وماوی ہوتا ہے، حق تعالیٰ سے صحیح تعلق ہوتا ہے، پاکیزہ

---

(۱) شعب الایمان للبیہقی، فصل فی فضل الامام العادل ج:۶ ص:۱۵، ط: دار الکتب العلمیة بیروت

اخلاق، پاکیزہ زندگی، باخدا زندگی کا مظہر اتم ہوتا ہے، مظلوم پر رحم کرتا ہے، ظالم سے مظلوم کے لئے انتقام لیتا ہے، جس طرح ان کی جسمانی ضروریات اور امراض کے لئے مستشفیات وہسپتال قائم کرتا ہے، رعایا کی جان و مال کی حفاظت کے لئے پولیس کا نظام کیا جاتا ہے، مملکت کے حدود کی دشمن اسلام سے حفاظت کے لئے فوجیں ہوتی ہیں، سلسلہ معاش، وسائل رزق اور نقل وحمل اور درآمد وبرآمد کے لئے صحیح تدابیر ہوتی ہیں، مظلوم کے لئے ظالم سے داد خواہی کے لئے شرعی محاکم عدلیہ کا نظم ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ، ٹھیک اس طرح روحانی واخلاقی کردار کی درستگی کے لئے دل وجان سے لگ کر مؤثر تدبیریں اختیار کی جاتی ہیں، لیکن وائے ناکامی ہو کیا رہا ہے؟ کونسی برائی ہے جو روز افزوں ترقی پر نہ ہو؟ بلکہ مختلف تدبیروں سے مسلسل ان برائیوں کو معاشرے میں پھیلایا جارہا ہے اور نئی نسل بری طرح ان کی شکار ہورہی ہے، افسوس کہ یہ ملک تباہی وبربادی کے کنارے پر پہنچ چکا ہے۔

مسلمانوں کی دردناک صورتِ حال اور اس کا سبب

دراصل جو موجودہ دردناک صورت حال کا نقشہ ہے کچھ ایسا محسوس ہورہا ہے کہ معاشرہ اتنا تباہ وبرباد ہو چکا ہے کہ اب ان سے انتقام لیا جارہا ہے کہ ان پر ایسے بے رحم مسلط ہورہے ہیں کہ الامان والحفیظ، ایک بحران ہے ایک اضطراب ہے، ایک انتشار ہے، ہر طرف بے قراری، بے چینی، بدامنی اور خودغرضی، نہ کسی کی جان محفوظ، نہ کسی کی آبرو محفوظ، آج کارخانے کا مالک ہے کل نان شبینہ کا محتاج ہے، کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ کل کیا افتاد پیش آجائے، ہر طرف اقتدار کی مجنونانہ ہوس ہے، نہ رحم ہے، نہ عاطفہ، نہ اخلاق، نہ خداترسی، گرانی روز افزوں بڑھ رہی ہے، بے ایمانی بدمعاملگی اور بدعہدی کا دوردورہ ہے، نہ پولیس اپنا فرض ادا کرتی ہے، نہ حاکم کو اپنے زیردستوں کی فکر ہے، نہ مزدور کو چین نہ کارخانہ دار کو سکون نہ زمیندار کو اطمینان، نہ کاشت کار کو قناعت، ہر طرف حرص ہی حرص ہے، مال ودولت کی بھوک ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتی، ملک کی پیداوار خزانہ شاہی بھرنے کی غرض سے باہر جاتی ہے، تاکہ زر مبادلہ حاصل ہوجائے، لوگ بھوک سے مر رہے ہیں اور یہاں کی پیداوار باہر بھیجی جارہی ہے، غریب نان ونفقہ کے لئے تڑپ رہے ہیں اندرونی ملک اپنی پیدا کردہ چیزوں سے محروم ہے اور جو کچھ زرمبادلہ حاصل ہوتا ہے وہ عیاشی وفحاشی کی نذر ہوتا ہے یا پھر چند مخصوص افراد کے پیٹ میں پہنچ جاتا ہے، غریب پھر بھی محردم رہتا ہے، نہ ملک کو زرمبادلہ سے فائدہ پہنچتا ہے نہ ملک اپنی پیداوار سے نفع اندوز ہوتا ہے، عمدہ شکر وچینی باہر جائے اور اندرونی ملک گڑ کے لئے ترستا رہے، ٹیکس پر ٹیکس کا وہ عالم کہ کوئی حد نہیں، غریب ومزدور بھوکا ہے اس کے پاس نہ بدن ڈھکنے کا کپڑا ہے نہ سر چھپانے کی جگہ، نہ پیٹ بھرنے کا کوئی ذریعہ ہے نہ وہ علاج کا چارہ کرسکتا ہے، جب یہ لوگ تمام ضروریات زندگی کے لئے محتاج نظر آتے ہیں تو سوشلزم کی آواز اٹھاتے ہیں اور نفاق سے اس کے ساتھ اسلام کا پیوند لگانے کا نعرہ بھی لگا دیتے ہیں اور اسلامی سوشلزم لانے کی چیخ وپکار کرتے ہیں تاکہ ان نعروں سے مزدوروں

وغریبوں کو دھوکا دے سکیں، کبھی جاگیروں پر قبضہ کرنے کا ارادہ کرتے تو کبھی کارخانوں کو قومیانے کی تحریک کرتے ہیں، اسلام میں نہ سوشلزم کی گنجائش نہ کمیونزم کی گنجائش، نہ کسی کی جائیداد و مال پر قبضہ کرنے کی گنجائش، اسلام کا عادلانہ نظام اسلامی حکومت کے تمام شہریوں کی عام ضروریات کا کفیل ہوتا ہے، سربراہ مملکت گلی کوچوں میں پھر کر غریبوں کی خبر گیری کرتا ہے، نہ وہاں کوئی بھوکا رہتا ہے نہ کروڑوں کا مالک ہوتا ہے۔

اسلام کیا سکھاتا ہے؟

اسلام مالدار کے دل میں خداترسی پیدا کر کے رحم دلی پیدا کرتا ہے، اسلام فقیر کے دل میں آخرت کی نعمتوں کی یاد تازہ کرتا ہے اور اسے صبر وقناعت پر آمادہ کرتا ہے اور قناعت کی دولت سے اسے مالا مال کر دیتا ہے، اغنیاء کو انفاق کی ترغیب دے کر جنت کی نعمتوں کا مستحق بناتا ہے، اسلام سراپا خیر ہے، سراپا سعادت ہے، اسلام سکون قلب کا سرچشمہ ہے، اسلام پاکیزگی سکھاتا ہے، اسلام انسان کو فرشتہ بناتا ہے، اسلام کو چھوڑ کر قیامت تک دنیا کا کوئی نظام بھی عالم کی اصلاح نہیں کرسکتا، اسلام کو چھوڑ کر خسارہ ہی خسارہ اور بربادی ہی ہے، نہ معلوم ان عقل کے دعویداروں کو کیا ہوگیا کہ اتنا بھی نہیں سمجھتے جو تمدن وتہذیب یورپ سے آیا ہے اور جس کی رات دن نقالی کی جارہی ہے آخر اس کا کیا حشر ہوگا؟ اسلام کے آفتاب عالم تاب کو چھوڑ کر ان ظلمت کدوں سے کیا نور ملے گا؟ اور کیونکر فلاح کا راستہ نظر آئے گا؟ آج یورپ وامریکہ کی دنیا سراسر شہوات کی حیوانی دنیا ہے۔ وہ انسانیت کے تصور سے بھی محروم ہیں، انسانی صورتوں میں خالص درندے اور چارپائے ہیں، آج ان کی نقل اتارنا دنیا کو ہلاکت میں دھکیلنا ہے، انسانیت سے حیوانیت کی طرف لے جانا ہے، نور سے ظلمت کی طرف لے جانا ہے، سکون وطمانیت سے بےچینی کی طرف لے جانا ہے، آج کل ہماری مملکت خداداد کا جو حشر ریڈیو اور ٹی وی پر ہورہا ہے یہ خطرناک مستقبل کی پیش گوئیاں کررہا ہے، لا فعل الله وأعاذنا منه (خدا کرے ایسا نہ ہو اور اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے)۔

آج اس ملک میں جو مناظر بازاروں، سڑکوں اور تفریح گاہوں میں نظر آرہے ہیں انہیں دیکھ کر مسلمانوں کو ڈوب مرنا چاہیئے، یہ سب کچھ تاریک عاقبت کی نشاندہی کررہا ہے، اللہ تعالیٰ اس امت پر رحم فرمائے، بجاہ نبیه الکریم علیه صلوات الله وسلامه۔

درحقیقت یہ سب کچھ صالح قیادت کے فقدان سے ہورہا ہے، اگر صالح ہمدرد اور ملک کے لئے مخلص قیادت نصیب ہوتی تو آج یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا اور جس دردناک حسرت ناک مقام پر پہنچ گئے نہ پہنچتے، صحیح اسلامی تعلیمات اور اسلامی تربیت نہ ہونے سے کالجوں، اسکولوں اور یونیورسٹیوں کا جو حال ہورہا ہے آپ کے سامنے ہے، حیرت ہی حیرت ہے، کارخانے کے مزدوروں کو چھوڑیئے وہ غیر تعلیم یافتہ ہیں، ان تعلیم یافتگان کی حالت ملاحظہ کریں، یاد رکھو اور گوش ہوش سے سنو، جب تک صحیح اسلام نہ لایا جائے گا نہ تو رشوتیں ختم ہوں گی، نہ قارونی

حرص ختم ہوگی، نہ ہوس اقتدار ختم ہوگی، نہ عدالتوں میں انصاف ملے گا، نہ جان محفوظ ہوگی نہ مال محفوظ ہوگا، نہ آبرو محفوظ ہوگی نہ قلب کو سکون میسر ہوگا، نہ زندگی میں آرام نصیب ہوگا، یہ سب نعمتیں اسلام کی بدولت نصیب ہوتی ہیں، لیکن یادرکھو کہ زبان کا اسلام نہیں، نام کا اسلام نہیں بلکہ ظاہر وباطن میں صحیح اسلام کی ضرورت ہے تاکہ نہ حق تعالیٰ کے حقوق میں تقصیر ہو نہ بندوں کے حقوق میں تقصیر ہو:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ [الاعراف:۹۶]

اگر یہ بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین کی نعمتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن جھٹلایا انہوں نے تو ان کے اعمال کے بدلے ان کو پکڑ لیا ہم نے۔

اسلامی مملکت کے صحیح خدوخال

کسی اسلامی مملکت کے صحیح خدوخال یہ ہیں کہ وہاں اسلامی تعلیمات وہدایات کی جلوہ نمائی ہو، اسلامی شعائر کا پرچم بلند ہو، اسلامی اقدار کا بول بالا ہو اور ایک مسلمان سربراہ مملکت کی ادنیٰ علامت یہ ہے کہ دینی قدروں کو خواہشات والحاد کی سیم اور تھور سے اور اسلامی شعائر اور خصائص کو موسمی ہواؤں کی زد سے محفوظ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ اسلام کی عزت ووقار کے نازک آبگینہ کو معمولی ٹھیس سے بھی بچائے۔ اسے اسلامی تہذیب پر فخر ہو اور غیر اسلامی تہذیبوں سے بغض ونفرت۔

کل تک مسلمان یہ ماتم کررہے تھے کہ ایرانی شہنشاہیت کا رشتہ ہزاروں سال کی پارینہ وکافرانہ تہذیب سے جوڑا جارہا ہے اور آج اس پر ماتم کیجئے کہ خود اپنے ملک کا ایک حلقہ پانچ ہزار سالہ کافرانہ تہذیب سے رشتہ عقیدت وابستہ کررہا ہے اور اس بت پرستانہ تہذیب کے احیاء کے لئے کروڑوں کی بھیک مانگی جارہی ہے جسے قہر خداوندی کے تازیانہ نے پیوند خاک کردیا تھا، خبر ملاحظہ فرمائیے:

''لاڑکانہ ۲۲ رفروری صدر ذوالفقار علی بھٹو کل موئن جوداڑو میں سہ روزہ بین الاقوامی سیمینار کا افتتاح کریں گے، صدر کل صبح ۱۰ ربجے موئن جوداڑو ائیرپورٹ پر پہنچیں گے، جہاں ان کا استقبال مرکزی وزیر قانون مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ، مرکزی وصوبائی وزراء، اعلیٰ حکام، افسران اور شہری کریں گے ان کے ہمراہ وزیراعلیٰ سندھ ممتاز بھٹو بھی ہوں گے''۔

معلوم ہوا ہے کہ موئن جوداڑو کو سیم وتھور کی تباہی سے بچانے کے لئے پاکستان نے سات کروڑ ڈالر کی امداد طلب کی تھی لیکن یونیسکو نے صرف ایک کروڑ ڈالر دینے پر رضامندی ظاہر کی۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۲۴ رفروری)

اور یہ سب کچھ اس ملک میں ہو رہا ہے جس کا نصف اعلیٰ خود آثار قدیمہ بن چکا ہے جس کا باقی ماندہ دھڑ بھی فتنہ وفساد کے سیم اور تھور کی زد سے محفوظ نہیں جس کے زندہ نوادرات ہی موسمی ہواؤں کی وجہ سے شکست وریخت کا نشانہ بنے ہوئے ہیں، جہاں انتشار وخلفشار کی طوفانی موجیں امن وعافیت کی دیواروں سے ٹکرار ہی ہیں اور جہاں غریب عوام کو پیٹ بھرنے کو روٹی، ستر پوشی کے لئے کپڑا اور سر چھپانے کے لئے جھونپڑا میسر نہیں:

بریں عقل ودانش بباید گریست

کیا پاکستان کے موجودہ حالات میں تباہ شدہ تہذیبوں کو زندہ کرنے کے لئے شاہی دربار منعقد کرنا اور اس کے لئے بھیک مانگ مانگ کر قومی دولت لٹانا قرین عقل ہے؟ اسلامی تہذیب واقدار کو زندہ درگور کرنا اور ہزاروں برس کی مردہ تہذیبوں کو کھود کر قومی ہیرو بنانا کیا اس بات کی علامت نہیں کہ یہ قوم ذہن وفکر کی ساری صلاحیتیں کھو کر خود آثار قدیمہ بن چکی ہے؟

ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی تھی کہ:

”لا تدخلوا مساكن الذين ظلموا انفسهم الا ان تكونوا باكين ان يصيبكم ما اصابهم“(۱)

ان تباہ شدہ ظالموں کی بستوں میں داخل ہونا پڑے تو روتے ہوئے داخل ہو، مبادا جو عذاب ان پر نازل ہوا تمہیں بھی اپنی لپیٹ میں لے لے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا عملی نمونہ بھی پیش فرمایا چنانچہ جب غزوہ تبوک کو جاتے ہوئے قوم ثمود کی بستیوں کے کھنڈرات سے گذرے تو سر مبارک ڈھانک لیا اور نہایت تیزی کے ساتھ وہاں سے نکل گئے۔ مگر آج ہماری گمراہی وکجراہی کا تماشا دیکھئے کہ انہی تباہ شدہ بستیوں کو ”تماشا گاہ عالم“ بنایا جارہا ہے، وہاں کانفرنسیں بلائی جاتی ہیں، محفلیں جمائی جاتی ہیں، عیش وعشرت کی داد دی جاتی ہے اور قوم اس پر فخر ومباہات کا غلغلہ بلند کر رہی ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہم تو یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ نہ معلوم ہمارا بدنصیب ملک کس طرف جارہا ہے اور افسوس کہ ہمارے سیاہ دن ابھی تک ختم نہیں ہوئے یا بالفاظ دیگر ہم ابھی تک سزا وابتلاء کے دور سے نہیں نکلے، اللہ تعالیٰ اس ملک کی حفاظت فرمائے اور حکمرانوں کو صحیح اسلامی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

اللهم اهد قومی فإنهم لایعلمون

[صفر ۱۳۹۳ھ-اپریل ۱۹۷۳ء]

---

(۱)صحيح البخاري، كتاب الانبياء،باب قول الله:والى ثمود اخاهم صالحا الخ ج:۱ ص٤٧٨،ط: قديمى. صحيح مسلم،كتاب الزهد،باب النهى عن الدخول على اهل الحجر الا من يدخل باكيا ج:۲ص:٤١٠،ط:قديمى

مملکت پاکستان اور مسلمانوں کا فریضہ

طاقت وقوت، دولت وثروت اور حکومت وسلطنت اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم نعمتیں ہیں جو مسلمانوں کو صرف اس لئے دی جاتی ہیں کہ ان کے ذریعہ اس سرزمین پر اللہ تعالیٰ کا قانون اور احکامات نافذ کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق بنیں، چنانچہ تقریباً ایک ہزار سال تک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان نعمتوں سے سرفراز فرمایا لیکن جب مسلمان قومیں دولت وحکومت کے نشہ میں مست ہوکر اس مقصد سے منحرف وروگرداں اور اس کی پاداش کے طور پر سلطنت کی اہلیت سے محروم ہوگئیں تو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں بھی ان سے چھن گئیں، کہیں تو بالکلیہ ان نعمتوں سے محروم ہوئیں اور کہیں حقیقۃً تو چھن گئیں برائے نام رہ گئیں۔

اسی قانون فطرت کے تحت متحدہ ہندوستان پر صدیوں مسلمانوں کا اقتدار اعلیٰ برقرار رہا ہے اور اسلامی پرچم اس پورے برصغیر پر لہراتا رہا لیکن آخر شامت اعمال کے برے نتائج سامنے آئے اور برطانوی استعمار کے ابوالہول نے مسلمانوں کی عزت وعظمت، دولت وثروت اور حکومت وسلطنت سب خاک میں ملادی۔

غلامی کی رسواکن ٹھوکریں کھانے کے بعد آنکھ کھلی تو عرصہ دراز تک تو بارگاہ الٰہی میں گریہ وزاری اور آہ وفغاں کرتے رہے اور کچھ عرصہ دولت رفتہ کو دوبارہ حاصل کرنے کی تدبیریں بھی کیں اور قربانیاں بھی دیں آخر پھر دریائے رحمت جوش میں آیا اور توفیق الٰہی نے سہارا دیا اور چھنی ہوئی سلطنت کا کچھ حصہ دوبارہ بطور امتحان عطا فرمایا اسی کا نام پاکستان ہے۔

ظاہر ہے کہ پاکستان کی تشکیل کا واحد مقصد حکومت الٰہی کا قیام تھا، نعمت حق کا خوان یغما اس کا نام لینے والی مخلوق کے لئے بچھانا تھا، اس کے قانون رحمت قانون عدل وانصاف اور قانون حکمت وعدالت کو اس پاک سرزمین پر نافذ کرنا تھا تاکہ اس ارض پاک پر ایک پاکیزہ معاشرہ کی تشکیل وتعمیر ہو اور اس پاکیزہ ماحول میں ایک خدا پرست صالح امت وجود میں آئے اور وہ اپنے پاکیزہ کردار اور اہلیت وصلاحیت کی بناء پر ہندوستان کے بقیہ حصہ کی وراثت کی صحیح معنی میں مستحق بنے، دین ودنیا ہر اعتبار سے ایک معیاری حکومت فلاحی مملکت اور ایمانی قوت سے مسلح قوم بن کر جلد از جلد اس قابل ہو جائے کہ امت مسلمہ کے چھ کروڑ نفوس جو ایک ظالم وجابر اور بے رحم اقتدار کے آہنی شکنجہ میں کراہ رہے ہیں ان کو اس ''دیو استبداد'' کے خونخوار پنجے سے نجات دلائے۔

یہی ہماری آرزو ہے اور یہی ہر مسلمان کی تمنا ہونی چاہئے، اسی خواہش کے تحت ''بینات'' کے صفحات پر جو کچھ لکھا جاسکا لکھا گیا کسی کسی وقت طرز بیان سخت اور درشت بھی ہو گیا ہے اور تنقید نے شدید لہجہ بھی اختیار کرلیا، لیکن الحمد للہ! جو کچھ اب تک لکھا گیا ہے اور جو کچھ آئندہ لکھا جائے گا وہ محض اخلاص پر مبنی اور اسی قلبی آرزو کی ایک دبی ہوئی تڑپ ہوتی ہے جو تیز وتند تعبیر اور طرز ادا کی شکل اختیار کرلیتی ہے، ہوسکتا ہے کہ حقیقت ناشناس طبائع کے

لئے ہماری یہ تلخ نوائی قابل اعتراض ہو، ہوا کرے، واقعہ بہر حال یہ ہے ہم نہ رسمی سیاست جانتے ہیں اور نہ سیاست حاضرہ کے مرد میدان ہیں نہ کسی سیاسی جماعت سے تعلق ہے نہ اس کی ترجمانی، نہ قومی اسمبلی میں کوئی کرسی حاصل کرنے کی خواہش ہے نہ کسی کرسی وزارت کی تمنا، ہاں یہ خواہش اور کوشش وکاوش ضرور ہے کہ قومی یا صوبائی اسمبلی کی کرسی پر بیٹھنے والے اور قلمدان وزارت وحکومت سنبھالنے والے افراد اس کرسی اور قلمدان کی واقعی اہلیت کسی نہ کسی طرح ضرور پیدا کرلیں اور جس طرح وہ دنیا میں عزت وعظمت سے ہمکنار ہوئے تھے اسی طرح آخرت کی سرخروئی سے بھی ضرور سرفراز ہوں، یعنی اللہ تعالیٰ کے قانون عدل وانصاف کو اس پاک سرزمین میں ضرور نافذ اور استوار کریں تاکہ اسلامی مملکت کا وقار خالق ومخلوق دونوں کی نظروں میں پیدا کرسکیں اسی مقصد کے لئے ہم وقتاً فوقتاً ان کو جھنجھوڑتے رہتے ہیں۔

بہرحال جس طرح ہر پاکستانی کا طبعی اور فطری جذبہ یہ ہے اور ہونا چاہیئے کہ ہمارا یہ ملک دنیا میں ایک مضبوط اور طاقت ور ملک اور اغیار واعداء کی گوناگوں ریشہ دوانیوں سے ہمیشہ محفوظ رہے اسی طرح ایک سچے پاکستانی مسلمان کے دل میں بحیثیت مسلمان ہونے کے یہ تڑپ بھی ضرور ہے اور ہونی چاہیئے کہ اس مملکت میں اسلامی قانون ضرور جاری ہو اور پاکیزہ اسلامی معاشرہ کی تشکیل ضرور ہو تاکہ حیات طیبہ اور پاکیزہ معیشت کی دینی اور دنیوی برکات سے یہ مملکت مالا مال ہو، لیکن جب بھی وہ یہ محسوس کرے کہ حالات کی رفتار امید اور توقع کے بالکل برعکس ہے اور مقصد فوت ہو رہا ہے پوری قوم مجموعی طور پر سیرت وصورت گفتار وکردار، اخلاق واطوار اور جذبات ورجحانات غرض ہر اعتبار سے ایک خدا فراموش قوم کی صورت اختیار کرتی جارہی ہے تو اس کو یہ اندیشہ اور اس پر جانکاہ صدمہ بھی ضرور ہوگا کہ خدانا کردہ۔ خاکم بدہن۔ یہ آزمائشی طور پر دی ہوئی نعمت کہیں پھر نہ چھن جائے۔

اس لئے کہ کسی بھی شخص کے مسلمان ہونے کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ خدا اور رسول سے معاہدہ کرچکا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی بہرحال اطاعت کرے گا، احکام الٰہیہ کو بہ دل وجان تسلیم اور ان پر عمل پیرا ہوگا اور اگر اس کے ہاتھ میں اقتدار اعلیٰ ہے یا آئے گا تو ان احکام الٰہیہ کو ملک میں نافذ بھی کرے گا، اس حقیقت کے ہوتے ہوئے جب مسلمان اس معاہدہ کی خلاف ورزی کرے گا تو قوی اندیشہ ہے کہ وہ اس عہد شکنی کے جرم کی سزا میں جلد یا بدیر پکڑا نہ جائے۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ ایک مسلمان مملکت کا مسلمان شہری ملک کی اس غیر اسلامی رفتار کو دیکھ کر خاموش بیٹھا رہے۔

دینی اِتحاد

مسلمان ازروئے مذہب جس طرح اس کا مامور ہے کہ اپنے ملک اور قوم کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے اپنی ملکی مسلمان برادری کے حق میں قولاً فعلاً جس طرح ممکن ہو خیر خواہی کرے اسی طرح وہ عالمگیر اسلامی

اخوت کی بنا پر ایک عالمگیر برادری - مسلمانانِ عالم - میں منسلک ہونے کی حیثیت سے مذہباً اس کا بھی مامور ہے کہ ہر ملک کے مسلمانوں کے حق میں قولاً فعلاً جس طرح ممکن ہو خیر خواہی اور خیر سگالی کا فرض ادا کرے، قرآن کریم کے واضح ارشادات اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح احادیث اس عالمی اسلامی خیر خواہی کے باب میں بکثرت موجود ہیں۔

اس لئے کہ مسلمان کے لئے عالمگیر رابطہ عالم اسلام اور عالمگیر رشتہ اخوت اسلامی اور دینی وحدت ہے جس میں تمام روئے زمین کے مسلمان منسلک ہیں، نہ قومیت مسلمانوں کا رشتہ اتحاد ہے، نہ وطنیت، نہ رنگ اور نہ نسل۔ اسلامی قومیت کی اساس اتحاد خون و نسل، اتحاد ملک و وطن اور اتحاد رنگ و روپ سب سے برتر اور وراء الوراء خالص دینی اتحاد ہے جو محض ایک روحانی اور معنوی رشتہ ہے اور ظاہر ہے کہ روحانی رشتہ مادی رشتہ سے بہت زیادہ اعلیٰ وارفع اور قوی و محکم تر ہوتا ہے، اس لئے تمام اسلامی حکومتوں اور تمام ممالک کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس روحانی رشتہ - اسلامی وحدت - کو ہر طرح کے اضمحلال اور ضعف سے محفوظ کر کے قوی سے قوی تر بنائیں۔

مجمع البحوث الاسلامیہ

اسی روحانی رشتے، اسلامی وحدت اور علمی و دینی مشکلات کو باہمی تبادلہ خیالات کے ذریعہ متفقہ صورت میں حل کرنے کی غرض سے پچھلے مہینے جناب شیخ ازہر قاہرہ کی دعوت پر برفاقت حضرت مولانا مفتی محمود صاحب ۳۰ر دسمبر ۶۶ء کو قاہرہ جانا ہوا، یہ دعوت محض علمی اور دینی نقطہ نگاہ سے مجمع البحوث الاسلامیہ کی تیسری سالانہ کانفرنس کی شرکت کے لئے دی گئی تھی۔

جامع ازہر کے تین اہم شعبے ہیں:

① پہلا شعبہ ادارۃ الازہر ہے جس کے ماتحت معاہد ازہریہ اور کلیات ازہر (ازہر کے اسکول اور کالج) ہیں اور مختلف قدیم و جدید علوم و فنون میں تخصص (پی، ایچ، ڈی) کا ایک وسیع نظام ہے۔ اسی شعبہ کے ماتحت مدینة البعوث الاسلامیة (بیرونی اسلامی ممالک کے طلبہ کا شہر) ہے جس میں ساٹھ ممالک اسلامیہ کے پانچ ہزار طلبہ مختلف مراحل (تعلیمی درجوں) میں زیر تعلیم ہیں گویا یہ انہی طلبہ کی تعلیمی اور اقامتی بستی ہے۔

② دوسرا شعبہ المجلس الاعلی للشئون الاسلامیہ ہے جس کا سالانہ بجٹ ۲۵ر لاکھ پونڈ ہے، اس شعبہ کا کام تمام مسلم اور غیر مسلم ممالک کے لئے عصری تقاضوں کے مطابق اسلامی لٹریچر تیار کرنا اور پہنچانا ہے، اس شعبہ کا قابل ذکر اور لائق فخر بے نظیر کارنامہ "المصحف المرتل" ہے، یہ ۴۴ر ریکارڈوں میں بھرا ہوا پورا قرآن عظیم ہے جو مذکورہ ذیل عالمی شہرت کے مالک اساتذۂ فن قرأت و تجوید نے پڑھا ہے اور ریکارڈ کیا گیا ہے:

① الشیخ محمود حصری۔ ② القاری عبدالباسط عبدالصمد۔

③الشیخ محمد صدیق المنشاوی۔ ④القاری مصطفیٰ کامل۔

جو روزانہ قاہرہ کے مختلف اور متعدد ریڈیو اسٹیشنوں سے مستقل طور پر پڑھا جاتا ہے، علاوہ ازیں جہاں بھی ضرورت ہوتی ہے اس کے مکمل اسطوانات (ریکارڈ) بھیج دیئے جاتے ہیں، اسی طرح روزہ نماز، حج، زکاۃ وغیرہ اسلامی احکام کے ریکارڈ بھی جید علماء سے بھروائے گئے ہیں جو مصر اور مختلف ممالک میں بھی حسب ضرورت بھیجے جاتے ہیں۔

اس وقت اس شعبہ کے سربراہ (ڈائریکٹر) الاستاذ محمد توفیق عویضہ نہایت پرجوش فعال اور بااخلاق نوجوان ہیں۔

③ تیسرا شعبہ مجمع البحوث الاسلامیہ (ادارہ تحقیقات اسلامی) ہے اس شعبہ کا کام یہ ہے کہ عصر حاضر میں جدید تمدن سے پیدا شدہ پیچیدہ اور دشوار مسائل کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں حل کئے جائیں اور اسلام اور اس کی تعلیمات واحکام پر ملحدین خصوصاً یہودی اور عیسائی مستشرقین نے جو اعتراضات کئے اور شکوک وشبہات پیدا کئے ہیں ان کے محکم اور مسکت جوابات دیئے جائیں، نیز جدید نسل کی تربیت اور جدید معاشرہ کی تشکیل کے لئے اسلام کے جن پہلوؤں کو واضح کرنے کی ضرورت اور اس مادیت کے دور میں اسلام کو جس اسلوب میں پیش کرنے کی حاجت ہے اس کے مطابق پیش کیا جائے اور ثابت کیا جائے کہ اس تاریک دور میں صرف اسلام کی روشنی میں ہی انسانی معاشرہ کی تطہیر واصلاح ممکن ہے۔

اس ادارہ کے مستقل اراکین جامع ازہر کے جدید وقدیم علوم کے ماہر چیدہ وبرگزیدہ علماء ومشائخ کے علاوہ اور دیگر اسلامی ممالک عربیہ کے چند سرفہرست علماء ومشائخ بھی شامل ہیں۔ (جن میں سے معروف ومتعارف حضرات کے اسماء گرامی گذشتہ ماہ کے ''بینات'' میں ذکر کئے گئے ہیں)

ان حضرات کے ذمہ مذکورہ بالا مقاصد کے تحت تجویز شدہ عنوانات ومسائل پر مبسوط مقالات ومضامین تیار کرنا اور مجمع البحوث الاسلامیہ کی سالانہ کانفرنس میں پڑھنا ہوتا ہے، اس کانفرنس میں مختلف اسلامی ممالک کے اور ان ملکوں کے جہاں مسلمان معتد بہ مقدار میں آباد ہیں مستند اور معروف علماء کو ہر سال ازہر کے خرچ پر اس کانفرنس میں شرکت کی اور تیار شدہ مقالات ومضامین پر تبادلہ خیالات اور جرح وتنقید کرنے کی عام دعوت دی جاتی ہے، تاکہ مجمع البحوث کے اراکین کے تیار کردہ مقالات ومضامین اور پیچیدہ ودشوار مسائل کے حل متفقہ فیصلہ کے بعد عالم اسلام میں پیش کئے جائیں اور تمام علماء امت کے لئے قابل قبول ہوں۔

چنانچہ اس ادارہ کی یہ تیسری کانفرنس تھی سابقہ دو کانفرنسوں کی مکمل کاروائی مبسوط مقالات اور مضامین نہایت شاندار طریق پر تقریباً ۵۰۰؍ صفحات کی ضخیم کتاب کی شکل میں طبع کرا کے تمام شرکاء کانفرنس میں تقسیم کئے گئے۔

بہرحال کانفرنس کے مندوبین کا کام یہ ہوتا ہے کہ طے شدہ عنوانات ومسائل پر جو مقالات دوران

سال اراکین نے تیار کئے ہیں جن کی ٹائپ شدہ کاپیاں تمام مندوبین کو اجلاس سے اتنے وقت پہلے تقسیم کر دی جاتی ہیں کہ وہ پڑھ کر بحث و تنقیح کے لئے تیار ہو سکیں، ہر مقالہ نگار اپنے مقالہ کو خود پڑھتا ہے اور مندوبین کی بحث و تنقیح یا جرح و تنقید کا یا جواب دیتا ہے یا تسلیم کر کے اپنے مقالہ میں ترمیم کرتا ہے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ اگر کوئی مقالہ اسلامی روح تشریع کے منافی پڑھا گیا ہے تو مندوبین کے احتجاج پر اس کو مجمع البحوث کی کارروائی سے بالکل خارج کر دیا گیا ہے۔

الغرض ایک خالص علمی اور دینی کانفرنس ہوتی ہے نہ سیاسی مسائل زیر بحث آتے ہیں نہ سیاسی تجاویز پاس کی جاتی ہیں، البتہ مندوبین کے اعزاز و احترام اور پاس جذبات کی خاطر ان کو موقع دیا جاتا ہے کہ اگر کوئی مندوب (ڈیلی گیٹ) اپنے ملکی یا ملی مسائل پر کوئی تقریر کرنا چاہے یا مقالہ پڑھنا چاہے تو اس کو موقع دیا جاتا ہے اور کلمۃ الوفود (مندوبین کے بیان) عنوان سے مقامی پریس والے اس ٹائپ شدہ تقریر یا مضمون کو بطور خود اخبارات میں شائع کر دیتے ہیں۔ مجمع البحوث کی طرف سے بعینہ وہ بیان یا اس کا خلاصہ الگ چھپتا ہے اور اگلے روز تمام مندوبین میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

بہر حال یہ مؤتمر کوئی عام سیاسی طرز کی کانفرنس نہیں ہوتی جیسا کہ پاکستان کے پریس والے اور اخبارات کے قارئین نے ناواقفیت کی بناء پر سمجھا ہے اور غلط فہمی میں مبتلا ہوئے ہیں۔

اس کے برعکس سعودی حکومت کے تحت الرابطۃ الاسلامیہ کے نام سے جو ادارہ قائم ہے اس کی نوعیت بالکل سیاسی ہے اس کی بھی سالانہ کانفرنس ہر سال ہوتی ہے اور عام اسلامی سیاست سے متعلق تجاویز اس کانفرنس میں پاس ہو کر شائع ہوتی ہیں شاید یہی اشتباہ غلط فہمی کا منشاء ہو کہ مجمع البحوث الاسلامیہ کو بھی الرابطۃ الاسلامیہ کی قسم کا سیاسی ادارہ سمجھ کر اس سے بھی اسی قسم کی تجاویز کی توقع قائم کر لی گئی ہو جیسی الرابطۃ الاسلامیہ میں پاس ہوتی ہیں۔

بہر حال مجمع البحوث الاسلامیہ کی حیثیت مصر میں وہی ہے جو پاکستان میں مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی کی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ مجمع البحوث کا پورا انظام جید اور مستند علماء امت کے ہاتھ میں ہے اور تمام امت کے علماء کے اتفاق رائے سے فیصلے کئے جاتے ہیں اور پاکستان کے ادارہ تحقیقات اسلامی کے سیاہ و سفید کا مالک اور مطلق العنان سربراہ (ڈائریکٹر) ایک مَیکگل یونیورسٹی کا تعلیم و تربیت یافتہ مستشرقانہ نظریات کا داعی آزاد خیال نیم عالم ہے، اسی کے ہم خیال و ہمنوا اس ادارہ کے تمام محققین اور لکھنے والے ہیں۔

اس فرق کے نتیجہ میں ہر دو اداروں کی متضاد تحقیقات کے مندرجہ ذیل مظاہر اور آثار و شواہد ہیں:

① پاکستان کے ادارہ تحقیقات اسلامی کا فیصلہ ہے کہ زکاۃ اسلامی حکومت کا ایک ٹیکس ہے اس میں کمی بیشی تغیر و تبدل اور تصرف کا کلی اختیار حکومت وقت کو حاصل ہے۔

مصر کی مجمع البحوث الاسلامیہ کا فیصلہ ہے کہ زکاۃ ایک مالی عبادت ہے اس کی شرح میں کمی بیشی اموال

زکاۃ میں تغیر وتبدل وغیرہ کا اختیار امت کے کسی بھی فرد یا جماعت کو حاصل نہیں ہے۔

② پاکستانی ادارہ تحقیقات اسلامی کا فیصلہ ہے کہ شاہی فرمان (آرڈی ننس) کے ذریعہ ملک میں جاری کردہ عائلی قوانین کے تحت اگر طلاق بصورت تحریر نہ ہو تو واقع نہ ہوگی اور دوسری شادی زوجہ اوّل کی رضا مندی اور عدالت کی اجازت کے بغیر قانوناً جائز نہ ہوگی۔

مصر کی مجمع البحوث الاسلامی کا فیصلہ ہے کہ شوہر کے زبانی طلاق دیتے ہی نافذ ہوجائے گی اگر چہ بصورت تحریر طلاق نہ بھی دی جائے، نیز دوسری شادی کے لئے نہ زوجہ اول کی رضامندی کی ضرورت ہے اور نہ عدالت کی اجازت کی حاجت، شرعی طریق پر گواہان کی موجودگی میں زوجین کے ایجاب وقبول کے بعد نکاح ثانی درست ہے۔

③ پاکستان کے ادارہ تحقیقات اسلامی کے نزدیک غذائی پیداوار اور معاشی وسائل کے اندیشہ کی بناء پر ضبط تولید اور تحدید نسل جائز اور درست ہے۔

مصر کی مجمع البحوث کے نزدیک قومی سطح پر تحدید نسل اور ضبط تولید دینی اقتصادی، فوجی اور سیاسی غرض ہر اعتبار سے سخت مضر اور شرعاً ناجائز ہے۔

④ پاکستانی ادارہ تحقیقات اسلامی کے نزدیک بینک کا سود قطعاً جائز ہے۔

مصر کی مجمع البحوث کے نزدیک ہر قسم اور ہر طرح کا سود قطعاً ناجائز اور حرام ہے۔

ظاہر ہے کہ جہاں بھی اسلامی تحقیقاتی ادارہ کا نظام ایسے عالم نما جاہلوں اور بے لگام لکھنے والوں کے ہاتھ میں ہوگا جو ڈنکے کی چوٹ پر نیا اسلام (ماڈرن اسلام) تیار کرنے کا اعلان کر رہے ہیں وہاں دینی مسائل اور اسلامی شرائع واحکام کا یہی حشر ہوگا اور جہاں اسلامی تحقیقات کا نظام مستند اہل علم کے ہاتھوں میں ہوگا وہاں کبھی اس قسم کے الحاد وتحریف اور خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین میں قطع برید اور مسخ وتشویہ (صورت بگاڑنے) کا وسوسہ بھی پاس نہیں پھٹک سکتا خیال تو بڑی بات ہے۔

انتہائی افسوس اور شرم کا مقام ہے کہ ہمارا اتنا بڑا ملک جس کے بسنے والے نہ صرف علماء دینی اور علمی رفعت کے اعتبار سے بلکہ عوام بھی دینداری اور مذہبی روایات کی عملی پابندی کے اعتبار سے آج بھی مصر وشام وحجاز وغیرہ ممالک اسلامیہ سے گوئے سبقت لے گئے ہیں اور جو اسلامی معاشرہ کے اعتبار سے بھی مغربی تہذیب ومعاشرت کے زہریلے جراثیم سے نسبتاً محفوظ ہے اور عوام تو دینی تمسک اور تصلب اور پختگی میں ان ممالک سے کہیں آگے ہیں وہاں تو دین اور اس کے احکام میں یہ علانیہ قطع برید اور مسخ وتحریف ہو رہی ہو اور ایک آزاد اور یورپی تہذیب ومعاشرت میں سرتاپا غرق ملک میں دین اور اسلامی احکام وشرائع کی ہر قسم کے الحاد وتحریف سے اس طرح حفاظت ہو رہی ہو۔

ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان کی عملی زندگی اور عوام کی دینی حالت ان تمام تر خرابیوں کے باوجود جن کو ہم بغرض اصلاح وقتاً فوقتاً گناتے رہتے ہیں۔ آج تمام عالم اسلامی سے بہتر ہے پھر ایسی قوم پر گوناگوں حیلوں اور فریب کاریوں سے زبردستی غیر اسلامی معاشرہ مسلط کرنا شریعت کے صریح خلاف اور منافی احکام آرڈی ننس کے زور سے نافذ کرنا اور جان بوجھ کر الحاد وتحریف کے دروازے کھولنا کتنا بڑا ظلم وعدوان ہے:

لمثل هذا يذوب القلب عن كمد
ان كان فى القلب اسلام وايمان

اسی جیسی صورت حال پر دل غم کے مارے پگھلتے ہیں بشرطیکہ ان دلوں میں اسلام اور ایمان موجود ہو۔

مصری حکومت میں ہم نے جس چیز کا خطرہ سب سے زیادہ محسوس کیا وہ دو ہیں:

① مصری حکومت نے اشتراکی نظام -سوشلزم- کو پوری طرح اپنا لیا ہے بڑی بڑی جاگیرداریاں ختم کر دی ہیں، بڑی بڑی صنعتیں حکومت نے اپنی ملکیت میں لے لی ہیں اور اس اشتراکیت کے حق میں اتنی شدت کے ساتھ پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے کہ اس اشتراکیت نے عقیدہ کی صورت اختیار کر لی ہے، اس لئے شدید خطرہ ہے کہ یہ اشتراکیت -سوشلزم- شیوعیت- کمیونزم- کی سیڑھی نہ بن جائے چنانچہ متحدہ جمہوریہ مصر کے مخالفین نے تو ابھی سے اشتراکیت کو شیوعیت کا درجہ دے کر مخالفانہ پروپیگنڈے کا بازار گرم کر رکھا ہے۔

② دوسرا خطرہ یہ ہے کہ علماء ومشائخ آسودہ حالی اور ترفہ وتنعم (رئیسانہ زندگی) کے اس قدر عادی بن گئے ہیں کہ اگر ان کو حق بات کہنے میں اس ترفہ وتنعم (رئیسانہ زندگی) اور خوشحالی سے محروم ہو جانے کا ذرا بھی اندیشہ ہو تو وہ حق بات کہنے کی جرأت نہیں کرتے اس لئے ان سے آنے والے تباہ کن خطرہ کے سامنے سینہ سپر ہونے کی توقع اٹھتی جا رہی ہے۔

یہ مصر ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ مغربی تہذیب ومعاشرت کا جو تباہ کن سیلاب آ رہا ہے تمام ممالک اسلامیہ خصوصاً عرب ممالک تو اس کی خاص زد میں آئے ہوئے ہیں اور سب سے زیادہ اس سیلاب کی طوفان خیز موجوں میں بہہ رہے ہیں۔ بلکہ ڈوب رہے ہیں۔ دوسری طرف عرب قومیت کا بھوت سب کے سروں پر بری طرح سوار ہے اسلام کا نعرہ بھی برائے نام رہ گیا ہے اس پر مستزاد یہ کہ مال ودولت کی فراوانی وطغیانی کے جو زہریلے اثرات ہوا کرتے ہیں وہ بری طرح پیدا ہو رہے ہیں۔

ان حالات کو دیکھ کر شدید مایوسی ہوتی ہے جب تک کوئی لطیفہ غیبیہ ربانیہ فوق العادہ طریق پر ظاہر نہ ہو کوئی اصلاح کی توقع نہیں، بجز اس کے کہ دین اور اسلام کا درد رکھنے والے مسلمان رب العالمین کی بارگاہ میں سر بسجود اور دست بدعا ہوں کہ:

ربّنا لا تجعلنا فتنة للقوم الظالمين ونجنا برحمتك من القوم الكافرين. ربنا

لا تجعلنا فتنة للذين كفروا واغفر لنا ربنا انك انت العزيز الحكيم. وصلى الله على صفوة البرية خاتم النبيين وحبيب رب العالمين سيدنا محمد وآله واصحابه وعلماء امته وصالحى عباده وبارك وسلم.

[شعبان ١٣٨٦ھ]

حکومت کے اوصاف اور سربراہ کے فرائض

بلاشبہ حکومت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے بشرطیکہ حکومت صالح ہو، اور صالح حکومت وہی ہے جو اپنی رعایا کی جان ومال اور عزت وآبرو کی محافظ اور ان کی ضروریات زندگی کی کفیل ہو، جس کے زیر سایہ رعیت کا ہر شخص سکون واطمینان کی زندگی بسر کرتا ہو، حکمراں کے دل میں رعیت سے ہمدردی ومحبت ہو، ملکی ضروریات میں وہ عقل وتدبر اور عاقبت اندیشی سے کام لیتا ہو، قوم وملک کی راحت رسانی کے لئے مضطرب اور بے چین ہو، تاجر، زمیندار، مزدور اپنی اپنی جگہ مطمئن ہوں، تجارت وزراعت پیشہ افراد پر ٹیکسوں کا بوجھ اتنا ہو کہ وہ برداشت کرسکیں، مظلوم کو ظالم سے نجات حاصل ہو، مملکت میں بداخلاقی وبے حیائی کے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے مؤثر تدابیر ہوں، فساد پیشہ افراد کی کڑی نگرانی ہو، حکام فرض منصبی ادا کرتے ہوں اور ان کی کوتاہی پر شدید باز پرس ہو، رشوت سے ملک پاک ہو، انصاف وعدل حکومت کے ہر شعبے میں جلوہ گر ہو، داخلی نظم ونسق وحفاظت کا نظام بے نظیر ہو، خارجی خطرات اور سرحدوں کی حفاظت کے لئے فوجی نظام قابل تعریف ہو، حکمران رحم دل ہو، بہادر ہو، مدبر وسیاستداں ہو، قابل قدر سیاست سے قوم کی کشتی کو منزل مقصود پر پہنچانے کی صلاحیت رکھتا ہو، تباہی وبربادی کی موجوں سے اپنے سفینے کو ساحلِ کامرانی پر صحیح وسلامت پہنچانے کی اہلیت رکھتا ہو، ایسی بداخلاقیوں میں مبتلا نہ ہو جن کی وجہ سے رعیت اور قوم کے دلوں میں اس کا وقار نہ رہے، کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے اس کی عزت قلوب سے نکل جائے۔

الغرض شائستہ سیرت ہو، ملک کا خیرخواہ ہو، مملکت کو ہر طرح بامِ عروج تک پہنچانے کی اہلیت رکھتا ہو، خوش کردار وخوش گفتار ہو، مملکت کو ہر خطرے سے محفوظ رکھنے کا ذمہ دار ہو، عاقل، مدبر اور دور اندیش ہو، بردبار وحلیم ہو، طیش وغضب میں آنے والا نہ ہو، بلاشبہ ایسی حکومت رحمت ہے اور اگر حسن اتفاق سے کسی اسلامی مملکت کا مسلمان سربراہ ہو تو ان باتوں کے علاوہ اس کا اہم ترین فرض یہ ہے کہ مسلمان قوم کی قیادت قرآن وسنت اور اسلامی قانون کے مطابق کرے، معاشرہ سودی کاروبار سے پاک ہو، زنا وشراب پر پابندی ہو، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے محاکم احتساب قائم ہوں، محاکم عدلیہ میں حق تعالیٰ کا قانون رحمت جاری ہو، شریعت اسلامی کے مطابق فیصلے ہوتے ہوں، چوروں، ڈاکوؤں شراب خوروں اور زناکاروں پر شرعی حدود قائم ہوں، ایسا اسلامی نظام وجود میں آئے کہ دنیا کے بعد آخرت کی زندگی میں ہر مسلمان اللہ تعالیٰ کی جنت اور نعمتوں کا مستحق ہوجائے،

گویا دنیا کے نظام کو درست کرنے میں کافر و مسلمان دونوں برابر کی حیثیت رکھتے ہیں، البتہ اخروی نظام کے لئے مسلمان سربراہ کے فرائض زیادہ ہو جاتے ہیں، عملی فتنوں سے مملکت کو بچانے کی تدبیر میں کوئی تقصیر نہ ہو، اسی طرح علمی فتنوں سے دین اسلام کی حفاظت کی مؤثر تدبیریں اختیار کرے، تعلیم کی بنیاد دین پر ہو اور اسلام کی حفاظت کے ساتھ جدید علوم جو نافع سے نافع تر ہوں ان کی تعلیم کا انتظام ہو، غرض یہ کہ مسلمان حکمران کا فرض منصبی جس طرح دنیا کو درست کرنا ہے ٹھیک اسی طرح آخرت کی زندگی درست کرنے کی تدبیریں بھی اس کے ذمے ہیں، یہ وہ نظام ہے جس کو اسلام نے "السلطان ظل الله فی الارض من اکرمه اکرمه الله و من اهانه اهانه الله"(١) کے منصب عالی پر پہنچا دیا اور جس کو آسمانی وحی نے ﴿اَطِیْعُوا اللهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ [النساء:٥٩] کے بعد ﴿وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ﴾ فرما کر اعلیٰ ترین منصب عطا فرما دیا، اس وقت علمی انداز سے علمائے نفسیات یا علمائے اخلاق نے جو کچھ لکھا ہے، اس کی تفصیل مقصود نہیں، حکماء وفلاسفہ نے جو کچھ لکھا ہے یا ابن خلدونؒ، جلال الدین دوانی اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے جو کچھ لکھا ہے ان باتوں کو لکھنا منظور نہیں:

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

یہاں تو اقتدار کی ہوس ہے جس کی اٹھی اس کی بھینس کا قصہ ہے، نہ صفات عالیہ کی بحث ہے نہ کمالات کا ذکر ہے، اس ملک کی تاریخ اور دور حاضر کے دیگر ملکوں کی تاریخ خواہ اسلامی حکومتیں ہوں یا غیر اسلامی ہوں، ایشیائی مملکتیں ہوں یا یورپی، دیکھ کر عبرت ہی عبرت ہوتی ہے۔ دنیا میں کتنا بڑا زوال آ گیا ہر حکمران مسولینی، ہٹلر اور چرچل کی تاریخ دہرانا چاہتا ہے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کو اپنی اعلیٰ ترین کامیابی سمجھتا ہے، یہاں حیا، رحم دلی، انصاف، خوف خدا خوف خلق خدا کا کیا سوال؟ حدیث نبوی میں ''امام عادل'' عادل حکمران کا مرتبہ ان سات اشخاص میں ذکر فرمایا ہے جو قیامت کے روز عرش کے سایہ میں ہوں گے(٢)۔ موجودہ دور کے حکمرانوں کی حالت دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوق سے ناراض ہو گیا ہے، ان پر بے رحم ظالموں کو مسلط کر دیا ہے جن کے سامنے ہوس اقتدار کے سوا کوئی اور مسئلہ نہیں۔ حق تعالیٰ نے اس دنیا کے مناصب کو اتنا ذلیل کر دیا ہے کہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا مصرعہ صادق آتا ہے:

طوق زریں ہمہ در گردن خری بینم

دور جانے کی حاجت نہیں اپنے بدنصیب ملک کی تاریخ پر ایک نظر ڈالو یکے بعد دیگرے یہاں کیسے کیسے

---

(١) شعب الایمان للبیهقی، فصل فی فضل الامام العادل ج:٦ ص:١٧، ط: دارالکتب العلمیة بیروت

(٢) "عن ابی هریرة رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال: ''سبعة یظلهم الله فی ظله یوم لاظل الا ظله الامام العادل'' الخ، صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوة وفضل المساجد ج:١ ص:٩١، ایضاً کتاب الزکوة، باب الصدقة بالیمین ج:١ ص:١٩١، ط: قدیمی

افراد آئے؟ دیکھئے اور اپنی قسمت کو رو دیئے، اللہ تعالیٰ نے عرصہ دراز کی غلامی کے بعد ایک پاکیزہ خطہ عطا فرمایا تھا تا کہ ہم اپنے وعدوں کو سچ کر دکھا سکیں لیکن جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے آپ کے سامنے ہے، بجز حسرت وافسوس اور آہ و بکا اور کیا کر سکتے ہیں؟ اے اللہ اپنی مخلوق پر رحم فرما، ہمارے اس بگڑے نظام کو تو ہی درست فرما سکتا ہے، ہمارے ان حکمرانوں کو عدل وانصاف کے تقاضوں کے مطابق حکومت چلانے کی صحیح اہلیت عطا فرما تا کہ صحیح معنوں میں یہ حکومت سایہ رحمت، ہو دین ودنیا کی برکات سے مالا مال ہو، رعیت وقوم مطمئن اور آسودہ حال ہو، ظاہری وباطنی ترقیات نصیب فرما، اعدائے اسلام اور کافروں کی ریشہ دوانیوں سے اس مملکت کی حفاظت فرما، راعی و رعیت دونوں کو اپنی ربوبیت کریمانہ عادلانہ کا مظہر بنا، ایسا نظام مبارک عطا فرما جس کے ذریعہ آخرت وجنت کی نعمتوں کے ہم مستحق بنیں، اے اللہ آپ ہر چیز پر قادر ہیں، ہم عاجز ہیں تو قادر ہے۔

وصلى الله على سيد البرية خاتم النبيين محمد وعلى آله وصحبه اجمعين

اسلامی میلہ انگلستان

انگلستان میں اسلامی میلہ ہوا، اسلامی ملکوں اور عرب حکومتوں نے دل کھول کر عطیات دیئے اور اعداء اسلام کو اس کے ذریعہ اسلام اور مسلمان حکمرانوں سے انتقام لینے کا ایسا موقعہ ملا جو تاریخ میں کبھی نہ دیکھا ہوگا تمام تقریروں اور تحریروں میں ڈاکٹر عبدالحلیم محمود شیخ الازہر کی تقریر کے سوا کوئی چیز مسلمان کے لئے خوشی کی نہیں تھی مندوبین کے لئے تمام انتظامات تھے لیکن نماز کے لئے کوئی انتظام نہیں تھا، نہ کسی نے اس کی ضرورت ہی محسوس کی، انا للہ!

''میلہ عالم اسلام'' کے الفاظ ہی اسلام کی نفی کرنے کے لئے کافی تھے اور پھر وہاں جو کچھ ہوا اور مسلمانوں سے جو کچھ کرایا گیا وہ اسلام دشمنی کا بدترین مظہر تھا۔ عجب بات یہ ہے کہ میلہ عالم اسلام کا افتتاح ملکہ برطانیہ نے کیا، گویا عیسائیوں نے مسلمان حکومتوں کی دولت وثروت کے ذریعہ اسلام کو بدنام کرنے کے لئے اس میلے کو استعمال کیا، چنانچہ وہاں سب کچھ تھا دنیا بھر کی خرافات جمع تھیں اگر نہیں تھا تو اسلام یا اسلامی سیرت کا نمونہ نہیں تھا، افسوس ہے کہ مسلمان کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔

حق تعالیٰ عقل وفہم اور ایمان واخلاص نصیب فرمائے۔ آمین

[جمادی الاولی ۱۳۹۶ھ - جون ۱۹۷۶ء]

دستور پاکستان اور اس کی حقیقت

مدتوں کی آرزوؤں، پیہم کوششوں اور عظیم جانی ومالی قربانیوں کے بعد دنیا کے نقشہ پر دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کے نام سے پاکستان وجود میں آیا اور حضرت الاستاذ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی برکات وتوجہات سے قرارداد مقاصد میں اسلام اور کتاب وسنت پر اس مملکت خداداد کی بنیاد قائم ہوئی، کافی

عرصہ کے بعد پاکستان کا دستور بنا اور کتاب وسنت پر اس کی بنیادوں کو استوار کیا گیا۔

الغرض اسلام قرآن عظیم اور سنت نبویہ (علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم) کے نام پر اس جدید مملکت کا دنیا میں تعارف ہوا کچھ عرصہ کے لئے اسلامی تعلیمات بورڈ کے نام پر پاکستان کے لئے اسلامی قانون کے نفاذ کے لئے انتظار کرایا گیا اس کے دفنانے کے بعد اسلامی مشاورتی کونسل اور ادارہ تحقیقات اسلامیہ نے جنم لیا اور باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ اب عنقریب اسلامی قانون بن جائے گا۔

لیکن افسوس کہ ان تمام توقعات کی حقیقت سراب سے زیادہ نہ ثابت ہوئی اور نہ صرف یہ کہ اسلامی قانون کے نفاذ کی کوئی کوشش ہی نہیں کی گئی بلکہ مخالفانہ کوششیں اور قانون سازی جاری رہی اور اعداء اسلام کی مخالفانہ ومعاندانہ کوششوں کو پورے طور پر ہوا دی گئی تاکہ نئی نسل کے دلوں سے حقیقی اسلامی قانون کا تصور ہی ختم ہو جائے اور اس کے بالمقابل اسلام کے خلاف تحریکوں کو پھولنے پھلنے کی پوری آزادی دی گئی اور عملی اعتبار سے معاشرہ میں عمداً ایک ننگ اسلام صورت حال پیدا کر دی گئی، شعائر اسلام کی توہین، منکرات وفواحش کی ترویج میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی گئی اور سب سے زیادہ تباہ کن اور تکلیف دہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ اسلام کے نام پر کیا جا رہا ہے، زبان سے اسلام کا نام لیا جا رہا ہے، قرآن کا نام لیا جا رہا ہے، دین کا نام لیا جا رہا ہے اور رسول علیہ الصلاۃ والتسلیم کی سیرت کے تذکرے بڑے شاندار طریق پر کئے جا رہے ہیں اور انتہائی افسوسناک طریق پر یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ یہی اسلامی تعمیر وترقی ہے، فواحش ومنکرات پر ''ثقافت اسلامیہ'' کا لیبل لگایا جا رہا ہے، لادینی کو دین بنایا جا رہا ہے، مختصر یہ کہ ایک خدا فراموش خدا ناآشنا قوم کے جو اوضاع واطوار ہوتے ہیں وہ پورے طور پر ابھرتے چلے آ رہے ہیں۔ کیا یہ ''کاسہ بدست اسلام'' دنیا کے لئے پیغام امن وسلامتی اور آب حیات بن سکتا ہے؟ اور کیا یہی نفسانی خواہشات کا پروردہ اسلام کمیونزم اور سوشلزم کا مقابلہ کر سکتا ہے؟

انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ نام تو قرآن وسنت کا لیا جا رہا ہے لیکن مسلم عائلی قانون ملک بھر میں نافذ کر کے نکاح وطلاق وعدت وتوریث جیسے اہم مسائل واحکام میں قرآن وسنت کی صریح خلاف ورزی کی جا رہی ہے، نام تو اسلام کا لیا جا رہا ہے لیکن قرآن اور قرآنی روح کے صریح منافی خاندانی منصوبہ بندی کی ترویج پر۔ اس ملک میں جہاں باہمی رضامندی سے زنا جرم نہیں ہے۔ پورا زور صرف کیا جا رہا ہے، آخر اتنا بھی نہیں سوچا جاتا کہ ہم یہ کر کیا رہے ہیں؟ دستور کی بنیاد تو قرآن وسنت پر رکھی گئی ہو اور ملک میں جو قانون نافذ ہو جو منصوبے بنے وہ قرآن وسنت کے خلاف اور منافی ہو، آخر اس منافقانہ دورخی پالیسی کا کیا حاصل ہے؟ جرأت کے ساتھ صاف اعلان کیوں نہیں کر دیا جاتا کہ پاکستان کی حکومت لامذہبی ہے، اسلام سے اس کا کوئی واسطہ نہیں، شام اور الجزائر کی حکومتوں نے غیر اسلامی حکومت ہونے کا اعلان کر دیا کسی نے ان کا کیا بگاڑ لیا؟

آخر اس اعلان کا کیا مقصد ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی اسلامی اصولوں کے منافی نہیں، اسلامی اصولوں

کے منافی ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کرنے کا منصب آپ کو کب سے اور کیوں کر حاصل ہو گیا؟ ملک کی فوجی طاقت متوقع حملہ آوروں کے دفاع اور مقابلہ کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ اس کے فیصلہ کا منصب بے شک آپ کو حاصل ہے اس لئے کہ آپ نے اس میں پوری زندگی بسر کی ہے اس کے اسرار اور رموز کو بے شک آپ سمجھتے ہیں لیکن کسی قانون یا منصوبہ کے اسلام کے منافی ہونے یا نہ ہونے کے فیصلہ کا منصب تو انہی حضرات کو حاصل ہے جن کی زندگیاں اسلامی تعلیمات کے مطالعہ اور فہم میں گذری ہیں۔

علاوہ ازیں ایک خالص غیر اسلامی تحریک یعنی خاندانی منصوبہ بندی کی ترویج واشاعت پر ملک کا خزانہ انتہائی بے دردی سے خرچ کیا جا رہا ہے، پریس کی پوری طاقت نشر واشاعت کے تمام وسائل عوام کو متاثر کرنے کے تمام نفسیاتی ذرائع بروئے کار لائے جا رہے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ ۱۲ / اگست ٦٦ء لاہور سے یہ اطلاع بھی (پ۔پ۔ا) کے ذریعہ شائع کی جا رہی ہے:

''مانع حمل ادویہ کا ناجائز استعمال حکومت کو گہری تشویش: لاہور ۱۲ / اگست (پ پ ا) حکومت مغربی پاکستان کو غیر شادی شدہ شہریوں میں مانع حمل ادویات کے روز افزوں استعمال پر گہری تشویش ہے، باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ صوبائی ارباب اختیار ان ادویات کے ناجائز استعمال کی روک تھام کے سوال پر سنجیدگی سے غور کر رہے ہیں، خیال ہے کہ حکومت ان ادویات کی فروخت پر پابندیاں عائد کر دے گی، جس کی رو سے ضرورت مند شہریوں کو مانع حمل ادویات کی خریداری سے قبل اپنے رہائشی علاقہ کے معزز افراد کا ایک صداقت نامہ پیش کرنا ہوگا کہ وہ واقعتاً شادی شدہ ہیں؟ متعلقہ حکام کو اس بات کا سخت قلق ہے کہ حکومت نے خاندانی منصوبہ بندی کی خاطر مانع حمل اشیاء برائے نام قیمت پر بازاروں میں فراہم کی تھیں لیکن ان کو غیر شادی شدہ افراد خصوصاً نوجوان ناجائز مقاصد کے لئے استعمال کر رہے ہیں، خاندانی منصوبہ بندی چونکہ مرکزی معاملہ ہے اس لئے صوبائی حکومت مرکز سے درخواست کرے گی کہ وہ خاندانی منصوبہ بندی کے نیک کام کو بدنامی اور برائی سے بچانے کے لئے ٹھوس اقدام کرے''۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۱۴ / اگست ٦٦ء)

اس اخلاق سوز تحریک اور منفعت سے بدرجہا زائد مضرت پہنچانے والے منصوبہ کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا، اگر عالم اسباب کے پیش نظر کسی درجہ میں کوئی احتمالی فائدہ ہو بھی سکتا ہو تب بھی ایک ایسا منفعت سے زیادہ مضرت پہنچانے والا منصوبہ اور اس کو کامیاب بنانے کے لئے ایسی غیر محتاط جد وجہد جس کے نتائج معاشرہ کو تباہ کر ڈالنے کی صورت میں ظاہر ہوں کیسے برداشت کیا جا سکتا ہے۔

آخر ایک مدعی اسلام مسلمان کو حق تعالیٰ کی رزاقیت و ربوبیت میں کیوں اور کس طرح شک وشبہ یا تردد دامنگیر ہو سکتا ہے؟ ظاہری وسائل، رزق حلال کی تلاش وجستجو اور اہتمام وانتظام کو رزاقیت کا درجہ کیوں دے دیا گیا؟ ذرا غور کیجئے! اگر کچھ عرصہ پہلے انتظام وانصرام وسائل کا ٹھیکہ دار انسان یہ تصور کرتا کہ ملک میں روزانہ

ایندھن اتنی مقدار میں صرف ہورہا ہے اور ملک میں جنگلات جن سے کوئلہ لکڑی حاصل ہوتا ہے اتنے ہیں، اس رفتار سے تو سو سال میں ملک کے اندر ایندھن کی پیداوار بالکل ختم ہوجائے گی اس لئے اب ملک کے اندر کھانا صرف ایک ہی وقت پکایا اور کھایا جائے تاکہ ایندھن کم خرچ ہو تو ذرا سوچئے کتنا احمقانہ یہ منصوبہ ہوتا آخر مٹی کا تیل، معدنی کوئلہ، الیکٹرک اور پھر معدنی اور مصنوعی گیس وغیرہ قسم قسم کا ایندھن ملک کے اندر ہی لکڑی کوئلہ کی کمی کو پورا کرنے کے لئے وجود میں آ گیا یا نہیں؟

تعجب ہے اللہ تعالیٰ کی ہمہ گیر رزاقیت اور لامحدود خالقیت کے یہ کرشمے ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے کے سامنے آئیں اور اسے اتنی بصیرت نصیب نہ ہو کہ جو ملک کی روز افزوں آبادی کو بڑھا رہا ہے وہی نو بنو وسائلِ معاش اور غذائی مادوں کو پیدا کردینے پر بھی قادر ہے، جو قادر مطلق ملک کی آبادی کو بڑھائے گا وہی ان کے روزی کے ذرائع کو بھی بڑھائے گا اس لئے کہ خالقیت بھی اس کی مخصوص صفت ہے اور رزق رسانی کا ذمہ بھی اسی نے لیا ہے، اسی سلسلہ میں خاص طور پر انسانی تدابیر کی درماندگی و بے چارگی قدم قدم پر عیاں ہے۔

کمیونزم اور اسلام

ابھی ابھی معلوم ہوا ہے کہ ایرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے کراچی کی سرکردگی میں منشور کے نام سے ایک ماہنامہ نکلتا ہے جو آفسٹ پریس پر بارہ ہزار کی تعداد میں چھپتا ہے اور مردوزن کے درمیان مفت تقسیم کیا جاتا ہے اور پی آئی اے کے ملازمین کی تنخواہوں میں سے ماہانہ ایک روپیہ اس ماہنامہ کی اشاعت کے لئے کٹتا ہے۔

ماہنامہ کیا ہے؟ شعائر اسلام کی توہین، علماء دین اور دیندار طبقہ کی تحقیر کمیونزم کی نشر و اشاعت، پاکستان کے خلاف نفسیاتی پروپیگنڈے، ممالک اسلامیہ کے خلاف زہریلے مواد فراہم کرنے کا ایک آرگن ہے۔ اتحاد اسلامی کا مذاق اڑایا جارہا ہے، جولائی ٦٦ء کی اشاعت میں صفحہ ٢٩؍ پر ''اگر اجازت ہو'' کے مستقل عنوان کے تحت پابند صوم وصلاۃ مسلمان کا مذاق اڑایا گیا ہے، الفاظ ملاحظہ ہوں:

''فرشتوں کی ایسی تیسی تم اور تمہارے فرشتے سب فراڈ ہیں''

کیا پاکستان اس لئے بنا تھا کہ اسلامی معتقدات (فرشتوں) کا اس طرح مذاق اڑایا جائے؟

اور تو اور یہ ماہنامہ تو پاکستان کی بنیادوں کو بھی کھوکھلا کررہا ہے، اور کیا ایئر مارشل اصغر خان کو اتنا بھی موقع نہ ملا کہ وہ دیکھیں ان کے حدود و اختیارات میں کیا ہورہا ہے؟ بہرحال واقعات وحقائق دردناک ہیں، اگر ہماری غفلتوں کی یہی حالت رہی تو اسلام و پاکستان خاکم بدہن دونوں کا جنازہ اس ملک سے عنقریب نکل جائے گا اور آنے والی نسل میں خدا کا نام لینے والا بھی کوئی ڈھونڈنے سے نہ ملے گا۔

ضروری تنبیہ

ایمان وکفر، نفاق والحاد، ارتداد وفسق

جس طرح نماز، زکوۃ، روزہ اور حج اسلام کے بنیادی احکام وعبادات ہیں اور دین اسلام میں ان کے مخصوص معنی اور مصداق متعین ہیں، قرآن وحدیث کی نصوص اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے تعامل سے ان کی حقیقتیں اور عملی صورتیں واضح ومسلم ہو چکی ہیں اور چودہ سو سال میں امت محمدیہ اور اس کے علماء ومحققین ان کو جس طرح سمجھتے اور عمل کرتے چلے آئے ہیں اس تواتر وتوارث عملی نے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے، ان عبادات واحکام اور ان نصوص کی تعبیرات کو ان کے متواتر شرعی معانی سے نکال کر کوئی نئی تعبیر اور نیا مصداق قرار دینا یقیناً دین سے کھلا ہوا انحراف ہے، ٹھیک اسی طرح کفر، نفاق، الحاد، ارتداد اور فسق بھی اسلام کے بنیادی احکام ہیں، دین اسلام میں ان کے بھی مخصوص ومتعین معنی اور مصداق ہیں قرآن کریم اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے قطعی طور پر ان کی تعیین وتحدید فرمادی ہے، ان الفاظ کو بھی ان شرعی معانی ومصادیق سے نکالنا کھلا ہوا دین سے انحراف ہوگا اور ان کو از سر نو محل بحث ونظر بنانا اور امت نے چودہ سو سال میں ان کے جو معنی اور مفہوم سمجھے اور جانے ہیں نو بنو تاویلیں کر کے ان سے ہٹانا کھلا ہوا الحاد وزندقہ ہوگا۔

ایمان کا تعلق قلب کے یقین سے ہے اور خاص خاص چیزیں ہیں جن کو باور کرنا اور ماننا ایمان کے لئے ضروری ہے، جو کوئی ان کو نہ مانے قرآن کریم کی اصطلاح اور اسلام کی زبان میں اس کا نام کفر ہے اور وہ شخص کافر ہے، جس طرح ترک نماز، ترک زکاۃ، ترک روزہ اور ترک حج کا نام فسق ہے بشرطیکہ ان کے فرض ہونے کو مانتا ہو صرف ان پر عمل نہ کرتا ہو۔ اور اگر انہی تعبیرات، صلاۃ، زکاۃ، صوم، حج کو اختیار کرنے کے بعد کوئی شخص ان کو معروف ومتواتر شرعی معنی سے نکال کر غیر شرعی معنی میں استعمال کرے یا ان میں ایسی تاویلیں کرے جو چودہ سو سال کے عرصہ میں کسی بھی عالم دین نے نہ کی ہوں تو اس کا نام قرآن کی اصطلاح اور اسلام کی زبان میں الحاد ہے۔

قرآن کریم نے ان الفاظ کفر، نفاق، الحاد، ارتدار کو استعمال فرمایا ہے اور جب تک روئے زمین پر قرآن کریم موجود رہے گا، یہ الفاظ بھی انہی معانی میں باقی رہیں گے۔

اب یہ علماء امت کا فریضہ ہے کہ وہ امت کو بتلائیں کہ ان کا استعمال کہاں کہاں صحیح ہے اور کہاں کہاں غلط ہے؟ یعنی یہ بتلائیں کہ جس طرح ایک شخص یا فرقہ ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے بعد مومن ہوتا اور مسلمان کہلاتا ہے اسی طرح ان ایمان کے تقاضوں کو پورا نہ کرنے والا شخص یا فرقہ کافر اور اسلام سے خارج ہے، نیز علماء امت کا یہ بھی فرض ہے کہ ان حدود وتفصیلات کو یعنی ایمان کے تقاضوں کو اور ان کفریہ عقائد واعمال وافعال کو متعین کریں جن کے اختیار کرنے سے ایک مسلمان اسلام سے خارج ہو جاتا ہے تاکہ نہ کسی مومن کو کافر اور اسلام سے

خارج کہا جا سکتا اور نہ کسی کافر کو مومن و مسلمان کہا جا سکے۔

ورنہ اگر کفر و ایمان کی حدود اس طرح مشخص و متعین نہ ہوئیں تو دین اسلام بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گا اور جنت وجہنم افسانے۔

یاد رکھئے! اگر ایمان ایک متعین حقیقت ہے تو کفر بھی ایک متعین حقیقت ہے، اگر کفر کے لفظ کو ختم کرنا ہے اور کسی کافر کو بھی کافر نہیں کہنا ہے تو پھر ایمان و اسلام کا بھی نام نہ لو اور کسی بھی فرد یا قوم کو نہ مومن کہو نہ مسلمان، رات کے بغیر دن کو دن نہیں کہہ سکتے، تاریکی کے بغیر روشنی کو روشنی نہیں کہہ سکتے، پھر کفر کے بغیر اسلام کو اسلام کیونکر کہہ سکتے ہو؟ اور پھر یہ کہنا اور فرق کرنا بھی سرے سے غلط ہوگا کہ یہ مسلمانوں کی حکومت ہے اور یہ کافروں کی اور یہ تو اسلامی حکومت ہے اور وہ کفریہ حکومت ہے، پھر تو حکومت سیکولر اسٹیٹ یعنی لادینی حکومت ہوگی، غرض کفر اور کافر کا لفظ ختم کرنے کے بعد تو اسلامی حکومت کا دعویٰ ہی بے معنی ہوگا یا پھر یہ لفظ الیکشن جیتنے کے لئے ایک دل کش نعرہ اور حسین فریب ہوگا۔

غرض یہ ہے کہ علماء پر۔ کچھ بھی ہو۔ رہتی دنیا تک یہ فریضہ عائد ہے اور رہے گا کہ وہ کافر پر کفر کا حکم اور فتویٰ لگائیں اور اس میں پوری پوری دیانت داری اور علم و تحقیق سے کام لیں اور ملحد و زندیق پر الحاد و زندقہ کا حکم اور فتویٰ لگائیں اور جو بھی فرد یا فرقہ قرآن و حدیث کی نصوص و تصریحات کی رو سے اسلام سے خارج ہو اس پر اسلام سے خارج اور دین سے بے تعلق ہونے کا حکم اور فتویٰ لگائیں جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو، قیامت نہ آ جائے۔

چونکہ کفر و اسلام کے حکم لگانے کا معاملہ بے حد اہم اور انتہائی نازک ہے اور ایک شخص جذبات کی رو میں بھی بہہ سکتا ہے اور فکر و رائے میں غلطی بھی کر سکتا ہے اس لئے علماء امت کی ایک معتمد علیہ جماعت جب اس کا فیصلہ کرے گی تو وہ فیصلہ یقیناً حقیقت پر مبنی اور شک و شبہ سے بالاتر ہو جائے گا۔

بہر حال کافر، فاسق، ملحد، مرتد وغیرہ شرعی احکام و اوصاف ہیں اور فرد یا جماعت کے عقائد یا اقوال و افعال پر مبنی ہوتے ہیں نہ کہ ان کی شخصیتوں اور ذاتوں پر، اس کے برعکس گالیاں جن کو دی جاتی ہیں ان کی ذاتوں اور شخصیتوں کو دی جاتی ہیں، لہٰذا اگر یہ الفاظ صحیح محل میں استعمال ہوتے ہیں تو یہ شرعی احکام ہیں ان کو سب و شتم اور ان احکام کے لگانے کو دشنام طرازی کہنا یا جہالت ہے یا بے دینی، ہاں کوئی شخص غیظ و غضب کی حالت میں یا ازراہ تعصب و عناد کسی مسلمان کو کافر کہہ دے تو یہ بے شک گالی ہے اور یہ گالی دینے والا خود فاسق ہوگا اور تعزیر کا مستحق اور اگر کوئی شخص جان بوجھ کر کسی واقعی مسلمان کو کافر کہہ دے تو یہ کہنے والا خود کافر ہو جائے گا۔

علماء حق جب کسی فرد یا جماعت کی تکفیر کرتے ہیں تو درحقیقت ایک کافر کو کافر بتلانے والے اور مسلمانوں کو اس کے کفر سے آگاہ کرنے والے ہوتے ہیں نہ کہ اس کو کافر بنانے والے، کافر تو وہ خود بنتا ہے جب کفریہ عقائد یا اقوال و افعال کا اس نے ارتکاب کیا اور ایمان کے ضروری تقاضوں کو پورا نہیں کیا، تو وہ باختیار خود کا

فر بن گیا لہذا یہ کہنا کہ مولویوں کو کافر بنانے کے سوا اور کیا آتا ہے سراسر جہالت ہے یا بے دینی۔

اگر علماء ایمانی حقائق اور اسلام کی حدود کی حفاظت نہ کرتے تو اسلام کا نام ہی صفحہ ہستی سے کبھی کا مٹ چکا ہوتا، جس طرح کسی حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنی مملکت کی حدود کی حفاظت کرے اور ان کے تحفظ کے لئے فوجی طاقت اور دفاعی سامان جنگ وغیرہ کی تیاری میں ایک لمحہ کے لئے غافل نہ ہو، اسی طرح ایمان، اسلام، اسلامی معاشرہ، مسلمانوں کے دین و ایمان کو ملحدوں، افترا پردازوں اور جاہلوں کے حملوں سے محفوظ رکھنا علماء حق اور فقہاء امت کے ذمہ فرض ہے۔ ابھی چند دنوں کا قصہ ہے جب بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا اور حکومت پاکستان نے جہاد کا اعلان کیا اور پاکستان کی افواج قاہرہ اور عوام نے اس جہاد میں جوش وخروش کے ساتھ حصہ لیا تو بھارت کے لوگوں کو یہ کہنے کا موقعہ مل گیا کہ پاکستان ''اسلامی حکومت'' نہیں ہے اور یہ لڑائی اسلامی جہاد نہیں ہے اور اگر ہے تو پھر ہندوستان بھی اسی طرح دارالاسلام ہے جس طرح پاکستان، اسلامی قانون نہ وہاں نافذ ہے نہ یہاں، مسلمان وہاں بھی رہتے ہیں یہاں بھی بھارت کو یہ کہنے کا موقعہ کیوں ملا؟ صرف اس لئے کہ نہ پاکستان میں اسلامی قانون نافذ ہے اور نہ اسلامی معاشرہ موجود ہے۔ یہ ہماری وہ کمزوریاں ہیں جن سے دشمن نے ایسے نازک موقعہ پر فائدہ اٹھایا اگر اس ملک کے اندر نبوت کا مدعی اور ختم نبوت کا منکر مرزا غلام احمد قادیانی کی امت (مرزائی فرقہ) بھی مسلمان ہے اور پورے اسلام کے چودہ سو سالہ اسلامی عبادات و معاملات کے نقشہ کو مٹا ڈالنے والا اور جنت و دوزخ سے صریح انکار کرنے والا غلام احمد پرویز اور اس کی جماعت بھی مسلمان ہے اور اگر قران کے منصوص احکام کو عصری تقاضوں کے سانچوں میں ڈھالنے والا، سنت رسول کو ایک تعاملی اصطلاح اور رواجی قانون بتلانے والا، سود کی حرمت سے قرآن کو خاموش بتا کر حلال کرنے والا بھی نہ صرف مسلمان ہے بلکہ اسلامی تحقیقاتی ادارہ کا سربراہ ہے تو پھر یاد رہے کہ محض قرآن کریم کو ''زردوزی'' کے سنہری حروف میں لکھوانے سے قران کی حفاظت قیامت تک نہیں ہو سکتی اور یہ دعوی انتہائی مضحکہ خیز ہے یا پھر عوام کو بے وقوف بنانے کا ہتھکنڈہ ہے۔

ابھی کل تک یہی ملحدین مسلمانوں کو طعنہ دیا کرتے تھے کہ قرآن مجید اس لئے نازل نہیں ہوا ہے کہ ریشمی رومالوں میں لپیٹ کر اس کو بوسے دیئے جائیں، پیشانی سے لگایا جائے اور سروں پر رکھا جائے، یہ تو مسلمانوں کے لئے ایک علمی قانون ہے عمل کرنے کے لئے نازل ہوا ہے۔ پھر آج اس حقیقت سے یہ بے اعتنائی کیوں ہے کہ باہمی رضامندی سے زنا کو جرم نہیں قرار دیا جاتا۔ بینکاری سود کو شیر مادر کی طرح حلال قرار دے کر خود حکومت سود لے رہی اور دے رہی ہے، ریس کورس جیسی مہذب قمار بازی کے، شراب کی درآمد و برآمد اور خرید وفروخت کے لائسنس دیئے جا رہے ہیں، نکاح وطلاق و وراثت کا قانون سب صریح قرآن وسنت کی تصریحات کے خلاف جاری ہے، جرائم اور سزاؤں کا تو کہنا ہی کیا غرض قرآن وسنت کو بالائے طاق رکھ کر قانون سازی کا سلسلہ جاری ہے اور زردوزی کے سنہری حرفوں میں لکھوا کر قرآن عظیم کی حفاظت کا اہتمام بھی کیا جا رہا

ہے، نہایت صبر آزما حقائق ہیں آخر مسلمانوں کو کیا ہو گیا کہ اتنے واضح حقائق کی فہم کی توفیق بھی سلب ہو گئی؟

اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون.

[جمادی الاولیٰ ١٣٨٦ھ/ستمبر ١٩٦٦ء]

پاکستان کا موجودہ نظام تعلیم

صدمے کی بات ہے کہ تمام عربی اسلامی دنیا میں ابتدائی تعلیم کی بنیاد دین پر رکھی جارہی ہے، دنیا کی ضروریات کو یقیناً تعلیم کا جزء بنا دیا گیا ہے لیکن ڈھانچہ دینی ہے، چنانچہ حکومت کے ابتدائی مکاتیب (پرائمری اسکول) میں ہی مسلمان ۔ بچے بقدر ضرورت یعنی فرض عین دین سے واقف ہوجاتے ہیں، لیکن ہماری بدنصیب مملکت ہے کہ آج تک اس کے تعلیمی نظام کا زائچہ دینی نہ بن سکا، اگر بچہ ابتدائی دینی مکتب میں یا اپنے گھروں میں والدین کے زیر سایہ دین نہ سیکھ سکا تو موجودہ اسکولوں، کالجوں کے دائرے میں وہ مسلمان کبھی نہیں بن سکتا نہ فرائض دین سے واقف ہوسکتا ہے، نہ عقائد اسلامیہ سے یہ ہمارے اس تعلیمی نظام کا سب سے بڑا المیہ ہے، جو ہمدردانِ ملت کی اولین توجہ کا محتاج ہے۔

مسجدوں میں دنیوی تعلیم کا حکم

روزنامہ مشرق مورخہ ١٢/اگست ١٩٦٨ء میں حسب ذیل خبر شائع ہوئی ہے:

''کراچی ١١/اگست (مشرق رپورٹ) مغربی پاکستان میں مذہبی تعلیم کی اشاعت وترویج کے سلسلے میں محکمہ اوقاف کے تحت کراچی کے سرکردہ علماء کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت ناظم اوقاف کراچی زون نے کی، کانفرنس میں مدرسوں، اسکولوں اور کالجوں میں مذہبی تعلیم کو لازمی قرار دیئے جانے کی سفارش کی گئی اور اس مسئلے پر خاص طور پر غور کیا گیا کہ شہر کی درسگاہوں میں مذہبی تعلیم کی صحیح تدریس میں ائمہ مساجد کیا کردار ادا کرسکتے ہیں، کانفرنس میں مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا محمد طیب، مولانا متین خطیب، قاری زاہر قاسمی، مولانا عبید اللہ اور میاں عبدالعزیز نے شرکت کی۔

اجلاس میں اس مسئلہ پر مکمل اتفاق رائے پایا گیا کہ مسلم اوقاف کی انتظامیہ پر یہ لازم ہے کہ وہ مذہبی تعلیم کی اشاعت وترویج میں نمایاں کردار ادا کرے اور اس سلسلہ میں ائمہ مساجد کے دائرہ کار کو وسعت دینے کے سوال پر طویل غور وخوض ہوا، اجلاس کی رائے میں مذہبی تعلیم کو مدرسوں، اسکولوں اور کالجوں میں لازمی قرار دیا جانا چاہیے کہ اسلامیات سے نابلد طلباء دوسرے علوم کی صرف مادی افادیت کے قائل ہوکر نہ رہ جائیں اسلامیات کا مضمون بذات خود اتنا وسیع ہے کہ اس کے گوشے زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہیں۔

اجلاس میں شریک علماء کی اکثریت اس بات پر متفق تھی کہ اسلامیات کی تعلیم کے لئے صرف وہ اساتذہ

مفید ثابت ہو سکتے ہیں جنہیں اس مضمون پر مکمل عبور حاصل ہو، علاوہ ازیں ان اساتذہ کا موجودہ سائنسی دور کے تقاضوں کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے، طے پایا کہ محکمہ اوقاف مطلوبہ معیار کے اساتذہ پیدا کرنے کے لئے مناسب قدم اٹھائے اور اس تمام پروگرام میں ائمہ مساجد کی مسلم معاشرہ میں اہمیت اور افادیت کو مدنظر رکھے"۔

اس خبر کو پڑھ کر نہ صرف تعجب ہوا بلکہ انتہائی صدمہ ہوا کہ حکومت کے ذمہ دار اعلیٰ مناصب کے مالک حضرات بھی عوام کی سطح پر آ کر خلاف واقعہ بات کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتے، واقعہ صرف یہ ہے کہ جمعہ ۹ر اگست کو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے اعزاز میں جناب محمود صاحب اور ان کے بھائی جناب مسعود صاحب چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف مغربی پاکستان نے عصرانہ کی دعوت دی اور راقم الحروف کو باصرار بلایا، باتھ آئی لینڈ کی ایک سرکاری کوٹھی میں یہ دعوت دی گئی تھی۔ چنانچہ راقم الحروف اور مہمان خصوصی حضرت مولانا قاری طیب صاحب اور قاری زاہر القاسمی وہاں پہنچے دونوں بھائیوں نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا، مسعود صاحب مہمان خصوصی کے ساتھ خود بھی بیٹھے اور راقم الحروف کو بھی بٹھایا، فوٹو گرافر فوٹو لینے جب آیا تو راقم الحروف نے فوٹو لینے سے سختی سے منع کیا اس پر مسعود صاحب نے پوچھا کیا ناجائز ہے؟ میں نے کہا جی ہاں حرام ہے، فرمایا پشاور میں دوصد علماء جمع تھے بعض مشاہیر کا نام بھی لیا ان میں سے کسی نے تو فوٹو لینے کو جائز کہا بعض نے مکروہ کہا، اس پر میں نے جواب دیا مجھ پر کسی کا علم حجت نہیں ہے میں حرام سمجھتا ہوں، حضرت مولانا طیب صاحب نے بھی دریافت فرمانے پر فرمایا: "ممنوع ہے"۔ اس کے بعد ایک خاص فرقہ کے کروڑوں روپے کے اوقاف پر محکمہ اوقاف کے قبضہ نہ کرنے کے سلسلے میں گفتگو ہوئی اس پر موصوف نے اپنی مجبوری کا اظہار فرمایا۔

اتنے میں ہم نے اجازت چاہی اور روانہ ہو گئے راستہ میں قاری طیب صاحب سے مسعود صاحب نے پوچھا: اگر مساجد میں دینی تعلیم ہو تو حرج ہے؟ قاری صاحب نے فرمایا اس میں کیا مضائقہ ہے، بس اتنی بات ہوئی اور ہم چلے آئے، بعد میں باقی ماندہ چند مدعوین تھے، ان کے درمیان کوئی تجویز پاس ہوئی یا نہیں ہوئی؟ اس کا ہمیں علم نہیں لیکن انتہائی ستم ظریفی ہے کہ عصرانے کی دعوت کو کانفرنس کہنا اور جس بات کا ذکر بھی مجلس میں نہ آیا ہو اس کو تجویز بتا دینا کتنی حیرت انگیز بات ہے، رہا یہ کہ جو کچھ کہا گیا ہے وہ دراصل ان کے دل کی آواز ہے اور وہ انتہائی کوشش میں ہیں کہ کسی نہ کسی طرح مساجد پر قبضہ کر کے ان کو اسکول کے بچوں کی آماجگاہ بنا دیں۔ اسی قسم کی باتوں کو "کلمة حق ارید بها الباطل" کہا کرتے ہیں۔ دینی تعلیم ہمیشہ مساجد میں ہوتی رہی ہے اور آج بھی ہو رہی ہے، بڑے بڑے شہروں میں آج بھی مساجد قرآن وحدیث کی آوازوں سے گونج رہی ہیں لیکن آپ یہ چاہیں کہ مسجدوں میں بچوں کو کتوں، بلیوں کے قصے پڑھائے جائیں تو مسلمانوں سے اس کی توقع نہ رکھیں، مسجدیں اللہ تعالیٰ کی عبادت گاہیں ہیں ان میں جو کام عبادت یا وسیلہ عبادت نہ ہو اس کی اجازت ہرگز نہیں دی جا سکتی۔ بعض فقہاء نے تو تعلیم القرآن کو بھی اگر تنخواہ لے کر ہو تو ممنوع قرار دے دیا ہے، بہر حال اس وقت اس سے بحث نہیں کہ یہ

تجویز صحیح ہے یا غلط، افسوس اس کا ہے کہ شاطرانہ طریقے پر عصرانے کی دعوت کو کانفرنس میں تبدیل کر دیا گیا۔ انا للہ، مہمانانِ خصوصی کے تو فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی، جی ہاں! صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے:

ان مما ادرك الناس من كلام النبوة الاولى اذا لم تستحي فافعل ما شئت(۱)

انبیاء سابقین کی تعلیمات میں سے یہ بات مشہور چلی آئی ہے کہ شرم وحیا اگر نہ ہو تو پھر جو جی چاہے کر گذرو۔

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور اربابِ مناصب کو اپنے شانِ منصبی کے وقار کو برقرار رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔

یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ مسجدوں میں مذہبی تعلیم و تربیت سے کون انکار کر سکتا ہے، لیکن دراصل سوال یہاں مذہبی تعلیم کا نہیں بلکہ سوال تو یہ ہے کہ مسجدوں کو اسکول بنا دیا جائے، کیا آج کل جو اسکولوں کی تعلیم ہے اور جو کتابیں اس میں پڑھائی جاتی ہیں کیا وہ سب مذہبی کتابیں ہیں اور مذہبی تعلیم ہے؟ کیا غیر مذہبی چیزوں کی اور تصویروں کو بنانے کے لئے ڈرائنگ کی تعلیم بچوں کو مسجد سے نکال کر باہر میدان میں دی جائی گی؟ اصل مقصد اس حیلے سے مساجد اللہ کی آزادی کو ختم کرنا اور مذہبی آزادی و تعلیم کا گلا دبانا ہے، عنوان کتنا دل فریب ہے لیکن مقصد کتنا نفرت انگیز ہے، اللہ تعالیٰ صحیح نیت اور صحیح علم اور صالح عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔

وصلى الله على صفوة الكائنات سيد السادات محمد وآله وصحبه وبارك وسلم.

[جمادی الثانیہ ۱۳۸۸ھ]

جدید تہذیب و مخلوط تعلیم کی برکات

گذشتہ دنوں کراچی میں ہاکس بے کا جو واقعہ پیش آیا اس پر نہ صرف تمام جرائد و اخبارات بلکہ حکمران بھی چیخ اٹھے کہ جدید نسل کی بے حیائی نے مسلمانوں کو شرم و حیا کے مارے زندہ درگور کر دیا، بے شرمی و بے حیائی کو خود اپنے ہاتھوں پھیلانے کے بعد پھر نہ معلوم کیوں چیختے ہیں، یہ جدید تہذیب کی برکات اور جدید مخلوط تعلیم کے ثمرات ہیں۔ تعجب و افسوس تو اس پر ہے کہ اس قسم کے شرمناک واقعات کے جو حقیقی عوامل و اسباب ہیں ان کو کیوں پیش نظر نہیں رکھتے، مخلوط تعلیم کی وبا، لڑکوں اور لڑکیوں کا بے تکلف اختلاط، عام معاشرہ میں دینی ماحول کا فقدان، کالجوں اور اسکولوں میں دینی تربیت کا فقدان، زیب و زینت کر کے تفریح گاہوں میں ان کو لے جانا، سینما اور ٹی وی کے روح فرسا مناظر کا رات دن کا مشغلہ، قدم قدم پر عریاں مناظر، حیا سوز مظاہر اور پھر یہ شکوہ؟ خود کردہ را چہ

---

(١) صحيح البخاری، كتاب الانبياء، باب حديث الغار ج: ١ ص: ٤٩٥.

ايضاً كتاب الادب، باب اذا لم تستحی فاصنع ما شئت ج: ٢ ص: ٩٠٤، ط: قديمی

علاج؟ جب یہ جدید نظام تعلیم کے تبرکات ہیں تو کیوں اس پر نظر نہیں کرتے کہ اس نظام کو بدلا جائے، اس بے حیائی کا قلع قمع کیا جائے، اس کے تمام اسباب کو چن چن کر ختم کیا جائے، ہمارے نزدیک ان تمام شرور وفتن کی جڑ ہی صنف نازک کو پردہ عفت وعصمت سے نکال کر اسکول کالجوں میں بھیجنا، سینماؤں اور کلبوں میں لئے لئے پھرنا، انہیں گلیوں، بازاروں اور اسٹیجوں پر جلوہ نمائی کی دعوت دینا، اگر لڑکیوں کے لئے کسی درجہ میں اسکولوں کی تعلیم ضروری ہے تو صرف دینی ومدا شرقی ابتدائی تعلیم تک پردے میں ہونا چاہئے، لباس وپردہ کی پابندی ضروری ہے، مخلوط تعلیم کو ممنوع قرار دیا جائے ورنہ جو شرمناک مظاہر پیش آئے آئندہ اس سے زیادہ کا خطرہ ہے۔

اللهم اهد قومی فانهم لا یعلمون

مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا شعبہ تحقیق وتصنیف

الحمد للہ! کہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں ایک مستقل شعبہ تحقیق وتصنیف قائم ہوا، اس طرح یہ دیرینہ آرزو پوری ہوگئی کہ ایک ایسا ادارہ وجود میں آجائے جو نئی نسل کی اصلاح وتربیت اور انہیں عصر حاضر کے الحاد پرور اثرات سے بچانے کے لئے اعلیٰ معیار کی دینی کتابیں شائع کرے، شعبہ تحقیق وتصنیف کے سامنے دو اہم مقصد ہیں:

ایک وقتی تقاضوں کے مطابق علمی موضوعات پر اور مسائل پر تحقیق کرنا اور ان تحقیقات کو کتابی شکل میں منظر عام پر لانا، دوسرے عمدہ اور بہترین کتابوں کو منتخب کر کے ان کے تراجم مختلف زبانوں میں شائع کرنا۔

ہمیں اپنی کوتاہ سامانی اور کم مائیگی کے ساتھ ساتھ اس راستے کی مشکلات کا پورا احساس ہے، تاہم اللہ تعالیٰ کی نصرت واعانت کے بھروسے پر اپنے حقیر وسائل کے مطابق کئی موضوعات پر کام شروع کر دیا گیا ہے، الحمد للہ چار مخلص ومحقق اہل علم واہل قلم اس خدمت کے لئے وقف ہیں جن میں سے بعض حضرات اردو، عربی اور انگریزی تینوں زبانوں کے ماہر ادیب ہیں۔

عربی سے اردو ترجمہ کے لئے سب سے پہلے شیخ مصطفےٰ سباعی مرحوم کی کتاب "السنة ومكانتها فی التشريع الاسلامی" کو منتخب کیا گیا جو اپنے موضوع پر بے نظیر جامع کتاب ہے، ترجمہ کی پہلی جلد طبع ہو چکی ہے اور دوسری زیر طبع ہے، اردو کتابوں میں مولانا محمد اسحاق صدیقی کی تصنیف "دینی نفسیات" چھوٹی کتاب ہے جو زیر طبع ہے، اس کے بعد موصوف کی دوسری تصنیف ختم نبوت عنقریب شائع کی جائے گی جس میں مسئلہ ختم نبوت کے عقلی ونفسیاتی پہلوؤں پر نئے انداز سے بحث کی گئی ہے۔

کتابوں کی نشر واشاعت کے لئے مکتبہ رشیدیہ غلہ منڈی ساہیوال کو شعبہ تحقیق وتصنیف مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی جانب سے وکیل عام بنایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اس ذمہ داری کو بخوشی اٹھانا منظور کر لیا ہے۔ ہمیں حق تعالیٰ کے الطاف غیبیہ سے امید ہے کہ جس طرح مدرسہ کی مشکلات کے حل کرنے

میں ہماری دستگیری فرماتے ہیں اسی طرح اس شعبہ کی ضروریات کی تکمیل میں ہماری امداد فرمائیں گے۔

وھو ولی التوفیق والنعمة وھو حسبنا ونعم الوکیل

[جون ۱۹۷۲ء – ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ]

پہلی اسلامی سربراہ کانفرنس لاہور

گزشتہ دنوں لاہور میں اسلامی سربراہ کانفرنس ہوئی جس میں پہلی مرتبہ ۳۷ر ممالک کے سربراہان مملکت اور نمائندہ وفود ایک جگہ جمع ہوئے، بلاشبہ یہ تاریخی واقعہ ہے جسے شاید موجودہ حکومت کا زریں کارنامہ شمار کیا جائیگا، دراصل امت اسلامیہ کا سب سے بڑا المیہ آپس کی پھوٹ اور تشتت وافتراق ہے، مسلمانوں کا یہی کمزور پہلو ہے جس سے اعداء اسلام نے ہمیشہ فائدہ اٹھایا آج بھی اگر یہ شقاق ونفاق ختم ہوجائے اور اتحاد و یک جہتی کی نعمت میسر آجائے تو عالم اسلام دنیا کی سب سے بڑی طاقت کی حیثیت سے ابھر سکتا ہے، مسلمانوں کو حق تعالیٰ نے دنیا کے نقشہ پر کلیدی مقامات عطا کئے ہیں، خانہ بدوش صحرا نوردوں پر دنیا کے خزانوں کے منہ کھول دیئے ہیں اور ان بے کار صحراؤں اور ریگستانوں سے وہ زمینی ذخائر عطا کئے کہ آج کفر کی تمام طاقتیں ان کی محتاج ہیں، کاش یہ مادی وسائل ترقی اسلام پر صرف ہوتے تو آج عالم اسلام کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

موجودہ کانفرنس کا بنیادی مسئلہ

کانفرنس کا بنیادی مسئلہ قدس اور مقبوضہ علاقوں کو اسرائیلی جارحیت سے پاک کرانے کا عزم بالجزم تھا جہاں تک قراردادوں کا تعلق ہے الحمدللہ اتفاق رائے سے پاس ہوئیں، لیکن کیا اچھا ہوتا کہ اسلام کی سربلندی اور اعلائے کلمۃ اللہ کا عہد کیا جاتا، مسلمانوں میں عہد نبوی کے اسلام کو زندہ کرنے کی تدابیر پر غور کیا جاتا اور حقیقی منزل مقصود تک پہنچنے کا عزم راسخ ظہور پذیر ہوتا، کروڑوں روپے کا خرچ ہزاروں انسانوں کی شبانہ روز محنت وخدمت سڑکوں کی آرائش محفلوں کی زیبائش یہ سب کچھ اگر صحیح اسلام کی سربلندی کے لئے ہوتا تو سودا سستا تھا، ورنہ کیا حاصل؟

کانفرنس کا اصل مقصد کیا ہونا چاہیے؟

کانفرنس کے اصل مقاصد کیا ہونے چاہئیں اور کون سے اہم نکات عالم اسلام کے ممتاز نمائندوں کی اولین توجہ کے مستحق ہیں؟ اس سلسلہ میں چند مختصر تجاویز ایک محضر کی شکل میں تمام سربراہان عالم اسلام کی خدمت میں بھیجی گئیں، توقع ہے کہ ان تک پہنچی ہوں گی نامناسب نہ ہوگا اگر اس کے عربی متن کا ترجمہ ''بینات'' کے ''بصائر وعبر'' میں پیش کردیا جائے۔

حضرت ! قائدینِ اسلام ورہنمایانِ ملت اسلامیہ! اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہو، پاکستان کے علماء یہاں کے دینی مراکز اور علمی ادارے آپ کو دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید کہتے ہیں، اس موقع پر ہم آپ حضرات کی خدمت میں چند آرزوئیں پیش کرتے ہوئے توقع رکھتے ہیں کہ یہ آپ کی مساعی جمیلہ سے بارآور ہو سکیں گی، یہ ایک خیرخواہی ہے کہ جوامت اسلامیہ (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) کے ہر فرد پر فرض ہے۔

① اسرائیل اور دیگر تمام ملعون طاقتوں کا استیصال کرنے کے لئے عالم اسلام کی صفوں میں اتحاد و یک جہتی پیدا کرنا اور ہر ممکن طریقہ سے آپس کے اختلافات اور رنجشوں کو رفع کرنا ازبس ضروری ہے، کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اقدام کو خلافت اسلامیہ کے احیاء کا ذریعہ بنادے جو اسلام کے اہم ترین مقاصد میں سے ہے۔

② ہمارے جہاد کا مقصد اور ہماری تمام کوششوں کا محور محض اعلائے کلمۃ اللہ اور اسلام کی سربلندی ہونا چاہئے جو رنگ ونسل قوم ووطن اور زبان کے تمام نعروں سے بالاتر ہو۔

③ تمام اسلامی ممالک میں ہر شعبہ زندگی میں اسلامی قانون کا نفاذ ہو، اسلامی نظام تعلیم کا اجراء ہو اور احتساب کے محکمے قائم کئے جائیں، جو علمی وعملی طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں۔ یہی ایک چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوسکتی ہیں۔

④ عالم اسلام کو ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے نہایت چوکس رہنے کی ضرورت ہے، جو بظاہر اسلام کا لیبل لگا کر آتے ہیں مگر ان کے مخصوص مذہبی عقائد اور غیر اسلامی نظریات اب کسی سے پوشیدہ نہیں رہے، یہ لوگ ''خدمت اسلام'' کے دلفریب عنوان سے اسلامی ممالک میں گھسنے کی کوشش کرتے ہیں مگر ان کا کام اسلامی ممالک میں اعداء اسلام کی سازشوں کی تکمیل ہوتا ہے۔

⑤ نوجوان نسل کو اعلیٰ فنی تعلیم کے لئے باہر بھیجنے کے بجائے یہ ضروری ہے کہ خود اپنے ممالک میں اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کے مراکز قائم کئے جائیں اور دنیا بھر کے ماہرین کو گرانقدر معاوضہ دے کر جمع کیا جائے تا کہ اسلامی ماحول میں نوجوانوں کی تعلیم وتربیت ہو۔

⑥ اسلامی ممالک میں اسلحہ سازی کے کارخانے قائم کئے جائیں جن میں عصری تقاضوں کے مطابق جدید ترین اسلحہ تیار کیا جائے اور اس مقصد کے لئے امکانی وسائل کے مطابق جرمنی، جاپان اور چین سے فنی ماہرین طلب کئے جائیں۔

⑦ عالم اسلام کا ایک مشترکہ غیر سودی بنک قائم کیا جائے جو شرکت ومضاربت کے اسلامی اصولوں پر کام کرے اور اس کے ذریعہ پسماندہ اسلامی ممالک کو بھرپور مدد دی جائے۔

یہ چند بنیادی نکات ہیں، آپ حضرات کی دوررس نگاہوں اور مدبرانہ بصیرت کے پیش نظر ان کی توضیح وتشریح کی ضرورت نہیں، آپ کے قیمتی اوقات کا لحاظ رکھتے ہوئے ہم صرف اشارات پر اکتفا کررہے ہیں، دعا ہے

کہ اللہ تعالیٰ اسلامی طاقت کو متحد اور مسلمانوں کے شیرازہ کو مجتمع فرمائے، قائدین اسلام کو قوت دے کر ان کی نصرت وحمایت فرمائے اور کافر وظالم دشمنان اسلام کے شر سے محفوظ رکھے، اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام کی قیمتی متاع اور مسلمانوں کی ناقابل تسخیر قوت کی حیثیت سے تادیر قائم رکھے، آمین۔

محمد شفیع
صدر دارالعلوم کراچی ۱۴۔

محمد ہاشم
شمالی ناظم آباد کراچی ۳۳۔

محمد یوسف بنوری
صدر جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی ۵

یہ ساتہ نکاتی محضر دراصل اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا منشور، عالم اسلام کے لئے فیصلہ کن دعوت عمل اور ملت اسلامیہ کے دل کی آواز ہے، اس کی تشریح وتفصیل کبھی موقعہ ہوا تو پھر عرض کی جائے گی، البتہ ایک بات مزید اس سلسلہ میں کہنے کو جی چاہتا ہے وہ یہ کہ بلاشبہ وحی آسمانی کا حکم ہے کہ کفار اور اعدائے اسلام کے مقابلہ کے لئے پوری قوت خرچ کرنا اور جدید سے جدید اسلحہ مہیا کرنا نہایت ضروری اور امت اسلامیہ کا فرض ہے، لیکن یہ اس لئے کہ کامیابی ونصرت کا مدار ان مادی وسائل اور مادی طاقتوں پر نہیں بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ دشمنان اسلام پر مسلمانوں کا رعب قائم رہے ورنہ حق تعالیٰ کا صاف صاف ارشاد ہے کہ فتح ونصرت کا مدار نہ تو ظاہری قوت وطاقت پر ہے نہ کثرت پر اللہ تعالیٰ کی نصرت وتائید شامل حال ہو تو بے ساز وسامان فوج بھی فتح مند ہوسکتی ہے اور تھوڑی سی جماعت بھی بڑی بھاری جماعت پر غالب آسکتی ہے، اس لئے امکانی حد تک ساز وسامان کی تیاری میں کوتاہی نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ حق تعالیٰ کا حکم ہے، مگر توکل واعتماد ان وسائل واسباب پر نہیں بلکہ محض حق تعالیٰ کی ذات اور اس کی غیبی امداد پر ہونا چاہیے، بلاشبہ آج بھی اسلامی حکومتیں اسلحہ سازی پر پوری توجہ کریں تو بہت کچھ کرسکتی ہیں لیکن ظاہر ہے کہ دشمنان اسلام کی طاغوتی طاقتیں بھی خاموش نہیں بیٹھیں گی، بیس پچیس سال میں کہیں سے کہیں تک پہنچ جائیں گی، اس لئے مسلمانوں کو اس کے بغیر چارہ کار نہیں کہ ان کا اصل اعتماد اس ذات عالی پر ہو جو تمام طاقتوں کا سرچشمہ ہے، آسمان وزمین کی تمام طاقتیں اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں، انہی سے تعلق قائم کیا جائے، قرآن پاک میں صاف ارشاد ہے کہ: ”نصرت تو حق تعالیٰ ہی نازل فرماتا ہے فرشتوں کا نازل فرمانا صرف تمہاری تسلی کے لئے ہے“۔ [آل عمران:۱۲۶] حاصل یہ کہ اس عالم اسباب میں اسباب سے غنا نہیں، اپنی مقدور کے مطابق ممکنہ وسائل واسباب مہیا کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی جائے، لیکن توکل واعتماد صرف حق تعالیٰ کی ذات پر ہو، اسلام کے دور اوّل کی فتوحات میں یہی راز مضمر تھا جنگ حنین میں شکست کے اسباب یہی بتلائے گئے کہ تعداد کی کثرت پر اعتماد کیا گیا۔

[صفر ۱۳۹۴ھ۔مارچ ۱۹۷۴ء]

گندی سیاست

عرصہ ہوا کہ حضرت مولانا عبدالہادی دین پوری کی دعوت وتحریک پر ایک مختصر اجتماع ہوا تھا جس کا اساسی مقصد جماعت تنظیم اہلِ سنت، مجلس ختم نبوت، جمعیت علماء اسلام اور احرار اسلام کے درمیان اتحاد تھا۔ ان جماعتوں کی مشترکہ مجلس عمل وجود میں آئی تھی جس کا مقصد اسلامی جماعتوں کا مشترکہ لائحہ عمل تیار کرنا تھا یہ اجتماع اس تاریخی دن ہوا جس کی شام کو ایوب خان کے اقتدار کا آفتاب غروب ہوا اور صدر یحییٰ کے مسند اقتدار پر جلوہ افروز ہونے کا اعلان نشر ہوا۔

اس اجتماع میں ایک بات یہ طے ہوئی تھی کہ اسلامی معاشیات پر ایک اسلامی خاکہ تیار کیا جائے، اس کام کے لئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا مفتی محمود صاحب، مولانا مفتی ولی حسن صاحب، مولانا مفتی رشید احمد صاحب اور راقم الحروف کے نام تجویز ہوئے۔ راقم الحروف کی دعوت پر مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی میں یہ اجتماع طے پایا، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی علالت کی بنا پر ان کے دو صاحبزادگان برادرم مولانا محمد رفیع صاحب اور مولانا محمد تقی صاحب کو ان کی نیابت کے طور پر شرکت کی دعوت دی گئی، خالص علمی ودینی انداز سے کام شروع ہوا اور ابتدائی خاکہ دس دن میں تیار ہوا، مولانا مفتی محمود صاحب سے جو سابق حسن ظن تھا کہ وہ فقہی بصیرت میں امتیازی خصوصیت رکھتے ہیں اس موقعہ پر اس کا خوب خوب مشاہدہ ہوا۔

چند دن ہوئے ایک پمفلٹ نظر سے گذرا جو کسی کے استفسار کے جواب میں مولانا مفتی رشید احمد صاحب نے مرتب کیا ہے جس میں اس باوقار علمی مجلس کی روئیداد جس انداز سے مرتب کی گئی ہے اسے جس ناروا اور بے ڈھنگا اسلوب دیا گیا، مضامین مندرجہ کو جس نہج سے خلاف واقعہ گھڑا گیا ہے اور جس طریقہ سے اس مجلس کو محض دو مفتیوں کے سوال وجواب اور جدال ومناظرہ کا مرقع بنا کر پیش کیا گیا ہے اسے دیکھ کر انتہائی حیرت ہوئی، انا للہ۔

میں اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ کوئی عالم دین اور مدعی علم وتقویٰ اس انداز سے خلاف واقعہ افسانہ طرازی اور واقعہ سازی کرسکتا ہے اور عقل باور نہیں کرتی کہ کوئی مفتی شرع متین اس قدر افترا پردازی کرسکتا ہے، نہ معلوم کس ظالم کی نوک قلم نے اس علمی مجلس کو مسخ کر کے واقعات کی فرضی تصویر تیار کی اور پھر اس سارے افسانے کو مفتی رشید احمد صاحب کی طرف منسوب کر ڈالا۔

اجیر مشترک اور اجیر خاص کا مسئلہ جس انداز میں مفتی محمود سے منسوب کیا گیا ہے وہ جہاں بالکل خلاف واقعہ ہے، وہاں بداہت عقل کے بھی خلاف ہے، ایک بری کو متہم کرنا انتہائی دردناک چیز ہے۔ اس پمفلٹ کے سلسلہ میں مختلف جہات سے استفسارات کئے جارہے ہیں اس لئے بادل ناخواستہ مختصر اشارات ناگزیر ہوئے اسی

سلسلہ میں ایک مختصر جواب مولانا محمد ادریس صاحب نے لکھ کر ترجمان الاسلام کو بھیجا ممکن ہے دوبارہ ضاحت وصراحت کی ضرورت پڑے۔ (۱)

اللهم ارزقنا من خشيتك ماتحول به بينناو يبن معاصيك، واجعلنا من الذين يخافون عقابك و يرجون ثوابك. وصلى الله تعالىٰ على اتقى البشر و اخشاهم لله وآله وصحبه و بارك وسلم.

مشاورتی کونسل اورشراب

روزنامہ جنگ مورخہ ۱۵ رستمبر ۱۹۶۴ء کا شذراتی نوٹ مدیر روزنامہ کے قلم سے:

''مغربی پاکستان کے وزیر مالیات وآبکاری شیخ مسعود صادق نے انکشاف کیا ہے کہ ملک میں امتناع شراب کے سوال پر اسلامی مشاورتی کونسل میں اتفاق رائے نہیں پایا جاتا ہے''۔

شیخ صاحب کا یہ بیان اپنی نوعیت کا انوکھا اور بے حد دلچسپ بیان ہے اس لئے کہ شراب بندی پر اسلامی مشاورتی کونسل کے ارکان کے اختلاف رائے کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ اس ادارے کے بعض معزز اراکین شراب بندی کے خلاف ہیں، جب اتنے واضح مسئلہ پر اس کونسل کا یہ حال ہے تو آگے چل کر اہم تر قانون اور آئینی مسائل پر کیا ہوگا، اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، گناہ وثواب کا تصور اسلام میں انسان کی معاشرتی اخلاقی اور معاشی زندگی سے تعلق رکھتا ہے، شراب نہ صحت کے لئے مفید ہے اور نہ مالی اعتبار سے سودمند، شراب کی ممانعت کے لئے یہی دو دلائل کافی ہیں تعجب ہے اسلامی مشاورتی کونسل میں اس پر کیسے اتفاق رائے نہ ہوسکا شاید ایسے ہی مواقع کے لئے کہا گیا ہے:

چوکفر از کعبہ برخیز دکجا ماند مسلمانی

خبر جس قدر افسوسناک ہے مدیر جنگ کا تبصرہ اتنا ہی مسرت انگیز ہے افسوس کہ یہ ہے مشاورتی کونسل کا

---

(۱) جناب مفتی رشید احمد صاحب کی طرف منسوب کردہ یہ افسانہ الگ کتابچہ کی شکل میں بھی شائع ہوا ہے، نیز مرکزی جمعیت علماء اسلام کے نوزائیدہ ترجمان ''ہفت روزہ صوت الاسلام'' نے اپنی پیدائش کے دوسرے دن (شمارہ نمبر ۲ میں) اژدہانما کارٹون کے ساتھ اسے شائع کیا ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ کارٹون اور تصویر کے ذریعہ پروپیگنڈہ ''سرخوں'' کا شعار ہے یا نئی قسم کے اسلام پسندوں کا، اہل حق کا طبقہ تھانوی گروپ ہو یا ہزاروی، کم ازکم اس لعنت سے بیزار ہے، مگر صوت الاسلام کے اس اژدہانما کارٹون کو دیکھ کر خیال ہوا کہ اسلام کی آواز بلند کرنے کے لئے حضرات اہل فتویٰ کے نزدیک بھی ان جدید تکنیکی آلات اور اوچھے ہتھیاروں کی ضرورت مسلم ہے، دکھ کی بات یہ ہے کہ کسی صاحب کو چھوٹے منہ اور ٹوٹے قلم سے بھی اس پر نکیر کی توفیق نہ ہوئی، یہی کیفیت دوسری جمعیت کے بعض حامی پرچوں کی ہے، کاش ہمارے یہ بزرگ اسلامی سیاست اور اسلامی صحافت کا کوئی اچھا نمونہ پیش کرتے۔ چٹان، شہاب، نصرت اور جسارت وغیرہ کی نقالی علماء کرام اور مفتیان عظام کی شان سے بہت نیچے کی چیز ہے یہ سب کچھ آج کی گندی سیاست کے چھینٹے ہیں۔

کارنامہ، اناللہ۔

دین اسلام کی وہ ضروریات جن کا علم وعقیدہ وعمل ہر کلمہ گو مسلمان پر فرض ہے، مثلاً پانچ نمازیں، ماہ رمضان کے روزے، زکاۃ، حج بیت اللہ جس طرح یقینی وقطعی ہیں اور دین اسلام کے بنیادی مسائل ہیں۔ ہر مسلمان پر ان کا جاننا بھی فرض اور عمل کرنا بھی فرض ہے، اسی طرح شراب، جوا، سود، زنا، چوری وغیرہ وغیرہ کی حرمت بھی یقینی وقطعی ہے، ہر مسلمان کو اسکی حرمت کا علم ہونا اور اس کی حرمت پر عقیدہ رکھنا فرض ہے اور اس سے بچنا واجب ہے۔

کون نہیں جانتا کہ بہت سے حلال وحرام کے مسائل اسلام کے تشریعی نظام میں تدریجی طور پر نافذ ہوئے ہیں، قطعی حرمت سے پہلے کچھ اشارات ہوئے ہیں، اس کے بعد قطعی تحریم نازل ہوئی، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض حساس طبیعتوں میں شراب نوشی کی قباحتیں خود بخود آئیں اور بحثیں شروع ہوئیں اور بعض فوائد شمار کرنے لگے اور بعض مضار ونقصانات بتلانے لگے اور سوالات شروع ہوئے۔ چنانچہ سورہ بقرۃ کی آیت میں ارشاد ہوا ہے:

﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ [البقرة:٢١٩]

وہ آپ سے شراب وجوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان دونوں کا گناہ فائدہ سے بہت زیادہ ہے۔

چنانچہ اس سوال کے جواب میں صاف طور پر بتلا دیا کہ بے شک ان میں کچھ منفعتیں بھی ہیں لیکن بڑا گناہ ہے اور گناہ نفع سے بہت بڑا ہے۔

اس آیت کے نزول کے بعد ہی محتاط طبیعتیں شراب نوشی کی عادت سے دستبردار ہوگئیں، کسی موقع پر نماز مغرب باجماعت ہو رہی تھی، امام سورہ الکافرون میں نشہ کی حالت میں "لا اعبد ما تعبدون" کی جگہ "اعبد ما تعبدون" پڑھ گیا ظاہر ہے کہ مقصد بالکل معکوس ہوگیا اور شرک سے اظہار برأت کی دعوت کی جگہ شرک کی دعوت بن گئی فوراً آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ [النساء:٤٣]

اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب بھی مت جاؤ جب تک سمجھ نہ لو جو کچھ تم کہتے ہو۔

اس حکم سے مزید ناپسندیدگی کا اظہار ہوگیا لیکن ابھی تک حرمت کا صاف اعلان نہیں ہوا تاہم بہت سے حضرات نے شراب نوشی بالکل چھوڑ دی اور جو مبتلا رہے انہوں نے بھی عصر اور مغرب کی نمازوں کے بعد اس لئے

ترک کردی کہ نمازوں کا وقت قریب ہوتا ہے۔ بہرحال یہ صاف وصریح اشارات اور قرائن تھے کہ عنقریب حرمت کا اعلان ہونے والا ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دونوں آیتوں کے نازل ہونے کے بعد بہت بے تابی سے کہنے لگے:

”اللهم بين لنا فى الخمر بياناً شافياً“(۱)

اے اللہ! شراب کے بارے میں فیصلہ کن حکم فرما دیجئے۔

مگر چونکہ عرب میں شراب کا رواج انتہا کو پہنچا ہوا تھا دفعۃً ممانعت کرنا مخاطبین کی عادت کے لحاظ سے آسان نہ تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ شانہ نے نہایت ہی حکیمانہ انداز میں اول اشارے کر کے نفرت بٹھلا دی گویا زمین پوری طرح ہموار کردی، دین اسلام کا یہ حکیمانہ تدریجی نظام نفسیاتی اعتبار سے کتنا عجیب ہے، بالآخر سورہ مائدہ میں جو قرآن کی ترتیب نزول سے آخری سورت ہے قطعی ممانعت کا حکم اس عجیب وغریب ومؤثر انداز سے جس میں ام الخبائث کی حرمت وممانعت کی حکمت اور اس کی گندگی کا درجہ سب کچھ بیان کر دیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ. وَاَطِيْعُو اللهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ [المائدة: ۹۲]

اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے بالکل بچتے رہو تاکہ تم کو فلاح ونجات ہو۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تم میں شراب وجوئے کے ذریعہ بغض وعداوت ڈالے اور روکے تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے کیا اب تم باز نہیں آؤ گے۔ اللہ ورسول کی اطاعت کرو اور (مخالفت سے) ڈرتے رہو اگر تم (اب بھی) اعراض کرو گے تو ہمارے رسول کے ذمہ صرف کھول کر پہنچا دینا ہے۔

دیکھئے اس آیت کریمہ میں شراب کی حرمت کس مؤثر انداز سے بیان فرمائی ہے کسی حرام اور ممنوع چیز کی حرمت کا اعلان اس انداز سے نہیں کیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ ممانعت کی علت وحکمت بھی دینی ودنیوی دونوں پہلو سے بیان فرمادی، کسی تشریح وتفسیر کے بغیر صرف ترجمہ سمجھ کر اس آیت کو بار بار پڑھئے اور سوچئے کہ کتنا بلیغ پیرایہ بیان اختیار کیا گیا ہے، آیت کریمہ جن نکات پر مشتمل ہے ذیل میں اجمالاً اس کا ذکر کیا جاتا ہے:

① خمر ومیسر کی شناعت وقباحت کو محسوس کرانے کے لئے انصاب وازلام کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا یعنی بت پرستی کی قباحت جس طرح واضح ہے ٹھیک اسی طرح شراب نوشی کی شناعت بھی کھلی ہوئی ہے۔

---

(۱) کنز العمال، مسند عمر رضی اللہ عنہ، حد الخمر ج: ۵ ص: ٦۹۲، ط: مؤسسة الرسالة بيروت

② رجس گندی چیز ہے قابل نفرت ہے ہر عقلمند کو نفرت کرنی چاہئے۔

③ شیطانی عمل ہے اس میں خیر کا نام تک نہیں نہ ہی خیر کی توقع رکھنی چاہئے۔

④ جب اتنی بری اور قبیح چیز ہے تو اس سے اجتناب چاہیے اس کے قریب بھی نہ جانا چاہیے۔

⑤ تمہاری فلاح دارین و بہبودی ہر پہلو سے اس سے بچنے پر موقوف ہے۔

⑥ خمر و میسر کے ذریعے شیطان مومنین کے قلوب میں بغض وعداوت پیدا کرتا ہے جن قلوب میں انتہائی محبت ومودت ہونی چاہیے شیطان اس کے ذریعے اس کو ختم کرنا چاہتا ہے۔

⑦ شراب نوشی اور جوئے کے سبب اللہ تعالیٰ کی یاد جو مسلمان کے لئے سب سے بڑی دولت ہے اس سے محرومی ہوتی ہے۔

⑧ نماز جیسی نعمت جو ایمان کی سب سے بڑی علامت ہے اور دین کی عمارت کا بنیادی ستون ہے اس سے شرابی غافل ہوجاتا ہے۔

⑨ اتنی محسوس واضح برائیوں کے بعد کیا ایمان والے شراب نوشی سے باز نہیں آئیں گے؟
کیا کوئی عاقل ان خرابیوں کے بعد اس معصیت کے ارتکاب کی جرأت کرسکتا ہے؟

⑩ کلمہ ’’انما‘‘ قواعد بلاغت کی رو سے اس لئے لایا گیا کہ ان حقائق کے بدیہی ہونے کا دعویٰ کیا جائے یعنی کسی عاقل کو شک وشبہ کی گنجائش ان میں نہیں یہ حقائق اتنے یقینی ہیں کہ ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہیں، پھر اس حکم کے آخر میں اللہ ورسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا تاکہ حجت پوری کردی جائے کہ ان احکام کا ماننا فرض ہے پھر آخرت کے عذاب سے ڈرایا گیا اتنی صاف صریح ہدایات واحکام پر بھی اگر عمل نہ کریں تو پیغمبر اسلام کا منصبی فریضہ پورا ہوگیا۔

غور فرمائیے کہ حرمت کے اعلان کے لئے کتنا مؤثر وبلیغ طرز اختیار فرمایا گیا ہے ان حقائق کے بعد کتنا احمقانہ خیال ہے اور کتنا جاہلانہ تصور ہے کہ یہ کہا جائے کہ قرآن کریم نے نہ تو صریح حرام کا لفظ استعمال کیا ہے اور نہ ہی ان محرمات کا جہاں ذکر ہے وہاں بیان کیا ہے، اثم، رجس، اجتناب، انتہاء، عمل شیطان، سبب بغض وعداوت، نماز وذکر اللہ سے غفلت کا باعث وغیرہ وغیرہ تعبیرات سے کیا ایک لفظ حرام زیادہ مؤثر ہوسکتا ہے؟ کیا کسی چیز کی ممانعت کی ایک ہی تعبیر ہوسکتی ہے کل کو زنا کے بارے میں بھی کہا جائے گا کہ حرام کا لفظ کہاں ہے، وہاں تو صرف ’’لا تقربو الزنا‘‘ کا حکم ہے وغیرہ وغیرہ کیا اس قسم کے خرافات علمی دلائل کے سامنے کچھ وقعت رکھتے ہیں، بعض خردباختہ اونچے منصب والوں سے میں نے خود سنا ہے کہ جس چیز میں حکومت کا انٹرسٹ ہو یا خارجی سیاست کا تقاضا ہو اس پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی، اناللہ وانا الیہ راجعون، کیا ایسی باتیں بھی تبصرہ وتنقید کی محتاج ہیں۔

افسوس کہ ایسا دور آگیا ہے کہ آج دین اسلام کے مسلمات دین محمدی کے مہمات اور ضروریات

وقطعیات شریعت اسلامیہ کے محاسن وکمالات بھی محل شبہات بن گئے، کیا ہماری اس اسلامی مملکت کے ارباب حل وعقد اور مشاورتی کونسل کے اراکین شعائر اسلام اور مسلمات دین میں اسی طرح اختلاف کرتے رہیں گے؟ اس ک حاصل تو یہی رہا کہ مسلمات میں شکوک پیدا کر کے فیصلہ شدہ احکام کو مجروح کر دیا جائے، کرنا کیا چاہئے تھا اور کرکر رہے ہیں؟ کیا شراب جیسی چیز جس کی حرمت دین اسلام کی قطعیات میں داخل ہے جس کی خرابیوں ونقصانات پ امریکہ ولندن میں کتابیں ومقالات لکھے جارہے ہیں، جس کے ضرر ونقصانات سے کافر بھی تنگ آ گئے ہیں اس ا الخبائث کی حلت پر غور کیا جارہا ہے؟ خدارا! اسلام پر رحم کیجئے، آپ کو اگر پینا ہے تو پیتے رہیئے، لیکن حرام کو حلال تو بنایئے اور فسق سے نکل کر کفر کے دائرہ میں تو نہ آیئے، اور دین ودنیا کے دونوں وبال سے بچئے۔

[جمادی الاولی ۱۳۸۴ھ]

ہر کسے را بہر کارے ساختند

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال بینما النبی صلی الله علیه وسلم فی مجلس یحدث القوم جاءه اعرابی فقال: متی الساعة؟ فمضی رسول الله صلی الله علیه وسلم یحدث، قال: این السائل عن الساعة؟ قال: ها انا یا رسول الله! قال: اذا ضیعت الامانة فانتظر الساعة فقال: کیف اضاعتها؟ قال: اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة.(۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں تشریف فرما تھے حدیث بیان فرمارہے تھے، ایک اعرابی (دیہاتی) آیا پوچھا کہ قیامت کب ہوگی؟ آپ حدیث بیان کرنے میں مشغول تھے، جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ قیامت کا سوال کرنے والا کہاں ہے؟ سائل نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ میں حاضر ہوں، فرمایا: جب امانت (الٰہی) ضائع ہوجائے، قیامت کا انتظار کرو۔ سائل نے دریافت کیا کہ امانت کیونکر ضائع ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب معاملات نااہلوں کے سپرد ہوں قیامت کا انتظار کرو۔

دیکھئے کیسا عجیب سوال وجواب ہے اور کتنا واضح وصاف بیان ہے اور کیسی روشن علامت بیان فرمائی ہے، دنیا کا نظام اسی طرح چلتا ہے کہ جو شخص جس کام کے لئے موزوں ہو اس کے لئے اسی کا انتخاب کیا جائے، صدر مملکت سے لے کر چپڑاسی وچوکیدار تک غور کر لیجئے، یہی قانون فطرت کارفرما ہے، یہی معقول وموزوں زندگی کا نظام ہے، دنیا کا صحیح نظم اسی وقت تک قائم رہے گا جب تک اس فطری وطبعی اور عقلی قانون پر عمل کیا جاتا رہے گا، جب اس قانون کے خلاف کیا جائے گا، نظم ونسق میں خلل واقع ہوگا، حکیم وطبیب کا کام انجینئر کے کسی نے سپرد نہیں

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب فضل العلم ج:۱ ص:۱٤، ط: قدیمی

کیا، کسی منطقی و فلسفی یا ریاضی کے استاذ کو فقہ و حدیث کا درس کسی نے حوالہ نہیں کیا، کسی ادیب یا شاعر کو ہیئت و ہندسہ کا درس حوالہ نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح میدان جنگ میں قیادت افواج کا کام کسی فلسفی مفکر کے کسی نے حوالہ نہیں کیا ''ہر کسے را بہر کارے ساختند'' مثل مشہور ہے۔ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کبار میں بھی یہ صلاحیتوں کا تنوع واختلاف واضح تھا جو کام حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کا تھا ابوذر غفاریؓ سے نہیں لیا گیا۔ یہ جامعیت کبریٰ تو صرف حضرت خاتم الانبیاء سید المرسلین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات میں ہی پیدا فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کا کرشمہ دکھلایا تھا اور سارے کمالات علمیہ وعملیہ آپ کی ذات گرامی میں جمع کردیئے تھے، آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔

ان حقائق کی روشنی میں حسب ذیل خبر ملاحظہ فرمایئے:

''اسلام کی تعبیر وتشریح کی ذمہ داری کسی مخصوص گروہ کو نہیں سونپی جاسکتی''۔

وزیر قانون شیخ خورشید احمد کی تقریر:

پشاور ۱۲/اکتوبر (اپ پ اپ پ) مرکزی وزیر قانون شیخ خورشید احمد نے آج ہائی کورٹ اور ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کے ممبروں کو خطاب کرتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں کہا:

''اسلام کی تعبیر وتشریح کا کام کسی ایک مخصوص گروہ کو نہیں سونپا جاسکتا اس لئے یہ ذمہ داری قانون سازوں کے سپرد کی گئی ہے جو منتخب نمائندوں کی حیثیت سے عوام کے ضمیر کے نگہبان اور محافظ ہیں''۔

تعجب کی کیا بات ہے؟ اب بھی اگر قیامت کے قرب کا آپ کو یقین نہیں آئے تو کب آئے گا، وزیر قانون کے بارے میں سنی سنائی باتوں کی بنا پر ہمیں عقیدت تھی کہ اس دور میں اور موجودہ نظام میں ان کا وجود پھر بھی غنیمت ہے، لیکن افسوس ''خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم'' قرآن کریم اور احادیث نبویہ جو دین اسلام کے دو بنیادی ستون ہیں ان کے حقائق اور فقہی مسائل کے استنباط کے لئے تو کبار صحابہؓ میں بھی چند خاص خاص شخصیتیں متعین تھیں، عام صحابہ کی دسترس سے بھی یہ حقائق بالاتر تھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت قرآن کریم میں اپنی رائے سے کوئی بات بیان کرنے سے گھبرایا کرتے تھے اور فرماتے تھے:

" ای سماء تظلنی وای ارض تقلنی اذا قلت فی کتاب الله برأیی "(١)

کس آسمان کے زیر سایہ اور کس روئے زمین پر میں رہ سکوں گا جب اللہ کی کتاب میں اپنی رائے کو دخل دینے لگوں گا۔

---

(١) الانقان فی علوم القرآن للسیوطی، النوع السادس والثلاثون فی معرفة غریبه ج:١ ص:٣٠٤، ط: بیروت. البرهان فی علوم القرآن للزرکشی، فی معرفة غریبه ج:١ ص:٢٩٥، ط:دارالمعرفة بیروت.
کنز العمال، فصل فی حقوق القرآن ج:٢ ص:٤٤٥، ط:مؤسسة الرسالة بیروت

قرآن کریم واحادیث نبویہ وفقہ اسلامی میں جن کی زندگیاں گذری ہیں اگر وہ ان کا حق ادا کرسکیں تب بھی غنیمت ہے لیکن اگر یہ مخصوص گروہ بھی اس عظیم کام سے علیحدہ کردیا جائے تو پھر کیا رہے گا؟ کار طفلاں تمام خواہد شد۔

آخر جب کوئی حکومت قانون بناتی ہے یا قانون کی تعبیر وتشریح میں کوئی اختلاف ہوجاتا ہے تو ماہرین قانون ہی کی خدمات حاصل کرتی ہے؟ تو اگر انسانی دماغوں کے ساختہ پرداختہ قوانین کی تعبیر وتشریح کے لئے ماہرین کی ضرورت ہے تو احکم الحاکمین کے قوانین کے لئے ماہرین قانون اسلامی سے کیوں کر استغنا ہوسکتا ہے؟

میں اس سلسلہ میں لائق احترام وزیر قانون موصوف کو چند قطعی اور یقینی امور کی طرف متوجہ کرنا اور اس کے بعد چند اہم سوالات کرنا چاہتا ہوں امید ہے کہ موصوف ان امور پر توجہ فرمائیں گے اور ان سوالات کے جوابات ایک بیان کی صورت میں دیں گے:

① تیرہ سوسال سے امت کا اس پر اتفاق واجماع ہے کہ اسلام اتنا کامل واکمل اور ایسا واضح وروشن مذہب ہے کہ وہ کسی کی تعبیر وتشریح کا محتاج نہیں، اسلام کی تعبیر وتشریح کا نام اور اس کام کو کسی کے سپرد کرنے کا سوال صرف انہی لوگوں کی زبان پر آتا ہے جو اسلام کو اپنی اغراض وخواہشات کے ڈھانچہ میں ڈھالنا چاہتے ہیں ورنہ امت مسلمہ تو تیرہ سوسال سے بغیر کسی کی تعبیر وتشریح کے علی وجہ البصیرت اسلام کو جانتی پہچانتی اور اس کے احکام پر عمل کررہی ہے۔

② ایسے جزوی حوادث ومسائل جو زمانے کے ساتھ بدلتے اور نو بنو وجود میں آتے رہتے ہیں ان کے متعلق اسلام کا قطعی اور اساسی اصول شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے حسب ذیل بیان فرمایا ہے:

عن عليؓ قال : قلت يارسول الله ! ان نزل بنا امر ليس فيه امر ولا نهى فما تامرني؟ قال: "شاوروا فيه الفقهاء والعابدين ولا تمضوا فيه رأى خاصة"(١)، رواه الطبراني فى الاوسط ورجاله موثقون من اهل الصحيح

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آئے جس میں کوئی واضح بیان (نص کتاب وسنت) موجود نہ ہو نہ امر (حکم) ہو نہ نہی (ممانعت) ہو، ایسے مسئلہ کے بارے میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں (ہم کیا کریں)؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسے مسائل میں تم فقہاء اور عبادت گذاروں سے مشورہ کیا کرو اور کسی بھی شخصی رائے سے ان کو طے نہ کیا کرو۔

سوال: لائق احترام وزیر قانون سے میں دریافت کرتا ہوں کہ:

---

(١) المعجم الاوسط للطبراني ج:٢ ص:١٧٢، ط: دار الحرمين القاهرة.
مجمع الزوائد ج:١ ص:٢١٧، ط: دار الفكر بيروت

راحت میسر آتی، ملعون زندگی، ملعون معاشرہ اور ظلم وستم کی گرم بازاری یک قلم ختم ہوجاتی اور حق تعالیٰ کے ارشاد:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ [الاعراف:۹٦]

اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

کے مطابق برکات وتجلیات کا ظہور ہوتا اور ہر طرف اسلام کے روح پرور نظارے سامنے آتے۔

مگر ہم شکر نعمت کے راستہ کو چھوڑ کر خدا فراموش قوموں کے راستے پر چلے قرار داد مقاصد اور پھر ۱۹۵٦ء کے دستور میں فیصلہ ہوا تھا کہ ملک کا قانون کتاب وسنت کی مطابق ہوگا کیا آج تک اس وعدہ کے ایفاء کی توفیق ہوئی؟ یہاں حکومتوں پر حکومتیں بدلیں، کئی حکمران آئے اور گئے مگران سب میں قدر مشترک یہ تھی کہ ہر حکمران اپنے دور اقتدار میں اس سے پہلوتہی کرتا رہا اور اس کے نتائج ہمارے سامنے آتے رہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ ہمارا ملک تجارت کی لائن میں کچھ آگے بڑھا، زراعت کے شعبہ میں کچھ ترقی ہوئی، نادار اور متوسط طبقہ کے کچھ لوگ مالدار ہوگئے، کچھ جھونپڑیوں کے مکین بنگلہ نشین ہوگئے، کچھ بے روزگار افراد کو نوکری اور روزگار مل گیا مگر کیا کسی اسلامی حکومت کا اہم کارنامہ بس یہی ہے جس پر فخر کیا جائے۔

اسلام کو چھوڑ کر مادی اسباب اختیار کرنے کا خمیازہ

دین کو چھوڑ کر ہمارے یہاں مادی ترقی کے لئے جوراستہ اختیار کیا گیا وہ ہلاکت وبربادی اور فساد وخون ریزی کی مہیب وتاریک وادیوں پر جاکر ختم ہوا، مال ودولت کی اندھی محبت، استحصال کے غلط طریقوں، متمول طبقہ کی ستم رانیوں، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم اور ہمارے بزرجمہروں کی مصنوعی منصوبہ بندی نے معاشرے میں زمین وآسمان کا معاشی تفاوت پیدا کردیا اس کے ردعمل میں طبقاتی کشمکش پیدا ہوئی جس نے بالآخر مجیب، بھاشانی اور بھٹو کی شکل اختیار کی اور دیکھتے ہی دیکھتے قوم کے امن وسکون کو نذر آتش اور ملک کو سنگین بحران سے دوچار کردیا، ہماری فہم وفراست کو داد دینی چاہیے کہ ہم تباہی کے اسی راستے پر اب تک دوڑے چلے جارہے ہیں اور کسی کو یہ سوچنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ ہماری غلط روی کا نقطۂ آغاز کیا ہے اور اس کا انجام کیا ہوگا؟

ہم تو یہ سمجھتے ہیں اور ایسا سمجھنے میں حق بجانب ہیں کہ اگر ہمارے ملک میں موجودہ دنیا کی چہل پہل نہ بھی ہوتی، عصر حاضر کے تمدن کی یہ رعنائیاں اور عقل فریبیاں نہ بھی ہوتیں، یہ بڑے بڑے بینک، یہ بڑے بڑے کارخانہ اور انڈسٹریاں، یہ دیوقامت محلات، یہ حسین وجمیل کاریں نہ بھی ہوتیں بلکہ یہاں صرف صحیح مسلمان ہوتے، صحیح اسلامی معاشرہ ہوتا، رشوت کی گرم بازاری نہ ہوتی، قتل وسفا کی بے رحمانہ ومجرمانہ وارداتیں نہ ہوتیں،

اختیار کر کے اس فتنہ کی حمایت کی جا رہی ہے، جہاں جہاں اسلام پسند طبقوں نے اس طرح کا دھوکہ کھایا ہے آج وہاں نہ وہ اسلام پسند موجود ہیں اور نہ وہاں اللہ کا نام لینے والا کوئی باقی ہے، اینگلو امریکی سامراج کے لائے ہوئے سرمایہ دارانہ نظام کی مخالفت اور معاشی انصاف اور عدل عمرانی کے قیام کے لئے اسلام کا لفظ اختیار کرنا کافی ووافی ہے اگر اس پرفریب اصطلاح سے کلی طور پر اجتناب نہ کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ ملحد و بے دین طبقہ اسلام کی آڑ لے کر ماؤزے تنگ کا لادینی نظام قائم کرلے گا ہماری نظر میں یہ مسئلہ صرف پاکستان ہی کی موت وزیست کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس ملک میں اسلام کی بقاء اور عدم بقاء کا مسئلہ بھی ہے، اس لئے سوشلزم اور اسلامی سوشلزم کی مخالفت ہمارا ایمان ہے اور جس طرح سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے اسی طرح سوشلزم اور اسلامی سوشلزم کے خلاف جہاد کرنا بھی وقت کا سب سے بڑا فریضہ ہے، اس فتنہ کی سرپرستی خواہ کوئی فرد کرے یا کوئی جماعت اور گروہ دیوبندی، بریلوی، شیعہ، سنی، مقلد اور اہل حدیث سب کو مل کر اس لادینی فتنہ کی مخالفت اور اس کے خلاف جہاد کرنا ناگریز اور ضروری ہے۔ والسلام

(مولانا) احتشام الحق تھانوی

[رجب المرجب ۱۳۸۹ھ - اکتوبر ۱۹۶۹ء]

نعمت خداوندی پاکستان اور اس نعمت کا شکر ادا کرنے کا طریقہ

اس حقیقت کا اظہار بار بار کیا گیا کہ مملکت خداداد پاکستان حق تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے، جو شدید و مدید ابتلاء کے بعد عطا ہوئی ہے، قانون الٰہی یہ ہے کہ اگر نعمت کا شکر ادا کیا جائے تو نعمت میں روز افزوں ترقی ہوتی ہے اور ناشکری پر زوال ہی کا نہیں بلکہ انتقام کا بھی خطرہ لاحق رہتا ہے۔ جو فرد یا قوم کسی نعمت کے استعمال اور اس کا شکر ادا کرنے میں نااہل ثابت ہو اس سے نہ صرف یہ کہ وہ نعمت سلب کر لی جاتی ہے بلکہ اس بے قدری نعمت پر اسے ذلیل ورسوا بھی کیا جاتا ہے:

﴿وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِىْ لَشَدِيْدٌ﴾ [ابراہیم: ۷]

اس نعمت الٰہی کا شکر یہ تھا کہ یہاں ایک خدا ترس اور صالح حکومت قائم ہوتی جو ملک وملت کی بے لوث خدمات انجام دیتی، قانون الٰہی کے سایہ رحمت میں یہاں ایک صالح معاشرہ تشکیل پاتا جو اقوام عالم کے سامنے اسلام کے مثالی معاشرہ کا نمونہ پیش کرتا، یہاں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کو نافذ کیا جاتا جو اس کائنات کے لئے حق تعالیٰ کی آخری نعمت انتہائی رحمت نجات وفلاح کا آخری پیغام اور سعادت دارین کا واحد راستہ ہے، ہماری عدالتیں عدالت نبوت سے منور ہوتیں، قانون الٰہی کے سایہ رحمت تلے پوری قوم چین کی زندگی بسر کرتی، فوج ہو یا پولیس، دفتر ہو یا دکان، کارخانہ ہو یا تجارت ہر طرف اسلامی قانون کے انوار جگمگاتے، قلب کو سکون اور دماغ کو

جمعیت علماء اسلام کے اجلاس منعقدہ ملتان میں اس امر کا اعلان کیا گیا تھا کہ اب پاکستان بن جانے کے بعد اسلامی خطوط پر اس کی تعمیر کا مسئلہ ہے، لہٰذا کانگریسی اور غیر کانگریسی کا امتیاز ختم کر دینا چاہئے حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری نے مجھے جمعیت علماء اسلام کا ناظم اعلیٰ مقرر فرمایا تھا مگر میں نے بچند وجوہ کنارہ کشی کا فیصلہ کرلیا تھا اس لئے بار بار اصرار کے باوجود میں نے مولانا احمد علی صاحب لاہوری سے معذرت ظاہر کر کے معافی مانگ لی تھی، اگر کانگریسی اور غیر کانگریسی کی تفریق میرے گوشۂ خیال میں ہوتی تو دستوری نکات ترتیب دینے کے سلسلہ میں ہر مکتب فکر کے علماء کے اجتماع میں مولانا احمد علی صاحب لاہوری اور مولانا محمد علی صاحب جالندھری، مولانا محمد یوسف صاحب بنوری اور مولانا مودودی صاحب کو کیوں شریک کرتا وہ اجتماع میری اور صرف میری رائے سے ہوا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ تعمیر پاکستان کے مسئلہ میں کانگریسی اور غیر کانگریسی کا امتیاز کبھی میرے وہم وگمان میں بھی نہیں رہا۔

سابق صدر ایوب خان نے اپنی خانہ ساز کتاب میں پاکستان کی مخالفت کے سلسلہ میں جن کانگریسی علماء کا اور مولانا مودودی صاحب کا تذکرہ کیا ہے وہ بھی میری نظر میں خلاف واقعہ اور بے بنیاد ہے جس کا اظہار میں نے بارہا اپنی تقریروں میں کیا ہے، کیونکہ کانگریسی علماء کا اختلاف جس فارمولے پر مبنی تھا وہ مسلمانوں کے مستقبل کے اعتبار سے مخلصانہ اور ان کے نقطہ نظر سے نیک نیتی سے متعلق تھا اور مولانا مودودی صاحب نے تحریک پاکستان کی جس قیادت پر عدم اعتماد کا اظہار کیا تھا وہ بھی کچھ زیادہ غیر واقعی نہ تھا اور اگر پاکستان قرآن وسنت کی حکومت قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو تو تحریک پاکستان سے اختلاف کے اسباب اور وجوہ غلط نہیں قرار دیئے جاسکتے، اگر اسلامی حکومت کے نصب العین میں پاکستان کامیاب ہوجاتا ہے تو تحریک پاکستان سے متعلق تمام اختلافات کو بے بنیاد غیر صحیح اور توہمات کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔ پھر غاصبانہ کا الزام میری طرف سے اس وقت صحیح ہوگا جب میں جمعیت علماء اسلام کا دعویدار ہوتا، مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے وصال سے کچھ روز قبل علالت کی حالت میں عمرہ کے لئے جاتے ہوئے غریب خانے پر تشریف لاکر فرمایا تھا کہ میری انتہائی خواہش ہے کہ آپ جمعیت علماء اسلام کو سنبھالیں، میں نے اس وقت غایت ادب سے عرض کیا تھا جی بہتر ہے۔

پھر مولانا غلام غوث ہزاروی اور مفتی محمود صاحب دونوں حضرات نے مولانا عبداللہ صاحب درخواستی کا استخارہ بیان کرتے ہوئے مجھے جمعیت علماء اسلام کے لئے فرمایا میں نے معذرت پیش کردی تو ایسی صورت میں میری طرف سے قبضہ غاصبانہ کا الزام دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مجھے نہ کانگریسی علماء سے اختلاف ہے اور نہ جمعیت علماء اسلام کی موجودہ قیادت سے بلکہ اصل اختلاف اس عالمگیر اور اسلام کش فتنہ سے ہے جو کمیونزم اور سوشلزم کے نام سے ہمارے ملک میں سر اٹھا رہا ہے اور جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے یا اس کے اخبار ترجمان اسلام سے اسلامی سوشلزم کی پرفریب مگر مہلک اصطلاح

عظمت و احترام کے بھی منافی ہیں جو تحریک پاکستان کے مسئلہ میں اختلاف کے باوجود ان اکابر ملت کے لئے میرے دل میں ہمیشہ سے ہے۔

اخبار جہاں کے انٹرویو کی صورت یہ ہوئی کہ ١٢ر جون بروز جمعرات صبح دس بجے اسلامیہ کالج کراچی میں طلبہ کی جانب سے سیرۃ النبی کا ایک جلسہ تھا اور یہ تاریخ ایک ہفتہ پہلے سے میری ڈائری میں درج تھی ١١ر جون بروز بدھ صرف ایک روز پہلے اخبار جہاں کے دفتر سے فون آیا کہ اس کے نمائندے کل صبح انٹرویو لینے کے لئے آنا چاہتے ہیں میں نے ڈائری کا پروگرام دیکھ کر بتادیا کہ دس بجے مجھے اسلامیہ کالج کے جلسہ میں جانا ہے اگر آپ آنا چاہیں تو ٩ بجے صبح آجائیں لیکن اخبار جہاں کے نمائندے ساڑھے نو بجے کے بعد میرے پاس پہنچے، انٹرویو دیتے ہوئے پندرہ بیس منٹ ہی گذرے تھے کہ اسلامیہ کالج کے طلبہ مجھے لینے کے لئے آئے، میں نے اخبار جہاں کے نمائندے سے معذرت کی کہ کسی دوسرے وقت آپ تشریف لائیں انٹرویو کا باقی حصہ میں مکمل کرادوں گا مگر وہ نہیں مانے اور کہنے لگے کہ آپ میرے چند سوالات کے جوابات ہاں یا نہیں میں مختصراً دے دیجئے، میں انہیں اپنے الفاظ میں پھیلا کر لکھ لوں گا، چنانچہ ان سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان کے موجودہ عہدے دار کیا پاکستان کی تحریک میں شامل تھے میں نے جواب دیا نہیں، بلکہ ان حضرات کو تحریک پاکستان سے اختلاف تھا اور اسی اختلاف کی بنا پر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے جمعیت علماء اسلام کی تشکیل فرمائی تھی۔ دوسرا سوال یہ تھا کیا مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھی رفقاء کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ میدان میں آکر نظریہ پاکستان کی حفاظت کریں؟ میں نے جواب دیا بے شک یہ رفقاء کی ذمہ داری ہے اور مولانا ظفر احمد عثمانی جو مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے قریبی اور ہم عصر ساتھی ہیں انہیں اس میں پہل کرنی چاہیے۔ یہ وہ مجمل جوابات ہیں جن کا پھیلاؤ انٹرویو ترتیب دینے والے صاحب نے اپنے الفاظ اور اپنی عبارت میں کیا، غاصبانہ قبضہ، کانگریسی علماء، پاکستان دشمن وغیرہ جیسے الفاظ بائیس سال کے عرصہ میں کبھی کسی نے میری زبان سے نہ سنے ہوں گے اور نہ میں ایسی تلخ گوئی کا عادی ہوں۔

تحریک پاکستان سے اختلاف کی وضاحت چاند کے مسئلہ میں نظر بندی سے رہائی کے بعد لاہور کے استقبالیہ کی تقریر میں کرچکا ہوں جس کی صدارت استاذ العلماء حضرت مولانا رسول خاں صاحب نے کی تھی اور اس میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بھی شریک تھے، اسی طرح کی وضاحت دو سال پہلے ڈیرہ غازی خان کی ایک تقریر میں بھی کرچکا ہوں جس کی بناء پر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض متوسلین نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ میں اپنے خیالات ضبط تحریر میں لاکر شائع کرادوں، کانگریسی علماء اور قبضہ غاصبانہ الفاظ بھی میرے نہیں ہیں بلکہ مفہوم میرا ہے یعنی یہ کہ یہ حضرات تحریک پاکستان سے اختلاف رکھتے تھے پھر پاکستان بننے کے بعد ان حضرات نے جمعیت علماء اسلام کی تنظیم کو اپنا لیا ہے۔

مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کا ''اخبار جہاں'' میں ایک انٹرویو شائع ہوا تھا جس نے دراصل اختلاف کی خلیج کو وسیع بنایا تھا، جمعیۃ علماء اسلام کی شوریٰ کا اجلاس لاہور میں ہو رہا تھا کہ وہ بیان سامنے آیا مولانا مفتی محمود صاحب نے ٹیلیفون پر مجھ سے اس بیان کے بارے میں دریافت کیا کہ اگر واقعی مولانا احتشام الحق صاحب نے یہ بیان دیا ہو تو ہم اس کا جواب لکھیں ورنہ مولانا موصوف اس کی تردید فرمائیں، اسی وقت میں نے مولانا احتشام الحق صاحب سے ٹیلیفون پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن مولانا سے رابطہ قائم نہ ہو سکا، تاہم میں نے جمعیۃ علماء والوں کو اس کے خلاف بیان دینے سے روک دیا اس کے بعد مولانا احتشام الحق صاحب ڈھاکہ چلے گئے واپسی پر ملاقات ہوئی دوران گفتگو اس کا ذکر آیا تو مولانا نے فرمایا کہ: وہ الفاظ میرے نہیں ہیں، چنانچہ انہوں نے اس کی تردید میں ایک سائل کے جواب میں تحریر سنائی اور اس کی ایک کاپی بغرض اشاعت مجھے دی، میرا خیال ہوا کہ خود جمعیۃ علماء اسلام ہی اس کو شائع کرے تو بہتر ہوگا لیکن مفتی محمود صاحب کوئٹہ گئے ہوئے تھے، مولانا ہزاروی سے رابطہ قائم نہ ہو سکا اس لئے اس تردید کی اشاعت بروقت نہ ہو سکی اور فریقین کے بیانات اخبارات میں آنے شروع ہو گئے، اس لئے اب سب کی رائے ہوئی کہ وہ اصلی بیان شائع کر دیا جائے کہ فی الجملہ بعض بنیادی غلط فہمیاں دور ہو جائیں مولانا احتشام الحق کا وہ مکتوب حسب ذیل ہے:

۲۳؍جولائی ۱۹۶۹ء

محترم گرامی قدر جناب محمد حسین صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مشرقی پاکستان کے پندرہ روزہ دورے سے واپسی پر آپ کا ملفوف مراسلہ اور اشتہار دونوں میری نظر سے گذرے اسی قسم کے کچھ اور خطوط بھی اس سے پہلے مجھے موصول ہوئے تھے جن میں معاندانہ اور مفسدانہ انداز اختیار کیا گیا تھا اس لئے میں نے ان کو قابل خطاب نہیں سمجھا اور خاموشی اختیار کی لیکن آپ کی تحریر سے اخلاص اور ادب کا اندازہ کر کے میں نے مناسب سمجھا کہ آپ کو صورت حال سے مطلع کر دوں۔

اشتہار کے صفحہ ۳؍ و صفحہ ۴؍ پر جو عبارتیں نقل کی گئی ہیں ان میں سے صفحہ ۴؍ کی عبارت کا تعلق مفتی محمد شفیع صاحب سے ہے اور میرے افکار و خیالات کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، البتہ صفحہ ۳؍ پر جو عبارت نقل کی گئی ہے وہ اخبار جہاں کے انٹرویو کا اقتباس ہے جس میں الفاظ اور عبارت انٹرویو کے ترتیب دینے والے صاحب کے ہیں اور مفہوم تقریباً میرا ہے، الفاظ اور عبارت سے عام تاثر یہ ہوتا ہے کہ میں نے تحریک پاکستان سے اختلاف رکھنے والوں کو پاکستان دشمن قرار دیا جبکہ ان میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اکابر امت بھی شامل تھے اور دوسرا تاثر یہ ہوتا ہے کہ میں اس مبینہ اختلاف کو آڑ بنا کر جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان کی مخالفت کرنا چاہتا ہوں حالانکہ یہ دونوں تاثرات نہ صرف یہ کہ بے اصل اور بے سروپا ہیں بلکہ میری اپنی افتاد طبع کے بھی خلاف ہیں اور اس

اہم تدبیر ہے کہ اس معاہدہ کے ذریعے یہ راستہ روک دیا جائے اور لیبر یونین کو سوشلزم کے بجائے خالص اسلامی معاشی نظام کے جھنڈے کے نیچے لاکر کھڑا کر دیا جائے۔ ۵۰ رلاکھ مزدوروں کو چند گمراہ لیڈروں کی گود میں کیسے چھوڑا جاسکتا ہے اگر چہ ان کی اپنی پرانی تنظیم ہے لیکن ان میں نفوذ کا بھی راستہ کھلا ہے، علاوہ ازیں یہ ان کی آخری رائے نہیں ہے، ۲۶ رستمبر کو سرگودھا میں شوریٰ کے اجلاس میں یہ مسئلہ پیش ہوگا ہوسکتا ہے کہ بجائے توثیق کے تنسیخ ہوجائے، دوسرے فریق کا خیال تھا کہ اصولاً یہ تو صحیح ہے کہ لیبر یونین کی اصلاح کی ضرورت ہے اور سیاسی اعتبار سے بھی یہ صحیح ہے لیکن طریقہ کار جو اختیار کیا گیا ہے غلط ہے ان کو اپنی جماعت میں آنے کی دعوت دینا چاہیے تاکہ وہ تابع ہوکر آئیں موجودہ صورت حال میں خطرہ ہے کہ علماء ان میں مدغم ہوکر اپنے مستقل وجود کو ختم کر دیں گے بہرحال یہ اختلاف رائے باقی رہا اور اس مسئلہ میں اتفاق نہ ہوسکا۔

میرے نزدیک فریقین کا اتفاق بے حد ضروری تھا اس لئے کہ اس میں شک نہیں کہ اس ظاہری اور غیر اصولی اختلاف رائے کو خود غرض حضرات ہوا دے کر اصولی اختلاف بنانے اور فتنہ انگیز عواقب ونتائج پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ میری رائے میں علماء کا اتحاد و اتفاق لیبر یونین کے معاہدے سے زیادہ قیمتی تھا، میرے نزدیک تو اگر کوئی ایک فریق اپنے محاذ کو چھوڑ کر دوسرے فریق کو ذمہ داری سپرد کر دیتا تو افتراق سے بدرجہا بہتر تھا، لیکن یہ آرزو پوری نہ ہوسکی تاہم جانبین ایک دوسرے کے بہت قریب آگئے اور باہمی مباحثہ وگفتگو سے بہت سی غلط فہمیاں دور ہوگئیں اور حسب ذیل بیان مرتب کرکے فریقین کے دستخط ہوگئے بیان کا مسودہ یہ ہے:

کچھ روز سے بعض اخباری بیانات اور اسلام دشمن عناصر کی ریشہ دوانیوں سے جمعیت علماء اسلام کے رہنماؤں کے مابین جو اختلافات اور کشیدگی پیدا ہوگئی ہے اس کو دور کرنے اور باہم ایک دوسرے سے قریب کرنے کے لئے مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا محمد یوسف بنوری صاحب، مولانا اطہر علی صاحب، مولانا عبدالحق صاحب حقانی اور مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی پر مشتمل ایک کمیٹی مفتی محمود صاحب اور مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب کی منظوری سے قائم کی گئی ہے، یہ کمیٹی مفاہمت اور مصالحت کے مذاکرات جاری رکھے گی، سر دست اس کمیٹی کے ارکان اور مفتی محمود صاحب و مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب نے بالاتفاق اعلان کیا ہے کہ مفاہمت کی گفتگو جاری ہے فریقین میں سے ہر ایک اپنے اپنے کام کو جاری رکھے ہوئے کسی دوسرے پر تقریروں میں یا اخباری بیانات میں حملے نہ کریں اور ہر فریق دوسرے کا احترام باقی رکھے۔

① مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
② مولانا محمد یوسف صاحب بنوری
③ مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی
④ مولانا مفتی محمود صاحب
⑤ مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب
⑥ مولانا عبدالحق صاحب حقانی اکوڑہ
⑦ مولانا اطہر علی صاحب کشور گنج مشرقی پاکستان۔

جمعیۃ علماء اسلام اور مولانا احتشام الحق تھانوی

۲؍اگست ۱۹۶۹ء کو کراچی میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی رہنمائی میں کل مرکزی جمعیۃ علماء اسلام کی جدید تشکیل وجود میں آئی، مشرقی پاکستان کی چند مشہور شخصیتیں بھی مندوبین میں شامل تھیں، ۲۲؍اگست ۶۹ء کو سکھر میں وفاق المدارس العربیۃ کا اجلاس تھا اور سندھ کے تقریباً تیس چالیس مدارس دینیہ نے وفاق سے الحاق کا ارادہ کیا تھا اس لئے میرا سکھر جانا ضروری تھا جمعیۃ علماء کے اجلاس میں شریک نہ ہو سکا۔

۲۴؍ کی شام کو میرے نام حضرت مولانا اطہر علی صاحب کا تار ملتان پہنچا جس کی اطلاع بذریعہ ٹیلیفون مجھے لاہور ملی کہ تم جلد سے جلد کراچی پہنچو اور مولانا عبدالحق صاحب دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ کو بھی دعوت دو اور ہو سکے تو مولانا شمس الحق افغانی کو بھی دعوت دو اور دونوں جماعتوں میں مصالحت کی کوشش کرو چند اور حضرات کو بھی دعوت دی گئی تھی اور مولانا مفتی محمود صاحب اور مولانا غلام غوث ہزاروی کو بھی مدعو کیا گیا تھا، ٹیلیفون پر سب حضرات سے رابطہ قائم کیا گیا اور طے پایا کہ ۳۰؍اگست ۶۹ء کراچی پہنچ کر مفاہمت و مصالحت کی کوشش کی جائے گی اور سب حضرات کی خدمت میں گذارش کی گئی کہ اس عرصہ میں کوئی فریق پریس یا اخبارات میں دوسرے فریق کے خلاف بیان نہ دے، چنانچہ حسب وعدہ راقم الحروف اور بقیہ حضرات بھی ۳۰؍اگست کو کراچی پہنچ گئے، اتوار ۳۱؍اگست کو پہلے مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں پھر حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کے یہاں جیکب لائن میں پھر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے یہاں دارالعلوم کورنگی میں اجتماعات جاری رہے، آخری اجتماع یکم ستمبر کو صبح مولانا احتشام الحق صاحب کے یہاں رکھا گیا جس میں حسب ذیل حضرات شریک رہے:

① حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
② حضرت مولانا احتشام الحق صاحب
③ مولانا غلام غوث صاحب
④ مولانا مفتی محمود صاحب
⑤ مولانا عبدالحق حقانیہ والے
⑥ حضرت مولانا اطہر علی صاحب (مشرقی پاکستان)
⑦ اور راقم الحروف۔

بحث و تمحیص کے بعد یہ بات صاف ہوئی کہ الحمد للہ دونوں فریق کے درمیان کوئی اصولی اختلاف نہیں ہے، سوشلزم یا کمیونزم کے سیلاب کو روکنے کے لئے مشترکہ جدوجہد ضروری ہے اور اس کی مخالفت میں فریقین کے درمیان مطلق کوئی اختلاف نہیں نیز یہ کہ سرمایہ دارانہ نظام بھی قطعاً اسلامی روح کے منافی ہے اس پر بھی اتفاق رائے تھا، خلاف کا آخری نقطہ وہ معاہدہ تھا جو جمعیۃ علماء اسلام نے لیبر یونین سے کیا تھا جمعیۃ علماء اسلام کا نظریہ یہ تھا کہ سوشلزم کا دروازہ بھی لیبر یونین ہے جب بھی سوشلزم اس ملک میں آئے گا اسی راستہ سے آئے گا اس لئے یہ ایک

کے محکمہ سے منسلک ائمہ مساجد وخطباء ہی مدعوین ومندوبین ہیں، مجلس مذاکرہ علمی حیثیت سے بہت کمزور تھی دو تین مقالوں کے علاوہ اور کسی مقالہ میں علمی روح جلوہ گر نہ تھی نظم ونسق کے اعتبار سے بھی کوئی قابل ذکر مجلس نہ تھی۔

جہاں تک اوقاف کی تنظیم کا تعلق ہے اور اوقاف کو غاصبوں کی دست وبرد سے بچانے کا مسئلہ ہے ادارہ اوقاف کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن سب سے زیادہ قابل توجہ مسائل اوقاف کے مصارف کا مسئلہ ہے، اوقاف امت اسلامیہ کی امانت ہیں واقفین نے جن مقاصد کے لئے وقف کیا ہے شرعاً ان کی پابندی ضروری ہے، واقف کی منشاء کے خلاف کسی بھی اور مصرف میں خرچ کرنا خیانت ہے۔

محکمہ اوقاف کے قبضہ میں حسب ذیل نوعیت کے اوقاف ہیں:

الف: اوقاف خیر یہ جس میں واقفین نے مصرف خیر میں خرچ کرنے کی وصیت کی ہو۔

ب: مساجد ومدارس کے اوقاف جو واقفین نے صرف کسی مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف کئے ہوں۔

ج: مزارات کی آمدنی یعنی مزارات پر چڑھائی جانے والی نذر ونیاز۔

پہلی مد میں اس کی گنجائش ہے کہ ہر کار خیر میں صرف کیا جائے، دوسری مد میں شرعاً کوئی گنجائش نہیں کہ کسی بھی اور کام میں خرچ کیا جائے، تیسرے مد کی بنیاد ہی سرے سے مشتبہ ہے اس میں حلال، حرام تمام قسمیں جمع ہوگئی ہیں زیادہ سے زیادہ ذمہ داری سے بچنے کے لئے مناسب یہ ہے کہ فقراء پر تقسیم کیا جائے۔

کاش ارباب اقتدار اس امانت کو صحیح شرعی طریقے پر خرچ کرنے کا انتظام کرتے تو کتنا اچھا ہوتا، مساجد کے اوقاف میں فقہاء نے بہت تشدید کی ہے یہاں تک کہ کسی ایک مسجد کی آمدنی دوسری مسجد پر خرچ کرنا بھی جائز نہیں سمجھا اگرچہ خاص خاص حالات میں گنجائش نکالی جا سکتی ہے، جس ملک میں آج تک اسلامی قانون نہیں بن سکا اور کتاب وسنت کے خلاف عائلی قوانین تک بنالئے گئے اگر اس میں اوقاف کا نظم غیر شرعی ہو تو کیا تعجب!

۱۹۶۸ء میں اوقاف کی آمدنی ۶۸۲۰۲۰۰/ روپے اور خرچ ۳۱،۲۵۸۰۰/ گویا اس سال کی بچت ۳۶۹۴۴۰۰/ روپے۔

یہ سالانہ رقم اتنی بڑی رقم ہے کہ اس کے ذریعہ بہت سی علمی ودینی خدمات انجام دی جا سکتی ہیں، بہرحال اہم ضرورت یہ ہے کہ تینوں مدات کے کھاتے الگ الگ ہوں اور ہر ایک مد کی آمدنی کے مصارف شرعی قانون کے مطابق تجویز کئے جائیں اور انہی میں وہ آمدنی خرچ کی جائے اگر توجہ دی جائے تو بہت آسانی سے یہ نظم قائم ہو سکتا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ہماری اس گذارش پر غور کیا جائے گا اور اس طرح دنیا وآخرت دونوں کی مسئولیت سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کی جائے گی۔

اتنی گری ہوئی بات کہنے سے احتراز فرمائیں گے۔

والله يقول الحق وهو يهدى السبيل

[ربیع الاول ۱۳۸۹ھ]

چوں کفر از کعبہ برخیزد!

جامعہ بہاول پور میں ایک افسوسناک واقعہ پیش آیا ہے، ۱۲/ مارچ ۷۰ء کے جنگ میں ایک خبر شائع ہوئی ہے کہ:

> ''گورنر مغربی پاکستان جامعہ اسلامیہ میں تشریف لے گئے اور بہت سے طلبہ کو بے ریش دیکھ کر حیرت سے پوچھا کہ آپ لوگوں کی داڑھیاں کیوں نہیں۔
>
> رئیس الجامعہ نے فوراً کہا کہ ''اسلام داڑھی میں نہیں ہے''۔

انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ گورنر صاحب تو داڑھی کا احترام کریں اور علم دین حاصل کرنے والے طلبہ سے توقع رکھیں کہ ان کی صورت وسیرت اسلامی تعلیمات کا آئینہ ہوگی، لیکن جامعہ کے ڈین صاحب اس جرأت کے ساتھ دین کا تمسخر اڑائیں؟ کاش یہ کہتے کہ اسلام صرف داڑھی میں نہیں تو معاملہ آسان ہوتا کہ ہم مقصر ہیں دین کے تقاضے کون پورے کرسکتا ہے؟ بہرحال ان فتنوں کے دور میں یہ بات زیادہ عجیب نہیں کہ علم وعمل کا تطابق نہ ہو، علوم تو انبیاء کے حاصل کریں اور شکل وصورت وسن یا لینن کی ہو۔ بہرحال یہ واقعہ اپنے پہلو میں عبرت کے بہت سے پہلو لئے ہوئے ہے، گویا اب یہ دور آگیا کہ عوام یا غیر علماء تو انبیاء وصالحین امت کے اس شعار کو مدت ہوئی عموماً ترک کرہی چکے تھے الا ماشاءاللہ، مگر اب جانشین مسند نبوت بھی ان کے پیچھے جارہے ہیں۔ انا للہ!

''بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است''

رحم الله الامة للرشاد   وجنبهم عن الزيغ والالحاد

[صفر ۱۳۹۰ھ-اپریل ۱۹۷۰ء]

محکمہ اوقاف اور اس کی ذمہ داریاں

محکمۂ اوقاف کی طرف سے لاہور میں ۲۴/ اگست ۱۹۶۹ء سے ۲۷/ اگست ۶۹ء تک ایک سیمینار (مجلس مذاکرہ) منعقد کیا گیا تھا، راقم الحروف کو بھی دعوت دی گئی تھی تسخیر کائنات اور اسلام کے موضوع پر ایک مقالہ کی فرمائش بھی کی گئی تھی، دعوت نامے سے یہ معلوم ہوا تھا کہ بین الاقوامی سطح پر مجلس منعقد ہوگی اور ممالک اسلامیہ اور ممالک عربیہ سے بھی مندوبین شرکت کریں گے، اسی کشش کی وجہ سے باوجود عدیم الفرصتی کے دعوت قبول کرلی تھی اور فرمائش کی تکمیل بھی کرلی، عین وقت پر لاہور پہنچ کر معلوم ہوا کہ مجلس صرف مقامی ہے اور زیادہ تر اوقاف

① اسلام کی (عمومی) تعبیر وتشریح کے متعلق مذکورہ بالا فیصلہ کرنے کا مجاز ان کو یا کسی اور کو کس نے بنایا ہے؟

② کیا یہ منتخب نمائندے اس اہلیت کے مالک اور اس معیار پر پورے اترتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔

آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس ملک پر رحم فرمائے اور ارباب اقتدار کو صحیح فہم عطا فرمائے۔

[جمادی الثانیہ ۱۳۸۴ھ]

اوقاف کے ناظم اعلیٰ کا حیرت انگیز اور مضحکہ خیز بیان

پچھلے دنوں اخبارات میں اوقاف کے ناظم اعلیٰ کے ایک دو بیان نظر سے گذرے جن سے حیرت تو نہیں ہوئی اس لئے کہ درخت سے ہی پھل پہچان لیا جاتا ہے، اس ناظم اعلیٰ سے اس سے زیادہ کوئی توقع ہو ہی نہیں سکتی، جو شخص نہ دین کو جانتا ہو، نہ دینی مزاج رکھتا ہو، ہوش سنبھالنے کے بعد سے ہی جو نقوش اس کے لوح قلب پر مرتسم ہو چکے ظاہر ہے کہ ان کے اثرات سامنے آکر رہیں گے، لیکن افسوس وصدمہ اس کا ہے کہ جب ایک خالص دینی منصب پر ایک ایسے شخص کو ذمہ دار بنادیا جائے تو یہ ارشاد نبوی علیہ الصلاۃ والسلام کے مطابق قیامت ہی کی علامت ہوسکتی ہے (۱)۔ کسی بھی باوقار مملکت میں کوئی منصب بھی ایسے نااہل شخص کو سپرد کرنا جو کسی طرح اس کے لئے موزوں نہ ہو افسوس کی بات ہے، پھر مارشل لاء کی حکومت میں جبکہ قوم کو ابھی ابھی سکون کا سانس لینا نصیب ہوا ہے ایسے اشتعال انگیز بیانات دینے کی جرأت کرنا قوم کے بڑے طبقہ میں اضطراب وانتشار پھیلانا کہاں کی مصلحت اور کہاں کی دانائی ہے؟ امامت وخطابت کا منصب اسلام میں ایک اعلیٰ وارفع منصب ہے جب رسول ونبی امت میں ہوتے ہیں تو یہ فریضہ منصبی حیثیت سے انہی کا ہوتا ہے اور نبی کی غیر موجودگی میں جو اپنے کمالات میں ان سے اشبہ واقرب شخصیت ہوتی ہے یہ منصب اس کے سپرد کیا جاتا ہے امامت کے فرائض میں معاشی نظام کی خدمت اور پولٹری فارم اور نرسنگ ہوم کے فرائض ائمہ مساجد اور خطباء کے لئے تجویز کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی مملکت کے حکمران کے لئے یہ شرط لگائی جائے کہ وہ جاروب کش ہو اور مہتری کے فرائض اچھی طرح انجام دے سکتا ہو، اور مزید افسوس اس بات پر ہے کہ انداز بیان ایسا اختیار کیا جاتا ہے جس سے اسلامی اقدار اور اسلامی شعائر کی عظمت مجروح ہوتی ہے، یہ کہاں کی دانائی ہے کہاں کا انصاف ہے؟ بہر حال دونوں مضمون انتہائی مضحکہ خیز بھی ہیں اور دل آزار بھی، جہاں امامت کے منصب سے بعید ہیں اسی طرح ایک اونچے ذمہ دار افسر کے منصب کی شان سے بھی فروتر ہیں، کیا ہم توقع کر سکتے ہیں کہ ہمارے محترم ناظم اوقاف آئندہ قوم کے جذبات کو مجروح کرنے سے اور اپنے منصب سے

---

(۱) "عن ابی هريرة رضی الله عنه قال بينما النبی ﷺ فی مجلس يحدث القوم..... قال: اذا وسد الامر الی غير اهله فانتظر الساعة". صحيح البخاری، كتاب العلم، باب فضل العلم ج: ۱ ص: ۱۴، ط: قديمی

آئے دن کے یہ دردناک واقعات نہ ہوتے جن سے نہ کسی کی جان محفوظ نہ عزت وآبرو، نہ مال ومتاع، اغواء کے ہولناک حوادث اور تمدن ودولت کی فراوانی وطغیانی کے پیدا کردہ حیا سوز مناظر نہ ہوتے، یہ لاکھ پتی، کروڑ پتی اور ارب پتی نہ ہوتے، یہ بڑے بڑے کاغذی منصوبے نہ بھی ہوتے، یہ اربوں کے غیر ملکی قرضے نہ بھی ہوتے صرف اسلامی عدالت کا محکمہ عدل وانصاف ہوتا، مسلمانوں کے جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت ہوتی، دین محفوظ ہوتا، اخلاق پاکیزہ ہوتے، تقویٰ وطہارت، اخوت ومساوات، ہمدردی وخیر خواہی کا قابل رشک معاشرہ ہوتا۔ سبحان اللہ! کیا عجیب منظر ہوتا اگر اسلامی تعلیمات کی صحیح ترویج اور اسلامی معاشرہ کی صحیح تشکیل ہوتی تو نہ صوبائی عصبیت کو سر اٹھانے کا موقع ملتا نہ بنگلہ دیش کی تحریک کا کہیں نام ونشان ہوتا، نہ ملک کی سالمیت کو خطرات لاحق ہوتے یہ جو کچھ ہو رہا ہے ہماری بدترین مجرمانہ غفلت کے نتائج ہیں جو سامنے آ رہے ہیں۔

ملک وقوم کے لئے ایک خطرناک ابتلاء وآزمائش

اچھا جانے دیجئے نہ یہ ہوا نہ وہ ہوا پاکستان اسلامی ملک کی حیثیت سے کم از کم اتنے دینی تقاضوں کو تو پورا کرتا کہ جو لوگ صحیح مسلمان رہنا چاہتے ہوں وہ آزادی سے زندگی بسر کر سکتے، دین پر الحاد ودہریت کے جو حملے ہر چہار طرف سے ہو رہے ہیں ان کا دفاع کر سکتے، اسکولوں اور کالجوں میں نئی پود (نوجوان طبقہ) کی اسلامی تعلیم و تربیت ہوتی اور اسے اخلاقی بگاڑ سے بچایا جا سکتا ہے، الغرض ہمارا دین ہر طرح سے محفوظ ہوتا تب بھی غنیمت تھا لیکن صد افسوس کہ اب تو نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ اس اسلامی ملک میں اسلام بھی محفوظ نظر نہیں آتا، اہل باطل تو جو چاہیں کریں اور اہل حق کو اتنی بھی اجازت نہیں کہ وہ حق کو حق اور باطل کو باطل کہہ سکیں، ذرا کچھ کہا جائے تو اسے فرقہ وارانہ اختلاف کہہ کر جرم قرار دیا جاتا ہے اور ان حق پرست مجرموں کو ان تمام مراحل سے گذرنا پڑتا ہے جس کے مستحق اخلاقی مجرم ہیں بلکہ بعض اوقات تو یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ مبینہ قتل کے ملزم قابل ضمانت سمجھے جاتے ہیں مگر حق گوئی کا جرم عظیم ناقابل ضمانت قرار دیا جاتا ہے۔

اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر قسم کی نبوت کا دروازہ اللہ تعالیٰ نے بند کر دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت آخری امت ہے اور قرآن کریم آخری پیغام الٰہی ہے اس کے بعد اور کوئی وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں آئے گی نہ آ سکتی ہے، نئی نسل کو اتنا سمجھانا بھی اب جرم ہوتا جا رہا ہے۔ صدیق وعمر اور عثمان وعلی (رضی اللہ عنہم اجمعین) امت مسلمہ کا عظیم سرمایہ ہیں اس عقیدے کی حفاظت کرنا بھی جرم بنتا جا رہا ہے، خلفائے راشدین کی سیرت کو نصابی کتابوں سے کھرچ کھرچ کر نکالا جا رہا ہے گویا پاکستان اب ایسی مملکت کا نام بنتا جا رہا ہے جہاں ہر عیاشی وفحاشی اور ہر بداخلاقی وبے حیائی تو خوب پھل پھول رہی ہے مگر مسلمانوں کے لئے اپنے اسلامی عقیدے کا اظہار بھی جرم ہے، مزید تعجب وافسوس اس پر

ہے کہ پاکستان کے دشمن تو پاکستان کے خیر خواہ سمجھے جائیں اور مملکت کے انتظام وانصرام کی باگ ڈوران کے ہاتھ میں دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہ سمجھا جائے، ظاہری و باطنی غداروں کے لئے مسند اقتدار بھی بچھائی جائے مگر ملک کے وہ مخلص مسلمان جو کلمہ حق تو برملا کہنا جانتے ہیں مگر غداری اور سازش کے مفہوم سے بھی ناآشنا ہیں ان کی مخلصانہ آواز کو ہر ممکن طریق سے دبانے کی کوشش کی جائے، ایک حدیث میں علامات قیامت کے ذیل میں فرمایا گیا ہے:

”و یؤتمن الخائن ویخون الامین“(۱)

خائن کو امین اور امانت دار کو خائن سمجھا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے اور حکمرانوں کو اس اسلامی ملک کو ظاہری و باطنی فتنوں سے ہر طرح محفوظ کرنے کی ہمت عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ پاکستان کو صحیح طور پر اسم با مسمیٰ بنا کر تمام عالم اسلام کی قیادت کا اسے علمبردار بنائے۔

اسمبلیاں اور ان کا فائدہ

سیاسی جوڑ توڑ کا سلسلہ شروع ہو گیا دستور ساز اسمبلی کی ہوائیں سیاسی لیڈروں کے دماغوں کو معطر کرنے لگیں ہیں ہر جماعت کو اقتدار کا فکر لاحق ہے، وزارت کس پارٹی کی ہو اور وزیر اعظم کون ہو، علماء کا ایک طبقہ بھی منتخب ہو گیا ہے یہ حقیقت واضح ہے کہ ان اسمبلیوں میں حق کی آواز کی کامیابی کی کوئی توقع نہیں، عائلی قانون جیسے خلاف قرآن قانون کی ترمیم بھی نہیں کرائی جا سکی، جبکہ خلاف قرآن ثابت کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی گئی لیکن باوجود اس کے ایک جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ مؤثر اتمام حجت کے لئے اسمبلی کے میدان سے اور کوئی موزوں مقام نہیں، گویا دینی کامیابی یا اعلاء کلمۃ اللہ کی کوئی توقع نہیں، صرف مؤثر انداز سے آواز اٹھانے کی تدبیر ہے، صوبہ جاتی پارلیمان میں تو اس کی گنجائش ہو سکتی ہے بشرطیکہ اتفاق رائے یا اکثریت اس کی حمایت کرے لیکن جو نقشہ سامنے آ رہا ہے اس سے اگر کچھ امید ہو بھی سکتی تھی تو ختم ہو گئی، ہماری اور بہت سے اکابر ارباب فکر کی بھی رائے ہے کہ علماء کو اگر پارلیمان میں پہنچنا ہی ضروری ہو تو وزارت یا وزارت عظمیٰ سے سروکار نہ رکھنا چاہئے بلکہ اظہار حق کے لئے اگر اتفاق واکثریت ممکن نہ ہو تو حزب مخالف کی حیثیت سے رہتے، اس اشارے کی تشریح کی جا سکتی ہے، اس وقت شاید یہ کافی ہوگا۔ وما علینا الا البلاغ

اندکے با تو گفتم حالِ دل و ترسیدم کہ آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

[شعبان ۱۳۹۱ھ - اکتوبر ۱۹۷۱ء]

---

(۱) مسند احمد بن حنبل، مسند عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ج: ۲ ص: ۱۶۲، ط: عالم الکتب بیروت. کنز العمال، الاکمال من اشراط الساعۃ الکبری ج: ۱۴ ص: ۲۷۴، ط: مؤسسۃ الرسالۃ بیروت

حکومتیں اوران کے بجٹ

کسی مملکت کے فرائض میں بجٹ تیار کرنے کا کام بہت اہمیت رکھتا ہے، اس موقع پر ملک کی آمدنی اور اس کے اخراجات کا تخمینہ لگایا جاتا ہے، درآمد و برآمد پر نظر ڈالی جاتی ہے اگر ضرورت ہو تو قرض لینے دینے کے فیصلے کئے جاتے ہیں، وسائل و ذرائع آمدنی کا جائزہ لیا جاتا ہے اور مصارف مقرر کئے جاتے ہیں، کسی ملک کا نظام بغیر آمد و خرچ کے نظم کے نہیں چل سکتا اور بجٹ کی تیاری کے بغیر ان میں توازن اور نظم قائم نہیں ہوسکتا، جس کے بغیر ملک کی معاشی کشتی کے غرق ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حکومتیں اس کی تیاری میں پوری دماغی صلاحتیں صرف کردیتی ہیں۔ اس کد و کاوش کا مقصد اگر قوم کی فلاح و بہبود ہو تو یہ بہت لائق تحسین ہے اور ایسی حکومت ملک کے شکریے کی مستحق اور قوم میں محبوب ہوتی ہے، لیکن اگر اس سے مقصد صرف اپنے اقتدار کی بقا اور حکومت کی گدی سے وابستگی ہو تو یہ بجٹ ملک و قوم کے لئے بہت منحوس ثابت ہوتا ہے، معاشی بدحالی کی بادخزاں ملک کے چمن کو خشک کردیتی ہے اور حکمراں طبقہ یا ان کے کاسہ لیسوں کو مستثنیٰ کر کے عام افرادِ قوم کے لئے زندگی ایک تلخ حقیقت بن جاتی ہے۔

پاکستان کے قیام کو ۲۶، ۲۷ رسال کی مدت گذر چکی اس مدت میں متعدد بجٹ بن چکے ہیں مگر ان سب میں یہ خصوصیت مشترک طور پر پائی جاتی ہے کہ انہیں بناتے وقت اس حقیقتِ واضحہ کو نظر انداز کردیا گیا جو ہر مسلمان کو ہر وقت پیش نظر رکھنا چاہیے، اس اہم کام کو انجام دیتے وقت بجٹ بنانے اور بنوانے والوں کے ذہن کے کسی گوشہ میں بھی اس بدیہی حقیقت کی روشنی نہیں ہوتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی ایک ایک پائی اور ایک ہندسہ اور صفر کے لئے جواب دہ ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ“(۱) یہی وجہ ہے کہ اس کے مداخل و مصارف میں حلال و حرام، طاعت و معصیت اور خیر و شر کا امتیاز مفقود ہوتا ہے، مداخل میں سود، شراب، قمار وغیرہ ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی بلا تکلف داخل کی جاتی ہے اور مخارج میں معاصی اور فسق و فجور کو رواج دینے اور ان کی ہمت افزائی کرنے کے لئے مصارف کو منتخب کرنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ نہیں محسوس کی جاتی، البتہ مصارف کے اس وسیع احاطے میں اسلام کے فروغ، احکام شریعت کی تنفیذ، معروف کی ترویج اور منکرات کو مٹانے، اسلامی قوانین جاری کر کے ملک میں اخلاق حسنہ کو رواج دینے اور بد اخلاقیوں سے انھیں بچانے، کتاب و سنت کی اتباع اور صحابہ کرامؓ کی پیروی کو ملک و قوم کا مزاج بنانے کے لئے کسی مد کو جگہ نہیں ملتی۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب قول اللہ واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم ج:۲ ص:۱۰۵۷، ط: قدیمی

احکام الٰہی سے سرتابی کا نتیجہ

حقیقت ہے اعراض اور اسلام کا نام لے کر احکام الٰہی سے سرتابی کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو کبھی شکست کی شکل میں آتا ہے کبھی سیلاب اور زلزلہ کی شکل میں اور کبھی اور کسی مصیبت ونکبت کے روپ میں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَا قَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَا نُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ [النحل:۱۱۲]

اور اللہ تعالیٰ ایک بستی کی حالت عجیبہ بیان فرماتے ہیں کہ امن واطمینان میں تھے ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت کے ساتھ ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں پس انہوں نے خدا کی نعمتوں کی ناقدری کی اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی حرکات کی وجہ سے ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا۔

ذلت خیز شکست اور لاکھوں مسلمانوں کی جان وآبرو کی بھینٹ لے کر آدھا ملک الگ ہوگیا جو باقی رہ گیا وہ بھی بہت کمزور اور مضمحل ہے۔

خلافت ترکیہ کے اضمحلال کے زمانہ میں یورپ والوں نے ترکی کو ''یورپ کے مرد بیمار'' کا لقب دیا تھا یہ صحیح تھا یا غلط اس سے بحث نہیں مگر پاکستان کی سیاسی ومعاشی زبوں حالی کو دیکھتے ہوئے اسے ایشیا کا مرد بیمار کہیں تو بے جا نہیں۔ دوستوں کے دلوں سے اس کا وقار اور دشمنوں کے دلوں سے رعب رخصت ہو چکا ہے، دوست نما دشمنوں کی حریصانہ نظریں اسی پر جمی ہوئی ہیں، افراط زر، گرانی، سیم وتھور وغیرہ کے پریشان کن مسائل سامنے ہیں اور انہیں جس قدر سلجھایا جاتا ہے اسی قدر الجھے جاتے ہیں، حرام کمائی سے پرورش پانے والوں کا طبقہ اپنی تجوریاں بھر رہا ہے، مگر ملک کی اکثریت فلاکت (ناداری، مفلسی) اور معاشی بدحالی کا شکار ہے، مصائب کے اس حال سے رہائی کی کتنی ہی تدبیریں کی جائیں رہائی ناممکن ہے، کیونکہ ان کا اصل سبب اللہ تعالیٰ کا غضب ہے جو ہماری نافرمانی اور سرکشی کی وجہ سے ملک کی طرف متوجہ ہوا ہے، باب توبہ اب بھی کھلا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ شانہ کی رحمت بے پایاں کو اب بھی اپنی طرف متوجہ کیا جاسکتا ہے:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا﴾ [الزمر:۵۳]

آپ فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے نفس کے ساتھ زیادتی کی ہے (مبتلائے معصیت ہوئے) تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ سب گناہ معاف فرماتے ہیں۔

ارباب اقتدار اگر حقائق کا ادراک کرلیں اور کتاب وسنت اور اسوۂ صحابہ کی روشنی میں صحیح راہ منزل متعین کر کے ملکی وقومی قافلے کو لے چلیں تو فلاح وکامرانی پاکستان کے قدم چومے گی، ہر سنگ راہ چور چور ہو کر دور ہو جائے گا اور ہمارا ملک دنیا میں ممتاز حیثیت حاصل کر لے گا، بالکل بدیہی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو کسی تدبیر سے نہیں ٹالا جا سکتا، انابت الی اللہ اور اطاعت احکام الہیہ اسے ٹالنے کی واحد تدبیر ہے۔ کیا ارباب اقتدار حالات سے عبرت ونصیحت حاصل کریں گے؟ کیا ان میں کوئی اس آواز کا سننے والا اور اس سچی بات پر کان دھرنے والا ہے؟ الیس منکم رجل رشید؟

یہود کی اسلام دشمنی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾

[المائدة: ٨٢]

اور تم یہود اور مشرکین کو مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن پاؤ گے۔

قرآن مجید کی اس خبر کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہود کے دل میں اسلام اور مسلمانوں کی عداوت اور ان سے عناد وحسد کی جو آگ بھڑک رہی ہے وہ کسی طرح سرد نہیں ہوتی، اس کا تازہ نمونہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو فلم کی صورت میں پیش کرنے کی ناپاک کوشش جاری ہے، اس کا مقصد وحید یہ ہے کہ خاکم بدہن عظمت رسالت دلوں سے کم کر دی جائے، اس سے پیشتر ”فجر اسلام“ کے نام سے ایک فلم بنا کر یہ لوگ صحابہ کرامؓ کی توہین کر چکے ہیں، اس فلم کا تصور بھی درحقیقت یہودی دماغ ہی کی اختراع تھا اور یہ بھی اسی سازشی اور مجرم ومفسد ذہن کی ایجاد ہے۔ افضل الخلائق سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات زندگی کو لہو ولعب کا ذریعہ بنانا، ایکٹروں اور ایکٹرسوں کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صحابیات کا پاٹ ادا کرنا اور ان مقدس ہستیوں کی سوانح زندگی کو پردۂ سیمیں پر پیش کر کے اسے ذریعہ تفریح بنانا یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں سخت گستاخی اور صحابہ کرامؓ کی شان میں بے ادبی ہے، یہ ایسی واضح حقیقت ہے کہ جس کے لئے کسی استدلال کی حاجت نہیں، فریب یہ دیا جا رہا ہے کہ اس سے سیرۃ طیبہ کا عام تعارف ہوتا ہے جو تبلیغ ودعوت اسلام کے مرادف ہے، حیرت ہے کہ یہود کے اس جال میں بعض عربی ممالک بھی پھنس گئے اور اسلام کے یہ نادان دوست اس فلم کی تیاری کی ہمت افزائی کر رہے ہیں، اسے اشاعت دین اور تعلیم وتعارف سیرۃ سید المرسلین کا ذریعہ کہنا خالص فریب ہے، بے شک دونوں باتیں مطلوب ومحمود ہیں مگر ان کا طریقہ وہی ہو سکتا ہے جو ان مقدس اور عظیم الشان مقاصد کے ساتھ مناسبت رکھتا ہو اور ان کے شایان شان کہا جا سکے، یہ ذلیل اور پست طریقہ ان پاکیزہ

مقاصد عالیہ کے ساتھ ادنیٰ مناسبت بھی نہیں رکھتا، یہ یقیناً بارگاہ رسالت اور شان صحابہ میں سخت بے ادبی اور گستاخی ہے، سہولت فہم کے لئے قومی جھنڈے کی مثال کافی ہے کیا کوئی ملک اسے گوارا کرسکتا ہے کہ اس کا قومی جھنڈا تعارف کے مقصد سے کسی مزبلے اور کوڑے خانے پر نصب کردیا جائے؟ وجہ ظاہر ہے کہ یہ جگہ اس کے شایان شان نہیں، اس لئے جھنڈے کی توہین ہے، اسی طرح فلمی پردہ مقاصد مذکورہ کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتا اور ان کے شایان شان نہیں اس فلم کی خبر نے مسلمانان عالم کے دل مجروح کردیئے ہیں، دنیا کی جملہ مسلمان حکومتوں اور عام مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس کی تیاری رکوانے کی پوری کوشش کریں، ہم اس کے متعلق اپنی حکومت سے کہنے کا حق زیادہ رکھتے ہیں، بناء بریں اس سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے امکانی ذرائع اور وسائل سے اسے رکوانے کی پوری کوشش کرے، پاکستان کے عوام مسلمین بھی یہ عزم کرلیں کہ اگر یہ فلم خدانخواستہ تیار ہوجائے تو کسی قیمت پر بھی پاکستان میں اس کی نمائش کو گوارا نہ کریں گے اور اس سینما کو دنیا میں باقی نہ چھوڑیں گے جو اس کی نمائش کی جرأت کرے۔

[جمادی الاخری ۱۳۹۵ھ - جولائی ۱۹۷۵ء]

استحکام پاکستان اور قیام امن کا راستہ

اسلام اور صرف اسلام ہے

پچھلے دنوں پاکستان کے نئے صدر محترم جنرل یحییٰ خان نے پشاور گورنمنٹ ہاؤس میں اخباری نمائندوں سے فرمایا تھا کہ ’’پاکستان اسلام کی بنیاد پر قائم کیا گیا تھا اس لئے ملک کے استحکام اور اسلام کے وقار کے سوال پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا‘‘۔ شاید اس انداز اور اس صراحت سے پہلی مرتبہ پاکستان کی کسی ذمہ دار شخصیت نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے جس کا اعلان ہمدروان اسلام روز اوّل سے کرتے آئے ہیں ہم جہاں اس اعلان کا خیر مقدم کرتے ہیں وہاں اس امر کا اظہار کرنے پر بھی مجبور ہیں کہ ابتدا ہی سے خصوصاً قائد ملت لیاقت علی خاں مرحوم کے بعد تدریجاً حکومت کا رخ جس طرح ہوگیا اس سے ارباب اقتدار کے بارے میں باشندگان پاکستان کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا ہوتے گئے اور حالات وواقعات نے لوگوں کو یہ سمجھنے پر مجبور کردیا کہ ’’ایں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است‘‘۔

گذشتہ خلفشار نے اس حقیقت کو پایہ ثبوت تک پہنچادیا ہے کہ ملک میں امن کے قیام اور پاکستان کے استحکام کا راستہ اسلام اور صرف اسلام ہے، مشرقی ومغربی پاکستان کے درمیان رشتہ اتحاد بھی صرف اسلام ہے اور اسی حبل متین کے ذریعہ دونوں میں رابطہ قائم رہ سکتا ہے، جو خطرات سر پر منڈلا رہے ہیں اور جن شیاطین کو مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے خواب نظر آرہے ہیں ان کے انسداد کے لئے سوائے اسلامی وحدت اور رابطہ کے اور کوئی مؤثر طاقت نہیں ہوسکتی ہے اسی طرح سوشلزم، کمیونزم اور مغربی استعمار جیسے جاہلی فتنوں کو کچلنے کے لئے بھی ایک ہی

ذریعہ ہے اور وہ ہے اسلام!

لیکن یہ واضح رہے کہ صرف اسلام کا نام لینا ہی کافی نہیں بلکہ اسلام کا قانون اور اسلام کا ہمہ گیر نظام جب تک جاری نہ ہوگا اس وقت تک یہ خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا، گذشتہ دنوں ملک جس بحرانی کیفیت سے دو چار رہا، ہر طرف بے اطمینانی کا جو طوفان برپا رہا اور پاکستان کی تمام مخالف طاقتوں کو کھل کر کھیلنے کے جو مواقع ملے ہیں ان سب کا واحد علاج اسلامی قوانین کی تنفیذ اور اسلام کے مستحکم نظام عدل کا نفاذ ہے، جب تک دین اسلام کے سایہ رحمت میں محاکم شرعیہ عدلیہ کا قیام نہ ہوگا اور جب تک شرعی سزائیں جو کہ ارحم الراحمین والحاکمین کے منشاء عدل کی تکمیل وتشریح ہے جاری نہ ہوں گی اس وقت تک نہ پاکستان میں امن قائم ہوگا اور نہ پاکستان کو استحکام حاصل ہوگا، اسلامی قوانین کے نفاذ کے بغیر پاکستان کے استحکام کا دعویٰ محض سراب ہے نیز اسلام زندہ باد کے کھوکھلے نعروں اور پاکستان زندہ باد کی آوازیں اسلامی نظام کے بغیر صدا بصحرا ہیں۔

قیام پاکستان کو بائیس سال ہوئے ہیں اس وقت کے بچے آج بچوں کے باپ ہیں، اس وقت کے نوعمر آج سفید ریش ہیں اور اس وقت کے ادھیڑ آج مسافر آخرت ہیں لیکن اسے کیا کہیے کہ بحیثیت قوم کے گویا ہم ابھی شیر خوار بچے ہیں، جنہیں جب سے اب تک صرف اسلام، اسلام کی لوریوں سے بہلانا سہلانا کافی سمجھا گیا، اس ربع صدی کی طویل مدت میں ہم نے اپنے مطلب اپنے مفاد اور ذاتی اغراض کے لئے ''پاکستان کی بنیاد اسلام پر ہے''، ''پاکستان محض اسلام کی خاطر معرض وجود میں آیا''، ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ''۔ جیسے فقرے اور نعرے اتنی شدت وکثرت اور اتنے اصرار وتکرار سے دہرائے اور بڑی فیاضی سے مسلسل دہراتے چلے گئے کہ ہمارے ہونٹوں پر پپڑیاں جم گئیں، ہماری زبانیں خشک ہوگئیں، مگر قوت واقتدار ووسائل کی فراوانی اور ہر طرح کی آزادی کے باوجود ہمیں کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ ہمارے ان دعوؤں کے کچھ عملی تقاضے بھی ہیں جن کے لئے خدا کے حضور میں جواب دہ ہونا ہوگا اور یہ کہ اس وسیع دنیا میں پھیلی ہوئی انسانیت کی آنکھیں ہمارے قول وعمل کا بڑی باریک بینی سے مطالعہ کررہی ہیں، یہ عالمی عدالت ہمارے کھوکھلے نعروں پر نہیں بلکہ ہمارے عمل کو ناپ تول کر ہی ہمارے اخلاص ونفاق اور سچ جھوٹ کا فیصلہ کرے گی۔

داخلی وخارجی فتنوں اور پریشانیوں کا سبب اسلام سے بے وفائی ہے

ہمارا جتنا وقت اسلام کی خالی خولی رٹ لگانے پر ضائع ہو چکا ہے، اگر اس سے کم عرصہ میں پاکستان میں اسلام کے نظام تعلیم وتربیت، نظام عدل وسیاست، نظام تمدن ومعاشرت، نظام معیشت واقتصاد اور نظام عبادات واخلاق کو اپنانے اور ایمان داری کے ساتھ اسے زندگی کے تمام شعبوں میں جاری وساری کرنے کی کوشش کر لی جاتی

تو آج کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ آج اسلام اپنی ساری برکات کے ساتھ ہمارے سروں پر سایہ فگن ہوتا، وہی برکات جن سے یہ امت مرحومہ خلافت راشدہ کے دور میں فیضیاب ہو چکی ہے، توفیق الٰہی ہماری راہنما اور نصرت خداوندی ہماری مددگار رہوتی، وہی نصرت جس کا اس امت سے وعدہ ہو چکا ہے: ﴿اِنْ تَنْصُرُ اللهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ [محمد: ٧]

ہمیں بھوک اور افلاس کے لئے امریکہ و برطانیہ کے دروازوں پر کشکول گدائی لے کر نہ جانا پڑتا بلکہ ہم اسلام کا علم لے کر نکلتے اور انہیں عزت کے ساتھ اسلام یا ذلت کے ساتھ جزیہ قبول کرنا ہوتا، وہ ہمیں نظر حقارت سے نہ دیکھتے بلکہ اسلام کے مقابلہ میں قیصر و کسریٰ کی طرح ان کی ذلت کا تماشہ دنیا دیکھ لیتی۔ ہمیں معاشی ناہمواری ختم کرنے کی لئے روس اور چین کے غیر فطری نظام درآمد کرنے کی ضرورت نہ رہتی بلکہ خود انہیں درس مؤاسات سیکھنے کے لئے دبستگان اسلام میں داخلہ لینے کی ضرورت محسوس ہوتی، ملک کے مشرقی و مغربی بازوؤں کے درمیان اتحاد قائم رکھنے کے لئے ہم ان مصنوعی رشتوں کی تلاش میں نہ نکلتے بلکہ اسلام کی مقناطیسی کشش آپ سے آپ ہمیں بنیان مرصوص بنائے رکھتی، ہمیں تفریح کے لئے بددین اور بے ایمان قوموں کی طرح سینما اور کلب جیسی گندی جگہوں میں اپنا دین و ایمان غارت کرنے اخلاق و انسانیت کے سر مٹی ڈالنے اور سرمایہ و وقت برباد کرنے کی ضرورت اور فرصت نہ ہوتی بلکہ ذکر الٰہی، اقامت صلاۃ اور اعلائے کلمۃ اللہ ہمارے لئے غذائے روح، اطمینان قلب، راحت و سکون اور آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوتے۔

ہماری ساری الجھنوں، تمام پریشانیوں، ہر قسم کے داخلی و خارجی خطروں کا اصل سبب یہی ہے کہ ہم نے اسلام سے بے وفائی کی، ضرورت کے ہر موقعہ پر اسلام کا نام لیا ہے مگر عملی طور پر اس سے بالکل بیگانگی برتی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف ہماری اجتماعی قوتیں اور انفرادی صلاحیتیں ضائع ہوئیں بلکہ ہمارا اجتماعی وجود اور قومی تشخص خطرے کی زد میں آ گیا، عالمی میدان میں ہماری ہوا اکھڑ گئی، عالم اسلام میں ہمارے ہمدردوں کے لئے ہماری زبوں حالی، اضطراب و تشویش کا سبب بن گئی اور ہمارے بدخواہوں نے ہماری حالت زار پر نہ صرف خوشی کے شادیانے بجائے بلکہ ہمارے طرز عمل سے ہمارے مقدس دین کی (خاکم بدہن) ناکامی پر استدلال کر کے ہماری غیرت کو للکارا، سکرات موت کی حالت میں جب مریض کا طبعی نظام تنفس معطل ہو جاتا ہے تو بیرونی آلات سے مصنوعی تنفس جاری کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، ہماری شامت اعمال سے بعض حضرات مختلف قسم کے نظریاتی آلات کے ذریعہ جو ادھر ادھر سے اکٹھا کر لئے گئے ہیں، ہماری قومیت کے نظام تنفس کو جاری کرنا چاہتے ہیں، کہیں سوشلزم کے انجکشن دیئے جا رہے ہیں، کہیں لسانی اور صوبائی حرارت سے اس کے اعصاب کو تپایا جا رہا ہے، کہیں مغربی جمہوریت کے نسخۂ شفا پر زور دیا جا رہا ہے، کہیں استبداد کے ڈنڈے کو بگڑے ہوئے دماغ کا علاج بتلایا جا رہا ہے، لیکن مصنوعی تنفس سے مریض کو زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رکھا جا سکتا، ہمارا احساس یہ ہے کہ اس ملک کے جسم سے اگر اسلام کی روح نکل گئی ولا فعل اللہ ذلک۔ تو اس لاشۂ بے جان کو پھر سے زندہ کر دینا کم از کم کسی

انسان کے بس کی بات نہیں ہوگی، ہمیں سوچنا چاہیے کہ آج جو سرخ وسفید سامراج کرگسوں کے غول اس کے سر پر منڈلا رہے ہیں وہ کہیں اسی روز بد کی تاک میں تو نہیں؟

بہر حال آج ہمیں دوٹوک فیصلہ کر لینا چاہیے اگر ہمیں ایک باحمیت، باغیرت، باضمیر اور بامقصد قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے، ملک کو داخلی سازشوں اور استعماری یورشوں سے بچانا ہے تو ہمیں نئے عزم، نئے یقین پورے اخلاص اور امانت داری سے اسلام قبول کرنا اور اسے زندگی کے تمام شعبوں میں نافذ کرنے کا نئے سرے سے عہد کرنا ہوگا ورنہ اگر ہماری بدعملی، نفاق ورزی اور سیاست بازی کا رنگ ڈھنگ یہی رہا تو ہمیں اس سے بھی زیادہ خطرات پیش آسکتے ہیں۔

یہ سطریں زیر تحریر تھیں کہ صدر محترم کا پیغام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کے موقعہ پر انہوں نے جاری کیا ہے اخبارات میں شائع ہوا خاتمہ کلام پر اس کا نقل کر دینا مناسب ہوگا:

”حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم ولادت تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے اہم ترین موقع ہے اس روز ہر مسلمان بنی نوع انسان کے اس پیشوائے عظیم کی مقدس یاد تازہ کرتا ہے اور انہیں خراج تحسین پیش کرتا ہے، ان کی یاد آتے ہی ہر مسلمان کے دل میں عقیدت واحترام اور جاں نثاری کے جذبات امڈ آتے ہیں اور ان جذبات کا اظہار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے سے ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف بنی نوع انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اللہ کا پیغام لے کر آئے بلکہ خود ان کی اپنی زندگی ان اوصاف جمیلہ کا ایک نمونہ تھی جن کی انہوں نے تبلیغ کی۔ ان کے ورود مسعود کی بدولت دنیا نے غلامی کا وہ طوق اتار پھینکا جس نے معاشرے کی مادی اور روحانی ترقی روک رکھی تھی، پیغمبر خدا نے فرمان الٰہی اور اپنی مثال کے ذریعہ دنیا کی رہنمائی کی اور وہ راستہ بتایا جس پر چل کر انسان پر مسرت وخوشحال زندگی گزار سکتا ہے، انہوں نے دنیا کو اخلاقی، روحانی، مادی اور دنیوی زندگی کے ایک مثالی نظریہ سے مالا مال کیا، مسلمانوں نے جب بھی اور جہاں بھی ان کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ پر عمل کیا وہ کامیاب وکامران رہے لیکن جب بھی انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستہ سے انحراف کیا انہیں تباہی وبربادی کا سامنا کرنا پڑا۔ برصغیر کے مسلمانوں نے اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر ہی آزادی حاصل کی اور انہیں ایک نیا وطن نصیب ہوا، بانیانِ پاکستان کا یہ علانیہ نصب العین تھا کہ (اس نئے وطن میں) مسلمان اپنی انفرادی واجتماعی زندگی اسلامی نظریات وعقائد اور پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعین کئے ہوئے طریقہ کے مطابق گزاریں گے۔ لوگ آزادی کے لئے پوری جدوجہد کے دوران انہی نظریات سے سرشار رہے۔ پاکستان کا قیام ان نظریات اور اقدار کی فتح تھی، اس لئے اس ملک میں ہمارے لئے اسوۂ حسنہ کی پیروی اور اپنے نظریاتی اور روحانی ورثہ کے مطابق زندگی گزارنے کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے“۔

حق تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کی بھی توفیق دیں۔

اللهم لا تهلكنا فجأةً ولا تاخذنا بغتةً ولا تغفلنا عن حق ولا وصية.
وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا محمد النبي الأمي وعلى آله و
اصحابه و بارك وسلم.

[ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ - جولائی ۱۹٦۹ء]

اسلام اور پاکستان، سوشلزم اور کمیونزم

جب سے دولتِ خداداد وجود میں آئی ہے دین اسلام کا درد رکھنے والا طبقہ ہمیشہ کڑھتا رہا ہے کہ پاکستان کا مقصد پورا نہیں ہو رہا نہ اسلامی قانون رائج ہوا، نہ اسلامی تعلیمات کا عملی نظام جاری ہوا، یہ دونوں بنیادی مقاصد تھے لیکن روز بروز پاکستان اپنے ان مقاصد سے دور ہوتا گیا اور ظاہر ہے کہ جب نہ اسلامی تعلیم ہو نہ اسلامی قانون تو اسلامی اخلاق کا ظہور کیونکر ممکن ہوگا؟ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ تمام اسلامی اخلاق ایک ایک کر کے ختم ہوتے رہے اور کافرانہ تہذیب اور یورپ کی خدا فراموش زندگی کو ترقی ہوتی رہی اور صرف اتنا ہی نہیں کہ اسلام کا قانون جاری اور اسلامی تعلیمات کا نظام قائم نہیں کیا گیا بلکہ اس کے برعکس اسلام کے اساسی مقاصد کی وہ بیخ کنی کی گئی جس کی نظیر نہیں، اسلامی احکامات کے استیصال کے لئے ادارے قائم کئے گئے، افراد واشخاص کو تحریف کی پوری آزادی دی گئی، اسلام کے نام سے لادینی نظریات کو پھیلایا گیا اور جاہلیت جدیدہ کے لئے قرآن کریم کو بے دھڑک استعمال کیا گیا، عیسائی مشنریوں کو آزادی دی گئی اور کروڑوں روپیہ اسلامی تہذیب کو برباد کرنے پر خرچ ہوا۔

آخر اسی لادینیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے اندر مزدوروں کی ہمدردی کے نام سے سوشلزم کو فروغ ہوا، کمیونسٹوں کو اسلام سے انتقام لینے کا موقع ملا انہوں نے اسلامی حقائق کا مذاق اڑایا اور نئی پود (نئی نسل) کو دین سے برگشتہ کرنے اوواللہ ورسول سے باغی بنانے پر اپنی قوتیں صرف کردیں، اس مقصد کے لئے روس اور چین کا زہریلا لٹریچر اس ملک میں بری طرح تقسیم ہوا اور پھیلایا گیا، دوسری طرف رشوت، سود، قمار اور حرام کے راستے سے سرمایہ داروں کو اکتنازِ دولت کے وہ مواقع ملے کہ غریبوں کی زندگی دوبھر ہوگئی، حالات بد سے بدتر ہوگئے، اس ذہنی تضاد اور طبقاتی تفاوت کے نتیجہ میں یہ وقت بھی آیا کہ پاکستان کے شرفاء کی جان ومال اور آبرو تک غیر محفوظ ہوگئی تھی، یہ سب کچھ اس غیر اسلامی نظام کا لازمی نتیجہ تھا جو شروع سے اب تک یہاں مسلط رہا اگر موجودہ مارشل لاء حکومت نہ آتی تو نہ معلوم اس توڑ پھوڑ اور قتل وغارت میں اس ملک کا کیا حشر ہوتا، بہر حال یہ خدا فراموشی کی سزا تھی اور ہمارے غلط طرز زندگی کا وبال تھا:

﴿مَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ﴾ [الشوریٰ: ۳۰]

جو کچھ تمہیں مصیبت پہنچتی ہے وہ صرف تمہاری شامت اعمال کا نتیجہ ہے اور بہت کچھ تو اللہ تعالیٰ نے

معاف فرمایا۔

نئی تعلیمی پالیسی

اس مایوسی کے دور میں جس طرح جدید حکومت رحمت ثابت ہوئی اور خدا کرے یہ جب تک ہے رحمت بن کر ہی رہے، ٹھیک اسی طرح حکومت کی انتظامی کونسل کے ایک رکن کی طرف سے نئی تعلیمی پالیسی میں اسلامی تعلیمات کو اہمیت دینے کی خوشخبری سنائی گئی، پاکستان کی بائیس سالہ زندگی میں پہلی مرتبہ ایک ذمہ دار اور اونچے درجے کے افسر نے نہایت دل سوزی اور عرق ریزی کے ساتھ تعلیمی جائزہ پیش کیا جو ہر طرح تبریک وتحسین کا مستحق ہے اور مزید قابل تبریک بات یہ ہے کہ اپنی رائے کو زبردستی قوم پر مسلط کرنے کی کوشش اور خواہش نہیں کی گئی بلکہ ۱۵/اگست ۶۶ء تک تمام ناظرین سے تجاویز وترامیم طلب کی گئی ہیں۔ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی اور دارالعلوم کراچی کے ذمہ دار حضرات نے تقریباً بائیس گھنٹے اس تعلیمی جائزہ رپورٹ پر غور کیا اور نہایت دیدہ ریزی کے ساتھ اس کے دوررس نتائج کو سمجھنے کی کوشش کی، اردو تراجم کے علاوہ انگریزی مسودہ کی بھی مراجعت کی گئی، پورے غور وخوض کے بعد کچھ تجاویز وترامیم پیش کی گئی ہیں، بینات کے اسی شمارے میں ان کا خلاصہ ناظرین کی نظر سے گذرے گا اور اس بحث وتمحیص کے سلسلہ میں کراچی یونیورسٹی اور باوانی کالج کے چند ماہرین تعلیم کی تجاویز بھی اسی شمارے میں ملاحظہ سے گذریں گی۔

مجھے اس وقت صرف اتنی بات عرض کرنی ہے کہ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹی کے نظام تعلیم کو اسلامی بنانے اور طلبہ کی اسلامی اخلاق کے مطابق تربیت کرنے کا ہر طرف سے خیر مقدم کیا جائے گا اور یہ دیرینہ آرزو پوری ہوجائے گی کہ جدید تعلیم یافتہ حضرات اسلامی تعلیم وتربیت سے بہرہ ور ہونے کے بعد پاکستان کی قیادت کی صحیح ذمہ داری کا بار اٹھانے کے قابل ہوجائیں گے اور اس طرح یہ امکان پیدا ہوجائے گا کہ ایک عظیم الشان اسلامی مملکت کے خواب کی صحیح تعبیر سامنے آسکے لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہوگا کہ قدیم دینی درس گاہوں کی ضرورت ختم ہوجائے گی، قرآن وحدیث وتفسیر وفقہ واصول وغیرہ وغیرہ جو اسلامی ودینی علوم ہیں ان کی اہمیت وضرورت بدستور اپنی جگہ قائم رہے، یہ علوم انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت ہیں، ان کا اپنا ایک خاص مزاج ہے ان کے لئے ایک خاص ماحول درکار ہے اور ان کی تعلیم وتربیت کا ایک خاص طرز ہے جو بظاہر کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ماحول میں نہیں چل سکتا نہ یہاں ٹھوس ماہرین پیدا ہوسکتے ہیں، ہاں اس کی ضرورت سے انکار نہیں کہ جدید علوم ریاضی، سائنس، جغرافیہ اور اسلامی تاریخ کی شدید ضرورت ہے، مناسب ہے کہ دینی درسگاہوں کے نصاب میں اس کا جوڑ لگایا جائے، قدیم بطلیموسی ہیئت کی جگہ جدید فلسفہ پڑھا جائے اور قدیم علم کلام کے ساتھ جدید علم کلام بھی پڑھایا جائے تاکہ قدیم علوم کی افادیت میں ترقی ہو، نیز اس سے انکار نہیں کہ ابتدائی اسکولوں میں جس طرح قرآن

کریم کی تعلیم واسلامیات کے مبادی کی تعلیم ضروری ہے اسی طرح دینی درسگاہوں میں حساب وجغرافیہ وغیرہ کا داخل کرنا بھی ضروری ہے، بے شک انسانی ضروریات زندگی کے لئے ان مبادی علم کا ہونا بے حد ضروری ہے مگر اسی طرح دین اسلام کے تحفظ کے لئے علوم اسلامیہ کا تحفظ بھی نہایت ہی ضروری ہے۔ نیز تقریر وتحریر کی جو کمی ہے اس کی طرف بھی متوجہ کرنا بے حد اہمیت رکھتا ہے، بلاخوف لومۃ لائم یہ اظہار ناگزیر ہے کہ مسلمانوں کی نجات کا راستہ ایک ہی ہے اور وہ دین اور علوم نبوت کی حفاظت ہے، صحیح افادیت پیدا کرنے کے لئے جدید اسلحہ کی ضرورت ہے جس سے عام دینی مدارس بے بہرہ ہیں۔

الغرض حکومتی سطح پر تو انتہائی ضروری ہے کہ نظام تعلیم میں دین ودنیا کی تفریق کو ختم کیا جائے اور ابتداء سے لے کر دس بارہ سالہ تعلیم تک اتنا دین ہر تعلیم یافتہ کو آ جائے کہ وہ علی وجہ البصیرت سچا اور پکا مسلمان بن جائے، آگے چل کر خصوصی مہارت پیدا کرنے کے لئے خصوصی شعبے ہونے چاہئیں، بہر حال جو غفلت اور بے توجہی آج تک برتی گئی ہے خدا کرے جلد یہ صورت حال ختم ہو جائے، حکومت کو ان دینی مدارس کا ممنون ہونا چاہیے کہ اس سرزمین میں بوریہ نشینوں کی دینی درسگاہوں کا فیض اور مخلص علماء کی مساعی جمیلہ ہی کا نتیجہ ہے کہ اس ملک کے اندر قرآن وتفسیر، حدیث وفقہ واصول وغیرہ اسلامی علوم کی حفاظت ہو رہی ہے، اگر یہ علماء مدارس قائم نہ کرتے تو آج اس ملک میں اسلام کا نام ونشان تک مٹ گیا ہوتا، ولافعل اللہ ذالک۔ اگر آج یہ علماء اسلام نہ ہوتے تو سوشلزم اور کمیونزم اور مارکسزم کے سیلاب کا کوئی روکنے والا نہ ہوتا، انہی علماء کی برکت سے دیندار مخیر ارباب ثروت نے دینی قلعوں کو محفوظ کرنے کی کوشش کی، اہل علم اور اہل خیر کے اس مبارک ربط وامتزاج نے وہ عظیم الشان کام سرانجام دیا جو کوئی دینی عظیم المرتبت مملکت ہی کرسکتی تھی اور اس طرح اس فرض کفائی کے بوجھ سے ارباب حکومت سبکدوش ہو گئے۔

پاکستان اور داخلی اور خارجی فتنے اوران سے بچاؤں کی تدابیر

آج اخبار کی دو خبریں دیر تک مرکز نظر رہیں: ’’بھارت ہائیڈروجن بم کا دھماکہ کرنے والا ہے‘‘ ’’ملک میں قحط سالی کا خطرہ‘‘، ان دو خبروں پر نظر جمتے ہی ہمارے ملک کی اندوہناک صورتِ حال کا نقشہ ذہن میں ابھرا اور آیت کریمہ کانوں میں گونجنے لگی اور وردِ زبان ہوگئی:

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ [النحل:۱۱۲]

اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کی مثال بیان فرمائی جو امن اور اطمینان سے تھی جس کا رزق فراوانی سے ہر طرف سے آتا تھا، اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے اس کو بھوک اور ڈر کا لباس پہنا دیا

اس کے کرتوتوں کی بنا پر۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کی مثال بیان فرمائی ہے اس سے کوئی معین بستی مراد نہیں ہے جیسا کہ بعض مفسرین کی رائے ہے، ہر ملک اور انسانی آبادی کا حصہ اس کا مصداق بن سکتا ہے جو اپنی صورت آیت کریمہ کے آئینہ میں دیکھ سکے، جس انسانی آبادی کا ذکر ہو رہا ہے اس کی کیفیت یہ تھی کہ وہ امن کی چادر اوڑھے ہوئے اطمینان وسکون کی فضا میں سانس لے رہی تھی، اس کی سرحدیں محفوظ، اس کی فوج جدید ترین اسلحہ اور ساز و سامان سے لیس ملک کی حفاظت کے جذبہ سے سرشار پہرہ دے رہی تھی، اس کی فوج میں ایسے غدار نہیں تھے جن کی وفاداریاں دشمن ملکوں سے وابستہ ہوں، دوسری طرف وہ داخلی فتنوں سے مامون، اخلاقی وروحانی اور مادی اطمینان وسکون سے زندگی کی شاہراہ پر گامزن تھی، رزق کی فراوانی تھی، ہر طرف سے رزق و دولت کے انبار ان کی طرف پہنچ رہے تھے، غرض داخلی وخارجی فتنہ سامانیوں سے بہت دور یہ بستی طمانینت وراحت کی زندگی گذار رہی تھی کہ اس بستی نے اپنے پروردگار کی نعمتوں کی ناشکری کی، اپنے مقصدِ وجود کو بھول کر خود کو شہوت وغضب کی قوتوں کے حوالہ کر دیا، روحانی قدریں پامال کر دیں گئیں، انسانیت واخلاق کی رِدارءِ زرین کو پارہ پارہ کر دیا گیا، پیغمبر کی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر اغیار کے دروازوں کو دستک دینے لگے، اپنے نظام حیات کو چھوڑ کر فکر مستعار کے غلام ہو گئے، رشوت وچور بازاری اس ملک کا شیوہ بن گیا، عصبیت کے عفریت نے ان کے اتحاد کو پاش پاش کر دیا، اس کی فوج کی عظمت وشوکت کا سورج غروب ہونے لگا۔ اللہ رب العزت نے ان کو سزا دی، ان کو خارجی وداخلی فتنوں نے گھیر لیا، امن اور اطمینان کا لباس اتار کر ان کو خوف اور بھوک کا لباس پہنا دیا گیا، خوف اور بھوک ان کے وجود کے ساتھ لازم ہو گئی، جدا اور علیحدہ ہونے کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔

آج ہمارا ملک بھی اسی قسم کے اندوہناک احوال سے گذر رہا ہے، اس کا ہمسایہ ملک روز بروز طاقتور بنتا جا رہا ہے، ایٹم بم کے تجربہ کے بعد وہ ہمارے دروازے پر ہائیڈروجن بم کا تجربہ کر رہا ہے، دوسری طرف قحط سالی کا خطرہ ہے جو ہمارے سروں پر منڈلا رہا ہے اس کے علاوہ وہ داخلی فتنے ہیں جو ہماری جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں، ملک کا بڑا حصہ کٹ چکا ہے، دوسرے حصوں کا رشتۂ اتحاد دن بدن کمزور ہوتا جا رہا ہے، اس دردناک صورت حال کا صحیح علاج تو یہ تھا کہ:

……اپنے رب کی طرف انابت اور اپنے گناہوں سے استغفار کیا جاتا۔

……پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو زندگی کا مطمح نظر بنایا جاتا، کتاب اور سنت کے مطابق زندگی گذارنے کا عہد کیا جاتا۔

……اسلام کا نظام زندگی ہر شعبہ میں جاری کیا جاتا۔

……اسلام کا نظام عدل وقضا بروئے کار لایا جاتا۔

سوشلزم صہیونی جال کا ایک پھندا ہے

غرض اسلام کے مہر جہان تاب کی روشنی سے قلب ونگاہ کو منور کر کے از سر نو زندگی کا سفر شروع کیا جاتا، آپ دیکھتے کہ تھوڑے ہی دنوں میں نکبت وذلت کے یہ بادل چھٹ جاتے اور ہماری عظمت رفتہ لوٹ آتی لیکن اس کے برعکس یہ ہو رہا ہے کہ وہی داستان دہرائی جارہی ہے جس سے یہ صورت حال پیدا ہوئی۔ اسلامی سوشلزم کے نعرے بڑے زور وشور سے لگائے جارہے ہیں، بعض وقت تو اسلامی کا لفظ بھی غائب کر دیا جاتا ہے اور صرف سوشلزم ہی رہ جاتا ہے، اس نعرہ کا تقریر وتحریر کے ذریعہ پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے، دنیا جانتی ہے عقل وخرد رکھنے والا شخص سمجھ سکتا ہے کہ سوشلزم کا اسلام سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے، سوشلزم ایک نظریہ ہے جس کے پس منظر میں خالص مادی نقطہ نگاہ کارفرما ہے، اس کی مستقل تاریخ ہے، روحانی اور اخلاقی قدروں سے عاری یہ نظریہ جب کسی ملک میں گیا اپنے پس منظر اور تاریخ کے ساتھ گیا، اس ملک کے اپنے نظریہ کو اس نے ختم کر دیا اور اس کی تاریخ نے اس کو اپنی تاریخ سے محروم کر دیا، مارکس اور لینن خدا فراموش ہی نہیں خدا سے باغی اس کے روح رواں ہیں، حقیقت یہ ہے کہ سوشلزم صہیونی جال کا ایک پھندا ہے جس قوم کے گلے میں یہ پھندا پڑ جاتا ہے وہ قوم روحانیت، اخلاق انسانیت سے تہی دامان ہو کر مادیت اور حیوانیت کے ظلمت کدہ میں بھٹکتی پھرتی ہے، اللہ تعالیٰ کا انکار، پیغمبر کی تعلیمات سے انحرف، اباحیت، اخلاق باختگی اس کا شعار بن جاتا ہے، پھر حیرت درحیرت اس پر ہے کہ سوشلزم کے نعرے اس ملک کے ذمہ دار لگا رہے ہیں جس کے دستور میں کتاب وسنت پر عمل کرنے کی ضمانت دی گئی ہو اور جس کا سرکاری مذہب اسلام ہو، کیا ان کو معلوم نہیں کہ اسلام جامع ترین نظام حیات ہے، عقائد، عبادات، مناکحات، معاملات کے ساتھ ہی ساتھ اس کا اپنا اقتصادی نظام ہے جو نہایت متوازن اور معتدل ہے وہ افراط وتفریط سے خالی ہے، وہ انفرادی ملکیت کی اجازت دیتا ہے لیکن اس کے ساتھ مالداروں پر فرائض بھی عائد کرتا ہے، وہ تقسیم دولت کا قائل ہے، وہ ارتکازِ دولت کا مخالف ہے، اس نے زکاۃ، عشر، صدقہ فطر اسی لئے عائد کئے تاکہ دولت چند ہاتھوں میں مرتکز نہ ہو جائے، پھر وہ جہاں حقوق عطا کرتا ہے وہاں فرائض بھی عائد کرتا ہے، ہمیں شبہ ہے کہ سوشلزم کا نعرہ لگانے والے یا تو سوشلزم سے واقف نہیں یا اسلام سے واقف نہیں، اگر واقف ہیں تو قوم اور ملک کو تضاد اور نفاق میں مبتلا کرنے سے کیا فائدہ؟ شاید ان کو معلوم نہیں کہ قوموں کی زندگی میں تضاد اور نفاق سم قاتل ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو صحیح فہم عطا فرمائے، آمین۔

[ذوالحجہ ۱۳۹۴ء۔ جنوری ۱۹۷۵ء]

اسلام کے نام پر حاصل کردہ مملکت پاکستان

کہا جاتا ہے کہ دنیا کے نقشے میں پاکستان پہلا ملک ہے جو اسلام اور صرف اسلام کے نام سے وجود میں

آیا، یعنی قیام پاکستان کے لئے جو سیاسی سطح پر جدوجہد ہوئی وہ صرف اسلام کے نام سے ہوئی، متحدہ ہندوستان میں جو تحریک چلائی گئی، تمام مسلمانوں کو متحد کیا گیا اور سیاسی تنظیم جس انداز سے ہوئی وہ صرف اسلام کے نام پر ہوئی، عوام یہی سمجھے، خواص یہی سمجھے، علماء یہی سمجھے، جاہل یہی سمجھے، تجارت پیشہ حضرات یہی سمجھے اور مزدور کار یہی سمجھے، غرض قوم کے تمام افراد سے یہی کہا گیا اور اسی انداز سے اتحاد کی کوششیں ہوئیں اور عوام کو یہی باور کرایا گیا کہ پاکستان کے معنی ہیں ''لا الہ الا اللہ''۔

البتہ خواص الخواص یا اونچے قائدین یا برطانیہ کے ارباب اقتدار کچھ اور سمجھے ہوں تو ہوسکتا ہے بلکہ اس کا یقین ہوتا جارہا ہے کہ ان کی نیت کچھ اور تھی اور بعد کے حالات سے کچھ اس کی تائید ہوتی ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ اتنے بلند بانگ دعووں کے باوجود آج تک پاکستان میں ان حقائق کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا جن کا عوام کو یقین دلایا گیا تھا، کاش عوام کو اپنی حالت پر چھوڑتے تو اسلام اتنا رسوا نہ ہوتا، تاجر طبقہ نے کارخانے اور انڈسٹریاں چلا کر مالی واقتصادی ملک کی حالت مضبوط کی اور علماء امت اور صالحین نے دینی ادارے، دینی مراکز، مساجد وغیرہ دینی نظام کی حفاظت کی، پاکستان ایک باوقار مملکت کی حیثیت سے دنیا کی سطح پر ابھرا، لیکن افسوس کہ عرصہ دراز تک آئین اسلامی سے محروم رہا، وہی برطانیہ کا متعفن نظام جاری رہا اور اب بھی ہے کچھ عرصہ سے برائے نام آئین اسلامی وجود میں بھی آیا تو اس کے مطابق قانون سازی کا نظام اب تک شرمندہ عمل نہ ہوسکا بلکہ اسلام کی بیخ کنی کے لئے تدبیریں اختیار کی گئیں جن کے دہرانے کی ضرورت نہیں:

ماخانہ رمیدگان ظلمیم پیغام خوش از دیار مانیست

اسلام کا نام لے کر اسلام سے دشمنی

عقل حیران ہے کہ اس بدنصیب ملک کا کیا انجام ہوگا، قدرت کی طرف سے ایک شدید سزا مل گئی اور نصف پاکستان ختم کردیا گیا بقیہ نصف کا اللہ تعالیٰ حافظ وناصر ہو، لیکن اب تک نہ صرف یہ کہ ہوش نہیں آرہا ہے بلکہ غفلت وبے حسی انتہا تک پہنچ گئی، اسلام کے نام سے تمام اسلام کے ساتھ بدترین عداوت کا جو معاملہ ہورہا ہے اس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، ایک طرف اگر پنجاب اسمبلی میں قرآن وسنت کی روشنی میں اقتصادی نظام کی باتیں سنائی دے رہی ہیں تو دوسری طرف سوشلزم کے نعرے اتنے زور سے لگائے جارہے ہیں کہ کانوں کے پردے پھٹنے آگئے، تعجب ہے کہ پنجاب اسمبلی نظام زکوٰۃ رائج کر کے زکوٰۃ وصول کرنے کی قرارداد منظور کرارہی ہے گویا باقی سارا اسلامی نظام تو رائج ہوگیا زکاۃ کے نظام کو درست کرنے کی تدبیر سوچی جارہی ہے، کون نہیں جانتا کہ نماز اسلام کی بنیاد اور بنیادی رکن ہے، اس کے لئے تو کوئی تدبیر نہ سوچی جائے، اسلامی عقائد کی حفاظت کی کوئی تدبیر نہ سوچی جائے، روزہ کی حفاظت کی کوئی تدبیر نہ کی جائے اور ملک میں ماہ رمضان المبارک

میں تمام ہوٹل کھلے رہیں، کوئی احتساب نہیں، شراب وزنا کے لائسنس جاری کئے جاتے ہیں، عریانی وفحاشی کو ہر صورت میں ہوا دی جارہی ہے، اس صورت حال میں صرف زکاۃ کے نظام سے کیا تمام اسلامی نظام قائم ہو جائے گا؟ ہمیں تو اندیشہ ہے کہ صالح طبقہ کے لوگ اپنے اموال کی زکاۃ سے معاشرے کے نادار افراد کی جو خدمت کرنا چاہتے ہیں اس کا دروازہ بھی بند ہو جائے گا، زکوٰۃ کے مالی نظام پر قبضہ کر کے جو حضرات اپنے صدقات وزکوٰۃ سے اقارب اور فقراء، نادار حضرات کی ہمدردی کرتے ہیں اور کچھ دینی ادارے چلا رہے ہیں اس کو بھی گویا ختم کیا جارہا ہے، عرصہ سے بار بار یہ کوشش کی گئی جو ناکام ہوئی، خدارا! اس قوم پر رحم کرو اور اگر تم سے اس کی صحیح دینی تربیت نہیں ہوسکتی تو اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دو، ارباب خیر کے لئے ایک ہی دینی راستہ فقراء اور اصحاب حاجات کی خدمت کرنے کے لئے تھا وہ بھی بند کرنا چاہتے ہو، سینکڑوں مسائل ملک میں موجود ہیں، شراب پر پابندی لگانے کے لئے کوئی قرارداد پیش نہ ہوسکی، زنا کے کھلے لائسنس دینے کے لئے کوئی قانون نہ بن سکا، نائٹ کلبوں میں جو بے حیائی وعریانی کے روح فرسا مناظر موجود ہیں ان کے لئے کوئی بل پارلیمنٹ میں نہ آسکا، ملک میں جو روز افزوں فحاشی و بے حیائی ہو رہی ہے اس کے لئے کوئی قرارداد منظور نہ ہوسکی، سینما اور ٹی وی پر جو کچھ دردناک روح فرسا گندگی اچھالی جارہی ہے اس کے لئے کوئی تدبیر نہیں کی جارہی ہے، ملک میں رشوت ستانی نے قوم کو تباہی وہلاکت کے گڑھے میں پہنچا دیا ہے اس کے لئے کوئی مؤثر غور وفکر نہ ہوسکا، خدا فراموش قوم کو باخدا بنانے کے لئے کوئی مؤثر قدم اٹھانے کی توفیق تو نصیب نہیں ہوئی اگر رہ گیا تو بس ایک زکاۃ کا مسئلہ؟

اسلامی قانون بنانے کے لئے آج تک کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا، حق تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے والے غیر اللہ کے قوانین پر آج تک محاکم میں فیصلے ہو رہے ہیں، اس کے لئے کوئی بل یا قرارداد پیش نہ کی گئی کہ اس لعنت کو اس ملک سے دور کیا جائے، اس کے لئے کیا کیا گیا؟ پاکستان اسلام کے لئے بنایا گیا تھا، تعلیماتی بورڈ سے لے کر شعبہ و نئی نسل تک اسلام کا کام بجز دغا کے کیا کیا گیا؟ مسلمانوں کا ایک تمغہ یہ اسلام کا متفقہ کلمہ رہ گیا تھا اس کو بھی ڈائنامیٹ لگانے کی کوشش جاری ہے، منیر رپورٹ (رسوائے عالم رپورٹ) نے اسلام پر کیسے آرے چلا دیئے؟ کیا اسلام اسی کا نام رہ گیا ہے کہ سیرت کانگرس یا سیرت کانفرنس کر کے اپنے اسلام کا ثبوت دیا جائے؟ ادارہ تحقیقات قائم کر کے قوم کا لاکھوں روپیہ خرچ کر کے الحاد وزندقیت کا بیج ڈالا جائے؟ اور اسلامی عقائد کو مسخ کر کے رکھ دیا جائے؟ کیا یہ اسلام کی خدمت ہوگی، الغرض قیام پاکستان کے طویل عرصہ میں وہ کون سی بے حیائی اور کون سا گناہ ہے جس کی پرورش نہ کی گئی ہو؟ اسلام کے چہرہ کو مسخ کر کے کیا کچھ نہیں کیا جارہا ہے؟ ایک زکاۃ کا مسئلہ رہ گیا اس کو حل کیا جائے؟

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور صحیح سمجھ عطا فرمائے اور اسلام کی حفاظت کی غیبی تدبیر فرمائے، آمین۔

اسلام اور پردہ

سیرت کانگرس کے آخری استقبالیہ میں ہمارے وزیر اعظم نے جو تقریر فرمائی اس سے سیرت کانگرس سے وابستہ مقصد بے نقاب ہو گیا اور اسلامی پردے کے خلاف جو کچھ فرمایا اس پر بجز افسوس و حیرت کیا ہو سکتا ہے؟ جی یہ نہیں چاہتا تھا کہ ہمارے ملک کے سب سے بڑے صاحب اقتدار عالم اسلامی کے مندوبین کے سامنے ایسے رسوا ہوتے، عقل کا تقاضا یہ ہے کہ جس موضوع کی پوری اہلیت نہ ہو اس کو چھیڑا ہی نہ جائے، اسلامی پردے کی واضح ہدایات حق تعالیٰ کے آخری پیغام میں موجود ہیں، سورہ نور میں جس طرح احکام دیئے گئے ہیں انہیں وہ شخص جو قرآن کریم کا مطالعہ کر چکا ہو بخوبی جانتا ہے، سورہ احزاب میں تو امہات المومنین ازواج مطہرات کو جن کی طرف نگاہ اٹھانے سے ایمان ہی سلب ہو جاتا ہے، ان کو مخاطب کر کے اعلان کیا گیا:

﴿وَقَرْنَ فِىْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى﴾[الاحزاب:۳۳]

کہ گھر میں جم کر بیٹھ رہو، باہر نکل کر جاہلیت اولیٰ کی سی بے حیائی و بے پردگی کا مظاہرہ مت کرو۔ جب امہات المؤمنین جیسی پاک دامن اور مقدس ہستیوں کو یہ حکم دیا جا رہا ہے تو عام مسلمان عورتیں کیسے اس سے مستثنیٰ رہ سکتی ہیں؟ بہرحال ہمارے وزیر اعظم کو سیرت کانگرس میں پردہ کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے یہ خیال ہوا ہو گا کہ شاید میرے احترام کی وجہ سے باہر سے آنے والے مہمان خاموش رہ جائیں گے اور اس خاموشی کا فائدہ اٹھایا جائے گا لیکن انہی مندوبین سے اس فرض کفایہ کو ادا کرنے کے لئے جناب یوسف ہاشم رفاعی حکومت کویت کے سابق وزیر اوقاف نے ہمارے وزیر اعظم کے خیالات کی سخت تردید فرمائی، ان کی تقریر عربی میں تھی اور پھر خود انہوں نے انگریزی میں اس کا ترجمہ بھی کیا اور خود عربی کا انگریزی ترجمہ اس لئے کیا کہ کوئی دوسرا مترجم مضمون میں قطع و برید نہ کرے۔ حیرت ہے کہ کوئٹہ کے اجتماع میں ہمارے محترم وزیر اعظم نے پھر پردہ کے خلاف فتویٰ صادر فرما کر کچھ پردہ نشین عورتوں کو (نہ معلوم وہ بھی واقعی پردہ نشین تھیں یا مصنوعی طور پر پردہ نشینی کا پارٹ ادا کرنے والی بیگمات تھیں) حکم دیا کہ پردہ سے باہر نکل آؤ، خبر رساں ایجنسی کا کہنا ہے کہ ان عورتوں نے وزیر اعظم کے حکم کی تعمیل میں پردہ اٹھایا اور بے پردہ مردوں کے انبوہ میں شامل ہو گئیں، اگر یہ صحیح ہے تو وہ عورتیں جو اللہ و رسول کے حکم کے خلاف کسی کے حکم کی تعمیل کرنے والی ہیں بڑی لعنت کی مستحق ہو گئیں، کسی بھی شخص یا حکمران کی ایسی اطاعت جو اللہ و رسول کے قانون شرعی کے خلاف ہو واجب الامتثال نہیں ہے، بڑی جسارت ہے کہ ایک شخص اسلامی قانون سے سراسر بے خبر ہو اور وہ ایسے احکامات کا اقدام کرے جو سراسر اسلام کے خلاف ہوں، بجز افسوس اور حیرت کیا ہو سکتا ہے اور کمال ہے کہ قدم قدم پر ان غیر شرعی احکامات کے اعلانات ہوں اور دعویٰ ہو کہ ہم اسلامی قانون نافذ کرنے والے ہیں۔

اسلامی مساوات کسے کہتے ہیں؟

اور کمال یہ ہے کہ عورتوں کی عفت و عصمت کے محافظ پردہ کو اسلامی مساوات کے خلاف سمجھا جاتا ہے، کیا مساوات کے معنی یہ ہیں کہ مردوں اور عورتوں کے فرائض ایک جیسے ہوں گے؟ حق تعالیٰ نے ہر ایک نوع کو اور ہر ایک جنس کو ایک کام کے لئے پیدا کیا ہے، بیل گائے کا کام نہیں کرسکتا، گائے بیل کا کام نہیں انجام دے سکتی، آنکھ کا وظیفہ فطری دیکھنا ہے، کان کا سننا ہے، ہر ایک کی اپنی خاصیت ہے، اگر مرد کا کام عورت سے لیا جائے گا تو یہ ظلم ہوگا جس طرح عورت کا کام مرد سے لینا خلاف فطرت ہے ﴿فِطْرَتَ اللهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ [الروم: ۳۰] حق تعالیٰ نے ہر چیز کی خاص فطرت رکھی ہے وہ چیز اپنے فطری تقاضے کو پورا کرے گی، کیا اسلامی مساوات کے یہ معنی ہیں کہ مرد عورت سب ایک ہی گاڑی میں جت جائیں؟ اور مرد و زن کا فرق نہ رہے؟ اسلامی مساوات کے معنی یہ ہیں کہ اسلام سے مشرف ہونے کے بعد عربی عجمی قرشی حبشی کالے گورے مکی مدنی افریقی یورپی سب میں اسلامی اخوت کی وجہ سے مساوات ہے، حق تعالیٰ کے یہاں سب برابر ہیں، سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اگر تفاوت مراتب ہے تو صرف تقویٰ و تقدس کی زندگی کی وجہ سے ہے، جس کا اعلان قرآن کریم کی سورہ حجرات میں کیا گیا ہے اور جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حجۃ الوادع کے موقع پر اعلان فرمایا تھا، یہ ہے اسلامی مساوات، یہاں اسلام میں قومیت، نیشنلزم اور ابیض واسود کا کوئی سوال نہیں، سب بھائی بھائی ہیں، فطرت نے جو فطری خواص ہر صنف میں رکھے ہیں ان کو مٹا کر مساوات کا نعرہ لگانا فطرت الٰہی کو مسخ کرنے کے مترادف ہے، جو حقوق والدین کے ہیں اولاد کے نہیں، جو بیوی کے ہیں بھائی بہن کے نہیں، جو مرد کے ہیں عورت کے نہیں، جو عورت کے ہیں مرد کے نہیں، تعجب ہے کہ اتنی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھی جاسکتی ہے، اللہ تعالیٰ صحیح فہم عطا فرمائے اور عناد وضد سے بچائے اور اللہ تعالیٰ اسلام کو بازیچۂ اطفال نہ بنائے اور جس منصب کا جو اہل ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس پر فائز کرے اور نااہلوں کی حکومت واقتدار سے اس امت کو نجات عطا فرمائے، آمین۔

[ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ - مئی ۱۹۷۶ء]

مملکت پاکستان پر اللہ کا شکر کس طرح بجالایا جائے؟

قدیم ترین آسمانی قانون الٰہی ہے کہ نعمت کے شکر ادا کرنے سے جہاں حق نعمت ادا ہوتا ہے وہاں نعمت میں ترقی بھی ہوتی ہے قرآن حکیم کا ارشاد ہے: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ [ابراہیم: ۷] اگر شکر نعمت ادا کروگے تو اور زیادہ دیں گے۔ ملک خداداد پاکستان بلاشبہ عطیہ الٰہی تھا اس شکر نعمت کا طریقہ یہی تھا کہ صالح حکومت ہوتی، صالح قیادت کی سرپرستی میں قانون عدل کا پرچم لہراتا، شراب نوشی، فحاشی، بے غیرتی، ڈاکہ، چوری، قتل وقتال پر شرعی سزائیں نافذ ہوتیں، ہر طرح جان ومال وآبرو کی حفاظت ہوتی، خداترسی کی زندگی ہوتی، مسجدیں

آباد ہوتیں، ایک بہترین معاشرہ وجود میں آتا، حق تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتیں، آسمان کے فرشتے دعائیں کرتے، زمینی مخلوق تعریفیں کرتی، ہر شخص اپنی جگہ مطمئن وقانع ہوتا، پولیس رعایا کی جان ومال کی حفاظت میں کوتاہی نہ کرتی، فوج مملکت کے حدود کی حفاظت کو اپنا فخر سمجھتی، سرکاری اداروں میں خدمت انجام دینے والے اصحاب پورا پورا فرض منصبی ادا کرتے، نہ حرام خوری ہوتی، نہ رشوت ستانی ہوتی، نہ خیانت ہوتی، الغرض ایک پاکیزہ اور صالح ترین معاشرہ جنم لیتا اور یہ دنیا بھی باشندوں کے لئے جنت بنتی:

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را با کسے کارے نباشد

خدا بھی راضی، مخلوق خدا بھی راضی، روح بھی خوش، پیٹ بھی پرسکون۔

یہ ایک سرسری جائزہ ہے کہ نقشہ پاکستان کا کیسے ہونا چاہیے تھا، پھر بھی اگر یہ محسوس ہوتا کہ اتنی بڑی نعمت کا حق شکر ادا نہیں ہوا تو تقصیر کا احساس ہوتا اور اس تقصیر کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے، بقول شیخ سعدی:

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش عذر بدرگاہِ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش کس نتواند کہ بجا آورد

لیکن جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے اس کا نقشہ سامنے ہے، عیاں راچہ بیاں۔

''خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید''

پاکستان کی حفاظت کے لئے لطیفۂ غیبیہ اور قوم کی ناشکری

۶۵ء ستمبر میں ایک بڑے اور حیرت انگیز لطیفہ غیبیہ کا ظہور ہوا کہ پاکستان کی ظاہری ترقی وقوت کو اعداء اسلام دیکھ نہ سکے اور آنکھیں خیرہ ہونے لگیں، بین الاقوامی قانون جنگ سے بے نیاز ہو کر ہندوستان کی ہندو حکومت نے پاکستان پر بلا اعلان جنگ حملہ کر دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے کیسی حفاظت فرمائی اور دشمن اسلام اپنے ناپاک ارادے میں کیسے ناکام ہوا اور حق تعالیٰ نے کیسے غیبی حصار کے ذریعہ ملک کو بچایا؟ دنیا پر پاکستان کا رعب بیٹھ گیا ایک ہی رات میں قوم باخدا بن گئی، ولی کامل بن گئی، اللہ تعالیٰ نے نجات عطا فرمائی، غیب کے فرشتوں نے حفاظت کی، اس عظیم نعمت کا شکر ادا کرنے کی ضرورت تھی، ایک غیبی تنبیہ تھی کہ سنبھل جائیں لیکن ہوا کیا کہ سرکاری احکامات جاری ہو گئے کہ اس فتح عظیم کو جہاد نہ کہا جائے، بجائے صدقات ونماز سے شکرانہ ادا کرنے کے رقص وسرود کی محفلیں قائم کی گئیں، ورائٹی شو کے روح فرسا مناظر دکھائے گئے، اس طرح شکریہ ادا کیا گیا، انا للہ۔ بجائے طاعت وعبادت کے معصیت، فسق وفجور اور بے حیائی کا مظاہرہ کیا گیا، آخر عزیز منتقم نے سزا دی اور روس وامریکہ جیسی شدید العداوۃ طاقتوں کو پاکستان کے خلاف متحد ومتفق کر کے ہندوستان سے حملہ کروا کر آدھے سے زیادہ ملک کو ہم سے کاٹ دیا اور دنیا کے نقشے پر جو سب سے بڑی اسلامی مملکت تھی وہ چھوٹی حکومت میں تبدیل ہو گئی، کاش اس

تنبیہ سے عبرت حاصل کرتے لیکن ہوا کیا؟ وہ جو آپ دیکھ رہے ہیں اس پانچ سالہ حکومت میں کیا ہوا؟ اور اس سے پہلے پچیس سالہ دور حکومت میں کیا ہوا؟ سب آپ کے سامنے ہے۔

اب کچھ ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ شاید حق تعالیٰ اس قوم سے ناراض ہے اور اس کے غضب کے آثار نمایاں ہونے لگے ہیں اور شدید خطرہ ہو گیا کہ اس کا حشر بھی ان برباد شدہ ملکوں جیسا نہ ہو جائے، اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے، آمین۔ انتخابات کی ہنگامہ آرائی شروع ہوئی، خدا خدا کر کے وہ ہنگامہ ختم ہوا لیکن اس ہنگامہ آرائی نے ایک ایسی خطرناک ہنگامہ آرائی کا بیج ڈال دیا کہ نہ معلوم اس کی عاقبت کیا ہوگی؟ اس بتداء کی خبر کیا ہوگی؟

اعداء اسلام پاکستان پر نظر جمائے ہوئے ہیں وہ یہاں کٹھ پتلی حکومت کے خواہشمند ہیں، اگر بالفرض کوئی صالح دینی قیادت ابھرتی نظر آتی ہے تو انہیں اس کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور ''الکفر ملة واحدة'' تمام کفر ایک ملت ہے کے مصداق آپس کے اختلافات کو ختم کر کے اس کے خلاف سب اعداء اسلام متفق ہو جاتے ہیں اور جو بھی غیر دینی قیادت ہو اس کو لبیک کہتے ہیں۔

دردناک صورت حال اور اس کا علاج

بہر حال موجودہ صورت حال ایک طرف انتہائی دردناک ہے اور شدید خطرہ ہے کہ ملک میں بدامنی اور بے اطمینانی کا دورہ شروع ہو کر خون ریزی شروع نہ ہو جائے اور وہ دردناک دور شروع نہ ہو جائے جس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، دوسری طرف اصلاح انتہائی مایوس کن ہے اس لئے کہ گذشتہ تیس سالہ تجربات نے اصلاح کی صورت سے مایوس بنا دیا ہے موجودہ صورت کا علاج ہماری نگاہ میں حسب ذیل ہے:

الف:......تمام امت اسلامیہ پاکستان کے باشندے یوم توبہ وانابت منائیں، انفرادی واجتماعی طور پر یوم توبہ مقرر کر کے صلوۃ الحاجۃ پڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں کہ:

''اے اللہ! ہم گناہ گار اور بدکار ہیں اور ہم اپنے گناہوں اور تقصیرات سے توبہ کرتے ہیں، ہمیں معاف فرما اور اس غضب آلود زندگی سے نجات عطا فرما کر رحمت انگیز حیات طیبہ نصیب فرما اور اس ملک وقوم پر رحم فرما کر صالح قیادت ہمیں نصیب فرما اور جو بزرگوں کو ہم نے گالیاں دی ہیں اور ان کی توہین کی ہے اور تیرے اولیاء وصالحین واتقیاء امت کی توہین وتحقیر کی ہے ہمیں معاف فرما اور آج بھی جن کی پاکیزہ روحوں کو ایذاء دیتے ہیں اے اللہ ہمیں معاف فرما اور اے اللہ پورے تیس سال پاکستان کے بیت گئے، اس دوران ہم نے جو بداعمالیاں کی ہیں اور تیرے غضب کو دعوت دینے والی جو زندگی اختیار کی ہے ہمیں معاف فرما اور اصلاح وتقویٰ کی زندگی عطا فرما اور ہمیں اپنی رحمت کاملہ کا مستحق بنا۔

الغرض ایک بات تو یہ ہے کہ اس طرح انفرادی واجتماعی توبہ کر کے سابقہ زندگی پر ندامت کے ساتھ

آئندہ صالح زندگی کا عزم کیا جائے۔

ب: ...... امت اسلامیہ پاکستان کے خواص وعوام دعوت واصلاح کی طرف توجہ کریں اور امت کی اصلاح کی علمی وعملی تدابیر اختیار کریں اور آج کل تبلیغی جماعت کے طرز پر عموم کے ساتھ اس کی اصلاح کی تدبیروں میں لگ جائیں اور دینی فضا پیدا کرنے کی محنت کریں اور ہر شخص اپنی صلاحیت وفرصت کے مطابق ہمت وتوجہ کرے۔

اور محسوس بھی ہوا کہ جب تک اس معاشرے کی اصلاح نہ ہو انتخابات کا صحیح نتیجہ ہوگا نہ پارلیمانی نظام سے فائدہ ہوگا، نہ اکثریت واقلیت کی بحثوں سے نتیجہ برآمد ہوگا نہ پارٹیوں کی حکومت سے فائدہ پہنچے گا، اگر قوم کی اصلاح ہوجائے تو پھر ان میں جو نمائندہ حکومت قائم ہوگی وہی درحقیقت قوم کے امراض کا صحیح علاج کرے گی، پھر جو کام انتہائی جد وجہد سے نہ ہو سکے گا وہ اشاروں میں ہوگا۔ بلاشبہ اس کام کے لئے کچھ عرصہ درکار ہوگا اور وقت لگے گا لیکن یہ مطلب بھی نہیں کہ بقیہ سیاسی تدابیر یک قلم ترک کردیں اور غیر صالح قیادت کو آزاد اور بلا محاسبہ چھوڑ دیں اگر ایسا ہوگا تو حکومت کی پوری طاقت ومشینری سے الحاد ودہریت کی قوتیں اتنی ابھر آئیں گی کہ اس سیلاب کو بند لگانا آسان نہ ہوگا بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ اصلاح کے دونوں طریقوں سے کام لینے کی ضرورت ہے، جس طرح ظاہری سیاسی تدابیر بروئے کار لائی جاتی ہیں اس سے زیادہ معاشرے کی اصلاح از روئے دعوت وتبلیغ کی بھی ضرورت ہوگی اور جو صالح افراد پارلیمنٹ میں پہنچیں ان کا فریضہ صرف پارلیمانی تقاضوں کو پورا کرنا نہ ہوگا بلکہ اس کے ساتھ دوسرے فریضے کی طرف بھی پوری توجہ دینی ہوگی بہرحال اصلاح کی تکمیل تک اس عبوری دور میں دونوں طریقہ ہائے علاج سے کام لینا ہوگا۔

اس وقت جو سب سے بڑی فروگذاشت ہوئی وہ یہ کہ صرف سیاسی تدبیروں کو واحد علاج سمجھا گیا یا عملاً ایسا ہی ہوا، اگر ابتدائی طریقہ کار یہ ہوتا کہ ظاہری وباطنی دونوں طریقے بروئے کار لائے جاتے تو یہ روز بد ہمیں نہ دیکھنا پڑتا اور آج ہم قابل رشک مقام پر پہنچتے، اسی طرح ارباب دنیا اور اصحاب کارخانہ جات اور مالکان انڈسٹریز اگر صرف اپنی دنیا پر قانع نہ ہوتے اور اسی نعمت کو پاکستان کی قیمت نہ سمجھتے بلکہ اپنی اور دوسروں کی اصلاح ودعوت کی طرف توجہ کرتے تو آج جو خطرات ان کو پیش آئے اور آرہے ہیں اور وہ نعمت بھی چھینی گئی یا چھننے والی ہے یہ برا انجام ان کو نہ دیکھنا پڑتا، تاہم توبہ ورجوع کا اب بھی وقت باقی ہے بلکہ شاید اب امتحان کا وقت آگیا ہے کہ کیا یہ قوم اپنی مومنانہ شان کے ساتھ رہنا چاہتی ہے؟ یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم عذاب کے بادل چھا جانے کے بعد اخلاص سے توبہ کرنے سے نجات پاسکتی ہے تو مایوسی کا مقام نہیں، بلاشبہ بڑی غفلت ہوئی اور ہورہی ہے لیکن اب بھی من حیث القوم توبہ وانابت سے رحمت الٰہی کے دروازے کھل سکتے ہیں، چند افراد کی آہ وبکا سے نجات کی توقع سراب سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی، کیا حدیث نبوی میں یہ تصریحات موجود نہیں کہ بدی کی طاقتیں جب زیادہ

ہو جائیں تو صالحین کے ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوسکتا ہے اور قوم تباہ ہوسکتی ہے (۱)، اور خود قرآن کریم میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ [الانفال:۲۵]

اورتم ایسے وبال سے ڈرو کہ جو خاص ان ہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔

حق تعالیٰ پاکستان اور پاکستان والوں کی حفاظت فرمائے اور امت کو صالح قیادت نصیب فرمائے اور امت کو صالح بننے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین یارب العلمین۔

وصلی اللہ علی خیر البریة سیدنا محمد رحمة للعالمین وعلی اصحابه وامته المرحومین

[ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ/اپریل ۱۹۷۷ء]

پاکستان کے بحران کے باطنی اسباب

﴿هٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ [الاعراف:۲۰۳]

کچھ عرصہ سے ہماری یہ اسلامی مملکت شدید ترین بحران سے دوچار ہے، یہ بحران سیاسی بھی ہے اور اقتصادی بھی اور فوجی بھی، حق تعالیٰ کے تکوینی نظام کے کچھ اسباب بھی ہوا کرتے ہیں، یہ اسباب ظاہری بھی ہوتے ہیں اور باطنی بھی، ہمیں اس وقت ظاہری اسباب کے بارے میں کچھ کہنا نہیں، ان صفحات میں بارہا ان کی طرف اشارات وتنبیہات کرچکے ہیں اور وہ اتنے دقیق اور گہرے بھی نہیں ہیں کہ عوام کے فہم سے بالاتر ہوں، اس وقت تو باطنی اسباب یا اسرار قدرت کے بارے میں کچھ عرض کرنا مقصود ہے۔ گذشتہ ستمبر ۶۵ء میں لطیفہ غیبیہ کا جس طرح ظہور ہوا اور نصرت الٰہی اور غیبی برکات نے جس طرح اس ملک کو مالا مال اور دشمنان اسلام کی تدبیروں سے محفوظ فرمایا اور مغربی پاکستان پر ہندوستان کی یلغار کو اس طرح روکا اور ناکام بنایا کہ مسلمانوں میں حق تعالیٰ کی طرف رجوع اور انابت کی روح پیدا ہوگئی، دشمن کا رعب دلوں سے نکل گیا، پوری قوم چند لمحوں میں اپنے ناپسندیدہ اخلاق وکردار سے تائب ہوگئی، اخلاقی حالت میں تو عظیم الشان انقلاب آگیا، جرائم تقریباً ختم ہوگئے اور جرائم پیشہ افراد

---

(۱) ”عن زینب بنت جحش ان النبی ﷺ دخل علیها فزعا یقول: لااله الاالله ویل للعرب من شر قد اقترب، فتح الیوم من ردم یاجوج وماجوج مثل هذه، وحلق باصبعیه الابهام والتی یلیها، فقالت زینب بنت جحش: قلت یارسول الله انهلك وفینا الصالحون؟ قال: نعم اذا کثر الخبث“. صحیح البخاری، کتاب الانبیاء، باب قصة یاجوج وماجوج، ج:۱ ص:۴۷۲، ط: قدیمی. صحیح مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعة، فصل من اشراط الساعة خروج یاجوج وماجوج، ج:۲ ص:۳۸۸، ط: قدیمی۔

طبقات تائب ہو گئے، مسجدیں نمازیوں سے آباد اور تلاوت قرآن سے گونجنے لگیں، گھروں میں اللہ تعالیٰ کی یاد اور ختمات قرآن کے جلوے نظر آنے لگے، سنگ دل تاجروں کے دلوں میں بھی رقت پیدا ہوئی۔ یہ افسانہ نہیں واقعات ہیں، کل کی بات ہے، سب جانتے ہیں، مغربی پاکستان کی سالمیت کو اللہ تعالیٰ نے بدستور محفوظ و برقرار رکھا دشمنان اسلام کے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے منصوبے خاک میں مل گئے، حق تعالیٰ کے اس عظیم احسان کا قوم کو شکر ادا کرنا تھا لیکن جو کچھ ہوا آپ کے سامنے ہے:

''عیاں راچہ بیان''

چنانچہ اس کے چند ہی روز بعد اس سرعت سے معاشرے کی حالت بگڑنی شروع ہوئی اور اس حیرت انگیز انداز سے تمام فواحش و منکرات نے ترقی کی کہ عقل انگشت بدنداں ہے، اس ناشکری اور ان معاصی اور گناہوں کے ناگزیر قدرتی اثرات رونما ہوئے تمام ملک ان کی لپیٹ میں آ گیا جس طرح زہر کھانے سے موت آتی ہے اور جمال گوٹہ کھانے سے دست آتے ہیں، ٹھیک اسی طرح ہر معصیت اور گناہ کی ایک تاثیر ہوتی ہے اس کا ظاہر ہونا ناگزیر ہے۔

ہمارے ملک میں جو مہلک بیماریاں اس وقت روز بروز ابھر رہی اور پیدا ہو رہی ہیں، ملک کے عوام وخواص سب ہی شدید معاشی اقتصادی اور سیاسی اضطراب میں مبتلا ہیں، محکوم و حاکم دونوں ناقابل برداشت حد تک پریشان ہیں، قلوب میں سکون و اطمینان کلی طور پر مفقود ہو گیا ہے، دشمنوں کا رعب اور دبدبہ حد سے زیادہ بڑھ گیا ہے، ان کی چیرہ دستیوں سے زبردستی چشم پوشی کر رہے ہیں، مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے خطرات خطرناک صورت میں پیدا ہو گئے ہیں اور دوبارہ پاکستان کی سالمیت مخدوش ہو رہی ہے، ان سب خرابیوں اور امراض کے کچھ باطنی اسباب ہیں ہمارے معاشرے میں جو خرابیاں ناسور کی شکل اختیار کر چکی ہیں وہ یہ ہیں، سود ہے، رشوت ہے، شراب نوشی ہے، زنا ہے، قتل ہے، بے محابا غارت گری اور چوری ہے، بے پردگی اور عریانی ہے، ان مفاسد اور جرائم کی اتنی کثرت ہو گئی ہے کہ عقل حیران ہے، سود نے تمام معاشرے کو مفلوج کر دیا ہے، اس معصیت کو نہ چھوڑنے پر حق تعالیٰ کی طرف سے صریح اعلان جنگ ہے فرمایا ہے:

﴿فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهِ﴾ [البقرة:۲۷۹]

اگر تم بقیہ سود نہیں چھوڑو گے تو اللہ اور اس کے رسول کا اعلان جنگ سن لو، العیاذ باللہ۔

رشوت کے لئے بارگاہ نبوت سے فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو رشوت لینے اور دینے والے پر(۱)، شراب کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جو شراب پیئے یا پلائے یا جو لائے اور جس

---

(۱) ''عن عبداللہ بن عمرو قال: لعن رسول اللہ ﷺ الراشی والمرتشی''. سنن الترمذی، ابواب الاحکام عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی الراشی والمرتشی فی الحکم ج:۱ ص:۱۵۹، ط: فاروقی کتب خانہ ملتان. سنن ابی داؤد، کتاب القضاء، باب فی کراھیۃ الرشوۃ ج:۱ ص:۵۰٤، ط: حقانیہ.

کے لئے خریدے اور جو فروخت کرے اور جو تیار کرے وغیرہ وغیرہ (١) اور اتنی وعیدیں آئی ہیں کہ سنگدل لوگوں کے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، حدیث شریف میں صاف اور صریح الفاظ میں آیا ہے: ''علانیہ سودخوری اور زنا کاری پر دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا ہے'' (٢)۔

الغرض بے شمار گناہ اور جرائم ہیں کہ روز بروز دن دونی رات چوگنی ان کی کثرت ہوتی جارہی ہے حکومت ہے کہ شراب اور زنا کے لائسنس دے رہی ہے، حرام بچوں کی شرح پیداوار بھی روز افزوں ترقی پر ہے، ماہ رمضان المبارک میں ہوٹل کھلے رہتے ہیں، علی الاعلان قانون خداوندی سے بغاوت اس ملک میں ہوتی رہی ہے، مختصر یہ کہ کون سی معصیت ہے جو ہمارے معاشرے میں نہیں ہورہی، یہ تمام گناہ ہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی لعنت اور غضب کو دعوت دے رہے ہیں اور رحمت الٰہی سے محروم کررہے ہیں، دوسری طرف عبادات نماز، روزہ، تقویٰ وطہارت کی زندگی دینداری وغیرہ جو حق تعالیٰ کی رحمت کے نزول کا ذریعہ ہیں وہ تیزی کے ساتھ روز افزوں تنزل پر ہیں، ختم نبوت جو اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اس کے نہ ماننے والوں کو اقتدار سونپا جارہا ہے، ان اکابر امت کے صدقے اسلام کی یہ نعمت آج تک محفوظ رہی ہے ان کو برملا برا کہا جارہا ہے اور ان کہنے والوں کے ہاتھوں میں ہی اقتدار آرہا ہے، ان تمام خرابیوں کا ہی لازمی نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت روز بروز دور ہوتی جارہی ہے، لعنتیں برس رہی ہیں، قلوب سے سکون و اطمینان مفقود ہورہا ہے، دماغوں میں صحیح شعور و ادراک کا مادہ ختم ہورہا ہے۔

یہاں تک میں تقریباً آخر شعبان میں لکھ چکا تھا دوبارہ رمضان المبارک کے بعد حرمین شریفین سے واپسی پر چند حروف سپرد قلم کررہا ہوں۔

بھارت کا مشرقی پاکستان پر حملہ

آخر وہ شدید خطرہ جو لاحق تھا اس کا ظہور ہوگیا اور دشمن اسلام و دشمن پاکستان طاقت (بھارت) نے ازلی دشمنان اسلام طاقتوں کے ایماء پر مشرقی پاکستان پر دوبارہ باقاعدہ حملہ کردیا، بلاشبہ ہمارے اعمال تو اسی لائق ہیں کہ ان کی سزا دی جائے کیونکہ جو نعمت پاکستان کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دی تھی ہم نے اس کا شکر نہیں ادا کیا نہ

---

(١) ''عن ابی علقمة وعبدالرحمن بن عبدالله الغافقی انهما سمعا ابن عمر یقول قال رسول الله ﷺ: لعن الله الخمر وشاربها وساقیها وبائعها ومبتاعها وعاصرها ومعتصرها وحاملها والمحمولة الیه''۔

سنن ابی داؤد، کتاب الاشربة، باب العصیر للخمر ج: ٢ ص: ٥١٧، ط: حقانیه.

سنن ابن ماجه، کتاب الاشربة، باب لعنة الخمر علی عشرة اوجه ص: ٢٤٢، ط: قدیمی

(٢) ''عن ابن عباس قال: نهی رسول الله ﷺ ان یشتری التمر حتی یطعم وقال: اذا ظهر الزنا والربا فی قریة حلوا بانفسهم عذاب الله''۔ شعب الایمان للبیهقی ج: ٤ ص: ٣٩٧، ط: دار الکتب العلمیة بیروت.

مجمع الزوائد، باب ماجاء فی الربا ج: ٤ ص: ٢١٣، ط: دار الفکر بیروت

صرف یہ بلکہ ۶۵ء کی عظیم الشان نعمت خداوندی اور نصرت غیبی کے شکر کا جو تقاضا تھا اس سے بھی ہم نے مجرمانہ غفلت اختیار کی، خطرہ تو ہے کہ کہیں یہ اسی جرم کی سزا نہ ہو لیکن حق تعالیٰ کی رحمت بے غایت اور بے انتہا ہے اگر وہ ہمارے گناہوں پر ہمارا مؤاخذہ فرماتا تو ہم مدتوں پہلے ختم ہو گئے ہوتے اور ہم میں سے کوئی متنفس بھی زندہ نہ ہوتا لیکن اس کی بے پایاں رحمت ہے کہ ہم اب تک زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مالا مال ہیں، امید ہے کہ یہی رحمت الٰہی اب بھی پاکستانی مسلمانوں کی دستگیری فرمائے گی اور جس طرح ۶۵ء میں غیبی نصرت کے خوارق و معجزات پیش آئے تھے اسی طرح اب بھی پیش آئیں گے۔ دعا ہے کہ رب کریم اپنے لازوال کرم سے دوبارہ ہمیں معاف فرمادے۔

بلاشبہ حالات انتہائی خوف ورجاء اور امید وبیم کی صورت اختیار کر رہے ہیں ہماری حالت تو اگرچہ پاداش وسزا کی متقاضی ہے لیکن حدیث قدسی میں ارشاد ہے: ''میری رحمت میرے غضب سے پہلے اور غالب ہے''(۱)۔ اس لئے امید ہے کہ پروردگار عالم اپنے فضل وکرم سے امید اور رجاء کا پہلو خوف وبیم پر غالب رکھیں گے اور اس میں تو شک ہی نہیں کہ توبہ کا دروازہ ابھی بند نہیں ہوا ہے، اب ضرورت ہے کہ ہم اپنے گناہوں سے بصدق دل توبہ کریں اور اپنی تقصیرات وناشکری کی معافی مانگیں اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو سنت ہے یعنی ایسے نازک مواقع پر نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا اس کو صدق دل سے اختیار کریں، صبح کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع کے بعد اسلام، عساکر اسلام اور مسلمانوں کی نصرت کی دعائیں مانگی جائیں، امام بآواز بلند دعائیہ کلمات کہے اور مقتدی پوری توجہ اور خشوع وخضوع کے ساتھ آمین کہتے رہیں، کراچی کے بعض مخلصین نے عوام کی رہنمائی کے لئے قنوت نازلہ اور اس کے پڑھنے کے طریقے کتابچہ کی شکل میں طبع کرا کے شائع کر دیئے ہیں اور نماز ہی کی کیا تخصیص ہے اپنی تمام دعاؤں میں اسلام اور مسلمانان عالم کی فتح ونصرت خصوصاً پاکستانی مسلمانوں کی کامیابی اور دشمنان اسلام کی تباہی کی دعائیں کرنی چاہئیں۔

پاکستان میں اسلامی شعائر کا احترام اور اس کی وجہ

اگر قریب سے تمام عالم اسلام کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ الحمد للہ پاکستان میں اب بھی اسلامی شعائر کی تعظیم واحترام بقیہ ملکوں سے بہت زیادہ موجود ہے۔ پاکستانی عوام کے ذریعہ آج بہت کچھ دینی چہل پہل برقرار ہے، پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد یہ تمام مسجدیں، دینی ادارے، مدرسے، مکتب اور ان میں حکومت کے اثر سے آزاد دینی خدمات جس قدر انجام پا رہی ہیں یہ سب پاکستان کے عام ارباب خیر کی دینی

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب بدأ الخلق، باب ماجاء في قول الله: وهو الذي يبدأ الخلق ثم يعيده وهو اهون عليه ج:۱ ص:۴۵۳، ط: قديمي.

صحيح مسلم، كتاب التوبة، باب سعة رحمة الله تعالىٰ وانها تغلب غضبه ج:۲ ص:۳۵۶، ط: قديمي

حمیت اور کوششوں کا نتیجہ ہے، روئے زمین کے کسی ملک کے مسلمان بھی اس معاملہ میں پاکستانی ارباب خیر کی ہم سری نہیں کرسکتے۔

برطانوی اقتدار کے دور میں ہمارے اکابر واسلاف نے جب یہ محسوس کیا کہ حکومت اور طاقت اب غیر اسلامی ہاتھوں میں جا رہی ہے اور آئندہ حکومتوں سے کسی خیر اور دینی حمیت کی توقع نظر نہیں آتی اب تو عام مسلمانوں کی مذہبی اور اخلاقی رہنمائی کی غرض سے دینی خدمات جو بھی ہوں آزاد دینی معاہد و مدارس اور دار الافتاء یا مساجد و خانقاہوں کے ذریعہ انجام دینی ہوں گی اور خود مسلمانوں خصوصاً عوام کو ان کی کفالت کرنی ہوگی اس عاقبت اندیشی کا نتیجہ ہے کہ دینی شعائر کا قیام حکمرانوں کے ہاتھوں سے منتقل ہو کر عام مسلمانوں کے ہاتھ میں آگیا اور تمام دینی نظام کا دارومدار آزاد ارباب خیر اور آزاد ارباب علم و فضل کی مساعی و توجہات پر ہوگیا۔ چنانچہ حکمران کافر تھے جب بھی دین اس ملک میں اسی طرح باقی رہا اور خدا کے فضل سے یہی نظام مستقل طور پر قائم ہوگیا لیکن دوسرے اسلامی ممالک میں حالات اس سے مختلف رہے۔ آج تک مساجد کی تعمیر، جامعات و معاہد کی تاسیس اور تمام دینی نظام کی کفالت حکومت کے ذمہ ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان ملکوں میں جہاں اسلامی حکومت کا دینی مزاج بگڑ گیا تمام دینی نظام بھی اس سے متاثر ہوئے، کم و بیش یہی تمام اسلامی ممالک کا حال ہے۔ الحمد للہ کہ تمام پاکستان میں جو کچھ دینی رونق ہے وہ پاکستانی مسلمانوں کی جد و جہد کی مرہون منت ہے اور اس کا افسوس ہے کہ حکومت اسلامی کہلانے کے باوجود اس میں کوئی حصہ نہیں لیتی اور شاید حق تعالیٰ کے تکوینی نظام کی مصلحت و حکمت یہی ہو۔

برطانوی اقتدار اور حکومت سے جہاں روح فرسا اذیتیں مسلمانوں کو متحدہ ہندوستان میں پہنچیں وہاں ایک عظیم فائدہ بھی مسلمانوں کو پہنچا کہ انہوں نے دینی خدمتوں کی خود کفالت کرنا اور ان کو حکومت کے اثر سے آزاد رکھنا سیکھ لیا۔ بلاشبہ آج بھی پاکستان تمام عالم اسلام کی دینی قیادت کی اہلیت رکھتا ہے اور دینی اقدار تمام عالم سے زیادہ اس خطۂ پاک میں نمایاں ہیں، تمام عالم اسلام خصوصاً عربی ممالک میں حکومت کے اثر سے یورپ کی نقالی کی جو وبا پھیل گئی ہے الحمد للہ پاکستان بدرجہا ان سے بہتر حالت میں ہے۔ خدانخواستہ پاکستانی مسلمان بھی اگر اپنی خصوصیات کھو بیٹھیں تو بس اللہ تعالیٰ ہی اسلام کی حفاظت فرمائے گا، ضرورت ہے کہ اس عام دینی روح اور اس عمومی دینی مزاج کو بہرصورت و بہر حالت باقی رکھا جائے، اسی وسیلہ سے اہالی پاکستان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی کچھ امید ہو سکتی ہے۔

ربنا لا تؤاخذنا ان نسينا او اخطانا ربنا ولا تحمل علينا اصرا كما حملته
على الذين من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به واعف عنا واغفرلنا
وارحمنا انت مولانا فانصرنا على القوم الكافرين (آمين)

[شوال ۱۳۹۱ھ۔ دسمبر ۱۹۷۱ء]

آئینی بحران اور اس کا دانشمندانہ حل

الحمد للہ کہ آئین کے مسئلہ پر جو بحران ایک عرصہ سے چلا آرہا تھا اور جس نے بڑھتے بڑھتے سنگین صورت حال اختیار کر لی تھی بالآخر حسن تدبر سے اس پر قابو پالیا گیا، پاکستان کے افق پر جو سیاہ گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں وہ چھٹ گئیں، قوم جس خطرناک موڑ پر آکھڑی ہوئی تھی وہ خطرہ ٹل گیا اور حزب اقتدار و حزب اختلاف نے متفقہ طور پر آئین منظور کر لیا، گویا مایوس کن حالات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال ہوئی ناامیدی کے دھندلکے سے امید کی کرن پھوٹ نکلی اور ماحول میں خوشگوار فضا پیدا ہوگئی، فالحمد للہ حمدا کثیرا۔

یہ بحران دوسرے بہت سے مسائل کی طرح حزب اقتدار اور حزب اختلاف کی رسہ کشی کی پیداوار تھا حزب اقتدار کو اپنی اکثریت پر ناز اور اپنی طاقت پر اعتماد تھا وہ دستوری مسائل میں اپنی رائے پر بضد اور اپنے مجوزہ دستور کو بہر صورت منوانے پر مصر تھی، ادھر حزب اختلاف کی طرف سے دستور کے خلاف عوامی تحریک چلانے کا اعلان کیا جارہا تھا، ان کا خیال تھا کہ مجوزہ دستور چونکہ عوام کی نمائندگی نہیں کرتا اس لئے عوام کی طاقت ان کے ساتھ ہوگی، خدانخواستہ شقاق ونفاق اور فساد باہمی کی یہ کیفیت باقی رہتی تو حالات کا جو بھیانک اور مکروہ نقشہ مرتب ہوتا اس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ فریقین کو بروقت صحیح سمجھ آگئی، جانبین نے موقع کی نزاکت کو اچھی طرح محسوس کر لیا، غلط فہمیاں دور ہوئیں اور بڑی حد تک خیرسگالی کی فضا پیدا ہوگئی، حزب اختلاف کی کچھ ترمیمات قبول کر لی گئیں اور بعض ترمیمات کے بارے میں انہوں نے تسامح سے کام لیا کہ چلئے جتنا کام ہوا ہوگیا بقیہ کی تکمیل پھر ہوتی رہے گی، ان مایوس کن حالات میں جو کچھ ہوا وہی صد غنیمت ہے، بہر حال ابلیس لعین کی امیدیں خاک میں مل گئیں اور قوم تصادم اور ٹکراؤ سے بال بال بچ گئی ورنہ خاکم بدہن خطرہ تھا کہ قوم کی کشتی آئین کے ساحل سے ٹکرا کر ایک بار پھر ٹوٹ جائے گی، اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ:

"رسیدہ بود بلائے و لے بخیر گذشت"

آئینی بحران اور اس کا دانشمندانہ حل ہمارے قومی رہنماؤں کے لئے ایک سبق آموز واقعہ کی حیثیت رکھتا ہے کہ تمام متنازع فیہ مسائل کو اسی نہج پر سلجھایا جاسکتا ہے، ضد، تعصب اور کبر و غرور سے مسائل جنم لیتے ہیں، کشاکشی پیدا ہوتی ہے اور انتشار پھیلتا ہے اور کشادہ ذہنی، رواداری اور تواضع سے افہام وتفہیم کا راستہ کھلتا ہے اور مسائل کے سلجھانے میں مدد ملتی ہے، ہمارے یہاں یہ بڑی بری رسم چل نکلی ہے کہ جو شخص اپنی رائے سے موافقت کرتا ہو اس کی ہر خطا صواب ہے اور ہر گناہ ثواب اور جو شخص اختلاف رائے کا مرتکب ہو، اس کے لئے بدسے بدتر لفظ کا لغت سے انتخاب کرنا ضروری ہے، جب ہر فریق اپنے تئیں عقل کل سمجھے، جب مخالف کی آواز کو ہر جائز و ناجائز طریقہ سے دبانے کی کوشش کی جائے اور جب متانت وسنجیدگی، عدل وانصاف اور باہمی عزت واحترام کے

بجائے شور و شغب، ظلم و تعدی اور دوسروں کی تجہیل و تحمیق کو کامیابی کا راستہ فرض کرلیا جائے تو معمولی سے معمولی مسئلہ بھی عقدہ لاینحل ہو کر رہ جاتا ہے اور اس کے برعکس جب ہر شخص تواضع اور فروتنی کا پیکر ہو، جب جہد للبقاء کے سفر میں ہر شخص کو دوسروں کی مدد کی ضرورت کا بھرپور احساس ہو اور جب آپس میں اتحاد و اعتماد اور ایثار و قربانی کی فضا قائم ہو تو دنیا کا کوئی مشکل سے مشکل مسئلہ ایسا نہیں جسے حل نہ کیا جا سکے۔

خطا و نسیان بشریت کا خاصہ ہے اور انبیاء علیہم السلام کے ماسوا کوئی شخص نہ معصوم محض ہے اور نہ مطاع مطلق، کوئی شخص کمزوریوں سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتا، اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ دوسروں کی خوبیوں کا اعتراف کرو اور اپنی کمزوریوں پر نظر ڈالو، اس سے باہمی رواداری اور حق شناسی کے جذبات ابھریں گے اور باہمی محبت و اعتماد کی فضا پیدا ہوگی برخلاف اس کے کبر و غرور سے نفرت و بیزاری پیدا ہوگی اور عداوت و بداعتمادی کا ماحول جنم لے گا۔

شیطان یہ سمجھتا ہے کہ اگر تم نے دوسرے کی بات مان لی تو تمہاری سبکی ہو جائے گی، ناک کٹ جائے گی اور دنیا تمہیں بنظر حقارت دیکھے گی، اس کے برعکس نبوت کی تعلیم یہ ہے کہ:

من تواضع لله رفعه الله ومن تكبر وضعه الله(۱)

جو اللہ کی خاطر جھک جائے اللہ تعالیٰ اسے اونچا کر دیتے ہیں اور جو تکبر کرے اللہ تعالیٰ اسے نیچا کر دیتے ہیں، کبر سے ایک تو معاملات الجھتے ہیں، دوسرے خود متکبر لوگوں کی نظر میں ذلیل ہو جاتا ہے اور فروتنی سے نہ صرف معاملات سلجھتے ہیں بلکہ ایسے شخص کو عزت و وقار اور قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

الغرض آئینی مصالحت سے جو خیر سگالی کی فضا پیدا ہوئی ہے اس کو مزید بڑھانے کی ضرورت ہے، باہمی تو تکار سے تلخی بڑھتی ہے، کشیدگی میں اضافہ ہوتا ہے، قلوب میں نفرت و بیزاری کے کانٹے چبھتے ہیں، فضا مکدر اور حقائق مشتبہ ہو جاتے ہیں، باہر کی دنیا میں ہوا اکھڑ جاتی ہے، وزن گھٹ جاتا ہے اور زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔

قوموں کا آئین اور دستور

دستور ساز اسمبلی کے آخری اجلاس میں صدر مملکت کی تقریر کا یہ جملہ قابل قدر ہے کہ ”آئین کوئی مقدس صحیفہ نہیں کہ اس میں مناسب ترمیم نہ کی جا سکے“۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ آئین میں بعض چیزیں اصلاح طلب ہوسکتی ہیں، اس ضمن میں ہماری گذارش یہ ہے کہ یہ اصلاح کا کام جتنی جلدی ہو جائے اچھا ہے، اس کو محض اس انتظار پر ملتوی نہیں رکھنا چاہیے کہ جب لوگوں کی طرف سے اس کا مطالبہ ہوگا اور اس کے لئے باقاعدہ تحریک چلے گی یا جب حکومت کو کسی قانون کے نفاذ میں دقت پیش آئے گی تو آئینی سقم کی اصلاح کرلی جائے گی، سب جانتے ہیں کہ دستور کسی قوم کا وہ بنیادی قانون ہے جو اس کے قومی وجود کے لئے خشت اوّل کی حیثیت رکھتا ہے، اگر اس میں ذرا بھی کجی

---

(۱) مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الغضب والكبر ج:۲ ص:٤٣٤، ط:قديمى

رہ جائے تو ''تا ثریا می رود دیوار کج'' والا قصہ ہوتا ہے، دستورِ ملت کے قومی سفر کا سنگ میل ہے جو اسے نشانِ منزل سے آگاہ کرتا ہے، سابقہ دساتیر کی غلطیوں نے قوم کو آج تک ''وادیٔ تیہ'' کا مسافر بنائے رکھا جو پچیس سال گھوی پھری، سفر کے تکان سے اس کے قویٰ مضمحل اور اعضاء شل ہو گئے مگر اسے منزل تک رسائی نصیب نہ ہوئی اگر اس متفقہ دستور میں خدانخواستہ کوئی نادانستہ غلطی بھی باقی رہی تو اندیشہ سے نجات مشکل ہے کہ قوم آج نہیں تو کل پھر اپنی منزل سے بھٹکنے لگے، آئین آئے دن نہیں بنا کرتے، نہ عقلاء وجہلاء کے جمِ غفیر کا کسی چیز پر متفق ہونا آسان ہے۔

سربراہ مملکت کی ذمہ داریاں

آئین کی متفقہ منظوری کے بعد صدر محترم کی شخصیت باہر کی دنیا میں بڑی قدآور ہو گئی ہے اور ان کا وزن کئی گنا بڑھ گیا ہے، اب ان کا تعارف صرف اکثریتی پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے نہیں ہوگا بلکہ پوری قوم کی نمائندگی کا تاج ان کے سر پر ہوگا اور وہ بیرونی حریفوں سے پورے عزم واعتماد کے ساتھ نمٹ سکیں گے، لیکن اگر ایک طرف ان کے وقار میں اضافہ ہوا ہے تو دوسری طرف پوری قوم کی عظیم مسئولیت بھی انہی پر آن پڑی ہے کل فردائے قیامت میں اللہ ذوالجلال کی عدالت میں جب ان کی پیشی ہوگی تو پوری قوم کا بارِ امانت ان کے کندھوں پر ہوگا اور انہیں پوری قوم کے اعمال اور کارناموں کے بارے میں جوابدہی کرنا ہوگی، اگر ملک میں صحیح آئین نافذ ہوا اس کی روشنی میں خدا تعالیٰ کا پسندیدہ قانون رائج ہوا اور عدالتوں میں اسلامی عدل کے مطابق فیصلے ہوئے تو ان سب کا اجر وثواب ان کے نامہ عمل کی زینت ہوگا اور اگر ان کے مرتب کردہ آئین میں ایک بھی غلطی ہوئی اور اس کے مطابق ایسے قوانین وضع کئے گئے جن پر رضائے خداوندی کی مہر ثبت نہیں تھی اور عدالتوں میں غیر اسلامی قانون کے مطابق فیصلے ہوئے تو اس کا بارِ گناہ بھی سربراہ مملکت کی گردن پر ہوگا، رعایا کے جو حقوق اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکومت پر عائد کئے گئے ہیں اگر ان کے ادا کرنے میں کسی امیر، وزیر یا ماتحت افسر نے کوتاہی کی تو اس کی باز پرس صرف اسی سے نہیں بلکہ صدر مملکت سے بھی ہوگی، ارشاد نبوی ہے:

الا كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته(۱)

کان کھول کر سن لو! تم میں سے ہر شخص (اپنے اپنے دائرے میں) نگہبان ہے اور ہر شخص اپنی رعیت کے بارے میں مسئول ہوگا۔ صدر مملکت کی اس اہم مگر نازک حیثیت کے پیش نظر ان کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ آئینی اصلاحات کو فردائے انتظار پر معلق نہ رکھیں بلکہ جہاں ممکن ہو جلد از جلد چوٹی کے ماہرینِ دساتیر اور ماہرینِ قانونِ اسلام سے مشورہ لے کر آئین کو ہر خامی سے ممکن حد تک پاک کرائیں اور پھر اس کے مطابق صحیح قوانین وضع

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب قول اللہ واطیعوا اللہ واطیعواالرسول واولی الامر منکم ج: ۲ ص: ۱۰۵۷، ط: قدیمی۔

کرائیں تاکہ یہ امت رب العالمین کی رحمت اور جود و کرم کے نفحات طاہرہ سے بیش از بیش متمتع ہو، ایسا نہ ہو آئین کچھ کہے اور قانون اسلام کچھ اور ایسا نہ ہو کہ ہمارے دین اور ہمارے آئین کے مابین ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے ''اسلام در کتاب و مسلمانان در گور'' کا مضمون صادق آئے اور قرآن کریم ایسی پاکیزہ کتاب کے ہوتے ہوئے اور اس پر دعوائے ایمان کے باوجود ہمارے اعمال ایسے ہوں کہ:

''جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود''

تمام رائج الوقت قوانین جو آئین اسلام کے خلاف ہیں بیک جنبش قلم انہیں موقوف کر دیا جانا چاہیے اور جدید قوانین اسلامی اصولوں کے مطابق نافذ اور رائج کئے جانے چاہئیں، یہی ایک صورت ہے جس کے ذریعہ ہم رحمت الٰہی کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ قہر خداوندی سے بچ سکتے ہیں اور ایک اور مہلت جو ہمیں عطا کی گئی ہے اس سے دانشمندی کے ساتھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

آئین میں اصلاح طلب چند امور

اسلامی نقطۂ نظر سے آئین میں کن اصلاحات کی ضرورت ہے؟ اس کے بارے میں تو اپنی ناقص رائے کا اظہار ہم اسی وقت کریں گے جب پورا آئین ہمارے سامنے آئے گا البتہ اخبارات کے ذریعہ جتنا کچھ سامنے آ سکا ہے اس کے پیش نظر اپنی کم مائیگی اور بے بضاعتی کا پورا پورا اعتراف کرتے ہوئے یہاں چند امور کی طرف توجہ دلانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

اسلامی آئین کسے کہتے ہیں؟

آئین کے واضعین کی جانب سے بڑی شدت و اصرار کے ساتھ یہ فرمایا گیا ہے کہ آئین اسلامی جمہوری اور وفاقی ہے، یہ امر کسی تشریح کا محتاج نہیں کہ وہی آئین اسلامی آئین کہلانے کا مستحق ہوگا جس میں اعلان کیا گیا ہو کہ:

① حکومت کا کوئی اقدام اسلام کے خلاف نہیں ہوگا۔

② مملکت کے تمام مسلم شہریوں پر اسلامی فرائض کی پابندی قانوناً لازمی ہوگی۔

③ ہر شہری اسلام کے عدل عمرانی سے مستفید ہوگا اور اسلامی معاشیات کا نفاذ ہوگا۔

④ ممنوعات شرعیہ پر اسلامی تعزیرات جاری ہوں گی۔

⑤ ملک کی تمام عدالتیں صرف اسلامی قانون کی پابند ہوں گی اور اس آئین کے نفاذ کے دن سے تمام رائج الوقت غیر اسلامی قوانین منسوخ تصور کئے جائیں گے۔

⑥ خدا اور رسول کے صریح احکام بغیر کسی مسخ و تحریف کے نافذ کئے جائیں گے اور ان پر کسی اتھارٹی کو

رائے زنی کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

⑦ مجلس قانون ساز کا کوئی فیصلہ اگر اسلامی اصول کے منافی ہو تو عدالت عالیہ میں اسے چیلنج کرنے کا ہر مسلمان کو حق ہوگا۔

⑧ اسلامی شعائر کا تحفظ کیا جائے گا اور ان کی بے حرمتی مستوجب سزا ہوگی۔

⑨ منافی اسلام سرگرمیاں ممنوع ہوں گی۔

⑩ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کسی کو اجازت نہیں ہوگی اور

⑪ ارتداد کو اسلام کے خلاف بغاوت تصور کیا جائے گا اور اس کی وہی سزا ہوگی جو بغاوت کی ہوسکتی ہے۔

پاکستان کے جدید اور قدیم دساتیر کا فرق

اس میں شک نہیں کہ اسلامی نقطۂ نظر سے نیا دستور سابقہ دساتیر سے فی الجملہ بہتر ہے، اس کا دیباچہ اسلام کے حق میں خاصا پر جوش ہے، دیباچہ دستور میں اللہ کی حاکمیت کا اعلان بھی خوب ہے (اگر چہ وزیر قانون کی وضاحت کے مطابق اسے کسی قسم کا آئینی تحفظ حاصل نہیں، نہ اس کی کوئی آئینی حیثیت ہے) دستور میں یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے (اگر چہ بڑی ردوکد اور گریز پائی کے بعد ہی سہی) کہ ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا، صدارتی عہدہ کے لئے اسلام کی شرط بھی رکھی گئی ہے، حزب اختلاف کی درخواست پر سوشلزم کا لفظ حذف کر دیا گیا ہے اور یہ ضمانت بھی دی گئی ہے کہ کوئی قانون کتاب و سنت کے منافی نہیں بنایا جائے گا (اگر چہ اس کو برسوں پر معلق کر دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ مشاورتی کونسل کی ''ایوبی بدمست'' کا لاحقہ بھی چسپاں کر دیا گیا ہے) ہم ان تمام امور کے لئے واضعین دستور کے شکر گذار ہیں مگر یہ ساری چیزیں تو کم و بیش سابقہ دساتیر میں بھی موجود تھیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا نئے آئین میں یہ بات کہی گئی ہے کہ ہر معاملہ میں اسلام کو بالادستی حاصل ہوگی؟ یا کسی اسلامی عقیدے، اسلامی شعائر یا اسلام کے کسی اصول اور قانون کو آئینی تحفظ دیا گیا ہے؟ کیا اسلامی عدالت پر اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کی پابندی عائد کی گئی ہے؟ کیا اسلامی تعزیرات کے نفاذ کا اعلان کیا گیا ہے؟ کیا مسلمانوں پر اسلامی فرائض کی پابندی کو لازم کیا گیا ہے؟ کیا انسداد ارتداد کے لئے کچھ کیا گیا ہے؟ کیا اسلام کش سرگرمیوں پر قدغن لگائی گئی ہے؟ کیا یہ اعلان کیا گیا ہے کہ اسلامی مملکت خدا اور رسول کے احکام کو جوں کا توں نافذ کرنے کی پابند ہے؟ کیا یہ ضمانت دی گئی ہے کہ اگر پارلیمنٹ یا کوئی ماتحت ادارہ اسلام کے خلاف کوئی فیصلہ کرے تو اسے چیلنج کیا جاسکتا ہے؟

اگر ان تمام سوالات کا جواب نفی میں ہے تو خود اپنے ضمیر سے دریافت فرمایئے کہ یہ دستور کہاں تک اسلامی دستور کہلانے کا مستحق ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس کی کیا قیمت ہوگی؟ اگر اسلام کے کسی اصول کو آئینی تحفظ حاصل نہیں اور صرف وعظ کے درجہ میں عوام کی نمائش کے لئے اسلام کا نام لیا گیا ہے تو کیا یہ ایسی چیز ہے جس

پر مسرت و شادمانی کے شادیانے بجائے جائیں؟ کیا اسے اسلام سے وفاداری کہا جائے گا؟ اور کیا ہمارا یہ طرز عمل حق تعالیٰ کی رضا و رحمت کا موجب ہوگا؟

رحمت الٰہی اور رضاء خداوندی حاصل کرنے کا طریقہ

بالکل ظاہر ہے کہ جب تک نفاق کو ترک کر کے اسلامی قانون کو اپنانے کا عہد نہیں کیا جائے گا جب تک زندگی اسلامی ڈھانچے میں نہیں ڈھالی جائے گی اور جب تک قول اور فعل کا تضاد ختم نہیں کیا جائے گا جو آج تک ہماری زندگی کا مستقل وطیرہ رہا ہے تب تک حق تعالیٰ کی رحمت کی کیا امید ہو سکتی ہے؟ قول و فعل اور عقیدہ و عمل کا تضاد حق تعالیٰ کے نزدیک نہایت مکروہ اور ناپسندیدہ چیز ہے، ارشاد خداوندی ہے:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ [الصف:۲،۱]

اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو، خدا کے نزدیک یہ بات بہت ناراضگی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

پاکستان کی ابتدائی نشاۃ سے آج تک قوم کو طفل تسلیوں سے بہلایا گیا کہ یہاں اسلامی قوانین مرتب اور نافذ ہوں گے، کبھی نمائش کے لئے تعلیمات اسلام کا بورڈ قائم کیا گیا، کبھی مشاورتی کونسل تشکیل کی گئی، کبھی تحقیقاتی ادارے بنائے گئے، مگر اسلامی قانون کا خواب آج تک شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا، ان بورڈوں کے سامنے شعائر اللہ کی تخفیف ہوئی، ان مشاورتی کونسلوں کے علی الرغم محرمات کو فروغ دیا گیا اور ان تحقیقاتی اداروں کے جلو میں کفر و الحاد کو رائج کیا گیا، اسلامی عقائد کو پامال کیا گیا اور اسلامی شعائر کو مسخ کیا گیا آخر اس نفاق اور بدعملی کا نتیجہ کیا نکلا؟ نہ صرف یہ کہ آمروں کا یہ ٹولہ اپنے ساختہ پرداختہ دستور سمیت ﴿فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ(۱)﴾ کی یاد تازہ کر گیا بلکہ اپنے نفاق و بدعملی کی بدولت قوم کو بھی آتش فشاں کے دہانے پر کھڑا کر گیا، نصف ملک ٹوٹ چکا ہے اور باقی کا خدا حافظ، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ عوام کو چند دن غلط فہمی میں مبتلا رکھا جا سکتا ہے، خوش آئند وعدوں اور خواب آور تھپکیوں کے سہارے انہیں کچھ عرصہ کے لئے سلا دیا جا سکتا ہے لیکن بالآخر اس تزویر و فریب کی قلعی کھل جاتی ہے اور حق تعالیٰ کو تو ایک لمحہ کے لئے بھی دھوکا نہیں دیا جا سکتا:

''باخدا تزویر و حیلہ کے رواست''

البتہ وہ ظالموں اور سرکشوں کو ڈھیل دیتا ہے، غافلوں اور مجرموں کو مہلت دیتا ہے، اور نافرمانوں اور بدکاروں سے درگذر کرتا رہتا ہے، اس کے اسی حلم و عفو سے کچھ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، جو شقاوت و بدبختی

---

(۱) یہ ارشاد قارون کے بارے میں فرمایا کہ: پس ہم نے اس کو اس کے گھر سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ [القصص:۸۱]

کی علامت ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَ فَاَمِنُوْا مَکْرَ اللهِ فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ [الاعراف:۹۹]

ہاں! تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ناگہانی پکڑ سے نڈر ہو گئے تو (خوب سمجھ رکھو) کہ اللہ تعالیٰ کی ناگہانی گرفت سے کوئی نڈر نہیں ہوتا ماسوا ان کے جن کی شامت ہی آ گئی ہو۔

اور آنحضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"ان الله ليملی الظالم حتی اذا اخذه لم يفلته ، ثم قرأ: ﴿وكذلك اخذ ربك اذا اخذ القرى وهي ظالمة ان اخذه اليم شديد﴾". (۱)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت ضرور دیتے ہیں تا آنکہ جب اسے پکڑتے ہیں تو پھر اسے چھوڑتے نہیں، یہ فرماتے ہوئے آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور آپ کے رب کی دارو گیر ایسی ہی (سخت ہوتی ہے) جب وہ کسی بستی والوں پر دارو گیری کرتا ہے جبکہ وہ ظلم کیا کرتے ہوں بلاشبہ اس کی پکڑ بڑی دردناک اور سخت ہے۔

کس کو کب تک ڈھیل دی جائے؟ اور اسے کب اور کس طرح پکڑا جائے؟ یہ حق تعالیٰ کے تکوینی مصالح ہیں جن کو وہی جانتا ہے۔

نعوذ بالله من غضب الله وغضب رسوله

موجودہ نام نہاد اسلامی آئین کی خامیاں

الغرض ہمیں اپنی تاریخ سے عبرت لینی چاہیے، اگر نئے دستور کے سائے میں سوشلزم کا (جسے اسلامی سوشلزم سے ملمع کیا جاتا ہے) پرچار کیا جاتا ہے، اگر انگریزی دور کے مسخ شدہ کالے قوانین کی عملداری قائم رہتی ہے، اگر ایوبی آمریت کی مکروہ یادگار عائلی قانون بدستور نافذ رہتا ہے، اگر اسلامی تعزیرات کو نافذ نہیں کیا جاتا، اگر پارلیمنٹ کے فیصلوں کو اسلامی احکام کے مقابلہ میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا تو کیا یہ دستور اسلامی ہوگا؟ وہ وفاقی جمہوری ہو تو ہو لیکن اسلامی نہیں ہوسکتا جس دستور کے تحت ہر قسم کے فواحش و منکرات اور کفر والحاد کی آزادی ہو، تلاعب بالدین کی کھلی چھوٹ ہو، اسلام سے انحراف وارتداد کی اجازت ہو، شعائر اللہ کو مسخ کیا جاسکتا ہو، قطعیات دین میں تاویلیں کرنے کی گنجائش ہو، حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت کوئی جرم نہ ہو، اکابر امت پر سب وشتم کی ممانعت نہ ہو، جدید نبوت پر ایمان لانے والوں کی عزت افزائی کی جائے اسے اسلامی دستور کا نام دے کر اللہ تعالیٰ کو خوش کیا جاسکتا ہے؟ جو دستور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ پاکیزہ دین اس کے عقائد اور اس کے احکام کے تحفظ کی ضمانت نہیں دیتا کیا یہ توقع رکھی جائے کہ اللہ تعالیٰ اس دستور کی اور اس ملک کی جس میں یہ دستور نافذ ہے

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب التفسیر سورة یونس، باب قوله: وكذالك اخذ ربك ج: ۲ ص: ۶۷۸، ط: قديمي

حفاظت فرمائیں گے؟

صحیح اسلامی آئین

ان معروضات کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ آئین میں جو اسلامی دفعات رکھی گئی ہیں وہ خوب ہیں قابل ستائش ہیں، اس کے باوجود اسلامی نقطۂ نظر سے آئین تشنۂ تکمیل اور محتاج اصلاح ہے۔ اگر معاملہ صرف بندوں تک محدود ہوتا تو معاملہ چنداں دشوار نہیں تھا انہیں پروپیگنڈے کی طاقت، ملمع کاری کی ساحری اور پارلیمانی اکثریت کی دلیل سے مطمئن کیا جاسکتا تھا، مگر اسلام کا معاملہ اس سے مختلف ہے وہ اللہ رب العالمین کا نازل کردہ دین ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں نام ونمود اور ریاء ونمائش کی کوئی قیمت نہیں، نہ اسے پروپیگنڈے سے فریب دیا جاسکتا ہے، نہ اس کے سامنے یہ دلیل چل سکتی ہے کہ ہم قوم کے نمائندے تھے، ہماری اکثریت تھی اور قوم نے پہلی بار بالغ رائے دہی کے اصول سے ہمیں ایوان میں بھیجا تھا اور ہمیں اپنی مرضی کا آئین تیار کرنے کا اختیار دیا تھا، ہم نے قوم کو ایسا آئین دیا جو ان کی امنگوں کی عکاسی کرتا تھا، اس دلیل سے قوم کے ذہن کو اپیل کی جاسکتی ہے مگر اس سے اللہ تعالیٰ کو خوش نہیں کیا جاسکتا نہ اس کی رضا ورحمت کا فیصلہ ہمارے حق میں ہوسکتا ہے۔ اس لئے اگر آئین کو اسلامی بنانا ہے تو اس میں ایسی اصلاحات ازبس ضروری ہیں جن سے خدا کے بندوں پر خدا کی حکمرانی عملاً نافذ ہو، ہم یہ سوچ کر مطمئن ہیں کہ یہ آئین عوام کے نمائندوں کا تیار کردہ ہے اس لئے کوئی شخص اس کو اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتا، مگر ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ سابقہ دستور بھی قہر خداوندی کا نشانہ بنے جو غلام محمد، اسکندر مرزا، ایوب خان اور یحییٰ خان کی شکل میں نمودار ہوا اور جب قہر الٰہی نازل ہوتا ہے تو وہ نہ عوام کو پوچھتا ہے نہ عوام کے نمائندوں کو وہ نہ ملک کی پرواہ کرتا ہے نہ اس کے مقدس آئین کی، ہمیں دستور کی پائیداری کے سلسلہ میں صرف عوامی طاقت پر تکیہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ قہر خداوندی سے حفاظت کی بھی کچھ فکر کرنی چاہیے۔

اسلامی آئین کے نفاذ کا تقاضہ

اسلامی آئین کے نفاذ کے بعد سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ اخلاص اور دیانت داری کے ساتھ اس کے تقاضوں کو پورا کیا جائے اور خدا خوفی کے ساتھ اس پر عملدرآمد شروع کیا جائے اور اس کے لئے عوام وخواص کی اسلامی اصولوں کے مطابق اخلاقی تربیت کی جائے، میں پہلے بھی بارہا کہہ چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ تم لاکھ آئین بناؤ یا قوانین وضع کرو جب تک مسلمانوں کو عملی طور پر حقیقی مسلمان بنانے کی کوشش نہ کرو سب کچھ بے سود ہے، آج لوگوں نے حکومت، سلطنت جمہوریت، دستور اور پارلیمان جیسی چیزوں کو نسخہ کیمیا سمجھ رکھا ہے حالانکہ ان میں سے ایک چیز بھی ایسی نہیں جو مسلمانوں کو راحت وسکون، امن وامان اور عیش ونشاط کی دولت عطا کرسکے جس سے ملت کی رگوں میں تازہ خون پیدا ہو، ان کے اخلاق میں بلندی، ان کے نفس میں شائستگی، ان کے اقوال میں

متانت اور ان کے افعال میں رزانت کے اوصاف ابھریں، اور جو پوری قوم کو ﴿اشداء علی الکفار رحماء بینهم﴾ کافروں پر سخت اور آپس میں رحم کا مظہر بنادے، یہ نسخہ کیمیا نہ ملک ہے، نہ حکومت. نہ کونسل، نہ ممبری، نہ دستور، نہ امارت، نہ وزارت بلکہ وہ صرف اسلام کی دعوت وتبلیغ اور افرادامت کا تزکیہ ہے۔

فریضۂ دعوت وتبلیغ اور مسلمان

افسوس ہے کہ قرون مشهود لها بالخیر کے بعدامت دعوت وتبلیغ میں بہت مقصر رہی ہے اور اب تو اس بنیادی چیز کو چھوڑ کر دوسری چیزوں ہی کو مقصود بنالیا، بلا شبہ سلاطین اسلام نے سیف وسنان اور جہاد وقتال کے بہت سے کارنامے انجام دیئے اور اس کے نتیجہ میں بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے لیکن اسلام کے بتائے ہوئے اہم اصول اخلاقی دعوت وتبلیغ کے راستے سے اسلام کو پھیلانے کی کوششیں بہت کم ہوئیں ورنہ دنیا کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا، اسلام کا وہ نور جو دعوت وتبلیغ کے راستہ سے دلوں میں اترتا ہے وہ بڑا قوی پائیدار اور بابرکت ہوتا ہے۔

غزوۂ خیبر کے موقعہ پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کو اسلامی پرچم عطافرماتے ہوئے جو ہدایت فرمائی اسے صحیح بخاری شریف کے الفاظ میں سنئے:

> "انفذ علی رسلك حتی تنزل بساحتهم ثم ادعهم الی الا سلام واخبرهم بما يجب عليهم من حق الله فيه فوالله لان يهدی بك الله رجلا واحدا خير لك من حمر النعم".(۱)

اطمینان سے جاؤ یہاں تک کہ ان کے قریب جاکر فروکش ہوجاؤ، پھر انہیں اسلام کی طرف بلاؤ اور اللہ کی جانب سے اسلام لانے کا جو حق ان پر عائد ہوتا ہے اس سے انہیں آگاہ کرو، پس خدا کی قسم! اگر تیری وجہ سے ایک آدمی کے لئے بھی اللہ تعالیٰ ہدایت کا فیصلہ فرمادیں یہ تیرے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

اسلام تو دراصل نام ہے اس دین کا جس کی بنیاد ہی دعوت وتبلیغ پر قائم ہے جس کا سب سے بڑا سرمایہ شفقت ورحمت اور محبت ومودت ہے اور جس کا پیغام امن وسلامتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چودہ سال صرف دعوت وتبلیغ، اصلاح وتزکیہ اور قلوب میں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کو پختہ کرنے کے لئے مختص تھے، جب دعوت وتبلیغ کا کام اپنی آخری حد کو پہنچ گیا اسلام کی صداقت اور اس کی اخلاقی قوت ہر خاص وعام کے سامنے روز روشن کی طرح کھل کر واضح ہوگئی اور باطل پھر بھی اپنی ضد سے باز نہ آیا اور جب ہر طرح کی ہمدردانہ کوششیں ناکام ہوگئیں اور مسلمانوں کو اہل عناد کی دسیسہ کاریوں سے انتہائی مجبور کن حالات کا سامنا کرنا پڑا تو جہاد بالسیف کی اجازت دی گئی اور حکم ہوا کہ اب باطل کا کانٹا صاف

---

(۱) صحيح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوة خيبرج:۲ص:٦٠٦، ط:قديمی.

کردیا جائے اور فتنہ پردازوں کے وجود سے خدا کی زمین کو پاک کردیا جائے، چنانچہ اعلان کردیا گیا:

﴿أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللهَ عَلٰى نَصْرِ هِمْ لَقَدِيْرٌ﴾ [الحج:۳۹]

اب لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے کافروں کی طرف سے لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر بہت ظلم کیا گیا اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کو غالب کردینے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ جب تک اصلاح نفوس اور تزکیہ قلوب کی قرآنی دعوت کے اصول پر جم کر کام نہ کیا جائے تب تک اصلاح کی توقع بے سود ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وہ مقولہ جو عام طور پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے آج بھی اپنی جگہ عین حقیقت ہے فرمایا:

"لن يصلح آخر هذه الامة الا بما صلح به اولها".(۱)

آخری دور میں بھی اس امت کی اصلاح صرف اسی نہج پر ہو سکے گی جس نہج پر پہلے دور میں اس کی اصلاح ہوئی۔

قرآنی اصول کے مطابق اسلامی دعوت کو جب تک عام نہیں کیا جاتا جب تک اس کام کو کام سمجھ کر یہ امت اس دعوت کے لئے نہیں اٹھ کھڑی ہوتی اور جب تک اس دعوت کی آواز گھر گھر نہیں پہنچتی تب تک اصلاح ممکن نظر نہیں آتی، امت کی حیات نو اور نشاۃ ثانیہ کا بس یہی ایک طریقہ ہے اس کے علاوہ جتنے طریقے اپنائے جائیں گے ان سے اگر کسی قدر فائدہ ہوگا بھی تو محض عارضی، وقتی، ناپائیدار اور غیر مستقل ہوگا۔

مغربی سیاست اور اس کے مضر اثرات

مغربی سیاست نے جن بدعات کو جنم دیا ہے ان سے عداوت ونفرت، کینہ وبغض اور تفریق وانتشار کے کانٹے تو مل سکتے ہیں مگر الفت ومحبت، سلامتی وامن واتحاد واعتماد کے پھول دستیاب نہیں ہو سکتے، دور جدید کا سب سے بڑا بت عوامی طاقت ہے جس کی پرستش کے لئے انتخابات، اسمبلی اور جمہوریت کے بلند وبالا صنم کدے تعمیر کئے جاتے ہیں، پجاریوں کی مختلف پارٹیاں اس معبود کی رضاجوئی کے لئے مختلف منتیں مانتی ہیں، جبین نیاز خم کرتی ہیں اور ہر ممکن طریقے سے اسے خوش کرنا چاہتی ہیں، ان میں باہمی رقابت چلتی ہے، مسابقت کی دوڑ ہوتی ہے، ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے، ایک ایک کا نسب نامہ تلاش کیا جاتا ہے، ہر کردہ وناکردہ گناہ ایک ایک کے نامہ عمل میں ڈالا جاتا ہے، گفتنی وناگفتنی کا بازار گرم ہوجاتا ہے، منشور چھپتے ہیں، اشتہارات نکلتے ہیں، جلسہ وجلوس، شور وغوغا، طعن وتشنیع یہ ہیں وہ وظائف جو رضائے معبود کے لئے پڑھے جاتے ہیں، مقصد صرف یہ کہ رضائے معبود کی

---

(۱) الرياض النضرة فى مناقب العشرة، الباب الثانى فى مناقب امير المومنين ابى حفص عمر بن الخطاب، ذكر وصف على له بماياتاهل معه للخلافة ج:۲ ص:۴۰۲، ط: دار الكتب العلميه بيروت

سند۔ ووٹ۔ کسی طرح ہمیں حاصل ہو جائے تا کہ ہم عالم بالا، حکومت و کونسل میں پہنچ کر من مانی کریں۔

دنیا کی گمراہ قومیں جن میں یہودی عیسائی اور لامذہب سب شامل ہیں وہ تو خیر اس طریق کار پر مجبور تھیں کہ اول تو ان کا منتہائے مقصود اور نقطۂ عروج حکومت و سلطنت سے آگے نہیں جاتا پھر وہ دین و مذہب سے بالکل بے بہرہ ہیں یا اگر برائے نام مذہب ہے بھی تو صرف چند رسوم و قیود تک محدود ہے، وہ تو خیر مجبور تھے کہ حکمرانی کے اصول وضع کریں، قانون سازی کے ادارے تشکیل کریں اور قوم کے لئے صحیح غلط قانون و دستور تیار کریں لیکن امت مسلمہ کو ان کی نقالی کی کیا ضرورت تھی؟ ان کے پاس خدا کا نازل کردہ آئین حیات مکمل طور پر موجود تھا ہر شعبہ زندگی کے رہنما اصول سے لے کر جزئی قواعد و ضوابط تک موجود ہیں، ہر مرض کے لئے نسخۂ شفا موجود تھا آخر ان کو کیا مصیبت پڑی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے اصول رحمت اور قانون عدل کے بجائے چند افراد کے وضع کردہ ضوابط کو ذریعہ نجات سمجھنے لگے، خالق کائنات کے قانون رحمت و عدل کو چھوڑ کر مخلوق کے ساختہ پرداختہ قانون میں امن و عافیت ڈھونڈنا کہاں کا فلسفہ ہے؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن رحمت سے کٹ کر یہودیوں اور عیسائیوں کے طریقہ کار اور فلسفہ حیات میں پناہ لینا کیا عقل و دانش کی بات ہے؟

ببین از کہ بریدی و با کہ پیوستی؟

چھوڑو پارلیمانی دستوروں کو اور انسانوں کے خود ساختہ قانون کو! کیا قرآن کریم جیسی وحی ربانی تمہارے پاس نہیں؟ کیا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ سنت کا ریکارڈ اور مقدس صحیفے تم سے گم ہو چکے ہیں؟ کیا اسلامی قانون اپنی پوری جامعیت اور ہمہ گیری کے ساتھ مکمل ضابطہ حیات کی شکل میں تمہارے ہاتھ میں نہیں؟ سب کچھ ہے مگر مسلمانوں کا زاویۂ نظر صحیح نہیں رہا ورنہ مسلمان کیوں اس تباہ کن زندگی میں سر سے پاؤں تک ملوث ہوتے؟ اگر انہیں اپنے گھر کی خبر ہوتی تو کیوں کشکول گدائی لے کر انسانیت کش نظاموں سے بھیک مانگنے کو جاتے آج جتنی جدوجہد اسمبلی کی نمائندگی کے لئے کی جاتی ہے، حکومت سازی کے لئے جتنے پاپڑ بیلے جاتے ہیں اور ان نمائشی ڈراموں پر جتنی خطیر قمیں اڑائی جاتی ہیں اگر آج مسلمان اس کا عشر عشیر بھی دعوت و تبلیغ پر خرچ کرتے تو اس شقاق و افتراق سے محفوظ رہتے اور رحمت الٰہی کے مستحق ہوتے، صالح معاشرہ وجود میں آتا، پاکیزہ سیرتیں جلوہ گر ہوتیں، سکون و اطمینان کی زندگی نصیب ہوتی، آخرت سے پہلے جنتی زندگی کے پاکیزہ نفحات مشام جان کو معطر کرتے، اللہ تعالیٰ صحیح توفیق عمل نصیب فرمائے آمین۔

وصلى الله على خير خلقه صفوة البرية خاتم النبيين سيدنا ومولانا محمد وآله وصحبه واتباعه اجمعين.

[ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ۔ جون ۱۹۷۳ء]

قانون الٰہی سے روگردانی اور اس کی سزا

سنن ابن ماجہ ومستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) کی روایت سے ایک حدیث مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”من جعل الهموم هما واحدا هم آخرته كفاه الله هم دنياه ومن تشعبت به الهموم فى احوال الدنيا لم يبال الله فى اى اوديتها هلك“(۱) اوكما قال.

جس نے اپنی تمام فکروں کو ایک ہی فکر یعنی فکر آخرت بنالیا حق تعالیٰ شانہ دنیا کے افکار سے اسے نجات عطا فرمائے گا اور جو دنیا ہی کی فکروں میں پریشان خاطر ہو کر رہ گیا تو وہ دنیا کی کس وادی میں ہلاک ہو؟ حق تعالیٰ اس کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔

مقصد ظاہر ہے کہ ایسے شخص کے لئے حق تعالیٰ کی حفاظت جب نہیں رہے گی تو اس کی تباہی دبربادی میں کیا شک ہے، آج کل ہمارا پاکستان جس دور سے گذر رہا ہے اور جو کچھ پیش آیا اور آرہا ہے جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہورہا ہے وہ اس حدیث نبوی کی عملی تفسیر ہے مسلمان ایک معاہد قوم کا نام ہے جس نے اللہ ورسول سے یہ معاہدہ کرلیا ہے کہ چونکہ دنیا عبوری دور ہے اور منزل مقصود آخرت ہے اس لئے عبوری دور میں جو احکامات خداوندی ہوں گے وہ بسر وچشم ان کی اطاعت کرے گا اور اس کی تنفیذ (نافذ کرنے) میں حتی المقدور کوئی تقصیر نہیں کرے گا۔

عرصہ دراز کی آہ وبکار کے بعد ہمیں دنیا کا لاکھوں مربع میل خطہ زمین اس شرط پر ملا کہ اس پر حق تعالیٰ کی حاکمیت کا ظہور اور احکامات خداوندی کا اجراء ہوگا لیکن جو کچھ ہوا وہ سب کے سامنے ہے ”عیاں راچہ بیان“، آخر اس کا ہولناک نتیجہ بھی سامنے آیا بلاشبہ ہم نے فیکٹریاں بنائیں، انڈسٹریاں چلائیں، سڑکیں بنائیں، سربفلک عمارتیں بنائیں، درآمد وبرآمد میں حیرت انگیز ترقی کی، باہر ملکوں میں سفارتیں قائم کیں، منصوبے بنائے، سودی قرضے لئے، بینک کھولے، انشورنس کمپنیاں جاری کرائیں، تھیٹر بنائے، سنیما چلائے، ریڈیو اسٹیشن قائم کئے، ٹی وی اسٹیشن لگائے وغیرہ وغیرہ ترقیات کہاں تک گنوائیں، سب کچھ ہم نے کیا جو دنیا کی تمام قومیں کرتی ہیں جو یورپ نے کیا، جو امریکہ نے کیا، جو خدا فراموش قوموں نے کیا، سب کی نقلیں اتاریں اور نقالی میں وہ سب کچھ کیا جو خدا فراموش قوم کیا کرتی ہے، جوئے شراب اور زنا کے کلب قائم کئے، عورتوں کو برہنہ کیا، سیرتوں کو بگاڑا، صورتوں کو مسخ کیا، ناچنے اور گانے والیوں کو باہر بھیجا، باہر سے بلایا، ورائٹی شو کی مجلسیں سجائیں، لاکھوں کروڑوں روپیہ بے حیائی وعریانی پر بہایا، چکلے بنائے، بازار حسن میں جلوے دکھائے، ہر کفر والحاد کی حوصلہ افزائی کی، سچائی کو دبایا، رشوت کا

---

(۱) سنن ابن ماجه، ابواب الزهد، باب الهم بالدنياص: ۳۰۲، ط: قديمى.

المستدرك على الصحيحين للحاكم، تفسير سورة حم عسق ج: ۲ ص: ٤٨١، ط: دار الكتب العلمية بيروت

بازار گرم کیا، حق کو باطل اور باطل کو حق بنانے میں کوئی کسر باقی اٹھا نہیں رکھی، خدارا بتلایئے کہ حق تعالیٰ کی غضب ڈھانے والی کون سی معصیت ہے کہ ہم نے نہیں کی، پھر جو سزا ملی اور مل رہی ہے اس پر تعجب کیوں ہے؟ جو زہر ہلاہل کھائے گا مرے گا، جو شعلہ فشاں آگ میں کودے گا جلے گا، جو متلاطم سمندر کی موجوں میں چھلانگ لگائے گا غرق ہوگا، معاہد قوم جب بغاوت کرے گی بغاوت کی سزا بھگتے گی۔

نہ صرف یہ کہ ہم نے قانون رحمت کو جاری نہیں کیا اور قانون عدل سے قوم کو محروم رکھا بلکہ دنیا کی کافر قوموں کے ہاں جو ظاہری خوبیاں تھیں، اتحاد تھا، تنظیم تھی، دنیوی معاملات میں صفائی تھی، ملک وقوم سے وفاداری تھی وہ بھی نہ اپنائیں، ملک وقوم کو ترقی دینے کے لئے جو وسائل وذرائع ہوسکتے تھے ان میں سے کسی کو اختیار نہیں کیا اور کافر قوموں میں جو برائیاں تھیں ان کی ایسی نقل کی کہ اصل سے بڑھ جائے اور جو خوبیاں تھیں ان میں سے ایک کو بھی اختیار نہیں کیا، فوجی حکومت کے سہارے زندگی بسر کی جو فوجی حکومت کو لعنت سمجھتے تھے آج اس لعنت میں خود گرفتار ہیں، نہ زمیندار کو راحت ہے، نہ کسان کو چین، نہ کارخانے دار کو سکھ ہے، نہ مزدور کو آرام، نہ کسی کی جان محفوظ، نہ کسی کا مال محفوظ، نہ کسی کی آبرو محفوظ، حدیث نبوی "لم يبال الله فى اى اوديتها هلك" (اللہ کو کچھ پرواہ نہیں کہ وہ کس گڑھے میں گرا) کی اس سے زیادہ کیا واضح تفسیر ہوگی؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کاش! یہ مصیبت صرف دنیا کی ہوتی تو آخر ختم ہوجاتی، سب سے بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ ہمارے یہاں زندگی کا جو نقشہ تیار ہوا ہے یہ آخرت کے مصائب کو دعوت دے رہا ہے، ایک حدیث نبوی میں دعا کے یہ کلمات کتنے عجیب ہیں:

> "اللهم لا تجعل مصيبتنا فى ديننا ولا تجعل الدنيا اكبر همنا ولا مبلغ علمنا ولا تسلط علينا من لا يرحمنا".(۱)

اے اللہ! ہماری مصیبت دین کی نہ ہو اور دنیا ہمارا مقصد زندگی اور اوڑھنا بچھونا نہ ہو، صرف دنیا ہی ہماری علمی پرواز نہ ہو اور ہم پر ایسوں کو نہ مسلط فرما جو ہم پر رحم نہ کریں۔

افسوس ہے کہ نہ مرض کی صحیح تشخیص کی کوشش ہے، نہ صحیح علاج کی فکر، بلکہ اس سے بڑھ کر افسوس اس کا ہے کہ نہ صرف یہ کہ مرض کا احساس ہی نہیں بلکہ مرض کو صحت وتندرستی سمجھ لیا گیا ہے، نہ ماضی سے عبرت، نہ مستقبل کی فکر، نہ حال کا خطرہ، اب علاج ہو تو کیونکر ہو اور کرے تو کون کرے؟ عقل وفکر سے کام لے کر یہ سوچنے کی بھی زحمت نہیں کی جاتی کہ پاکستان کی تخریب کے کیا کیا عوامل تھے اور دوبارہ تعمیر جدید کے کیا عوامل ہوسکتے ہیں، جب ذہنی جمود اس حد تک پہنچ جائے تو نجات کی کیا توقع۔

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب ماجاء فى جامع الدعوات ج:۲ ص:۱۸۸، ط: قدیمی.

پاکستان کی باطنی وظاہری تعمیر

گذشتہ شمارے میں پاکستان کی باطنی تعمیر جو پاکستان کی روح ہے اس کا بیان ہم کر چکے ہیں اور ظاہری تعمیر جو پاکستان کا جسد اور قالب ہے اس کا ذکر بھی آچکا ہے، قومی روح اور قومی جسد ہو تو کمال صحت وقوت وتوانائی حاصل ہوگی، مریض جسد میں کمزور روح سے کیا ترقی ونجات کی امید! آخر موجودہ صورت حال سے کوئی سبق نہ لینا کیا جنون نہیں ہے؟ تزکیہ روح سے انتہائی غفلت کے ساتھ تقویت جسد سے بھی غفلت شعاری انتہائی ناقابل برداشت صورت حال ہے، سیاسی مزاج کی صحت کے لئے جس صبر وتحمل کی ضرورت ہے وہ مفقود ہے، قومی اتحاد کے لئے جس بصیرت وعواقب اندیشی کی ضرورت ہے وہ غیر موجود ہے، ملکی استحکام کے لئے جس دانائی وفرزانگی اور سمجھ بوجھ کی ضرورت ہے وہ عنقا ہے، صبح کو ایک اعلان اور شام کو دوسرا حکم، جس کے معنی یہ ہیں کہ صرف دینی مزاج کا فقدان ہی نہیں بلکہ سیاسی مزاج بھی مفلوج ہو کر رہ گیا ہے، کیا کسی باوقار ملک میں پولیس نے بھی ہڑتال کی ہے؟ جب ذہنی پراگندگی اور انتشار اتنا شدید ہو جائے کہ پولیس والے بھی ہڑتال کرنے لگیں تو ملک کا خدا ہی حافظ ہے، نہ معلوم اس بدنصیب قوم اور اس بدنصیب ملک کا کیا حشر ہوگا، طبیب خود لاعلاج مرض میں مبتلا ہو گیا ہے، علاج کس سے کروائیں، کسی لطیفہ غیبیہ کا اس ملک میں ظہور ہو تب ہی نجات کی امید ہو سکتی ہے۔

مزید افسوس اس کا ہے کہ اہل علم کے مزاج پر بھی سیاست کا اتنا غلبہ ہو گیا ہے کہ ہر بات کو دینی نقطہ نظر کے بجائے سیاسی انداز سے سوچا جاتا ہے، پارٹی کے مفاد کی حیثیت سے غور کیا جاتا ہے، جب ارباب دین کے گھر سے دین رخصت ہوا اور ارباب علم کے حلقوں سے دین ہجرت کرے اور دین وعلم کی جگہ سیاست ہو اور سیاست بھی دینی سیاست نہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ ہی عاقبت بخیر کرے، اہل حق میں بھی خیر کا پہلو بہت کم ہوتا جا رہا ہے، مخلصین کے اخلاص کے ساتھ غیر شعوری طور پر اتنی آمیزش ہو جاتی ہے کہ اخلاص کا پتہ چلانا بہت مشکل ہو جاتا ہے، یہ حقیقت اب واضح ہوتی جارہی ہے کہ سیاسی راستوں سے اس قوم وملت کی اصلاح نہیں ہو سکتی ویسے بھی حضرت خلیفہ راشد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وہ جملہ مشہور ہے جو اکثر حضرات نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیا ہے "لن یصلح آخر هذه الامة الا ما اصلح اولها"(۱) کہ امت کے آخری دور کی اصلاح بھی اسی چیز سے ہوگی جس سے پہلے دور کی اصلاح ہوئی تھی، وہ دین اور محض دین ہے کیا اچھا ہوتا کہ رہنمایانِ قوم تمام کے تمام اپنی پوری طاقت ومحنت دعوت الی الخیر اور دعوت الی اللہ پر خرچ کرتے اور کچھ عرصہ پوری توجہ اسی پر ہوتی تو توقع ہو سکتی تھی کہ اس کے مبارک ثمرات امت کے سامنے آتے اور منجھدار میں پھنسی ہوئی کشتی ساحلِ مراد تک پہنچ جاتی اور پھر یہ اصلاح شدہ

---

(۱) الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، الباب الثانی فی مناقب امیر المومنین ابی حفص عمر بن الخطاب، ذکر وصف علی لہ بما یتاھل معہ للخلافۃ ج: ۲ ص: ۴۰۲، ط: دار الکتب العلمیہ بیروت

تزکیہ یافتہ قوم جہاں بھی جاتی راستہ صاف ہوجاتا، چاہے وہ اسمبلی ہال میں ہو، یا دفتر کی کرسی پر، منصب صدارت پر جلوہ افروز ہو یا پولیس کے تھانے میں، الغرض باخدا قوم تیار کرنے پر بڑی محنت کی ضرورت ہے بلا شبہ یہ مرحلہ کٹھن ہے لیکن مایوسی کی کوئی وجہ نہیں، ہمت و محنت کی ضرورت ہے، ’’صبر اگرچہ تلخ است و لے ثمرہ شیریں دارد‘‘:

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار*
بگذرانند و خم طرہ یارے گیرند

ابھی یہ موضوع تشنہ ہے اس پر بہت کچھ لکھنے کی ضرورت ہے، وباللہ التوفیق۔

عائلی قوانین اور اسلام

یہ معلوم ہوکر افسوس ہوا کہ حکومت کی ایک ذمہ دار شخصیت نے یہ اعلان کر دیا کہ عائلی قوانین میں کوئی ترمیم نہ ہوگی اور اسی طرح نافذ رکھا جائے گا، تعجب وحیرت ہے کہ ایک طرف تو یہ دعوی بانگ دہل کیا جاتا ہے کہ کتاب وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا اور یہ کہ کتاب وسنت کے مطابق آئین تیار ہوگا اور دوسری طرف عائلی قوانین کو بدستور رکھنے کی خوشخبری سنائی جاتی ہے، یہ تضاد قابل حیرت بھی ہے اور قابل افسوس بھی ہے، عائلی قانون وہ رسوائے عالم قانون ہے جو قرآن کریم کی نصوص قطعیہ، صریح احادیث نبویہ، مذاہب اربعہ اہل سنت اور مذہب اہل شیعہ سب کے مخالف ہے، یہ دور ایوبی کا ملعون قانون تھا، جمعیت علماء اسلام کے قائد مولانا مفتی محمود نے قومی اسمبلی میں اس کی مؤثر ومدلل تردید فرمائی اور سترہ ترمیمیں پیش کیں اور علمائے امت نے اس کے خلاف آواز اٹھائی اور مستقل رسالے تصنیف کئے اور کوئی شک کسی کو باقی نہ رہا کہ وہ تقریباً سراسر اسلام کے خلاف ہے اور عقل کے بھی خلاف ہے، اس خلاف عقل اور خلاف نقل رسوائے عالم قانون کے بارے میں یہ اعلان کرنا کتنا حیرت انگیز ہے اور اس قسم کے اعلانات کے ہوتے ہوئے اس اعلان کی کیا وقعت رہ جاتی ہے کہ کتاب وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا، آخر دنیا یہ باور کرنے پر مجبور ہوگی کہ اس قسم کے جتنے اعلانات ہیں سراسر دھوکہ اور خداع ہے، اس کی کوئی صحیح حقیقت نہیں گویا صرف نعروں سے قوم کو بہلانے کی کوشش ہو رہی ہے (۱) اور یہ پہلے سے پاکستانی سنت چلی آرہی ہے کہ محض عوام کو خوش کرنے کے لئے کچھ نعرے لگائے جائیں، سکندر مرزا کے تعلیمی بورڈ، دور ایوبی

---

(۱) صرف اسلامی قانون کے نفاذ کی بات نہیں بلکہ ہر شعبہ میں یہی ریت چل نکلی ہے کہ رہنمایانِ قوم گھسے پٹے خواب آور نعرے لگایا کریں اور نیم مدہوش قوم ان نعروں کی تبلیغ کے لئے دیوانوں کی طرح ہلڑ مچایا کرے اور کسی کے منہ سے سچی بات اگر نکل ہی جائے تو اسے گالیوں سے نوازا جائے۔ مشرقی بازو کٹ چکا ہے اور مغربی حصہ طوفان کی زد میں ہے مگر قوم کو اس نشہ کی ایسی چاٹ پڑی ہے کہ چھڑائے نہیں چھٹتی، رہنماؤں کو احساس ہی نہیں کہ اس نشہ کا انجام کیا ہوگا؟ اور عمل کو چھوڑ کر گلیوں بازاروں میں نعرے لگانے والی قوم آخر کتنے دن جئے گی اور اسی کے ساتھ دوسرا نشہ پارٹی مفاد کا ہمارے قومی ناخداؤں پر سوار ہے ان کا نظریہ یہ ہے کہ ملک جائے تو جائے مگر پارٹی مفاد پر آنچ نہ آئے، حکومت بنے تو ہماری بنے اور چلے تو تمہاری چلے، قوم کو زوال آئے تو آئے مگر پارٹی کی مونچھ نیچی نہ ہونے پائے۔

کے ادارہ تحقیقات اسلامیہ بلکہ قرارداد مقاصد کا بنیادی اعلان یہ سب ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے اور صالح حکومت کی نعمت نصیب فرمائے، آمین۔

یارب العالمین و یا ارحم الراحمین

[صفر ۱۳۹۲ھ/اپریل ۱۹۷۲ء]

عذاب وسزا کے سلسلہ میں قانون الٰہی

حق تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ کسی قوم پر جبکہ محض غافل ہو اچانک کوئی عذاب نازل نہیں فرمایا جاتا بلکہ اسے معمولی تنبیہ اور سرزنش کی جاتی ہے، بار بار آگاہ کیا جاتا ہے اس پر بھی جب وہ خواب غفلت سے بیدار نہیں ہوتی تو عذاب الٰہی اپنی مہیب شکل میں نازل ہو جاتا ہے اور پھر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی، پاکستان پر جس عذاب الٰہی اور غضب خداوندی کا ظہور ہوا وہ بھی اچانک نہیں بلکہ ربع صدی کی طویل مدت میں بار بار خبردار کرنے کے بعد ہوا اور جو کچھ ہوا وہ ہمارے اعمال اور غفلت شعاری کا لازمی نتیجہ تھا:

﴿وَ مَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ﴾ [الشوری: ۳۰]

اور تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے (پہنچتی ہے) اور بہت سی تو درگذر ہی کر دیتا ہے۔ (بیان القرآن)

لیکن سب سے بڑا عذاب یہ ہے کہ عذاب نازل ہو اور عذاب کا احساس نہ ہو، جب دلوں کی قساوت اس خطرناک حالت تک پہنچ جاتی ہے تو اس کے نتائج بے انتہا دردناک ہوتے ہیں، پاکستان پر اتنا بڑا تاریخی حادثہ کبریٰ نازل ہوا جس کی کوئی مثال اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی اور ابھی تک یہ ملک موت وحیات کی کش مکش میں ہے لیکن افسوس صد افسوس! کہ تمام قوم جہاں تھی وہیں کی وہیں ہے، نہ اپنے اعمال پر ندامت، نہ توبہ، نہ استغفار، نہ اصلاح اخلاق وکردار کی فکر، جاہ پسندی وخود غرضی کے وہی مظاہرے، بے حمیتی وبے حیائی کے وہی مناظر، اخلاق واعمال کی وہی گراوٹ، انتشار وخلفشار کے وہی ہنگامے، بدعملی وبدکرداری کے وہی روح فرسا مظاہر۔ مسجدیں ویران اور عشرت کدے آباد۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پاکستان کی تعمیر کے لئے مؤثر اقدامات

موجودہ حکومت نے بار بار اعلان کیا ہے کہ وہ پاکستان کی نئی تعمیر کرے گی، اب تک جتنے آئے دعویٰ ان کا بھی ملک کے استحکام وتعمیر ہی کا تھا مگر ان کے عمل سے وہ کچھ رونما ہوا جو آج دنیا کے سامنے ہے، اس لئے ضروری ہے کہ آئندہ ہر قدم نہایت دانشمندی خلوص اور حزم واحتیاط کے ساتھ اٹھایا جائے، آئندہ تعمیری پروگرام کے دو شعبے ہو سکتے ہیں اور دونوں میں مؤثر اقدامات کی ضرورت ہے، ظاہری تعمیر، باطنی تعمیر، مثلاً ظاہری تعمیر کے لئے یہ کہ:

① ملک کے تمام صوبوں کے عوام کو اعتماد میں لیا جائے، ان میں باہمی تعاون یک جہتی اور ایثار و ہمدردی کی فضا پیدا کی جائے اور ان کے جمہوری حقوق بحال کئے جائیں مگر اس سلسلہ میں گذشتہ حکومتوں کی طرح محض طفل تسلیوں سے گریز کیا جائے۔

② مارشل لاء کو دفن کر کے ایک عبوری آئین کے تحت قومی اسمبلی کا اجلاس بلایا جائے اور قومی اہمیت کے مسائل میں قومی اسمبلی کو فیصلہ کرنے کا موقع دیا جائے۔

③ صوبوں میں جو نمائندہ حکومتیں تشکیل دی جائیں انہیں مناسب حدود کے اندر وسیع اختیارات دیئے جائیں مگر ساتھ ہی شرپسندوں پر کڑی نظر رکھی جائے۔

④ بھارت اور اس کی ہمنوا سازشی طاقتیں مشرقی پاکستان کو ہڑپ کرنے کے بعد سیر نہیں ہوئی ہیں بلکہ اب ان کی پروپیگنڈا مشینری اور نشری ادارے، مغربی پاکستان میں صوبائی عصبیت اور منافرت پھیلانے میں مصروف ہیں اور بدقسمتی سے انہیں اس کے لئے مناسب فضا میسر آ گئی ہے۔ اس لئے یہ مسئلہ سب سے اہم اور فوری توجہ کا مستحق ہے کہ اعداء اسلام کی اندرونی اور بیرونی ریشہ دوانیوں کا دفاع کس طرح کیا جائے؟ یہ کام نہ مارشل لاء کے ڈنڈے سے ہو سکتا ہے، نہ خالی تقریروں، وعدوں اور دھمکیوں سے، بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ ملک کے ہر فرد کو امن و انصاف میسر ہو، اندرونی طور پر کسی کو کسی سے شکایت نہ ہو اور پاکستان کا ہر شہری یہ محسوس کر سکے کہ اس ملک میں اس کے حقوق محفوظ ہیں، الغرض جب تک ملک اندرونی طور پر مستحکم نہیں ہوگا اور یہاں کا ایک ایک فرد پورے خلوص اور اطمینان کے ساتھ حکومت کی پشت پر نہیں ہوگا اس وقت تک اعداء اسلام کو اپنی زبوں حرکتوں کا موقع ملتا رہے گا۔

⑤ پاکستان اس وقت مالی اعتبار سے جس قدر کمزور ہے اس کا اظہار صدر مملکت کی زبان سے کئی بار ہو چکا ہے ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ مظلوم ملک اور اس کے غریب شہری نہ سرکاری شعبے میں شاہ خرچی کے متحمل ہیں، نہ بڑے لوگوں کی عیش کوشی کو برداشت کر سکتے ہیں اس کے سدباب کے لئے اوپر سے نیچے تک اصلاح ناگزیر ہے مثلاً:

☆ بڑے افسروں کی تنخواہوں میں تخفیف اور زیادہ سے زیادہ تنخواہ کا منصفانہ معیار قائم کرنا ہوگا۔

☆ سرکاری وغیر سرکاری شعبوں میں تمام غیر ضروری اخراجات بند کرنے ہوں گے۔

☆ شاہانہ دعوتوں ضیافتوں اور پارٹیوں کا سلسلہ ختم کرنا ہوگا۔

☆ پوری قوم کو کفایت شعاری اور پس اندازی کا خوگر بنانا اور اس کے لئے بڑے لوگوں کو قابل تقلید نمونہ پیش کرنا ہوگا۔

☆ تمام غیر ضروری اشیاء کی درآمد بند کر کے صرف بنیادی ضرورت کی چیزیں منگوانی ہوں گی۔

☆ اندرون ملک بے فائدہ اور لایعنی صنعتوں پر جو روپیہ صرف ہو رہا ہے، مثلاً فلم سازی وغیرہ اسے کسی مفید صنعت میں لگانا ہوگا۔

الغرض ملکی معیشت کے استحکام کے لئے صرف وعظ و تلقین کافی نہیں بلکہ ٹھوس اقدامات کی ضرورت ہے، سوچنے کی بات ہے کہ وہ مفلوج قوم جس کا نصف حصہ شل ہو گیا ہو اور باقی نصف ضعف و اضمحلال کا شکار ہو جس کا خانہ خالی ہو اور جو موت و زیست کی آخری جنگ لڑ رہی ہو اس کے بڑوں کا سالگرہیں منانا، ضیافتیں اڑانا اور داد عیش دینا کتنا عجیب لگتا ہے؟

پاکستان کی باطنی تعمیر کے لئے اہم نکات

① ملک میں بلا تاخیر اسلامی آئین کا نفاذ کیا جائے اور موجودہ لادینی قوانین کے بجائے کتاب و سنت کا قانون رائج کیا جائے۔

② سود، جوا، شراب اور تمام محرمات سے معاشرے کو پاک کیا جائے اور ان جرائم کے ارتکاب کرنے والوں پر شرعی تعزیرات عائد کی جائیں اور ملک میں غیر سودی نظام معیشت جاری کیا جائے۔

③ اخلاقی اصلاح کے لئے عریانی و بے حجابی، مخلوط تعلیم، مرد و زن کے بے محابا اختلاط اور فحاشی و عیاشی کے اڈوں کا قلع قمع کیا جائے، جو حقائق اب تک سامنے آئے ہیں ان کے مطابق حالیہ شرمناک شکست کا سب سے بڑا سبب ہمارے سابق آمر اور اس کے حواریوں کی عیاشی و فحاشی اور شراب نوشی و بدکاری تھی۔

④ پوری قوم سے صورت و سیرت کی اصلاح اور نماز روزہ وغیرہ دینی شعائر کی پابندی کرائی جائے اور ایک خدا ترس معاشرہ وجود میں لانے کے لئے مناسب تدابیر کی جائیں اور اس کے لئے ملک میں ایک مستقل محکمہ امور شرعیہ قائم کیا جائے۔

⑤ قوم کی اصلاح کے لئے علماء کرام کی موجودہ کوششوں کو کافی نہ سمجھا جائے بلکہ دعوت و اصلاح کے مؤثر نظام کے ذریعہ اس ڈوبتی ہوئی قوم کو بچانے کی ہر ممکن تدبیر کی جائے۔ آج کل اگر کوئی تدبیر کی بھی جاتی ہے تو صرف ظاہری اصلاح کی، باطنی اصلاح کی طرف کسی کی توجہ نہیں حالانکہ ظاہری اصلاح محض ڈھانچہ اور جسم ہے اور باطنی اصلاح مغز اور روح، جسم خواہ کتنا ہی قوی اور حسین ہو جب تک اس میں روح نہ ہو مردہ ہے، حق تعالیٰ کی رحمت کا نزول اور برکات کا ظہور اسی اصلاح روح پر موقوف ہے۔

بہرحال جو سانحہ پیش آچکا ہے اس سے عبرت حاصل کرنا اور مستقبل کی تعمیر میں ماضی کی غلطیوں سے سبق حاصل کرنا وقت کا شدید تقاضا ہے، اگر ہم اسی لیت و لعل میں رہے اور کوئی مؤثر قدم نہ اٹھایا تو وقت ہمیں زیادہ مہلت نہیں دے گا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے آخری تنبیہ ہوگئی، اگر قوم اب بھی خواب غفلت سے

بیدار نہ ہوئی تو حق تعالیٰ کا قانون مکافات پھر حرکت میں آئے گا اور اس کا انجام نہایت دردناک اور حیرت ناک تباہی ہوگا، معاذ اللہ۔

بلا شبہ اعداء اسلام برطانیہ، امریکہ اور روس نہ کسی صحیح اسلامی حکومت کو برداشت کر سکتے ہیں، نہ صالح معاشرہ کی تشکیل ان کو بھاتی ہے، انہوں نے اسلامی ملکوں کو اتنا اپاہج اور کمزور کر رکھا ہے کہ کوئی اسلامی ملک ان کے اشارے کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا مگر صالح قیادت کی دانشمندی یہ ہے کہ ان متلاطم موجوں سے گذر کر اس ٹوٹے ہوئے سفینہ ملک کو ساحل پر پہنچایا جائے اور ﴿الا ان تتقوا منهم تقاة﴾ کو چراغِ راہ بنایا جائے۔

اسلامی ممالک میں پاکستان ہی ایک ایسا ملک تھا جس میں بظاہر کچھ جان تھی جس سے اسلامی ملکوں کا وقار قائم تھا اور جس سے اسلامی بلاک اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی توقعات وابستہ کی جاسکتی تھیں، مگر بین الاقوامی سازش نے اپنوں کی غداریوں اور حکمرانوں کی حماقتوں کے ذریعہ اس پر ایسی ضرب لگائی جس سے پورے عالم اسلام کی کمر ٹوٹ گئی، موجودہ صورت حال اتنی نازک ہے کہ اگر فوری طور پر اصلاح کی کوشش نہ کی گئی تو سامراجی طاقتیں اسے ایک اور دھکے سے صفحۂ وجود سے مٹانے کی کوشش کریں گی اس لئے ایک لحہ ضائع کئے بغیر جلد سے جلد ظاہری و باطنی تعمیر پوری قوت، دانائی اور صبر و ہمت سے شروع کر دینی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری لغزشیں معاف فرمائیں اور ہر قدم پر ہماری رہنمائی فرمائیں اور اس ملک کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه صفوة البرية محمد وعلی آله واصحابه واتباعه اجمعين.

[محرم الحرام ۱۳۹۲ھ-مارچ ۱۹۷۲ء]

دین اسلام سے انحراف اور اس کی سزا

﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللهِ الْاِسْلَامُ﴾ [آل عمران:۱۹]

اسلام خدا تعالیٰ کا آخری آسمانی دین رحمت ہے، جو پوری انسانیت کی دنیوی واخروی فلاح وکامیابی کے لئے نازل کیا گیا، جو شخص اسلام اور اسلامی تعلیمات کو اپنائے گا وہ دنیا و آخرت میں سرخ رو ہوگا اور جو شخص اس سے انحراف کر کے کسی اور طرف دیکھے گا وہ دنیا میں ذلیل وخوار اور آخرت میں خائب وخاسر ہوگا، اسی انحراف کے نتیجہ میں ۲۸ رسال سے ہمارا ملک آفات کا تختۂ مشق بنا ہوا ہے۔ مگر صد حیف کہ تباہ کن آفتوں، سیلابوں، زلزلوں اور جھٹکوں سے بھی نہ ہمارے ارباب اختیار کو کوئی عبرت ہوتی ہے، نہ عام لوگوں کو ہوش آتا ہے۔ مقتدر طبقہ کی کچھ عادت ہوگئی ہے کہ اٹھتے بیٹھتے وہ سوشلزم وغیرہ کے غلط اور لادینی نعرے لگاتے رہتے ہیں اور ملک میں اسلام کش

تحریکیں چل رہی ہیں مگر انہیں کوئی پرواہ نہیں، اگر کوئی شخص یہ کہے کہ معاذ اللہ اسلامی عقائد و عبادات نامکمل ہیں اور ان کی تکمیل کے لئے یہودیت، عیسائیت یا ہندو مذہب کی پیوند کاری کی ضرورت ہے تو کیا وہ مسلمان ہوگا؟ اسی طرح جو شخص یہ دعوی کرتا ہے کہ اسلام کے ہوتے ہوئے سوشلزم یا کسی اور نظریۂ حیات کی ضرورت ہے یا اسلام کے معاشی نظام میں سوشلسٹ نظریات کو سمونے کی حاجت ہے یا اسلام کو زمانے کے مطابق ڈھالنے کی احتیاج ہے وہ درحقیقت اسلام کی صداقت اور اس کے دینِ خداوندی ہونے کی نفی کرتا ہے اس سے بڑھ کر افسوس کی بات یہ ہے کہ جو حضرات کل بڑے شدومد سے سوشلزم کو کفر قرار دیتے تھے وہ آج ''سکوتِ مصلحت آمیز'' کی چادر تانے آرام سے سو رہے ہیں، اگر پاکستان کو تباہی و بربادی ذلت و رسوائی اور خدا تعالیٰ کے قہر و غضب سے بچانا ہے تو خدا کے لئے ان لوگوں کو باز رکھو جو خدا تعالیٰ کے دین کی مخالفت کر کے قہر الٰہی کو دعوت دے رہے ہیں، یہاں ہم عبرت و موعظت کے لئے ایک معروف عالم دین کا وہ خط درج کرتے ہیں جو بینات (رجب ۸۹ھ) میں پانچ سال قبل شائع ہوا تھا:

۲۳ر جولائی ۱۹۶۹ء

محترم گرامی قدر جناب محمد حسین صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اشتہار کے صفحہ ۳ر و صفحہ ۴ر پر جو عبارتیں نقل کی گئی ہیں ان میں سے صفحہ ۴ر کی عبارت کا تعلق مفتی محمد شفیع صاحب سے ہے اور میرے افکار و خیالات کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، البتہ صفحہ ۳ر پر جو عبارت نقل کی گئی ہے وہ اخبار جہاں کے انٹرویو کا اقتباس ہے جس میں الفاظ اور عبارت انٹرویو کے ترتیب دینے والے صاحب کے ہیں اور مفہوم تقریباً میرا ہے، الفاظ اور عبارت سے عام تاثر یہ ہوتا ہے کہ میں نے تحریک پاکستان سے اختلاف رکھنے والوں کو پاکستان دشمن قرار دیا جبکہ ان میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اکابر امت بھی شامل تھے اور دوسرا تاثر یہ ہوتا ہے کہ میں اس مبینہ اختلاف کو آڑ بنا کر جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان کی مخالفت کرنا چاہتا ہوں حالانکہ یہ دونوں تاثرات نہ صرف یہ کہ بے اصل اور بے سروپا ہیں بلکہ میری اپنی افتادِ طبع کے بھی خلاف ہیں اور اس عظمت و احترام کے بھی منافی ہیں جو تحریک پاکستان کے مسئلہ میں اختلاف کے باوجود ان کا برملت کے لئے میرے دل میں ہمیشہ سے ہے۔

اخبار جہاں کے انٹرویو کی صورت یہ ہوئی کہ ۱۲ر جون بروز جمعرات صبح دس بجے اسلامیہ کالج کراچی میں طلبہ کی جانب سے سیرۃ النبی کا ایک جلسہ تھا اور یہ تاریخ ایک ہفتہ پہلے سے میری ڈائری میں درج تھی ۱۱ر جون بروز بدھ صرف ایک روز پہلے اخبار جہاں کے دفتر سے فون آیا کہ اس کے نمائندے کل صبح انٹرویو لینے کے لئے آنا چاہتے ہیں میں نے ڈائری کا پروگرام دیکھ کر بتادیا کہ دس بجے مجھے اسلامیہ کالج کے جلسہ میں جانا ہے اگر آپ

آنا چاہیں تو ۹ بجے صبح آجائیں لیکن اخبار جہاں کے نمائندے ساڑھے نو بجے کے بعد میرے پاس پہنچے، انٹرویو دیتے ہوئے پندرہ بیس منٹ ہی گذرے تھے کہ اسلامیہ کالج کے طلبہ مجھے لینے کے لئے آئے، میں نے اخبار جہاں کے نمائندے سے معذرت کی کہ کسی دوسرے وقت آپ تشریف لائیں انٹرویو کا باقی حصہ میں مکمل کرادوں گا مگر وہ نہیں مانے اور کہنے لگے کہ آپ میرے چند سوالات کے جوابات ہاں یا نہیں میں مختصراً دے دیجئے، میں انہیں اپنے الفاظ میں پھیلا کر لکھ لوں گا، چنانچہ ان سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان کے موجودہ عہدے دار کیا پاکستان کی تحریک میں شامل تھے میں نے جواب دیا نہیں، بلکہ ان حضرات کو تحریک پاکستان سے اختلاف تھا اور اسی اختلاف کی بنا پر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے جمعیت علماء اسلام کی تشکیل فرمائی تھی۔ دوسرا سوال یہ تھا کیا مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھی رفقاء کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ میدان میں آکر نظریہ پاکستان کی حفاظت کریں؟ میں نے جواب دیا بے شک یہ رفقاء کی ذمہ داری ہے اور مولانا ظفر احمد عثمانی جو مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے قریبی اور ہم عصر ساتھی ہیں انہیں اس میں پہل کرنی چاہیے۔ یہ وہ مجمل جوابات ہیں جن کا پھیلاؤ انٹرویو ترتیب دینے والے صاحب نے اپنے الفاظ اور اپنی عبارت میں کیا، غاصبانہ قبضہ، کانگریسی علماء، پاکستان دشمن وغیرہ جیسے الفاظ بائیس سال کے عرصہ میں کبھی کسی نے میری زبان سے نہ سنے ہوں گے اور نہ میں ایسی تلخ گوئی کا عادی ہوں۔

تحریک پاکستان سے اختلاف کی وضاحت چاند کے مسئلہ میں نظر بندی سے رہائی کے بعد لاہور کے استقبالیہ کی تقریر میں کر چکا ہوں جس کی صدارت استاذ العلماء حضرت مولانا رسول خاں صاحب نے کی تھی اور اس میں مولانا ابو الاعلیٰ مودودی صاحب بھی شریک تھے، اسی طرح کی وضاحت دو سال پہلے ڈیرہ غازی خان کی ایک تقریر میں بھی کر چکا ہوں جس کی بناء پر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض متوسلین نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ میں اپنے خیالات ضبط تحریر میں لا کر شائع کرادوں، کانگریسی علماء اور قبضہ غاصبانہ الفاظ بھی میرے نہیں ہیں بلکہ مفہوم میرا ہے یعنی یہ کہ یہ حضرات تحریک پاکستان سے اختلاف رکھتے تھے پھر پاکستان بننے کے بعد ان حضرات نے جمعیت علماء اسلام کی تنظیم کو اپنا لیا ہے۔

جمعیت علماء اسلام کے اجلاس منعقدہ ملتان میں اس امر کا اعلان کیا گیا تھا کہ اب پاکستان بن جانے کے بعد اسلامی خطوط پر اس کی تعمیر کا مسئلہ ہے، لہٰذا کانگریسی اور غیر کانگریسی کا امتیاز ختم کر دینا چاہئے حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری نے مجھے جمعیت علماء اسلام کا ناظم اعلیٰ مقرر فرمایا تھا مگر میں نے بچند وجوہ کنارہ کشی کا فیصلہ کر لیا تھا اس لئے بار بار اصرار کے باوجود میں نے مولانا احمد علی صاحب لاہوری سے معذرت ظاہر کر کے معافی مانگ لی تھی، اگر کانگریسی اور غیر کانگریسی کی تفریق میرے گوشۂ خیال میں ہوتی تو دستوری نکات ترتیب دینے کے سلسلہ میں ہر مکتب فکر کے علماء کے اجتماع میں مولانا احمد علی صاحب لاہوری اور مولانا محمد علی صاحب جالندھری،

مولانا محمد یوسف صاحب بنوری اور مولانا مودودی صاحب کو کیوں شریک کرتا وہ اجتماع میری اور صرف میری رائے سے ہوا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ تعمیر پاکستان کے مسئلہ میں کانگریسی اور غیر کانگریسی کا امتیاز کبھی میرے وہم وگمان میں بھی نہیں رہا۔

سابق صدر ایوب خان نے اپنی خانہ ساز کتاب میں پاکستان کی مخالفت کے سلسلہ میں جن کانگریسی علماء کا اور مولانا مودودی صاحب کا تذکرہ کیا ہے وہ بھی میری نظر میں خلاف واقعہ اور بے بنیاد ہے جس کا اظہار میں نے بارہا اپنی تقریروں میں کیا ہے، کیونکہ کانگریسی علماء کا اختلاف جس فارمولے پر مبنی تھا وہ مسلمانوں کے مستقبل کے اعتبار سے مخلصانہ اور ان کے نقطہ نظر سے نیک نیتی سے متعلق تھا اور مولانا مودودی صاحب نے تحریک پاکستان کی جس قیادت پر عدم اعتماد کا اظہار کیا تھا وہ بھی کچھ زیادہ غیر واقعی نہ تھا اور اگر پاکستان قرآن وسنت کی حکومت قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو تو تحریک پاکستان سے اختلاف کے اسباب اور وجوہ غلط نہیں قرار دیئے جاسکتے، اگر اسلامی حکومت کے نصب العین میں پاکستان کامیاب ہوجاتا ہے تو تحریک پاکستان سے متعلق تمام اختلافات کو بے بنیاد غیر صحیح اور توہمات کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔ پھر غاصبانہ کا الزام میری طرف سے اس وقت صحیح ہوگا جب میں جمعیت علماء اسلام کا دعویدار ہوتا، مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے وصال سے کچھ روز قبل علالت کی حالت میں عمرہ کے لئے جاتے ہوئے غریب خانے پر تشریف لا کر فرمایا تھا کہ میری انتہائی خواہش ہے کہ آپ جمعیت علماء اسلام کو سنبھالیں، میں نے اس وقت غایت ادب سے عرض کیا تھا جی بہتر ہے۔

پھر مولانا غلام غوث ہزاروی اور مفتی محمود صاحب دونوں حضرات نے مولانا عبداللہ صاحب درخواستی کا استخارہ بیان کرتے ہوئے مجھے جمعیت علماء اسلام کے لئے فرمایا میں نے معذرت پیش کردی تو ایسی صورت میں میری طرف سے قبضہ غاصبانہ کا الزام دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مجھے نہ کانگریسی علماء سے اختلاف ہے اور نہ جمعیت علماء اسلام کی موجودہ قیادت سے بلکہ اصل اختلاف اس عالمگیر اور اسلام کش فتنہ سے ہے جو کمیونزم اور سوشلزم کے نام سے ہمارے ملک میں سر اٹھا رہا ہے اور -------- کے پلیٹ فارم سے یا اس کے اخبار---------- سے اسلای سوشلزم کی پرفریب مگر مہلک اصطلاح اختیار کر کے اس فتنہ کی حمایت کی جارہی ہے، جہاں جہاں اسلام پسند طبقوں نے اس طرح کا دھوکہ کھایا ہے آج وہاں نہ وہ اسلام پسند موجود ہیں اور نہ وہاں اللہ کا نام لینے والا کوئی باقی ہے، اینگلو امریکی سامراج کے لائے ہوئے سرمایہ دارانہ نظام کی مخالفت اور معاشی انصاف اور عدل عمرانی کے قیام کے لئے اسلام کا لفظ اختیار کرنا کافی ووافی ہے اگر اس پرفریب اصطلاح سے کلی طور پر اجتناب نہ کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ ملحد و بے دین طبقہ اسلام کی آڑ لے کر ماؤزے تنگ کا لادینی نظام قائم کرلے گا، ہماری نظر میں یہ مسئلہ صرف پاکستان ہی کی موت وزیست کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس ملک میں اسلام کی بقاء اور عدم بقاء کا مسئلہ بھی ہے، اس لئے سوشلزم اور اسلامی سوشلزم کی

مخالفت ہمارا ایمان ہے اور جس طرح سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے اسی طرح سوشلزم اور اسلامی سوشلزم کے خلاف جہاد کرنا بھی وقت کا سب سے بڑا فریضہ ہے، اس فتنہ کی سرپرستی خواہ کوئی فرد کرے یا کوئی جماعت اور گروہ، دیوبندی، بریلوی، شیعہ، سنی، مقلد اور اہل حدیث سب کو مل کر اس لادینی فتنہ کی مخالفت اور اس کے خلاف جہاد کرنا ناگزیر اور ضروری ہے۔

[شعبان ۱۳۹۵ھ/ ستمبر ۱۹۷۵ء]

مسلمانوں کی موجودہ پستی اور اس کا علاج

''رباط کانفرنس'' سے دنیا بھر کے مسلمانوں کو یہ توقع تھی کہ عالم اسلام کے معزز سربراہ ارضِ مقدس فلسطین اور مسجد اقصیٰ کو اسرائیل کے پنجۂ استبداد سے واگذار کرانے کے لئے اہم ترین فیصلے کریں گے، اس سے ایک نئی تاریخ ابھرے گی اور عالمی سیاست کے دھارے بدل جائیں گے لیکن افسوس کہ یہ توقع پوری نہ ہو سکی اور مغصوبہ عرب علاقے اسرائیلی جارحیت کے پنجۂ استبداد میں بدستو سسکتے تڑپتے رہ گئے، علاج صرف ایک ہے کہ اسلامی ممالک مغربی یا اشتراکی بلاک سے انصاف کی امید نہ رکھیں، اقوام متحدہ کے دروازوں پر دستک دینا چھوڑ دیں، اپنے متحدہ وسائل جمع کریں اور اللہ کی ذات کے بھروسے پر ''اسلامی جہاد'' کا اعلان کریں، سعودی سفیر برائے پاکستان جناب محمد عبداللہ المطلق کی خواہش پر جس کا اظہار موصوف نے ایک ملاقات میں کیا تھا راقم الحروف نے شرکاء کانفرنس کے نام جو پیغام بھیجا تھا اس میں عالم اسلام کے سربراہوں کی خدمت میں یہ گذارش کی گئی تھی کہ آج کا مرض کیا ہے؟ اس کا علاج کیا ہونا چاہیے؟ پیغام کا مضمون یہ تھا:

''دعوت وتبلیغ کی ناکامی کے بعد صرف جہاد ہی اصلاح امت کا واحد راستہ ہے، وہ جہاد جس کا مقصد تمام سیاسی و مادی اغراض سے ہٹ کر محض اعلاء کلمۃ اللہ ہو، مسلمانوں کی موجودہ ذلت ونکبت کا سب سے بڑا سبب اسلامی جہاد کا ترک کرنا ہے، فلسطین کا غصب، بیت المقدس کا سقوط، مسجد اقصیٰ کی آتشزدگی اور تمام اسلامی آثار کو مٹا ڈالنے کے ناپاک صیہونی عزائم اسلام کے لئے ایسا دردناک حادثہ ہے جسے مسلمانوں کے عرق خجالت سے لکھا جانا چاہیے، یہود جیسی ملعون قوم کا یہ جبری اقتدار ہماری شامت اعمال کی بدلی ہوئی شکل ہے، اور اس صورتِ حال کے بنیادی سبب دو ہیں:

① مسلمانوں کا اسلام دشمن طاقتوں پر اعتماد کرنا ان ہی سے اپنی مشکلات کے حل کی توقع رکھنا اور ان کے دعدوں کو صحیح سمجھنا یہی وہ بنیادی غلطی ہے جس نے عالم اسلام کے لئے گوناگوں مسائل کو جنم دیا۔

② مسلمانوں میں راحت پسندی، عیش پرستی اور جدید تمدن کی وجہ سے دنیا کی محبت اور موت سے نفرت جاگزین ہوگئی، اسی کو حدیث نبوی میں ''وھن'' (دوں ہمتی) سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اس کی وجہ سے کثرت

تعداد کے باوجود مسلمان خس وخاشاک کی طرح ہوں گے جیسے سیلاب کا معمولی ریلا بہالے جاتا ہے(۱)، مسلمانوں کو کبھی عدد وعُدّہ (تعداد اور سامان) کی کثرت سے کامیابی نہیں ہوئی، ان کی کامیابی کا ایک ہی طے شدہ اصول ہے اور وہ یہ ہے:

﴿اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ [آل عمران:١٦٠]

اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہاری مدد سے ہاتھ کھینچ لے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کو آئے؟ اور اہل ایمان کو لازم ہے کہ وہ صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ کریں۔

ہماری تمام مشکلات کا صحیح حل یہ ہے کہ ہم راحت طلبی اور تن آسانی اور تشتت وافتراق کی فضا ختم کریں، عالم اسلام کی مجلس متحدہ قائم کریں، اسلام دشمن طاقتوں سے کٹ کر صرف حق تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کریں اور کفر کے مقابلہ میں بنیان مرصوص بن کر اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے سر سے کفن باندھ کر میدان جہاد میں کود جائیں، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ﴾ [محمد:٦]

اگر تم اللہ کی مدد کے لئے نکلو گے تو اللہ تمہاری مدد کے لئے نکلے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

مقام شکر ہے کہ علمائے حرمین نے جہاد کا فتوی دیا ہے اور سعودی عرب کے فرمانروا شاہ فیصل بن عبد العزیز اور ان کے تمام امراء، وزراء، اعیان واکابر اور مشاہیر اہل قلم نے اعلان جہاد کر دیا ہے، ان کی تمام تقریریں سعودی عرب کے اخبارات اور مجلہ المنھل میں شائع ہو چکی ہیں، لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ اعلان سے آگے بڑھ کر کوئی عملی قدم اٹھایا جائے اور ارضِ مقدس کو یہودی نجاست سے پاک کر دیا جائے۔

کفر اور امن عالم

احمد آباد اور جنوبی ہند کے بعض دوسرے شہروں میں مسلمانوں کی جان ومال اور عزت وآبرو کو جس درندگی، بربریت اور قساوت سے تباہ وبرباد کیا گیا ہے اور جس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے وہ بھارتی حکومت کے مکروہ چہرے پر کلنک کا ٹیکہ ہے، گاندھی ازم کے پجاریوں نے عقل وانصاف اور شرافت وانسانیت کے سارے

---

(۱) ”عن ثوبان قال قال رسول اللهﷺ: يوشك الامم ان تداعى عليكم كما تداعى الاكلة الى قصعتها، فقال قائل: ومن قلة نحن يومئذ؟ قال: بل انتم يومئذ كثير ولكنكم غثاء كغثاء السيل ولينزعن الله من صدور عدوكم المهابة، وليقذفن الله في قلوبكم الوهن، فقال قائل: يارسول الله! وما الوهن؟ قال حب الدنيا وكراهية الموت“. سنن ابي داؤد، كتاب الملاحم، باب في تداعى الامم على الاسلام، ج:٢ ص: ٥٩٠، ط: حقانيه

تقاضوں کو پس پشت ڈال رکھا ہے، بائیس سال سے مسلسل یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ نہتے مسلمانوں کو فسادات کا نام دے کر بے دریغ قتل کیا جاتا ہے اور پھر بھارتی حکومت نہ صرف یہ کہ ان مفسدوں کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرتی بلکہ یہ سارا قصہ یہ کہہ کر پلٹ دیا جاتا ہے کہ یہ فسادات پاکستان کی سازش سے ہوئے۔ پاکستان اگر ایسا ہی سازشی ہے تو سوال یہ ہے کہ وہ اپنے ملک کی غیر مسلم اقلیتوں کی عزت و ناموس کی حفاظت کیوں کرتا ہے؟ دراصل یہ بھارتی مسلمانوں کو صرف ان کے مسلمان ہونے کی سزا دی جا رہی ہے اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ کفر ہمیشہ تنگ نظر، سفاک اور ظالم رہا ہے، گاندھی ازم کے پرستاروں نے بھارت میں جو خونی ڈرامہ کھیلا یورپ و امریکہ کے مہذب درندوں نے ویٹ نام وغیرہ میں جو کچھ کیا اور سوشلزم کے نقیبوں نے سمرقند و بخارا اور دوسرے سوشلسٹ ممالک میں جو کارنامے انجام دیئے یہ کفر کی طبعی افتاد ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ کفر کے پاس امن عالم اور انسانی سلامتی کے لئے کچھ نہیں، صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے جو عالم کے لئے پیغام رحمت اور انسانیت کے لئے مژدہ امن و سلامتی ہے۔ چنانچہ پاکستان میں تمام غیر مسلم اقلیتوں کا نہ صرف جان و مال محفوظ ہے بلکہ ان کی مادی ترقی اور آسودہ حالی قابل دید ہے اور تقریباً یہی حال تمام ممالک اسلامیہ کی غیر مسلم اقلیتوں کا ہے وہ کفر تھا اور یہ اسلام ہے:

ببین تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

جمعیۃ علماء اسلام اور اس کا منشور

جمعیت علمائے اسلام کی مرکزی مجلس عمومی نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۸/ستمبر ۱۹۶۹ء (بمقام سرگودھا) میں اتفاق رائے سے جمعیت کا جو منشور منظور کیا ہے اس کا خلاصہ اخبارات میں اور پورا متن ہفت روزہ ترجمان اسلام (۱۰/اکتوبر ۶۹ء) میں شائع ہو چکا ہے اجلاس میں پاکستان کے دونوں حصوں سے ممتاز شخصیتیں شامل ہوئیں جن میں اکثریت علماء کرام کی تھی۔

منشور کی دفعات وعنوانات میں بڑی حد تک جامعیت کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، نظام حکومت کی توضیح پر ۱۴/دفعات ہیں، ۷/دفعات محکمہ احتساب شرعی کے قیام اور اس کے فرائض کی تعیین پر ہیں، تعلیم کے ۲۶/نکات میں قریب قریب وہ تمام تجاویز آ گئی ہیں جو نئی تعلیمی پالیسی کے سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور راقم الحروف کے زیر انتظام کراچی کے علماء کی تعلیمی جائزہ کمیٹی نے متفقہ طور پر پیش کی تھیں، معاش و اقتصاد اور تجارت سے متعلقہ نکات میں اعتدال پسندی سے کام لیا گیا ہے، صنعتوں اور کارخانوں کے سلسلہ میں موجودہ فتنوں کے پیش نظر جدید مشکلات کی رعایت کی گئی ہے، زراعتی پالیسی پر ۱۷/دفعات ہیں، مسئلہ مزارعت میں صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے مفتی بہ قول کو لیا گیا ہے اور ناگزیر حالات میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور ائمہ کے قول کی روشنی میں ''بٹائی'' کے بجائے اجارہ (ٹھیکہ) کے اصول کو تسلیم کیا گیا ہے اور حتی الامکان تجدید ملکیت کے نظریہ سے

احتراز کیا گیا ہے، آخر میں اس بات کی تصریح کر دی گئی ہے کہ منشور ہذا کی دفعات میں قرآن وسنت کی نصوص اور ملک وملت کے مفاد کے تحت ترمیم وتبدیلی اور کمی بیشی کی تجاویز پر غور کیا جا سکتا ہے، منشور کا سب سے اہم جزء وہ بائیس نکات ہیں جنہیں ۱۹۵۳ء میں حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کے زیر اہتمام ملک کے جید علماء کی ''مجلس منتخبہ'' نے بالاتفاق منظور کیا تھا، یہ متفقہ بائیس نکاتی مسودہ پاکستان کی ملت اسلامیہ کے اتحاد و اتفاق کا سنگ بنیاد ہے، اس مجلس منتخبہ میں ملک کے تمام فرقوں کے نمائندے اور ممتاز ترین علمی دینی اور سیاسی و مذہبی شخصیتیں شامل تھیں (جناب مولانا مودودی صاحب خود بھی اس میں شامل تھے جو آج جمعیۃ علمائے اسلام سے سیاسی انتقام لینے کے لئے ان نکات سے انحراف کرتے ہوئے خود اپنے بنے ہوئے کو ادھیڑنا چاہتے ہیں "کالّتی نقضت غزلها من بعد قوة انکاثاً" جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اتحاد ملت کی جو بنیاد ایک دفعہ رکھی جا چکی ہے اسے بھی اکھاڑ پھینکا جائے اور ملت کو ہمیشہ کے لئے انتشار وافتراق کی نذر کر دیا جائے۔

بہرحال کہنا یہ ہے کہ منشور بحالات موجودہ بڑی حد تک جامع بھی ہے اور قابل عمل بھی اور اس کا سب سے خوش آئند اور نمایاں پہلو یہ ہے کہ موجودہ مشکلات کو حل کرنے اور معاشرہ کی ہمہ جہتی کجی کو سیدھا کرنے کے لئے قدم قدم پر قرآن وسنت کی نصوص اور اسلامی اصول کو سامنے رکھا گیا ہے اور ہر ایسی تجویز کا خیر مقدم کیا گیا ہے جو قرآن کی روشنی میں ملک وملت کے لئے مفید تر ہو اور یہ قرارداد منظور کی گئی ہے کہ اگر لیبر پارٹی اس اسلامی منشور کو تسلیم کر لے تو معاہدہ کی توثیق کی جاتی ہے۔

جمعیت کے زعماء کے بارے میں جو غلط فہمیاں تھیں اور انہیں سوشلسٹ ہونے کا جو طعنہ دیا جاتا تھا اس منشور کے بعد اسے ختم ہو جانا چاہیے البتہ لیبر لیڈروں کا یہ فرض ہے کہ وہ اس اسلامی منشور کی منظوری کا صاف اعلان کریں اور اگر ان کی طرف سے ان کی موافقت کا اعلان نہ ہو تو جمعیۃ کو اعلان کرنا چاہیے کہ ان کی شرط کے مطابق معاہدہ باقی نہیں رہا یہ معاملہ صاف ہو جانا چاہیے تاکہ شقاق وافتراق کا دروازہ آئندہ کے لئے کھلا نہ رہے۔

کتاب ''آدمیت کی کہانی'' اور جامعہ اسلامیہ بہاول پور

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

ہفت روزہ چٹان لاہور (۲۰/اکتوبر ۶۹ء) میں کسی انگریز مصنف ہنڈرک واں لون کی کتاب ''آدمیت کی کہانی'' (THE STORY OF MANKIND) کے اقتباس شائع ہوئے ہیں جن میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر نہایت سفیہانہ انداز میں جگر شگاف حملے کئے گئے ہیں، چٹان نے لکھا ہے کہ یہ کتاب محکمۂ اوقاف کے سرکاری ادارہ جامعہ اسلامیہ بہاول پور کے تخصص فی التاریخ کے نصاب میں شامل ہے۔

پاکستان کے صدر محترم جناب جنرل محمد یحیٰی خاں کئی بار اعلان کر چکے ہیں کہ ''اسلام اور نظریہ پاکستان

کے خلاف کوئی چیز برداشت نہیں کی جاسکتی" ادھر وزارت تعلیم کی طرف سے اطمینان دلایا جاتا ہے کہ نئی تعلیمی پالیسی کے ذریعہ ملک کے نظام تعلیم کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جائے گا۔

ہمارے نزدیک ایسی گندی کتاب کو پاکستان میں داخلہ کی اجازت دینا نہ صرف حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم سے توہین آمیز بے وفائی ہے بلکہ اسلام کی عزت و ناموس اور اسلامیان پاکستان کی حمیت و غیرت کے خلاف کھلا چیلنج ہے۔

سوال یہ ہے کہ پاکستان میں یہ کتاب کس نے درآمد کی؟ محکمہ اطلاعات ونشریات نے کیوں اس کا نوٹس نہیں لیا؟ محکمہ تعلیم نے اس کی منظوری کیسے دی؟ اوقات کے ناظم اعلیٰ مسٹر مسعود جو ائمہ مساجد کو اردو نماز اور ایک آنہ اجرت پر مرغیوں کے ٹیکے لگانے کی تربیت کا اعلان بڑے دینی جذبے سے فرمایا کرتے ہیں وہ اس کتاب کے مندرجات سے کیوں جاہل رہے؟ جامعہ کے پرنسپل مولانا نورالحق الندوی الازہری اور جامعہ کی انتظامیہ اور تعلیمی کمیٹی نے اس نجس کتاب سے اپنی دامن آلودگی کو کس حوصلہ سے برداشت کرلیا؟ سارا قضیہ کسی گہری اور ناپاک سازش کا پتہ دیتا ہے۔

ہم ارباب اقتدار سے گذارش کرتے ہیں کہ اس کتاب کو فوراً جامعہ کے نصاب سے خارج اور ملک میں اس کا داخلہ ممنوع قرار دیا جائے، نیز جن افراد کی ملی بھگت نے اس کتاب کے ذریعہ اسلامیان پاکستان کی دینی غیرت کو للکارا ہے ان کا محاسبہ کیا جائے اور انہیں عبرت ناک سزائیں دی جائیں، جو ملک اللہ و رسول کے نام پر کلمہ طیبہ کے نعروں سے حاصل کیا گیا تھا اور جس کے لئے قرآن مجید ہاتھ میں لے لے کر اسلام کا واسطہ دیا گیا اور جس کے لئے مسلمانوں نے جان و مال ہی نہیں عزت و ناموس تک کو قربان کرڈالا اور احمد آباد وغیرہ میں ابھی تک یہ قربانی دی جارہی ہے کتنی شرم کی بات ہے کہ آج اسی پاک ملک میں اللہ و رسول کے نام کی تحقیر، کلمہ طیبہ کی بے حرمتی، قرآن مجید کی سوختنی اور اسلام کی پامالی کے لئے سازشوں کے جال پھیلائے جارہے ہیں اور اس سے بڑھ کر ڈوب مرنے کی بات یہ ہے کہ محکمۂ اوقاف کے زیر سایہ اللہ و رسول کے نام پر پلنے والی دینی درسگاہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرکے اسلام اور پاکستان کا مذاق اس طرح اڑایا جاتا ہے کیا یہی پاکستان ہے؟ کیا یونیورسٹی کا یہی اسلامی نظام تعلیم ہے؟ کیا محکمہ اوقاف کی یہی حسن کارکردگی ہے؟ کیا یہی جامعہ اسلامیہ بہاول پور کی لن ترانیاں ہیں؟

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ [الاحزاب:۵۷]

[رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ۔ نومبر ۱۹۶۹ء]

مسلمانوں کے تفرق، اختلاف وانتشار کے ظاہری وباطنی اسباب

آج کل پاکستان جس بحرانی دور سے گذر رہا ہے وہ انتہائی دردناک ہے اور شاید پاکستان کی ۲۴ رسالہ زندگی میں اتنا دردناک دور کبھی نہیں آیا ہوگا، ستمبر ۶۵ء میں بلا شبہ ایک ایسا نازک اور دردناک دور آیا تھا جس میں پاکستان کے وجود کے لئے خطرہ پیدا ہوگیا تھا اور مکار دشمن نے اس شدت سے حملہ کیا کہ پاکستان صفحۂ وجود ہی سے مٹ جائے لیکن حق تعالیٰ نے محض فضل وکرم سے اس کے نتائج سے بچایا تمام ملک اور پوری قوم میں ایک غیبی لطیفہ کا ظہور ہوا، تمام امت میں ایمانی روح کی لہر دوڑ گئی اور اس کے نتیجے میں تصور سے بالاتر برکات اور نصرت الٰہی نازل ہوئی اور قوم وملک تباہی وبربادی سے بچ گئے، اس وقت ضرورت تھی کہ اس نئی روح کی حفاظت کی جاتی اور حق تعالیٰ کا صحیح شکر ادا کیا جاتا اگر یہ ہوتا تو حق تعالیٰ کا وعدہ ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ [ابراہیم: ۷] (اگر تم شکر کرو گے تو مزید انعامات دیں گے) پورا ہو جاتا، ملک قوی سے قوی تر ہو جاتا، قوم کو راحت وسکون کی زندگی میسر آتی اور اعدائے اسلام کے حوصلے پست ہو جاتے، لیکن افسوس صد افسوس! کہ ایسا نہیں کیا گیا بلکہ اس کے برعکس اس نئی روح کو فنا کرنے اور اس نئے خون کو پاکستان کے بدن سے جلد از جلد خارج کرنے کی کوشش کی گئی، یوں اس ملک کو تباہی وبربادی کے راستے پر ڈالا گیا، تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں، یہ ابھی کل کی تاریخ ہے جو دنیا کے سامنے ہے ہم نے خود اپنے ہاتھوں وہ حالات پیدا کئے جن کے نتائج بد ہمارے سامنے آ رہے ہیں، شدید خطرہ ہے کہ کہیں حق تعالیٰ کے دوسرے قانون ﴿وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾ [ابراہیم: ۷] اور اگر تم میری ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بہت سخت ہے) کا ظہور نہ ہو جائے۔

مسلمانوں کو اغیار سے کبھی اتنا نقصان نہیں ہوا جتنا اپنوں سے پہنچا، اسلامی ملکوں میں اغیار کی ریشہ دوانیاں ہمیشہ سے ہوتی رہی ہیں اور اب بھی ہو رہی ہیں مگر ان کے نتائج کبھی اتنے دردناک نہیں نکلے جس قدر کہ اپنوں کی غداریوں، خیانتوں اور حماقتوں سے ملک وملت کو ہلاکت وتباہی کے گڑھے میں گرنا پڑا، خلافت عباسیہ کی تباہی سے سلاطین مغلیہ کے زوال تک مسلمانوں کی یہی تاریخ ہے۔

مشرقی پاکستان میں جو نقشہ آج کل تیار ہو رہا ہے خاکم بدہن کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ سابق ناشکری کی سزا ہو، ظاہر ہے کہ جس مقصد کے لئے پاکستان کی ضرورت بتلائی گئی تھی اسے پورا نہیں کیا گیا، مقصد یہ تھا کہ آزاد قوم کی حیثیت سے ایک پاک سرزمین میں ایک باخدا قوم کی تشکیل کی جائے، آزادی کے ساتھ دین ودنیا کے نظام کو چلایا جائے پاکستانی قوم اپنی ذہنی اور ایمانی صلاحیتوں کے لحاظ سے ایک معیاری اور مثالی قوم ہو، جس میں تمام عالم اسلام کی قیادت کی اہلیت ہو اور اس خطۂ پاک میں خدا کے دین کو نافذ کر کے دنیا کو یہ بتایا جا سکے کہ موجودہ دور میں اسلام نہ صرف یہ کہ زندگی کی راہنمائی کر سکتا ہے بلکہ اسلام ہی وہ ضابطہ حیات اور دستور زندگی ہے جو انسانی مشکلات کا واحد حل ہے وغیرہ وغیرہ۔

لیکن جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ مخفی نہیں، تمام دعوے غلط ثابت ہوئے، تمام آرزوئیں خاک میں مل گئیں، اصل مقصد نگاہوں سے اوجھل ہو کر طاق نسیان کی زینت بن گیا اور ہمارے سامنے صرف ایک مسئلہ رہ گیا اور وہ ہے پیٹ کا مسئلہ، اس کو حل کرنے کے لئے بھی بدترین قسم کے نظام سرمایہ داری کا راستہ اختیار کیا گیا، معیار ترقی کے خبط میں ظلم واستحصال کی آخری حدود کو چھولیا گیا، سود، قمار، سٹہ، لاٹری اور بیمے کا گھن ملک کی عوامی معیشت کے تمام مغز کو چاٹ کر کھوکھلا کر گیا، غریبوں کی ضرورتوں کو پس پشت ڈالا گیا، بے حیائی وعریانی اور فواحش ومنکرات کا بازار خوب گرم ہوا، دین کے دشمنوں کو کھلی چھٹی ملی، اسلام کو دفن کرنے کی تدبیریں کی گئیں، محرمات کو حلال ثابت کرنے کے لئے لاکھوں کروڑوں کے مصارف سے ادارے قائم کئے گئے اور خدا کے دین کا نام ملائیت رکھ دیا گیا، الغرض وہ کون سی کسر ہے جو یہاں باقی چھوڑی گئی، سیاسی، اقتصادی، دینی، علمی، اخلاقی، سماجی ہر اعتبار سے قوم قعر مذلت میں گرتی چلی گئی، مگر قوم کے ناخداؤں کی آنکھیں نہ کھلیں، انا للہ۔

بالآخر یہ حقائق رنگ لائے اور ان کے بدترین نتائج ہمارے سامنے آئے، آج جو سیاسی بحران نظر آرہا ہے، وطنی ولسانی عصبیتیں ابھر رہی ہیں، بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے، ایک ہی جسم کے اعضاء ایک دوسرے کے خلاف نفرت وبیزاری کے بھیانک مظاہرے کر رہے ہیں اور ملکِ پاک کا نازک آبگینہ چورا ہے میں ٹوٹ کر منتشر ذرات میں تحلیل ہوا چاہتا ہے، یہ سزا ہے خدا فراموشی کی، چنانچہ خدا فراموش قوم کے تمام خدوخال آج ایک ایک کر کے سامنے آرہے ہیں۔

ہماری ناقص رائے میں موجودہ حالات کے دو سبب ہیں، ایک ظاہری اور ایک باطنی ان دونوں کی طرف ہم نے اشارہ کر دیا۔

باطنی منشاء تو یہی کہ پاکستان کے اصل مقصد وجود کو نظر انداز کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت کی ناشکری کی گئی، عرصہ دراز سے مسلمانوں کی آزادی کی کوششیں جاری تھیں ۵۷ء اور اس کے بعد سے مختلف سیاسی تدبیریں کی گئیں، سنۃ اللہ یہ ہے کہ بغیر قربانی کے اتنی بڑی نعمت نہیں ملتی۔ بالآخر وہ قربانی بادل ناخواستہ دینی ہی پڑی لاکھوں جانیں ضائع ہوئیں، عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوئے، ہزاروں عصمتیں لٹیں، وطن چھوڑا، مال واسباب اور جائیداد لٹائی، ہجرت کرنی پڑی گویا وہی نقشہ تھا جو آل فرعون کا قرآن نے بیان کیا:

﴿كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ. وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ. وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فَاكِهِيْنَ﴾ [الدخان: ٢٥تا٢٧]

وہ لوگ کتنے ہی باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور عمدہ مکانات اور آرام کے سامان جن میں وہ خوش رہا کرتے تھے چھوڑ گئے۔

آخر اللہ تعالیٰ نے پاکستان کی شکل میں اس کا بدلہ دیا، سلطنت دی، دولت وثروت دی، عزت وراحت دی، دولتِ خداداد پاکستان کا وقار اونچا کیا اور اسے سربلندی عطا فرمائی، کارخانے، دوکانیں، انڈسٹریاں ملیں،

الغرض جو کچھ گیا تھا اس سے بڑھ کر دیا، آخر ان نعمتوں کا شکر ہی تو ادا کرنا تھا، تقویٰ وطہارت کی زندگی اختیار کرنی تھی، کتاب وسنت کا خدائی قانون نافذ کرنا تھا، اسلامی اخوت ومؤاسات کے رشتے قائم کرنے تھے، اسی سے تمام ملکی ولسانی اور قومی عصبیتیں ختم ہو جاتیں، بہرحال ایک باخدا قوم کے آثار ونشان قائم کرنے تھے اور دنیا سے زیادہ دین کی ترقی کی فکر کرنی تھی لیکن یہ سب کچھ نہ ہوا، نہ کیا۔

وہ تو اللہ تعالیٰ بھلا کرے قوم کے صالح افراد کا کہ حکومت کی سطح پر اگرچہ نہیں ہوا مگر قوم کے صالح اور دردمند لوگوں نے انفرادی تعاون سے ہزاروں مسجدیں بنائیں، سینکڑوں مدرسے چلائے، بہت سے ادارے قائم کئے، مسلمان بچوں کی دینی تعلیم کا انتظام کیا، جب جا کر اسلام کا کچھ نقشہ باقی رہا اور اللہ تعالیٰ کا عذاب ٹل گیا ورنہ عذاب الٰہی نہ معلوم کس شکل میں آتا لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا یہ دینی خدمت جو تھوڑی بہت ہوئی انفرادی شکل میں ہوئی مگر قومی اور حکومتی سطح پر آج تک کوئی قابل قدر کام نہ ہو سکا۔ ۲۳، ۲۴ رسال سے اسلامی دستور اور اسلامی قانون کے لفظی نعروں سے فضا گونج رہی ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ آج تک نہ اسلامی قانون کا انظ منت کش معنی ہوا، نہ اسلامی دستور کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکا، سنت اللہ کے مطابق جب کسی قوم سے اجتماعی جرم سرزد ہوتا ہے تو اس قوم پر باندازہ جرم اسی نوعیت کا اجتماعی وبال آتا ہے، یہ ہے اصل باطنی سبب اس شدید قسم کے سیاسی، لسانی، وطنی اور اقتصادی بحران کا جس نے پوری قوم کو موت وحیات کی کش مکش میں ڈال دیا ہے اور اس کا ظاہری سبب دراصل صالح، قوی، مخلص اور بیدار مغز قیادت کا فقدان ہے۔

اولاً...... ملک ہمیشہ سے اغیار اور دشمنان اسلام کی ریشہ دوانیوں کی آماجگاہ رہا الا ماشاء اللہ، ہر قیادت نے اپنے دینی وقومی اور مقامی وجغرافیائی تقاضوں سے زیادہ اغیار کے اشاروں پر عملدر آمد کو نشان سعادت مندی سمجھا، مفسد وشریر عناصر کو من مانی کرنے کی کھلی چھٹی دی گئی، ان کی اصلاح کرنے اور انہیں راہ راست پر لانے کی صحیح تدبیر نہیں کی گئی، صوبائی نظام کو توڑ کر پہلے وحدانی نظام (ون یونٹ) بنایا گیا، اسکے پس منظر میں بھی نہ اسلامی رشتہ اتحاد کو مضبوط کرنا تھا نہ اسلامی نظام کے اجراء کے لئے اچھی فضا پیدا کرنا بلکہ سیاسی اغراض ومقاصد کارفرما تھے، تاہم اس کی صورت اور اس کا ڈھانچہ شاید اسلام سے قریب تر تھا مگر اسے توڑ کر پھر وہی صوبائی نظام دوبارہ مسلط کر دیا گیا اور پٹھان، پنجابی، سندھی، بلوچی، بنگالی، مشرقی اور مغربی کی لعنت پھر سے مسلط کر دی گئی اور اسلامی وحدت پارہ پارہ ہو کر رہ گئی۔

ثانیاً...... شر پسند عناصر جو پہلے ہی سے بے قابو تھے، ان پر گرفت ڈھیلی کر دی گئی اس سے مفسدہ پرداز اور فتنہ انگیز عناصر کو بے گناہ شہریوں کی جان ومال اور عزت وآبرو سے کھیلنے کا موقع مل گیا اور مصنوعی نعروں کی آڑ میں اپنی ذاتی اغراض کی تکمیل نے قیادت کی کمزوری اور نفاق کو واضح کر دیا۔

ثالثاً...... سرمایہ داری اور دولت کی طغیانی نے غریب عوام کے لئے مشکلات کا پہاڑ کھڑا کر دیا، ہمارے

قائدین نے اس رستے ہوئے ناسور کا بروقت مداوا کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی، نہ انہیں پسماندہ اور مظلوم طبقوں کے مسائل حل کرنے کی طرف توجہ ہوئی، عوام میں اس سے ہیجانی کیفیت پیدا ہوئی اور کج ذہن عناصر کے جذباتی نعروں نے جلتی پر تیل کا کام دیا، ظلم و استحصال کی داستانیں کچھ ایسی لے میں سنائی گئیں کہ قوم ان کو خضر و مسیحا سمجھ بیٹھی، آخر ان حالات نے مجیب اور بھٹو کی شکل اختیار کر لی۔

''شامت اعمال ما صورت نادر گرفت''

''از ماست کہ بر ماست''

''خود کردہ را چہ علاج''

فرمان خداوندی ہے:

﴿وَ مَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَ یَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ﴾ [الشوری: ۳۰]

جو کچھ تمہیں پہنچ رہا ہے یہ خود تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت ہیں اور بہت کچھ تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔

مسلمانوں کے تفرق و انتشار کا باطنی و ظاہری علاج

مرض کی ٹھیک تشخیص کے بعد صحیح علاج ہو تو مریض کے جانبر ہونے کی امید کی جا سکتی ہے، باطنی مرض کا علاج تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے سابقہ زندگی سے توبہ کی جائے، انابت الی اللہ کا راستہ اختیار کیا جائے اور عہد کر لیا جائے کہ امن و سکون ہوتے ہی پہلی فرصت میں اسلام کا عادلانہ قانون نافذ کر دیا جائے گا اور صالح معاشرے کے قیام و تشکیل میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی جائے گی، حق تعالیٰ کو ناراض کر کے قوم کی رضامندی حاصل کرنے کی کوشش نہ کی جائے اور گڑگڑا کر حق تعالیٰ سے اپنے اعمال کی معافی مانگی جائے، خصوصیت کے ساتھ سورہ بقرہ کی آخری آیت میں جو دعا سکھائی گئی ہے: ''ربنا لا تؤاخذنا'' سے آخر آیت تک اسے ہر وقت اور ہر نماز کے بعد پڑھا جائے اور آخر میں آمین اور درود شریف پڑھیں۔

ظاہری علاج یہ ہے کہ نہایت تدبر و اخلاص کے ساتھ معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کی جائے اور غلط قوتیں جو ابھر آئی ہیں ان کی اصلاح کے لئے مناسب تدبیریں حزم و احتیاط اور ہوشمندی و دانائی کے ساتھ اختیار کی جائیں جو ''نہ سیخ جلے نہ کباب'' کا مصداق ہوں۔ یہ مختصر اور نا تمام اشارے ہیں جو سپرد قلم کئے گئے ہیں:

اندکے پیش تو گفتم حال دل ترسیدم
کہ آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

میں ایک عرصہ سے باہر تھا حرمین شریفین میں قریب ایک ماہ کے گذر گیا اور اس کے بعد ''المجلس

الاعلی للشئون الاسلامیة" کی دعوت پر قاہرہ چلا گیا، ایک ہفتہ مصر رہا اس طرح گویا ایک ماہ گذر گیا، جب یہاں سے حرمین شریفین کا سفر ہوتا ہے تو پاکستانی اور غیر پاکستانی تمام حالات سے بے خبر ہو جاتا ہوں، توجہ کا محور بدل جاتا ہے اور نقطۂ نگاہ وہاں کے مناسب زندگی ہوتی ہے، نہ یہاں کے اخبار پڑھتا ہوں اور نہ وہاں کے اخبار، نہ ریڈیو، نہ ٹیلیویژن، چلتے چلاتے کان میں کوئی بات پڑ گئی تو نا تمام علم ہو جاتا ہے، البتہ اپنے ملک سے قلبی تعلق کی بناء پر بالکلیہ بے تعلق بھی نہیں رہتا، وہاں کا جو کام ہے اسلام کے لئے اور مسلمانوں کے لئے دعائیں کرنا اور خصوصاً اپنے پاکستان اور صحیح قیادت اور صحیح نظام اسلام قائم کرنے کی دعائیں کرنا اس میں کوتاہی نہیں ہوتی۔

جب بارگاہ قدس کی حاضری نصیب ہوئی اور حق تعالیٰ کی دعوت پر جبکہ یہ رحمت و رضوان کی بارگاہ عالی، تجلیات رحمانی کا ضوفشاں ماحول میسر آئے تو چونکہ جس طرح ارحم الراحمین کی رحمت بے انتہا ہے اس طرح انسان اور انسانی ضروریات و حاجات و آرزؤں کی بھی کوئی حد نہیں، اس لئے سب کچھ مانگا جائے، خانہ کعبہ ہو یا ملتزم، مقام ابراہیم ہو یا میزاب رحمت، صفا ہو یا مروہ رحمت الٰہیہ کی تجلیات اور حریم قدس کی آیات بینات ہیں، امسال خصوصیت کے ساتھ عام دعائیں مسلمانوں اور پاکستان کے لئے اور تمام عالم اسلام کے لئے قدس و فلسطین کے لئے بہت کیں۔

ہر سال لاکھوں مسلمان عالم اسلام کے گوشے گوشے سے بارگاہ قدس میں جلوہ گر ہوتے ہیں، اور نور ایمان کی خصوصی ضوء فشانی کی نعمتیں تقسیم ہوتی ہیں، گویا یہ تمام عالم اسلام کے نمائندے پہنچ جاتے ہیں اگر ان کی اصلاح ہو جاتی اور واپس جا کر تمام عالم میں پھیل کر داعی الی اللہ بن جاتے تو کتنا بڑا انقلاب آجاتا، دنیا بدل جاتی، لیکن صدمہ اور افسوس ہے کہ جس طرح ہماری ہر عبادت سے روح نکل گئی ہے اسی طرح حج بیت اللہ کی برکات سے بھی پورا استفادہ نہیں ہوتا، اگر حدیث نبوی کے مطابق "من حج ولم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدته امه"(١) اس طرح صالح بن کر واپس لوٹتے تو کتنا عظیم تغیر زندگیوں میں آجاتا بہر حال کہنا یہ تھا کہ میں ایک عرصہ سے حالات سے بے خبر رہا ہوں اور اب بھی چنداں معلومات نہیں اور نہ معلوم میری یہ سطریں جب قارئین کے پاس پہنچیں گی تو سیاسی بحران کہاں تک پہنچ جائے اور اس کے نتیجے میں پاکستان کا کیا بنے گا؟ اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے، بہر حال اپنی معلومات اور بساط کے مطابق جو سمجھا تھا اور جو کچھ تجویز سمجھ میں آئی وہ عرض کر دی۔

حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ پاکستان کی حفاظت فرمائے اور ملک کو ٹکڑے کرنے سے بچائے اور دشمنان اسلام کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ فرمائے اور چند سفہاء قوم کے اعمال کے برے نتائج سے تمام ملت کو ہلاک نہ فرمائے دعا ہے:

ربنا لا تؤاخذنا بما فعل السفهاء منا ان هی الا فتنتك، ربنا لا تجعلنا

[illegible] ری، کتاب المناسك، باب فضل الحج المبرور، ج:١ ص:٢٠٦، ط: قدیمی.

فتنةً للقوم الظالمين ونجنا برحمتك من القوم الكافرين ، وصلى الله على صفوة البرية رحمة للعٰلمين محمد وعلى آله وصحبه وتابعيه اجمعين.

[صفر المظفر ۱۳۹۱ھ/اپریل ۱۹۷۱ء]

پاکستان میں فسادات - ان کا سبب اور علاج

گذشتہ چند ماہ میں جو ہنگامہ آرائی رہی ملک وملت کے سکون کا شیرازہ جس دردناک طریقے سے منتشر ہوا وہ پاکستان کی تاریخ کے خونچکاں صفحات ہیں، مسلمان کی جان ومال وآبرو غیر محفوظ تھی، خصوصاً مشرقی پاکستان میں جو روح فرسا واقعات پیش آئے ماضی قریب میں اس کی نظیر تاریخ میں نہ ہوگی، یہ سب کچھ ہوا اس ملک میں جو اسلام کے نام سے وجود میں آیا ہے اور اس ملک میں جس کی غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے اور جو کچھ کیا مسلمانوں نے اور جو کچھ ہوا مسلمانوں کے ساتھ، ان عبرت ناک واقعات نے ثابت کردیا کہ اس ملک میں مشکلات کے لئے جو حل تجویز کیا گیا تھا وہ صحیح نہ تھا، وہ تریاق نہ تھا، زہر تھا، جو نسخہ تجویز کیا گیا وہ صحیح نہ تھا اور جو کچھ رد عمل ہوا اور اس غلط نسخے کی تاثیر تھی جو اس ملک کے لئے اور اس قوم کے لئے غلط تجویز کیا گیا اس کے برے اثرات سے نہ راعی بچا، نہ رعیت، امیر وفقیر یکساں طور پر متاثر ہوئے:

﴿وَ مَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ﴾[الشوری:۳۰]

اور جو بھی مصیبت تم پر آتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے کاموں کی وجہ سے آتی ہے اور بہت کچھ تو اللہ (اپنے رحم وکرم سے) معاف کرتا رہتا ہے۔

آخر کب تک یہ غلط تجربات کئے جائیں گے اور کب تک ہم اعداء اسلام کے آلہ کار بنتے رہیں گے، اگر اس غفلت کی نیند سے آنکھیں نہیں کھولی گئیں تو خاکم بدہن تاریخ سے ہمارا نام مٹ جائے گا۔

یہ حسرت ناک انجام سب کے سامنے ہے، ارباب حکومت ہوں یا اہل ملک ارباب تجارت ہوں یا اصحاب زراعت، دکاندار ہوں یا پیشہ ور، کارخانہ دار ہوں یا مزدور، سب نے یہ تماشا دیکھ لیا، صدارتی نظام بھی آزمایا گیا اور نام نہاد جمہوری نظام بھی، برطانوی طریقہ حکومت کا تجربہ بھی کیا گیا اور امریکی طرز حکومت کا بھی، اب تمام ملک وملت کے لئے اسلام اور اسلامی آئین کا ایک ہی صراط مستقیم باقی رہ گیا ہے:

﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ [الانعام:۵۳]

اور بیشک یہ میرا سیدھا راستہ ہے پس تم اسی کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں کی پیروی مت کرو کہ وہ تم کو میرے راستہ سے منتشر کردیں گے۔

بلاشبہ اس وقت تمام عالم اسلام شدید ابتلا میں گرفتار ہے، عربی ممالک خصوصاً اعداء اسلام کی ریشہ دوانیوں کے مراکز بنے ہوئے ہیں، کہیں عربی قومیت کا بھوت سوار ہے، کہیں مال ودولت کی فراوانی سے قوم اپنی قیمت کھورہی ہے، کہیں عیش پروری وتن آسانی نے قوم کو تباہی کے گڑھے تک پہنچا دیا ہے، ظاہری اسباب کچھ بھی ہوں لیکن حقیقی سبب حق تعالیٰ کے قانون سے روگردانی ہے، غیر اسلامی آئین کا تسلط ہے، خدافراموش قوموں کی تہذیب وتمدن کی نقالی ہے، بازاروں میں، ہوٹلوں میں، سیرگاہوں میں، تفریح گاہوں میں، کلبوں میں بلکہ گھروں تک میں وہی عریانی کے روح فرسا مناظر ہیں، رقص وسرود کی محفلیں ہیں، قہوے خانے، شراب خانوں میں تبدیل ہوگئے ہیں، کون سی وہ لعنت ہے جسے یورپ کی تہذیب نے جنم دیا ہو اور عرب ملکوں میں موجود نہ ہو، کہیں اگر مذہب کا نام ہے تو وہاں مذہب کے نام پر وہ جہالت وہ قساوت وہ خشونت ہے کہ عقل حیران ہے، مذہبی حکومتوں کے بعض مشاہیر اہل علم نے آج بھی یہ فتویٰ لگایا ہے کہ جو شخص زمین کی کرویّت کا قائل ہو، یا زمین کو متحرک مانے وہ کافر ہے مرتد ہے اور واجب القتل ہے، اگر مذہب کا نام ہے تو اس جہل کے ساتھ ہے، ''تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم'' دردناک حیرت ہے کہ ان عقلوں پر کیسے پردے پڑ گئے۔

تمام عالم اسلام میں یہی آخری مملکت پاکستان کی تھی جہاں کے عوام میں دینی پختگی تھی، دینی خدمات کا جذبہ تھا مسجدیں، مدرسے، دینی ادارے، جمعیتیں سب کی رونق مسلمان قوم کی توجہ سے قائم تھی اور اربابِ دولت وحکومت سے بے نیاز ہوکر حفاظت دین کی خدمت انجام دیتے رہے، آخر دشمنان دین نے اپنی ریشہ دوانیوں سے یہاں بھی ڈائنامیٹ لگانے شروع کردیئے اب یہ قوم بھی بری طرح ان سازشوں کی شکار ہورہی ہے، سرمایہ دار سود خواروں کی سنگدلی نے کمیونزم وسوشلزم کے راستے ہموار کردیئے، بے عمل مسلمانوں کے طرز عمل نے اسلام کو بدنام کردیا، خودغرض ارباب دین کی حرکتوں نے علماء دین کی وقعت ختم کردی، ایک عجیب سیلاب ہے معلوم نہیں کہاں جاکر رکے گا، اللھم اھد قومی فانھم لایعلمون۔

یہ ہے اس وقت عبرت ناک احوال کا ایک ہلکا سا خاکہ ان حالات پر غور کرنے سے جو بات سمجھ میں آتی ہے رہنمایانِ ملت وقوم کے سامنے عرض کرنے کی جسارت کرتا ہوں:

① سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اصلاح معاشرے کی طرف ایک مہم کی صورت میں قدم اٹھایا جائے، اصلاح معاشرے سے میرا مقصد یہ ہے کہ اگر تمام قوم کا نہ ہو تو قوم کی اکثریت کا دعوت وتبلیغ کے ذریعہ دینی مزاج بنایا جائے، اعتقادی، عملی، اخلاقی ہر پہلو سے مسلمان بنانے کی کوشش ہو، تمام ملک میں دعوتی وتبلیغی وفود کی منظم طور پر حرکت ہو، جگہ جگہ مراکز بنائے جائیں، شہروں میں، بستیوں میں، آبادیوں میں اور ویرانوں میں تبلیغی وفود ''دعاۃ الی اللہ'' پہنچیں، سب کو نمازی بنانے کی کوشش کی جائے اور دلوں میں ایمان کی دبی ہوئی چنگاری سلگائی جائے۔

آج ملک میں معروف تبلیغی جماعت کے قافلے جو حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کے طریقہ پر گھر دل

سے نکل کر تمام دنیا میں پھیل گئے ہیں یہ تمام جماعتیں اپنی پوری طاقت کو اور تمام وفود اور قافلوں کو صرف پاکستان کے دونوں بازوؤں کے لئے وقف کر دیں اور جم کر کام کریں، یعنی کچھ عرصے کے لئے یہ منتشر طاقتیں جو یورپ وافریقہ کے ممالک میں پھیل رہی ہیں یہ پوری قوت کے ساتھ اور اس سے زیادہ بہتر تنظیم کے ساتھ اسی ملک میں کام کریں اور تمام مسلمان زیادہ سے زیادہ اس کام میں حصہ لیں، علما، طلبہ، تاجر، زراعت پیشہ، دکاندار، ملازم پیشہ غرض ہر طبقے کے لوگ زیادہ سے زیادہ شرکت کریں اور وقت دیں، ایک عالم گیر طریقے پر اور ایک مہم کے طور پاکستان کے گوشے گوشے میں پہنچ جائیں، بڑی بڑی بستیوں اور شہروں میں مستقل ڈیرے لگائے جائیں اور روزانہ مقررہ اوقات میں گشت کئے جائیں اور نظام وہی ہو جو تبلیغی جماعت کا ہے کہ دفتر وسیکریٹری وخازن کچھ نہ ہوں، اپنے جیب سے خرچ کریں یا پھر ان پر ایسے خرچ کرنے والے ہوں کہ ”لا تعلم شماله ما تنفق يمينه“ (کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا) کے مصداق ہوں، بہت قلیل عرصے میں انشاء اللہ حیرت انگیز آثار ظاہر ہوں گے۔

دیکھئے ماضی قریب میں ستمبر ۶۵ء میں جب ہندوستان کے ساتھ جہاد کی نوبت آئی تو کس محیر العقول انداز سے قوم کا مزاج دینی بن گیا تھا، مرد، عورتیں، بوڑھے، بچے، عوام وخواص سب ہی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، پھر کتنے حیرت انگیز طریقے سے حق تعالیٰ کی رحمت وقدرت کے معجزانہ کرشمے دیکھنے میں آئے، کیا کوئی باور کر سکتا تھا کہ یہی وہ خدا فراموش قوم تھی؟ مسجدیں نمازیوں سے بھر گئی تھیں، گھروں میں ذکر وتلاوت قرآن کی آوازیں گونجتی تھیں، ہائے افسوس! کہ اس صورت حال کو باقی رکھنے کی کوشش نہیں کی گئی، نہ صرف یہ بلکہ بہت ہی ظالمانہ انداز سے اس صورت حال کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی اور اس کے مبارک نقوش کو مٹانے کی پوری سعی کی گئی۔

بہرحال مایوسی اب بھی نہیں، ساٹھ فیصدی سے زیادہ قوم کا مزاج آج بھی دینی ہے اور زمین بھی نمناک ہے اور زرخیز، اگر تبلیغی اور دعوتی مہم چلائی جائے اور تھوڑے سے عرصے کے لئے پوری قوت کے ساتھ اس خدمت کو انجام دیا جائے تو بہت کچھ امید ہو سکتی ہے کہ اس کوشش وکاوش کے مبارک آثار خود بخود جمنے شروع ہو جائیں گے اور باہر کی جو طاقتیں مختلف ازموں کے نام سے تحریکیں اٹھا رہی ہیں وہ خود بخود اپنی موت مر جائیں گی، مگر ہونا یہ چاہیے کہ ہر وفد میں صالح ومخلص علماء موجود ہوں اور حکمت وموعظت کے اصول پر تربیت کریں، اگر کوئی عالم پورا وقت نہ دے سکے تو باری باری یکے بعد دیگرے علماء وطلبہ کی اس مہم کے لئے تنظیم کی جائے اور سب وقت لگائیں، یہ کام ان علماء کی رہنمائی میں زیادہ بہتر طریقے پر انجام پذیر ہوگا جو تبلیغی قافلوں کی سرکردگی ورہنمائی کرتے رہے ہیں، بہرحال تنظیم کے ساتھ اصلاح معاشرے کی پوری جدوجہد کی انتہائی ضرورت ہے۔

②دوسری تدبیر یہ ہے کہ ملک میں جو کام کرنے والی جماعتیں اور جمعیتیں ہیں جمعیت علماء اسلام ہو یا جمعیۃ علماء پاکستان، تنظیم اہل سنت ہو یا تحفظ ختم نبوت، احرار اسلام ہو یا جماعت اہل حدیث وغیرہ وغیرہ یہ تمام

جماعتیں تمام اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت کے لئے متحد ہو جائیں اور تمام امت کو صرف اسلام کے جھنڈے تلے جمع کریں اور ایسے طریقوں سے جدوجہد کا آغاز کریں کہ بہرصورت اس ملک میں اسلامی دستور کے تحت کتاب وسنت کے مطابق آئندہ قانون بنایا جائے ، ملک میں موجودہ سیاسی جماعتیں مسلم لیگ ، کونسل مسلم لیگ یا کنونشن لیگ اگر اس اسلامی علَم کے نیچے جمع ہو سکیں تو ان کو بھی موقع دیا جائے ، بقیہ سیاسی تنظیمات جس طرح چاہیں بعد میں یہ پروگرام طے کریں لیکن ملکی قانون کے اسلامی ہونے پر متحد ہوں ، مؤخرالذکر جماعتوں کے لئے بھی جو مستقبل میں خطرات لاحق ہیں ان سے بچنے اور دنیوی نجات کے لئے بھی بس یہی ایک راستہ رہ گیا ہے ورنہ خدانخواستہ اگر لادینی طاقتیں کامیاب ہوتی ہیں تو ظاہر ہے کہ ان جماعتوں کے لئے بھی سوائے اس کے کہ دین و دنیا دونوں کی تباہی ہو اور کوئی صورت نجات نہیں اگر دین سے عداوت نہیں ہے یا عداوت انتہاء کو نہیں پہنچی ہے تو دنیا کی خیر منانے کے لئے بھی دین ہی کی ضرورت ہوگی اور دین ہی کے دامن میں پناہ ملے گی ، دین ہی ایک ایسا مرکزی نقطہ ہے جس پر اسلامی ، دینی تمام جماعتیں متحد ہو سکتی ہیں ، گذشتہ ہنگاموں میں سیاسی اور فکری اضطراب انگیزی کے جو دردناک مناظر سامنے آئے کیا ان سے عبرت نہیں ہوگی ؟ اگر نجات آخرت مطلوب ہے تو اس کا راستہ بھی اسلام کا صراط مستقیم ہے اور اگر دنیا کی نجات مقصود ہے اور سکون قلب کی خواہش ہے تو اسلام ہی کے ذریعہ یہ نعمت بھی حاصل ہوگی ۔ خدا کا شکر ہے کہ دین پور شریف کے سجادہ نشین حضرت مولانا عبدالہادی کی مبارک کوششوں سے مسلمانوں کی تین جماعتیں جمعیۃ علماء اسلام ، مجلس تحفظ ختم نبوت ، تنظیم اہل سنت متحد ہو گئی ہیں اور چند ہی روز قبل ۲۵ / مارچ ۱۹۶۹ء کو مارشل لاء نافذ ہونے سے چند گھنٹہ قبل ملتان میں راقم الحروف کی موجودگی میں تینوں جماعتوں میں سے ایک ایک نمائندہ پر مشتمل ایک جماعت ''اسلامی مجلس'' کے نام سے وجود میں آ چکی ہے اور توقع ہے کہ مجلس احرار اسلام بھی اس میں شمولیت کرے گی ، اس مجلس کے لائحۂ عمل میں یہ چیز واضح کر دی گئی ہے کہ تمام اسلامی جماعتوں کو صرف اسلام کے نام پر متحد بنانے کی جدوجہد کی جائے اور سب مل کر آئینی طریقوں سے منزل مقصود تک پہنچنے کی کوشش کریں ۔ مولانا مفتی محمود صاحب اور مولانا محمد علی جالندھری صاحب اس مجلس کے ممتاز رکن ہیں ، مولانا محمد علی صاحب کو اس مجلس کا کنوینر بنایا گیا ہے ، اگر کسی جماعت میں ذرا بھی اخلاص وانصاف ہے تو اس جماعت کے ساتھ اتفاق واتحاد کا رابطہ قائم کر کے اس دینی محاذ کو مضبوط کرے گی ، خدا کا شکر ہے کہ موجودہ مارشل لاء کے عہد میں اس قسم کے پرسکون مقاصد کے لئے یہ خاموش فضا نہایت سازگار ہے ، اس طرح خدمت انجام دینے سے حکومت وقت کی بھی اعانت ہوگی ، آخر میں ہمیں موجودہ حکومت سے بھی یہ توقع ہے کہ ۶۲ء کے قانون میں سے کم ازکم عائلی قوانین کو جو اسلامی قانون اور کتاب وسنت کے سراسر خلاف ہے منسوخ کر کے مسلمانوں کو مطمئن کردے اگر ایسا ہوا تو مارشل لاء کے دور کا یہ مبارک ترین کارنامہ ہوگا ۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح سمجھ عطا فرما کر اپنی رحمت کاملہ سے صحیح توفیق عطا فرمائے اور امت

اسلام کے اس سفینہ کو جو منجدھار میں پھنس گیا ہے ساحل مقصود سے ہمکنار فرمائے۔

وصلی اللہ علی خیر خلقہ رحمۃ للعالمین وآلہ وصحبہ اجمعین

[صفر ۱۳۸۹ھ]

انحطاط وتنزل اور اس کے اسباب

متحدہ ہندوستان میں مسلمان ہی حکومت اور اقتدار اعلیٰ سے محروم ہوئے تھے اور اپنی نالائقیوں اور بد اعمالیوں کی پاداش میں وہی برطانوی استعماری ریشہ دوانیوں کا شکار ہوئے تھے اور اسلامی حکومت کی نعمت انہی سے چھینی گئی تھی۔

حق تعالیٰ کی صفات کمال میں سے ایک وصف یہ ہے کہ وہ "قائما بالقسط" ہے یعنی عدل پر قائم ہے، اس کے عدل کا تقاضا ہے کہ وہ جو نعمت کسی کو عطا کرتا ہے از خود اور بلا وجہ اس سے واپس نہیں لیتا، وہ کریم بھی ہے اور جواد بھی، اس کے جود و کرم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ دی ہوئی نعمت واپس نہیں لیتا، الا یہ کہ اس نعمت کی واپسی اور زوال کے اسباب و دواعی خود اس کی طرف۔ ۔ وجود میں آ جائیں، حق تعالیٰ شکور اور قدر شناس بھی ہے چنانچہ شکر نعمت۔ یعنی اس نعمت کے برمحل استعمال۔ پر مزید نعمتیں عطا فرماتا ہے، صبور بھی ہے اسی لئے ناشکریوں کی سزا میں جلدی نہیں کرتا اور بڑی حد تک ان ناشکریوں کو برداشت کرتا ہے۔

متحدہ ہندوستان کے آخری دور میں مسلمان امراء اور سلاطین کی ناسپاسی اور نااہلی کی ناگفتہ بہ داستانیں ارباب بصیرت پر مخفی نہیں ہیں، چنانچہ اگر کسی وقت شامت اعمال نے "نادر" کی صورت اختیار کی تھی تو آخر وہ وقت بھی آ گیا کہ وہ نعمت ہماری نااہلیت اور نالائقی کی بدولت بالکل ہی ہمارے ہاتھوں سے چھین لی گئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنی سازشوں اور دسیسہ کاریوں سے برطانوی استعمار کے لئے راستہ ہموار کر دیا اور مسلمان نہ صرف حکومت وسلطنت اور اقتدار اعلیٰ بلکہ آزادی سے بھی محروم ہو گئے، گویا اگر اس وقت شامت اعمال نے نادر کی صورت اختیار کی تھی تو اس وقت شامت اعمال نے کافر کی صورت اختیار کر لی۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ [الانفال: ۵۳]

یہ اس لئے کہ بیشک اللہ کی شان سے بعید ہے کہ وہ کسی قوم کو دی ہوئی نعمت کو بدلے (واپس لے) تا آنکہ وہ خود اپنی حالت کو بدل ڈالیں۔

اور اس وقت تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پورے عالم اسلام کو ہی خدا فراموشی اور ناسپاسی کی سخت ترین سزا مل رہی ہے، ذرا اس پچاس سال کی روداد پر غور کیجئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی سب ہی اسلامی حکومتوں کی چولیں

[illegible] دیکھئے! پہلی جنگ عظیم کے بعد خلافت عثمانیہ کا زوال شروع ہوا، جس حکومت اور جس قوم نے صدیوں اسلام کی خدمت کی تھی اور تمام یورپ اس کی سطوت و شوکت سے لرزہ براندام رہتا تھا مسلسل ناسپاسیوں اور نافرمانیوں کی پاداش میں اس کے ایسے حصے بخرے ہوئے کہ ایک حکومت سے تقریباً بائیس حکومتیں بن گئیں اور اس طرح اسلامی خلافت کو پارہ پارہ کر کے ملوکیت بلکہ طوائف الملوکی کا دروازہ کھول دیا گیا۔

اس کے تھوڑے عرصہ بعد ہی اس ناسپاسی اور نافرمانی کے نتیجہ میں وسط ایشیا کی قدیم ترین اسلامی حکومت مملکت بخارا و سمرقند، روسی حکومت کی دست درازیوں اور کمیونسٹوں کی خون آشامیوں سے موت کے گھاٹ اتار دی گئی اور اسلامی صناعی کے عظیم الشان شاہکار، عالی شان مسجدیں، خانقاہیں، مدارس و مکاتب اور تمام دینی معابد، شراب خانوں، قحبہ خانوں، رقص گاہوں، کلبوں، سینماؤں اور تھیٹروں میں تبدیل کر دیئے گئے، سرخ فوجوں کے گھوڑوں کے اصطبل بنا دیئے گئے ورنہ مسمار کر کے ان پر ہل چلا دیئے گئے، شاہ بخارا جناب عالی بھاگ کر افغانستان میں پناہ گزین ہو گیا لیکن ہزاروں لاکھوں علماء و صلحاء میں سے کچھ تو دردناک اور لرزہ خیز مظالم کا شکار ہوئے اور بری طرح قتل کر دیئے گئے اور کچھ وطن عزیز کو خیرباد کہہ کر بیک بینی و دو گوش ہجرت کر گئے، آج بھی سرزمین حرمین شریفین ان مہاجرین کے خاندانوں سے آباد ہے۔

غرض اسی شامت اعمال کے نتیجہ میں وہ علم و عرفان کی سرزمین اور خالص اسلامی خطہ جس سے امام بخاری و ترمذی و ابن ماجہ جیسے ہزاروں محدثین، عارفین، فقہاء اور علوم اسلامیہ کے وہ ائمہ جن کی نظیر پورے عالم اسلام میں نہیں ملتی پیدا ہوئے، آج وہاں خدا دشمن ملعون کمیونسٹ دندناتے پھرتے ہیں اور اس طرح یہ خالص اسلامی ملک، جہاں کسی غیر مسلم کا نام تک نہ تھا، اسلامی علوم اور اسلام کی نعمت سے یکسر محروم ہو گیا، اس پچاس سالہ دور انقلاب اور انتقام الٰہی کی تباہ کاریاں اسلامی ممالک تک ہی محدود نہیں رہیں، بلکہ کچھ ہی عرصہ بعد یورپ کی دوسری جنگ عظیم نے پورے یورپ کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا اور چند دنوں میں ہی یورپ کی دسیوں حکومتیں تباہ و برباد ہو گئیں، برطانیہ کی ''جنت'' انگلستان، جرمنی کی آتش فشاں بمباریوں سے جہنم زار بن گیا، پھر وہ یورپ کو تہ و بالا کر دینے والی زبردست طاقتیں بھی یعنی جرمنی اور ان کی حلیف حکومتیں بھی اس طرح پیوند خاک ہو گئیں کہ وہ ہٹلر، ہملر اور گوبلز جن کے ناموں سے دنیا لرزتی تھی ایسے بے نام و نشان ہو گئے کہ تاریخ کے اوراق کے علاوہ کہیں ان کا ذکر تک نہیں ملتا۔

الغرض اس پچاس سالہ دور انقلاب میں تمام عالم کو اپنی خدا ناشناسی، بدعملی اور ظلم و عدوان کی سزا مل گئی، برطانیہ عظمیٰ کی وہ حکومت جس میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا چند جزیروں میں سمٹ کر رہ گئی، ہندوستان جیسی سونے کی چڑیا انگریزوں کے ہاتھ سے نکل گئی۔

اسی اثناء میں مسلمانانِ ہندوستان کا عرق ندامت و انفعال اور آہ و بکا، استخلاص ملک و ملت کی تدبیریں

اور قربانیاں رنگ لائیں اور مالک الملک کی رحیمی و کریمی نے اسلام کے نام لیوا مسلمانوں کو بطور امتحان ملک کا ایک خطہ پاکستان کے نام سے دوبارہ عطا فرما دیا: "لینظر کیف تعملون"۔

تا کہ دیکھیں اب تم کیا کرتے ہو۔

اب اس کا آپ خود فیصلہ کیجئے کہ یہ مسلمان اور پاکستان کے حکمران اس امتحان میں کہاں تک کامیاب ہوئے۔

ایک ملک اسلام کے نام پر مانگا گیا، اس ملک میں اسلامی قوانین نافذ کرنے کی غرض سے تمام جانی و مالی نقصانات اور حوادث و آلام برداشت کئے گئے کہ اس خداداد مملکت پر پھر ایک دفعہ اسلام کا جھنڈا لہرائے گا نہ صرف یہ کہ اس پاک سرزمین میں اسلامی شریعت کے قوانین نافذ ہوں گے بلکہ یہ مثالی اسلامی حکومت تمام عالم اسلام کو بھولا ہوا سبق یاد دلائے گی اور پاکستان سے لے کر ترکی اور مراکش تک یہ اسلامی حکومت مسلمانوں کی قیادت کرے گی، اسلام کا جھنڈا اس کے ہاتھ میں ہوگا، طاقتوروں کی چیرہ دستیاں کمزوروں پر، مالداروں کی دراز دستیاں غریبوں پر مٹا دی جائیں گی، استحصال اور ظلم وعدوان کے جابرانہ اور سرمایہ دارانہ سیاہ قوانین یکسر ختم کر دیئے جائیں گے، وہ اسلامی شریعت کے عادلانہ قوانین نافذ ہوں گے جن کے ذریعہ مظلوموں کی دادرسی ہوگی۔

زنا کاری اور شراب نوشی کے اڈے ختم کر دیئے جائیں گے، بے حیائی و عریانی اور فواحش و منکرات کی نجاست سے اس پاک سرزمین کو پاک و صاف رکھا جائے گا، چوروں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے، زنا کاروں کو سنگسار کیا جائے گا یا کوڑے لگائے جائیں گے، ڈاکوؤں کو سرِ راہ سولی پر لٹکایا جائے گا، قصاص، دیت کا عادلانہ نظام قائم کر کے جان و مال کی حفاظت کی جائے گی، فقر و افلاس کا ملک سے خاتمہ کر دیا جائے گا، کوئی متنفس خوراک ولباس سے محروم نہ رہے گا، کوئی غریب بے روزگار نہ رہے گا، سرمایہ دارانہ معاشی نظام سود اور سودی کاروبار اور بینکاری سسٹم جس کے ذریعہ ملک کی دولت چند افراد یا خاندانوں میں سمٹ آتی ہے اور غریب غریب سے غریب تر اور امیر امیر سے امیر تر ہوتا چلا جاتا ہے اور ملک معاشی بحران کا شکار ہو جاتا ہے اور غیر متوازن معاشرہ کو جنم دیتا ہے یکسر ختم کر کے اس کی جگہ اسلام کا وہ عادلانہ معاشی نظام جاری کیا جائے گا جس کے ذریعہ دولت کی گردش برابر جاری رہتی ہے، طبقاتی امتیازات کے ساتھ ساتھ ملک کا ہر طبقہ رفاہیت و خوشحالی سے زیادہ سے زیادہ بہرہ یاب ہوتا رہتا ہے اور کمیونزم و سوشلزم کے سیلاب کو روکنے کے لئے سدِ سکندری کا کام دیتا ہے۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان کی بائیس سالہ سرگزشت نے ثابت کر دیا کہ یہ تمام دعوے جھوٹے تھے، تمام نعرے سیاسی ڈھونگ تھے، اسلام کی شیدائی سادہ لوح قوم کو یہ سبز باغ دکھا کر چند خود غرض افراد اور جماعتوں نے عوام کو اپنا آلۂ کار بنایا تھا، نہ اسلام کو سربلند کرنے کی نیت تھی نہ اسلامی قوانین نافذ کرنے کا ارادہ تھا بلکہ مٹھی بھر دولت مندوں اور ان کے سرپرست حکمرانوں نے بے خوف و خطرہ اور بے شرکت غیرے معاشی

لوٹ کھسوٹ اور استحصال کی غرض سے یہ ملک حاصل کیا تھا اسی لئے اس بائیس سال کے عرصہ میں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوا، اور تو اور ملک سے اسلامی خدوخال بھی مٹنے لگے، علانیہ کتاب وسنت کے خلاف قوانین بنائے اور نافذ کئے گئے، سود اور شراب جیسی گندی چیزوں کو حلال اور جائز ثابت کرنے کی کوششیں کی گئیں اس وقت جو سرخ سیلاب آ رہا ہے اور سوشلزم کے جو ٹھوس نعرے لگ رہے ہیں درحقیقت یہ ردعمل ہے اس غیر اسلامی نظام معیشت ومعاشرت اور کافرانہ زندگی اختیار کرنے کا، سزا ہے ان جھوٹے وعدوں اور پرفریب نعروں کی، خصوصاً غلام محمد، سکندر مرزا اور ایوب خاں کے دور حکومت میں تو کون سی چیز ہے اسلام کی جو باقی رکھی گئی ہو، قوم ان غیر اسلامی حکومتوں کے دور میں سرتاسر اس خدا فراموش زندگی اور حلال وحرام کی پروا کئے بغیر ہوس زراندوزی کی لعنت میں گرفتار ہو چکی ہے، جس کا چند سال پیشتر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا یہ بھیانک صورت حال سزا ہے ملک میں اسلامی قوانین نافذ نہ کرنے کی، صدائے بازگشت ہے شرعی محاکم عدلیہ قائم نہ کرنے کی۔

آخر جب ملک کو معاشی بحران کے شعلوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تو موجودہ مارشل لاء حکومت قائم ہوئی اور ملک کو فوری تباہی کے خطرے سے بچایا اس فوجی حکومت کے طریق کار سے کچھ توقعات قائم ہوئی ہیں، اس مارشل لاء حکومت نے بالغ رائے دہی کے اصول پر آزادانہ انتخابات کرانے کا اعلان بھی کیا ہے، انتظامات بھی کر رہی ہے، اسی لئے اب پھر اسلام اسلام کے نعرے لگائے جا رہے ہیں، مردہ سیاسی پارٹیاں دوبارہ زندہ ہو رہی ہیں، مردہ اور زندہ تمام سیاسی لیڈر جن کے سیاہ کارناموں سے ملک کا بچہ بچہ واقف ہے۔ پھر عوام کو اسلامی قوانین نافذ کرنے کے وعدوں کا سبز باغ دکھا رہے ہیں، حتیٰ کہ بعض خالص کمیونسٹ اور سوشلسٹ پارٹیاں بھی سوشلزم پر اسلام کا لیبل لگا کر اسلامی سوشلزم کے نعرے لگا رہی ہیں، ہر پارٹی اور اس کا لیڈر اسلام اور پاکستان کا وفادار اور فدائی ہونے کا مضحکہ خیز دعویٰ کر رہا ہے حالانکہ اس کی سوشل زندگی برملا اس دعوے کی تردید کر رہی ہے، نہ اس کی صورت اسلام کے معیار کے مطابق اسلامی ہے، نہ سیرت، نہ اس کے اخلاق واطوار اسلام کے معیار پر اسلامی ہیں، نہ کردار اسلامی، ایسے وقت میں تو علماء کی تمام جماعتوں اور جمعیتوں کا فرض منصبی تھا کہ ان سیاسی ہنگاموں سے الگ تھلگ رہ کر حقیقی معنی میں اسلامی حکومت قائم کرنے کی ٹھوس تدبیروں میں مصروف ومنہمک ہو جاتیں لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وہ بھی سیاسی خارزار میں پھنس کر افتراق وانتشار کا شکار ہو چکی ہیں۔

اس تمام غوغا آرائی اور طوفان بدتمیزی میں صرف ایک ہی چیز انتہائی خوشی کی ہے اور وہ یہ کہ الحمد للہ مجموعی طور پر پاکستانی قوم اور پاکستانی عوام کی اکثریت واقعی مسلمان ہے اور اسلام کے نام پر سب کچھ قربان کر دینے کے لئے بے قرار ہے، اسی لئے ہر پارٹی اور ہر جماعت صرف عوام کے ووٹ حاصل کرنے کی غرض سے۔ خواہی نخواہی یہ دعویٰ کرنے پر مجبور ہے کہ ہمیں تجربہ کا موقع دیجئے، ہم پہلی فرصت میں اسلامی قوانین نافذ کر دیں گے اور اگر ہماری جماعت برسر اقتدار آ گئی تو اسلام اور مسلمان دونوں کا بھلا ہو گا، حالانکہ سب جانتے اور برملا کہتے

ہیں: ''یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں''۔

بہر حال تصویر کا یہ رخ انتہائی امید افزا ہے کہ بائیس سالہ دور عیش و عشرت اور ہمہ گیر فسق و فجور میں بھی اسلام ختم نہیں ہوا ہے اور مسلمانوں کے دلوں سے اسلام کی محبت نہیں نکلی ہے اسلامی قوانین ملک میں نافذ کرنے کے لئے زمین تیار ہے صرف تخم ریزی کی دیر ہے۔

لیکن تصویر کا دوسرا رخ انتہائی یاس انگیز ہے کہ غیر سوشلسٹ سیاسی اور دینی جماعتوں میں بھی شدید اختلاف و انتشار ہے، نہ صرف یہ بلکہ اختلاف رائے دلوں کے اختلاف اور شقاق و افتراق تک پہنچ چکا ہے اور فتوے بازی تک کی نوبت آ گئی ہے، افسوس! ان بے محل فتووں نے برمحل فتاویٰ کی قدر و قیمت کو بھی کم کر دیا، کون نہیں جانتا کہ وہ کمیونزم اور سوشلزم جس کو مارکس و لینن یا ماوزے تنگ جیسے خدا دشمن، اعداء اسلام نے اختراع کیا ہے جس کی بنیاد ہی حق تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کے وجود کے انکار پر رکھی گئی ہے، وہ کفر صریح ہے اور کون نہیں جانتا کہ قوم کے بعض لیڈر جو برملا عوام کو ہر قسم کی تباہ کاریوں قتل و غارت، آتش زنی، گھیراؤ، لوٹ کھسوٹ پر اکسا رہے ہیں وہ باہر کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں، وہ اعلیٰ درجہ کے خود غرض اور اقتدار پرست ہیں ان کی شخصی اور عملی زندگی اس کا روشن ثبوت ہے۔

بہر حال اس ہنگامہ آرائی کے پیش نظر شدید خطرہ ہے کہ کہیں اس اختلاف و انتشار ہی کو ملک میں اسلامی قوانین نافذ نہ کرنے کا بہانہ بنا لیا جائے۔

بظاہر یہ آخری موقع ہے کہ رائے عامہ کے متفقہ مطالبہ کے تحت اسلامی قانون کو مملکت کا قانون بنایا جا سکتا ہے، لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ اہل حق کی تمام جماعتیں صدق دل سے اس مقصد پر متفق اور شانہ بشانہ متحد ہو کر اپنی تمام تر قوتوں اور توانائیوں کو اسی مرکزی نقطہ پر صرف کریں اور اس جہاد عظیم کی راہ میں اپنے تمام شخصی اور جماعتی اغراض و مقاصد کو قربان کر دیں۔

مارشل لاء حکومت کے حکمرانوں اور کار پردازوں کے سینوں میں بھی اگر ایمان و اخلاص ہو اور واقعی وہ ملک میں اسلامی قانون نافذ کرنے کی تڑپ رکھتے ہوں تو جس طرح انہوں نے جرأت کے ساتھ بالغ رائے دہی کے اصول پر انتخابات کرانے کا اعلان کیا ہے اسی طرح وہ پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کا اعلان بھی کر سکتے ہیں اور جس طرح انہوں نے ون یونٹ توڑ کر سابقہ صوبے عملی طور پر بحال کر دیئے ہیں اسی طرح ملک کی تمام عدالتوں میں فوری طور پر اسلامی قانون کے مطابق فیصلے کرنے کے احکامات بھی جاری کر سکتے ہیں، اس لئے کہ بالغ رائے دہی کے اصول پر انتخابات کرانے کے مطالبہ کی بہ نسبت بدرجہا زیادہ یقینی قوم کا متفقہ مطالبہ ملک میں اسلامی قوانین نافذ کرنے کا مطالبہ ہے، پاکستان کا کوئی ایک فرد یا جماعت بھی اس مطالبہ سے اختلاف نہیں کر سکتا ''ون یونٹ'' توڑنے نہ توڑنے کے بارے میں تو تھوڑا بہت اختلاف رائے تھا بھی، اسلامی قانون ملک میں نافذ کرنے

کے بارے میں تو برائے نام بھی اختلاف نہیں ہے، آخر قانون سازی کے پانچ بنیادی اصول بھی تو خود مارشل لاء حکومت نے تجویز کئے ہیں، فوجداری اور دیوانی عدالتوں میں اسلامی قوانین کے مطابق مقدمات کے فیصلے کرنے کا بنیادی اصول بھی مارشل لاء حکومت طے کرسکتی ہے، یقین مانئے ایک متنفس بھی اس کے خلاف احتجاج نہیں کریگا۔

اسلامی قانون بنابنایا موجود ہے، اول تو اردو، انگریزی دونوں زبانوں میں فقہ اور قضا سے متعلق فقہی کتابوں کے ترجمے ہو چکے ہیں، زیادہ سے زیادہ جدید قانونی سانچوں میں ڈھالنے اور عدالتوں کے حکام کو ٹرینڈ کرنے کا سوال پیدا ہوگا اس کام کے لئے بیشک وقت درکار ہے، سو اس کام کو تو اپنی جگہ جاری رکھا جائے فوری طور پر اس مقصد کے لئے تمام فوجداری اور دیوانی عدالتوں میں مذہبی مشیر کے نام سے ایک ایک فقیہ عالم کا تقرر کردیا جائے، عدالتیں ہر معاملہ میں شرعی حکم اس عالم سے معلوم کر کے فیصلے کرنے شروع کر دیں، ہر مکتب فکر کے شخصی قوانین (پرسنل لاء) بھی مرتب ومدون موجود ہیں، وہ بآسانی ان پر نافذ کئے جا سکتے ہیں، لہذا نہ شیعہ سنی کا سوال پیدا ہوگا، نہ اس ملک میں حنفی، شافعی کا سوال پیدا ہوگا، اس لئے کہ ملک کی غالب اکثریت حنفی مسلک کی پیرو ہے، برطانوی حکومت کے ابتدائی دور میں عدالتوں میں یہ طریق کار کافی عرصہ تک جاری رہا ہے۔

چند روز کی بات ہے کہ ایک باوقار سنجیدہ اور مخلصانہ اجتماع میں چیف جسٹس مسٹر حمود الرحمن صاحب کی خدمت میں راقم الحروف نے اسلامی قانون کے فوری طور پر نفاذ کی یہ صورت پیش کی تھی موصوف استبعاد کے سوا اس کے خلاف کچھ نہ فرما سکے۔

بہر حال اگر نیت صحیح ہو تو اسلامی قوانین کے نفاذ کی فوری طور پر تشکیل بھی کچھ مشکل نہیں، مارشل لاء حکومت اتنے کہ انتخابات ہوں اور قانون ساز اسمبلی ۲۰ ردن میں قانون کا مسودہ تیار کرے، اس صورت کا تجربہ کر کے دیکھ لے اور دنیا کو دکھا دے، باقی نہ کرنے کے سو بہانے ہیں۔ حق تعالیٰ اخلاص، فہم صحیح اور ایمانی جرأت عطا فرمائیں اور عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں، آمین۔

[ربیع الاول ۱۳۹۰ھ - مئی ۱۹۷۰ء]

انتخابات

خدا خدا کر کے پاکستان کی تاریخ میں وہ دن بھی آگیا کہ اس ملک کی صدارت کے لئے انتخاب ہوا اور جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کسی درجہ میں تو اسم با مسمیٰ جمہوریہ ہوا، اگر چہ یہ انتخاب جمہوریت کو محدود کر کے صرف بنیادی جمہوریت کے ارکان کے دائرہ میں محدود کر دیا گیا ہے اور اس بنیادی جمہوریت کے نظام کو انگلستان میں آزمانے کے بعد ختم کر دیا گیا ہے اور اس کو حقیقی اور آزاد جمہوریت کے منافی قرار دیا جاچکا ہے، گویا مدعیان جمہوریت کے نزدیک بھی یہ ایک فرسودہ اور برائے نام نظام جمہوریت ہے، اسی لئے جدید نظام جمہوریت کے

پرستار اس نظام کہن سے بیزار ہو چکے ہیں اور خیر باد کہہ چکے ہیں۔

بہر حال ۱۹۶۵ء کا سال اس حیثیت سے پاکستان کی تاریخ میں ضرور اہمیت رکھتا ہے کہ اگست ۱۹۴۷ء سے چل کر ۱۹۶۵ء میں سترہ سال مسلسل چلنے کے بعد کسی نہ کسی درجہ میں جمہوریت کے دروازے پر تو پہنچا اور اس جہت سے موجودہ صدر مملکت کا یہ ایک کارنامہ سمجھنا چاہیے اگرچہ اس کا بے انتہا صدمہ ہے کہ اس برائے نام جمہوریت کی منزل تک پہنچنے میں بھی قوم کو بہت بڑی قربانی دینی پڑی ہے۔ وہ کون سا ظلم وعدوان ہے جو نہیں ہوا؟ کہاں کہاں حق وانصاف کا گلا نہیں دبایا گیا؟ کامیابی سے پہلے بھی اور کامیابی کے بعد بھی افسوس کہ یورپ وامریکہ کی نقالی بھی صحیح طور پر نہیں آئی، وہاں بھی ہزاروں لاکھوں نہیں کروڑوں افراد ووٹ ڈالتے ہیں مگر کسی کو خراش تک بھی نہیں آتی، کس ووٹر کی نکسیر تک بھی نہیں پھوٹتی، لیکن یہاں جبر واکراہ، فساد وخونریزی، قتل وغارت غرض کونسی بدعنوانی، بے رحمی اور بغض وعناد کا مظاہرہ ہے جو آپ نے اخبارات کے صفحات میں نہ پڑھا ہو، فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ ہے ہمارے اس ملک اور بدنصیب قوم کی جمہوریت۔

جب کسی قوم کا ستارہ اقبال غروب ہو جاتا ہے اور خدا کی بھیجی ہوئی عالمگیر رحمت سے وہ منہ موڑ لیتی ہے تو تاریخ عالم شاہد ہے کہ اس قوم کا ہمیشہ ایسا ہی حشر ہوا ہے، مسلمان ایک معاہد قوم ہے یعنی یہ قوم خدا اور رسول سے اسلام کے نام پر معاہدہ کر چکی ہے، معاہد قوم کی بدعہدی کبھی برداشت نہیں کی جاتی، فوراً سزا ملتی ہے اس کے برعکس کفار غیر معاہد قوم ہے وہ پہلے سے ہی باغی ہیں ان کو ڈھیل دینے کی غرض سے دنیا کی آسائشوں سے محروم نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ وہ آخرت کی نعمتوں سے کلی طور پر محروم ہیں۔

اسلامی قانون کا نفاذ

بہر صورت پہلا مرحلہ صدارت کا مسئلہ طے ہو گیا، اب دوسرا مرحلہ ملک میں اسلام اور قانون اسلامی کے بقا ونفاذ کا ہے۔ اسلام کی زبان میں اور شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں صرف اسی ملک کو اسلامی کہا جاتا ہے جس میں اسلامی قانون رائج ہو، محاکم شرعیہ عدلیہ قائم ہوں، کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کے مطابق احکامات نافذ ہوتے ہوں، غرض قانون الٰہی کا سایہ رحمت باشندگان ملک کے سروں پر سایہ فگن ہو اور رحمت خداوندی کا آفتاب عالمتاب اس ملک میں ضوفشاں ہو، اس لئے کہ رب العالمین کی صفت کمال ہی “قائما بالقسط” ہے اس کی اس صفت قسط وعدل کا ظہور اس کے قانون عدل وانصاف کے نفاذ کی صورت میں ہی ہو سکتا ہے تا کہ آخرت کے عدل وانصاف کا ایک ہلکا سا نمونہ دنیا میں ہی عبرت وموعظت کے لئے قائم رہے اور حقیقی دار الجزاء سے پہلے ہی نظام عالم کے تحفظ کے لئے دنیا میں بھی عدل الٰہی کی مظہر دادگاہیں قائم ہوں اور مجرموں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچایا جائے اور یہ عالم مادی صحیح معنی میں مظہر صفات الٰہیہ بن جائے۔

علاوہ ازیں کسی ملک ومملکت کے صحیح حسن و جمال اور اس کے حسن کے حقیقی خد وخال کا مظہر بھی یہی نظام عدل وداد ہوا کرتا ہے اس لئے کہ انسانی جان ومال اور انسانی آبرو ہی انسان کا سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ ہے کسی قانون کے کمال وخوبی کا آئینہ وہ عدالتی نظام ہی ہوتا ہے جس میں اس سرمایہ کے زیادہ سے زیادہ تحفظ کی ضمانت ہو، ایسے عدالتی نظام کا نفاذ واجراء اور اہالی ملک کا اس کے ثمرات سے کماحقہٗ بہرہ یاب ہونا ہی اس کی سب سے زیادہ قابل قدر نعمت ہے، جس ملک میں انسانوں کی جان ومال وآبرو محفوظ نہ ہوں وہ ملک جانوروں اور درندوں کا ملک تو ہوسکتا ہے انسانوں کا ملک ہرگز نہیں ہوسکتا۔

پیغمبر اسلام شارع اعظم علیہ الصلوۃ والسلام کے اس آخری اور تاریخی خطبہ کے چند کلمات طیبات جو آپ نے نبوت کے تیئیسویں سال من جانب اللہ تکمیل دین اسلام کا اعلان ہوجانے کے بعد حجۃ الوداع کے موقعہ پر عید الاضحیٰ کے دن وادی منیٰ میں کم وبیش ایک لاکھ انسانوں کے مجمع میں دیا تھا حسب ذیل ہیں:

”فان دماءکم واموالکم واعراضکم حرام علیکم کحرمة یومکم هذا فی شهرکم هذا فی بلدکم هذا“.(١)

بے شک تمہاری جان مال اور آبرو تم پر ایسی ہی حرام ہیں جیسے تمہارے اس شہر (سرزمین حرم) میں تمہارے اس ماہ (حرم) میں تمہارے اس (آج کے) دن کی حرمت (مسلم) ہے۔

یعنی جس طرح تمہارے ذہنوں میں اس شہر (مکہ) کا اس مہینہ (حرام) کا اور اس دن (یوم عید الاضحیٰ) کا احترام مسلم ہے، ٹھیک اسی طرح اللہ کے دین اسلام میں مسلمانوں کی جان ومال وآبرو کا احترام اور قدر وقیمت مسلم ہے اور جس طرح ان تینوں چیزوں کے احترام کی حفاظت کو تم اپنا فرض سمجھتے ہو بالکل اسی طرح مسلمان کے ان تین قیمتی سرمایوں کی حفاظت کو ہمیشہ اپنا فریضہ سمجھو، جیسے وہ اللہ کی امانتیں ہیں ایسے ہی یہ بھی اللہ کی امانتیں ہیں اور جیسے ان تینوں چیزوں کی حرمتوں کا توڑنا اللہ کی امانت میں خیانت ہے ایسے ہی مسلمانوں کے ان تینوں سرمایوں پر دست درازی اللہ کے دین میں خیانت ہے۔

مسلمانوں کی جان ومال وآبرو کے تحفظ کی اس ضمانت دینے کے بعد ارشاد فرمایا:

”الا فلیبلغ الشاهد الغائب“. [حوالہ سابقہ]

سن لو! جو شخص یہاں حاضر ہے اور یہ حکم سن چکا ہے اس کا فرض ہے کہ جو لوگ اس وقت موجود نہیں ہیں ان کو یعنی آنے والی نسلوں کو یہ پیغام پہنچادے۔

یہ ہے وہ آخری پیغام جو پیغمبر اسلام علیہ الصلاۃ والسلام نے رہتی دنیا تک کے لئے امت محمدیہ کو دیا ہے اور یہ ہے وہ مسلمان کے جان ومال وآبرو کے تحفظ کی ضمانت جو اسلام اور اس کا قانون دیتا ہے کان کھول کر سن

---

(١) صحيح البخاری، کتاب المغازی، باب حجة الوداع، ج:٢ ص:٦٣٢، ط: قدیمی

پس! مسلمان حکمران اور ارباب اقتدار!

اسلامی قانون

پاکستان اب کسی نہ کسی درجہ میں جمہوریہ تو بن گیا ہے اب رہا اسلامیہ بننا تو اس کے لئے ضرورت ہے کہ غیر مسلم حکمرانوں اور غیر ملکی فرمانرواؤں نے جو ہماری بدنصیبی سے ہمیں غیر اسلامی قانون کا تحفہ دیا تھا وہ فی الفور ”عطا تو بلقاء تو“ کہہ کر واپس کر دیا جائے اور وہ قدیم ترین مقدس تحفہ جو نہ صرف مسلمانوں بلکہ ساری کائنات کے لئے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ رحمن ورحیم اور علیم وقدیر رب العالمین نے امت محمدیہ کو عطا فرمایا ہے یعنی اسلامی قانون مملکت اس کو جلد از جلد اپنا کر پورے ملک میں نافذ کر دیا جائے۔

یہ وہ سرتاسر رحمت وسعادت قانون فطری ہے جس کا اس روئے زمین پر سالہا سال تجربہ بھی ہو چکا ہے اور چشم فلک اس قانون پر عمل کرنے والوں کے سروں پر دنیاوی عظمت ومجد کا تاج اور دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلہ میں سربلندی وسرخروئی کا سہرا دیکھ چکی ہے تاریخ کے صفحات پر اس کا ریکارڈ ثبت ہے۔

”ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما“

اسی قانون کی برکت وسعادت سے ایک ہزار سال تک مسلمان دنیا پر حکومت کر چکے ہیں وہ مالک الملک جس کی شان ہے:

﴿تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ [آل عمران:٢٦]

تو جس کو چاہتا ہے ملک وسلطنت عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک وسلطنت چھین لیتا ہے جس کو تو چاہے عزت (غلبہ واقتدار) دیتا ہے اور جس کو چاہے ذلت دیتا ہے (اور غلبہ واقتدار سے محروم کر دیتا ہے) تیرے ہی ہاتھ میں تمامتر خیر (وخوبی) ہے بے شک تو ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

اس کی رضا وخوشنودی کا حصول بھی اسی قانون خداوندی کے احیاء پر موقوف ہے آخرت کی لازوال نعمتیں بھی اسی سے وابستہ ہیں، دنیا کی قوموں پر غلبہ واقتدار بھی اسی کا رہین منت ہے اور حکومت خداوندی کا جھنڈا فضاء عالم میں لہرا کر خلیفۃ اللہ فی الارض کے استحقاق کا عملی ثبوت دینے کا واحد وسیلہ بھی یہی ہے یاد رکھیے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [المائدة:٤٤]

اور جو اللہ کے نازل کردہ قانون پر فیصلے نہ کریں وہی لوگ کافر ہیں۔

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ [المائدة:٤٥]

اور جو اللہ کے نازل کردہ قانون پر فیصلے نہ کریں وہی لوگ ظالم ہیں۔

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ [المائدة:٤٧]

اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون پر فیصلے نہ کریں وہی لوگ فاسق ہیں۔

اللہ جل جلالہ کے قانون کو نہ ماننا، اس پر عمل نہ کرنا، اس کو نافذ نہ کرنا، وحی الٰہی (قرآن) کی زبان میں اس کا نام کفر ہے، ظلم ہے، فسق ہے، اس کفر و ظلم و فسق سے نجات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ قانون الٰہی بلا تاخیر اور بغیر کسی حیلہ بہانے کے جلد از جلد نافذ کر دیا جائے ورنہ اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ رب العالمین کے قانون کو پس پشت ڈال دینا اور انسانی دماغوں کے ساختہ پرداختہ قانون کو اپنانا اور سینہ سے لگانا اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگیا، احکم الحاکمین کی مخلوق پر بھی یہ ظلم ہے اور مالک الملک کے ملک پر بھی یہ ظلم ہے، انسان اور رب العالمین کے مقابلہ پر قانون بنائے؟ استغفر اللہ، العیاذ باللہ، یاد رکھئے ”ان الحکم الا للہ“ نہیں ہے حکم مگر اللہ کا۔

صدر مملکت کا اب دوبارہ بر سر اقتدار آنے کے بعد اولین فرض یہ ہے کہ جس طرح وہ دنیا کے اقتدار اعلیٰ کی عزت سے سرفراز ہوئے ہیں اس طرح رب العالمین کے قانون کو نافذ اور جاری کرکے آخرت کی سرفرازی کی نعمت و سعادت سے بھی بہرہ ور ہیں اور مالک الملک کی عطا کی ہوئی نعمت حکومت و سلطنت کا شکریہ ادا کریں اور اس سلسلہ میں جو غلطیاں اور کوتاہیاں وہ کر چکے ہیں ان کی تلافی کریں اور آئندہ ان کا اعادہ نہ ہونے دیں اور جو حالات و واقعات اس انتخاب کے دوران پیش آئے ہیں ان سے صحیح معنی میں عبرت حاصل کریں اور اس اقتدار اعلیٰ کو صحیح طور پر استعمال کریں، اللہ رب العالمین کی مخلوق پر رحم کرکے حقیقی اسلامی قانون۔ مصنوعی نہیں۔ نافذ کردیں تاکہ دنیا اور آخرت دونوں کی سرخروئی ان کو حاصل ہو سکے ورنہ یاد رکھیں اللہ جل جلالہ کی شان ”وتنزع الملك ممن تشاء“ بھی ہے اس موقعہ کو غنیمت سمجھیں الیکشن کے دوران صدر محترم نے جو وعدے کئے ہیں دنیا منتظر ہے کہ ان کی عملی تصدیق جلد از جلد اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔

انتہائی مسرت و طمانینت کا مقام ہے کہ صدر محترم کی آخری تقریر بہت کچھ امید افزا ہے اور بجا طور پر توقع ہے کہ صدر محترم اپنی پوری قوت و ہمت کے ساتھ ان وعدوں کا ایفاء اور اپنی صداقت کا عملی ثبوت دیں گے۔

صدر مملکت کے اختیارات و فرائض

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی قانون کے تحت صدر مملکت یا جماعت شوریٰ (ممبران اسمبلی) کا منصب قانون سازی نہیں ہے بلکہ اسلامی قانون کو نافذ اور جاری کرنا ہے، نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا جو اسلامی قانون کتاب و سنت میں موجود ہے اس میں نہ کسی مشاورت و استصواب رائے کی ضرورت ہے نہ کسی اصلاح و ترمیم کی گنجائش ہے، صدر مملکت اور ماہرین قانون اسلامی کا دائرہ عمل محدود ہے، صرف ان انتظامی اور تنفیذی حدود کے اندر جہاں اسلام نے کوئی خاص رہنمائی ضروری نہیں سمجھی اور حالات کے تقاضوں پر چھوڑ دیا ہے

لیکن جن امور و معاملات کے متعلق صاف اور صریح احکام موجود ہیں ان کی پابندی حاکم ومحکوم دونوں پر اسی طرح ضروری ہے جس طرح عبادات کی پابندی ضروری ہے، مشاورتی کونسل کا فرض صرف اتنا ہے کہ صدر مملکت یا اراکین اسمبلی جن دینی احکام سے ناواقف ہوں اور اراکین مشاورتی کونسل سے دریافت کریں وہ انتہائی دیانت داری کے ساتھ کتاب وسنت کی روشنی میں ان احکام کو بتلادیں، نہ ان کو زیر بحث لانے کا سوال ہے، نہ ان پر رائے زنی کا، اسی لئے ضروری ہے کہ مشاورتی کونسل کے اراکین اسی فرض کو انجام دینے کے اہل ہوں یعنی کتاب وسنت کے مستند عالم اور قانون اسلامی (فقہ اسلامی) کے ماہر ہوں۔

اب شرعی احکام کے اجراء کو اسمبلی کے فیصلے یا مطالبہ پر موقوف رکھنا اور بے معنی آئینی گورکھ دھندوں میں الجھانا شرعی احکام کے نفاذ سے انحراف اور روگردانی کے مترادف ہے، خصوصاً جب کہ موجودہ دستور کے تحت پورے اختیارات یا ۹۰ رفیصد اختیارات خود صدر مملکت کو حاصل ہیں ایسی صورت میں اس قسم کے دینی اور اساسی امور کو اسمبلیوں کے سپرد کرنا اور ان کی منظوری یا مطالبہ پر موقوف رکھنا عذر لنگ نہیں تو اور کیا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے رسوائے عالم عائلی قوانین کو ایک آرڈی ننس (صدارتی حکم) کے ذریعہ اسی طرح ختم کریں جس طرح آرڈی ننس کے ذریعہ اسے نافذ کیا تھا یا کم از کم جو ترمیمات علماء کرام کر چکے ہیں ان کو فوراً قبول کرلیں اور اس کے علاوہ بقیہ اسلامی قوانین کے اجراء کا بھی اعلان فرمادیں اور صرف اعلان پر اکتفا نہ کریں بلکہ تدریجی طور پر الاھم فالاھم کے اصول پر شرعی قانون نافذ کرتے رہیں تاکہ کم سے کم مدت میں مکمل اسلامی قانون ملک میں نافذ ہو جائے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ فقہ حنفی کو جو اس ملک کے عام باشندوں کا مذہب ہے اساس قرار دیں اور اس پر عمل کرنے کے لئے محاکم عدلیہ میں دو دو، تین تین فقہ اسلامی خصوصاً فقہ حنفی کے مستند ماہرین کا تقرر فرمائیں۔

ایک نہایت اہم تنبیہ

آخر میں ایک نہایت ضروری اور اہم تنبیہ گوش گذار کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اصول اسلام کے مطابق ملکی قوانین بنائے جائیں گے۔ چنانچہ آج ہی ایک روزنامہ میں وزیر قانون جناب خورشید صاحب کے بیان میں یہی فقرہ شائع ہوا ہے یاد رکھیئے! اس فقرہ کی حقیقت بھی وہی ہے جو مرکزی اسلامی تحقیقاتی ادارہ کے ڈائرکٹر صاحب دادِ تحقیق دے رہے ہیں کہ قرآن کے ابدی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کی علل وغایات ابدی ہیں نصوص قرآن میں ترمیم وتنسیخ کی جاسکتی ہے جس کی واضح اور قطعی تردیدی بینات میں آچکی ہیں۔

اس قسم کی پر فریب تعبیر میں ایک خطرناک تلبیس (دھوکہ) مضمر ہے جس کی طرف عوام کے ذہن منتقل

نہیں ہو سکتے عوام تو اس قسم کے بیان سن کر خوش اور مطمئن ہو جاتے ہیں کہ چلئے اسلام کے اصول کی پابندی تو حکومت نے تسلیم کر لی، لیکن یاد رکھئے! کہ اسلام نے جو اصول بتلائے ہیں عدل وانصاف کو قائم کرنا، مجرموں کو سزا دینا وغیرہ وغیرہ انہی اصول پر خود قانون بھی بنائے ہیں اور ان قوانین کا بنانے والا کوئی انسانی دماغ نہیں ہے بلکہ علیم وقدیر رب العالمین نے خود وحی رسالت کے ذریعہ کتاب وسنت میں وہ قوانین متعین فرما دیئے ہیں، مثلاً مجرم اگر چور ہے تو اس کے جرم کی سزا خود مقرر فرما دی ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، اگر غیر شادی شدہ مرد وعورت زنا کریں تو مجمع عام میں ان کے سو درّے لگائے جائیں اور اگر شادی شدہ مرد وعورت اس جرم کا ارتکاب کریں تو انہیں سنگسار کیا جائے۔ اب اگر کوئی شخص یہ قطع برید کر لے کہ ان مجرموں کو سزا تو دے لیکن یہ سزا نہ دے جو اسلام نے تجویز کی ہے اور قرآن میں اس کی تصریح موجود ہے بلکہ کوئی اور خود ساختہ سزا دے تو یہ صریح اسلامی قوانین کی خلاف ورزی ہوگی اور "ومن لم یحکم بما انزل الله" کے تحت داخل ہوگا اگر چہ کہنے کو نفس سزا تو دے دی جو ان حضرات کے بقول اصول اسلام کا تقاضا تھا، یاد رکھئے! اسلام تو درحقیقت احکام تجویز کرتا ہے اصول ان احکام سے اخذ کئے جاتے ہیں بالفاظ دیگر مقدم اور اصل احکام ہیں اور اصول ان احکام سے ماخوذ ومستنبط ہیں نہ یہ کہ اصول مقدم اور اصل ہیں اور احکام ان پر مرتب، یہی خداوندی قانون سازی اور انسانی قانون سازی میں فرق ہے یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں ان کی محرکات وعلل ہوتے ہیں، درحقیقت جن کو تم اصول کہتے ہو وہ تو دراصل وہ مقاصد وغایات اور مصالح وحکم ہیں جو ان احکام پر مرتب ہوتے ہیں اسلامی احکام کی احساس اور اصول صرف خدا پرستی ہے اور بس جیسا کہ آیت کریمہ ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ [الذاریات:٥٦] سے واضح ہے۔ بدقسمتی یا سوئے فہم سے تشریع الٰہی (خداوندی قانون سازی) کی صورت کو برعکس سمجھ لیا گیا اور انسانی قانون سازی پر قیاس کر لیا گیا۔

اسی لئے انسان نہ ان احکام کو بدلنے کا مجاز ہے اور نہ ان غایات ومقاصد اور مصالح وحکم کو متبادل احکام کے ذریعہ حاصل کرنے کا اسے اختیار ہے کہ اس قسم کا تصرف خدا پرستی کے منافی ہے اس لئے اس کو کفر فسق اور ظلم کہا گیا ہے۔

غرض جس علیم وقدیر رب العالمین نے اصول بتلائے ہیں اسی نے فروع (احکام) بھی مقرر فرما دیئے جس طرح ان اصول کا اتباع ضروری ہے ٹھیک اسی طرح ان فروع واحکام کی متابعت بھی ضروری ہے، مدار خدا پرستی حکم پر ہے اصول پر نہیں، ہم کو احکام کا مکلف بنایا گیا ہے اصول کا نہیں، قیامت کے دن سوال ان احکام پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا ہوگا عبادت واطاعت کا مظہر بھی تعمیل احکام ہی ہے۔

یاد رکھئے! اگر اس تلبیس کا سد باب نہ کیا گیا اور اس پر فریب تعبیر کو اپنایا گیا تو اسلام کی پوری عمارت منہدم ہو جائے گی، نہ عبادات محفوظ رہیں گی، نہ معاملات اور یہ ملحد خدا کے بھیجے ہوئے اور رسول اللہ کے لائے

ہوئے دین کو مسخ کر کے رکھ دیں گے، نعوذ باللہ منھم، یہی وہ الحاد ہے جو یادش بخیر جناب پرویز پھیلانے میں مصروف ہیں اور یہی فریب کاری اس قماش کے اور بہت سے لوگ کر رہے ہیں اور یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے اب سے بہت پہلے باطنی ملاحدہ اسی قسم کی تلبیس وتحریف کرتے رہے ہیں اور اسی راستہ سے مستشرقین یورپ اسلام اور اس کی تعلیمات پر حملہ آور ہوئے ہیں اور بدقسمتی سے اسی رو میں ہمارے مستغربین بھی بہے چلے جا رہے ہیں۔

اس پرفریب تعبیر وتشریح کا دائرہ خدانخواستہ اگر وسیع ہوگیا اور مسلمان اس فریب میں آ گئے تو نماز، روزہ، زکاۃ، حج اور حرمت سود وقمار وشراب وزنا اور حدود وقصاص وغیرہ وغیرہ تمام ہی حدود اللہ اور شعائر دین ختم ہوجائیں گے اور اسلام دنیا سے اسی طرح اٹھ جائے گا جیسے ملت ابراہیمی کفار ومشرکین عرب کی دستبرد سے اور دین موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام یہود ونصاریٰ کی تلبیس وتحریف سے مسخ ہوگیا تھا۔

اسی لئے میں مکرر، سہ مکرر تنبیہ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ مسلمان ہوشیار رہیں، اس دل کش اور خوشنما تعبیر میں پوری تلبیس والحاد مضمر ہے اور اس طرح کے بیان دینے والے (دانستہ یا نادانستہ) اسلام کی بیخ کنی کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح سمجھ عطا فرمائیں اور دانا دشمن اور نادان دوست دونوں سے بچائیں، آمین ثم آمین۔

وصلی اللہ علی خیر خلقه سیدنا ومولانا محمد وآله واصحابه وبارك وسلم

[فروری ۱۹۶۵ھ/رمضان ۱۳۸۴ء]

انتخابات اور اس کا نتیجہ

اس وقت پاکستان کے گوشے گوشے سے انتخابات! انتخابات! کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور ایک شور وغوغا برپا ہے، بیانات، پریس کانفرنس، مقالات، مضامین، جلسے جلوس، بدگمانیاں، تلخیاں، الزامات، اتہامات گویا ہنگامہ محشر برپا ہے۔ علماء، زعماء اور عوام وخواص سب میدان انتخاب میں کود پڑے ہیں، ہر سیاسی ونیم سیاسی پارٹی، کیا دین دار، کیا بے دین اس فکر میں ہے کہ زیادہ سے زیادہ نشستوں پر قابض ہو۔ اس کے لئے جماعتی مشورے ہو رہے ہیں، تدابیر سوچی جارہی ہیں، جوڑ توڑ ہو رہا ہے، وزن بڑھانے کے لئے اتحاد کے معاہدے کئے جا رہے ہیں ان اتحادی معاہدوں میں یہ بھی ہو رہا ہے کہ دو جماعتوں میں اصولی فرق ہے، دونوں ایک دوسرے کے سائے سے بھاگتے ہیں، مگر انتخاب کی موجِ بلا ہے کہ اتحاد کی نمائش پر مجبور کر رہی ہے ﴿تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى﴾ [الحشر: ۱۴] بظاہر مل بیٹھے ہیں مگر دل پھٹے ہوئے ہیں، مخالفوں پر چوٹیں ہو رہی ہیں اور ان کے لئے تحقیر ومذمت کے گھٹیا سے گھٹیا لفظ استعمال ہو رہے ہیں۔ ادھر ہر جماعت کا یہ دعویٰ ہے کہ ۱۲ کروز عوام ہمارے ساتھ ہیں ملک بھر کے ووٹ ہمارا ورثہ ہے اور ہمارے سوا سب ملک کے دشمن اور عقل کے کورے ہیں، فنڈ جمع ہو رہے ہیں، تھیلیاں پیش کی جارہی ہیں اور درونِ خانہ خدا جانے کیا کیا ہو رہا ہے۔

ملک کی سیاست کو جس رخ پر ڈال دیا گیا ہے اور افراتفری اور شوراشوری کی جو ناخوشگوار فضا پیدا ہوگئی ہے اس کے نتیجہ میں اس معرکہ جہاد کے بعد پیش آنے والے خطرات کا تقاضا ہے کہ چند باتیں صاف صاف عرض کر دی جائیں تاکہ ملک کا ہر دردمند فرد غور وفکر کے بعد صحیح فیصلہ کر سکے۔

دردناک قومی المیہ

انتخابات کو اتنی اہمیت دی جارہی ہے کہ گویا دنیا وآخرت کی نجات وسعادت تمام تر اسی پر موقوف ہے، تمام مشکلات کا حل صرف قانون ساز اسمبلی ہے، پاکستان کا مقصد وحید یہی تھا اور اسلام کی ساری روح بس اسی میں سمٹ آئی ہے، ہر پارٹی کا دعویٰ ہے کہ ہم برسر اقتدار آتے ہی اسلام کو نافذ کریں گے اور عوامی مشکلات کو حل کردیں گے۔

اس بحث کو تو جانے دیجئے کہ مغربی طرز کے جمہوری انتخابات اسلامی تقاضوں کو کہاں تک پورا کر سکتے ہیں، مگر اس حقیقت سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انتخاب صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی، اچھی قیادت بھی ابھر کر اوپر آ سکتی ہے اور بری بھی، اقتدار پر مخلصین کا قبضہ بھی ہو سکتا ہے اور خودغرض لوگوں کا بھی۔ اب ذرا انصاف اور حقیقت پسندی سے حالات کا جائزہ لیجئے، مدعیان دین وسیاست پارٹیوں میں اکثریت ان حضرات کی ہے جن کے گذشتہ کارنامے سب کو معلوم ہیں، ان کی اسلامی خدمات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں، ماضی قریب میں ان کے قول وعمل کے تضاد کی سیاہی ابھی تک خشک نہیں ہوئی اور حال میں ان کے افکار ونظریات، ان کی دعوت، ان کی زندگی کے اعمال وکردار اور ان کا سیاسی موقف آنکھوں کے سامنے ہے، ان سب باتوں سے یہ اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ وہ آئندہ اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے کیا کچھ نہیں کریں گے، لیکن تعجب ہے اور افسوس بھی کہ عوام کو نہ ماضی سے عبرت ہے نہ حال کا مشاہدہ، نہ مستقبل کی فکر ہے، انتخابی نعروں کے فریب میں ان تمام حقائق سے آنکھیں بند کئے ہوئے ماضی وحال کے عادل گواہوں کی شہادت کے خلاف مستقبل کا فیصلہ فرمارہے ہیں، فیاللاسف۔

جو قومیں ماضی سے سبق نہیں لیتیں ان کو شاندار مستقبل کی نہیں بلکہ حسرت ناک انجام کی توقع رکھنی چاہیے اور جس قوم کے افراد سر کی آنکھوں سے سب کچھ دیکھنے کے باوجود پروپیگنڈے کے سحر سامری پر ایمان لے آئیں یا چند ٹکوں کی خاطر پوری قوم کی نکیل غلط ہاتھوں میں تھما دینے پر آمادہ ہوجائیں ان کی سادہ لوحی لائق ماتم ہے، کیا ہمارے یہاں اس دردناک قومی المیہ کو محسوس کیا گیا۔

جمہوری الیکشن اور اس کی حقیقت

اب ذرا الیکشن کی کامیابی وناکامی کے نقشہ پر بھی ایک نظر ڈالئے، اس وقت ملک میں پارٹی در پارٹی کا رجحان غالب ہے، تقسیم در تقسیم کے عمل نے درجنوں کے حساب سے سیاسی جماعتوں کو جنم دیا ہے اور ہر جماعت اس خوش فہمی میں مبتلا ہے یا محض نمائش کے لئے قوم کو غلط تاثر دیا جاتا ہے کہ پچاس فیصد ووٹ ہمیں ملیں گے اور شاید

بعض حضرات اس سے بھی زیادہ خبط میں مبتلا ہوں اور ۸۰، ۹۰ رفیصد کے خواب دیکھ رہے ہوں، لیکن یہ تمام قیاس آرائیاں سطحی ہیں، عین وقت پر معلوم ہوگا کہ:

''خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا''

کبھی یہ ہوگا کہ عہد و پیمان کسی طرف تھا اور ووٹ کسی اور طرف ڈھلک گیا، کہیں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قصہ ہوگا، کہیں دستِ غیب کا عمل جاری ہوگا، کہیں ترغیب و ترہیب کے حربے آزمائے جائیں گے، کہیں وعدہ وعید کی کارفرمائی ہوگی، کہیں اثر و رسوخ سے کام نکالا جائے گا، گذشتہ دور میں یہ سب کچھ ہوتا رہا ہے اور آئندہ کیا کچھ نہیں ہوگا؟ انتخابی جنگ میں اس خفیہ اسلحہ کا استعمال بند ہونا چاہیے تھا مگر ابھی تک اس کی روک تھام کا خیال نیک خواہشات سے آگے نہیں بڑھ سکا ان حالات میں یہ سمجھنا کہ کوئی پارٹی بھاری اکثریت سے کامیاب ہو جائے گی خود فریبی کے سوا اور کیا ہے؟

وجود میں آنے والی اسمبلی کے فرائض

اب دیکھئے کہ الیکشن کے نتائج کیا ہوں گے؟ سب کو معلوم ہے کہ صدارتی حکم کے مطابق آئندہ وجود میں آنے والی اسمبلی کو ۱۲۰ ردن میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کا اسلامی دستور بنانا ہوگا۔ خدانخواستہ اس مدت میں وہ کسی متفقہ دستور کا فیصلہ نہ کر سکے تو آئین ساز ادارہ خود بخود معطل سمجھا جائے گا اور صدر محترم اپنی صوابدید کا دستور نافذ کریں گے۔

ادھر سیاسی جماعتوں کی ذہنی سطح کا اندازہ اوپر کے دیئے گئے نقشہ سے لگایا جاسکتا ہے، انہیں انتخابی سرگرمیوں کی وجہ سے ۔ یا غالباً ہر جماعت کے بیجا پندار کی بنا پر ۔ اس پر غور و فکر کرنے کی مہلت ہی نہیں ملی کہ نہ یہ موسم سیاسی جنگ کے لئے راس ہے نہ گروہی عصبیت یا ذاتی خوش فعلیوں کے لئے موزوں ہے، قوم کی کشتی منجدھار میں ہے، سب کو مل جل کر اسے پار لگانے کی فکر کرنی چاہیے تھی، باوقار قومیں بے آئین اور بے دستور الیکشن نہیں لڑا کرتیں۔

اگر ہمارے سیاسی لیڈر فی الواقع مخلصانہ سوجھ بوجھ سے کام لیتے تو الیکشن سے پہلے آئینی دفعات پر اتفاق ضروری تھا مگر یہاں آئین تو کیا کسی آئینی بنیاد پر بھی اتفاق رائے ضروری نہیں سمجھا گیا، باہمی نفرت و بیزاری کے بل پر سیاسی معرکہ شروع کر دیا گیا جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ اوّل تو کسی پارٹی میں اتنا وزن نہیں کہ اپنے نمائندوں کی بھاری اکثریت آئین ساز اسمبلی میں بھیج دے، بالفرض ایسا ہو بھی جائے تو اس بات کا کیا اطمینان ہے کہ پارٹی کے معزز ممبر اسمبلی میں پہنچ کر پارٹی کے وفادار رہیں گے، کسی جوڑ توڑ، رسہ کشی اور مفاد پرستی کا شکار نہیں ہوں گے، وہ جاتے ہی بس دستوری دفعات مرتب کرنا شروع کر دیں گے اور سب یک زبان ہو کر برق رفتاری کے ساتھ آئینی مسودہ ۱۲۰ ردن میں بنا ڈالیں گے، اگر ایسا ہو جائے اور خدا کرے ہو جائے تو بلاشبہ یہ پاکستانی قوم کی بہت بڑے

کرامت ہوگی، مگر باہر کی تلخی کے پیش نظر اس کرامت کے امکانات بہت کم ہیں اور اگر بالفرض اکثریت ایک آئینی مسودہ پر متفق ہو جائے تو کیا ضروری ہے کہ وہ تسلیم بھی کر لیا جائے گا اور کوئی غیر متفق اقلیت اس میں کوئی سقم نکال کر اسے سبوتاژ کرنے کی کوشش نہیں کرے گی۔

خلاصہ یہ کہ موجودہ الیکشن جن حالات میں ہو رہا ہے اور جس انداز سے سیاسی زور آزمائی ہو رہی ہے اسے دیکھ کر تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کا رستہ ایک ایسے بحران پر جا کر ختم ہوتا ہے کہ اس کے بعد جو خلا پیدا ہوگا اس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، کہاں کا آئین؟ کہاں کا دستور؟ کہاں کا اسلام؟ اور کہاں کا دین؟ افسوس ہے کہ بیرونی سازشوں اور خفیہ ہاتھوں سے جن ہولناک خطرات کا سامنا ہے ان کی طرف ہلکا سا اشارہ بھی کیا جائے تو موجودہ حالات میں اسے ’’مجذوب کی بڑ‘‘ سمجھ کر ٹال دیا جاتا ہے، حسبنا الله ونعم الوکیل۔

یہ سیاسی گرم بازاری جس کی خاطر ہزاروں پاپڑ بیلے جا رہے ہیں، لاکھوں مسلمانوں کے دلوں میں عداوت و نفرت اور کراہت و بیزاری کے بیج بو کر انہیں ایک دوسرے کا دشمن بنایا جا رہا ہے، قوم کا کروڑوں روپیہ اس داؤ پر لگا دیا گیا ہے، بے حد قیمتی صلاحیتوں کو ضائع کر دیا گیا ہے حتیٰ کہ مسلمانوں کی عزت و حرمت کو بھی مباح بنا دیا گیا ہے اس کا نتیجہ موہوم مشکوک بلکہ صفر ہے، ضرورت ہے کہ اس کے حقیقی اسباب کا جائزہ لے کر غلطی کی اصلاح کی جائے ان تمام اسباب پر تفصیل سے گفتگو کرنا تو مشکل ہے البتہ بعض بنیادی امور کی نشاندہی ضروری ہے۔

پاکستانی قوم کے بائیس سال

بائیس سال سے اوپر سے نیچے تک قوم کی دینی و اخلاقی اور معاشی صحت کو تباہ کرنے کے ان گنت ذرائع تو فراہم کئے گئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ قوم کی اصلاح و تربیت کے لئے کوئی ملک گیر مہم نہیں چلائی گئی، نہ قوم کے مختلف اعضاء میں باہمی تعاون، اخوت و مواسات اور ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کیا گیا، نہ ایمان باللہ اور محاسبہ آخرت کی بنیاد پر ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کا ولولہ پیدا کیا گیا، اسلامی شعائر سے رشتہ توڑ دیا گیا، دینی اعمال زندگی سے خارج ہو گئے، ظاہر ہے کہ اس کے بعد کسی خیر کی توقع کیونکر ہو سکتی ہے؟ شور و شر اور فتنہ و ہنگامہ آرائی سے ہٹ کر دینی و اخلاقی بنیادوں پر جس قوم کی تعمیر اور تربیت نہ ہو اس سے سفلی مظاہرے تو ہو سکتے ہیں مگر وہ ملک و ملت کا کوئی مفید کارنامہ انجام نہیں دے سکتی، بلاشبہ بے دین یا بد دین جماعتیں اور خود غرض افراد اس کام کی طرف کبھی توجہ نہیں کریں گے، ان کا مفاد اسی میں ہے کہ قوم کا اخلاقی مزاج بگاڑ دیا جائے اور دینی ڈھانچہ تباہ کر دیا جائے مگر جن لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا ذرا بھی خوف ہے ان کی طرف سے جو کوششیں انتخابات کی لئے کی جا رہی ہیں اگر اس سے آدھی محنت بھی دعوت و اصلاح پر صرف کی جائے تو قوم کا نقشہ ہی بدل جائے گا اور جب معاشرہ میں صلاح و تقویٰ کی فضا پیدا ہو جائے تو نہ انتخابات پر کروڑوں روپے کے خرچ کی ضرورت، نہ دلوں میں عداوت و نفرت کے

بیج بونے کی ضرورت، نہ بے ضمیر افراد کے ابھر آنے کا اندیشہ، نہ کسی سازش کے آلہ کار بننے کا خطرہ۔ بنیاد صحیح اور مضبوط ہو تو اس پر جو عمارت بنائی جائے گی وہ مضبوط ہوگی ورنہ ہم ریت پر ہوائی قلعے تعمیر کر کے خوش ہوں گے اور نتیجہ ''کوہ کندن وکاہ برآوردن'' ہوگا۔

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگزارند و خم طرۂ یارے گیرند

کامیابی وکامرانی کا راستہ

یہاں سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مشہور ارشاد جسے محب طبری نے ''الریاض النضرۃ'' میں نقل کیا ہے یاد آتا ہے:

" لن يصلح آخر هذه الامة الا ما صلح به اولها"(۱)

اس امت کے آخری حصے کی اصلاح بھی بس اسی چیز سے ہو سکتی ہے جس سے اس کے پہلے حصہ کی اصلاح ہوئی۔

ربع صدی سے یہاں سب کچھ آزمایا جا چکا ہے، آیئے اس جدید نظریہ کو بھی آزما لیجئے:

''فلک را سقف بشگافیم وطرح نو در اندازیم''

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرائض منصبی

قرآن حکیم نے چار مقامات پر حضرت خاتم الانبیاء جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار منصب بیان فرمائے ہیں:

① آیات پڑھ کر سنانا۔
② تزکیہ کرنا، یعنی کفر و شرک، بدعملی و بداخلاقی اور امور جاہلیت سے ان کو پاک وصاف کرنا۔
③ کتاب اللہ کے احکام کی تعلیم دینا اور اس کے مضامین کی تشریح کرنا۔
④ حکمت و دانائی، احکام کے علل و غایات اور شریعت کے اصول و مقاصد کی تعلیم دینا۔

تزکیہ سے مراد عقائد و نظریات اور اعمال و اخلاق کی پاکیزگی ہے، قرآن کریم نے تین مقامات پر تزکیہ کا ''تعلیم'' سے مقدم ذکر فرمایا جس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ بقدر ضرورت تزکیہ تعلیم سے پہلے ہونا چاہیے تعلیم اسی وقت مفید اور بار آور ہو سکتی ہے جبکہ قلوب میں اس کے قبول کرنے کی اہلیت اور جذب کرنے کی

---

(۱) الرياض النضرة فى مناقب العشرة، الباب الثانى فى مناقب امير المومنين ابى حفص عمر بن الخطاب، ذكر وصف على له بما يتاهل معه للخلافة ج:۲ ص:٤٠٢، ط: دار الكتب العلميه بيروت

صلاحیت موجود ہو، زمین کو پہلے کاشت کے قابل بنایا جائے پھر تخم ریزی کی جائے ورنہ وہی کیفیت ہوگی جو عارف شیرازی نے فرمائی:

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

یہ تزکیہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان صحبت اور مکارم اخلاق سے حاصل ہوتا تھا اور اب بھی بقدر استعداد اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے ربط وتعلق اور ان کی صحبت اور مجالست سے حاصل ہوسکتا ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ تعلیم کتاب وحکمت سے بھی اصل مقصود تزکیہ ہے، یہ نہ ہوتو ساری تعلیم بیکار ہے، اعمال واخلاق کے بغیر نرے علوم ومعارف کی حق تعالیٰ کے یہاں کوئی قدر نہیں، آدمی ساری دنیا کی کتابیں چاٹ لے لیکن اگر انسانی اخلاق اور ایمانی اعمال نہیں تو پڑھا لکھا جانور تو ہوسکتا ہے مگر انسان کہلانے کا مستحق نہیں۔

تزکیہ کے بغیر نہ ایمان میں رسوخ کی کیفیت اور یقین واطمینان کی قوت پیدا ہوگی نہ اخلاق درست ہو سکیں گے، نہ اخلاص کی دولت ملے گی، نہ اعمال پر مداومت نصیب ہوگی، نہ اندر کا فرعون (مکار نفس) ہلاک ہوگا، نہ مخلوق سے لڑائی بند ہوگی:

نفس ما ہم کم تر از فرعون نیست

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام فرماتے ہیں: "تعلمنا الایمان ثم تعلمنا القرآن"(١) کہ ہم نے پہلے ایمان سیکھا پھر قرآن سیکھا، یہ ایمان کا سیکھنا ہی تزکیہ کہلاتا ہے کہ قلب غیر اللہ کے بتوں سے پاک ہو، اعمال ریا وغیرہ سے پاک ہوں اور نفس کمینے اخلاق سے پاک ہو، معاشرہ امور جاہلیت سے پاک ہو، کمائی حرام اور مکروہ ذرائع سے پاک ہو وغیر ذلک۔

یہی تزکیہ تھا جس کی وجہ سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی بشارتوں سے نوازا اور انہیں آسمانی وحی کی شہادت اور سند ملی، سورہ فتح میں ان کے امتیازی اوصاف ذکر کرتے ہوئے ایک وصف باہمی رحمت وشفقت ذکر کیا گیا ہے، "رحماء بینھم" اور یہ وصف کامل تزکیہ کے بعد ہی حاصل ہوسکتا ہے اور اسی کو نہ سمجھنے کی خرابی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بدگمانی پیدا ہوتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کا پہلا وصف یہی بیان فرمایا: "ابرھم قلبا" کہ ان کے دل بہت پاک صاف تھے، دوسرا وصف بیان فرمایا: "واعمقھم علما" ان کا علم بڑا گہرا تھا، تیسرا وصف بیان فرمایا: "واقلھم تکلفا" ان کی زندگی تکلفات اور تصنع سے پاک تھی (٢)۔

---

(١) سنن ابن ماجہ، المقدمۃ، باب فی الایمان، ص: ٧، ط: قدیمی

(٢) مشکوۃ، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، الفصل الثالث، ج: ١ ص: ٣٢، ط: قدیمی

حضراتِ صوفیاء اور اشاعت دین

حضرات صوفیا کرام (رحمہم اللہ) جن کے ذریعہ دین کی تبلیغ و اشاعت سلاطین کی تلوار اور علماء کے قلم سے بھی زیادہ ہوئی ہے ان کا خاص موضوع یہی ہے کہ نفوس کی تربیت اور اخلاق کا تزکیہ کیا جائے، ان کے یہاں بھی تربیت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ پہلے جذب ہو پھر سلوک، اسی کا نام مجذوب سالک رکھتے ہیں، بظاہر یہ طریقہ اقرب الی القرآن ہوگا۔

البتہ قرآن کریم میں صرف ایک جگہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا نقل فرمائی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان چار مناصب میں سے تزکیہ کو کتاب وحکمت کی تعلیم کے بعد سب سے آخر میں رکھا ہے، اس سے ایک تو اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کا اول وآخری مقصد تزکیہ ہے، دوسرے اس طرف اشارہ ہے کہ تزکیہ بقدر ضرورت تو تعلیم سے پہلے ہونا چاہئے مگر کامل تزکیہ کی نوبت علم کے بعد ہی آسکتی ہے، یعنی علم کے بعد عمل ہوگا اور علم ہی ذریعہ بنے گا عمل کا، گویا اس آیت میں تربیت کا دوسرا طریقہ بیان فرمایا ہے جو حضرات صوفیہ (رحمہم اللہ) کے یہاں سالک مجذوب کہلاتا ہے، لوگوں کی استعدادیں مختلف ہوتی ہیں کسی کو تعلیم کے بعد بھی تزکیہ کی ضرورت رہتی ہے اور کسی کو تزکیہ کے بعد تعلیم کی حاجت ہوتی ہے، نہ تزکیہ کے مراتب ختم ہوتے ہیں نہ تعلیم کی انتہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب صرف تعلیم اور سمجھانا ہی نہیں تھا بلکہ اس کی تعمیل کرانا اور قوم کو ایک باعمل امت بنانا بھی تھا، جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے نقشہ کے مطابق تعلیم وتربیت پر محنت نہیں ہوتی اور افراد کی اصلاح کے ذریعہ ایک پاکیزہ اور صالح معاشرہ وجود میں نہیں آتا سیاسی محنت صحیح طریق پر بارآور نہیں ہوگی اور تمام قوتیں شر وفساد کی نذر ہوجائیں گی۔

اسلامی سیاست اور موجودہ سیاست

دینی تربیت کے فقدان ہی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ باوجودیکہ تمام زعماء اور سیاسی لیڈر اسلامی خدمت کا اعلان فرمارہے ہیں اور ملک وملت کی صحیح نمائندگی کا دم بھرتے ہیں یقیناً ان میں سے بعض حضرات مخلص بھی ہوں گے اور وہ اسلام کے نام کو محض اقتدار طلبی کے لئے استعمال نہیں کرتے ہوں گے لیکن ان اسلامی نمائندوں کی اکثریت اس بات سے بھی واقف نہیں کہ جس اسلام کا ہم نام لیتے ہیں اسی اسلام نے سیاست کے بھی کچھ آداب تجویز کئے ہیں اور بے ہنگم سیاست بازی پر کچھ پابندیاں عائد کی ہیں، مثلاً موجودہ سیاست کی بنیاد ہی اس بات پر قائم ہے کہ ایک شخص اقتدار طلبی کے لئے کھڑا ہو، اپنی پارٹی بنائے، اپنا پروگرام قوم کے سامنے رکھے اور قوم سے اپیل کرے کہ اس کو ووٹ دے کر کرسی اقتدار پر فائز کیا جائے، اس کے بعد وہ جانے اور قوم کے مسائل۔

اب دیکھئے! کہ اسلام اقتدار طلبی کے مزاج ہی کی جڑ کاٹ دیتا ہے، اسلام اقتدار کی خواہش کو پسند نہیں کرتا بلکہ وہ یہ ذمہ داری معاشرہ پر ڈالتا ہے کہ وہ ایسے افراد کو آگے لائے جو:

﴿لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا﴾ [القصص:۸۳]

جو نہیں چاہتے زمین میں اونچا ہونا اور نہ فساد۔

کے معیار پر پورے اتریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایسے شخص کو جو عہدہ کی درخواست لے کر آئے عہدہ نہیں دیتے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہاتھ جوڑ جوڑ کر اور منتیں کر کر کے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو عہدے دیئے ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو عہدہ قضاء کی پیش کش کی انہوں نے انکار کیا امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہارے باپ نے بھی تو قبول کیا تھا، عرض کیا ان میں ہمت ہوگی مجھ میں نہیں، امیر المؤمنین نے منت وسماجت کی مگر ان کی معذرت غالب آگئی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بہت اچھا مگر کسی اور کو نہ بتانا ورنہ کوئی بھی اس کے لئے آمادہ نہ ہوگا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا جامع مسجد دہلی میں وعظ تھا جس میں ایک انگریز بہادر بھی موجود تھا، تقریر کے بعد اس نے مسلمانوں سے سوال کیا کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے سلطنت کیوں جاتی رہی؟ کسی نے کچھ جواب دیا کسی نے کچھ، اس نے کہا میں بتاتا ہوں کہ اصلی وجہ یہ تھی کہ اس منصب کے اہل لوگوں نے اس سے گریز کیا اور نااہل لوگ اوپر آگئے اور یہی نااہلی زوال سلطنت کا باعث بنی۔

مسلمانوں کی نمائندگی

ہم جانتے ہیں کہ اس زمانہ قحط الرجال میں جس میں انسانوں کی تو افراط ہے مگر آدمی بہت کم ہیں، نہ اسلام کا معیاری معاشرہ ہے نہ معیاری نمائندے مل سکتے ہیں، لیکن کم از کم اتنا تو ہو کہ جو لوگ اسلام کی خدمت اور مسلمانوں کی نمائندگی کا دعویٰ لے کر اٹھیں ان میں صوم وصلوٰۃ کی پابندی، دینی شعائر کا احترام، اسلام کے ضابطہ حیات پر کامل اذعان اور اسلامی اخلاق واعمال پائے جائیں، وہ قول کے سچے اور بات کے پکے ہوں، انہیں غریب مسلمانوں کے مسائل کی سمجھ بوجھ اور دینی احکام کا شعور ہو، ملت کے تمام افراد کے یکساں ہمدرد ہوں، وہ اسلام دشمن طاقتوں کے ہاتھ کا کھلونا نہ بنیں، گذشتہ بائیس سالہ تجربہ شاہد ہے کہ غیر تربیت یافتہ اور غیر اصلاح شدہ نمائندوں نے اسمبلیوں میں کیا گل کھلائے ہیں، اب پھر اسی قسم کے لوگوں کو آگے لانے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ اس الیکشن اور اس کے بعد وجود میں آنے والے دستور سے جو توقعات وابستہ کی جارہی ہیں ان کا حشر بھی وہی ہوگا جو پہلے ہو چکا ہے، یہ دستور سازی کا سارا وقت اکھاڑ پچھاڑ میں کھودیں گے اور ۱۲۰ دن بعد کہا جائے گا کہ اسلامی دستور پر قوم کے نمائندے متفق نہیں ہو سکے، لا فعل اللہ ذالك۔

جن لوگوں کا بارہا تجربہ ہو چکا ہے، دوبارہ ان ہی کا تجربہ کئے چلے جانا اور جن کی اسلامیت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے ہے، ان پر اعتماد کر لینا، اس کا نتیجہ سوائے ندامت کے اور کیا ہوگا، حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہر چند کازمودم از وے نبود سودم
من جرب المجرب حلت به الندامة

میں نے ہر چند اسے آزمایا مگر مجھے اس سے کچھ نفع نہ پہنچا جو شخص تجربہ شدہ کو آزماتا ہے اسے ندامت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

موجودہ حکومت اور اسلامی آئین

موجودہ حکومت نے اپنی صوابدید کے مطابق یا رائے عامہ کا احترام کرتے ہوئے جو بہت سے اہم اقدامات کئے ہیں اور ان کے بارے میں جو فیصلے مخالف آواز کے باوجود پوری قوت سے نافذ کئے ہیں، ان کے تذکرہ کی ضرورت نہیں، سوال یہ ہے کہ کیا اسلامی آئین کا مسئلہ اتنا الجھا ہوا ہے کہ اسے آئندہ اسمبلی پر ٹال دیا گیا؟ اسمبلی جن حالات وکوائف میں وجود میں آئے گی وہ کسی سے ڈھکے چھپے نہیں اور اس سے جو ناقابل اصلاح بحران پیدا ہو جانے کا قوی امکان ہے وہ بھی مخفی نہیں۔

اس کا احساس ہر عامی کو بھی ہے کیا اس کا نتیجہ یہ نہیں ہوگا کہ قوم ہمیشہ کے لئے بے دستور رہے اور اسلامی آئین کی راہ میں ایک ایسی خندق حائل کر دی جائے جسے صدیوں تک پاٹنا ممکن نہ ہو، قوم مسلمان ہے ملک مسلمانوں کا ہے اسلام ہی کے نام پر حاصل کیا گیا ہے یہاں بغیر کسی بحث وتمحیص کے اسلامی آئین نافذ ہونا چاہیے، جو خود گومگو کی حالت میں ہوں گے، جو متضاد ذہن لے کر اسمبلی میں جائیں گے اور جن کی ناکامی کی سزا پوری قوم کو خدا جانے کب تک ملتی رہے گی۔

مارشل لاء حکومت کی بے نفسی و بے غرضی اس صورت میں زیادہ نمایاں ہو سکتی ہے کہ وہ ارباب حل وعقد، علماء وزعماء اور ماہرین قانون کے مشورے سے ایک مسودہ آئین تیار کر کے اسے منظور کر لیتی، اس کے مطابق انتخابات ہوتے اور آئین ساز اسمبلی کو حق دیا جاتا کہ وہ اسے منظور کرے یا اس میں مناسب ترمیم کرے یا کم از کم اتنا ہی کر لیا جاتا کہ ایک آئینی مسودہ اسمبلی میں پیش کر دیا جاتا اور اس کے ساتھ یہ تصریح کر دی جاتی کہ دستور کی فلاں فلاں دفعات جن کا تعلق اسلامی قانون کے نفاذ سے ہے زیر بحث نہیں آئیں گی اور ان کے علاوہ انتظامی نوعیت کی دفعات میں ایوان کو ترمیم کا حق ہوگا، تب بھی امکان تھا کہ اسمبلی ۱۲۰؍ دن میں اس بھاری بوجھ سے عہدہ برآں ہو سکتی، غالباً یہ پہلا تجربہ ہے کہ اسمبلی کو کسی مسودہ کے بغیر ہی آئین سازی کی زحمت دی جائے اور اس کے

لئے چار ماہ کی مدت بھی مقرر کردی جائے۔

جہاں تک اسلامی قانون کے نفاذ کا تعلق ہے وہ امت مسلمہ کی مشترکہ میراث ہے، اس پر رائے زنی، بحث وتمحیص اور ووٹنگ یا اختلاف رائے کا کوئی اعتبار نہیں، اسمبلی کا دائرہ عمل انتظامی امور، خارجہ پالیسی، شعبوں کی تقسیم اور ہر شعبے کے اختیارات جیسے مسائل تک محدود رہنا چاہیے تھا۔ خلاصہ یہ کہ اسلام میں شریعت کے مسلمہ اصول وقواعد اور احکام ومسائل پر رائے زنی کا حق کسی حکمران کسی ادارے اور کسی گروہ کو نہیں دیا گیا۔

راہ نجات

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے مستقبل کے بھیانک خطرات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے نجات کا مختصر راستہ بس یہ ہے کہ:

① سیاسی جماعتوں اور ان کے قائدین کو مشرقی ومغربی، سرخ وسفید اور دائیں بائیں کی تلخیوں کو مزید نہیں بڑھانا چاہیے، گروہی مفادات سے ہٹ کر امت کے مفاد کی بنیاد پر سوچنا چاہیے، انہیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اصولی طور پر الیکشن محض کرسی اقتدار کے لئے نہیں بلکہ دستور بنانے کے لئے ہے اور اگر باہمی مفاہمت نہیں ہوئی اور فضا کو خوشگوار نہیں بنایا گیا تو نہ دستور بنے گا نہ اسمبلی رہے گی نہ آپ لیڈر رہیں گے نہ آپ کی سیاسی جماعت رہے گی، اس نازک وقت میں ایک دوسرے پر الزامات تھوپنا، نفرت انگیزی کی مہم چلانا اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی روا اور ناروا کوششیں کرنا، سیاسی نابالغی کی علامت اور خودکشی کا پیش خیمہ ہے۔ اگر سیاسی جماعتوں کے قائدین میں ذرا بھی اخلاص وایمان اور فہم وبصیرت ہے تو ان کو باہمی مفاہمت، خلوص اور اسلامی وفاداری کے خطوط پر سوچنا ہوگا، ظلم وعدوان کا ماحول بنانے کے بجائے بر وتقوی اور خلوص ونیک دلی کی فضا پیدا کرنی ہوگی، بہرحال یہ الیکشن فیصلہ کرے گا کہ ہمارے سیاسی قائدین ہوش اور تدبر کے ساتھ ملک کا نظام بھی چلا سکتے ہیں یا صرف لڑنا جانتے ہیں۔

② امت کے مختلف اعضاء میں جو بدمزگی پیدا ہورہی ہے یا جان بوجھ کر پیدا کی جارہی ہے، یہ بھی پوری قوم کے لئے پیام موت ہوسکتی ہے، آجر واجیر، کارخانہ دار اور کاریگر، کسان اور زمیندار، غریب اور امیر، اساتذہ وطلبہ مختلف طبقات نہیں بلکہ حسب ارشاد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) امت مسلمہ کے اعضاء اور ایک دوسرے کے دست وبازو ہیں جو شخص بھی ان میں منافرت پیدا کرنا چاہتا ہے وہ پوری قوم کو مفلوج کرنے کے درپے ہے اور ملک کو تباہی کے غار میں دھکیلنا چاہتا ہے، شدید ضرورت ہے کہ ملت کے ایک ایک فرد میں حق طلبی کے بجائے حق شناسی اور حق دہی کا ایسا جذبہ پیدا کیا جائے کہ کسی کو کسی سے شکایت کا موقعہ نہ رہے، ایک فرد کا دکھ درد پوری قوم کو تڑپا کر رکھ دے، مشکلات کو ہمدردی سے حل کیا جائے، ضد اور ہٹ دھرمی کے ذریعہ مشکلات میں مزید اضافہ نہ ہونے دیا جائے۔

(۳) ملک کے بارہ کروڑ عوام کو اچھی طرح محسوس کرنا چاہیے کہ دستور سازی کا سارا بوجھ صدر مملکت نے دراصل ان کے کندھوں پر ڈال دیا ہے اگر قوم کسی آئینی بحران کا شکار ہوئی تو اس کی مسئولیت سے کوئی فرد بھی بری الذمہ نہیں ہوگا، جو نمائندے آپ کے ووٹ سے منتخب ہوں گے ان کی اچھی یا بری کارگذاری آپ کے سر ہوگی، اس لئے ملک کے ایک ایک فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ کسی حلقے سے خود غرض، مفاد پرست، بددین اور منافقت پیشہ لوگوں کو کامیاب ہونے کا موقعہ نہ دیں بلکہ صرف ان ہی افراد کو منتخب کریں جن کے دین و دیانت پر اعتماد ہو، جو اسلام پر غیر متزلزل ایمان رکھتے ہوں، بے ایمان اور بددین نہ ہوں، دینی شعائر کا احترام کرتے ہوں، اعمال شرعیہ کے پابند ہوں، ملک وملت کے خیرخواہ ہوں، غریب عوام کا واقعی درد رکھتے ہوں، ان کی زندگی اور سیرت وکردار پر ظلم وستم کے داغ نہ ہوں، خواہ ان کا تعلق کسی پارٹی سے ہو۔

علماء کرام اور الیکشن

ہم نے حضرات علماء کرام –ثبتنا الله وایاهم علی دینه– کی خدمت میں بہت کچھ لکھا ہے مگر اب تک یہ ہوا ہے کہ ہر فریق نے اپنے مطلب کی باتیں لے لیں اور باقی تھوک دیں، بقول عارف رومیؒ:

ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من
وز درونِ من نجست اسرارِ من

اس لئے اب مزید لکھنے کو جی نہیں چاہتا تاہم ملک وملت کے نئے حالات کا تقاضا ہے کہ دونوں طرف کے بزرگوں سے ایک دوسرے کے بارے میں ایک بار پھر عرض کیا جائے کہ:

"صل من قطعك واعف عمن ظلمك واحسن الى من اساء اليك"(۱)

جو تم سے کٹے تم اس سے جڑو، جو تم پر ظلم کرے تم اسے معاف کردو اور جو تم سے برائی سے پیش آئے تم اس سے بھلائی کرو۔ ارشاد نبوت ہے اور حضرات علماء کرام ہی سے اس اخلاق نبوت کے نمونے کی توقع رکھی جاسکتی ہے۔

رہا نظریات کا اختلاف تو یہ محض سراب اور دھوکہ ہے:

بقول دشمن پیمان دوست بشکستی
ببیں کہ از کہ بریدی وبا کہ پیوستی

اسی دھوکے میں آکر ایک فریق مبتدع جماعتوں کے ساتھ تو معاہدہ کرتا ہے کہ ان کے خلاف لب کشائی ہوگی نہ قلم کو جنبش آئے گی مگر دوسرے فریق کو سوشلسٹ کہا جاتا ہے اور یہ دوسرا فریق ایسے لوگوں کے ساتھ جن کی

---

(۱) جامع الاصول فی احادیث الرسول، کتاب الیمین، احادیث مشترکة تبین آفات النفس ج: ١١ ص: ٦٨٨، رقم الحدیث ٩٣١٨، ط: رئاسة ادارة البحوث العلمية مكة المكرمه

اسلام سے وابستگی کا حال سب کو معلوم ہے انتخابی وعدہ کرتا ہے اوران کے ہر قول وعمل کی توثیق ضروری سمجھی جاتی ہے، مگر پہلے فریق کو امریکی سامراج اور سرمایہ داروں کا ایجنٹ قرار دیتا ہے، انا للہ۔ گویا جن بزرگوں کی داڑھیاں قال اللہ وقال الرسول میں سفید ہوئیں اور آج بھی بحمد اللہ اسی خدمت میں مشغول ہیں وہ تو یکایک خدانخواستہ ایک طرف سے سوشلسٹ اور دوسری طرف سے امریکی سامراج کے ایجنٹ بن گئے اور جن کے پیمان وفا کا نیا نیا انکشاف ہوا ہے وہ پکے مسلمان یا اسلام پسند ہیں، صدق رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم :

"و یقصی اباه و یدنی صدیقه"(۱)

ہمارا مقصود ان معاہدوں پر یا ان بزرگوں کے اخلاص پر تنقید کرنا نہیں، ہم خود اس حق میں ہیں کہ اس نازک وقت میں زیادہ سے زیادہ امت کو اسلام کے ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے، ہماری تمنا ہے کہ دوان کو اور یہ اُن کو کھینچ کر لائیں اور امت واحدہ بنا دیں اور پر جو کچھ کہا گیا ہے اس کا منشا یہ ہے کہ:

① جب دور دور جا کر صلح ہو سکتی ہے اور معاہدے کئے جا سکتے ہیں تو غلط فہمیوں کے غبار میں نزدیک والوں سے ملنے کو کیوں کسر شان سمجھا جائے؟

② جس سے انتخابی معاہدہ کر لیا جائے کیونکر اس کے ہر قول وعمل کی توثیق کی جائے؟

③ اگر ایک کا موقف دوسرے کی سمجھ میں نہیں آیا تو اس کے لئے ضرورت افہام وتفہیم کی ہے یا کہ تنابزوا بالالقاب کی؟

④ اصول یہ ہونا چاہیے کہ صحیح بات اگر حریف کہے تو رد نہ کرو اور غلط بات حلیف کے منہ سے نکلے تو تاویلیں نہ کرو۔

بہرحال یہ ایک ضمنی بات تھی جو بادل ناخواستہ زبان قلم پر آ گئی، اصل بات جو حضرات علماء سے عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ ان کو اور ان کے ساتھ تمام مخلص مسلمانوں کو ناکام کرنے کا منصوبہ بن چکا ہے اور اس کی تفصیلات طے ہو چکی ہیں۔ نصف منصوبہ الیکشن سے پہلے کا ہے اور نصف اس کے بعد کا، بائیس سال سے باطل قوتیں دھیرے دھیرے اپنا راستہ بنا رہی تھیں مگر انہیں کھل کر سامنے آنے کی ہمت نہیں تھی، انہیں ان بوریہ نشین درویشوں اور دین وملت کے پاسبانوں کی قوت ایمانی کا احساس تھا اچانک تاریخ نے ایک نیا ورق الٹا اور یہ الیکشن سامنے آیا جس کا ماقبل ومابعد پیش کیا جا چکا ہے، طاغوتی قوتوں نے محسوس کیا کہ یہی موقع ہے کہ راستے کے اس پتھر کو ہٹا دیا جائے اور علماء کو ان ہی کی تلوار سے کاٹ دیا جائے، چنانچہ پروپیگنڈے کے ذریعہ علماء میں پھوٹ کی بنیاد ڈالی گئی، اخبارات میں جھوٹی سچی خبریں چھاپی گئیں، لگائی بجھائی کے لئے دونوں طرف مفسدوں کا ایک ٹولہ مقرر کیا گیا، ایک کو سفید سامراج کے خلاف اکسا کر کام نکالا گیا، دوسری طرف سرخ آندھی کے خطرہ کی گھنٹی بجائی گئی، کوئی

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی اشراط الساعة، ج:۲ ص: ٤٤، ط: فاروقی کتب خانه ملتان

آئے نہ آئے مگر دونوں طرف سے علماء کو کچل دیا گیا، جہاد کے دونوں فریق اسلام کے لئے لڑ رہے ہیں مگر جب معرکہ کارزار ختم ہوگا تو پتہ چلے گا کہ مال غنیمت دوسروں کے حصہ میں آیا اور اسلام کے بے لوث سپاہیوں کے حصے میں گہرے زخم۔ جن سے کبھی جانبر نہ ہوسکیں۔ یا کم از کم ان کی ٹیس ہمیشہ باقی رہے۔

خود غرض مفسدوں نے دونوں طرف کا تمام اسلحہ اسی خانہ جنگی میں ختم کرادیا، بد باطن ملاحدہ خوش ہیں کہ دونوں طرف کے بزرگوں نے ایک دوسرے پر ضمیر فروشی اور کفر تک کے فتوے لگا کر اپنے ہاتھ خود کاٹ لئے فتوؤں کی دوطرفہ تیر اندازی سے ان کے بازو شل اور جسم چھلنی ہوگئے وہ مجموعی طور پر آئندہ کبھی باطل کے لئے خطرہ نہیں بنیں گے نہ ان کا فتویٰ کبھی ان سے تجاوز کرے گا۔

ادھر عالم مسلمان ششدر ہیں، حیران ہیں، پریشان ہیں کہ یا اللہ! یہ یکایک کیا آفت آگئی اور اب صورت حال یہ ہے:

لایصلح الناس فوضی لاسراة لهم
و لا سراة اذا جهالهم سادوا

ترجمہ: فوضیت (انتشار و پراگندگی) کے ہوتے ہوئے جب کہ قوم کے رئیس باقی نہ رہیں، اصلاح کی کوئی توقع نہیں جس طرح کہ جاہلوں کی قیادت میں کوئی خیر نہیں اس کا وجود عدم سے بدتر ہے۔

یہ تھا منصوبے کا پہلا حصہ جو بڑی چابکدستی سے نافذ کیا گیا، کہ کسی کو احساس تک نہ ہونے دیا گیا (اور دوسرے حصہ کا خاکہ تیار ہے مگر الیکشن تک خود ان کا مفاد مانع ہے) اس کا نتیجہ ہے کہ اب سے کچھ پہلے کسی کو جرأت نہ تھی کہ وہ علمائے کرام پر فقرے چست کرے، اخباروں کے مزاحیہ کالم بڑوں بڑوں پر لکھے جاتے تھے لیکن کسی عالم دین پر لکھنا سوء ادب سمجھا جاتا تھا اب نہ صرف علماء پر گھٹیا قسم کے مقالے لکھے جارہے ہیں بلکہ تیسرے اور چوتھے درجہ کے صحافی جنہیں شاید صبح اٹھ کر منہ دھونا بھی نصیب نہ ہوتا ہو اللہ تعالیٰ کے ایسے ایسے مقبول بندوں پر طعنہ زنی کرتے ہیں، جن کے آنسوؤں سے بوقتِ سحر گاہی زمین سیراب ہوتی ہے، جن کی دعائیں عرش پر سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کھینچ لاتی ہیں اور جن کے وجود کی برکت سے عذاب ٹلتا ہے:

"أفما تنصرون وترزقون بضعفائكم"(۱)

اب کیسے یقین دلایا جائے کہ بحمد اللہ نہ وہ سوشلسٹ ہیں نہ یہ کسی کے ایجنٹ، انسانی کمزوریوں سے معصوم و مبرا کوئی بھی نہیں نہ ہم، نہ وہ، نہ یہ، نہ کوئی دوسرا تیسرا (جو کچھ عرض کیا گیا ہے یہ محض شاعری نہیں، سوچے سمجھے منصوبے کی نشاندہی ہے) کاش کسی بڑی سے بڑی ذات کا واسطہ دے کر عرض کیا جاسکتا کہ اے حضرات علماء

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب الجهاد عن رسول الله ﷺ، باب ماجاء فی الاستفتاح بصعالیك المسلمین، ج: ۱ ص: ۲۰۳، ط: فاروقی کتب خانه ملتان

کرام! غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کے طلسم کو توڑ ڈالو، بخدا! تم ایک دوسرے کے دشمن نہیں یہ خفیہ سازشی ہاتھوں کا کھیل ہے، بزدل دشمن نے رات کی تاریکی میں تم پر شب خون مارا ہے، اور تاریخ کے نہایت خطرناک موڑ پر انتقام لینے کے لئے تمہیں لڑا دیا گیا ہے، آؤ ایک دوسرے سے گلے مل جاؤ، کہا سنا سب معاف کردو۔

"ألا تحبون أن يغفر الله لكم" سب مل کر باطل کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ اور دشمن کے سارے ہتھکنڈے خاک میں ملا دو، جو کرو باہمی مشورے سے کرو سب کو ساتھ ملاؤ، ہر طبقے اور ہر جماعت کو اسلام کے پلیٹ فارم پر جمع کرو مگر باطل کو ایک لمحہ کے لئے گوارا نہ کرو، خواہ وہ سرخ ہو یا سفید، کالا ہو پیلا، غرض اپنی تمام قوتوں کو مجتمع کرکے اسلام کا بول بالا اور کفر کا منہ کالا کرو۔

﴿وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾
[الانفال: ٤٦]

اور آپس میں جھگڑو نہیں، ورنہ بودے ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر و ضبط سے کام لو۔ اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے۔

اندکے پیش تو گفتم حال دل وترسیدم
کہ آزردہ شوی، ورنہ سخن بسیار است

اللهم ارحم امة محمد ﷺ، و الف بين قلوبهم واصلحهم واصلح ذات بينهم وانصرهم على عدوك وعدوهم، وصلى الله تعالى على خير خلقه صفوة البرية سيد نا محمدن النبي الامي وعلى آله واصحابه واتباعه و بارك وسلم.

[جمادی الاخری ۱۳۹۰ھ/اگست ۱۹۷۰ء]

صوبائی تعصب اور فتنہ رنگ و نسل کا اصل علاج

خدا خدا کرکے طویل انتظار بلکہ مایوسی کے بعد پہلی مرتبہ جمہوری انداز میں انتخاب ہوا، انتخاب کے نتائج اگرچہ زیادہ امید افزا نہیں ہیں بلکہ بعض وجوہ سے افسوس ناک ہیں تاہم آئندہ کے لئے ایک گونہ طرح پڑ گئی اور توقع ہوگئی کہ انشاء اللہ کسی نہ کسی وقت اس ملک کا بیڑہ ساحل مراد پر لگ جائے گا، تمام رہنمایان قوم نے بانگ دہل اعلانات کئے ہیں کہ ہم اس ملک میں اسلامی دستور اور اسلامی آئین نافذ کریں گے اور اس ملک میں کتاب وسنت کا قانون بنے گا، اب یہ ان کے لئے شدید امتحان کا وقت ہے کہ یہ دعوے میں کہاں تک سچے تھے اور ان میں کتنی صداقت تھی، ہم بار بار یہ صاف عرض کر چکے ہیں کہ اس ملک کا مزاج اسلامی ہے اور صحیح اسلام کے سوا اور کوئی نسخہ کامیاب نہیں ہو سکتا، جب قوم اسلامی قانون کی خواہاں ہو اور رہنمایان قوم نے اس کا اعلان کیا ہو اور مشرقی و مغربی پاکستان میں اتحاد کا بھی ایک ہی رشتہ ہو اور ایک ہی راستہ، تو خدارا! رہنمایان قوم اس ملک پر رحم کریں اور جلد سے جلد

اسلامی دستور تیار کرنے کے بعد اسلامی قانون کو نافذ کریں، اگر اسلامی قانون نافذ ہو گیا تو یہ تمام تنگ نظریاں صوبائی عصبیتیں، لسانی تعصبات اور رنگ و نسل کے یہ فتنے سب کے سب ختم ہو جائیں گے، ان فتنوں کی سرکوبی کے لئے ایک ہی نسخہ شفاء ہے اور وہ قرآن و اسلام ہے، پھر اسلام کی برکات نہ صرف اس ملک تک محدود رہیں گی بلکہ تمام عالم اسلامی انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک ایک عظیم ترین اسلامی رابطے میں منسلک ہو جائے گا اور اعداء اسلام کے تمام منصوبے خاک میں مل جائیں گے۔ مغربی سرمایہ داری، روسی کمیونزم یا چینی سوشلزم کے درمیان نقطہ اعتدال صرف اسلام ہی ہے، صرف پیٹ کا مسئلہ حل کرنے سے فکری انتشار کبھی ختم نہ ہوگا، ذہنی انتشار و اضطراب کا علاج روحانی اقدار ہیں جب تک روح کا علاج نہ ہو جائے اور قوم کی دینی اقدار پر تربیت نہ ہو جائے اور اس مخلوق کا خالق سے رابطہ مضبوط نہ ہو جائے اس وقت تک سکون و اطمینان ممکن نہیں، بہر حال اگر رہنمایان قوم کے نعروں میں ذرا بھی صداقت ہے تو انتظامی قوانین کے الجھاؤ میں اسلامی قانون سے جو قدر مشترک ہے ہرگز گریز نہ کریں بلکہ جلد سے جلد اسلامی دستور و اسلامی آئین تیار کر کے خدائے تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے سامنے سرخرو ہو جائیں۔

مرزا ناصر احمد کا دورۂ یورپ اور سعودی عرب میں ٹیلیویژن پر اس کی نمائش

پچھلے دنوں مرزا غلام احمد آنجہانی کا پوتا مرزا ناصر احمد، سر ظفر اللہ کی معیت میں یورپ کے دورے پر گیا، خبر آئی ہے کہ اس کے دورے کے مناظر سعودی عرب میں ٹیلیویژن پر دکھائے گئے، ہمیں مرزا ناصر کے دورۂ یورپ سے تعجب نہیں کیونکہ جس حکومت نے اس ناپاک پودے کی کاشت سرزمین پنجاب میں کی تھی اسے اس کی ہر قسم کی نگہداشت بھی بہر حال کرنی ہوگی، اب اگر اس دورے کے ذریعہ وہاں کے کسی مسلمان کو گمراہ اور مرتد کیا جا سکتا ہے تو انگریز کا اس سے دلچسپی لینا بھی ایک منطقی بات ہے آخر کون کاشتکار اپنے خود کاشتہ پودے سے پھل اٹھانے کا متمنی نہیں ہوتا۔

لیکن جو بات ہمارے لئے ناقابل فہم ہے وہ یہ ہے کہ سعودی عرب میں مرزا ناصر کے مناظر دکھانے کی کیا تک ہوئی، گذشتہ حج پر سر ظفر اللہ قادیانی اپنے چند رفقاء سمیت شاہ فیصل کا مہمان بن بیٹھا اور اب یہ قصہ پیش آیا، سرزمین قدس اور مرزا غلام احمد جیسے دجال مسیلمہ پنجاب اور بدکردار آدمی کے متبعین کی پذیرائی؟

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی؟

دنیا بھر کے ستر کروڑ مسلمانوں کے لئے ڈوب مرنے کی بات ہے کہ ان کا قبلہ اوّل یہودیوں کے قبضے میں ہے اور اللہ کا پہلا گھر قادیانی مرتدین کی یلغار کی زد میں ہے، رب کعبہ! تو بے نیاز ہے! ہمیں یہ روز بد بھی دیکھنا تھا کہ کعبہ کے پاسبانوں کے سامنے کعبے کی حرمت یوں لٹے گی؟ کون کہہ سکتا تھا کہ بیت المقدس پر موشے دایان اور حرم مقدس پر ظفر اللہ قادیانی مرتد یوں دندناتے پھریں گے اور پھر بھی عرب کے سادہ لوح ٹیلیویژن پر مرزا ناصر

کے دورے کی فلمیں دیکھیں گے؟ کاش عالم اسلام کے ستر کروڑ مسلمانوں کی غیرت نہ مرجاتی یہ خود مرجاتے تاکہ قیامت کے دن رب کعبہ کے سامنے روسیاہ نہ ہوتے، کاش! کوئی ہمارا پیغام عرب بھائیوں کو پہنچا دے کہ وہ قادیانیوں کی پذیرائی کر کے عالم اسلام کے زخمی دلوں پر نمک پاشی نہ کریں۔

مسلمان فروعی اختلافات ختم کر کے تبلیغ میں مشغول ہوں

مرزا ناصر نے دورۂ یورپ سے واپسی پر کراچی کی ایک پریس کانفرنس میں یہ وعظ فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے تمام فرقے اپنے فروعی اختلافات کو بھول کر سات سال کے لئے تبلیغ اسلام میں مشغول ہو جائیں:

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

مرزا ناصر یہ وعظ فرماتے وقت شاید بھول گئے کہ ان کا دادا مرزا غلام احمد تمام مسلمانوں کو ”ذریة البغایا وخنازیر الفلا“ (کنجریوں کی اولاد، حرامزادے اور جنگل کے سور) سے نوازتا تھا، ان کا باوا مرزا محمود ”ہر شخص بڑے سے بڑا مرتبہ پا سکتا ہے حتیٰ کہ محمد رسول اللہ سے بھی بڑھ سکتا ہے“ کے تمغۂ تقسیم کیا کرتا تھا، مرزائی امت عیسیٰ علیہ السلام کو شرابی کے لقب سے ملقب کرتی تھی اور قائد اعظم سمیت تمام مسلمانوں کو کافر تصور کرتے ہوئے ان کا جنازہ جائز نہیں سمجھتی تھی، وغیر ذالک۔ کیا یہ سب فروعی اختلاف تھے؟ مرزائی جو باتفاق امت مرتد کافر اور خارج از اسلام ہیں، آپ جانتے ہیں کہ ان کو فروعی اختلاف کے وعظ کی جرأت کیوں ہوئی؟ اس لئے کہ حکومت پاکستان میں ان مرتدوں کو مسلمانوں کی فہرست مردم شماری میں شامل رکھا گیا (اگرچہ مرزائی امت ہمارے ان حکمرانوں کو آج تک کافر ہی سمجھتی رہی جس طرح ظفر اللہ قادیانی نے قائد اعظم کو سمجھا) ان کے ساتھ ہر طرح کی مدارات بلکہ مداہنت برتی گئی، سول اور فوج کے اونچے اونچے مناصب پر ان کو مسلمانوں کے بجائے مسلط کیا گیا، انہیں ایک الگ اقلیتی فرقہ قرار دینے سے ہمیشہ کنی کترائی گئی اور انہیں مسلمانوں کو مرتد کرنے کی کھلی چھٹی دی گئی پھر آج مرزا ناصر یہ وعظ نہ کرتے تو کیا کرتے:

اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

تاہم مرزا ناصر کا وعظ اپنی جگہ قیمتی ہے ہم تمام مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے تمام فروعی اختلافات سات سال کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے بھول کر تبلیغ اسلام اور ردِ مرزائیت میں مشغول ہو جائیں۔ کیا مرزا ناصر کے اس اعلان کے بعد بھی مسلمانوں کو عقل نہیں آئے گی؟ کیا اب بھی ہماری حکومت ان مرتدین کے عزائم اور سرگرمیوں کا نوٹس نہیں لے گی؟ اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں پر رحم فرمائیں۔ آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خلقه صفوة البرية محمد وآله وصحبه اجمعين

[شعبان ۱۳۸۷ھ]

برطانوی عہدِ حکومت اور مسلمان

امت اسلامیہ کا یہ آخری دور بہت ہی پر فتن ہے، قدم قدم پر فتنے ہی فتنے ہیں، برطانوی عہد حکومت میں سب سے زیادہ انتقام مسلمانوں سے لیا گیا۔ ہر ملک میں نہایت خطرناک فتنے کھڑے کئے گئے، متحدہ ہندوستان میں انگریزوں کے قدم جمے تو چونکہ یہ سرزمین اہل علم میں پختگی اور دینی بصیرت کے لئے ممتاز تھی اس لئے یہاں کے مسلمانوں کو سب سے زیادہ انتقام کا نشانہ بنایا گیا اور دین اسلام سے مسلمانوں کا رشتہ منقطع کرنے کے لئے سب سے زیادہ فتنوں کی تخم ریزی کی گئی مثلاً:

(الف)……علماء و صلحاء کو چن چن کر ٹھکانے لگانے کی کوشش کی گئی، مسلمانوں کے مذہبی اوقاف ضبط کر لئے گئے، ان کے معابد و مدارس اجاڑ دیئے گئے، دینی راہنماؤں کو عوام کی نظر میں ذلیل کرنے کے لئے طرح طرح کے القاب وضع کئے گئے، ملک میں مسیحی مشنریوں کا جال پھیلایا گیا اور لوگوں کو عیسائی بنانے کے لئے ترغیب و ترہیب کے تمام ذرائع اختیار کئے گئے۔

(ب)……اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مغرب کا ملحدانہ نصاب تعلیم اور طریقہ تعلیم رائج کیا گیا اور اس کے ذریعہ اسلامی عقائد پر کاری ضرب لگانے کی کوشش کی گئی، نئی نسل کے دل و دماغ کو خالص لامذہبیت میں ڈھالنے کے سانچے تیار کئے گئے اور دین سے نفرت و بیزاری اور اسلام کی ہر بات میں تشکیک و تذبذب ہی تعلیم کا سب سے اونچا معیار سمجھا گیا۔

(ج)……پورے اسلامی معاشرہ پر مغربی تہذیب کی یلغار ہوئی اور وہ تمام گندگی جو تہذیب مغرب کا خاصہ ہے، غلامان ہند کا فیشن قرار پائی، گویا تعلیم جدید نے ذہن و قلب کو بدلا تھا اور مغرب کے تہذیبی تحفہ نے یہاں کے مسلمانوں کی صورت و سیرت، وضع قطع، اخلاق و معاشرت، تہذیب و ثقافت کے تمام زاویے ہی بدل ڈالے اور تہذیب جدید کے متوالوں کے لئے یہود و نصاریٰ کی نقالی عزت و افتخار کا نشان بن گئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

الغرض اس طرح کے بے شمار فتنے کھڑے کئے گئے جن کی تفصیل کے لئے ایک دفتر چاہئے، مگر ان تمام فتنوں میں سب سے بڑا فتنہ اور امت اسلامیہ کے خلاف سب سے بڑی سازش جو برطانوی حکومت نے کی وہ فتنہ قادیانیت اور مرزائیت ہے جو مرزا غلام احمد آنجہانی کے ذریعہ ظہور میں آیا۔

حکومتِ برطانیہ اور فتنۂ قادیانیت و مرزائیت

انگریزوں نے واضح طور پر محسوس کیا کہ ہزار کوششوں کے باوجود وہ اس بات میں کامیاب نہیں ہو سکے کہ امت اسلامیہ کا رشتہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن نبوت سے بالکل ہی کاٹ ڈالیں، انہیں اس بات کا بھی خوب تجربہ ہوا کہ مسلمان خواہ ایمانی و اخلاقی انحطاط کے آخری نقطہ تک پہنچ چکے ہوں لیکن جب محمد رسول اللہ کی

عزت وحرمت کا سوال سامنے آتا ہے تو امت اسلامیہ کے دل میں ایمان کی چھپی چھپائی چنگاری بھی ایک خوفناک آتش فشاں کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور وہ کسی نہ کسی غازی علم الدین شہید کو سامنے لا کھڑا کرتی ہے، اس لئے انہیں ایک ایسے دین ومذہب کی ضرورت تھی جو دین کے نام پر بے دینی کا مرقع ہو، جس کے ظاہر میں دین کا مقدس نام ہو اور باطن میں سراسر کفر پوشیدہ ہو۔

انہیں ایک ایسی تحریک درکار تھی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ سے ہٹا کر مسلمانوں کو ایک ایسی نئی نبوت سے وابستہ کردے جس کی تمام وفاداریاں انگریزی طاغوت کے لئے وقف ہوں، انہیں سرزمین ہند میں ایک ایسا خاردار خودکاشتہ پودا نصب کرنے کی ضرورت تھی جس کے کانٹوں میں الجھ کر امت اسلامیہ کا دامن اتحاد تار تار ہو جائے اور جس کے سائے میں انگریزی طاغوت کو استحکام نصیب ہو، انہیں معلوم تھا کہ مہدی موعود کا دعویٰ اسلامی تاریخ کا کوئی انوکھا واقعہ نہیں ہے اس سے پہلے بہت سے طالع آزما دکان مجددیت چمکا کر دجل وفریب کا بیوپار کر چکے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ مسلمانوں میں ہر صدی میں ایک مجدد پیدا ہوتا ہے، ادھر عوام کالانعام میں جاہلانہ اعتقاد نہ جانے کس شیطان نے پھیلا دیا تھا کہ چودھویں صدی ہی بس آخر صدی ہے اس کے بعد کوئی صدی نہیں. قیامت سے پہلے جن چیزوں کے وقوع کی خبر احادیث میں دی گئی ہے یعنی ظہور مہدی، خروج دجال، نزول عیسیٰ، یاجوج ماجوج اور دابۃ الارض وغیرہ وہ سب اسی صدی میں ہوں گی۔ (۱)

ادھر نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام کے مسلمانوں کے سیاسی حالات نہایت ابتر تھے اور عام لوگ ان حالات کے سامنے بالکل بے بس اور سپر انداز نظر آتے تھے، ان پر ذہنی حبس اور یاس وقنوطیت کے بادل منڈلا رہے تھے اور فطری طور پر ان حالات کے مقابلہ کے لئے مرد ے از غیب کے منتظر تھے، اسلام اور مسلمانوں کے ازلی دشمنوں نے سوچا کہ ان حالات میں مجددیت، مہدویت اور مسیحی نبوت کا جعلی سکہ چلایا جائے تو بڑی آسانی سے چل سکتا ہے، چنانچہ اس مقصد کے لئے صوبہ پنجاب میں قادیان ضلع گورداسپور کے مرزا غلام احمد کو منتخب کیا گیا، اس مہم کے لئے پنجاب اور قادیان کا حسن انتخاب بھی بڑا معنی خیز تھا، پنجاب اپنے مخصوص مزاج کی وجہ سے انگریز سرکار کا سب سے زیادہ وفادار صوبہ تھا اسے فوجی کمک سب سے زیادہ یہیں سے میسر آتی تھی اور قادیان

---

(۱) مرزا جی نے اس جاہلانہ خیال سے فائدہ اٹھانے کی پوری کوشش کی، چنانچہ اربعین ۲ میں فرماتے ہیں "انبیاء گذشتہ کے کشوف نے اس بات پر مہر لگادی کہ وہ (مسیح موعود) چودھویں صدی کے سر پر پیدا ہوگا اور یہ کہ پنجاب میں ہوگا"۔ اور ضمیمہ نصرۃ الحق میں لکھتے ہیں: "احادیث صحیحہ میں آیا تھا کہ وہ مسیح صدی کے سر پر آئے گا اور وہ چودھویں صدی کا امام ہوگا"۔ انبیاء گذشتہ اور احادیث صحیحہ پر مرزا جی کی یہ تہمت ان سینکڑوں کذب بیانیوں میں سے ایک سفید جھوٹ ہے، کسی نبی کے کشف اور کسی حدیث میں یہ نہیں آتا کہ مسیح علیہ السلام فلاں صدی میں تشریف لائیں گے اور یہ کہ پنجاب میں ہوگا، یہ مرزا کا دوسرا بڑا جھوٹ ہے جس سے انہوں نے جاہلوں کو دھوکہ دیا، اس کے برعکس احادیث صحیحہ میں تو یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول دمشق کے شرقی منارہ پر ہوگا۔ (مدیر)

میں مرزا صاحب کا خاندان انگریزی عملداری کے آغاز ہی سے انگریز کا سب سے بڑا پشتیبان اور تاجِ برطانیہ کی اطاعت گذاری وفا شعاری اور نمک خواری کا اعلیٰ نمونہ تھا، اس لئے سیاسی نبوت کے لئے اسی پشتینی وفادار خاندان کے ایک فرد کا انتخاب نہایت موزوں تھا، یوں بھی پنجاب کی زرخیز سرزمین میں پیروں، مریدوں کا قحط نہیں تھا، یہاں بلاتمیز ہر شعبدہ باز کو مریدوں کی اچھی خاصی تعداد کا میسر آ جانا ایک معمولی بات تھی۔

مرزا غلام احمد اور دعویٰ نبوت

مرزا صاحب نے مسیحائی کے مراتب طے کرنے کے لئے بڑی محتاط قسم کی تدریجی رفتار اختیار کی، پہلے پہل گوشۂ گمنامی سے نکل کر وہ ایک مناظرِ اسلام کی حیثیت سے قوم کے سامنے آئے اور تمام ادیانِ باطلہ کے مقابلہ میں اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے ''براہین احمدیہ'' کی پچاس جلدیں لکھنے کا اشتہار دیا اور قوم سے چندہ کی اپیل کی۔ (١)

جب وکیل اسلام کی حیثیت سے ان کی روشناسی ہوئی تو اپنے دعاوی میں علی الترتیب محدث، ملہم من اللہ، امام الزماں، مجدد، مہدی موعود، مثیل مسیح، مسیح موعود، ظلی نبی کے درمیانی مدارج طے کرتے ہوئے تشریعی نبوت کی بام بلند پر پہنچ گئے اور بہانگ دہل وحی، نبوت اور معجزات کا اعلان کر دیا اور ''محمد رسول اللہ'' کا مصداق خود بن بیٹھے، قرآن کریم کی جو آیات حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تھیں ان کو اپنی ذات پر منطبق کیا، اپنے دور کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے افضل بتلایا، اولوالعزم انبیاء کرام کی توہین کی، انبیاء علیہم السلام سے افضلیت کا دعویٰ کیا، اپنی وحی کو قرآن جیسی قطعی وحی بتلایا اور جو لوگ ان کی اس خانہ ساز نبوت پر ایمان نہیں لائیں انہیں کافر وجہنمی قرار دیا، بلکہ انہیں ولد الحرام، ذریۃ البغایا، کنجریوں کی اولاد، خنزیر اور کتوں کے نام سے یاد کیا، نئی شریعت کے ذریعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے جن اجزاء کو چاہا منسوخ کر ڈالا، برطانوی حکومت کو ظل اللہ فی الارض کا خطاب عطا ہوا، اس کی اطاعت کو فرض اور اسلام کے دو حصوں میں سے ایک حصہ قرار دیا، کافروں سے جہاد کا حکم منسوخ ہوا اور انگریزوں کے مقابلہ میں جہاد کے حرام ہونے کا فتویٰ صادر ہوا، دین کے قطعی عقائد کا مذاق اڑایا، احادیث متواتر کی تکذیب کی، قرآن کریم کی بے شمار آیتوں میں کھلی تحریف ہوئی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غبی کے خطاب سے نوازا، مسلمانوں سے شادی بیاہ کرنا، ان کے جنازے میں شریک ہونا اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا ممنوع اور حرام قرار پایا، الغرض ایسے صریح سے صریح ترین دعوے کئے کہ ان میں

---

(١) مرزا صاحب کو اس پر خوب چندہ ملا مگر انہوں نے مسلمانوں کا چندہ کھا پی کر پچاس جلدوں کے بجائے صرف پانچ جلدیں تحریر فرمائیں اور یہ نکتہ ارشاد فرمایا کہ ۵ اور ۵۰ میں صرف ایک نقطے کا معمولی سا فرق ہے، لہٰذا پانچ سے پچاس کا وعدہ پورا ہو گیا۔ (مدیر)

سے یہ بات مستقل کفر کی بات تھی اور ان میں کسی طرح بھی تاویل کی گنجائش نہیں تھی۔ اس لئے علمائے امت نے متفقہ طور پر مرزا صاحب اور ان کی امت کا کافر و مرتد ہونے کا فتویٰ دیا اور ان کی کتابوں سے ایک سو کے قریب صریح کفریات جمع کئے، اگر پوری طرح استقصا کرکے تمام کفریات و ہذیانات کو جمع کیا جائے تو ایک ہزار کفریات سے کم نہ ہوں گے۔ خدا کا غضب ہے کہ ظل و بروز کے پردے میں اسلام کے تمام اصطلاحات کو مسخ کیا گیا، مرزا صاحب کی اہلیہ کے لئے ''ام المؤمنین'' کی اصطلاح استعمال ہوئی، ان کے ہاتھ پر کفر و ارتداد قبول کرنے والوں کو صحابی کہا گیا اور ان کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے افضل بتایا گیا، قادیان کو حرم اور مرزا کی قبر کو گنبد بیضا قرار دے کر مکہ اور مدینہ کے بجائے یہاں کے حج و زیارت کی دعوت دی گئی اور اسے مکہ و مدینہ کے حج و زیارت سے افضل بتایا گیا:

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو!

اور شخصی زندگی ایسی کہ ان صفحات پر اس کا ذکر کرنا بھی باعث شرم ہے۔

انگریزی دربار اور مرزا غلام احمد اور اس کی امت

انگریزی دور میں مرزا غلام احمد اور ان کی امت کا مشن صرف دو چیزیں تھیں، امت مسلمہ میں تفریق و انتشار کے بیج بونا اور مسلمانوں کو انگریزوں کی وفاداری کی تلقین کرنا ان کی دعوت یہ تھی کہ برطانوی حکومت ''ظل اللہ فی الارض'' ہے، اس کی حمایت و حفاظت ہر مسلمان کا فرض ہے اور اس کے خلاف جہاد حرام ہے، گویا اس دور میں قادیانی نبوت پر ایمان لانے کے معنی انگریزوں کی وفاداری پر ایمان لانے کے تھے، خود مرزا صاحب کے لفظوں میں باعتبار مذہبی اصول کے گورنمنٹ کا اول درجے کا وفادار اور جان نثار یہی نیا فرقہ ہے جس کے اصول میں سے کوئی اصول گورنمنٹ کے لئے خطرناک نہیں۔ اور یہ کہ ''اور میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے، کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے''۔

ایک طرف اگر انگریز کو مسلمانوں میں انتشار پھیلانے، انہیں دین سے برگشتہ کرنے اور انگریز کا وفادار بنانے کے لئے اس خانہ ساز نبوت کی ضرورت تھی تو دوسری طرف مرزا صاحب اور ان کی امت کو بھی اس امر کا بجا طور پر احساس تھا کہ جعلی نبوت کا یہ سکہ انگریز کی اندھیر نگری ہی میں چل سکتا ہے اور اسی کے سایہ عاطفت میں جھوٹی نبوت کا یہ شجرہ خبیثہ پرورش پا سکتا ہے، کوئی گھٹیا سے گھٹیا اسلامی حکومت بھی اس کفر و ارتداد کو برداشت نہیں کر سکتی، اس لئے فیصلہ کیا گیا کہ قادیانیت اور انگریز بہادر کے مفادات باہم متحد ہیں، قادیانیت کی ترقی انگریزی

حکومت کے استحکام کی ضامن ہے اور انگریزی استعمار کی توسیع قادیانیت کے پھلنے پھولنے کی ضمانت ہے۔ (۱)

تاج برطانیہ کا خود کاشتہ پودا

مرزا صاحب اور ان کی امت نے جس طرح خود کو تاج برطانیہ کا خود کاشتہ پودا بتایا، ملکہ برطانیہ اور دیگر اعلیٰ و ادنیٰ حکام کے حضور میں جس طرح نیازمندانہ خطوط لکھے، ان کے مراحم خسروانہ کے حصول کی خاطر تعلق اور خوشامد کا جو پست اور گھٹیا انداز اختیار کیا اور گورنمنٹ برطانیہ کے حق میں مسلمانوں کی رائے کو ہموار کرنے کے لئے فتویٰ حرمت جہاد کی پچاس پچاس الماریوں کے جو حوالے دیئے وہ آج بھی ان کی مطبوعہ کتابوں میں محفوظ ہیں، یہاں ان کے نقل کرنے کی نہ گنجائش ہے نہ ضرورت ہے۔

قادیانی انگریزوں کے ایجنٹ

الغرض قادیانی جہاں جاتے اور جس ملک میں ہوتے وہ انگریز کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرتے، کیونکہ دونوں کے مفادات متحد تھے اور ان مفادات کا تحفظ جبھی ممکن تھا جب کہ ان کا الگ قومی تشخص ہو، اس لئے وہ انگریزی دور میں بھی مسلمانوں سے الگ اپنے قومی تشخص پر زور دیتے تھے، چنانچہ تقسیم ملک کے وقت باؤنڈری کمیشن کے سامنے انہوں نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ چونکہ وہ مسلمانوں سے الگ ایک قوم ہیں اس لئے انہیں ایک الگ خطہ دیا جائے، لیکن ان کے اس مؤقف کا فائدہ ہندوستان کو ملا کیونکہ ملک کی تقسیم مسلم اور غیر مسلم کی بنیاد پر ہو رہی تھی اور جب مرزائیوں نے خود اپنے کو غیر مسلم ظاہر کر دیا تو جس خطے کا وہ مطالبہ کر رہے تھے وہ ہندوستان کا حق قرار پایا اور یوں مسلمانوں کے جو علاقے پاکستان کے حصہ میں آتے تھے ہندوستان کا استحقاق ان پر ثابت ہو گیا، قیام پاکستان کے بعد وہ اپنے روحانی مرکز کو چھوڑ کر پاکستان چلے آئے اور یہاں آ کر انہوں نے طے کیا کہ:

(الف)۔۔۔ پاکستان میں ایک عارضی مرکز (۲) قائم کیا جائے، چنانچہ ایک مستقل علاقہ پنجاب میں کوڑیوں کے مول لیا گیا اور وہاں ربوہ کے نام سے خالص مرزائی شہر آباد کیا گیا، وہاں تک ریلوے لائن چلائی گئی، دفاتر قائم کئے گئے، کالج اور اسکول کھولے گئے، اخبارات جاری ہوئے، الفرقان کے نام سے ایک اسپیشل فوج تیار

---

(۱) خلیفہ قادیان کا ایک اعلان جو ان کے اخبار ''الفضل'' میں ۲۷؍ جولائی ۱۹۱۸ء کو شائع ہوا ان کے اس مشن کی صحیح نمائندگی کرتا ہے، اس کا ایک جملہ درج ذیل ہے: ''سلسلہ احمدیہ کا گورنمنٹ برطانیہ سے جو تعلق ہے وہ باقی تمام جماعتوں سے نرالا ہے، ہمارے حالات ہی اس قسم کے ہیں کہ گورنمنٹ اور ہمارے فوائد ایک ہو گئے ہیں، گورنمنٹ برطانیہ کی ترقی کے ساتھ ہمیں بھی آگے قدم بڑھانے کا موقع ہے اور اس کو خدانخواستہ کوئی نقصان پہنچے تو اس صدمے سے ہم بھی محفوظ نہیں رہ سکتے''۔

(۲) عارضی اس لئے کہ ان کے نزدیک ملک کی تقسیم عارضی تھی، اور خدا کا منشا یہ تھا کہ بہت جلد دونوں حصوں کو پھر ایک کر دیا جائے غالباً مشرقی پاکستان کا سقوط ان کے خیال میں خدا کی منشا کی پہلی قسط ہے۔ (مدیر)

لیکن اب ربوہ پاکستان میں ایک مستقل ریاست کی حیثیت رکھتا ہے، جہاں عملاً حکومت خلیفہ قادیان کی ہے، پاکستان کے ہر خطہ میں مرزائی آباد ہو سکتے ہیں لیکن کیا مجال کہ اس قادیانی ریاست میں کوئی مسلمان رہ سکے؟ حکومت پاکستان نے تمام اسلامی و غیر اسلامی اوقاف پر قبضہ کیا لیکن ان کے کروڑوں کے اوقاف کو نہیں چھیڑا۔

(ب)…… خلیفہ ربوہ کی ہدایت کے مطابق سول سروس فوج اور بیرونی سفارت خانوں میں زیادہ سے زیادہ مرزائیوں کو گھسانے اور کلیدی آسامیوں پر انہیں مسلط کرنے کی اسکیم تیار کی گئی، بدقسمتی سے پاکستان کا سب سے پہلا وزیر خارجہ سر ظفر اللہ قادیانی ہوا، اس نے اپنے اثر و رسوخ سے اندرون و بیرون ملک قادیانیت کی جڑیں خوب مضبوط کیں، یہاں تک کہ پاکستان کے ہر دور میں اس فتنہ کی آبیاری ہوتی رہی، آج اعداد و شمار ہی بتا سکتے ہیں کہ قادیانیوں کی کل تعداد کتنی ہے اور وہ تمام محکموں میں کتنے بڑے حصے پر قابض ہیں۔

(ج)…… مذہبی طور پر اگرچہ مرزائیوں نے اپنا الگ تشخص باقی رکھنا ضروری سمجھا مگر مسلمانوں کو کافر کہنے کی پالیسی میں لچک پیدا کر لی اور ۱۹۵۳ء میں منیر عدالت میں مرزا محمود نے اعلان کر دیا کہ ہم غیر احمدی مسلمانوں کو کافر نہیں کہتے مگر یہ سب دجل اور نفاق تھا، دراصل ہوا کا مخالف رخ دیکھ کر مرزائیوں نے محسوس کر لیا تھا کہ اب مسلمانوں کو کافر کہنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انہیں ایک غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے گا اور مسلمانوں میں شامل رہ کر جن کلیدی آسامیوں پر وہ فائز ہیں اس استحصال کے دروازے بند ہو جائیں گے، یہ مرزائیوں کا ایسا دجل تھا جس نے گذشتہ دور کے سارے حکمرانوں کو تاریکی میں رکھا۔

(د)…… اندرون ملک مسلمانوں کو مرتد بنانے کی کوششیں تیز کر دی گئیں اور اپنی سیاسی طاقت پیدا کرنے کے لئے کم از کم بلوچستان کے صوبہ کو احمدی بنانے کی خوفناک تحریک کی گئی۔

(الفضل ۱۳راگست ۴۸ء خلیفہ ربوہ کا خطبہ)

(ہ)…… انگریزوں کی ایجنٹی کا کام نہایت ہی منظم اور خفیہ طریقے سے جاری رکھا اور مغربی ممالک کے علاوہ اسلامی اور عربی ممالک میں سازشیں پھیلانے کے لئے وہاں مشن کھولے، چنانچہ اسرائیل کے ساتھ پاکستان سمیت اسلامی ممالک کے تعلقات نہیں ہیں، مگر قادیانیوں کے ان سے باقاعدہ روابط ہیں اور انگریزوں کو ان پر یہاں تک اعتماد ہے کہ ایک حکمران نے اس امر کا اظہار کیا کہ اگر فلاں قادیانی کو ہٹا دیا جائے تو ہماری بیرونی امداد بند ہو جائے گی، غالباً یہی وجہ ہے کہ قادیانیوں کو قیام پاکستان سے لے کر اب تک کلیدی عہدوں پر تفوق حاصل رہا ہے، ایوب خان نے تمام سابق سیاست دانوں کو ملک کا غدار کہا مگر بقول ان کے غداروں کے دور میں جو قادیانی جن بڑے عہدوں پر فائز تھے ایوب صاحب نے انہیں ان سے الگ نہیں کیا بلکہ انہیں مزید ترقی دی اور مزید قادیانی بھرتی کئے، موجودہ دور میں ایوب خان کو جلی کٹی سنائی جاتی ہیں لیکن قادیانی ایوبی دور سے بھی اب بلند عہدوں پر فائز ہیں۔

الغرض ہر دور میں اس فتنہ کی آبیاری ہوتی رہی، انہیں تبلیغ اسلام کے نام پر غیر ملکوں میں مشن کھولنے کے لئے زرمبادلہ کی خطیر رقمیں مہیا کی گئیں، لیبیا، انڈونیشیا وغیرہ اسلامی ممالک میں مسلمانوں کے نام سے قادیانی ڈاکٹر انجینئر اور دیگر ماہرین بھیجے گئے اور اب تو پانی سر سے گذر گیا ہے اور تمام سابقہ ریکارڈ ٹوٹ گئے ہیں اور جب عربی اسلامی حکومت اور وہاں کے علماء ومشائخ کو اس مکروہ صورت حال کا علم ہوا تو وہ چیخ اٹھے، انہیں اس مہیب خطرے کا احساس ہوا تو انہوں نے علماء ہند و پاک کی موافقت کی اور اس فرقہ کا فرد کی تکفیر کی، اس کے عقائد ونظریات اور عزائم ومقاصد پر رسالے لکھے اور مضامین ومقالات شائع کئے اور پہلی مرتبہ بین الاقوامی سطح پر ان حقائق سے پردہ اٹھا اور عالمی اسلامی تنظیموں نے تمام اسلامی ممالک سے اپیل کی کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، کیونکہ وہ عالم اسلام میں اسرائیل کے ایجنٹ ہیں، یہ سب کچھ اخبارات ورسائل میں چھپ چکا ہے، اب تو مرزائیوں کے حوصلے اتنے بڑھ گئے ہیں کہ ان کے موجودہ خلیفہ مرزا ناصر نے الفضل میں پاکستان کی موجودہ حکومت کو بھی دھمکی دے ڈالی، یہ ملک کی بدنصیبی ہے کہ پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر ۱۳، ۱۴ رمرزائی پہلی مرتبہ مرکزی اسمبلی کے لئے مسلمانوں کے ووٹوں سے منتخب ہوئے، انا للہ۔ انسان ان دردناک حقائق کو کہاں تک شمار کرائے، بہر حال عالم اسلام میں بیداری کی کچھ لہر پیدا ہوئی تو امت مرزائیہ کو بھی اپنی فکر ہوئی اور مرزا غلام احمد آنجہانی کے دعوی نبوت میں تاویلات کرنے لگی، مرزائیوں کے طرز عمل سے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب وہ ظاہری سطح پر بدل رہے ہیں اور مرزا آنجہانی کو مجدد ماننے کی طرف آرہے ہیں، جس طرح لاہوری پارٹی ان کو مجدد مانتی ہے، پہلے بھی اسلامی ممالک میں جہاں ان کو ابتلاء پیش آیا تو تقیہ کر کے مرزا آنجہانی کی نبوت سے انکار کرنا شروع کر دیا، ان کی اس تبدیلی رخ کا مقصد صرف یہ ہے کہ بین الاقوامی سطح پر ان کے خلاف جو ہنگامہ آرائی شروع ہوگئی ہے وہ ذرا دب جائے اور طوفان کا یہ ریلا نکل جائے اس لئے اس صورت حال کے پیش نظر چند گذارشات پیش کرنا ضروری ہے۔

کفر وارتداد سے توبہ کا طریقہ

① اگر کوئی کافر یا مرتد اپنے کفر وارتداد سے تائب ہو کر مسلمان ہونا چاہتا ہے تو اسلام کی وسیع اور عالمگیر رحمت کے دروازے اس کے لئے بند نہیں ہیں، وہ صاف وصریح توبہ کر کے اسلام میں داخل ہو سکتا ہے اور اسلامی برادری کا معزز فرد بن سکتا ہے ”چشم ما روشن دل ما شاد“ مگر اسے اپنے تمام سابقہ کفریہ عقائد سے اجمالاً وتفصیلاً توبہ کرنا ہوگی اور اپنے سابقہ عقائد سے برأت کا اعلان کرنا ہوگا۔

② جس شخص کا کفر وارتداد ثابت ہو جائے اور اس کے کفریہ عقائد میں تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو، اس کو امام، مقتدا، مصلح اور مجدد ماننا بھی کفر ہے، کیونکہ ایسے شخص کو امام اور مجدد ماننے کے معنی یہ ہیں کہ یہ شخص اس مرتد کے عقائد ونظریات اور اس کے تمام دعووں کو تسلیم کرتا ہے، ایک مسلمان کو مسلمان کہنا اور سمجھنا جس طرح ضروری ہے

ٹھیک اسی طرح ایک دجال، کافر و مرتد کو کافر کہنا بھی ضروری اور فرض ہے۔ چنانچہ مرزائیوں کی لاہوری جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ مرزا غلام احمد آنجہانی مجدد تھے نبی نہیں تھے مگر علمائے امت نے اسی نکتہ کی بنیاد پر بھی ان کو کافر ہی سمجھا بلکہ انہیں قادیانی مرزائیوں سے بھی زیادہ خطرناک سمجھا گیا۔

③ مرزائیوں کو اگر واقعی اپنی گمراہی کا احساس ہو گیا ہے اور وہ تہہ دل سے مسلمان ہونا چاہتے ہیں اور پاکستان کے سچے شہری خواہ بن کر اسلامی برادری میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو مرزائی امت کو (خواہ قادیانی، ربوی ہوں یا لاہوری) صاف صاف اپنے عقائد کفریہ سے توبہ کا اعلان کر دینا چاہیے اور اس امر کا اقرار و اعتراف کرنا چاہیے کہ مرزا غلام احمد آنجہانی اپنے تمام دعاوی میں واقعۃً جھوٹا تھا، مفتری تھا، کذاب تھا، دائرہ اسلام سے خارج تھا، اگر وہ ایمانی جرأت سے کام لے کر اپنے نفاق اور تاویلات سے توبہ کرنے پر آمادہ ہیں تو ماشاء اللہ کیا کہنا، وہ ہمارے بھائی ہوں گے اور اخوت اسلامیہ کی عالمگیر برادری میں شامل ہو جائیں گے۔

اپنے سالہا سال کے عقائد کو غلط کہنا اور باپ دادا کے مذہب کو خیرباد کہنا بڑے دل گردے کا کام ہے، آدمی اس میں طبعاً خفت محسوس کرتا ہے، مگر حق بات کا ماننا اگرچہ مشکل اور بے حد مشکل ہے لیکن اس سے آدمی کی عزت و وقار کو ٹھیس نہیں لگتی بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوتا ہے، ہم مرزائیوں کو اطمینان دلاتے ہیں کہ مرزا آنجہانی کی سیاسی نبوت سے چپکے رہنے کے بجائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن نبوت سے وابستہ ہو جائیں تو ان کے کسی سابقہ قول و فعل پر کوئی مسلمان انہیں عار نہیں دلائے گا بلکہ تمام مسلمان انہیں سر آنکھوں پر بٹھانے کے لیے تیار ہوں گے، نیز اگر وہ دین مرزائیت سے تائب ہونا چاہتے ہیں تو انہیں مرزا غلام احمد آنجہانی کی تمام کتابوں سے دستکش ہو جانا چاہیے اور غلام احمد کی احمدی نسبت ترک کر دینی چاہئے اور اندرون و بیرون ملک مرزائیت کے تمام اڈوں کو ختم کر دینا چاہئے۔

مرزائی امت تقریباً سو سال سے تاویل در تاویل کے گرداب میں پھنسی ہوئی ہے، عبداللہ آتھم عیسائی کی موت اور احمدی بیگم کے آسمانی نکاح کی پیشگوئی ہو یا مرزا آنجہانی کے عجیب و غریب دعوے ہوں، مرزائیت کی تو کوئی کل بھی سیدھی نہیں، مرزائی امت کے صنادید سو سال سے تاویل کے تیشوں سے اس کی تراش خراش میں مصروف ہیں مگر جسے خدا نے ٹیڑھا پیدا کیا ہو اسے کون سیدھا کر سکتا ہے "ولن يصلح العطار ما افسد الدهر" یقیناً مرزائی دوست سو سال تک مرزا آنجہانی کی ہذیانات کی الٹی سیدھی تاویلیں کرتے کرتے تھک چکے ہوں گے، خود ان کا ضمیر بھی انہیں ملامت کرتا ہوگا کہ وہ صریح غلط بیانیوں کو خواہ مخواہ تاویل کے رندوں سے تراش تراش کر صحیح ثابت کرنے کی عبث کوشش کیوں کر رہے ہیں، کاش وہ جس جال میں پھنسے ہوئے ہیں ایک جھٹکا دے کر اسے توڑ ڈالتے اور ذہنی پیچ اور ولولی جو کیفیت ان پر سو سال سے طاری ہے اس سے ان کی گلوخلاصی ہو جاتی۔

④ بہر حال اگر مرزائی صاحبان دین مرزائیت سے تائب ہونا چاہتے ہیں تو اسلام کی آغوش ان کے لئے

اب بھی کشادہ ہے اور مسلمان انہیں گلے لگانے کے لئے تیار ہیں، لیکن اگر انہیں اپنے عقائد پر اصرار ہے اور وہ مرزا آنجہانی کو بدستور مسیح موعود اور مہدی معہود یا مصلح اور مجدد مانتے ہیں اور صرف ہوا کا رخ دیکھ کر از راہ تقیہ اپنے نظریات کو تاویلات کے نئے غلاف میں پیش کر کے مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں تو انہیں یہ غلط فہمی ذہن سے نکال دینی چاہیے کہ وہ دجل و تلبیس کے راستہ سے مسلمانوں کی صفوں میں ایک بار پھر گھس آئیں گے، من جرب المجرب حلت به الندامة۔

کتے، خنزیر، کافر، جہنمی اور ولد الحرام کے وہ سینکڑوں خطابات مسلمانوں کو اب تک بھی خوب یاد ہیں اور ہمیشہ یاد رہیں گے جن سے مرزائے آنجہانی نے مسلمانوں کو نوازا تھا، مسلمانوں کو مرزائیوں کے خلیفہ دوم کے وہ بیسیوں اعلانات بھی خوب یاد ہیں جن میں بڑے غرور اور تحدی سے کہا جاتا تھا:

"کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہ سنا ہو وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں"۔ (آئینہ صداقت مصنفہ مرزا محمود)

"حضرت مسیح موعود نے تو فرمایا ہے کہ ان کا (یعنی مسلمانوں کا) اسلام اور ہے ہمارا اور، ان کا خدا اور ہے ہمارا اور، ہمارا حج اور ہے اور ان کا اور، اسی طرح ہر بات میں ان سے اختلاف ہے"۔ (مرزا محمود کی تقریر)۔

"یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفات مسیح یا اور چند مسائل میں ہے، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی ذات، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ غرض آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ان سے ہمیں اختلاف ہے"۔

⑤ کیا ان واضح اعلانات کے بعد بھی اس کا امکان ہے کہ مرزا آنجہانی کے واضح کفریات کی تصدیق کرنے کے باوجود مرزائیوں کو مسلمانوں کی صفوں میں گھسنے کی اجازت دی جائے گی؟ مرزائی امت نے مسلمانوں کو آخر ایسا بے حس کیوں سمجھ لیا ہے کہ وہ مرزائیوں کی صد سالہ تاریخ کو یکسر بھول جائیں گے، مرزائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و حرمت پر حملہ کریں، مرزا آنجہانی کو نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ لا کھڑا کریں بلکہ آپ سے بھی اونچا مقام دیں، انبیاء کرام کی توہین و تذلیل کریں، مسلمانوں کو جنگل کے سور اور ذریۃ البغایا جیسی مقدس گالیاں دیں، مگر مسلمان ان تمام چیزوں کے باوجود انہیں امت اسلامیہ کی صف میں جگہ دیں، الغرض مرزائیوں کے لئے صرف دو ہی راستے ہیں یا تو اپنے عقائد کفریہ سے ہاتھ جھاڑ کر مسلمان ہو جائیں یا پھر مسلمانوں کی صفوں میں گھسنے کا سودائے خام اپنے ذہن سے نکال دیں، انہیں خوب یاد رکھنا چاہیے کہ وہ مرزا آنجہانی کی نبوت کو ہزار ظل و بروز کے پردوں میں لپیٹیں یا مجدد و مہدی کے رنگ میں پیش کریں لیکن امت اسلامیہ کا معدہ اسے کبھی ہضم نہیں کر سکتا، علاوہ ازیں مرزائی صاحبان کو اپنے مسیح موعود کی وصیت یاد رکھنی چاہیے کہ:

"تمہیں دوسرے فرقوں کو جو دعویٰ اسلام کرتے ہیں بکلی ترک کرنا پڑے گا"۔ (حاشیہ تحفہ گولڑویہ)

''خدا تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ایک جماعت تیار کرے پھر جان بوجھ کر ان لوگوں میں گھسنا جن سے وہ الگ کرنا چاہتا ہے منشا الٰہی کی مخالفت ہے''۔ (الحکم ۷ر فروری، ۱۹۰۳ء)

ہم بھی مرزائی صاحبان سے یہی درخواست کرتے ہیں کہ انہیں مسلمانوں کو بکلی ترک کرنا پڑے گا اور مسلمانوں میں گھس کر انہیں منشاء الٰہی کی مخالفت کی اجازت نہیں دی جائے گی، الاّ یہ کہ وہ اپنے دین مرزائیت سے تائب ہوکر نئے سرے سے اسلام میں داخل ہو جائیں۔

⑥ ہم اپنی حکومت سے بھی گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ ۲۶ رسال تک پاکستان میں مرزائیت نوازی کی سرکاری مہم جاری رہی انہیں مسلمانوں کے حقوق دیئے گئے اور ان کو مصنوعی طور پر مسلمان بنانے کی کوشش کی گئی، لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ یہی کہ انہیں اندرون و بیرون ملک سازشوں کا موقعہ ملتا رہا مگر اب یہ صورت حال تبدیل ہو جانی چاہئے مستقبل میں مؤقف کی نزاکت کا احساس کریں، اسلامی ممالک جو پاکستان کے تحفظ کا ذریعہ ہیں اور جن سے صحیح ہمدردی کی توقع کی جاسکتی ہے، صرف ارباب کفر کی خوشنودی کے پیش نظر ان کی ہمدردی اور دوستی وتعاون سے چشم پوشی نہ کریں، آخرت کے غضب الٰہی سے قبل دنیا کے عذاب اور ذلت سے بچنے کی تدبیر کریں اور بحالت موجودہ سیاسی واقتصادی مشیر اور ہوائی اور بری وبحری قیادت کی جو صورت حال ہے اس کو فوراً ختم کریں اور سابق حکمرانوں کی غلط پالیسیوں کے نتیجے میں جو تباہی نازل ہو چکی ہے اس سے کچھ تو عبرت حاصل کریں۔ اسلامی وعربی ممالک جن کے ساتھ ہمارے اخوت اسلامی کے مضبوط رشتے ہیں اور جو ہر آڑے وقت میں پاکستان کے بہترین دوست ثابت ہوئے ہیں افسوس ہے کہ انہیں بھی ہماری اس داخلی کمزوری اور ارتدادنوازی کا علم ہو چکا ہے اور ان ممالک میں قادیانی اسرائیل گٹھ جوڑ پر بحثیں ہو رہی ہیں اس کے اثرات ہمارے حق میں کیا ہوں گے؟ دانشمندی کے ساتھ سوچنے کی بات ہے، یہاں ہم یہ شکایت بھی ارباب اقتدار کے نوٹس میں لانا چاہتے ہیں کہ ایک طرف تو یہ حالت کہ جب مسلمانوں کی جانب سے قادیانیوں کا ذرا بھی تعاقب کیا جائے تو فوراً امن عامہ کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے، فرقہ واریت کا جن بوتل سے باہر نکل آتا ہے اور قانون اپنے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے بڑی تیزی سے حرکت میں آجاتا ہے زبانیں بند اور جلسہ جلوس اور اجتماع پر پابندی۔

اور دوسری طرف مرزائی ہیں کہ کھلے بندوں گلی گلی اور گھر گھر حضرت مسیح موعود کا پرچار کر رہے ہیں اور یہاں تک جرأت کہ مسلمانوں کی مسجدوں اور دینی اداروں میں جا کر بڑے معصومانہ انداز سے مرزا آنجہانی کی رسالت ونبوت کی تشریح کرتے ہیں، ہم صاف صاف کہہ دینا چاہتے ہیں کہ یہ صورت حال مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت ہے، مرزا آنجہانی کے ہفوات وہذیانات کے تیروں سے مسلمانوں کے سینے چھلنی ہو چکے ہیں، وہ اس ملک پاک میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غداروں کی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہیں، دانشمندی کا تقاضہ یہ ہے کہ قادیانیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، انہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تاج ختم نبوت پر

ہاتھ ڈال کر اشتعال دلانے سے روکا جائے اور ان کی تحریک ارتداد پر پابندی عائد کی جائے اور اگر اصرار ہو کہ مرزائی بھی امت اسلامیہ کا ایک حصہ ہیں تو ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں کہ واقعۃً یہ امت کا ایک ایسا گلا سڑا حصہ ہے جسے جسم امت سے الگ کر دینا ہی اس کا صحیح علاج ہے، ورنہ اس ناسور کا زہر ملت اسلامیہ کے پورے دھڑ میں سرایت کر جائے گا اور اس کا نتیجہ موت اور تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوگا، اس مسئلہ کا حل کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے ایک معمولی اقلیت کی خوشنودی کے لئے ایک بڑی اکثریت کو ناراض کرنا آخر کون سی سیاست ہے؟ حق تعالیٰ صحیح فہم نصیب فرمائے۔

وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین.

[رجب، شعبان ۱۳۹۳ھ/ستمبر، اکتوبر ۱۹۷۳ء]

مسئلہ ختم نبوت اور پاکستان

پاکستان کی بنیاد لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر رکھی گئی تھی اور خدا تعالیٰ سے عہد اور قوم سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اس میں اسلام کا عادلانہ نظام قائم کیا جائے گا، یہاں کی حکومت خلافت راشدہ کا نمونہ ہوگی، مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی اسلام کی جیتی جاگتی تصویر ہوگی، یہ ملک عالم اسلام کے لئے ایک مثالی نمونہ ہوگا اور اسلامی فلاحی مملکت قائم کر کے پوری دنیا پر وا کیا جائے گا کہ اگر راحت وسکون کی زندگی مطلوب ہے تو خدا تعالیٰ کے آخری پیغام کو اپناؤ جو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے وغیرہ وغیرہ، مگر جو کچھ ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔ ’’عیاں را چہ بیان‘‘۔

بدقسمتی سے آزادی کے بعد پے در پے ایسے حکمران آئے جنہوں نے ملت اسلامیہ کے اجتماعی ضمیر میں جھانکنے کی کبھی زحمت گوارا نہیں کی، نئے اسلامی ملک اور نئی قوم کے تقاضے کیا ہیں؟ ملت اسلامیہ کی تشکیل کن عناصر سے ہوتی ہے؟ اس کے حقیقی خدوخال کیا ہوتے ہیں؟ جس قوم نے خدا اور رسول کے نام پر انہیں اسلامی ملک کی مسند اقتدار پر فائز کیا ہے وہ ان سے کیا کیا توقعات رکھتی ہے؟ ان سوالات پر غور انہوں نے کبھی کیا ہی نہیں یا شاید وہ اس کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے تھے، ان کے سامنے دور غلامی کا پامال راستہ تھا جس پر وہ رواں دواں تھے، وہی آئین وقانون، وہی حکمرانی کے اصول اور پیمانے، وہی جبر واستبداد اور مطلق العنانی، وہی افسر شاہی کی نازک مزاجی، جو لوگ انگریز دشمنی کی بنا پر دور غلامی میں خطرناک سمجھے گئے وہ اپنے اخلاص وللّٰہیت قومی خدمات اور حب الوطنی کے باوجود ان نئے حکمرانوں کی لغت میں بھی خطرناک اور معتوب ہی رہے اور ان پر سی آئی ڈی کا پہرہ بدستور رہا اور جن لوگوں کی تخم ریزی اور نشوونما انگریز نے اپنے مخصوص مصالح کے لئے کی تھی وہ اسلامی ملک میں بھی برسر اقتدار معزز اور معتمد علیہ رہے۔

اگر ان حکمرانوں میں معمولی سی بات دینی حس یا کم از کم صحیح سیاسی بصیرت ہی موجود ہوتی تو دور غلامی کے نوکر شاہی ذہن کو بدل کر نئے ملک کے لئے نئے تقاضوں کو سمجھتے، امت مسلمہ کی نفسیات کا مطالعہ کرتے اور مسلمانوں کے وہ متفقہ اجتماعی وملی مسائل جنہیں شدید مطالبوں کے باوجود انگریز کی حکومت نے لائق توجہ نہیں سمجھا تھا بغیر کسی تقاضے کے خود آگے بڑھ کر انہیں حل کرتے، اگر انہوں نے اس فہم وتدبر اور مسلمانوں سے ہمدردی و بہی خواہی کا مظاہرہ کیا ہوتا تو بے چینی کی فضا ختم ہو جاتی، ملت کا شیرازہ مستحکم ہو جاتا اور دنیا کی نیک نامی کے ساتھ آخرت کی سعادت بھی ان کے حصہ میں آتی۔

مگر یہاں ہوا یہ کہ جب بھی مسلمانوں نے اپنے جذبات کا اظہار کیا تو دفع الوقتی سے کام لیا گیا اور شدت سے مطالبہ ہوا تو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا گیا، معاملہ بے قابو نظر آیا تو گولہ بارود سے جلیانوالہ باغ کی یاد تازہ کر ڈالی اور اپنی ہی قوم کو اقتدار کی طاقت سے کچل ڈالا گیا، نتیجہ یہ کہ حکمران خود تو بصد ذلت ورسوائی کیفر کردار کو پہنچے ہی مگر ان کی غلط اندیشی اور کم ظرفی نے ملک کو تباہ کر ڈالا، اس طرح نہ صرف یہ کہ پاکستان کا مقصد وجود ظہور پذیر نہ ہو سکا بلکہ ہم الٹی سمت سفر کرتے کرتے کہیں سے کہیں جا نکلے، چنانچہ ایک مدت سے ہم شک وتذبذب افراتفری وبدامنی اور بے یقینی وبے چینی کے لق ودق بیابانوں میں بھٹک رہے ہیں، آج ہمارے سامنے مسائل کا جنگل ہے مگر ہم میں سے ہر شخص جس کے منہ میں زبان اور ہاتھ میں قلم ہے وہ اپنے سوا ہر شخص کو وطن دشمن اور غدار کا خطاب دے کر یہ فرض کر لیتا ہے کہ مسائل کا یہ جنگل اس خطاب غداری کی چنگاری سے خود بخود بھسم ہو جائے گا، ملک دو نیم ہو چکا ہے اور بقیۃ السلف پر بیرونی سازشوں کے کرگس منڈلا رہے ہیں، مگر ہمارے زعماء باہم دست وگریباں ہیں، سوچنا چاہیے کہ ان حالات میں اس ملک کا مستقبل کیا ہوگا؟

انا للہ وانا الیہ راجعون

عقیدہ ختم نبوت کو تسلیم کئے بغیر پاکستان قائم نہیں رہ سکتا

کسی عمارت کی بنیادیں کھود کر انہیں اپنی جگہ سے ہٹا دینا اور پھر یہ توقع رکھنا کہ عمارت جوں کی توں قائم رہے گی ایک مجنونانہ حرکت ہے، ملت اسلامیہ کا شیرازہ حضرت ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی سے قائم ہے اور یہی وجود پاکستان کا سنگ بنیاد ہے، جو شخص اس سے انحراف کرتا یا اسے منہدم کرتا ہے وہ اسلام، ملت اسلامیہ اور پاکستان تینوں سے غداری کا مرتکب ہے، ایک ایسے شخص سے جو ملک وملت کی جڑوں پر تیشہ چلا رہا ہو کسی مفید تعمیری خدمت کی توقع رکھنا خود فریبی نہیں تو اور کیا ہے، جو شخص رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وفادار نہ ہو وہ ملک وملت کا وفادار کیونکر ہو سکتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ملت اسلامیہ کا اجتماعی ضمیر کبھی برداشت نہیں کر سکا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے کسی اور شخص کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور رحمۃ للعالمین کی حیثیت سے

کھڑا کیا جائے اور اس کے لئے وہ تمام حقوق و مناصب اور آداب والقاب تجویز کئے جائیں جو مسلمانوں کے مرکز عقیدت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ مختص ہیں، بایں ہمہ یہ اصرار بھی کیا جائے کہ وہ مسلمان ہے، ملک وملت کا وفادار ہے اور مسلمانوں کو اس پر اعتماد کرنا چاہیے۔

ایک ناگہانی حادثہ اور اس کے اثرات

۲۹ رمئی کا سانحہ قوم کے لئے ایک ناگہانی حادثہ تھا، جس نے قوم کو طویل خواب غفلت سے اچانک جگا دیا، جذبات کے سوتے ابل پڑے اور ملک بھر میں اس کا شدید رد عمل رونما ہوا، قومی جذبات کو نظم وضبط کا پابند رکھنے اور انہیں اجتماعیت کے دائرے میں لانے کے لئے ایک ایسی مجلس عمل کی تشکیل ناگزیر ہوئی جو ملک بھر کی دینی وسیاسی جماعتوں کی نمائندہ ہو، یہ بات بڑی خوش آئند اور لائق تحسین ہے کہ موجودہ عوامی حکومت نے بھی قوم کے ملی جذبات کا احترام کرتے ہوئے ان کے مطالبہ پر ہمدردانہ غور کا وعدہ کیا ہے اور اس کے لئے قومی اسمبلی کی ایک خصوصی کمیٹی تجویز کردی گئی، توقع ہے کہ ان سطور کی اشاعت تک کمیٹی کے غور وفکر کا کوئی واضح نتیجہ سامنے آچکا ہوگا، کمیٹی کی کارروائی کے پیش نظر ملک میں قادیانی مسئلہ کے بارے میں اظہار خیال پر پابندی عائد ہے، اس لئے ہم بھی اس مسئلہ کے اعتقادی، مذہبی، سماجی ومعاشرتی اور سیاسی واقتصادی پہلوؤں سے تعرض نہیں کرتے البتہ تمام اہل وطن سے اپیل کرتے ہیں کہ یہ بہت نازک وقت ہے، پوری قوم کے امتحان کا موقعہ ہے، تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ نظم وضبط کو برقرار رکھیں اور ملک میں امن وامان کا مسئلہ ہرگز پیدا نہ ہونے دیں، بلکہ جائز حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنی آواز متعلقہ افراد تک مسلسل پہنچاتے رہیں، تاآنکہ مسئلہ کے اطمینان بخش حل کی صورت نکل آئے۔

ملک وملت کے بدخواہ اس موقعہ پر نہ صرف خفیہ ریشہ دوانیوں میں مصروف ہیں بلکہ اس کوشش میں بھی ہیں کہ اشتعال انگیزی کے ذریعے حالات مخدوش کردیئے جائیں، مختلف ذرائع سے مطبوعہ لٹریچر مسلمانوں کے گھروں میں پہنچایا جارہا ہے، گذشتہ دنوں لاکھوں روپے کے بڑے بڑے اشتہار قریباً تمام اخبارات میں مسلسل کئی دن تک شائع ہوتے رہے جن کا مقصد اشتعال دلانے کے سوا کچھ نہیں تھا، ہمیں معلوم ہے کہ یہ کس دماغ کی اختراع تھے، ان کے لئے سرمایہ کس نے مہیا کیا اور جس انجمن کا فرضی نام غلط طور پر استعمال کیا گیا ہم اس کے ارکان سے بھی متعارف ہیں، بہرحال ہماری اپیل یہی ہے کہ مسلمانوں کو پرامن رہنا چاہیے۔

غیر مسلموں سے مقاطعہ (سوشل بائیکاٹ)

ان دنوں یہ شرعی مسئلہ خاص طور سے زیر بحث ہے اور اس سلسلہ میں بار بار سوال کیا جاتا ہے کہ کیا کسی غیر مسلم سے مقاطعہ جائز ہے؟ یہاں پر مفصل بحث کی گنجائش نہیں مختصر یہ کہ کسی کافر سے موالات اور دوستی کا برتاؤ تو کسی حال میں بھی جائز نہیں، نہ انہیں ملی مشوروں میں شریک کیا جاسکتا ہے، نہ ملک کی پالیسیوں میں انہیں دخیل بنایا

جاسکتا ہے، نہ کسی کافر کو کسی کلیدی اسامی پر فائز کیا جاسکتا ہے، رہا لین دین اور میل جول کا سوال! تو کافر اگر حربی یا باغی ہو، مسلمانوں کے مقابلے میں برسر پیکار ہو اور اس سے لین دین کا معاملہ مسلمانوں کے حق میں مضر ہو تو اس سے ہر قسم کے تعلقات ختم کر لینا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے، آنحضرت ﷺ کا قریش کی ناکہ بندی کرنا سیرت نبوی کا معروف واقعہ ہے، اسی طرح حضرت ثمامہ بن اثالؓ کا واقعہ بھی مشہور ہے کہ انہوں نے کافروں کی رسد روک کر ان کا ناطقہ بند کر دیا تھا اور جب تک کافروں نے بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر معذرت اور منت و سماجت نہیں کی ان کی رسد بحال نہیں ہوئی (۱)، قرآن کریم میں اجمالاً اور بخاری شریف میں تفصیلاً حضرت کعب بن مالکؓ اور ان کے رفقاء کے مقاطعہ کا عبرت آموز قصہ بھی موجود ہے (۲)، جس سے واضح ہوتا ہے کہ سنگین موقعہ پر تادیب اور سرزنش کے لئے بعض اوقات ایک مسلمان سے بھی مقاطعہ صحیح ہے، یہ تو کفار ہیں اور بعض اوقات مسلمانوں سے مقاطعہ کا مسئلہ تھا اور جو شخص دین اسلام سے العیاذ باللہ منحرف ہو کر مرتد ہو گیا ہو اس کے ساتھ تو کسی نوع کا بھی تعلق قطعاً جائز نہیں، یوں بھی اسلامی غیرت اس کو برداشت نہیں کرتی کہ باغیِ اسلام کے ساتھ کسی قسم کا ربط رکھا جائے، ایسے موقعوں پر عموماً انسانی ہمدردی اور اسلامی رواداری کی اپیل کی جاتی ہے مگر کون نہیں جانتا کہ انسانی ہمدردی اور رواداری کی بھی کچھ حدود ہوتی ہیں، بعض اوقات جرم کی نوعیت ہی کچھ اتنی سنگین ہوتی ہے کہ انسانی ہمدردی اور رواداری کے سب پیمانے ٹوٹ جاتے ہیں اور رحم کی اپیل مسترد کر دی جاتی ہے، یہ ہمارے سامنے روزمرہ کے واقعات ہیں، ارتداد اسلام کی نظر میں بدترین جرم ہے کیونکہ وہ بغاوت کا دوسرا نام ہے، اس لئے مرتد کے معاملہ میں انسانی ہمدردی اور رحم کی کوئی اپیل اسلام کی عدالت میں لائق التفات نہیں، تاوقتیکہ مجرم اپنے جرم بغاوت سے باز نہ آجائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عکل اور عرینہ کے چند افراد نے اس جرم کا ارتکاب کیا تھا مرتد ہو کر انہوں نے صدقات کے اونٹوں پر قبضہ کر لیا اور راعی کو قتل کر ڈالا تھا، پکڑے گئے، آنحضرت ﷺ نے قصاص میں ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر انہیں چلچلاتی دھوپ میں ڈلوایا، وہ پیاس کی شکایت کرتے تو پانی

---

(۱) ”عن ابی ہریرۃ.....فاتی الیمامۃ حبس عنہم فضجوا وضجروا فکتبوا تأمر بالصلۃ قال: وکتب الیہ“. (مسند احمد بن حنبل، مسند ابی ہریرۃ، رقم الحدیث ۷۳۵۵، ج:۲ ص:۲٤٦، ط: مؤسسۃ قرطبۃ قاہرۃ“.) وفی روایۃ البخاری، ”عن ابی ہریرۃ بعث النبی ﷺ خیلا قبل نجد فجاءت برجل من بنی حنیفۃ یقال لہ ثمامۃ بن اثال....فبشرہ رسول اللہ ﷺ وامرہ ان یعتمر فلما قدم مکۃ قال لہ قائل: صبوت، قال: لا ولکن اسلمت مع محمد رسول اللہ ﷺ، ولا واللہ لا یاتیکم من الیمامۃ حبۃ حنطۃ حتی یاذن فیہا النبی ﷺ. (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفۃ وحدیث ثمامۃ بن اثال، ج:۲ ص: ٦٢٧، ط: قدیمی.)

(۲) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالک وقول اللہ عزوجل ”وعلی الثلاثۃ الذین خلفوا“ ج:۲ ص: ٦٣٤، ط: قدیمی.

تک نہ دیا جاتا، بالآخر اسی طرح تڑپ تڑپ کر اپنے انجام کو پہنچے۔ سوال ہوگا کہ ان کے معصوم بچوں کا کیا قصور ہے؟ مگر اس کا خود رسول اللہ ﷺ جواب دے چکے ہیں چنانچہ عرض کیا گیا کہ کافروں کی بستی پر رات کی تاریکی میں حملہ کیا جائے تو ان کے بچے بھی اس کی زد میں آجاتے ہیں فرمایا: "ھم من اٰبائھم"(۱) وہ بھی تو کافروں کے ہی بچے ہیں یعنی جو حکم کافروں کا ہے وہی کافروں کے بچوں کا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض لوگوں کی جانب سے یہ غلط فہمی پھیلائی جارہی ہے کہ مجلس عمل میں چونکہ دینی و سیاسی جماعتیں شریک ہیں لہٰذا یہ سیاست بازی ہے، حالانکہ ملک بھر کی جماعتوں کا کسی ایمانی مسئلہ پر متفق ہوجانا صرف ایمانی تقاضہ ہے اسے سیاست سے کیا تعلق؟ بلاشبہ یہ تمام امت مسلمہ کا مشترک سرمایہ ہے، جس میں حزب اقتدار اور حزب اختلاف کی تفریق ہی غلط ہے، خود وزیر اعظم برملا اعلان کرچکے ہیں کہ وہ منکرین ختم نبوت کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں، اس لئے یہ ذمہ داری تو سب سے بڑھ کر با اقتدار جماعت پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اسلام کے ایک قطعی اور بنیادی مسئلہ میں مسلمانوں کو مطمئن کرے، اندریں صورت اس مسئلہ کے تقدس کو سیاسی الزام سے مجروح کرنا نہایت افسوسناک بے انصافی ہے۔

[رجب المرجب ۱۳۹۴ھ/اگست ۱۹۷۴ء]

قادیانیت کے خلاف اہل پاکستان کا شدید ردعمل

کسے کیا معلوم تھا کہ "ربوے" کا واقعہ ایک عظیم انقلاب کا ذریعہ بن جائے گا اور انتہائی ناکامیوں اور مایوسیوں کے بعد پاکستان کی سرزمین ایک عظیم نعمت سے مالا مال ہوگی اور جو کام ستائیس برس میں نہ ہوسکا وہ تین ماہ کے قلیل عرصہ میں انجام پذیر ہوگا۔

برطانیہ کی اسلام دشمنی

برطانیہ کی اسلام دشمنی ضرب المثل ہے، محتاج بیان نہیں، دوسری جنگ عظیم میں برطانیہ کو جب شکستوں پر شکستیں ہونے لگیں اور اسے شدید خطرہ لاحق ہوگیا کہ انگلستان کے بچانے کے لئے اگر پوری طاقت جمع نہ کی گئی تو

---

(۱) "عن الصعب بن جثامة ان النبی صلی اللہ علیه وسلم قیل له لوان خیلاً اغارت من اللیل فاصابت من ابناء المشرکین قال: ھم من اٰبائھم". صحیح مسلم، کتاب الجھاد والسیر، باب جواز قتل النساء والصبیان فی البیات من غیر تعمد، ج:۲ ص:۸۵، ط: قدیمی". صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب اھل الدار یبیتون فیصاب الولدان والذراری، ج:۲ ص:۴۳۲، ط: قدیمی.

صفحہ عالم سے مٹ جائے گا ان حالات کی وجہ سے وہ متحدہ ہندوستان کی تقسیم پر آمادہ ہوگیا، جبکہ مسلمانوں کی عظیم الشان اکثریت تقسیم ملک کا مطالبہ کر رہی تھی، انگریز کو برصغیر سے بوریا بستر لپیٹنا پڑا تو جاتے جاتے پاکستان کو لنگڑا لولا بنانے کے لئے ایک سازش کر گیا، صوبہ بنگال مسلم اکثریت کا صوبہ تھا اور پنجاب میں بھی مسلم اکثریت تھی، تقسیم ہند کے طے شدہ اصول کے مطابق یہ دونوں صوبے پورے کے پورے پاکستان کے حصے میں آتے تھے، لیکن انگریز نے ان دونوں کی تقسیم کی شکل نکالی چنانچہ دونوں صوبوں کی تقسیم ضلعی اکثریت کی حیثیت سے وجود میں لائی گئی، یہ برطانیہ کی مسلمانوں کے ساتھ پہلی غداری تھی، ہندو کو خوش کیا اور مسلمانوں پر ظلم کیا، اس موقعہ پر چاہئے تھا کہ مسلمانوں کی اکثریت کی طاقت اس جدید منطق کو ٹھکرا دیتی لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا اور ہماری غفلت یا تغافل سے دشمن نے فائدہ اٹھایا، پھر بنگال اور پنجاب دونوں کو تقسیم کرنے کے بجائے مناسب صورت یہ تھی کہ مشرقی بنگال کے بدلے پاکستان کو مشرقی پنجاب دے دیا جاتا تاکہ روز روز کے جھگڑے نہ ہوتے اور پاکستان کے دونوں حصوں میں ایک ہزار میل کا غیر فطری فاصلہ حائل نہ ہوتا جس کی وجہ سے ہمیں اے ء میں روز بد دیکھنا پڑا، لیکن افسوس یہ بھی نہ ہو سکا اور یہ انگریز کی دوسری غداری و مکاری تھی، پھر جو کمیشن تقسیم پنجاب کے لئے مقرر ہوا اس میں بھی برطانوی کمیشن نے غداری کی کہ مشرقی پنجاب کے وہ حصے جو پاکستان میں آنے والے تھے اور جو پاکستان کے شہ رگ کی حیثیت رکھتے تھے وہ ہندوستان کے نقشے میں لائے گئے، چنانچہ قادیان، پٹھان کوٹ وغیرہ کے خطے پاکستان کا حق تھے مگر برطانیہ اور ان کے گماشتوں کی سازش سے بھارت میں چلے گئے، جس کی وجہ سے کشمیر کا مسئلہ پیدا ہوا اور آج تک عقدہ لاینحل بنا ہوا ہے، یہ مسلمانوں کے ساتھ برطانیہ کی تیسری غداری اور سازش تھی، پھر برطانیہ نے سر ظفر اللہ خاں قادیانی کو پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ مقرر کرانے پر اصرار کیا، اس نے سات سال کے عرصہ وزارت میں پاکستان کے اندر اور باہر قادیانیوں کی جڑوں کو خوب مضبوط کیا، اس کے دورِ وزارت میں پاکستان کے بیرونی سفارت خانوں میں چن چن کر قادیانی بھیجے گئے اور وہ قادیانی مشن کے طور پر کام کرتے رہے اور یہ چوتھا خنجر تھا جو انگریز نے مسلمانوں کے سینے میں ایسا گھونپا کہ اس کا نکالنا مشکل ہوگیا۔

''ربوہ'' ایک نیا قادیان

پاکستان میں ایک نیا ''قادیان'' بسانے کے لئے ایک علیحدہ خطہ ربوہ کے نام سے پاکستان میں حاصل کیا گیا اور اس کے لئے اس وقت کے انگریز گورنر پنجاب نے خاص کارنامہ یہ انجام دیا کہ پاکستان کے قلب میں ایک وسیع خطہ قادیانی ریاست کے لئے مخصوص کر دیا اور ربوہ کے قادیانیوں کو ایسی آزادی دی گئی کہ عملاً پاکستان کی حکومت وہاں نہیں تھی، گویا پنجاب میں اس کو ایک آزاد ریاست کی حیثیت حاصل تھی، جسے ریاست در ریاست کہنا صحیح ہوگا، تبلیغ اسلام کے نام پر دو لاکھ سالانہ زرمبادلہ قادیانی وصول کرتے رہے جس کے ذریعہ مشرقی افریقی

ممالک میں وسیع پیمانے پر مرزائیوں نے اپنے مبلغ بھیجے اور ارتداد کا جال پھیلایا یہاں تک کہ اسرائیل کی یہودی حکومت سے حکومت پاکستان کا کوئی تعلق اور رابطہ نہیں تھا مگر مرزائیوں نے ان کے مرکز تل ابیب اور حیفہ میں مراکز قائم کئے اور اس طرح برطانیہ کا خود کاشتہ پودا نہ صرف پاکستان میں بلکہ تمام اسلامی اور غیر اسلامی ممالک میں بھی ایک تن آور درخت بن گیا، ستم بالائے ستم یہ کہ سکندر مرزا اور ایوب کی غفلتوں یا غداری کی وجہ سے پاکستان کے کلیدی مناصب پر مرزائی چھا گئے، اس طرح مٹھی بھر مرزائی پاکستان پر حکومت کرنے کے خواب دیکھنے لگے، حکومت نے محکمہ اوقاف کے ذریعہ سے مسلمانوں کے تمام اوقاف وقف ایکٹ کے ماتحت قبضہ میں لے لئے، لیکن قادیانی مرزائیوں کے اوقاف کو ہاتھ نہیں لگایا گیا جس کے ذریعہ نہ صرف ان کی مالی حیثیت اور قوی ہوگئی بلکہ ان میں خود مختار ریاست کا تصور شدت سے ابھرا، علاوہ اس کے بین الاقوامی سطح پر دشمنان اسلام اسرائیل و برطانیہ وغیرہ کی جانب سے ان کی جو مخفی اعانت ہوتی رہی اور سر ظفر اللہ نے تین سالہ زندگی میں اقوام متحدہ کی نمائندگی کے دوران باہر کی دنیا میں مرزائیت کی جڑوں کو جو مضبوط کیا وہ اس پر مستزاد ہے، جس سے مرزائیوں کو اپنی بین الاقوامی پوزیشن کے مضبوط ہونے کا گھمنڈ ہونے لگا، الغرض ان متعدد عوامل کے تحت یہ فتنہ روز بروز قوی تر ہوتا گیا جس کی تفصیلات حیرت ناک بھی ہیں اور دردناک بھی۔

تحریک ختم نبوت

۵۳ء میں تحریک ختم نبوت چلی لیکن افسوس اور صد افسوس کہ خواجہ ناظم الدین جیسے دیندار اور حاجی نمازی کے زمانے میں مسلمانوں کی یہ مقدس تحریک سیاست کی بھینٹ چڑھ گئی، سینکڑوں ہزاروں مسلمانوں کی خون ریزی ہوئی، ان کی لاشوں کو نذر آتش کیا گیا، دریائے راوی کی لہروں کے سپرد کر دیا گیا، مسلمانوں پر وہ مظالم ڈھائے گئے جو رنجیت سنگھ کے زمانے میں نہیں ہوئے تھے اور اس طرح مسلمان حکمرانوں کے ذریعہ مسلمانوں کا خون بہایا گیا اور تحریک کو کچل کر کے رکھ دیا گیا، لیکن ان شہداء ختم نبوت کی روحیں تڑپتی ہوئی بارگاہ الٰہی میں پہنچیں اور انہوں نے رحمت الٰہی کے دروازے کھٹکھٹائے آخر ربوہ کا حادثہ پیش آیا اور انجام وہی ہوا جس کی ضرورت تھی اور اگر روز اول سے یہ صورت اختیار کی جاتی کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر ان کا قصہ پاک کر دیا جاتا تو یہ خونچکاں صورت حال پیدا نہ ہوتی۔

حادثۂ ربوہ اور اس کے نتائج

۲۹ رمئی ۷۴ء کو ربوہ کا حادثہ پیش آیا اور حالات نے نازک صورت اختیار کی مسلمانوں کے جذبات بھڑک اٹھے اور حکومت نے بروقت صحیح قدم نہیں اٹھایا، ۳ رجون ۷۴ء کو پنڈی میں علماء کرام اور مختلف فرقوں کا نمائندہ اجتماع ہوا اس کو بھی ناکام بنانے کے لئے تین مندوبین مولانا مفتی زین العابدین، مولانا حکیم عبدالرحیم

اشرف اور مولانا تاج محمود کو لالہ موسیٰ کے اسٹیشن پر روک کر ٹرین سے اتار لیا گیا، ۳؍جون کے اجتماع کو ناکافی سمجھ کر ۹؍جون کو راقم الحروف کی طرف سے لاہور میں اجتماع رکھا گیا اور تمام اسلامی فرقوں اور جماعتوں کو شرکت کی دعوت دی گئی، چنانچہ مسلمانوں کے تمام فرقے اور جماعتیں دیوبندی، بریلوی، اہل سنت، شیعہ، اہلحدیث، مسلم لیگ، جمعیت علمائے اسلام، جمعیت علمائے پاکستان، جماعت اسلامی وغیرہ وغیرہ شریک ہوئیں، بیس جماعتوں کا نمائندہ اجتماع ہوا، راقم الحروف نے مختصر سی تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہمارا یہ اجتماع اس وقت صرف ایک دینی عقیدہ کی حفاظت کے لئے ہے یہ اجتماع ختم نبوت کے مسئلہ پر ہے اس کا دائرہ آخر تک محض دینی رہے گا، سیاسی آمیزشوں سے اس کا دامن پاک رہنا چاہیے، جو سیاسی حضرات اس میں شامل ہیں ان کا مطمح نظر دین ہی ہوگا اور حزب اقتدار و حزب اختلاف کی کش مکش سے بالاتر ہوگا۔

تحریک ختم نبوت کا طریق کار

ختم نبوت کی تحریک کا طریق کار نہایت پر امن ہوگا اور اسے تشدد سے کوئی سروکار نہ ہوگا، اگر کوئی مزاحمت ہوئی یا تکلیف پیش آئی تو دین کے لئے اس کو برداشت کرنا ہوگا اور صبر کرنا ہوگا، مظلوم بن کر رہنا ہوگا اور ہمارے مدمقابل صرف مرزائی امت ہوگی، حکومت نہ ہوگی، ہم حکومت کو ہدف بنانا نہیں چاہتے، اگر حکومت نے ان کی حفاظت یا ان کی حمایت میں کوئی غلط قدم اٹھایا تو اس وقت مجلس عمل کوئی مناسب فیصلہ کرے گی، ابھی قبل از وقت کچھ کہنا درست نہیں، اس کے بعد مولانا مفتی محمود صاحب نے تائیدی تقریر فرمائی، پھر جناب نوابزادہ نصر اللہ خاں اور دیگر مختلف نمائندوں نے تقریریں کیں، تحریک کو نظم و ضبط کے تحت رکھنے کے لئے ایک مجلس عمل وجود میں آئی اور راقم الحروف کو عارضی طور پر اس کا صدر منتخب کیا گیا، میری آرزو اور خواہش یہی تھی کہ آئندہ اجتماع میں مجھے اس بوجھ سے سبکدوش کر دیا جائے گا، پریس کانفرنس کی گئی اور ۱۴؍تاریخ کو ملک میں مکمل ہڑتال کا اعلان کر دیا گیا، اسی کے ساتھ امت مرزائیہ سے سوشل بائیکاٹ کا فیصلہ کیا گیا، اس دوران وزیر اعظم بقصد مذاکرات لاہور میں قیام پذیر ہوئے، مجلس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اگر وزیر اعظم کی جانب سے ملاقات اور مذاکرات کی دعوت دی گئی خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی اسے قبول کر لینا چاہیے کہ شاید افہام و تفہیم سے کوئی راستہ نکل آئے۔

۱۱؍جون ۷۴ء کو وزیر اعظم صاحب بھٹو نے مجھے ملاقات کے لئے بلایا اور بعد میں مجلس عمل کے دیگر افراد کو یکے بعد دیگرے فرداً فرداً بلایا، راقم الحروف نے بہت صفائی اور سادگی کے ساتھ واضح اور غیر مبہم الفاظ میں جو کچھ کہا اس کا حاصل یہ تھا کہ قادیانی مسئلہ بلاشبہ پاکستان کے روز اول سے موجود ہے، پہلی غلطی اس وقت ہوئی جب ظفر اللہ قادیانی کو وزیر خارجہ مقرر کیا گیا، شہید ملت (خان لیاقت علی خاں مرحوم) کو اس خطرناک غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا عزم کر لیا تھا لیکن افسوس کہ وہ شہید کر دیئے گئے اور ہو سکتا

ہے کہ ان کا یہ عزم ہی ان کی شہادت کا سبب ہوا ہو، اس وقت جو جرأت مرزائیوں کو ہوئی ہے اگر اس وقت اس کا تدارک نہ کیا گیا اور وہ غیر مسلم اقلیت قرار نہیں دیئے گئے تو مسلمانوں کے جذبات بھڑکیں گے اور ان کی جان و مال کی حفاظت حکومت کے لئے مشکل ہوگی، اقلیت قرار دیئے جانے کے بعد اس ملک میں ان کی حیثیت ''ذمی'' کی ہوگی اور ان کی جان و مال کی حفاظت شرعی قانون کی رو سے مسلمانوں پر ضروری ہوگی، اس طرح ملک میں امن قائم ہو جائے گا۔ میں مانتا ہوں کہ آپ پر خارجی غیر اسلامی حکومتوں کا دباؤ ہوگا لیکن اس کے بالمقابل ان اسلامی ممالک کا تقاضا بھی ہے کہ ان کو جلد غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، جن ممالک سے ہمارے اسلامی تعلقات بھی ہیں اور ہر قسم کے مفادات بھی وابستہ ہیں، خارجی دنیا میں غیر اسلامی حکومتوں کے بجائے اسلامی مملکتوں کو مطمئن اور خوش کرنا زیادہ ضروری ہے، نیز ایک معمولی سی اقلیت کو خوش کرنے کے لئے اتنی بڑی اکثریت کو غیر مطمئن کرنا دانشمندی نہیں، گر آپ حق تعالیٰ پر توکل و اعتماد کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے مسلمانوں کے حق میں فیصلہ فرمائیں تو دنیا کی کوئی طاقت آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتی اور اس راستہ میں موت بھی سعادت ہے۔ غلام محمد، سکندر مرزا اور ایوب خان کا جو حشر ہوا وہ سب کے سامنے ہے اور شہید ملت شہید ملت ہو گئے، الغرض گفتگو بہت طویل تھی، میں ٹھیک ۲۳ ر منٹ تک بولتا رہا درمیان میں ایک آدھ سوال وزیر اعظم صاحب نے کیا جس کا جواب شافی فوراً دے دیا گیا اور ان کو خاموش ہونا پڑا، بقیہ حضرات نے بھی فرداً فرداً ملاقات کی اور اپنے تاثرات پیش کئے، ۱۳ ر جون کو وزیر اعظم صاحب نے اردو میں لمبی تقریر کی جو ریڈیو پر نشر ہوئی جس میں حادثہ ربوہ پر ایک حرف بھی نہیں فرمایا البتہ ختم نبوت پر اپنا ایمان ظاہر فرمایا کہ میں مسلمان ہوں، میرا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں لیکن یہ مسئلہ بہت پرانا ہے، اتنا جلد کیسے حل ہو سکتا ہے، ۱۴ ر جون ۱۹۷۴ء کو درّہ خیبر سے کراچی تک اور لاہور سے کوئٹہ تک ایسی مکمل ہڑتال ہوئی جس کی نظیر پاکستان کی تاریخ میں نہیں ملے گی۔

۱۶ ر جون کو راقم الحروف نے فیصل آباد میں اجتماع رکھا تھا جس میں وزیر اعظم صاحب کی تقریر پر تبصرہ ہوا اور تنقید کی گئی کہ وزیر اعظم نے اپنی تقریر میں مسلمانوں کے مطالبہ سے کچھ زیادہ ہمدردی کا ثبوت نہیں دیا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ نیشنل اسمبلی میں صرف ایک قرارداد پیش کرنے کے خواہشمند ہیں اور پھر اس قرارداد کو سپریم کورٹ یا مشاورتی کونسل کے حوالے کر کے سرد خانے میں ڈالنا چاہتے ہیں، قرارداد خواہ صوبائی اسمبلی کی ہو یا قومی اسمبلی کی آئینی طور پر اس کی کوئی حیثیت نہیں، اس کی حیثیت صرف ایک مشورے اور سفارش کی ہے، جبکہ مسلمانوں کے ملی مطالبہ کے پیش نظر ضرورت اس امر کی کہ جلد سے جلد آئین اور دستور میں واضح طور پر ختم نبوت پر ایمان لانا ہر مسلمان کے لئے ضروری قرار دیا جائے اور جو شخص اس پر ایمان نہیں رکھتا اسے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جائے اور نیشنل اسمبلی میں ترمیمی بل اس مقصد کے لئے پاس کرایا جائے، وزیر اعظم صاحب چونکہ اکثریت کے لیڈر بھی ہیں اس لئے ان پر سب سے پہلے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی جماعت کے ارکان کو اس مسئلہ میں

آزاد نہ چھوڑیں بلکہ انہیں ناموس رسالت کے تحفظ کی خاطر مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے پر مامور و مجبور کریں، نیز مسئلہ کی اہمیت اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی بے چینی کا تقاضا یہ ہے کہ بجٹ سیشن کو ملتوی کر کے سب سے پہلے اس مسئلہ کو حل کیا جائے۔

مجلس عمل کے لاہور کے اجلاس میں راقم الحروف کو مجلس کا عارضی صدر مقرر کیا گیا، میری خواہش تھی کہ اس نازک ذمہ داری کے لئے کسی اور موزوں شخصیت کو صدارت کے لئے منتخب کرلیا جائے گا:

”قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند“

اب کے مجلس عمل کا مستقل صدر پھر راقم الحروف کو باتفاق حاضرین منتخب کیا گیا، بہر حال یہ طے کیا گیا کہ پرامن طریقے پر تحریک کو منزل مقصود تک پہنچانے کے لئے پوری جدوجہد کی جائے اور قادیانیوں کا بائیکاٹ جاری رکھا جائے اور تحریک کو سول نافرمانی سے بہر قیمت بچایا جائے ادھر مجلس عمل کی پالیسی تو یہ تھی کہ حکومت سے تصادم سے بہر صورت گریز کیا جائے، ادھر حکومت نے ملک کے چپے چپے میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کردی، پریس پر پابندیاں عائد کردیں، انتظامیہ نے اشتعال انگیز کارروائیوں سے کام لیا اور مسلمانوں کو گرفتار کرنا شروع کیا، چنانچہ سینکڑوں اہل علم اور طلبہ کو گرفتار کیا گیا، انہیں ناروا ایذائیں دی گئیں، کبیر والا، اوکاڑہ، سرگودھا، فیصل آباد، کھاریاں، ضلع گجرات وغیرہ میں دردناک واقعات رونما ہوئے، جن کو مظلومانہ صبر کے ساتھ برداشت کیا گیا، صرف ایک شہر اوکاڑہ میں ان مظالم کے خلاف احتجاج کے طور پر بارہ دن مکمل اور مسلسل ہڑتال ہوئی، اسی سے اندازہ کیجئے کہ ملک بھر میں مجموعی طور پر کتنا ظلم اور اس کے خلاف احتجاج ہوا؟ جگہ جگہ لاٹھی چارج کیا گیا، اشک ریز گیس کا استعمال بڑی فراخدلی سے کیا گیا، مجلس عمل کی تلقین تمام مسلمانوں کو یہی تھی کہ صبر کریں اور مظلوم بن کر حق تعالیٰ کی رحمت اور غیبی تائید الٰہی کے منتظر رہیں، قریباً پورے سو دن تک ان حالات کا مقابلہ کیا گیا اور تمام سختیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے جن کی تفصیل کی ان اوراق میں گنجائش نہیں۔

جناب وزیر اعظم بھٹو صاحب مشرقی پاکستان (حال بنگلہ دیش) کے دورے سے جب واپس آئے تو پوری قومی اسمبلی کو ایک خصوصی کمیٹی کی حیثیت دے کر اس کے سامنے دو قراردادیں پیش کی گئیں کہ اسمبلی بحیثیت خصوصی کمیٹی کے ان پر غور وفکر کرے:

① کہ آئین میں مسلمان کی تعریف کی جائے (پھر اس کے نتیجہ کے طور پر یہ فیصلہ کرنا سپریم کورٹ یا مشاورتی کونسل کا کام ہوگا کہ مرزائی غیر مسلم ہیں یا نہیں)

② کہ مرزائیوں کو دستوری حیثیت سے غیر مسلم اقلیت قرار دے کر غیر مسلم اقلیت کی فہرست میں ان کا نام درج کیا جائے، پہلی قرارداد حزب اقتدار کی جانب سے جناب وزیر قانون نے پیش کی اور دوسری حزب اختلاف کے ارکان نے، یہ بھی طے کردیا گیا کہ کمیٹی کے لئے چالیس اشخاص کا کورم ہوگا ان میں سے ۳۰ ممبر

حزب اقتدار کے اور ۱۰ر حزب اختلاف کے لازماً ہوں گے، گویا اصولی طور پر طے ہوگیا کہ جب تک حزب اختلاف کے دس ارکان کمیٹی کے فیصلہ کی تصدیق نہیں کریں گے وہ فیصلہ کالعدم ہوگا، بہر حال ایک رہبر کمیٹی بنی اور خوشی کی بات ہے کہ سفارشات کے تمام مراحل اتفاق رائے سے طے ہوتے چلے گئے، اس دوران حکومت نے مرزائیوں کو صفائی پیش کرنے کا موقع دینا ضروری سمجھا، چنانچہ مرزا ناصر نے ۱۹۲ر صفحے کا صفائی نامہ پیش کیا اور مرزائیوں کی لاہوری پارٹی کے صدر صدر الدین نے تحریری بیان پیش کیا، گیارہ دن تک مرزا ناصر پر جرح ہوتی رہی اور تین دن صدر الدین پر جرح ہوئی، جرح کے دوران تمام اراکین اسمبلی کے سامنے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ مرزا غلام احمد مدعی نبوت دجال ہے اور نبی اور مجدد تو کیا ایک شریف آدمی کہلانے کا بھی مستحق نہیں، دوسری قرار داد جو حزب اختلاف کی جانب سے پیش کی گئی تھی اس کی تشریح وتوضیح کے لئے دوصد صفحے کی ایک کتاب جو جدید طرز پر مرتب کی گئی تھی ان ارکان کی جانب سے پیش کی گئی اور ایوان میں سنائی گئی، جس سے تمام ممبران اسمبلی کو مرزائیوں کی مذہبی حیثیت اور ان کے سیاسی عزائم سے آگاہی ہوئی اور ان کی آنکھیں کھل گئیں۔

بہر حال مسلمانوں کی کوششیں نیشنل اسمبلی کی سطح پر اور باہر مسلمانوں کی عام سطح پر پرامن طریقے سے جاری رہیں، آخر جناب وزیر اعظم بھٹو صاحب نے ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء آخری فیصلہ کے اعلان کی تاریخ مقرر کردی، حالات آخر تک مایوس کن تھے اور توقع نہ تھی کہ مطالبہ کا احترام کیا جائے گا، اس لئے کہ تین ماہ کے عرصہ میں تحریک کو کچلنے کی کوئی کسر باقی نہیں رکھی گئی لیکن ”واللہ غالب علی امرہ“ حق تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، قلوب بھی حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور زبانیں بھی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں، خوف ورجائی کے بہت سے مراحل آتے رہے، بالآخر جناب وزیر اعظم بھٹو صاحب نے چھ اور سات کی درمیانی رات کو رات کے بارہ بجے کے بعد مسلمانوں کا مطالبہ تسلیم کرلیا، اگلے دن ستمبر کو اڑھائی بجے رہبر کمیٹی کا اجلاس ہوا، ساڑھے چار بجے نیشنل اسمبلی کا اجلاس ہوا اور ساڑھے سات بجے ایوان اعلیٰ کا اجلاس ہوا، تمام حاضر اراکین کے اتفاق سے مسلمانوں کا مطالبہ منظور ہوگیا اور آخری اعلان آٹھ بجے کی خبروں میں ہوگیا اور اس طرح الحمد للہ یہ مسئلہ بخیر وخوبی طے ہوگیا، جب سے پاکستان بنا ہے مسلمانوں کو کبھی اتنی مسرت اور خوشی نہیں ہوئی جتنی کہ اس خبر سے ہوئی کہ اس سرزمین پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کو آئینی تحفظ دے کر پاکستان کے مسلمانوں نے تاریخ اسلام میں ایک زریں باب کا اضافہ کیا، اب ان گذشتہ باتوں کو دہرانے کی ضرورت نہ تھی مگر یہ چند اجمالی اشارے دو وجہ سے ضروری سمجھے گئے، اوّل یہ کہ مسلمان یہ جاننے کے لئے بیتاب تھے کہ ان کی ملی تحریک کن مراحل سے گذری اور کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل واحسان سے اسے کامیابی سے ہمکنار کیا۔ دوم یہ کہ بعض حلقوں کی جانب سے یہ تاثر دیا گیا کہ مسلمان مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کرکے خدانخواستہ ظلم کررہے ہیں، حالانکہ تحریک کو اول سے آخر تک دیکھا جائے تو قدم قدم پر مسلمانوں کی مظلومیت کے نقوش ثبت ہیں، مظلوم کو فریاد کرنے کی بھی اجازت نہ دینا

کہاں کا انصاف ہے!۔

سپاس وتشکر

اس موقعہ پر ہم سب کو اللہ پاک کا شکرادا کرنا چاہیے کہ محض اسی نے اپنے فضل واحسان سے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی لاج رکھ لی اور اس تحریک کو کامیابی عطا فرمائی، اسی نے اس کے فوق العادت اسباب مہیا کئے، مسلمانوں کے تمام طبقوں کو متحد اور مجتمع فرمایا، اور اسی نے اراکین اسمبلی کے دل میں صحیح فیصلہ ڈالا۔ الحمد لله وحده، لا اله الا الله وحده، انجز وعده، ونصر عبده (اعنی سیدنا محمد صلی الله علیه وسلم) وهزم الاحزاب وحده۔ اللہ تعالیٰ کے بہت سے نیک بندوں نے اس موقعہ پر دعائیں کیں، اللہ تعالیٰ سے التجائیں کیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائیں قبول فرمائیں، جو کچھ ہوا محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے تکوینی طور پر ہوا، وہم وگمان سے بالاتر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا۔

مجلس عمل کے خادم کی حیثیت سے میں یہ فرض سمجھتا ہوں کہ جناب وزیر اعظم صاحب اور ان کے رفقاء کو مبارک باد اور ہدیہ تشکر پیش کروں، اگر موصوف نے آخری مرحلہ میں تدبر سے کام نہ لیا ہوتا اور گذشتہ حکمرانوں کی طرح نشہ اقتدار میں مسلمانوں کے ملی مطالبہ کو خدانخواستہ ٹھکرادیا جاتا تو شاید ہم سب غضب الٰہی کی لپیٹ میں آ گئے ہوتے اور پاکستان میں پھر ۵۳ء کی یاد تازہ ہوجاتی، یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر احسان ہے کہ یہ مسئلہ ان کے دور اقتدار میں حل ہوا، اگرچہ مسلمانوں کو ابتلا سے گذرنا پڑا لیکن بالآخر اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا جناب وزیر اعظم صاحب کے دل میں صحیح بات ڈال دی، بہرحال وہ اس جرأت مندانہ اقدام پر تمام عالم اسلام کی جانب سے مبارکباد کے مستحق ہیں۔

نیز میں قومی اسمبلی کے صدر اور معزز مسلمان اراکین کو تمام مسلمانوں کی جانب سے مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے مرزائیت کے تمام ما لہ وما علیہ کو بڑی محنت اور جانفشانی سے پڑھا اور پوری بصیرت سے صحیح فیصلہ صادر کیا۔

ملت اسلامیہ نے جس بے مثال اتحاد کا مظاہرہ کیا اور تمام مسلمانوں نے جس عزم واستقلال کے ساتھ تحفظ ناموس رسالت (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) کی خاطر ہر قسم کی گروہ بندیوں سے بالاتر ہو کر ایثار وقربانی کا نمونہ پیش کیا اس کی تحسین کے لئے الفاظ کا دامن تنگ ہے، جن جن لوگوں نے اخلاص کے ساتھ اس میں حصہ لیا وہ اپنا اجر اللہ تعالیٰ کے یہاں پائیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے مستحق ہوں گے، حق یہ ہے کہ اس موقعہ پر ملت اسلامیہ کا ایک ایک فرد مبارک باد کا مستحق ہے۔

اس حادثہ ربوہ کا آغاز عزیز طلبہ پر ظلم وستم سے ہوا اور انہوں نے ایک طرف تحریک کے لئے قربانیاں پیش کرنے کا عزم کیا اور دوسری طرف اپنے جوش وخروش کو مجلس عمل کی ہدایات کے مطابق بے جا استعمال کرنے سے حتی الوسع پرہیز کیا، ورنہ نوجوان طبقہ صبر وتحمل کی تلقین کو مشکل ہی سے سننے کا عادی ہوتا ہے اس لئے ہمارے عزیز

طلبہ دوگونہ مبارک باد کے مستحق ہیں اور کبھی کبھی خیال ہوتا ہے کہ اگر ان نوجوانوں کی ہمت وارادہ کے دھارے صحیح رخ پر بہنے لگیں اور ان کی ایسی تربیت ہو کہ وہ اس پاکستان کی پاک سرزمین میں ہر قسم کی گروہ بندیوں اور ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر محنت کرنے والے بن جائیں تو اس ملک کا نقشہ ہی بدل جائے، وما ذالك على الله بعزيز۔

اس موقعہ پر حزب اختلاف کی جماعتوں کے کردار کو داد نہ دینا بے انصافی ہوگی، سیاسی جماعتوں کا مزاج ہی کچھ ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی مناسب موقعہ سے سیاسی فائدہ اٹھانے سے نہیں چوکتیں، مگر ہماری تحریک بحمد اللہ خالص دینی تھی، صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور آپ کی ختم نبوت کی آئینی حفاظت اس کا مشن تھا، اس لئے جو جماعتیں بھی مجلس عمل میں شامل ہوئیں انہوں نے پوری شدت کے ساتھ اس مقدس تحریک کو سیاسی آلائشوں سے پاک رکھنے کا عزم کیا اور عملی طور پر اس کا پورا پورا مظاہرہ بھی کیا، اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر دے۔

قومی پریس پر سخت پابندیاں عائد تھیں، تحریک کی خبروں کی اشاعت چھن چھن کر ہوتی تھی اس کے باوجود قومی پریس نے مسلمانوں کی ملی تحریک سے حتی الامکان ہمدردی اور تعاون کا مظاہرہ کیا، خصوصیت کے ساتھ نوائے وقت لاہور نے بڑے بصیرت افروز اداریے اور مقالے شائع کئے، انصاف یہ ہے کہ دیگر دینی جرائد کے ساتھ نوائے وقت کا اس مقدس تحریک میں بہت ہی بڑا حصہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذمہ دار اصحاب کو بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے اور دنیا وآخرت میں اس کا بہترین اجر عطا فرمائے۔

ناسپاسی ہوگی اگر ہم اس موقعہ پر عالم اسلام کی ان مایۂ ناز اور پروقار شخصیتوں کا ذکر نہ کریں جنہوں نے اس نازک موقعہ پر پاکستان کے مسلمانوں سے ہمدردی فرمائی اور ارباب حل وعقد کو اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید کیا میں ان کی خدمت میں پاکستان کے تمام مسلمانوں کی طرف سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

اس مسرت وشادمانی کے موقعہ پر ہمیں اپنے ان بزرگوں کی یاد آتی ہے جنہوں نے اپنی ساری زندگی اس کے لئے بے چینی میں گذاری، حضرت الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ گولڑوی، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا لال حسین اختر اور دیگر بہت سے اکابر رحمہم اللہ نے اپنے وقت میں مرزائی فتنہ کے استیصال کے لئے اپنی ہمتیں صرف فرمائیں، حق تعالیٰ ان کو بہترین درجات عطا فرمائے کہ انہی کی جوتیوں کے طفیل آج مسلمانوں کو کامیابی نصیب ہوئی، یہاں خصوصیت سے علامہ اقبال مرحوم کا تذکرہ ضروری ہے کہ سب سے اول انہوں نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ اٹھایا۔

۵۳ء کی تحریک میں یا تحریک کے موجودہ مرحلے میں جن حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر اپنی جان نثار کی اور جام شہادت نوش فرمایا ہم ان کی ارواح طیبہ پر بھی عقیدت کے پھول نچھاور کرتے

ہیں، ان کی قربانیاں رنگ لائیں اور جس مقصد کے لئے انہوں نے اپنی جان کا ہدیہ پیش کیا تھا بالآخر اللہ تعالیٰ نے وہ مقصد عطا کر دیا، اللہ تعالیٰ ان سب کو بلند درجے عطا فرمائے اور ان کی لغزشوں سے درگذر فرمائے۔

آثار ونتائج

قوموں کی زندگی میں اس قسم کے تاریخ ساز واقعات ہمیشہ نہیں آتے اس لئے جی چاہتا تھا کہ پاکستان کی تاریخ کے اس زریں واقعہ کے آثار ونتائج پر کچھ تفصیل سے لکھا جائے، مگر افسوس کہ اس کی نہ فرصت ہے نہ گنجائش، مختصراً یہ کہ ۷۱ء میں سقوط مشرقی پاکستان سے پاکستان کے مسلمانوں کو جو گہرا زخم پہنچا تھا اس سے نہ صرف مسلمانوں کا وقار مجروح ہوا بلکہ خود اسلام کے بارے میں بھی (جو اس ملک کا سنگ بنیاد تھا) طاغوتی طاقتوں نے طرح طرح کے پروپیگنڈے شروع کر دیئے، الحمد للہ قومی اسمبلی کے ایمانی فیصلہ سے اس کی بڑی حد تک تلافی ہوگئی، عالم اسلام میں پاکستان کا وقار بلند ہوا جس کا اندازہ ان تہنیتی تاروں سے ہو رہا ہے جو وزیر اعظم اور دیگر عمائد ملک کو موصول ہو رہے ہیں، بلکہ کافر ممالک کو بھی یہ احساس ہوگیا کہ اسلام ایک زندہ طاقت ہے اور مسلمانوں میں ابھی ہمت وارادہ موجود ہے اور وہ اپنے دین کی سربلندی کے لئے جرأت مندانہ اقدام کرنے کی سکت رکھتے ہیں، اسلام کے صرف ایک مسئلہ اور بنیادی مسئلہ کو اپنانے کی یہ برکت ہے اگر ہمارے حکمران کمال اخلاص کے ساتھ خدا تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے پورے کا پورا دین انفرادی اور حکومتی دونوں سطحوں پر اپنائیں تو آخرت میں تو جو اجر ملے گا ملے گا، انشاء اللہ دنیا کی سرخروئی بھی مسلمانوں کو نصیب ہو سکتی ہے۔

پاکستان اور مسلمانوں کی بقاء اسلام سے وابستہ ہے

ہمارے ملک میں کچھ عرصے سے لادینی کمیونسٹ نظام کو لانے کے لئے اسلامی سوشلزم کی باتیں ہو رہی ہیں، عوام کو روٹی، کپڑا اور مکان کے نعروں سے فریب دیا جا رہا ہے اور ذرائع ابلاغ سے ایسے مضامین شائع اور نشر کئے جا رہے ہیں، قومی اسمبلی کا حالیہ تاریخی فیصلہ اس امر کی علامت ہے کہ جو شخص یہاں کے عوام کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے کھیل کھیلتا ہے وہ چند دنوں کے لئے فریب دے سکتا ہے لیکن بالآخر اسے منہ کی کھانی ہوگی، پاکستان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کلمہ طیبہ کے نام پر اور اسلام کی خاطر بنا ہے جو لوگ یہاں کے مسلمانوں کے دل سے اسلام کی وقعت نکالنا چاہتے ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک طریقوں سے مسلمانوں کو ہٹاتے ہیں وہ دراصل پاکستان کے نقشہ کو مٹانے کے درپے ہیں، غرض ایک بار یہ حقیقت پھر ابھر کر سامنے آگئی کہ پاکستان اور پاکستان کے مسلمانوں کی بقا اسلام اور صرف اسلام سے وابستہ ہے۔

اقلیت قرار دیئے جانے کے بعد مرزائیوں کی حیثیت

مرزائیوں کی حیثیت قبل ازیں کفار محاربین کی تھی اور قومی اسمبلی کے فیصلہ کے بعد ان کی حیثیت پاکستان کے غیر مسلم شہریوں کی ہے جن کو ذمی کہا جاتا ہے (بشرطیکہ وہ بھی پاکستان میں بحیثیت غیر مسلم کے رہنا قبول کرلیں اس لئے کہ عقد ذمہ دوطرفہ معاہدہ ہے) اور کسی ذمی کے جان و مال پر ہاتھ ڈالنا اتنا سنگین جرم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں ایسے شخص کے خلاف نالش کریں گے، اس بنا پر تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ ان کی جان و مال کی حفاظت کریں، مجلس عمل نے مرزائیوں سے سوشل بائیکاٹ کا فیصلہ کیا تھا جو مسلمانوں کے دائرہ اختیار کی چیز تھی لیکن جن مرزائیوں نے قومی اسمبلی کا فیصلہ تسلیم کر کے اپنے غیر مسلم شہری ہونے کا اقرار کرلیا ہو، اب ان سے سوشل بائیکاٹ نہیں ہوگا اور جو مرزائی اس فیصلہ کو قبول نہ کر رہے ہوں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مسلمانوں سے ترک محاربت پر آمادہ نہیں۔

مرزائیوں کو آئینی حیثیت سے غیر مسلم تسلیم کرنے کے بعد کچھ انتظامی اقدامات ہیں جو حکومت پاکستان سے متعلق ہیں، ہم توقع رکھتے ہیں کہ حکومت اس بات میں تغافل سے کام نہیں لے گی اس سلسلہ میں زیادہ اہم یہ امر ہے کہ خفیہ ریشہ دوانیوں پر کڑی نظر رکھی جائے اور کسی نئی سازش بر پا کرنے کے امکانات کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

مرزائیوں سے متعلق مسلمانوں اور حکومت کے کرنے کا اصل کام

حکومت اور عام مسلمانوں سے متعلق جو چیز ہے وہ یہ ہے کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر ہمارا مشن پورا نہیں ہوجاتا بلکہ یہ تو اس کا نقطہ آغاز ہے، اصل کام جو ہمارے کرنے کا ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ کسی مادی غرض یا کسی غلط فہمی کی بنا پر اس مرزائیت سے وابستہ ہوئے انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن ختم نبوت میں لانے کے لئے محنت کی جائے، ان کے کچھ شبہات ہوں تو ان کو زائل کیا جائے، ان کی کچھ مجبوریاں ہوں تو ان کو رفع کیا جائے، مرزائیوں نے عام طور پر مسلمانوں ہی کو شکار کیا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کو پوری ہمدردی اور خیر خواہی کے ساتھ جہنم سے نکالنے کی فکر کی جائے، پاکستان کے اندر اور باہر جس قدر لوگ مرتد ہوئے ہیں انہیں پھر سے اسلام کی دعوت دی جائے، غرض مرزائیوں کو خارج از اسلام قرار دینا اصل مقصد نہیں تھا بلکہ انہیں داخل در اسلام کرنا اصل مقصد ہے، اس سلسلہ میں انشاء اللہ ایک وسیع ارادہ ہے جو صالحین اس کے لئے قربانیاں دینے کو تیار ہوں گے ان کے لئے انشاء اللہ بڑی ہی بشارتیں ہیں، راقم الحروف کے ایک نہایت مخلص دوست جناب شیخ محمود حافظ مدنی نے جو ان دنوں دمشق میں ہیں ایک گرامی نامہ تحریر فرمایا ہے اس کا ایک فقرہ یہاں نقل کرتا ہوں:

> "فانی ابشرکم انی رأیتکم فی المنام لیلة ۳ شعبان ۹٤ ھـ رؤیا طیبة جدا، اهنئکم بها، واختصرها لکم، رایتکم مع جماعة علیهم سیما الصلاح والتقوی متقدمین فی السن، وکلهم یعملون فی جمع صفحات القرآن

الذی کتبتموه بخطکم وقلمکم الجمیل بمدادٍ لونه زعفرانیٌ وقصدکم طباعة هذا القرآن ونشره بین الناس لتعمیم الفائدة ، هکذا سمعت منکم وانتم تشیرون الیّ فی غایة من الفرح والسرور والابتهاج ، وعند ما تیقظت لصلاة الفجر قمت متضائلا والفرحة تملأ قلبی وایقنت بأن الله تعالیٰ کلل اعمالکم بالفوز والنجاح، والحمدلله الذی بنعمته تتم الصالحات". انتهی باختصار.

ترجمہ: میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ میں نے ۳رشعبان ۱۳۹۴ھ کی رات کو آپ کے بارے میں بہت عمدہ اور مبارک خواب دیکھا ہے جس کی آپ کو مبارک باد دینا چاہتا ہوں، اس کو یہاں مختصراً نقل کرتا ہوں، میں نے آپ کو ایسے شیوخ کی جماعت کے ہمراہ دیکھا جو سن رسیدہ ہیں اور جن پر صلاح وتقویٰ کی علامات نمایاں ہیں. یہ سب حضرات اس قران کریم کے صفحات جمع کرنے میں مصروف ہیں جو آپ نے اپنے قلم سے سنہری زعفرانی رنگ کی روشنائی سے خود تحریر کیا ہے اور آپ کا قصد یہ ہے کہ اس کو عام فائدہ کے واسطے لوگوں میں شائع کیا جائے، آپ نے اپنے اس قصد کا اظہار نہایت مسرت وشادمانی اور سرور کی حالت میں میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا صبح کو نماز فجر کے لئے اٹھا تو قلب فرحت سے لبریز تھا اور مجھے یقین ہے کہ آپ کے اعمال کو حق تعالیٰ نے کامیابی وکامرانی کا تاج پہنایا ہے، اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے جس کی نعمت سے تمام خوبیاں تکمیل پذیر ہوتی ہیں۔

خواب مختصر الفاظ میں ختم ہوا۔

اہل فہم جانتے ہیں کہ ملاحدہ نے قرآن کریم کی آیات کو جس طرح مسخ کیا اور ان میں تاویل وتحریف کرکے ان کے مفہومات کو بگاڑا ہے، قرآن کو سنہری حروف میں لکھ کر تمام عالم میں شائع کرنے کی تعبیر اس کے سوا کیا کی جائے کہ ان ملاحدہ کی تحریفات دنیا کے جس جس خطے تک پھیلی ہوئی ہیں ان کے اثرات وہاں سے مٹائے جائیں اور قرآن کریم کی سنہری تعلیمات کی طرف لوگوں کو دعوت دی جائے، کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کمزور نالائق اور پست ہمت بندوں سے بھی اس سلسلہ میں کچھ خدمت لے لیں، وماذالک علی اللہ بعزیز۔

اب دیکھئے وہ کون خوش قسمت لوگ ہیں جو قرآن کے ان سنہری صفحات کو جمع کرنے کے لئے میدان میں آتے ہیں:

گوئے توفیق وسعادت درمیاں افگندہ اند
کس بمیدان درنمے آید، سواراں راچہ شد

والحمد لله اولا وآخرا والصلاة والسلام علی خیر خلقه صفوة البریة سیدنا محمد وآله واصحابه واتباعه اجمعین.

[رمضان المبارک وشوال المکرم ۱۳۹۴ھ/اکتوبر ۱۹۷۴ء]

برطانیہ: اسلام کا سب سے بڑا دشمن

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ اپنے اساتذہ سے سنا تھا کہ "اسلام کے خلاف دنیا میں کہیں بھی کوئی سازش کی گئی ہو اس میں برطانیہ کا ہاتھ ضرور ہوگا" واقعہ یہ ہے کہ برصغیر پر غاصبانہ تسلط کے دوران اسلام کو جتنا نقصان حکومت برطانیہ نے پہنچایا اتنا شدید نقصان شاید تمام طاغوتی طاقتوں کی مجموعی قوت سے بھی نہیں پہنچا، ماضی قریب میں اسلام کا سب سے بڑا دشمن، سب سے بڑا حریف اور سب سے بڑا مجرم انگریز رہا ہے، اسلامی تہذیب و معاشرت، اسلامی قلب و قالب اور اسلام کی روح و معنویت کو اس سفید دشمن نے جیسا مسخ کیا اس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی، یہی دشمن ہے جس نے خلافت عثمانیہ کے عظیم و وسیع اسلامی قلعہ کو مسمار کر کے عالم اسلام کو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم کر ڈالا، جس نے اسلامی ممالک کے درمیان شقاق و نفاق کے کانٹے بوئے، جس نے اسلام کے مقامات مقدسہ کی حرمت کو پامال کیا، جس نے اسلامی شعائر کو مغربیت کی کند چھری سے ذبح کیا، جس نے مسلمانوں کی اسلامی و ملی غیرت کو کچل ڈالا، جس نے انسانیت کو بہیمیت و درندگی اور مکاری و عیاری کا درس دیا، جس نے خواتین اسلام کے سر سے ردائے عفت چھین لی، جس نے صنف نازک کو بازار فسق کا بکاؤ مال بنا ڈالا۔

ہاں یہی طاغوت ہے جس نے لاکھوں مسلمانوں کو شہید کیا، جس نے ہزاروں اولیاء اللہ کو تختہ دار پر کھینچا، جس نے معصوم بچوں کے خاک و خون میں تڑپنے کا تماشہ دیکھا، جس نے پردہ نشینان اسلام کو درندگی و بہیمیت کا نشانہ بنایا، جس کی سازش نے عالم اسلام کے جگر میں اسرائیل کا صیہونی خنجر گھونپا، جس نے لاکھوں فلسطینیوں کو خانہ بدوشی کی سزا دی، خدا کی زمین میں کون سی جگہ ہے جہاں انگریز کے جور و ستم اور سازشوں کے نقش ثبت نہیں؟ عالم اسلام کے چپے چپے پر اس کے دندانِ حرص و آز کے زخم موجود ہیں۔

جانشین ہوں گے تو اس سے دوہرا مقصد حاصل ہوگا، ایک طرف انگریز و برطانوی حکومت کے حق میں ظل اللہ فی الارض کا قادیانی تصور قائم رہے گا اور دوسری طرف قادیانی نبوت انگریزی داشتہ کی حیثیت سے کام کرے گی، برطانیہ کو جہاد کے خطرہ سے نجات ملے گی اور اسلام کی جگہ قادیانیت کو پنپنے کا موقعہ ملے گا۔

قادیانیت انگریز کا خود کاشتہ پودا

اس مقصد کے لئے افریقی ممالک میں جس طرح عیسائیوں کے لئے سکول، ہسپتال اور گرجے قائم کئے گئے، ٹھیک اسی طرح قادیانیوں کے ہسپتال، اسکول اور نئے گرجے بنائے گئے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں مسلمانوں کو عیسائیت اور مرزائیت کی چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پیس ڈالا گیا اور حیرت ہے کہ قیام پاکستان کے بعد قادیانیوں نے ان ممالک کے سادہ لوح عوام کو یہ تاثر دیا کہ پاکستان میں مرزائیوں کی حکومت قائم ہے، ربوہ دار الخلافہ ہے اور پاکستان کا امیر المومنین خلیفہ ربوہ ہے۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس نئے حربے سے بھولے

بھالے مسلمانوں کو کتنی آسانی سے شکار کیا گیا ہوگا؟ اس لئے شدید ضرورت ہے کہ ان شیاطینی تدابیر کا توڑ کیا جائے اور ختم نبوت کے جھنڈے تلے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی صحیح نشر واشاعت کی جائے، یہ مسئلہ تمام اسلامی ممالک کی توجہ کا اولین مستحق ہے، خصوصاً پاکستان کی حکومت پر اس کی سب سے بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس کے لئے بہترین صلاحیتوں کے مخلص پرعزم اور باہمت نوجوانوں کی ضرورت ہے جو پرچم اسلام کو سر بلند کرنے کے لئے اپنی تمام صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں وقف کرسکیں۔

قادیانیوں کی پاکستان خلاف سازشیں

یہ دیکھ کر بے حد صدمہ ہوا کہ قادیانی گروہ جو انگریز کی اطاعت وفرماں برداری اور خوشامد وتملق کا خوگر ہے، اس نے ستمبر ۷۴ء کے بعد پاکستان کے خلاف زہر اگلنا شروع کردیا ہے، بیرونی ممالک میں قادیانیوں پر حکومت پاکستان کے مظالم کی فرضی داستانیں تراش تراش کر پوری دنیا میں پاکستان کے خلاف پروپیگنڈا کر رہا ہے، قادیانی افسانہ سازوں کی ان حرکات کا نوٹس لینا اور ان کے مکروہ پروپیگنڈہ کا جواب دینا حکومت کا فرض تھا اور پاکستانی سفارت خانوں کو اس کا توڑ کرنا چاہیے تھا، مگر افسوس ہے کہ اس طرح توجہ نہیں کی گئی اور اس فیصلہ کے مضمرات کی کماحقہ تشہیر واشاعت سے غفلت روا رکھی گئی، اس لئے مجبوراً یہ خدمت بھی مجلس تحفظ ختم نبوت کو انجام دینا پڑی، الحمد للہ اسلامی ممالک کے علاوہ افریقی ممالک میں بھی مجلس تحفظ ختم نبوت کی شاخیں قائم کی جارہی ہیں اور مجلس کے مبلغین اپنے محدود وسائل کی حد تک قادیانیوں کے گمراہ کن اثرات کو زائل کرنے میں مصروف عمل ہیں، بہرحال پاکستان کی حکومت اور پبلک کے لئے قادیانی مسئلہ کا یہ پہلو بھی خاص طور سے توجہ طلب ہے۔

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے تقاضے

ستمبر ۱۹۷۴ء کے آئینی فیصلے کے تقاضے ابھی تشنہ ہیں اور مسلمان ان کی تکمیل وتعمیل کے لئے مضطرب ہیں، اس سلسلہ میں روزنامہ نوائے وقت لاہور (۱۳ر جنوری ۱۹۷۶ء) کا اداریہ مسلمانوں کے جذبات کا صحیح ترجمان ہے ہم اسے ذیل میں نقل کرکے ملک کے ارباب حل وعقد کو اس اہم ترین فریضہ پر توجہ کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

قادیانی...... آئینی ترمیم پر عملدرآمد

مرکزی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام ایک تقریب میں جو کراچی میں اس تنظیم کے سربراہ مولانا محمد یوسف بنوری کے اعزاز میں منعقد ہوئی یہ بتایا گیا کہ مجلس کا ایک وفد جلد ہی وزیر اعظم مسٹر بھٹو سے ملاقات کرے گا اور اس بات پر زور دے گا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے لئے ۷ر ستمبر ۱۹۷۴ء کو آئین میں اتفاق رائے سے جو ترمیم کی گئی تھی اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے ضروری اقدامات میں مزید تاخیر نہ کی جائے۔

آئین میں یہ ترمیم برصغیر کے مسلمانوں کی جس طویل اور ایمان افروز جدوجہد کے بعد کی گئی تھی وہ محتاج وضاحت نہیں اور اس کی منظوری کے موقع پر وزیر اعظم مسٹر بھٹو کا یہ اظہار فخر بالکل بجا تھا کہ ان کی حکومت کو ایک بہت پرانا اور نازک مسئلہ حل کرنے کی منفرد سعادت حاصل ہوئی ہے، اس کے ساتھ انہوں نے قومی اسمبلی میں اپنی تقریر کے دوران میں ان دوسرے متعلقہ اہم معاملات کی طرف بھی جلد ہی مناسب توجہ کرنے کا واضح یقین دلایا تھا جو مسلمانوں کے اس بنیادی مطالبہ کے لازمی مضمرات کی حیثیت رکھتے تھے، ان میں فوری نوعیت کا معاملہ یہ تھا کہ تحریک تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں ملک بھر میں جن علمائے کرام سیاسی کارکنوں اور دوسرے اصحاب کے خلاف مقدمات درج کئے گئے تھے وہ واپس لئے جائیں، یہ فوری معاملہ بھی تدریجاً اور قسطوں میں ہی حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ابھی تک پوری طرح حل نہیں ہوا کیونکہ گاہے گاہے مختلف مقامات سے ان مقدمات کا سلسلہ ختم کرنے کے مطالبات منظر عام پر آتے رہتے ہیں لیکن بیشتر دوسرے اور نسبتاً اہم تر مضمرات ابھی تک تشنۂ تکمیل چلے آرہے ہیں، ہماری مراد قادیانیوں کو کلیدی مناصب سے علیحدہ کرنے، ملازمتوں کے سلسلہ میں ان کی آبادی کے تناسب کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ اس صورت حال کو بھی مستقلاً ختم کرنے سے ہے جو قادیانیوں کی طرف سے اپنے آپ کو مسلمان بلکہ بطور مسلمان مسلمانوں سے بھی بہتر مسلمان ظاہر کرنے پر اصرار سے پیدا ہو جاتی ہے۔

پچھلے سال کے شروع میں آئینی ترمیم کی روشنی میں ضابطہ تعزیرات میں مناسب تبدیلی کے لئے ایک مسودہ قانون قومی اسمبلی میں پیش کیا گیا تھا لیکن ابھی تک اسے منظور نہیں کرایا گیا اور یہی بات اضطراب وتعجب کا باعث بنی ہوئی ہے، یہ درست ہے کہ اس دوران میں شناختی کارڈوں، پیشہ ورانہ تعلیم کے بعض اعلیٰ اداروں میں داخلہ، حج اور عمرہ کے لئے درخواستوں وغیرہ کے سلسلہ میں عقیدہ ختم نبوت پر کامل ایمان کے اظہار کے لئے حلف نامے ضروری قرار دیئے جاچکے ہیں، لیکن ضابطہ تعزیرات میں تبدیلی کا مسودہ قانون منظور کرنے میں جو تاخیر ہو رہی ہے اس کی وجہ سے جہاں قادیانی حسب سابق اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہاں انہوں نے طنز وتضحیک کے انداز میں اصل مسلمانوں کو محض آئینی قانونی مسلمان قرار دینے کا بھی اشتعال آفریں سلسلہ شروع کر رکھا ہے اور ان کے بعض اخباروں اور ترجمان جرائد نے تو اس حرکت کو معمول بنالیا ہے۔

ضابطہ تعزیرات میں آئینی ترمیم کے مطابق تبدیلی کرنے میں تاخیر سے یہ عجیب صورت بھی پیدا ہوگئی ہے کہ جو لوگ آئینی طور پر غیر مسلم قرار پاچکے ہیں وہ نہ صرف اسلام کے مبلغ ہونے کے دعویدار بنتے ہیں بلکہ ان اسلامی اصطلاحات کو بھی بے دریغ استعمال کرتے ہیں جو عقیدہ وایمان اور تاریخ وروایت کے اعتبار سے صرف اسلام کا حصہ اور مسلمانوں کا ورثہ اور سرمایہ ہیں، قادیانیوں کی طرف سے یہ گمراہ کن اور اشتعال آفرین سلسلہ اب اسی طرح ختم ہوسکتا ہے کہ ضابطہ تعزیرات میں بھی تبدیلی کرنے میں مزید تاخیر نہ کی جائے، تاکہ آئین میں تاریخی ترمیم کے اصل مقاصد پورے کرنے کی راہ کماحقہ ہموار ہوسکے۔

ہمیں امید ہے کہ مرکزی مجلس تحفظ ختم نبوت نے وزیر اعظم سے اپنے ایک وفد کی ملاقات کا جو پروگرام بنایا ہے اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کی مثبت کوشش ثابت ہوگا اور اسلامیان پاکستان کو ۱۹۷۴ء میں اپنے بنیادی عقیدہ اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ و اظہار کے لئے باقاعدہ آئینی اہتمام کرنے کی جو سعادت حاصل ہوئی تھی وہ ہر لحاظ سے پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے گی، قادیانی حلقے آئینی ترمیم کی طرح ضابطہ تعزیرات میں تبدیلی پر بھی یقیناً بڑے برہم ہوں گے، لیکن جب وہ دائرہ اسلام سے باہر قرار دیئے جا چکے ہیں تو پھر انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے غیر اسلامی عقائد کے باوجود مختلف مفادات کے حصول و تحفظ کے لئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کریں اور اسلامی اصطلاحات استعمال کرنے پر اصرار کرتے رہیں۔

محرم ۱۳۹۶ء/فروری ۱۹۷۶ء

(بشکریہ: روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۳/جنوری ۱۹۷۶ء)

غنڈہ گردی اور اس کا سد باب

وطن عزیز میں ظلم و ستم اور جور و جفا کے سائے دن بدن گہرے ہوتے جا رہے ہیں اور ملک کا مستقبل لمحہ بہ لمحہ تاریک سے تاریک تر ہوتا جا رہا ہے، یہاں آئے دن کوئی نیا شگوفہ کھلتا ہے اور نیا شگون رونما ہوتا ہے، اسلام آباد کی مرکزی مساجد سے دو علماء کے اغواء کی دردناک کہانی اسی ہفتہ اخبارات میں نظر سے گذری، جن میں ایک مولانا عبداللہ صاحب خطیب لال مسجد بھی شامل ہیں اور اس سے چند دن پہلے جامعہ رشیدیہ ساہی وال اور بعض دوسرے دینی مدارس و مساجد پر چھاپہ مارا گیا اور اخبارات کے مطابق جامعہ رشیدیہ کی جامع مسجد کو شراب سے ملوث کیا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہمیں معلوم ہے کہ یہ کس بت فتنہ گر کی عشوہ طرازیاں ہیں؟ یہ کس کی مشقِ ناز کی کرشمہ سازی ہے؟ کس کے اشارہ چشم و ابرو سے قتل عشاق کا سامان کیا جا رہا ہے؟ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ فسطائی حربے، یہ سیاسی ہتھکنڈے یہ غنڈہ گردی ارباب اقتدار کی بدنامی کا موجب ہے یا اس نیک نامی سے حکومت مضبوط ہوتی ہے؟ اگر یہ سب کچھ حکومت کے علم و ایماء کے بغیر ہو رہا ہے تو اس دہشت گردی اور بربریت کے انسداد سے حکومت کیوں قاصر ہے؟ کیا ان مہیب واقعات پر حکومت کی پراسرار خاموشی اس کی رضامندی کی دلیل نہیں؟ خدارا! ان فسطائی حربوں سے شعائر اللہ کی مٹی پلید کر کے خدا تعالیٰ کی غیرت کو چیلنج نہ کریں، ظلم و بربریت کا انسداد کر کے اپنے تدبر اور ہوشمندی کا ثبوت دیں۔

لفظ غیر مسلم لکھوانے سے قادیانیوں کا انکار

مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے متبعین کی حیثیت آئین میں متعین کر دی گئی اور مرزائی فرقہ کو

غیر مسلم اقلیتوں کی فہرست میں شامل کیا جا چکا ہے، لیکن مرزائی فرقہ کے آرگن روز نامہ الفضل ربوہ نے اعلان کیا ہے کہ ہم شناختی کارڈ اور دوسرے کاغذات میں غیر مسلم لکھنا برداشت نہیں کریں گے، مرزائیوں کا یہ اعلان آئین کی صریح خلاف ورزی ہے اور اس کا نوٹس لینا آئین کے محافظوں کا فرض ہے، تاہم یہ امر واضح ہے کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت کی حیثیت سے جو آئینی تحفظ دیا گیا اگر وہ اس حفاظتی بند کو خود توڑنے کی جسارت کریں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ انہوں نے یہ آئینی معاہدہ خود منسوخ کر دیا اس کے بعد ان کی حیثیت شرعاً حربی کافروں کی ہوگی اور مسلمان اسی بات پر شرعاً و اخلاقاً مجبور ہوں گے کہ مرزائیوں سے کم از کم سوشل بائیکاٹ کریں۔

دین اسلام اور رنگ و نسل و علاقائیت

خدا جانے ہمارے ارباب اقتدار کو کیا ہو گیا کہ عبرت انگیز حقائق و واقعات سے عبرت نہیں ہوتی؟ غفلت کی انتہا ہو گئی کہ آنکھیں نہیں کھلتیں، اسلامی اتحاد اور اسلامی اخوت کی عالمگیر نعمت کی قدردانی نہیں اور ملکی لسانی اور مقامی تہذیب و ثقافت کے محدود ترین دائرہ میں سوچتے ہیں اور اس کے احیاء کی کوشش کرتے رہتے ہیں، مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک وحدت اسلامی کی ''سلک مروارید'' کو چھوڑ کر سندھی، پنجابی اور بلوچی تہذیبوں کے احیاء کی کوشش فرماتے ہیں، جس کے ذریعہ نہ صرف وحدت اسلامی کو پارہ پارہ کرتے ہیں بلکہ پاکستانی حبل متین کے اتحاد کو بھی پارہ پارہ کر کے مشرقی پاکستان کی دردناک و حسرت ناک اور شرمناک صورت حال کو دعوت دے رہے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسلام نے پہلے قدم پر رنگ و نسل اور وطن کے تمام بتوں کو توڑ کر بے نظیر روحانی رشتہ میں سب روئے زمین کے مسلمانوں کو پرو دیا تھا، پاکستان بنانے کی سب سے بڑی دلیل یہی تھی کہ دنیائے اسلام کی سب سے بڑی حکومت وجود میں آئے گی اور اس کے ذریعہ تمام عالم اسلام کے اتحاد کا روح پرور منظر وجود میں آئے گا۔

اسلام ہی وہ عالم گیر مذہب ہے جس نے جاہلیت قدیمہ و جاہلیت جدیدہ کی لعنتوں کو ختم کیا تھا اور مشرق و مغرب کے مسلمانوں میں روحانی حبل اللہ المتین کا وہ رشتہ قائم کیا جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی، یہ وہ طاقت تھی کہ دشمنان اسلام اس سے لرزہ براندام تھے اور اس رشتہ کی برکت سے ایک ہزار برس تک اسلام کا علم لہراتا رہا، دشمنان اسلام نے صدیوں محنتیں کر کے اور کروڑوں روپیہ خرچ کر کے اس کو تباہ کرنے کی ریشہ دوانیاں کیں، یہاں تک کہ خلافت عثمانیہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے دم لیا اور عرب دنیا کو ''ترکی بھوت'' سے ڈرا کر اتحاد اسلامی کو پارہ پارہ کیا، پھر عرب اتحاد کے خوف سے ان کے سینوں پر ملعون یہودی حکومت قائم کرا دی، تاکہ دوبارہ قیامت تک متحد نہ ہو سکیں اور آج جو کچھ نقشہ آپ کے سامنے ہے یہ صدیوں کی سوچی سمجھی ہوئی اسکیم تھی جس کا ظہور ہو گیا۔

اعدائے اسلام کی امید کے خلاف مسلمانوں کی ایک بہت بڑی قوت پاکستان کی صورت میں دنیا کے

نقشے پر نمودار ہوگئی تو سر ظفر اللہ مرزائی قادیانی کو اس کا وزیر خارجہ بنوا کر پاکستان اور عالم عرب کو پارہ پارہ کرنے کا بیج ڈال دیا گیا، سب سے پہلے افغان حکومت کو ناراض کر کے دشمن بنا دیا گیا اور پھر ایسے مہرے آگے آتے رہے کہ رہی سہی توقعات سب کی سب ختم ہوگئیں، نہ اسلامی قانون و آئین جاری کرایا، نہ اسلامی اخوت کا پرچار کیا، نہ اسلامی اتحاد کی قدر کی۔

اعدائے اسلام کو بنگلہ دیش بنانے کا موقع مل گیا، روس، امریکہ اور ہندوستان تینوں نے مل کر وحدت اسلامی پر پہلا وار کر کے پاکستان کو دو ٹکڑے کرایا، اب وہ اس پر صبر و قناعت نہیں کرنا چاہتے بلکہ ان کی خواہش ہے کہ سندھو دیش بھی قائم ہو، بلوچستان بھی الگ کیا جائے اور سرحد کو بھی کاٹ دیا جائے، پنجاب میں مرزائیوں کے بل بوتے پر دوبارہ نئی حکومت ایسی قائم کی جائے جس کے ذریعہ عرب دنیا کو ڈائنامیٹ لگایا جا سکے۔

سندھ صدیوں کے آئینہ میں

ان نازک ترین حالات میں ''سندھ صدیوں کے آئینہ'' میں سیمینار قائم کیا جاتا ہے اور اگر یہ صحیح ہے کہ امریکن فاؤنڈیشن کی اعانت سے قائم کیا گیا تھا تو آغاز ہی سے اس کے انجام کا پتہ چل جاتا ہے، اس مبارک سیمینار کا اختتام یوں ہوا کہ جمعہ مبارک کی شام کو آرٹس کونسل کراچی میں سندھی موسیقی و رقص کا پروگرام پیش کیا گیا ہے، جس میں وزیروں کی بیگمات نے بھی حصہ لیا اور کیا گیا ''نغمہ سرائی'' اور ''ہو جمالو'' کی دھن پر رقص کے فحش و قبیح منظر کے ذریعہ بین الاقوامی سیمینار کے نمائندگانِ عالم کے سامنے سامان تفریح پیش کیا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ ہمارا پاکستان ہے اور یہ ہمارا اتحاد اسلامی کا منظر ہے، سنا ہے کہ ایک بیچارے ترکی نمائندہ نے سچ کہا ہے کہ ''پاکستان کو سنا کرتے تھے مگر آج دیکھ لیا''۔ اس نقار خانے میں جو آواز سنجیدہ اور متانت کی اٹھی، وہ جناب اے کے بروہی کی تھی جس نے اسلامی تہذیب اور عربی زبان پر زور دیا، کاش طوطی خوش الحان کی یہ آواز نقار خانے میں سنی جائے۔

خدارا! اس رہے سہے پاکستان پر رحم کرو، دشمنان اسلام کی ریشہ دوانیوں سے بچو، ان دیشوں بدیشوں سے پناہ مانگو، جلد سے جلد اسلامی آئین و قانون کو نافذ کرو اور حق تعالیٰ کے غضب کو مزید دعوت مت دو، فیا للاسف۔ نہ معلوم عقلوں پر کیا پردے پڑ گئے، دماغوں کو کیسا کلوروفارم سونگھایا گیا کہ ہوش نہیں آتا ہے، اے اللہ ہم پر رحم فرما اور اپنے غضب سے بچا۔

واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین، آمین.

[ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ/ مئی ۱۹۷۵ء]

قادیانیت اور عالم اسلام

(ایک سفرنامہ کا اقتباس)(۱)

حج سے پہلے رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سیکرٹری شیخ محمد صالح قزاز صاحب سے حضرت مولانا مدظلہٗ کی ملاقات ہوئی، مولانا نے ان کو اپنے سفر کے تاثرات سنائے جس پر انہوں نے خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا اور دعائیں دیں، حضرت مولانا نے ان کو بھی یہ تجویز پیش کی کہ رابطہ کی طرف سے کتاب ”موقف الامة الاسلامية من القاديانية“ کی طباعت کا انتظام ہو اور اسے بلاد اسلامیہ میں تقسیم کیا جائے، جسے انہوں نے بخوشی قبول کیا اور کتاب کو متعلقہ کمیٹی کے سامنے پیش کرنے کا حکم دیا۔

موسم حج میں ہر سال رابطہ کی طرف سے ”بین الاسلامی مجلس مذاکرہ“ منعقد ہوتی ہے، اس مجلس کے اجلاس جاری تھے، شیخ محمد صالح قزاز صاحب نے حضرت مولانا کو اس میں شرکت کی دعوت پیش کی اور اصرار کیا کہ کم از کم اس کے اختتامی اجلاس میں آپ ضرور شرکت فرمائیں، جسے آپ نے قبول فرمالیا، اس ”بین الاسلامی مجلس مذاکرہ“ میں جن موضوعات پر مقالے پیش کئے گئے وہ یہ ہیں:

① قادیانیت ② غیر مسلم ممالک میں مسلم اقلیتیں

③ اسلام میں عورت کا مقام۔

مجلس کا آخری اجلاس ۵/ذوالحجہ ۱۳۹۵ھ مطابق ۷/دسمبر ۱۹۷۵ء کو عشاء کے بعد رابطہ کے ہال میں شروع ہوا، حضرت مولانا نے بھی اس میں شرکت فرمائی رابطہ کے حضرات نے آپ کا استقبال کیا اور شیخ محمد صالح قزاز اپنی جگہ چھوڑ کر آئے اور مولانا کو خاص مہمانوں کی جگہ بٹھایا، اس اجلاس میں مسلم اور غیر مسلم ممالک کے سینکڑوں علماء نے شرکت کی۔

اس اجلاس میں مندرجہ بالا موضوعات سے متعلق مجلس مذکراہ کی خصوصی کمیٹی نے اپنی سفارشات پڑھ کر سنائیں، قادیانیت کے متعلق جو سفارشات پیش کی گئیں وہ یہ ہیں:

بین الاسلامی مجلس مذاکرہ کی طرف سے قادیانیت سے متعلق مقررہ کمیٹی نے بڑے غور وخوض سے قادیانی جماعت کے اغراض ومقاصد کا مطالعہ کیا اور اس نتیجہ پر پہنچی کہ یہ جماعت بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کی جڑیں کاٹ کر مسلمانوں میں اپنے خبیث نظریات پھیلاتی ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے عقائد کے خلاف مندرجہ ذیل امور کی مرتکب ہے:

---

(۱) یہ سفرنامہ محترم جناب مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب زید مجدہم نے تحریر فرمایا۔

الف ...... اس جماعت کے لیڈر مرزا غلام احمد نے نبوت کا دعویٰ کیا۔

ب ...... اپنے گھٹیا اغراض کے لئے قرآن کریم کی آیات کی تحریف کی۔

ج ...... اپنے آقا استعمار اور صہیونیوں کو خوش کرنے کے لئے جہاد کے منسوخ ہونے کا اعلان کیا، نیز کمیٹی نے ان عقائد کے سیاسی اور اجتماعی خطرات کا بھی مطالعہ کیا جن کا اس جماعت کی وجہ سے عالم اسلامی کو خطرہ لاحق ہے اور بعض فضلاء کی زبانی یہ سن کر افسوس ہوا کہ یہ جماعت افریقہ، ایشیا، یورپ اور امریکہ کے بعض ممالک میں اپنا کام کر رہی ہے اس لئے یہ کمیٹی مندرجہ ذیل قرار داد پیش کرتی ہے:

① بین الاسلامی مجلس مذاکرہ ان اسلامی حکومت کو مبارک باد پیش کرتی ہے جنہوں نے قادیانیت کے بارے میں اپنا واضح مؤقف اختیار کرتے ہوئے اسے غیر مسلم اقلیت قرار دیا اور یہ مجلس تمام اسلامی حکومتوں اور دینی تنظیمات سے پرزور مطالبہ کرتی ہے کہ وہ بھی یہ اعلان کریں کہ قادیانیت غیر مسلم جماعت ہے اور اسلام کی دائمی تعلیمات کے خلاف ہے۔

② حسن اتفاق سے اس وقت نائیجیریا کے سربراہ مملکت دیار مقدسہ میں موجود ہیں اور جیسا کہ معلوم ہے کہ نائیجیریا میں قادیانی سرگرمیاں بہت تیز ہو رہی ہیں اور اب یہ جماعت وہاں کی یوربا زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ شائع کرنا چاہتی ہے، اس لئے کمیٹی یہ سفارش کرتی ہے کہ علماء افاضل کا ایک وفد تشکیل دیا جائے جو نائیجیریا کے صدر محترم سے ملاقات کرے اور ان کے سامنے اس غیر مسلم اور باغی جماعت کے بارے میں امت اسلامیہ کے مؤقف کی وضاحت کرے اور ان سے اپیل کرے کہ وہ ان کے اس خطرناک منصوبے کو پورا ہونے سے روکیں۔

③ مسلمانوں کو مختلف وسائل کے ذریعہ قادیانی لٹریچر پڑھنے سے روکا جائے اور اس لٹریچر کو مسلمانوں میں پھیلانے کا سد باب کیا جائے خصوصاً قرآن کریم کے تحریف شدہ ترجمے۔

④ کمیٹی یہ سفارش کرتی ہے کہ اس غیر مسلم گمراہ کن جماعت کی سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھی جائے اور رابطہ عالم اسلامی اس سلسلہ میں ایک خاص شعبہ قائم کرے جس کا کام اس جماعت کی سرگرمیوں اور اس کی نقل وحرکت پر نگاہ رکھنا اور اس کی مقاومت کے لئے مناسب قدم اٹھانا ہو۔

⑤ جن بلاد میں یہ فتنہ پھیلا چکا ہے وہاں کثرت سے ایسے مخلص مبلغین کو بھیجا جائے جو قادیانی مذہب اس کے مقاصد اور اس کے طریقہ کار سے خوب واقف ہوں۔

⑥ جن ممالک میں قادیانی سرگرمیاں موجود ہیں وہاں مدارس، ہسپتال اور یتیم خانے قائم کئے جائیں تاکہ مسلمان بچے ان کے مدارس اور ہسپتالوں میں جانے پر مجبور نہ ہوں۔

⑦ یہ کمیٹی رابطہ عالم اسلامی سے یہ بھی مطالبہ کرتی ہے کہ اسلامی ممالک میں ایسی کتابیں بکثرت شائع کرے جو اس فرقہ کے خطرات سے آگاہ کرتی ہوں تاکہ مسلمان ان کے فاسد عقائد اور ناپاک اغراض پر مطلع ہوسکیں۔

⑧اسلامی حکومتوں سے یہ بھی اپیل کرتی ہے کہ وہ اپنے ہاں شائع ہونے والی کتابوں کی نگرانی کے لئے ایسے حضرات کا تقرر کرے جو صحیح اسلامی فکر کے مالک ہوں۔

⑨جو لوگ محض جہالت یا دھوکے میں قادیانیت کے جال میں پھنس چکے ہیں ان کو نہایت نرمی اور حکمت عملی سے اسلام کی دعوت دی جائے اور اس سلسلہ میں مناسب تدابیر اور وسائل کو کام میں لایا جائے، و باللہ التوفیق۔

حرمین شریفین میں مقامی علمی اور دینی شخصیات کے علاوہ دوسرے ممالک سے آئی ہوئی شخصیات سے بھی ملاقاتیں ہوئیں اور ان سے اس موضوع پر تبادلہ خیالات ہوا اور ان کو مذکورہ کتاب پیش کی گئی، ان ممالک میں جاپان، انڈونیشیا، ملایا، فلپائن، ہندوستان، شام، عراق، اردن، لیبیا، نائیجیریا، سیرالیون، اپر وولٹا، ایوری کوسٹ، سینیگال، جنوبی افریقہ اور ترکی قابل ذکر ہیں۔

وصلی اللہ علی سیدنا محمد خاتم النبیین وآلہ واصحابہ وسلم

[ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ/مئی ۱۹۷۶ء]

طاغوتی قوتوں کی اسلام دشمنی

اس پر آشوب دور میں علمی و عملی فتنوں کا سیلاب ہر طرف سے امڈ رہا ہے، کوئی گوشہ ایسا نہیں رہا جہاں سے کسی نہ کسی فتنہ کا چشمہ نہ ابلتا ہو، اور جس طرح اسلامی حکومتوں کے خلاف تمام طاغوتی طاقتیں متحد ہو کر تہیہ کر چکی ہیں کہ ان اسلامی دولتوں کو صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیں اسی طرح یہ حکومتیں گمراہ کن افکار کے ذریعہ اس کی جدوجہد میں مصروف ہیں کہ کسی طرح دین اسلام کے کسی بھی خدوخال کو صحیح باقی نہ رہنے دیا جائے، بڑی بڑی نامور حکومتیں اونچی سطح پر اس تدبیر میں مشغول ہیں کہ کسی طرح اسلامی شعائر اور اسلامی خصوصیات مٹ جائیں، بڑی بڑی خطیر رقمیں اس کام کے لئے نکالی جارہی ہیں اور ایسے مشہور ملحدین جو مستشرقین کی تربیت میں اپنے استادوں سے بھی گوئے سبقت لے جا چکے ہیں ان کو منتخب کر کے ان کے ذریعہ یہ کام کیا جارہا ہے، ان ملعون طاغوتی طاقتوں کو اصل دشمنی دین اسلام سے ہے، اگر وہ اسلامی حکومتوں کو ختم نہ کرسکیں تو پھر اس کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ ان ملکوں سے صحیح اسلام کی روح نکال دیں، اس مہم کو کامیاب بنانے کے لئے دو محاذوں پر بڑی تیزی کے ساتھ کام کیا جارہا ہے۔

ایک یہ کہ نئی نسل جو دینی اقدار، دینی عقائد اور دینی مسائل سے نا آشنا ہے، اس کے سامنے اسلام کی ایسی تعبیر کی جائے کہ اگر کسی کفر صریح پر اسلامی لیبل لگا دیا جائے تو وہ اسی کو اسلام سمجھنے لگے، دوسری طرف اہل حق اور ارباب دین میں مختلف ذرائع سے اتنا شدید اختلاف و انتشار پیدا کر دیا جائے کہ ان کی قوت مفلوج ہو کر رہ جائے، ظاہر ہے کہ جب ملحدین کو ٹوکنے والے کسی اور دھندے میں مشغول ہوں گے تو اسلام کو ذبح کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی موقع نہیں آئے گا۔

اعدائے اسلام کی ریشہ دوانیوں کا سبب

درحقیقت اعدائے اسلام کی ریشہ دوانیوں کا سبب تمام اسلامی ممالک میں (پاکستان ہو یا انڈیا، مصر ہو یا مراکش والجزائر) مسلمانوں کی غفلت اور اسلام سے تعلق کی کمی ہے، کسی جگہ نہ دین اسلام کی علمی روح باقی رہی، نہ عملی قالب سالم و باقی رہا، پھر برائے نام اسلام کا جو بھی حشر ہو زیادہ مستبعد نہیں، پھر ان سب پر مستزاد یہ فتنہ ہے کہ اسلام کے نادان دوست نہ معلوم نادانستہ یا دانستہ کسی خودغرضی کی بناء پر خدمت اسلام کے نام پر اسلام کی جڑیں اکھاڑ رہے ہیں، فیا غربۃ الاسلام!

فتنہ انکار حدیث (فتنۂ پرویزیت)

کسے معلوم نہیں کہ فتنہ انکار ختم نبوت کے بعد اس سرزمین میں سب سے بڑا فتنہ انکار حدیث کا پیدا ہوا جو عام طور سے فتنہ پرویزیت کے نام سے معروف ہے اور جس نے اسلام کے بنیادی اصول تمام مسائل کو مجروح کرنے کی کوشش کی، عقائد، عبادات، اخلاق، اعمال، شعائر اسلامی، معاشرت اسلامی، اقتصادی نظام وغیرہ کسی چیز کو بھی نہیں چھوڑا، جس کو مجروح نہ کیا ہو اور اپنے زعم باطل میں اسے ختم نہ کیا ہو، آخر مجبور ہو کر علماء حق نے اپنی مسئولیت کے پیش نظر ان کفریات سے نقاب اٹھایا اور حق کو واضح کیا۔

سکندر مرزا آنجہانی کے عہد حکومت میں ۵۸ء میں جو کلوکیم لاہور میں ہوا تھا اور تمام اسلامی ملکوں کے ارباب علم موجود تھے، جب پرویز کے مقالات سامنے آئے تو مصری، شامی، مغربی وغیرہ تمام اہل علم نے ان کے خلاف متفقہ آواز اٹھائی کہ یہ صریح کفر ہے اور اسلام کے نام پر یہ صریح کفر قابل برداشت نہیں، اس موقعہ پر غلام احمد پرویز کی جو رسوائی ہوئی وہ اپنی نظیر آپ تھی، جس کی وجہ سے سکندر مرزا کا سارا کھیل ناکام رہا اور اس طرح پاکستان کے لاکھوں روپے غارت ہو گئے، اس ناکامی کے بعد امریکن فاؤنڈیشن کمیٹی نے فوراً ہی دوسرا کلوکیم کراچی میں منعقد کرلیا لیکن اس کو بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، لیکن افسوس اور صد افسوس کہ آج دوبارہ بعض ارباب قلم جن پر حسن ظن بھی رہتا ہے نہ معلوم کیوں خامہ فرسائی کررہے ہیں کہ پرویز سے اختلاف فروعی ہے اور علماء کو تکفیر کا فتویٰ واپس لے لینا چاہئے اور کسی جدید تالیف میں چند باتیں اپنے مزاج کی دیکھ کر اس کی تعریف میں رطب اللسان ہو گئے، انا للہ۔ پرویز صاحب کی یہ نئی کتاب جس سے متاثر ہو کر ہمارے بعض ارباب قلم علماء کو فتویٰ واپس لینے کا مشورہ دے رہے ہیں ابھی تک ہماری نظر سے نہیں گذری۔ اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ اس میں اسلام کے بارے میں کیا کچھ لکھا گیا ہوگا تاہم فرض کر لیجئے کہ یہ کتاب صحیح حقائق سے لبریز بھی ہو اور کوئی بات اس میں کفر کی نہ بھی ہو لیکن جب تک تمام سابق ریکارڈ کی جو کفریات سے مالا مال ہے مسٹر پرویز تردید نہ کریں تو ایک کتاب میں چند اچھی باتیں لکھ دینے کو کیسے رجوع الی الحق سمجھ لیا جائے؟ کیا ارباب کفر اور دشمنانِ اسلام تمام باتیں کفر کی کرتے

ہیں؟ نہیں بلکہ بسا اوقات اچھے اچھے حقائق بھی ظاہر کرتے ہیں، کائنات اور کونیات ربانیہ کے اسرار و رموز خفیہ ظاہر کرتے ہیں اور اس کائنات کے حقائق باطنیہ سے پردے اٹھا کر تمام عالم کو ان سے روشناس کراتے ہیں، لیکن یہ حقائق اپنی جگہ اور ان کا کفر اور کفریہ کارنامے اپنی جگہ، کیا ضروری ہے کہ جھوٹا آدمی ہر بات جھوٹی ہی کیا کرے؟ ہرگز نہیں، تو پھر چند باتوں کے پسند آنے سے سابق کی تمام غلط باتیں کیسے صحیح ہو جائیں گی؟

پرویزی تحقیقات ملحدانہ پر ایک نظر

ہم یہاں مسٹر پرویز کے بحرِ الحاد کے چند قطرے پیش کرتے ہوئے اہل عقل و انصاف سے اپیل کرتے ہیں کہ براہ کرم ان پرویزی تحقیقات پر دوبارہ نظر ڈالیں اور پھر خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ کیا یہ فروعی مسائل ہیں یا اسلام کے بنیادی اصولی اساسی مسائل ہیں؟ جن کی جڑوں پر مسٹر پرویز نے تیشہ چلا کر شجر اسلام کو کاٹنے کی کوشش کی ہے، حوالہ جات بغرض اختصار نہیں دیئے، مکمل تفصیلات کے لئے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی شائع کردہ کتاب ''علماء امت کا متفقہ فتویٰ پرویز کافر ہے'' کا مطالعہ کیا جائے۔

① قرآن کریم میں جہاں اللہ و رسول کا ذکر آیا ہے اس سے مراد مرکز نظام حکومت ہے۔

② رسول کو قطعاً یہ حق نہیں کہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے۔

③ رسول کی اطاعت نہیں کیونکہ وہ زندہ نہیں۔

④ ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اب دنیا میں انقلاب شخصیتوں کے ہاتھوں نہیں بلکہ تصورات کے ذریعہ رونما ہوا کرے گا، اب سلسلہ نبوت ختم ہو گیا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اب انسانوں کو اپنے معاملات کے فیصلے آپ کرنے ہوں گے۔

⑤ اب رہا یہ سوال کہ اگر اسلام میں ذاتی ملکیت نہیں تو پھر قرآن میں وراثت وغیرہ کے احکام کس لئے دیئے گئے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن انسانی معاشرے کو عبوری دور کے لئے بھی ساتھ کے ساتھ راہنمائی دیتا چلا جاتا ہے، ورثہ، قرضہ، لین دین، صدقہ خیرات سے متعلق احکام عبوری دور سے متعلق ہیں۔

⑥ صحیح قرآنی خطوط پر قائم شدہ مرکز ملت اور اسکی مجلس شوریٰ کا حق ہے کہ وہ قرآنی اصول کی روشنی میں صرف ان جزئیات کو مرتب کرے جن کی قرآن نے کوئی تصریح نہیں کی، پھر یہ جزئیات ہر زمانہ میں ضرورت پر تبدیل کی جاسکتی ہیں یہی اپنے زمانہ کے لئے شریعت ہیں۔

⑦ جن اصول کا میں نے اپنے مضمون میں ذکر کیا ہے وہ قانون اور عبادت دونوں پر منطبق ہوگا، نماز کی کسی جزئی شکل میں جس کا تعین قرآن نے نہیں کیا اپنے زمانے کے کسی تقاضے کے ماتحت کچھ رد و بدل ناگزیر سمجھے تو وہ ایسا کرنے کی اصولاً مجاز ہوگی۔

⑧ مسلمانوں کو قرآن سے دور رکھنے کے لئے جو سازش کی گئی اسکی پہلی کڑی یہ عقیدہ پیدا کرنا کہ رسول کو اس وحی کے علاوہ جو قرآن میں محفوظ ہے ایک اور وحی بھی دی گئی تھی، یہ وحی روایات میں ملتی ہے، دیکھتے دیکھتے روایات کا ایک انبار جمع ہو گیا اور اسے اتباع سنت رسول اللہ قرار دے کر امت کو اس میں الجھا دیا، یعنی یہ جھوٹ مسلمانوں کا مذہب بن گیا، وحی غیر متلو اس کا نام رکھ کر اسے قرآن کے ساتھ قرآن کی مثل ٹھہرا دیا گیا، ان احادیث مقدسہ کے جو حدیث کی صحیح ترین کتابوں میں محفوظ ہیں اور جو ملاّ کی غلط نگہی اور کوتاہ اندیشی سے ہمارے دین کا جز بن رہی ہیں سلام علیک کیجئے اور ہاتھ ملا لیجئے، جنت مل گئی، دو مسلمان جب مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں کے جدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ انہیں بخش دیتا ہے اب مسجد میں چلئے اور وضو کیجئے جنت حاضر ہے۔

⑨ اور آج جو اسلام دنیا میں مروج ہے وہ زمانہ قبل از قرآن کا مذہب ہو تو ہو، قرآنی دین سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔

⑩ خدا عبارت ہے ان صفات عالیہ سے جنہیں انسان اپنے اندر منعکس کرنا چاہتا ہے اس لئے قوانین خداوندی کی اطاعت درحقیقت انسان کی اپنی فطرت عالیہ کے نوامیس کی اطاعت ہے۔

⑪ قرآن ماضی کی طرف نگاہ رکھنے کے بجائے ہمیشہ مستقبل کو سامنے رکھنے کی تاکید کرتا ہے اسی کا نام ایمان بالآخرت ہے۔

⑫ بہر حال مرنے کے بعد کی جنت اور جہنم مقامات نہیں انسانی ذات کی کیفیات ہیں۔

⑬ ملائکہ سے مراد وہ نفسیاتی محرکات ہیں جو انسانی قلوب میں اثرات مرتب کرتے ہیں، ملائکہ کے آدم کے سامنے جھکنے سے مراد یہ ہے کہ یہ قوتیں جنہیں انسان مسخر کر سکتا ہے انہیں انسان کے سامنے جھکا ہوا رہنا چاہیے۔

⑭ آدم کوئی خاص فرد نہیں تھا بلکہ انسانیت کا تمثیلی نمائندہ تھا، قصہ آدم کسی خاص فرد کا قصہ نہیں بلکہ خود آدمی کی داستان ہے جسے قرآن نے تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے۔

⑮ رسول اکرمؐ کو قرآن کے سوا کوئی معجزہ نہیں دیا گیا۔

⑯ واقعہ اسراء اگر یہ خواب کا نہیں تو یہ حضور کی شب ہجرت کا بیان ہے، اس طرح مسجد اقصیٰ سے مراد مدینہ کی مسجد نبوی ہو گی جسے آپ نے وہاں جا کر تعمیر فرمایا۔

⑰ مجوسی اساورہ نے یہ سب کچھ اس خاموشی سے کیا کہ کوئی بھانپ نہ سکا، انہوں نے تقدیر کے مسئلے کو اتنی اہمیت دی کہ اسے مسلمانوں میں جزء ایمان بنا دیا۔

⑱ اب ہماری صلاۃ وہی ہے جو مذہب میں پوجا پاٹ یا ایشور بھگتی کہلاتی ہے، روزے وہی ہیں جنہیں مذہب میں برت کہتے ہیں، زکاۃ وہی شے ہے جسے مذہب دان خیرات کر کے پکارتا ہے، ہمارا حج مذہب کی یاترا ہے، آپ نے دیکھا کہ کس طرح دین (نظام زندگی) یکسر مذہب بن کر رہ گیا ان امور کو نہ افادیت سے کچھ تعلق

ہے نہ عقل وبصیرت سے کچھ واسطہ۔

⑲ قران کریم نے نماز پڑھنے کے لئے نہیں کہا بلکہ قیام صلاۃ یعنی نماز کے نظام کے قیام کا حکم دیا ہے، عجم میں مجوسیوں کے ہاں پرستش کی رسم کو نماز کہا جاتا تھا، لہذا صلاۃ کی جگہ نماز نے لے لی۔

⑳ زکوۃ اس ٹیکس کے علاوہ اور کچھ نہیں جو اسلامی حکومت مسلمانوں پر عائد کرے، اس ٹیکس کی کوئی شرح متعین نہیں کی گئی۔

㉑ حج عالم اسلامی کی بین الملی کانفرنس کا نام ہے، اس کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کے خورد ونوش کے لئے جانور ذبح کرنے کا ذکر قرآن میں ہے۔

㉒ یہ عقیدہ کہ بلا سمجھے قرآن کے الفاظ دہرانے سے ثواب ہوتا ہے یکسر غیر قرآنی عقیدہ ہے، یہ عقیدہ درحقیقت عہد سحر کی یادگار ہے۔

یہ چند کفریات مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر ذکر کئے گئے، ان کے حوالہ جات اور پوری تفصیل اور ان کے جوابات اور جوابات کی تصدیق پر علماء امت کے دستخطوں کے لئے مکمل اور مفصل کتابی صورت میں فتویٰ ملاحظہ فرمائیں، خدارا مسٹر پرویز کی ان تصریحات کو سامنے رکھ کر بتائیے کہ اللہ ورسول، اطاعت اللہ ورسول، جنت، دوزخ، یوم آخرت، ختم نبوت، نماز، روزہ، زکوۃ، حج، تلاوت قرآن، قربانی اور تقدیر سے انکار، شریعت اسلامیہ کے منسوخ ہونے کا دعویٰ، احکام قرآن محض عبوری دور کے لئے تھے، اب ان کا حکم باقی نہیں، وراثت خیرات وصدقہ وغیرہ وغیرہ تمام احکام وقتی تھے اب مرکز ملت کو اختیار ہے کہ جو فیصلہ صادر کرے حق ہے، انا للہ۔ آخر اسلام کی کون سی چیز باقی رہ گئی جس پر مسٹر پرویز نے ہاتھ صاف نہ کیا ہو حدیث عجمی سازش ہے، حدیث کا انبار بے معنی چیز ہے اور اب جو اسلام مسلمانوں کے پاس ہے وہ سب افسانہ عجم ہے، وغیر ذلك من الهفوات والاكاذيب۔

بتائیے کیا یہ مسائل فروعی مسائل ہیں؟ اور گر یہ فروعی مسائل ہیں تو اصولی مسائل کیا ہوں گے اور کیا تکفیر کبھی بھی فروعی مسائل کے انکار سے ہوتی ہے؟ قرآن حدیث، تمام عبادات، تمام احکام شرعیہ، بیک جنبش قلم ختم کر دیئے گئے پھر بھی سب اچھا ہے اور اسلام بخیر ہے! اسلام کی قریبی تاریخ میں مرزا کے سوا آج تک اتنا بڑا الملحد پیدا نہیں ہوا جس نے بیک وقت تمام شریعت کی اس طرح تحریف کی ہو، گویا مرزا غلام احمد قادیانی کی روح چودھری غلام احمد پرویز میں آ گئی ہے، ڈاکٹر فضل الرحمن سابق ڈائرکٹر مجلس تحقیقات اسلامی یہ سب ایک طرح کے دین اسلام کو مسخ کرنے والے ہیں، افسوس کہ اسلام اتنا غریب الدیار بن گیا ہے کہ جو بے رحم زندیق وملحد آئے اسلام کو ذبح کرے، جس طرح چاہے اس کی شہ رگ پر کند چھری چلائے کوئی چھڑانے والا نہیں! ہاں، ان ملاحدہ کو ٹوکنے والے ظالم ہیں! انا للہ وانا الیہ راجعون۔ تصور بھی اس کا نہیں ہوسکتا تھا کہ پاکستان کی سرزمین پر ایسے ایسے گمراہ وملحد اس آزادی کے ساتھ اسلام کی گردن پر چھری چلائیں گے کہ کوئی آہ بھی نہ کر سکے گا، ایک طرف یہ دردناک صورت حال ہے دوسری

طرف اسلامی ثقافت اور محبت رسول کے نام پر خرافات و بے حیائی و بے دینی کے وہ روح فرسا مناظر کہ الامان والحفیظ، ایک طرف سراسر الحاد و زندیقیت کے مناظر دوسری طرف دین کی محبت کے نام پر بے دینی و بے حیائی کے مناظر، **فیا غربة الاسلام و یا خیبة المسلمین**۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور اس مملکت پاکستان کی سرزمین کو صحیح اسلام کا نمونہ بنادے اور ایسی مثالی حکومت قائم فرمائے جو تمام عالم اسلام کی دینی و سیاسی قیادت کر سکے۔

اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف یہودی زہر آلود ذہنیت

ایک عرصہ سے پاکستان میں لندن کے ایک یہودی مصنف کی ایک کتاب درآمد کی جارہی ہے، جمعیۃ المشائخ لاہور کے ہم ممنون ہیں جس نے اس یہودی اسرائیلی کتاب کے چند حوالے ذکر کر کے امت اسلامیہ کو متنبہ کیا ہے، کتاب کیا ہے؟ یہودی ذہنیت کی رذیل و ذلیل ذہنیت کا ایک مرقع ہے، آج تک اس قدر اخلاق سے ساقط معیار پر اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف زہر آلود ذہنیت کا مظاہرہ کسی نے بھی نہیں کیا، افسوس کہ ایسی رسوائے عالم کتاب کا داخلہ پاکستان میں کیسے ہوا جو نہایت آزادی سے یہاں فروخت ہورہی ہے، نہ معلوم کہ ارباب اقتدار کیسی تکلیف دہ غفلت میں مبتلا ہیں، بہر حال جمعیۃ المشائخ کے فراہم کردہ اقتباسات معہ ترجمہ اور ابتدائی نوٹ یہاں دیا جاتا ہے، پڑھئے اور اغیار کے ظلم و ستم اور مسلمانوں کی بے حسی اور غفلت شعاری کی داد دیجئے۔

نام کتاب ''جیول ان دی لوٹس'' **(JEWEL IN THE LOTUS)**

تصنیف: یہودی ایلن ایڈورڈ، از لندن۔

کتاب مذکور جس کی چھپائی سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کئی سال سے پاکستان میں برسرِ بازار فروخت ہورہی ہے اور جس میں جناب نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام، اسلام، صحابہ کرام اور ہمارے قابل قدر اسلاف کے متعلق انتہائی غلیظ، فحش، گندی اور بازاری زبان استعمال کی گئی ہے، اسلام کے دشمنوں خاص کر ہنود و یہود نے اسلام کے متعلق جو کچھ آج تک لکھا ہے وہ کسی مسلمان سے پوشیدہ نہیں، لیکن جو مواد اس کتاب میں ہے اس سے قبل اس قدر دیدہ دلیری کسی ذلیل بدبخت اور حیا سوختہ انسان نما درندے نے نہیں کی۔ اس کتاب سے فقط مسلمانان پاکستان ہی کے نہیں مسلمانان عالم کے دل بھی مجروح ہوئے ہیں، افسوس کی بات یہ ہے کہ جہاں حکومت کے کارندے صاحبانِ اقتدار کے خلاف ایک فقرہ برداشت نہیں کرتے اور ایسی تحریر جو کسی لیڈر کے متعلق لکھی گئی ہوا سے ان کی دوررس نگاہیں فوراً جانچتی ہیں اور تحریر بمع محرر ضبط کردی جاتی ہے، لیکن ایسی کتاب جس میں پیغمبر اسلام کے متعلق یاوہ گوئی کی گئی ہو بڑے آرام سے سرحد پار کر کے اس مملکت اسلامیہ میں داخل ہوتی ہے اور برسرِ عام فروخت ہوتی ہے لیکن اس کی آمد پر نہ تو سنسر بورڈ کے کانوں پر جوں رینگتی ہے اور نہ ہی ایوانوں میں کوئی بے چینی یا اضطراب پیدا ہوتا ہے۔

ہم حکومت وقت سے پر زور اپیل کرتے ہیں کہ وہ جلد از جلد اس کتاب کو ضبط کرے اور خدارا ایک ایسا بورڈ بنائے جو خاص طور پر ایسے لٹریچر پر نگاہ رکھے۔

ہم عاشقان رسول اللہ سے اپیل کرتے ہیں کہ دہ کتاب کی ضبطی کے لئے پر امن احتجاج کریں اور حکومت پر زور دیں کہ اس کتاب کو ضبط کرے اور برطانوی حکومت کے نمائندوں کو یہ ثابت کردیں کہ مسلمان ابھی زندہ ہے اور اپنے پیغمبر اسلام کے خلاف کسی قسم کی توہین برداشت نہیں کرسکتا"۔

SOME OF THE EXTRACTS TAKEN FROM THE BOOK WRITTEN BY A JEW ALLEN EDWARDS, PRINTED BY TANDEM BOOK LTD. LONDON. THE TITLE OF THE BOOK IS 'JEWEL IN THE LOTUS'!

1. The golden crescent of El Islam denoted Vulva. Elmehrab in the mosques and sacred black stone of El Kaaba in Mecca are symboles of female Genitalia.
Page 55.

2. The Arabs in all seriousness pledged 'I swear upon the Cullions of Lord Mohammad' page 73.....

3. The Minarets sleek and white is most architectural phallic in origin. The Star of Islam is representative of sexual conjunction.
Page 81.....

4. One of the ninety nine names of God 'Elfutooh' the opener proclaims his divine command over the Vulva of Maidenhood.
page 93.....

5. In Elhijaz province of Saudi Arabia women and boys flock outside Mecca and Medina clamouring to sell their bodies to pilgrims were thereafter allowed to revel in the debauchery as their rewards. Page 126.....

6. Pilgrimage to Mecca is not completely perfected

saved by copulation with the camel. Page 240.....

7. Guest Harlotry, thus excused by the Prophet, soon made its appearance. The custom of lending wives and daughters to guests proved lucrative to the lazy 'Deyyose' who did nothing but, to entertain wealthy guests. Page 128.....

8. This tail never ends like the entrails of Omar. This road never ends and as long as the puzzle of Omar. This black guard is like Omar, born without anus and suckled on the blood. Page 216.....

9. Tipoo saheb, the demented tiger of Mysore took pains to capture the children of Europeans, then, when he felt the urge, he ordered them into his private chamber..... In emulation of Turks, Tipoo saheb sought and tried every method of gratification known to man. Women had long ago satiated the tiger, and was tired of men and boys as well. Taking a large goose he said 'you must one day try this: it is wonderfully singular. He (Tipoo) was also wont to display his ability with sows and goats.
Page 222/223.

ترجمہ:

① اسلام کا سنہرہ ہلال عورت کی جائے مخصوصہ کی مانند ہے اور مسجد میں محراب، کعبہ شریف میں حجر اسود بھی عورت کے خاص مقامات کی اشکال ہیں۔ صفحہ: ۵۵۔

② عرب نہایت سنجیدگی سے قسم کھاتے کہ مجھے رسول پاک (توبہ نعوذ باللہ) کے فوطوں کی قسم۔ صفحہ: ۳۷۔

③ مساجد کے سفید اور پتلے مینار سے مردانہ عضو تناسل سے مشابہت رکھتے ہیں اور اسلام کا ستارہ جنسی اختلاط کی شکل ظاہر کرتا ہے۔ صفحہ: ۸۱۔

④ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام جو کہ مسلمانوں نے بنائے ہیں ان میں سے ایک الفتوح ہے جس کا مطلب ہے دوشیزاؤں کے خاص مقامات کھولنے والا۔ صفحہ: ۹۳۔

⑤ سعودی عرب کے صوبہ الحجاز کی لڑکیاں اور لڑکے مکہ اور مدینہ کے باہر زائرین کے لئے جسم فروشی کے

لئے اکٹھے ہو جاتے، بعد ازاں زائرین کو بطور انعام ان سے لطف اندوز ہونے کی اجازت دی جاتی۔ صفحہ: ۱۶۶۔

⑥ مکہ میں حج تب تک مکمل تصور نہیں کیا جاتا جب تک زائرین اونٹ کے ساتھ بدفعلی نہ کرتے۔ صفحہ: ۲۴۔

⑦ مہمانوں کو لڑکیاں پیش کرنے کی رسم جیسا کہ پیغمبرؑ (توبہ نعوذ باللہ) نے اجازت دی تھی جلد ہی مہمانوں کو لڑکیاں اور بیویاں پیش کرنے کی رسم کاہل اور ذلیل میزبان کے لئے نہایت نفع بخش کاروبار بن گیا جو اپنے دولت مند مہمانوں کو خوش کرتا تھا۔ صفحہ: ۱۲۸۔

⑧ یہ کہانی (خاکم بدہن) حضرت عمر کی انتڑیوں سے بھی لمبی ہے اور نہ ختم ہونے والی ہے، یہ سڑک اتنی لمبی ہے جتنی کہ عمر کا عضو، یہ کالا حبشی حضرت عمر کی طرح ہے کہ بغیر مقعد کے پیدا ہوا اور خون پر پلا ہوا۔ صفحہ: ۲۱۶۔

⑨ ٹیپو صاحب میسور کا ذلیل شیر بڑی جدوجہد کر کے یورپی بچوں کو گرفتار کرتا اور جب بھی خواہش ہوتی تو انہیں اپنے شب خوابی کے کمرے میں بلواتا، ترکوں کی طرح ٹیپو صاحب نے اپنی جنسی شہوت کی تسکین کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار کیا، عورتوں سے بہت مدت سے دل بھر چکا تھا اور مردوں اور بچوں سے بھی تھک چکا تھا ایک دن اس نے ایک بڑا بطخا پکڑ کر کہا کہ ایک دن میں اس کو بھی استعمال کروں گا وہ (ٹیپو) سورنیوں اور بکریوں کے ساتھ بھی بدفعلی کرتا تھا۔ صفحہ: ۲۲۲۔ ۲۲۳۔

[جمادی الاخریٰ ۱۳۹۴ھ/ جولائی ۱۹۷۴ء]

مفتی محمود صاحب کی وزارتِ علیا

الحمد للہ کہ پاکستان کی تاریک گھٹاؤں کے اندر بھی کبھی سورج کی شعاعیں نظر آ جاتی ہیں اور مایوسیوں کے تہہ بہ تہہ بادلوں میں بھی کچھ امید کی کرنیں پھوٹ پڑتی ہیں۔

خدا کا شکر کہ اس جدید مایوس کن دور میں ایک دفعہ پھر امید پیدا ہو گئی کہ شاید یہ ملک اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہو سکے، صوبہ سرحد میں وزارتِ علیا کے منصب پر ایک عالم اور صحیح عالم جلوہ افروز ہوا ہے اور خوشی ہے کہ عصر حاضر کے دینی وسیاسی تقاضوں سے بھی موصوف کو حظ وافر ملا ہے، سیاسی مجالس میں اپنے حریفوں سے بارہا اپنا لوہا منوا چکے ہیں، سب سے بڑا خلا اس ملک میں یہی رہا ہے کہ جو سیاست دان ہیں اور نظام مملکت کا شعور رکھتے ہیں وہ دین سے بے بہرہ اور بے خبر ہیں اور جو مسند علم و دین پر متمکن ہیں وہ عصر حاضر کے سیاسی تقاضوں سے بے خبر اور نابلد ہیں، اسلام کے قرون اولیٰ اور قرون اخیرہ میں یہی بنیادی فرق رہا ہے۔

منصب وزارت پر فائز ہوتے ہی ام الخبائث (شراب) کی کلی طور پر ممنوعیت کا اعلان کیا گیا ہے اور تمام قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا عزم فرمایا گیا ہے، توقع ہو گئی کہ انشاء اللہ العزیز صوبہ اسلامی شعائر کی

حفاظت میں گوئے سبقت لے جائے گا اور پنجاب وسندھ وبلوچستان کے لئے بھی باعث عبرت بنے گا، اگر چہ طاغوتی طاقتیں بدحواس ہورہی ہیں، کوئی یہ احمقانہ اعلان کرتا ہے کہ شراب پر بندش انسانی بنیادی حقوق کے خلاف ہے، ان احمقوں کو اب تک انسانی بنیادی حقوق کی ہوا بھی نہیں لگی، کوئی یہ کافرانہ صدا بلند کرتا ہے کہ شراب کو بند کر کے غیر مہذب دنیا کی طرف لوٹایا جاتا ہے انا للہ، صریح کفر کا کلمہ ہے۔ کوئی مسیح یہ اعلان کرتا ہے کہ مسیحیوں کے لئے تو شراب حلال ہے ان پر پابندی کیسے برداشت ہوگی؟ الغرض شیاطین بے قرار ہوگئے ہیں، طرح طرح کی بکواس پر اتر آئے ہیں، کوئی در پردہ سیاسی ہتھکنڈوں کے ذریعہ موصوف کو ناکام بنانے کی تدبیروں میں لگا ہوا ہے، اگر حق تعالیٰ کا فیصلہ اس امت پر رحمت نازل فرمانے اور غضب سے بچانے کا ہو چکا ہے تو یہ تمام سازشیں ناکام ہوں گی اور ضرور ہوں گی اور اگر اس بدنصیب ملک کے حق میں تباہی مقدر بن چکی ہے، خاکم بدہن تو تمام اصلاحی کوششیں ناکام رہ جائیں گی۔

بہر حال دعا ہے کہ حق تعالیٰ حکومت سرحد کو اپنے مبارک مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے اور کتاب وسنت پر مبنی صحیح قانون بروئے کار آئے اور پاکستان صحیح معنی میں اسلامی مملکت بنے، سب سے بڑا صدمہ یہ ہے کہ ملک میں ناپاک سیاست کا عنصر ایسا وبا کی طرح پھیل گیا ہے کہ ہر نیک اور اچھی سے اچھی تحریک کو صرف سیاسی مصالح کے پیش نظر ناکام بنانے کی پوری کوشش کی جاتی ہے، بہر حال جو کام آج تک مرکز میں نہ ہوسکا وہ پاکستان کے ایک گوشے میں ہی ہوجائے تو بسا غنیمت ہے، ممکن ہے کہ مرکز کے لئے اور بقیہ صوبوں کے لئے یہ ایک سبق آموز درس ہوجائے، اس وقت ہر اس شخص کے لئے جو دل سے اسلام چاہتا ہو انتہائی مسرت اور شکر گذاری کا مقام ہے کہ سرحد کی وزارت اعلیٰ پر فائز ہونے کا ایک ایسی شخصیت کو منجانب اللہ موقع ملا ہے جس کی طویل زندگی کا پورا حصہ درس وتدریس میں گذرا ہے اور ایک دینی علمی درس گاہ کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس بھی ہیں، صاحب بصیرت، وباذوق فقیہ ہیں، محقق عالم ہیں، صاحب قلم ہیں، مجالس عامہ میں اظہار مافی الضمیر پر عمدہ قدرت رکھتے ہیں، سیاسی داؤ پیچ سے بخوبی واقف ہیں، دینی سیاست کے ماہر ہیں، منصب کے بھوکے نہیں ہیں، جاہ ومنصب اور وجاہت کے تصور سے بھی بالاتر ہیں، شاید قرون اخیرہ کی اسلامی تاریخ میں اس کی نظیر نہ ملے کہ اس منصب پر ایسا شخص برسر اقتدار آیا ہو، الحمد للہ جو کچھ کہہ رہا ہوں انتہائی احتیاط اور بصیرت کے ساتھ کہہ رہا ہوں اور تجربہ سے کہہ رہا ہوں، ضرورت اب اس بات کی ہے کہ ایسے آزمودہ کار مشیر اور اچھے رفقاء اور اعوان وانصار بتوفیق الٰہی ان کے گرد جمع ہوجائیں جو ان کے عزائم وارادات کی تکمیل میں سچے دل سے پوری جدوجہد کریں، تاکہ اسلامی قانون کے اثرات وبرکات سے تمام ملک بہرہ انداز اور سرفراز ہو، اعداء اسلام کو کہنے کا موقع نہ ملے کہ یہ اسلامی قانون ایک پارینہ دستاویز ہے، اس دور میں نہیں چل سکتا، زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ ناکامی نظام وتدبیر کی ہوتی ہے مگر بدنامی اسلام کے نام پر تھوپ دیتے ہیں، الغرض پاکستان سے لے کر لندن وامریکہ تک تمام اسلام دشمن اور

پاکستان دشمن قوتیں حیران ہیں کہ یہ کیا ہوگیا؟ اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ اپنے فضل وکرم سے ہماری اس تمام کوشش کو مثمر فرمائے اور امت مسلمہ کو صحیح فکر وعمل کی توفیق عطا فرمائے۔

بلوچستان وزارت

افسوس ہے کہ بلوچستان میں اس معیار پر وزارت نہ بن سکی، بعض ایسے حضرات منصب وزارت پر جلوہ افروز ہوئے ہیں جن میں اگر چہ دین وعلم دین جلوہ گر ضرور ہے لیکن اس کے ساتھ جس عقل وتدبر اور سیاسی شعور و جرأت کی ضرورت ہے وہ مفقود ہے، کسی زمانہ میں کہا گیا ہے کہ ''یک من علم را دہ من عقل باید'' اس وقت تو یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ ''یک من علم را صد من عقل باید'' اس وقت اگر ان علمائے دین نے جو منصب وزارت پر فائز ہوئے ہیں حکومت کے صحیح تقاضوں کو پورا نہ کیا تو بدقسمتی سے یہی سمجھا جائے گا کہ اسلامی قوانین اس دور میں نہیں چل سکتے، اس لئے اور بھی انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے کہ ایسی صورت پیش نہ آئے، ورنہ اسلام اور تمام مسلمانوں کی رسوائی ہوگی، خدا کرے کہ ہمارے حکمرانوں کی نیتیں بھی درست ہوجائیں، اگر مرکز میں کسی وجہ سے وہ اسلامی آئین صحیح معنی میں نہ بنا سکیں تو انہیں صوبوں کو آئینی آزادی ضرور دے دینی چاہئے، تاکہ وہ جس طرح چاہیں اسلامی آئین کا نفاذ کرائیں اور ان کے راستے میں رکاوٹیں نہ کھڑی کریں اور باہر کے اشاروں کے تحت مشکلات نہ پیدا کریں، مرکز اور صوبوں کے صحیح ربط ہی سے اس ملک کے استحکام اور سالمیت کی حفاظت ہوسکتی ہے، بہر حال حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس ملک کی غیبی تائید کے اسباب میسر فرمائے اور اسلامی قانون واسلامی آئین اور اسلامی دستور کی برکات سے اس مملکت کو سرفراز فرمائے۔

[جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ/جولائی ۱۹۷۲ء]

پاکستان اور حقوق نسواں کمیٹی

عصر حاضر کی تاریخ میں مملکتِ خداداد پاکستان پہلا ملک ہے جو اسلام کے نام سے حاصل کیا گیا ہے اور عرصہ دراز کی رسوائیوں کے بعد وہ وقت بھی آ گیا کہ اس کے دستور میں یہ تسلیم کیا گیا:

(الف)...... حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہوگی۔

(ب)...... پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔

(ج)...... تمام قوانین قرآن وسنت کے مطابق بنائے جائیں گے۔

لیکن نہ معلوم کہ دستور کے مطابق قوانین اسلامی بنانے کا موقع کب آئے گا، مرزائی امت کو خارج از اسلام تسلیم کرلیا گیا اور پارلیمان میں ایسا متفقہ فیصلہ ہوا جس کی نظیر مشکل سے ملے گی اور دستور میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیتوں کی فہرست میں درج کیا گیا لیکن پرزور وعدوں کے باوجود اس کے لئے قانون سازی کا خواب شرمندہ

تعبیر اب تک نہ ہو سکا، عرصہ ہوا کہ اس کے لئے سب کمیٹی بھی بنائی گئی، لیکن غالباً ابھی تک اس کا کوئی اجلاس بھی نہیں ہوا، سب سے بڑا صدمہ یہ ہے کہ ہمارے ارباب اقتدار کے طرز عمل سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جس طرح عوام کو اپنے خوشنما وعدوں سے فریب دے کر مطمئن کر لیتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید اسی طرح آسمانی نظام قدرت بھی ان کے زبانی جمع خرچ سے مطمئن ہو جاتا ہوگا، انہیں یہ معلوم نہیں کہ اس کے عواقب کتنے خطرناک ہوتے ہیں، مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں جو رسوائی ہوئی، فوجی اور مادی طاقت کی جس طرح تباہی آئی اور دنیا کی دو بڑی طاقتیں آپس کی شدید عداوت کے باوجود پاکستان کی تباہی پر جس طرح متفق ہوگئیں کیا یہ چھپی باتیں ہیں؟ لیکن افسوس کہ کوئی عبرت نہیں ہوئی جو قوم حق تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے والی زندگی اختیار کرتی ہے اس قوم کا حشر اسی طرح دردناک ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

اسی سال جنوری میں حکومت نے حقوق نسواں کمیٹی کی تشکیل کی، اس کی جو رپورٹ سامنے آئی ہے اس پر بجز مایوسی کے کیا ہو سکتا ہے؟ عائلی کمیشن کے وہ رسوائے عالم قوانین جو قرآن وسنت کے خلاف تھے عقل کے خلاف تھے اور جن کی تردید پر بے شمار مقالات رسالے اور کتابچے لکھے گئے، ان قوانین کو حقوق نسواں کمیٹی کی رپورٹ کا جزو بنایا گیا، جس پر متعدد مجلات میں واویلا مچایا گیا، بینات کے گذشتہ شماروں میں بھی اس پر تنقید کی گئی، اب تک معلوم نہ ہو سکا کہ اس کا کیا حشر ہوا، کوئی صاف بات ابھی تک نہیں آئی، لیکن الحمد للہ یہ خوشی کی بات اخبارات میں آگئی کہ بلوچستان میں شرعی قوانین کا نفاذ کر دیا گیا اور قاضیوں کا تقرر عمل میں لایا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ کرے کہ یہ خوشخبری تکمیل تک پہنچ جائے اور ایسا نہ ہو کہ بعض وقتی مصالح کے پیش نظر یہ اعلان کیا گیا ہو اور مقصد پورا ہونے کے بعد کوئی عذر لنگ پیش کیا جائے، کون بدنصیب مسلمان ایسا ہوگا کہ پاکستان کی سرزمین میں اسلامی قوانین کا نفاذ نہ چاہتا ہو، ملک کے استحکام اور ملک میں امن وامان کے قیام کے لئے اسلامی قوانین نافذ کئے بغیر اور کوئی چارہ کار نہیں۔ اگر بلوچستان والوں کو یہ نعمت دی گئی تو بقیہ پاکستان کو کیوں اس نعمت سے محروم رکھا جاتا ہے؟ اگر وہاں کوئی مصلحت درونِ پردہ ہے تو وہ مصلحت بیرونِ پردہ و درونِ پردہ یہاں بھی انشاء اللہ تعالیٰ ظہور میں آئے گی، ملک پر جو نظام اب تک مسلط رہا ہے اور جو نظام مسلط کیا جا رہا ہے تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ ناکام ہے، دلوں میں اضطراب ہے، دماغوں میں بے چینی ہے، امن وامان مفقود ہے، کسی کی جان ومال وآبرو محفوظ نہیں، عیاشوں اور بدمعاشوں کو آزادی مل گئی ہے، شراب نوشی اور قمار بازی سے خدا کی مخلوق تنگ آچکی ہے، عریانی وبے حیائی نے پاکستان کو رسوا کر دیا ہے، روز افزوں گرانی نے نئے نئے جرائم کو جنم دیا ہے، خدا کی مخلوق پر رحم کرو اور اپنی جانوں پر رحم کرو، شراب نوشی اور قمار اور بے حیائی کے نئے نئے مراکز بنا کر خدا تعالیٰ کے غضب کو دعوت نہ دو، ہم ان صفحات پر بار بار لکھ چکے ہیں کہ جب تک زبان پر اسلام کا دعویٰ ہے اور من حیث القوم آپ مسلمان کہلائے جاتے ہیں، شراب نوشی وبدمعاشی ان پر راس نہیں آتی، بالآخر قوم کا انجام تباہی وبربادی کے سوا اور کچھ نہیں، آخر

آنکھوں پر کیوں پردے پڑے ہوئے ہیں، تازہ بتازہ بیروت کا حشر آپ کے سامنے ہے جس معاشرہ سے یورپ بھی چیخ اٹھا ہے، آخر قوم کو اس معاشرے میں کیوں دھکیلا جارہا ہے؟ کیا پاکستان اس لئے بنایا گیا تھا کہ دلوں کا سکون ختم ہو، جان و مال اور آبرو غیر محفوظ ہو، ہر طرف فساد ہی فساد ہو، غنڈہ گردی عروج پر پہنچ جائے، زر مبادلہ، فارن ایکسچینج کی حرص میں قوم اپنی ملکی پیداوار کی نعمتوں سے محروم ہو، روح فرسا گرانی عوام کو حواس باختہ بنائے، قومی ادارے، قومی مدارس دینی معابد اور مساجد کو ہر وقت خطرہ لگا رہے کہ آج حکومت نے قبضہ کیا اور آج کیا، جو کام حکومت کے کرنے کے تھے بیچاری قوم کن کن مشکلات میں ان کو خود انجام دیتی رہے اور جب تکمیل تک پہنچ جاتے ہیں تو نااہلوں کا استیلا ہو جاتا ہے، کاش اس کی خدمت کا حق ادا کرتے تو پھر بھی مضائقہ نہ تھا، جن مقاصد کے پیش نظر بنائے جاتے ہیں کاش وہ حاصل ہوتے، کیا یہ پاکستان ہے کہ نہ کسی کی دنیا محفوظ ہو نہ دین محفوظ ہو، نہ جان امن میں ہو نہ مال امن میں ہو، ﴿خسر الد نیا والآخرة ذالك هوالخسران المبين﴾ نہ معلوم کہ وہ مبارک دن کب آئے گا کہ جو وعدے کئے گئے وہ پورے ہوں، اسلامی قوانین عدل و رحم جاری ہوں، ہر شخص کی جان و مال و آبرو کی حفاظت و کفالت ہو، عصمت فروشی کے اڈے یکسر ختم ہوں، شراب نوشی کے مراکز بند ہوں، بے حیائی، بے پردگی جرم ہو، اشیائے ضرورت عوام کے لئے سستی ہوں، عیاشی و بدمعاشی کے تمام ذرائع پر پابندی ہو، پولیس اپنے فرائض میں کوتاہی نہ کرے، فوج مملکت کی حدود کی حفاظت کے لئے ہر وقت سر بکف ہو، ہر طرف اعلاء کلمۃ اللہ کی محفلیں گرم ہوں، اتفاق و اتحاد کا روح پرور منظر ہو، حکمران کا تصور صحیح طور پر ملک و ملت کی خدمت ہو، قوم و رعیت کی خیر خواہی اس کا نصب العین ہو، لیکن افسوس کہ جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ کیا جارہا ہے اس کا نقشہ آپ کے سامنے ہے کیا کہا جائے:

خموشی معنے دارد کہ در گفتن نمے آید

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

پاکستان کی سلامتی اسلامی قوانین کے جاری کرنے میں ہے

اب کہنا یہ ہے کہ خدارا اس ملک پر اور اس قوم پر رحم کرو، بلکہ اپنی عاقبت کے پیش نظر جلد سے جلد اسلامی قوانین کا اجراء کر دیا جائے، عدالتوں میں قضاۃ کا تقرر کیا جائے، اسلامی حدود اور تعزیرات جاری کئے جائیں، سرکاری سکولوں اور کالجوں میں دینی تعلیم و تربیت لازمی قرار دی جائے، عربی زبان کو لازمی مضمون کی حیثیت دی جائے، اسلامی اوقاف انہی مقاصد پر خرچ ہوں جو واقفین کے شرائط ہیں، سودی نظام اور سودی کاروبار کو جلد ختم کیا جائے۔

ہم صاف صاف یہ بات کہنے پر مجبور ہیں کہ بلاشبہ بدکرداری کی سزا تو آخرت میں ملے گی جو صحیح معنی

میں دارالجزاء ہے لیکن حق تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ دنیا کو ایک حد تک آخرت کا نمونہ بنایا گیا ہے، عبرت کے لئے کہ چشم بصیرت دیکھ لے، دنیا میں بھی کچھ نمونہ سزا کا مل جاتا ہے، یوں ہی نہیں چھوڑا جاتا۔ آخر پاکستان کے سابق حکمرانوں کا حشر بھی دنیا نے دیکھ لیا کہ جو ملک کے غدار ہوتے ہیں ان کا حشر کتنا حسرت ناک ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے نظامِ مملکت چلانے کی وہ صلاحیتیں دے رکھی ہیں اگر ان کے ساتھ دینی نظام برکت وسعات کو بھی جاری کروائیں تو دنیا کی نیک نامی بھی ان کے سامنے ہوگی اور کامیابی بھی ان کے قدم چومے گی اور آخرت پر اگر ایمان ہے تو اس کی کامیابی اور سعادتیں بھی نصیب ہوں گی۔

اسلامی قانون کے نفاذ میں حائل عذرِ لنگ

اسلامی قانون کے نفاذ میں سب سے بڑا عذرِ لنگ جو لیاقت علی خاں کے دور سے لے کر آج تک پیش کیا جارہا ہے اور جسے اباحیت پسند ملحدوں کی کھیپ مسلسل چلا چلا کر دہرا رہی ہے، یہ ہے کہ صاحب! یہاں کوئی ایک فرقہ تو نہیں ہے جس کا فقہی قانون اٹھا کر ملک میں نافذ کر دیا جائے، یہاں تو مختلف فرقے آباد ہیں، بھانت کی بولیاں ہیں، ایک فرقہ کا فقہی قانون نافذ کرو تو دوسرا فوراً مشتعل اور برافروختہ ہو جائے گا، یہ ہے اصل رکاوٹ اسلامی قانون کے نفاذ میں۔

مگر یہ عذر ''من پاپی عذر ہزار'' کے زمرے میں آتا ہے، ان دانش مندوں سے کوئی پوچھنے والا نہیں کہ آپ نے تیس سال سے جو انگریز کا چبایا ہوا نوالہ اور اس کا کافرانہ قانون اس پاک مملکت میں نافذ کر رکھا ہے، ذرا بتائیے کہ اس پر کون کون سے اسلامی فرقے ایمان رکھتے ہیں اور اس کے نفاذ میں تم نے کن کن مسلمان فرقوں کی دل جوئی ملحوظ رکھی ہے؟ کتنے شرم کی بات ہے کہ یہاں کے سوادِ اعظم کا قانون تو اس لئے نافذ نہیں کیا جاتا کہ باقی اقلیتی فرقے ناراض ہو جائیں گے مگر کتاب وسنت کے علی الرغم خدا اور رسول کے علی الرغم تمام اسلامی فرقوں کے علی الرغم اور یہاں کے جمہور عوام کے علی الرغم انگریز کا کالا قانون ملک پر مسلط کرتے ہوئے نہ خدا اور رسول کی ناراضی کا اندیشہ کسی کو لاحق ہوتا ہے نہ کسی اسلامی فرقے کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے، گویا خالص کفر ملک پر مسلط رہے تو مضائقہ نہیں لیکن اسلامی قانون اگر نافذ کر دیا جائے تو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے کہ کہیں اس ملک پر قہرِ الٰہی نہ ٹوٹ پڑے اور یہ ملک گروہ بندی کا شکار ہو کر ختم نہ ہو جائے۔

اور پھر ہم پوچھتے ہیں کہ اس ملک پر ایوبی دور میں جو ہٹلرانہ عائلی قانون مسلط کیا گیا اور آج بھی مسلط ہے اس میں کن کن اسلامی فرقوں کے جذبات کو بطور خاص ملحوظ رکھا گیا؟ اور اب جو حقوقِ نسواں کمیٹی کی سفارشات پر ایک لادینی قانون مسلط کیا جارہا ہے اس کی سفارش کس اسلامی فرقے نے کی ہے؟۔

سیدھی بات یہ ہے کہ یہاں کے اباحیت پسند جنہیں بدقسمتی سے اقتدار میں ہمیشہ رسوخ حاصل رہا ہے،

ان کا نہ اسلامی قانون کی خیر و برکت پر ایمان ہے نہ وہ اس کے نفاذ کے معاملہ میں مخلص ہیں، وہ پاکستان کی پبلک کو جس راستے پر ڈالنا چاہتے ہیں اسلامی قانون کا نفاد اس میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، اس لئے وہ عوام کو بھیڑ بکری سمجھ کر من مانے قانونی ڈنڈے سے ہانکتے رہتے ہیں، ورنہ مسلمانوں کا فرقہ وارانہ اختلاف اسلامی قانون کی راہ میں کبھی حائل نہیں ہوا، نہ ہوسکتا ہے، یہ فرقہ واریت کچھ آج پیدا نہیں ہوئی یہ اس وقت بھی تھی جب اسلامی قانون کا پرچم ساری دنیا میں لہراتا تھا مگر تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کے فقہی اختلافات نے کبھی اسلامی قانون کے سامنے بند نہیں باندھا۔

اس لئے اباحیت پسندوں کی یہ دلیل بالکل غلط ہے کہ چونکہ پاکستان میں مختلف مذہبی فرقے آباد ہیں اس لئے اسلامی قانون یہاں نافذ نہیں ہوسکتا۔ آج اگر اسلامی قانون کے نفاذ کے اختیارات کلیۃً کسی اہل کے سپرد کر دیئے جائیں تو ایک سال کے اندر اندر انشاء اللہ یہ ملک انگریز کے کافرانہ قانون سے آزاد ہوگا، اس کی جگہ اسلام کی حکمرانی ہوگی اور تم دیکھو گے کہ اس کے سایہ عدل و رحمت میں کسی مسلمان فرقے کو کجا کسی غیر مسلم کو بھی کوئی شکایت نہیں ہوگی:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ [الحج:٤١]

وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو حکومت دیں زمین میں تو نماز قائم کریں، زکاۃ ادا کریں، نیکی پھیلائیں اور بدی مٹائیں اور اللہ ہی کے ہاتھ ہے تمام کاموں کا انجام۔

[جنوری ۱۹۷۷ء، محرم الحرام ۱۳۹۷ھ]

اسلامی نظریاتی کونسل کی جدید تشکیل

حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ سیاسی بحران نے جو مایوس کن صورت اختیار کر لی تھی وہ ختم ہوگئی، اور اس کی امید ہوگئی کہ اگر ہماری قوم کو من حیث القوم معافی مل گئی تو کسی درجہ میں صحیح نمائندہ حکومت برسراقتدار آجائے گی اور لوگوں کو حکومت الٰہیہ کے سایہ رحمت میں سکون کا سانس نصیب ہوجائے گا۔ موجودہ مارشل لاء کی حکومت سے جہاں قوم کو ظالموں کے پنجے سے نجات ملی اور سکون نصیب ہوا، وہاں آئندہ حکومت اسلامی کے لئے راستہ بھی ہموار ہوگیا، اسلامی نظریاتی کونسل کی جدید تشکیل سے بھی بہت کچھ توقعات وابستہ ہوگئیں اور حسب ذیل بنیادی تبدیلیاں کی گئیں۔

الف...... یہ ادارہ مستقل آزاد ادارہ ہوگا، کسی وزارت کے ماتحت نہیں ہوگا، جیسا کہ اب تک وزارت قانون کے ماتحت چلا آتا تھا۔

ب……اس کی حیثیت محض مشیر کی نہیں ہوگی بلکہ اس کی سفارشات حتمی ہوں گی اور ان کا نفاذ حکومت کے ذمہ ہوگا، انہیں رد کرنے کا حق نہیں ہوگا اور نہ وہ اکثریت واقلیت کی رائے شماری کے چکر میں آئیں گی۔

ج……ادارہ تحقیقات اسلامی اس کے ساتھ ملحق ہوگا اور اس کا ایک جزء ہوگا، علمی تحقیقات کے لئے اس کے تینوں مجلّے اسلامک اسٹڈیز (انگریزی) الدراسات الاسلامیۃ (عربی) اور فکر ونظر (اردو) اس کے ترجمان ہوں گے اور اس کی معاونت کا کام ان سے لیا جائے گا۔

د……اس کی تمام کارروائی امت کے سامنے آئے گی اور کوئی تجویز بھی صیغہ راز میں نہیں رکھی جائے گی، توقع رکھنی چاہیے کہ ان چار باتوں سے اسلامی کونسل میں جان آجائے گی، اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل کوئی نئی چیز نہیں بلکہ پہلے تعلیمات بورڈ پھر مشاورتی کونسل پھر اسلامی نظریاتی کونسل کے نام سے ادارے قائم کئے گئے اور ان اداروں نے کچھ کام بھی کیا لیکن ارباب اقتدار کو چونکہ اسلام سے نہیں بلکہ صرف نام سے غرض تھی اس لئے ان کی سفارشات کو نافذ تو کیا کیا جاتا ان کی کارروائی تک کو صیغہ راز میں رکھا گیا، کیونکہ ان حکومتوں نے صرف عوام کو مطمئن کرنے کے لئے یہ کام شروع کر رکھا تھا ورنہ عملی طور پر ان اداروں کی کارروائی کو روی کی ٹوکری میں ڈالا جاتا رہا اور عوام کو قصداً اس سے بے خبر رکھا گیا تاکہ کوئی احتجاج نہ کرسکے کہ سفارشات کو قبول کیوں نہیں جاتا ورنہ بہت کچھ کام ہوگیا تھا، اگر سابقہ حکومتیں اسلام کے بارے میں مخلص ہوتیں اور ان سفارشات کو نافذ کراتیں تو آج یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا، لیکن افسوس ''خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم'' وہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا، اب الحمد للہ کہ اسلامی کونسل ایک مستقل اور بااختیار ادارہ کی حیثیت سے جدید انتخاب کے ساتھ پھر وجود میں آئی ہے، اب قوم کو یہ دیکھنا ہے کہ وہ اسلام کے نفاذ میں کتنی فعال، کتنی سرگرم اور کتنی مخلص ثابت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ایام میں وہ سب کام کرائے جو سالہا سال میں نہ ہوسکا۔

ادارہ تحقیقات اسلامی کا رخ اس وقت تک اسی طرف لگا رہا کہ اسلام کا جدید ماڈل تیار کیا جائے جس میں یہ صلاحیت ہو کہ جدید تہذیب کے تمام کافرانہ خدوخال موجود ہوں، اسی مقصد کے پیش نظر جناب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کو ہٹا کر ڈاکٹر فضل الرحمن کو ادارہ کا سربراہ بنایا گیا تھا، ابتداء میں اس کا دس لاکھ کا بجٹ تھا پھر بارہ لاکھ پھر ۲۴؍ لاکھ کا سالانہ بجٹ رہا اور یہ کروڑوں روپیہ حکومت کا الحاد اور دہریت کی نذر ہوتا گیا، اشک شوئی کے لئے کبھی کبھی کوئی ایک آدھ علمی کتاب بھی شائع کرائی گئی تاکہ عوام کی زبان بند ہو اور کوئی شکایت نہ کرسکے کہ کام نہیں ہو رہا ہے، خوشی کی بات ہے کہ جنرل محمد ضیاء الحق صاحب چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے اس ادارہ کو اسلامی کونسل کا جزء بنا کر امت پر ایک اور احسان کیا، اب اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ محض اپنے فضل وکرم سے رفقاء ادارہ کو صحیح خدمت اسلام کی توفیق عطا فرمائے۔

یوم تجدید میثاق اور توبہ وانابت

اسلامی کونسل نے قوم وملت سے ایک دن مقرر کر کے توبہ وانابت اور تجدید میثاق کی اپیل کی ہے، مقصد یہ کہ حکومت اور عوامی دونوں سطح پر ایک ایسا دن مقرر کیا جائے کہ سب مل کر بارگاہِ قدس میں توبہ کریں، تیس سالہ دور میں جو اللہ تعالیٰ سے بدعہدی کی ہے اور غیر اسلامی زندگی کو جس انداز سے عام کیا ہے اس کی معافی مانگی جائے اور آئندہ کے لئے یہ عہد کیا جائے کہ جس مقصد کے لئے پاکستان بنایا گیا تھا اس مقصد کے لیے سرتوڑ کوشش کی جائے گی اور اس ملک میں صحیح معنوں میں حکومت الٰہیہ قائم کی جائے گی۔

ہم نے بینات کے صفحات پر بار بار ان حقائق کا واشگاف اظہار کیا ہے کہ خدا کے لئے اس ملک پر رحم کرو اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے والی زندگی سے توبہ کرو، موجودہ صورت اور دردناک حالات ہماری شامت اعمال کے نتائج ہیں، جن کے ذریعہ ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے محروم ہو گئے، نہ جان محفوظ نہ آبرو محفوظ، نہ مال محفوظ، بجائے روز افزوں ترقی کے روز افزوں قعر مذلت میں گرتے جارہے ہیں، بہر حال اس وقت اس کی ضرورت ہے کہ ہمارے واعظین اور خطباء ومقررین ان حقائق کو امت کے کانوں تک پہنچائیں اور ہمارے اخبارات ومجلّات، ریڈیو، ٹیلی ویژن وغیرہ ذرائع نشر واشاعت سے ان حقائق کو واضح کرائیں اور صحیح اسلامی معاشرت سے زندگی کے ثمرات ونتائج سے روشناس کرائیں اور اسلامی حکومتیں جن خطرناک غلطیوں سے دنیا کے صفحے سے مٹ گئی ہیں ان کی عبرت ناک داستانیں سنائیں اور بتلائیں کہ مسلمانوں پر من حیث القوم خدافراموش زندگی کبھی راس نہیں آئی اور ظلم وکبر اور بربریت کے ساتھ کوئی حکمران بھی اس کے برے عواقب سے بچ نہیں سکتا اور حق تعالیٰ کی حکمت ومصلحت سے آخرت سے پہلے بھی ان مجرموں کو دنیا میں بھی سزا مل جاتی ہے، آخر پاکستان کے اندر ہی کیا کوئی مرقع عبرت نہیں؟ آخر سکندر مرزا، غلام محمد اور ایوب خان کا حشر کیا ہوا؟ اور قائد عوام کا حشر اب دنیا دیکھ رہی ہے اور مزید دیکھ لے گی، اللہ تعالیٰ کی اس مخلوق کو کس بے رحمی اور ظلم سے ستایا گیا اور کیسی عبرت ناک تفصیلات جرائد اور اخبارات کے صفحات پر آرہی ہیں، ان ظالموں نے اللہ تعالیٰ کی اس خداداد مملکت کو کس طرح نیست ونابود کرنے کی کوشش کی؟ کون سی گندگی اور بے رحمی ہے جس کا ارتکاب نہ کیا گیا ہو؟ بے حیائی، سنگدلی، بے رحمی کے ریکارڈ توڑ دیئے گئے، دنیا کے جابر وظالم ڈکٹیٹروں نے اس دنیا میں جو کچھ کیا ان سب کو یہاں جمع کردیا، آخر مخلوق تو خدا کی ہے، اللہ تعالیٰ نے کسی حکمران کو اپنی خدائی نہیں دی ہے کہ اس کی مخلوق کے ساتھ جو چاہے کرے لیکن حق تعالیٰ صبور وحلیم ہے ہر چیز کے لئے ایک وقت مقرر ہے "لکل اجل کتاب"۔ بہرحال ایک وقت آتا ہے کہ "عزیز ذو انتقام" کی صفت کا بھی ظہور ہوتا ہے، واقعات ناظرین کے سامنے ہیں بیان وتفصیل کی حاجت نہیں۔

اسلام دشمن طاقتیں اور پاکستان

موجودہ بحران سے جو افسوسناک حقیقت واشگاف ہوکر سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان میں اسلام دشمن وشریر طاقتیں منظم ہوکر حق کے مقابلہ میں رونما ہوئی ہیں، تمام شر کی قوت منظم ہوکر خیر سے نبرد آزما ہوگئی ہے، گذشتہ قیادت کا سب سے بڑا کارنامہ بھی یہی ہے کہ اس کی بدولت منتشر شر وفساد کی طاقتیں منظم ہوئیں اور ظاہر ہے کہ جیسی روح ویسے فرشتے، الحاد ودہریت اور لادینی کے پرستار، دین کے دشمن تمام عناصر متفق ہوگئے ہیں اور لادینی قیادت ہی چاہتے ہیں، ہمارے بعض حضرات ان حقائق سے غافل نظر آتے ہیں، وہ اپنے جلسوں میں صالحین کی اکثریت دیکھ کر یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ بس اب تو آنکھیں بند کرکے صالح قیادت ہی کی حمایت ہو گی، دوسری طرف سے آنکھیں بند کرلیتے ہیں کیا لاہور اور پنڈی میں شر وفساد کے عناصر کے محیر العقول اجتماعات سے فیصلہ لگانا بھی حقائق سے چشم پوشی ہے؟ بلاشبہ غلبہ حق کا ہوتا ہے بشرطیکہ خالص حق ہو، اگر دال میں کچھ کالا کالا ہے تو پھر کیونکر اطمینان ہوسکتا ہے اور کیوں انسان خوش فہمی میں مبتلا ہوتا ہے، عہد نبوت میں حق خالص ہونے کے باوجود اپنی اکثریت پر گھمنڈ ہوا تو کیا حشر ہوا؟ وحی آسمانی میں غزوہ حنین کے واقعہ سے کیا عبرت نہیں ہوتی؟ مسلمان کا شیوہ یہ ہونا چاہیے کہ ہر وقت حق تعالیٰ پر ہی توکل ہو اور ضعف وناتوانی پیش ہو اور حق تعالیٰ کی صمدیت وبے نیازی سامنے ہو، نہ معلوم کس وقت کیا تکوینی مصلحت ہو لن ترانیاں اور دعوے اسلامی مزاج کے بالکل خلاف ہیں، افسوس ہے کہ اچھے اچھے حضرات بھی پھسل جاتے ہیں اور ان حقائق سے غفلت کی وجہ سے خلاف توقع صورتیں پیش آجاتی ہیں، پھر شیطانی وساوس شروع ہوجاتے ہیں، حدیث میں آتا ہے کہ دشمن یعنی کافر کے مقابلے کی آرزو مت کرو، لیکن جب واسطہ پڑے تو پھر کمال یہ ہے کہ قدم نہ ڈگمگائے (۱)۔ یہ برسر عام اجتماعات میں جلسوں اور جلوسوں میں نعرے لگانے اور یہ کہ ہم یوں کردیں گے اور یوں کردیں گے، یہ تمام اسلامی مزاج کے خلاف ہیں۔ بہرحال حضرت رسالت پناہ علیہ صلوات اللہ وسلامہ کی زندگی اور اسوۂ حسنہ اور صحابہ کرام علیہم رضوان اللہ کا طرز زندگی اور واقعات مسلمانوں کے سامنے رہنے کی ضرورت ہے اسی میں خیر وبرکت ہے، اسی میں فلاح دارین اور سعادت کونین ہے، بلاشبہ موجودہ قیامت اگرچہ بصورت فوجی حکومت ہے، لیکن بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا جلوہ ہے اس کی شکرگذاری کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کرے کہ ان کے ذریعہ سے تمام روڑے راستے سے ہٹ جائیں [illegible] قیادت کے لئے راستہ ہموار ہوجائے اور مجرمین کو سزا مل کر دنیا کو راحت وسکون کا سانس نصیب ہوا [illegible] تمام عناصر ذلیل ورسوا ہوں اور اس مملکت خداداد میں عدل وانصاف کا دور دورہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت [illegible]

---

(۱) "....ثم قام فی الناس فقال یا ایها الناس لاتمنوا لقاء العدوِّ وسلوا الله العافیة فاذا لقیتموهم فاصبروا" الخ. صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب لا تمنوا لقاء العدو، ج:۱ ص:٤٢٤، ط: قدیمی.

پرنور ہو اور خدا فراموش زندگی سے نجات نصیب ہو اور یہ مملکت دنیا کے ممالک اسلامیہ میں باعزت ہو اور تمام عالم اسلام کی قیادت کی صلاحیت حاصل ہو اور تمام مایوسی کی گھٹاؤں کے بعد امید کے آفتاب عالم تاب کی شعاعوں سے دنیا منور ہو، وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

[ذوالقعدہ ۱۳۹۷ھ/نومبر ۱۹۷۷ء]

بھٹو دورِ حکومت اور پاکستان

عرصہ ہوا کہ یہ بدنصیب ملک شدید سے شدید حالات سے دو چار ہوتا جارہا ہے جس وقت جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب مسند آرائے مملکت ہوئے تو توقعات وابستہ ہوگئیں کہ موصوف بلا کے ذہین اور زیرک ہیں اور سابقہ ادوار سے عبرت آموز ہو گئے ہیں اور جب عہدِ ایوبی میں وزارت خارجہ کے منصب سے فائز تھے بعض امور ایسے پیش آئے تھے جن سے حسن ظن پیدا ہو گیا تھا، لیکن وائے ناکامی کہ موصوف جس وقت سے کرسی اقتدار پر آئے حیرت انگیز واقعات ایسے پیش آتے رہے جن سے یہ یقین ہو گیا کہ ان کی ساری ذہانت ان کی قوت عمل، ان کی حرکت، ان کی تدبیر صرف اپنی ذات کے لئے ہے، ملک وملت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکا، وہ جب سے مطلع سیاست پر نمودار ہوئے ہیں ملک مسلسل فتنوں اور بحرانوں کی منجدھار میں ہے، انہوں نے سب سے پہلا بحران ۱۹۷۱ء میں ''ادھر تم ادھر ہم'' کے نعرہ سے پیدا کیا جس کے نتیجہ میں ملک دولخت ہو گیا اور ہماری آبادی کا بڑا حصہ کٹ کر الگ ہو گیا اور باقی ماندہ کٹے پٹے ملک پر وہ دادِ حکمرانی دینے لگے، گویا ان کا اقتدار ان کے خود آوردہ بحران کی پیداوار تھی، اس کے بعد اپنے پنج سالہ دور میں انہوں نے مسلسل پے در پے اتنے بحران تخلیق کیے اور قوم وملک کے زخم خوردہ جسم پر اتنے چرکے لگے کہ قوم نیم جان ہوکر رہ گئی۔ حکومت کا سب سے بڑا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ ملک کے شہریوں کو امن وامان اور راحت وآسائش کی ضمانت دے، مگر بدقسمتی سے مسٹر بھٹو کا دور اقتدار پاکستان کی تاریخ کا وہ سیاہ ترین دور ہے جس میں کسی کو سکھ کا سانس لینا نصیب نہ ہوا، نہ کسی کی جان محفوظ رہی نہ مال، نہ آبرو، ملک کے ممتاز لیڈروں کو دن دہاڑے سڑکوں پر خون میں نہلایا اور موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ غنڈوں کو من مانی کرنے کی کھلی چھٹی ملی اور پرامن شہریوں کو جیلوں میں سڑنے پر مجبور کیا گیا۔ رذیلوں کی عزت اور حوصلہ افزائی کی گئی اور شرفاء کو گھناؤنے مقدمات میں پھانسا گیا، مزدوروں، طالب علموں اور عورتوں پر لاٹھیاں اور گولیاں برسائی گئیں، وکلاء کو ذلیل کیا گیا، علماء سے توہین آمیز سلوک روا رکھا گیا، بھٹو حکومت کی غلط پالیسیوں اور اللّے تللّے اخراجات کی بدولت گرانی اور افراطِ زر کا دور دورہ ہوا، مصنوعی قحط کا دیو عریاں ناچنے لگا، متوسط طبقہ کی قوت خرید جواب دے گئی، غریب عوام کی زندگی اجیرن ہوگئی اور ملازم طبقہ بدحالی و پریشانی کا شکار ہو گیا۔

قومی اتحاد اور مسٹر بھٹو

مسٹر بھٹو کا پیدا کردہ آخری بحران (خدا کرے یہ آخری ہو) موجودہ انتخابی بحران تھا، بھٹو صاحب جانتے تھے کہ اب وہ قوم میں مقبول نہیں رہے ہیں اور ان کے غلط اقدامات کی وجہ سے قوم انہیں مسترد کر چکی ہے، اس لئے انتخابات میں وسیع پیمانے پر دھاندلیاں کی گئیں اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر انتخابی نتائج کے غلط اعلانات نشر کئے گئے، قوم اس زیادتی کو برداشت نہ کر سکی بلکہ دوبارہ انتخابات کا مطالبہ کیا، عقل و انصاف کا تقاضا تھا کہ سابقہ نتائج کو منسوخ کر کے فوراً دوبارہ پولنگ کرا دی جاتی اور قوم کو بغیر کسی دھونس اور دھاندلی کے اپنی رائے کے اظہار کا موقعہ فراہم کر دیا جاتا، مگر مسٹر بھٹو کی بحران پسند طبیعت نے اس سیدھے راستہ کو اختیار کرنے کے بجائے لاٹھی اور گولی سے قوم کی مرمت شروع کر دی، پولیس، ایف ایس ایف، اور بالآخر فوج کو قوم کی گوشمالی پر مامور کر دیا اور پھر اس کا جو انجام ہوا وہ سب کے سامنے ہے، ملک ایک ایسے بحران کی نذر ہو گیا جس سے ملک کی چولیں ہل گئیں، لیکن الحمد للہ اب یہ توقع سی ہونے لگی ہے کہ پاکستان کی امت اسلامیہ اس شدید بحران کے تلاطم خیز سمندر سے نکل کر ساحل کے کنارے پہنچ جائے اور محض حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ امید ہو گئی ہے کہ اس امت کے گناہ شاید معاف ہو جائیں اور وہ شاید مقصود سے ہم کنار ہو جائے اور الحمد للہ کہ ایک بوریہ نشین، درویش عالم دین، باخدا شخصیت کی صالح قیادت اور حسن تدبر سے قوم کی کشتی منزل مقصود کے قریب آ گئی ہے۔

قومی تحریک اور اس کی قیادت

اس تحریک میں قوم نے جس بے مثال اتحاد کا مظاہرہ کیا وہ قابل صد ستائش ہے اور تمام طبقوں نے اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کی جو قربانیاں اسلام کی خاطر دیں ان کی نظیر اس دور میں مشکل سے ملے گی، قومی اتحاد کی آہنی دیوار میں شگاف ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی (اور جب تک مسٹر بھٹو کا بس چلے گا آئندہ بھی ان سے یہی توقع ہے) مگر تمام قائدین اور ان کے رفقاء مستحق تبریک ہیں کہ انہوں نے ایسی تمام کوششوں کو ناکام بنا دیا، تحریک کی قیادت حالیہ تحریک میں ایک بین الاقوامی قیادت کی حیثیت سے ابھری، مولانا مفتی محمود صاحب نے ایک باوقار، بااصول اور مدبر سیاست دان ہونے کا ثبوت پیش کیا، بلاشبہ ان کے تمام رفقاء لائق صد تحسین ہیں جنہوں نے اپنے نیک مشوروں سے ان کی اعانت فرمائی اور باہمی اتفاق و اعتماد کے ساتھ زمام اختیار ان کے سپرد کر کے نہایت قابل قدر حکمت و تدبر کا ثبوت دیا۔

مفتی محمود صاحب کو صوبہ سرحد کی وزارت عظمیٰ کے دوران بھی ایک بے لوث درویش ہستی کی حیثیت سے دنیا نے پہچانا تھا، مگر حالیہ تحریک کے دوران ان کے صبر و استقامت، حسن تدبر اور معاملہ فہمی کی بدولت ان کی شخصیت اور بھی نکھر کر سامنے آئی، وہ نہ صرف عالم دین ہیں بلکہ عصر حاضر کے قابل فقیہ ہیں۔ اسلامی قانون کی

تدوین میں عالم اسلام میں ممتاز ہیں، وہ ایک سلیم الذوق محدث، نہایت کامیاب مدرس، عمدہ خطیب، نہایت ذکی و مدبر اور غیر مرعوب شخصیت اور حاضر دماغ و حاضر جواب سیاست دان ہیں، دنیا کے جاہ و منصب سے بالاتر ہیں، ان کے لئے کرسی، اقتدار، گھر کی چار دیواری، جیل کی تاریک کوٹھری، اور مسند درس و تدریس سب یکساں ہیں، انہیں نہ کسی قیمت پر خریدا جاسکتا ہے نہ دنیا کے مطامع دنیہ ان کے پائے استقامت میں لغزش پیدا کر سکتے ہیں، نہ دار و رسن کا خوف انہیں کلمہ حق کہنے سے روک سکتا ہے، وہ عالم ہیں، متقی ہیں، دل و زبان پر قابو یافتہ ہیں، دینی و شرعی سیاست سے باخبر ہیں، دور حاضر کی گندی سیاست سے بالاتر ہیں اور اس ناپاک سیاست سے کبھی مرعوب نہیں ہوتے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مملکت کی دینی خدمات کے لئے انہیں کامیابی و کامرانی کے ساتھ تادیر سلامت رکھے اور اس مملکت کے سفینہ کو کامیابی کے ساتھ ساحل مقصود تک پہنچائے اور قومی اتحاد کے تمام معزز قائدین کو اسلام کی حفاظت و خدمت کے لئے باہم متفق و متحد رکھے، آمین۔

اس دوران سعودی حکومت اور اس کے فرمانروا جلالۃ الملک شاہ خالد اور سفیر باتوقیر عالی جناب ریاض الخطیب نے جس حسن تدبر، ہمدردی و اخلاص کا ثبوت دیا اور اس بحران سے نکالنے کے لئے جو پر خلوص جد و جہد فرمائی، ہم اس کے شکریہ سے قاصر ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو دارین کی عزت و سعادت عطا فرمائے اور دونوں جہاں کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے اور مزید اسلامی اخوت و صداقت کی نعمت سے سرفراز فرمائے، آمین۔

کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے اگر پاکستانی امت اس شدید ابتلاء و امتحان سے باہر آنے اور مافات کی تلافی کے لئے مسلسل جد و جہد کرے تو امید ہے کہ مستقبل روشن ہو جائے گا اور خاکم بدہن اگر خدانخواستہ اس ابتلاء کے بعد بیدار نہیں ہوئی اور وہی خدا فراموش سابقہ زندگی ہے تو شاید پھر دوبارہ موقع ہاتھ نہیں آئے گا اور مستقبل جس انداز سے تاریک ہوگا اس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

عزت و کامرانی کے اسباب

عام طور سے دنیا میں مال و دولت سے عزت آتی ہے اور حکومت سے امن و چین نصیب ہوتا ہے، لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج عرب اسلامی ممالک میں جو مال و دولت کی فراوانی ہے غیر اسلامی حکومتیں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں تھیں، لیکن باوجود اس مال و دولت کے وہ عزت و طاقت سے محروم ہیں، وہ خوف زدہ و ذلیل ہیں، ہر وقت اعداء اسلام کا خوف دامن گیر رہتا ہے، کسی کو امریکہ کا خوف و دبدبہ کھائے جا رہا ہے اور کسی کو روسیاہ روس کی یلغار کا خطرہ لاحق ہے۔ یہ سب کچھ نتیجہ ہے اس بات کا کہ مسلمانوں کا تعلق اللہ تعالیٰ سے منقطع ہو گیا، دنیا اور دنیا کے مال و دولت کو کعبہ و مقصود بنالیا، نہ اسلام کی صحیح ہمدردی ہے نہ اسلام کی صحیح خدمت ہے، عیش و عشرت کی زندگی میں ڈوبے ہوئے ہیں، مٹھی بھر اسرائیل کا خطرہ و بال جان بنا ہوا ہے، یہ مانا کہ اسرائیل امریکہ کی دولت و ایٹمی

قوت اور برطانیہ کی سیاست وحکمت کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت وعزت وجبروت کے سامنے ان دنیا والوں کی طاقت وقوت کی کیا حیثیت ہے، اگر مسلمانوں کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے قوی ہو جائے اور ربانی ہدایات وارشادات "واعدوا لهم ما استطعتم من قوة" پر عمل کریں تو دنیا میں سب سے باعزت قوم مسلمان ہوگی، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا:

"یا ابا عبيدة اذا طلبت العزة بالله اعزك الله واذا طلبت العزة بغير الله اذلك الله".(۱)

اے ابوعبیدہ! جب تم اللہ تعالیٰ سے عزت کے طالب ہوگے تو اللہ تعالیٰ تمہیں عزت دیں گے اور جب غیر اللہ سے عزت چاہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ذلیل کر دیں گے۔

یہ وہی ابوعبیدہ ہیں جن سے حضرت فاروقؓ نے فرمایا:

" كلنا قد غيرته الد نيا الا ا نت يا ابا عبيدة"(۲)

اس دنیا نے ہم سب کو بدل دیا ہے مگر ایک آپ ہیں اے ابوعبیدہ!۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ ہماری دنیا کی کامرانی وکامیابی کے دو پختہ اصول ہیں:

① ظاہری مطلوبہ اسباب کی فراہمی میں پوری جدوجہد کر کے توکل واعتماد صرف حق تعالیٰ کی ذات پر ہو، اسباب پر مدار نہ ہو۔ ﴿ وَعَلَى الله فَلْيَتَوَ كَّلِ الْمُؤْ مِنُوْنَ ﴾ [ابراھیم:۱۱] صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر مسلمانوں کا توکل وبھروسہ ہو۔

② اصلاح امت کے لئے وہی قدیم ترین آسمانی نسخہ استعمال کریں جس سے اس امت کی پہلے اصلاح ہوئی تھی، لن يصلح آخر هذه الامة الا ما اصلح اولها۔

پاکستانی مسلمان من حیث القوم توبہ واستغفار کریں اور جتنا دین پر چلنا ان کے قبضہ وقدرت میں ہے اس پر صحیح طریقے سے عمل کریں، نمازیں پڑھیں، حقوق اللہ وحقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں، تمام منکرات سے خود بچیں اور دوسروں کو بچانے کی کوشش کریں۔ الغرض خود معروفات شرعیہ پر عمل کریں دوسروں کو عمل کرنے کی تلقین کریں، منکرات سے بچیں، اوروں کو منکرات سے بچانے کی سعی کریں، سورۃ العصر میں حق تعالیٰ نے ان چار باتوں کا حکم دیا ہے اس میں تقصیر نہ کریں، اگر ایسا ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد نقشہ بدل جائے گا اور مایوس

---

(۱)حلية الاولياء، عمر بن الخطاب، ج:۱ ص:٤٤، ط:دار الكتاب العربى. البداية والنهاية، فتح بيت المقدس على يدى عمر بن الخطاب، ج:۷ ص:٦۰، ط:مكتبة المغارف بيروت.

(۲)الرياض النضرة فى مناقب العشرة، الباب العاشر فى مناقب ابى عبيدة، ذكر زهده، ج:۲ ص:۳۱۲، ط: مصر. اسد الغابة فى معرفة الصحابة، ج:٦ ص:۲۰۲، ط:دار الكتب العلمية بيروت.

کن حالات ختم ہو جائیں گے، بفضلہٖ تعالیٰ۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ راقم الحروف کے نام ایک تازہ گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

’’آپ کے یہاں کے حالات کے لئے دعاؤں میں بہت اہتمام کر رہا ہوں اور کرا رہا ہوں، ایک آدھ دن کو آس کی خبر سنتا ہوں تو دو دن یاس اور نا امیدی کی، اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل و کرم سے پاکستان کے حال پر رحم فرمائے، کتنی امیدوں اور دعاؤں کے ساتھ پاکستان بنا تھا اور حضرت مدنی جیسے حضرات نور اللہ مرقدہم اکابر کی زبان سے کئی دفعہ خود میں نے یہ فقرہ سنا کہ ابتداء میں تو ہم مخالف تھے اور ہماری رائے کے خلاف بنا لیکن جب بن گیا تو اب اس کی سلامتی اور ان امیدوں کو پورا ہونے کے لئے دل سے دعا کرتے ہیں جن امیدوں پر یہ قائم کیا گیا، حضرت مدنی سے تو اس ناکارہ نے کئی دفعہ اس قسم کی دعائیں سنیں اور حضرت رائپوری سے بھی اور دیگر اکابر سے بھی جو ابتداء مخالف تھے، اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل و کرم اور رحم سے ان امیدوں کو پورا کرے جو اس سے وابستہ تھیں‘‘۔

[رجب المرجب ۱۳۹۷ھ/جولائی ۱۹۷۷ء]

بھٹو حکومت کا خاتمہ اور مارشل لاء کا نفاذ

الحمد للہ جو مایوس کن گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں چھٹ گئیں اور خلاف توقع ایک لطیفہ غیبیہ کا ظہور ہو گیا اور امید ہو گئی کہ اب وقت آ گیا کہ جس مقصد کے لئے پاکستان کی نعمت امت کو مل گئی تھی اب اسلام کی صحیح ہدایت کی شمع روشن ہو جائے اور تیس سال شدید ابتلاء کا دور گذر گیا اور یہ امت شاید قابل معافی ہو گئی اور حق تعالیٰ کے ابر رحمت کی مستحق ہو گئی اور جنرل ضیاء الحق کی صورت میں یہ رحمت ظاہر ہو گئی، اگر مارشل لاء ایسا ہوتا ہے جس کا ظہور اس وقت ہو گیا، بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایسی رحمت ہے کہ اگر تمام عمر یہ مارشل لاء ہو تو کوئی مضائقہ نہیں، دلوں کو سکون نصیب ہو، دماغوں کو چین حاصل ہو اور ایسی صورت پیدا ہوئی کہ ہزاروں مایوسیوں کے بعد یہ توقع ہو گئی کہ اس خداداد مملکت میں قانونِ معدلت اور محاکم عدل کا نظام جاری ہو سکے اور آزاد صحیح انتخابات ہوں، البتہ شدید امتحان کا وقت آ گیا اور پاکستانی قوم کے سامنے ایک آخری مرحلہ امتحان کا آ گیا ہے کہ وہ اپنے ووٹ و رائے کی قیمت کو سمجھیں اور اخلاص کے ساتھ اپنا ووٹ اس شخص کو دیں جس کے دین و ایمان اور مخلصانہ زندگی پر یقین ہو، ان میں خدمت قوم کی صحیح اہلیت ہو اور ان کے دل میں خدمت اسلام کا قوی جذبہ ہو، ان کا ماضی بے لوث ہو، ان سے مستقبل کی صحیح توقعات وابستہ ہوں، ذاتی مفاد سے بالاتر ہوں، پارٹیوں کی گندی سیاست سے اعلیٰ و ارفع ہوں، خدمت دین و خدمت ملت کا صحیح جذبہ رکھتے ہوں، حق تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ اور قدرت کاملہ سے یہ آخری موقع مہیا کر دیا

ہے کہ صحیح رجال کار منتخب ہوں اور ان کے ہاتھوں میں زمامِ حکومت منتقل ہو اور ان کے ذریعہ قانون عدل نافذ ہو اور اللہ تعالیٰ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور رضا کے لئے یہ خدمت انجام دیں اور تمام غیر اسلامی ازم ختم ہوں اور اسلامی معاشرہ کی تکمیل ہو "و یکون الدین کلہ للہ" کی جیتی جاگتی تصویر دوبارہ آنکھوں کے سامنے آئے، بلاشبہ جس شخصیت کے ذریعہ یہ موقع نصیب ہوا وہ شخصیت آسمان کے فرشتوں اور سمندر کی مچھلیوں اور صحراؤں کے کیڑے مکوڑوں اور زمینی مخلوق کی دعاؤں کی مستحق ہے، اللہ تعالیٰ کی برکتیں اس پر نازل ہوں گی اور دارین کی سعادتوں سے سرفرازی نصیب ہوگی، بظاہر یہ آخری موقعہ ہے کہ قوم وملت کو آزادانہ انتخاب کا موقع ہاتھ آیا، اگر خدانخواستہ ملت نے یہ آخری موقع ضائع کیا تو بظاہر یہ ملت ختم ہوگئی اور پاکستان ایک بے حقیقت چیز رہ گئی اور پھر اس ملک کو اللہ تعالیٰ کے غضب سے کوئی چیز بچانے والی نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنے غضب سے بچائے اور توفیق نصیب فرمائے کہ پاکستان ایک مثالی معیاری حکومت بنے اور عالم اسلام کی قیادت کرے اور عالم اسلام کو جو توقعات وابستہ تھیں وہ پوری ہو جائیں۔

آخر میں موجودہ اقتدار سے بھی گذارش ہے کہ وہ نہایت ہی تیقظ اور بیداری اور نہایت تدبر سے کام لے اور کڑی نظر رکھے کہ غلط طاقتیں نہ ابھریں اور ان کی تباہ کن تدبیریں خاک میں مل جائیں، وہ غلط فضاء نہ پیدا کرسکیں اور سد باب اختیار کرنے میں کوتاہی نہ کرے اور حق تعالیٰ کی ذات پر توکل واعتماد کرے اور رضاء الٰہی اپنا مقصد بنائے۔

دین اسلام نعمت ربانی ہے

اسلام حق تعالیٰ کی آخری نعمت ہے، اگر صحیح اسلام نصیب ہو قلب وقالب دونوں کی اصلاح ہو جائے گی، آخرت سے پہلے دنیا میں بھی جنت کا نمونہ نصیب ہوگا، جان ومال وآبرو محفوظ رہے گی، قلب کو سکون ہوگا، دماغ کو راحت ہوگی، ''کسے را باکسے کارے نباشد'' کا نقشہ سامنے آئے گا مخلوق خدا کی محبت دل میں ہوگی، خدا کی مخلوق پر رحم آئے گا، مسلمانوں کی تکلیفوں سے دل کو دکھ ہوگا، دنیا کے کسی گوشے کے مسلمان کو اگر کوئی تکلیف ہوگی تو اپنے قلب کی گہرائیوں میں وہ تکلیف محسوس کرے گا، اتحاد عالم اسلام کا وہ نقشہ سامنے آئے گا جس کا تصور بھی انسان نہیں کرسکتا، لیکن ہائے افسوس کہ مسلمانوں نے اسلام پر چلنا چھوڑ دیا صرف زبانی جمع وخرچ پر قناعت کرلی ہے، نہ حق تعالیٰ کا خوف دل میں ہے، نہ جہنم کا ڈر ہے، نہ جنت کی آرزو ہے، نہ مخلوق خدا پر رحم، ظلم وقساوت وخودغرضی کا دوردورہ ہے اور آج کل کے مسخ شدہ یہود ونصاریٰ کی تقلید وپیروی کا جذبہ اتنا غالب آگیا ہے کہ نہ سیرت اسلامی ہے، نہ طرز معاشرت اسلامی ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا:

"لتبعن سنن من كان قبلكم شبرا بشبر وذراعا بذراع حتى لو دخل احدهم جحر ضب لدخلتموه".(۱)

کہ یہود ونصاریٰ کا اتباع ایسا غالب آئے گا کہ اگر ان میں سے کوئی گوہ کے سوارخ میں داخل ہوگا تم بھی داخل ہو گے، یعنی لغو اور بے ہودہ کاموں میں بھی ان کا اتباع کرو گے۔

تہذیب وتمدن کے علمبرداروں کی حالت زار

جو قومیں اسلام کی نعمت سے محروم ہیں اور تہذیب وتمدن کی مدعی ہیں، ذیل میں ان کی دو مثالیں ملاحظہ ہوں:

جنسی بیماریاں:

بین الاقوامی ادارہ صحت (W.H.O) کی رپورٹ کے بموجب دنیا میں جنسی بیماریاں روز افزوں ترقی پر ہیں، ایک محتاط اندازہ کے مطابق دنیا میں ہر سال ۲۵/ کروڑ افراد سوزاک اور ۵/ کروڑ آتشک (Gonorrhea Syplilis) میں مبتلا ہو رہے ہیں، چونکہ امریکہ میں انسانی فلاح وبہبود اور ذہنی وجسمانی اذیت کی وجہ سے اسقاط حمل کو قانونی تحفظ حاصل ہے، اس لئے صرف نیویارک شہر میں یکم جولائی ۱۹۷۰ء سے ۳۰/ جون ۱۹۷۲ء تک (PARKEN BERGEN REPORT JULY1973) ۱۲/ ہفتہ سے کم حمل کے اسقاط ۳ لاکھ ۲۱/ ہزار ۵/ سو اور ۳/ ہفتہ سے زائد کے اسقاط کی تعداد ۸۰/ ہزار ۵/ سو ریکارڈ کی گئی ہے، یہ تو وہ رپورٹ ہے جو کہ قانونی طریقہ سے قلم کی زد میں آ گئی، کیا آپ اندازہ کر سکیں گے کہ غیر قانونی اسقاط جو گرفت قلم سے باہر ہیں وہ کس قدر ہوتے ہوں گے، سوزاک اور آتشک جنسی متعدی امراض کی موجودگی ہی صرف اس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ تہذیب یافتہ ممالک میں بے حجابانہ جنسی اختلاط کی بدولت (جن کی نقل کرنے میں ہمارے مرد وزن ہمہ تن کوشاں ہیں) بے راہ روی کس قدر ہے، کیا یہی مغربی مساوات مرد وزن کے درمیان ہونی چاہئے؟ یہ بیماریاں ملیریا، بخار کی طرح مچھر کاٹنے سے تو نہیں ہو گئیں، ان کا منبع صرف اور صرف مرد وزن کے ناجائز اختلاط کی بوقلمونی ہے، مغربی اقوام اس بڑھتے ہوئے معاشرہ کی غلاظت اور رستے ہوئے ناسوروں سے اب پریشان ہیں اور اسلامی معاشرے نے تو چودہ سو سال پیشتر ہی اس سے پرہیز کا حکم دیا تھا۔

جرائم ولوٹ مار:

معاصر جریدہ جنگ رقم طراز ہے (نیویارک ۲۰/ جولائی ۷۷ء، جنگ نیوز) گذشتہ ہفتہ ۹۰/ لاکھ آبادی

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الاعتصام، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم لتبعن سنن من كان قبلكم، ج:۲ ص:۱۰۸۸، ط: قديمي

والے شہر نیو یارک میں بجلی فیل ہونے کی وجہ سے جو تاریکی پھیلی تھی اس میں ایسی زبردست لوٹ مار کی گئی جس کی مثال نہیں ملتی، گرفتار شدگان سے جیلیں بھر گئیں اور جو قید خانے پرانے ہونے کے باعث بند کر دیئے گئے تھے انہیں دوبارہ کھولنا پڑا، ٣٧٧٦/افراد گرفتار کئے گئے، پولیس کے چار سو سے زیادہ آدمی زخمی ہوئے، تمام رات لوٹ مار کا بازار گرم رہا، نیو یارک کے میئر نے موم بتیوں کی روشنی میں اپنا ہنگامی اجلاس کیا، دو ہزار سے زیادہ اسٹوروں کو لوٹ لیا گیا، نقصان کا اندازہ کوئی ایک ارب ڈالر ہے۔ اسٹوروں کے سامنے لگی ہوئی لوہے کی گرل توڑ دی گئیں، نوعمر لڑکے اور لڑکیاں اور بڑی عمر کے لوگ دکانوں کو تباہ کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے، جن میں سلے سلائے کپڑوں، بجلی کے سامان، فرنیچر، ٹیلیویژن سیٹوں اور کریانہ کی دکانیں شامل تھیں، ایک آدمی کو اس وقت پکڑا گیا جب وہ لوٹے ہوئے بلیک اینڈ وائٹ ٹی وی کو واپس لے کر اس کی جگہ رنگین ٹی وی لوٹنے کے لئے آ رہا تھا، کچھ لوگوں نے عظیم الشان اسٹوروں میں لوٹ کے سامان کی دکانیں لگائیں اور وہاں سامان کو فروخت کرتے رہے۔

حکومت کویت کا موسوعہ فقہ اسلامی

حکومت کویت نے جہاں جہاں بانی کی طرف حیرت انگیز قدم اٹھایا ہے اور نہایت سرعت سے آگے بڑھ رہی ہے خوشی کی بات ہے کہ وہ اسلامی علوم و معارف کی طرف بھی توجہ کر رہی ہے، چنانچہ آج کل موسوعة الفقه الاسلامی (اسلامی فقہ کی انسائیکلو پیڈیا) مرتب کروا رہی ہے، اس مقصد کے لئے جامعہ دمشق کے مشہور عالم شیخ مصطفی الزرقاء کو دعوت دی گئی ہے اور موصوف اس خدمت میں اپنا وقت صرف کر رہے ہیں، شیخ مصطفی الزرقاء کا انتخاب نہایت عمدہ انتخاب ہے، موصوف کے قلم سے فقہ حنفی اور فقہ اسلامی کی چند مجلدات "الفقه الاسلامی فی ثوبه الجدید" اور "المدخل الی الفقه الاسلامی" کے نام سے چند سال پیشتر خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں، قدیم عبارات کو جدید تعبیرات میں منتقل کرنے اور قانونی دفعات پر فقہ اسلامی کو مرتب کرنے میں اچھی خاصی مہارت کے مالک ہیں، موصوف نے ایک مقالہ راقم الحروف سے اور ایک مقالہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے بھی لکھوانے کی خواہش ظاہر کی ہے، واللہ الموفق۔

| ربیع الاول ۱۳۸۷ھ |

رابطہ عالم اسلامی اور اس کے فرائض

مکہ مکرمہ زادها الله كرامة میں امسال "الرابطة الاسلامية" کی مؤتمر ایام حج کے بعد منعقد ہوئی، "الرابطة الاسلامية" کا مقصد جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ممالک اسلامیہ میں اسلامی اخوت کی بنیاد پر تعلقات و روابط قائم کرنے ہیں، اس ادارے کی بنیاد پانچ سال قبل شاہ مخلوع ملک سعود بن عبدالعزیز کے عہد میں ڈالی گئی تھی، گویا یہ جمال عبدالناصر حکمران جمہوریہ عربیہ متحدہ کا عملی جواب تھا جس کی اساس "وحدة

العروبة" (اتحاد عرب) پر رکھی گئی، اگر چہ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ اتحاد عرب ہمارے مقاصد کی پہلی سیڑھی ہے اور "وحدت اسلام" کے لئے تمہیدی قدم ہے، تاہم ان کے اس نعرے کو اسلام ازم کے خلاف نیشنلزم سمجھا گیا اور کہا گیا کہ اسلام نے قومیت وطنیت اور رنگ ونسل کی جس لعنت کو ختم کرنے کا اعلان کیا تھا یہ اس سے متصادم اقدام ہے، قرآن حکیم نے سورہ حجرات میں ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ [الحجرات: ۱۳] اور حضرت رسالت پناہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیغمبرانہ تاریخی خطبہ میں جو حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا، صاف اعلان فرمادیا تھا:

"ألا لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ولا لأسود على احمر ولا لأحمر على اسود الا بالتقوى ، ان اكرمكم عندالله اتقاكم"(۱)۔

بہر حال صرف عرب کا اتحاد قومیت کی بنیاد پر تھا اور یہی سمجھا گیا، اس لئے ضرورت تھی کہ عالمگیر اسلامی اخوت کی بنیاد پر دوبارہ تحریک اٹھے اس حیثیت سے سعودی حکومت تعریف وثناء کی مستحق ہے کہ انہوں نے وحدت اسلام کے پیش نظر "الرابطة الاسلامية" کی عالمگیر تاسیس کی اور اکثر اسلامی ممالک سے نمائندے منتخب کئے، ابتداء صرف سترہ نمائندے تھے جن میں مسلمانان ہند سے بھی ایک نمائندہ منتخب کیا گیا تھا اور سال میں دو مرتبہ الرابطۃ کا اجلاس ہوتا تھا (۱) رجب میں (۲) ذی الحجہ میں، حج کے بعد امسال ملک فیصل کے عہد میں "الرابطة الاسلامية" کے سلسلہ کو مزید توسیع دی گئی ہے اور ممالک اسلامیہ سے مزید نمائندے منتخب کئے گئے اور اجلاس سال میں ایک مرتبہ ہی رکھا گیا، چنانچہ امسال اس مؤتمر میں ساٹھ ممالک سے مندوبین یا تو بلائے گئے یا حج بیت اللہ کے موقع پر جو مشہور حضرات یا ارباب علم مکہ آئے ہوئے تھے ان کو مدعو کیا گیا، اس طرح بآسانی ساٹھ ملکوں کے نمائندے شامل اجلاس ہوسکے، پاکستان سے دو قسم کے نمائندے مدعو ہوئے، بعض حضرات کو خود پبلک سے منتخب کیا گیا اور بعض کو حکومت پاکستان کے ذریعے بلایا گیا، حکومت نے اپنے نقطہ نگاہ کے مطابق افراد کو بھیجا، کچھ قرار دادیں پاس کی گئیں اور "الرابطة الاسلامية" میں مختلف شعبے قائم کئے گئے، شعبہ ثقافت، شعبہ دعوت وارشاد، شعبہ تاسیسی وغیرہ وغیرہ اور ہر شعبہ کے لئے مختلف ارکان کا تقرر وانتخاب عمل میں آیا اور اب یہ بھی ارادہ ہے کہ ہر ملک میں الرابطۃ کا ایک باقاعدہ باتنخواہ ملازم رکھا جائے اور دفتر کھولا جائے تاکہ الرابطۃ کے اغراض ومقاصد کی اشاعت ہوسکے، خدا کرے کہ تجاویز وقراردادوں تک یا محض دعایہ وپروپیگنڈے تک یہ جدوجہد محدود نہ رہے بلکہ عملی اقدامات اور مقاصد کی تکمیل کے لئے صحیح ومؤثر تدابیر اختیار کی جائیں، تاکہ ممالک اسلامیہ میں صحیح اسلام کی روح جلوہ گر ہو، اور مغربی تہذیب نے جو جدید خدوخال چھوڑے ہیں یکسران کو ختم کردیا جاسکے اور سیاست سے

---

(۱) حلية الاولياء، المنذر بن مالك، ج:۳ص: ۱۰۰، ط: دارالكتاب العربي بيروت.

زیادہ دین مطلوب ہو اور قالب سے زیادہ روح پر توجہ ہو اور ظاہر سے زیادہ باطن کی اصلاح کی کوشش ہو، مال و دولت کی بے پناہ فراوانی سے جو برائیاں پیدا ہو رہی ہیں ان کی اصلاح کی تدبیریں سوچی جائیں، نئی نسل میں مغربی تہذیب کو اپنانے کا جو ولولہ پیدا ہو رہا ہے اس کے روک تھام کی کوشش کی جائے، جدید تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم پر پوری توجہ ہو، جس طرح مسجد حرام اور مسجد نبوی کی قابل قدر توسیع پر بے دریغ دولت خرچ کی گئی ہے اس سے زیادہ مناسک حج کے صحیح ادا کرانے کی طرف توجہ ہو، وادی عرفات میں، وادی عرنۃ کے مقام پر وقوف صحیح نہیں لیکن ہزاروں حجاج وہیں وقوف کرتے ہیں جن کا حج ہی ختم ہو جاتا ہے، وادی مزدلفہ میں مقام محسّر جو مزدلفہ اور منٰی کے درمیان تقریباً ساڑھے پانچ سو گز طولاً قطعہ ہے وہاں مبیت و وقوف دونوں جائز نہیں، ہزاروں حجاج وہیں رات گذارتے ہیں، وہیں صبح وقوف کرتے ہیں، اس کی طرف کوئی توجہ نہیں، انتہا یہ ہے کہ ''منتہیٰ مزدلفہ'' اور ''مبدأ منیٰ'' کا جو بورڈ لگایا گیا ہے اس سے لوگوں کو مزید غلط فہمی ہو جاتی ہے، مسجد حرام میں نمازوں میں عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ کھڑے ہوتی ہیں اس کی طرف کوئی توجہ نہیں، موجودہ تدبیر قطعاً ناکافی ہے، طواف بیت اللہ شریف میں مرد و عورتوں کا اختلاط بری صورت اختیار کر جاتا ہے، اس کی اصلاح پر توجہ مرکوز کرنے کی حاجت ہے، الغرض اس قسم کے مختلف مسائل ہیں جن پر "الرابطة الاسلامية" کو پوری توجہ کرنے کی ضرورت ہے، رؤیت ہلال کا مسئلہ جس کا قرآن مجید میں تصریح کے ساتھ "مواقيت للناس والحج" میں ذکر فرمایا گیا ہے اس کی شہادت و رؤیت کا صحیح شرعی نظام نہیں، وقوف عرفات کی تاریخ میں اکثر اشتباہ ہو جاتا ہے، اس سال یہی قصہ پیش آیا۔

کاش "الرابطة الاسلامية" ان بے معنی قراردادوں اور بے عمل تجاویز سے زیادہ توجہ ان مسائل پر کرتی تو مخلوق خدا کے حج ہونے کی قابل اطمینان صورت پیدا ہوتی، جس طرح شاہ فیصل نے افتتاحی تقریر عمدہ اور مؤثر انداز میں فرمائی ہے اسی کی روشنی میں عملی اقدامات کی طرف توجہ بھی ہونی چاہیے، تاکہ معاملہ صرف ایک تقریر تک محدود نہ رہے، طاقت و اقتدار کے حصول کے بعد تقریر سے زیادہ عمل کی ضرورت ہے، تجویز سے زیادہ تنفیذ کی ضرورت ہے۔

ایک حاجی احرام کی حالت میں تلبیہ پڑھتے ہوئے سرزمین حرم میں داخل ہوتا ہے اس کا جی چاہتا ہے کہ مقدس سرزمین حرم کے جلال و عظمت کے پیش نظر جو اس وقت اور اس مقام کے مناسب افکار و تصورات ہونے چاہئیں ان میں کوئی چیز مخل نہ ہو، لیکن ہوتا یہ ہے کہ ڈرائیور اس وقت بھی اور ان مقامات میں بھی ریڈیو سے اور ریڈیو گرام سے گانا سناتا ہے اور روکنے سے بھی نہیں رکتا، سرزمین حجاز میں غنا کی یہ کثرت اور ابتلاء انتہائی تکلیف دہ ہے، سنا ہے کہ جدہ میں تھیٹر و سینما کی اجازت بھی دی گئی ہے اور ٹیلیویژن بھی لگ گیا ہے، اناللہ۔

چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

الغرض اس طرح کے سینکڑوں مسائل ہیں جن پر رابطہ اسلامیہ کو بے حد توجہ دینے کی ضرورت ہے،

شعائر اللہ کی تقدیس و تعظیم ایمان کا جز ہے، ہر قیمت پر توجہ کے مستحق ہیں، مال کی فراوانی اور مواصلات کی آسانی، نقل و حرکت اور سیاحت کی کثرت سے ایک ملک کی برائیاں بہت سرعت کے ساتھ دوسرے ملک میں پہنچ جاتی ہیں، خدا کرے کوئی لطیفہ غیبیہ ان مراکز ایمان میں جلد سے جلد ظہور پذیر ہو جس سے اس سیلاب بلا کی روک تھام ہو جائے، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

[محرم ۱۳۸۵ھ/جون ۱۹۶۵ء]

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہ کا سعودی عربیہ کے مشہور روزنامے ''الندوۃ'' کو انٹرویو

☆ باہمی اتحاد و اعتماد ہی اسلام کی روح ہے۔
☆ ''رابطہ اسلامیہ'' اور دعوت الی اللہ کے میدان میں اس کا کردار۔
☆ قادیانیت مسلمانوں کے خلاف ایک محاذ جنگ ہے۔
☆ اسلامی اتحاد سے زیادہ اعلیٰ و ارفع دنیا کا کوئی اتحاد نہیں ہو سکتا۔
☆ باہمی اتحاد و اعتماد ہی اسلام کا جوہر اصلی ہے۔
☆ اس اسلامی اتحاد کی طرف دعوت کے بارے میں کتاب و سنت کی بے شمار نصوص (تصریحات) موجود ہیں۔

مکہ مکرمہ روزنامہ ''الندوۃ'' کے نمائندہ صالح جمال آفندی انٹرویو سے پہلے مندرجہ ذیل الفاظ میں حضرت مولانا موصوف کا تعارف کراتے ہیں:

اس سال بھی حضرت مولانا محمد یوسف بنوری مہتمم مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی نے فریضہ حج ادا کیا، موصوف پاکستان کے اکابر علماء میں سے ہیں، آپ اپنے قلم اور علم دونوں کے ذریعہ حریم اسلام سے دفاع اور دین متین اور عربی زبان کی خدمت میں مصروف ہیں۔

جس مدرسہ کے آپ مہتمم ہیں وہ پاکستان کی ان قدیم ترین درس گاہوں میں سرفہرست شمار ہوتا ہے جنہوں نے اسلام کی نشر و اشاعت اور اسلامی تعلیمات کی ترویج و توسیع میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے اور فقہ، قضا اور علم (کتاب و سنت) کے محاذوں پر کام کرنے والے مجاہد پیدا کیے ہیں۔

ان تعارفی کلمات کے بعد نامہ نگار موصوف لکھتے ہیں:

میں نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری سے ملاقات کے بعد پہلا سوال پاکستان میں قادیانی تحریک کے بارے میں کیا۔

قادیانیت سامراج کا آلہ کار

س:…… پاکستان میں قادیانیت اپنی سیاسی اغراض کے ہدف اصلی، مسلمانوں کے ہر اتحاد و ارتباط اور اجتماعی جد و جہد کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا، کے تحت اتحاد اسلامی کے خلاف پے در پے حملے کر رہی ہے، کیا آپ کے خیال میں کوئی معتد بہ اثر اتحاد اسلامی کی مساعی کو ناکارہ بنا دینے کی صورت میں مرتب ہو سکتا ہے؟ اور کیا یہ محاذ۔ قادیانیت۔ اتنا قوی ہے کہ وہ اسلامی اتحاد اور مسلم ممالک کے باہمی ارتباط کی تحریک کے فروغ اور نشو و نما پر کسی بھی پہلو سے اثر انداز ہو سکے گا؟

قادیانیت استعمار کا ایک حربہ ہے

مولانا بنوری نے جواب دیا:

قادیانیت کی تمام تر کوششیں صرف برطانوی سامراج کے ہاتھ مضبوط کرنے اور برطانیہ کے استعماری منصوبوں کے لئے اسلامی ملکوں میں زمین ہموار کرنے اور ان کو کامیاب بنانے کی غرض سے ہمیشہ اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کرنے اور ان کے باہمی ارتباط و اتحاد کو درہم برہم کرنے کے لئے وقف رہی ہیں، چنانچہ قادیانیت کا عقیدہ ہے کہ برطانوی سامراج روئے زمین پر اللہ کا سایہ ہے، جیسا کہ اس فرقہ کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب براہین احمدیہ میں اس کی تصریح کی ہے۔

لہٰذا یہ فرقہ خالص استعمار کی پیداوار ہے، برطانوی سامراج نے اسے جنم دیا ہے، اس لئے مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں گے ان کے خلاف ہر قسم کی سازش کو یہ فرقہ دینی جہاد قرار دیتا ہے اور اپنے خالق و مربی استعمار کا حق نمک ادا کرتا ہے، ایسی صورت میں ان قادیانیوں کا وجود ہر اسلامی ملک اور اس کے مسلمانوں کے لئے زبردست خطرہ ہے۔

اور جب یہ واضح ہو گیا کہ قادیانیت اسلامی ممالک میں کام کرنے کے لئے برطانوی استعمار کا ایک خود کار (آٹومیٹک) حربہ ہے، تو ان قادیانیوں کی طاقت و قوت کے اصل سرچشمہ کا اور ان کی ذات سے ظہور میں آنے والے خطرناک نتائج و عواقب کا معلوم کر لینا بہت آسان ہے۔

اسلامی اتحاد و باہمی اعتماد کی منزل تک پہنچنے کا راستہ

س:…… دنیا کی مسلمان قومیں مجموعی طور پر عرب ہوں یا غیر عرب، اگر کسی ایک خطہ زمین پر جمع یا باہمی اتحاد و تعاون پر متفق و متحد ہی ہو جائیں تو یہ دنیا کی اتنی بڑی اور زبردست طاقت بن سکتے ہیں جس کو ہرگز نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، آپ کے خیال میں وہ کون سا راستہ یا طریقہ کار ہے جس کو اختیار کر کے باہمی اتحاد و تعاون کلی یا

جزئی طور پر حاصل کیا جاسکتا ہے؟

جواب:...... شیخ بنوری نے فرمایا: اسلامی اتحاد وتعاون باہمی کے اتنے فوائد اور عظیم ثمرات ہیں جن سے کسی طرح انکار نہیں کیا جاسکتا باقی اس مقدس آرزو کو پورا کرنے کے لئے میرے خیال میں چند طریقے ہیں۔

① دین اسلام اور اس کی امن وسلامتی کی ضامن تعلیمات کی اشاعت پوری قوت کے ساتھ دنیا کے چپہ چپہ پر کی جائے، خصوصاً جن ممالک کے لوگ اسلامی تعلیمات کے لئے تشنہ اور بے چین ہیں اور صرف تعلیمات کی اشاعت پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اسلامی اخلاقی تربیت اور اسلامی معاشرہ کی تشکیل نیز دینی شعور کو بیدار کرنا اور اسلامی احساسات ورجحانات پیدا کرنا بھی ازبس ضروری ہے۔

② تمام اسلامی ممالک میں یکساں نظام تعلیم رائج کیا جائے اور تربیتی پروگراموں میں بھی یکسانیت پیدا کی جائے۔

③ پھر یہ اسلامی ممالک وسیع تر ملی مفادات کو سامنے رکھ کر آپس میں تجارتی، اقتصادی، سیاسی اور ثقافتی معاہدے کریں۔

ان تدابیر سے بڑھ کر یہ ہے کہ:

تمام اسلامی حکومتوں کے دستور اور رسمی قوانین یکساں ہوں اور وہ اسلامی شریعت اور اسلامی قوانین کی روشنی میں بنائے جائیں۔

باہمی اتحاد وتعاون ہی اسلام کی روح ہے

س:...... اس باہمی اتحاد وتعاون کی طرف مقدس دعوت کے نتیجہ میں امت مسلمہ کے لئے جس عمومی خیر وصلاح کی امید کی جاسکتی ہے اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب:...... باہمی اتحاد وتعاون تو اسلام کی روح اور جوہر اصلی ہے، لہٰذا اسلام تو نام ہی ہے باہمی اتحاد ویگانگت اور امن وسلامتی کی ضمانت کا، قرآن کریم کی بہت سی آیات واحادیث میں اس اتحاد وتعاون کی دعوت صراحۃً موجود ہے اور اسلامی اخوت تو بے شمار آیات واحادیث میں منصوص ومعروف ہے، لہٰذا اس باہمی تعاون ویگانگت سے اعلیٰ وارفع اور کون سا اتحاد وتعاون ہوسکتا ہے جس کی دعوت ہمارا دین حنیف دیتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ ہر مسلمان اس اعلیٰ وارفع شرعی ودینی دعوت پر لبیک کہے گا اور جب اس دعوت کی روح اخلاص ہو اور اس کی اساس آسمانی تعلیمات پر قائم ہو تو اس میں کامیابی یقینی اور اس کے مقدس ثمرات کا حصول قطعی ہے۔

مجمع البحوث قاہرہ کی نفرنس اور اس کی تجاویز

س:...... آپ نے مجمع البحوث قاہرہ کی تیسری کانفرنس میں شرکت فرمائی ہے، مؤتمر مختلف اسلامی

موضوعات پر نہایت اہم اور محکم تجاویز پاس کرنے میں کامیاب ہوئی ہے، کیا ان میں سے کوئی قرارداد وقوع میں آئی ہے اور اس پر عمل ہوا ہے؟ اور کیا مؤتمر میں سید قطب اور ان کے رفقاء کی شہادت کا مسئلہ اٹھایا گیا تھا؟

جواب:...... ہم اس کانفرنس میں شریک ضرور ہوئے ہیں، مقالات پر بحث وتنقید میں حصہ بھی لیا ہے، اپنی رائے کا اظہار بھی کیا ہے، لیکن قراردادیں اکثر وبیشتر ہمارے واپس چلے آنے کے بعد ایک خاص اساسی کمیٹی میں پاس ہوئی ہیں، جو مجمع البحوث کانفرنس کی روشنی میں قراردادیں پاس کرنے کے لئے مقرر ہے اس کا ابھی تک علم نہیں ہوا کہ اس کمیٹی میں کیا قراردادیں پاس ہوئیں اور ان میں سے کون کون سی نافذ ہوئیں، جو قرارداد ہماری موجودگی میں باتفاق آراء پاس ہوئی وہ اسرائیل کے خلاف قرارداد ہے، باقی سید قطب کی شہادت کا مسئلہ وہاں اٹھانا ممکن نہ تھا کیونکہ ان کے سیاسی مصالح کے خلاف تھا۔

دین کے خلاف محاذ جنگ

س:...... میں نے شیخ بنوری سے سوال کیا کہ پاکستان میں ادارۂ تحقیقات اسلامی کیا کام کر رہا ہے اور اس ادارہ کے اغراض ومقاصد کیا ہیں؟

جواب:...... ادارۂ تحقیقات اسلامی جس کے سربراہ ڈاکٹر فضل الرحمن ہیں اس کی تمام کارکردگی اور اغراض ومقاصد کتاب وسنت کی بالکل ضد ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اس ادارہ کا اصلی مقصد اسلام کے نام سے ایک نیا اسلام پیش کرنا ہے۔

مسلمانوں کو اس ادارہ کے اغراض ومقاصد سے آگاہ کرنے کے لئے اس ادارہ کے سربراہ (ڈائرکٹر) کے چند افکار ونظریات پیش کئے جاتے ہیں، جن کا بار بار اور برملا اظہار وہ اپنی تصانیف مقالات اور ماہنامہ فکر ونظر میں کر چکے ہیں، یہ تمام افکار ونظریات اسلامی معتقدات کے بالکل ضد ہیں اور ان سے ٹکراتے ہیں، ان افکار ونظریات نے ایک (خطرناک قسم کا) فکری انتشار پیدا کر دیا ہے، اور نہایت افسوسناک بات یہ ہے کہ اس ادارے کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہے اور وہ وزارت قانون کی نگرانی میں کام کر رہا ہے اور اسلامی حکومت کے خزانہ سے گرانقدر رقمیں اس پر صرف کی جارہی ہیں حالانکہ یہ ادارہ دین اسلام میں برابر رخنہ اندازی میں مصروف ہے۔

ڈاکٹر فضل الرحمن کہتے ہیں:

① قرآن کے منصوص احکام ابدی نہیں بلکہ احکام کی علل وغایات ابدی ہیں اور اس تعلیل (علت آفرینی) کی دو مثالیں پیش کرتے ہیں۔

② شرعی زکوٰۃ کی وہ مقدار جو شریعت نے مقرر کی ہے آج کے زمانہ میں حکومت کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کافی نہیں ہوسکتی، چونکہ زکوٰۃ مالی ٹیکس ہے اس لئے حکومت کو حق حاصل ہے کہ اپنی ضروریات کے

مطابق جس حد تک چاہے زکوٰۃ کی مقدار میں اضافہ کرسکتی ہے۔

③ (قرآن حکیم کا) عورت کی شہادت کو مرد کی شہادت کا نصف قرار دینا اس زمانہ کی بات ہے (کیونکہ اس وقت عورتیں ان پڑھ ہوا کرتی تھیں) لیکن آج کے پڑھے لکھے دور میں ایک مرد کے ساتھ ایک عورت کی شہادت بھی کافی ہے ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کی ضرورت نہیں۔

غرض ڈاکٹر فضل الرحمن نے قرآن کے تمام منصوص (صریح) اور قطعی (یقینی) احکام میں تغیر و تصرف کرنے کی غرض سے یہ (مذکورہ بالا) اصول وضع کر رکھا ہے، چاہے وہ احکام نماز سے متعلق ہوں، چاہے زکوٰۃ سے یا روزہ اور حج سے۔

④ ڈاکٹر فضل الرحمن کہتے ہیں:

"وحی کی وہی بات قابل قبول ہے جو عقل و بصیرت اور تاریخ کے مطابق ہو" حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کی وحی اس سے مبرا اور برتر ہے کہ وہ بصیرت و عقل صحیح (اور تاریخ) کے خلاف ہو۔

⑤ اور کہتے ہیں:

"وحی الٰہی اور نبی دونوں اپنے ماحول کے تاریخی اثرات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے"۔

⑥ اور کہتے ہیں: "قرآن و سنت کے اکثر و بیشتر احکام وقتی اور اس زمانہ کے مخصوص ظروف و حالات کے ساتھ مخصوص تھے"۔

⑦ اور کہتے ہیں: "سنت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اکثر و بیشتر حصہ ان رسم و رواج پر مشتمل ہے جو اسلام سے پہلے عرب میں رائج تھا، پھر فقہاء نے یہودیوں، رومیوں اور پارسیوں کی روایات کا اس میں اور اضافہ کردیا"، گویا ان کے نزدیک سنت (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کا نام نہیں بلکہ) فقہی قوانین کے مجموعہ کا نام ہے جو ان غیر مسلم اقوام اور ان کے قوانین سے ماخوذ ہیں۔

نیز ڈاکٹر فضل الرحمن (۱) نزول مسیح علیہ السلام سے انکار کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے یہ عقیدہ عیسائیوں سے لیا ہے اسی طرح (۲) معراج جسمانی (۳) شفاعت (۴) ظہور مہدی کا بھی انکار کرتے ہیں (اور ان عقائد کو بھی عیسائیت سے ماخوذ بتلاتے ہیں)۔ اسی قسم کے بے شمار بے سروپا [illegible] جانب سے کئے جاتے ہیں، جو اسلام کے قطعی عقائد سے ٹکراتے ہیں۔ اس لئے تمام علماء امت اور مفکرین [illegible] سے ان کی جنگ ہے، یہ ڈاکٹر فضل الرحمن کے ان بہت سے افکار و نظریات کا ایک نمونہ ہے جو اس مختصر سے وقت میں پیش نہیں کئے جاسکتے (مشتے نمونہ از خروارے)

مولانا نے فرمایا:

مدرسہ عربیہ اسلامی کراچی کا ماہنامہ بینات (خاص طور پر) ڈاکٹر فضل الرحمن (اور ان کے قلمی رفقاء)

کے ان افکار ونظریات کو پوری تفصیل سے منظر عام پر لانے اور انتہائی دیانت داری اور انصاف کے ساتھ ان پر جرح وتنقید اور علمی معیار پر تردید کا فرض ادا کر رہا ہے۔

حضرت مولانا نے مزید فرمایا:

میں نے عالم اسلام کے گیارہ علما، کو جن میں شیخ عبداللہ بن حمید بھی شامل ہیں، ڈاکٹر فضل الرحمن موصوف کے ان ملحدانہ افکار وخیالات سے بخوبی آگاہ کردیا ہے۔

رابطہ عالم اسلامی کو کیا کرنا چاہیے؟

س:...... نامہ نگار موصوف کہتے ہیں اس کے بعد میں نے رابطہ عالم اسلامی سے متعلق ایسی تجاویز کے بارے میں سوال کیا جن کے ذریعہ رابطہ اپنا پیغام عالم اسلامی کے وسیع سے وسیع تر دائرہ تک پہنچا سکے اور تمام عالم اسلامی کی ترجمانی کرسکے۔

جواب:...... میرے خیال میں رابطہ کے اہم مقاصد حسب ذیل امور ہونے چاہئیں:

① تمام بلاد اسلامیہ میں حکیمانہ اسلوب سے اسلام کی تبلیغ واشاعت خصوصاً وہ ممالک جن میں اسلام کی دعوت پر لبیک کہنے کی زیادہ امید ہے، جاپان، چین اور جنوبی کوریا جیسے ممالک، آج بہت سے قلوب ایسے دین کے شدید پیاسے ہیں جو ان کے بقاء واستحکام کے ساتھ ہی ساتھ روحانی اطمینان اور قلبی سکون کا باعث بن سکے، یہ عہد حاضر میں اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہے، میں نے اپنی یہ رائے رابطہ اسلامیہ کے الامین العام جنرل سکریٹری سے ملاقات کے وقت بھی پیش کی ہے اور انھوں نے اس رائے سے پورا اتفاق کیا ہے اور وہ اس سلسلہ میں عملی قدم بھی اٹھانے والے ہیں۔

② رابطہ نئی نسل میں اپنی دعوت کو زیادہ سے زیادہ عام کرے اور جو نومسلم ان ممالک میں اسلام قبول کرتے ہیں، انھیں اسلامی ممالک میں بلا کر ان کی دینی تعلیم وتربیت کا خاص طور پر انتظام کیا جائے، تاکہ اسلامی تعلیمات ان کے قلوب میں راسخ ہوجائیں اور وہ اپنے وطن واپس جاکر اسلام اور اس کی تعلیمات کو اپنی وطنی زبان میں زیادہ سے زیادہ پھیلاسکیں۔

[ربیع الاول ۱۳۸۷ھ]

مؤتمر قاہرہ کے مشاہدات وتاثرات

(ادارہ مجمع البحوث الاسلامیۃ کی مختصر روئیداد)

۶/ مارچ ۱۹۶۴ء رات کے ۲/ بجے جاپان ایئر لائنز سے ہمارا یہ سفر شروع ہوا اور ۷/ مئی ۱۹۶۴ء، ۱۱/ بجے صبح پی آئی اے کے ذریعہ ہم واپس کراچی پہنچ گئے، تین ہفتے قاہرہ میں قیام رہا، دو ہفتہ مدینہ منورہ میں، دو ہفتہ

مکہ مکرمہ میں اور ایک ہفتہ عراق و ایران میں اور کل ۱۲ ر گھنٹہ آمد و رفت و پرواز پر صرف ہوئے، اس طرح ۲ ر ماہ ایک دن اور چند گھنٹوں میں وہ طویل سفر طے ہوا جو ادارہ جامعہ ازہر کی دعوت پر شروع ہوا تھا، جامعہ ازہر نے اپنی نشاءت ثانیہ میں ایک ادارہ مجمع البحوث الاسلامیہ کے نام سے قائم کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ جدید تمدن نے جو مسائل پیدا کئے ہیں قرآن وسنت اور فقہاء امت کی مدون کردہ فقہ اسلامی کی روشنی میں ان مسائل کا متفق علیہ حل نکالا جائے۔ مجمع البحوث الاسلامیہ ایک ادارہ ہے (۱) جو چند سالوں سے قائم ہے اور اس کے لئے مصر اور سوڈان اور مغربی افریقہ کے بعض عربی ممالک سے ممتاز اہل علم کا انتخاب کیا گیا ہے، چند حضرات کے نام حسب ذیل ہیں:

① فضلیۃ الشیخ الجلیل فرج اللہ سنہوری
② فضلیۃ الشیخ محمد ابوزہرہ
③ فضلیۃ الشیخ محمود عبدالحلیم
④ فضلیۃ الشیخ علی نورالحسن
⑤ الشیخ الدکتور عبداللہ العربی
⑥ الشیخ الدکتور مہدی العلام۔

اس ادارے کے ڈائرکٹر جنرل ڈاکٹر محمود حب اللہ ہیں جو قدیم وجدید علوم کے ایک محقق ماہر ہیں اور نہایت سنجیدہ و باوقار شخصیت کے حامل ہیں یہ حضرات اس ادارے کے مستقل اعضاء اور ارکان ہیں۔

جامعہ ازہر کے ارباب اقتدار نے چاہا کہ اس اکیڈمی کی طرف سے اسلامی ملکوں کی ایک کانفرنس بلائی جائے جن کے مقاصد حسب ذیل ہوں:

الف...... ان موضوعات ومقالات پر علمی تبادلۂ خیال ہو جو اب تک لکھے جاچکے ہیں۔

ب...... جو مسائل زیر بحث نہیں آئے ان کو متعین کیا جائے کہ کن کن موضوعات پر لکھنے کی ضرورت ہے۔

ج...... اس تبادلہ افکار و بحث وتمحیص سے ان لائینوں کو واضح طور پر متعین کیا جائے جن پر آگے چل کر کام کرنا ہے۔

د...... کتاب وسنت، اجماع، قیاس کی عام چار شاہرا ہیں جو امت کے سامنے آگئی ہیں اور انہی

---

(۱) ہمارے ملک میں بھی اس وقت تین ادارے اس مقصد کے پیش نظر موجود ہیں: (۱) ادارۂ تحقیقات اسلامی کراچی (۲) ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور (۳) مشاورتی کونسل۔ پہلا ادارہ اور مؤخر الذکر سرکاری ادارے ہیں جن پر حکومت پاکستان کا لاکھوں روپیہ خرچ کیا جارہا ہے، مقصد بھی تقریباً مشترک ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ قاہرہ کے مجمع بحوث میں قدیم وجدید ماہرین کا جس طرح حسین امتزاج ہوا ہے ہمارے ادارے اس سے محروم ہیں بلکہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض حضرات تو ان اداروں میں ایسے نامزد کئے گئے ہیں جن کو ان مقاصد سے دور کا بھی تعلق نہیں اور ان میں کسی قسم کی اہلیت بھی اس خدمت کے لئے نہیں ہے اور بعض ایسے حضرات ہیں کہ جن سے قیامت تک یہ توقع پوری ہونے کا امکان نہیں، بلکہ اندیشہ ہے کہ ان کے پیش کردہ اسلام کی جدید تعبیر وتصویر اسلامی حقائق کو ایسا مسخ کردے گی کہ آئندہ نسل اسلام کے صحیح خدوخال پہچاننے سے بھی عاجز رہے گی، چنانچہ اس وقت تک ان کے جو نتائج ہمارے سامنے آئے ہیں، ان سے یہ اندیشہ مزید قوت پکڑتا جارہا ہے کاش ہماری حکومت بھی اس ادارے کے لئے ایسے افراد وارکان نامزد کرتی جو اس عظیم مقصد کی تکمیل کے لئے موزوں ترین ہوتے اور قوم وملت کو ان کی شخصیتوں پر واقعۃً پورا اعتماد ہوتا۔ (بنوری)

[illegible]وں سے چار مذاہب وجود میں آئے ہیں، کیا اس کا امکان بھی ہے کہ جدید مسائل حل کرنے میں چار مذہبوں میں ایک خاص مذہب فقہی کی پابندی نہ ہو بلکہ جس مذہب میں گنجائش زیادہ نکلے اس کو اختیار کیا جائے۔

ھ...... نیز ان فقہی مسائل کے حل کرنے کے علاوہ اس پر غور کیا جائے کہ اسلامی دعوت رشد و ہدایت جو [illegible]ت سے تمام عالم میں پھیل گئی تھی اس کے کیا اسباب وعوامل تھے۔ ان عوامل واسباب کی روشنی میں دوبارہ دعوت حق کے نشر واشاعت کی کیا کیا تدبیر اختیار کی جائیں۔ الغرض جو مقالات پڑھے گئے اور وہ ارکان پہلے سے تیار کر [illegible] تھے ان سب میں یہی روح جلوہ گر تھی، چنانچہ اس کانفرنس کے لئے تمام بلاد اسلامیہ اور غیر اسلامیہ کے ممالک [illegible] کو دعوت دی گئی تھی، ابتدائی مرحلے میں کانفرنس کے مندوبین ۳۸ر ممالک سے پہنچ گئے، بعد میں ۴۲ر اور پھر پچاس تک تعداد پہنچ گئی، ان میں لندن، یوگوسلاویہ، ہنگری، چین، جاپان، روس کے بھی اسلامی [illegible] شریک تھے، لیبیا، تونس، الجزائر، سوڈان، عراق، لبنان، ترکی، موریتانیا (مغربی افریقہ) کویت، بحرین، [illegible] نائیجیریا، [illegible]غال، کینیا، پاکستان، افغانستان، بھارت، جاوا، ملایا، فلپائن وغیرہ وغیرہ سب ہی دنیا کے تھے لیکن تعجب ہوا کہ سیریا (شام)، حجاز، ایران ان تین اسلامی ملکوں کے نمائندے شامل نہ تھے۔

ان مندوبین کی تعداد ابتداءً ستر تھی بعد میں سو سے متجاوز ہوگئی تھی۔ ان سب نمائندوں کو قاہرہ کے دو ممتاز ہوٹلوں ''فندق اطلس'' اور ''کورینتیل ہوٹل'' میں ٹھہرایا گیا تھا۔ ان سب نمائندوں کو ہوائی جہاز کے فرسٹ کلاس [illegible]ٹ مصری سفارت خانوں کے ذریعے بھیجے گئے تھے۔ ایئر پورٹ پر استقبال کے لئے علماء وغیرہ موجود ہوتے تھے۔ ۶ر مارچ ۶۴ء کانفرنس کا آغاز ہوا، لیکن کانفرنس کی کارروائی ۷ر مارچ سے شروع ہوئی ۶ر مارچ کو صرف جامع ازہر میں نماز جمعہ کا پروگرام تھا، ایئر کنڈیشن حسین وجمیل بسوں اور کاروں کے ذریعہ وفود کو جامع ازہر کی تاریخی قدیم ترین جامع مسجد میں پہنچایا گیا۔

قاہرہ میں تین مساجد تاریخی اور قدیم ترین ہیں، پہلی مسجد جامع عمرو بن العاص، جو مصر قدیمہ فسطاط میں [illegible] اور اس میں حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر کے صاحبزادے عبداللہ بن عمروؓ کا مزار مبارک بھی ہے، [illegible] عبداللہ بن عمروؓ صحابہ میں وہ ممتاز بزرگ ہیں جنہوں نے عہد نبوت ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی [illegible] احادیث نبویہ جو خود براہ راست سنتے تھے کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا جس کا نام ''الصادقۃ'' تھا۔ (۱)

دوسری مسجد جامع ابن طولون ہے جو حرم مکی کے نمونے پر تیار کی گئی تھی اور وسط جامع میں وضوخانہ تھا جیسے [illegible] مسجد حرام میں ہے۔

تیسری مسجد جامع ازہر ہے جو چوتھی صدی میں فاطمیین کے دور میں بنائی گئی تھی۔ اسی جامع ازہر نے

---

(۱) جن کی تفصیل ابن سعد اور حافظ ابو عمر ابن عبدالبر اندلسی کی کتاب ''جامع بیان العلم'' اور ''مسند دارمی'' میں ہے، اور اس مبارک مجموعہ میں صحیح بخاری کی احادیث سے زیادہ مجموعہ موجود تھا۔ (بنوری)

جامعہ ازہر کی صورت اختیار کی اور دنیاء اسلام کے ہزاروں ممتاز علماء یہاں سے نکلے اور اسلام کی علمی تاریخی دنیا اس کے ساتھ وابستہ ہے۔ جامع ازہر کے دائیں بائیں طلبہ کے لئے دارالاقامہ بنایا گیا ہے جو ''رواقات'' کے نام سے مشہور ہے، ہر ملک کے طلبہ کے لئے علیحدہ علیحدہ ''رواقات'' ہیں۔ رواق الافغان، رواق الشوام، رواق الجبرت وغیرہ وغیرہ۔ اب ازہر کے جدید نظام میں یہ طلبہ مستقل ایک بستی میں جو مدینۃ البعوث کے نام سے بنائی گئی اس میں رہتے ہیں، اس مدینۃ البعوث میں اس وقت ۶۰/ ملکوں کے تین ہزار طلبہ قیام پذیر ہیں، جن کو ۱۲/ پونڈ مصری وظیفہ دیا جاتا ہے اور ۵/ پونڈ ان سے ناشتہ کھانا چارپائی بستر وغیرہ کے عوض وصول کیا جاتا ہے، یہ وفود جامع ازہر پہنچے، جامع ازہر کے دروازے پر دوطرفہ سیاہ وردی میں زرق برق پولیس انتظام اور استقبال کے لئے کھڑی تھی، راستہ کو قالینوں سے سجایا گیا تھا، صف اول میں مہمانوں کے لئے نشست مخصوص تھی، قاہرہ میں عام مسجدوں میں سب قالینوں کا فرش ہوتا ہے اور ان مساجد کا انتظام وتولیت وزارت اوقاف کی طرف سے ہوتی ہے اور یوں تو تمام مساجد میں بجائے بوریا یا شطرنجی کے قالین ہی بچھائے جاتے ہیں لیکن ذرا اہتمام کر کے نئے نئے قالین بھی بچھائے گئے تھے، حسب معمول وزارت اوقاف کی طرف سے ہر جامع مسجد میں نماز جمعہ سے قبل نصف گھنٹہ قرآن کریم کی تلاوت کرنے کے لئے بہترین خوش الحان قاری مقرر ہوتے ہیں، چنانچہ جب ہم پہنچے تو یہاں بھی ایک قاری نہایت مؤثر اور درد انگیز لہجہ میں تلاوت فرما رہے تھے، اذان ہوئی، سنتیں ہوئیں، ایک نوجوان ازہری عالم خطیب تھے۔ انہوں نے عمدہ خطبہ دیا، اجتہاد وتقلید کے موضوع پر یہ خطبہ تھا جو بظاہر اس موقع کے مناسب سوچ کر دیا گیا تھا (ہمارے نقطۂ خیال سے اس خطبہ میں گرفت کے مقامات بھی تھے) نماز سے فراغت کے بعد وفود ومندوبین میں تعارف کے لئے ایک ہال میں اجتماع ہوا جو جامع ازہر کے ایک گوشے میں تھا اور پرتکلف کرسیوں اور بہترین قالینوں سے آراستہ تھا، قہوہ مصری سے تواضع کی گئی اور سلام ومصافحہ اور سرسری ملاقات کے بعد اپنی اپنی موٹروں میں اپنے ہوٹلوں میں پہنچا دیئے گئے، وہاں اگلے روز یعنی ۷/ مارچ کا پروگرام بھی بتلایا گیا کہ کل مجمع البحوث الاسلامیہ کی مؤتمر کا افتتاح ہوگا اور ۹/ بجے جانا ہوگا۔

کانفرنس کا محلِ انعقاد

قاہرہ ویسے بھی خوبصورت شہر چلا آرہا ہے اور اس وقت تو ۴۵/ لاکھ کی آبادی کا مرکز قدیم وجدید تمدن کا خوبصورت ترین صاف ستھرا شہر بن گیا ہے، خصوصاً شہر کا وہ حصہ جو دریائے نیل کے کناروں میلوں تک چلا جاتا ہے وہ تو لاجواب ہے، قاہرہ کے اس علاقہ میں قدیم اشیاء کا ''متحف'' یعنی میوزیم یا عجائب گھر ہے، جس میں فراعنۂ مصر کے تاریخی آثار ہیں اور فراعنہ کی محفوظ کی ہوئی لاشیں ہیں۔ اس مقام میں جامع الدول العربیۃ کی عظیم الشان عمارت ہے جہاں چندروز پیشتر مؤتمر القمہ کے نام سے ملوکِ بلاد عرب کی کانفرنس ہوئی تھی جس میں ۱۳/ ممالک

عربیہ کے سربراہ شریک ہوئے تھے۔ اسی مقام پر قاہرہ کا سب سے عظیم الشان خوبصورت ترین بلٹن ہوٹل ہے اور اسی مقام پر میدان التحریر آزادی کی یادگار ہے اور اسی مقام پر پندرہ منزلہ عظیم الشان سرکاری عمارت بناء المجمع کے نام سے ہے جو سیکرٹریٹ ہے جس کی ہر منزل میں تقریباً ایک سو بیس کمرے ہیں، یہاں سب سرکاری دفاتر ہیں۔ اسی مقام پر ایک اور خوبصورت عمارت ہے جو صرف تین چار منزلہ ہے، چاروں طرف باغیچے وچمن وسبزہ ہیں، سامنے پرشکوہ دریائے نیل ہے، دوطرفہ پارکوں اور درختوں اور پھولوں سے آراستہ ہے۔ قدرت کی فیاضی کے ساتھ جدید فن دست کاری کے کمال نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا ہے۔ اس عمارت کے سامنے پھولوں اور سبزے کے روشوں کے ساتھ ایک وسیع ترین احاطہ ہے جہاں کاریں کھڑی کی جاسکتی ہیں، اس عمارت کا نام بناء المحافظہ ہے، اس عمارت میں مجمع البحوث الاسلامیہ کی المؤتمر الاول (پہلی کانفرنس) کے انعقاد کا انتظام تھا۔ علی الصباح ۹ بجے پہلے سارے وفود کو قصر القبہ کے نام سے جو گورنمنٹ ہاؤس ہے وہاں پہنچا دیا گیا اور وہاں دفتر میں سب نے ایک رجسٹر پر دستخط کئے، جو غالباً رئیس جمال عبد الناصر کے سامنے پیش کرنے کے لئے ہوں گے، جن حضرات نے چاہا ان کے گروپ فوٹو لئے گئے، یہاں سے بناء المحافظہ پہنچ گئے۔ مؤتمر کا افتتاح بناء المحافظہ کے زیر زمین ہال میں کیا گیا تھا، جس میں ریکارڈنگ اور فلم سازی کے سارے آلات موجود تھے۔ صدر مقام میں چند کرسیاں تھیں جو جمال عبد الناصر کے نائب السید حسین محمود شافعی، دوسرے پر وکیل الازہر ڈاکٹر عبد اللہ ماضی، ڈاکٹر محمد البھی وزیر الاوقاف وشؤن الازہر ڈاکٹر محمود حب اللہ مجمع البحوث کے ناظم اعلیٰ کے لئے تھیں، ایک کرسی الشیخ خلیل محمود الحصری کے لئے تھی جو قاہرہ کے سب سے بڑے قاری ہیں اور سرکاری رسمی احتفالات واجتماعات میں ہر جگہ انہی کو دعوت دی جاتی ہے۔ گیارہ بجے السید حسین محمود شافعی جمال عبد الناصر کے نائب کی حیثیت میں افتتاح کے لئے پہنچ گئے، ان کے چہرے سے شرافت، متانت، سنجیدگی، شجاعت ٹپک رہی تھی، قاری خلیل حصری نے قرآن کریم سے موقع کے مناسب آیات کا انتخاب کرکے تلاوت شروع فرمائی۔ قرآن کریم کا اثر پھر موقع کے مناسب آیات کا انتخاب بہترین لب ولہجہ ان سب مؤثرات نے مل کر مجمع پر ایک عجیب کیفیت اور رقت طاری کردی۔ قرأت کے بعد نائب الرئیس (وائس پریزیڈنٹ) نے مختصر مگر نہایت جامع ومؤثر تقریر فرمائی جس میں وفود ممالک اسلامیہ اور مندوبین کا خیر مقدم کیا گیا۔ ان کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا گیا اور اسلام کی جامعیت، ازہر کی خدمات، جدید ازہر کے عزائم پر روشنی ڈالی گئی اور استعماریت نے جو نقصان اسلام کو پہنچایا ہے اس کا ذکر کیا گیا تھا۔ حمد وثناء سے تقریر شروع کی تھی اور انداز تقریر خطیبانہ تھا۔ اس کے بعد ڈاکٹر محمد البھی وزیر الاوقاف وشؤن الازہر پھر ڈاکٹر عبد اللہ ماضی نے تقریریں کیں۔ سب نے اسلام کی جامعیت اور ازہر جدید کے عزائم اور مجمع البحوث الاسلامیہ کی امت اور جدید مسائل حل کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ پھر الشیخ الحاج ابراہیم بناس سنیغال اور نائیجیریا کے شیخ الاسلام اور مغربی افریقہ کے ممتاز دینی وعلمی رہنما اور سلسلہ صوفیہ تیجانیہ کے شیخ ومرشد نے تمام وفود اور مندوبین

کی طرف سے بحیثیت وکیل حکومت مصر اوران حضرات کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے اس عظیم ترین مقصد کے لئے مجمع البحوث کے مؤتمر کا اجلاس بلایا تھا۔ ممدوح نے اتحاد اسلامی پر زور دیا اوروحی آسمانی کی رہنمائی کی اہمیت وعظمت بیان کی اورنہایت سادہ لہجہ میں عمدہ اورمختصر تقریر فرمائی، پھر ڈاکٹر محمود حب اللہ کی تقریر اور شیخ خلیل محمود حصری کی تلاوت قرآن پر یہ کارروائی ختم ہوئی، اس کے بعد اوپر کی منزل کے ہال میں نائب الرئیس حسین شافعی نے وفود سے ملاقات ومصافحہ کا موقعہ فراہم کیا تھا جس کے بعد مؤتمر کا صبح کا اجلاس ختم ہوگیا، سب تقریروں میں مقصد کی اہمیت اور وقت کی نزاکت اور علماء ونمائندگان بلاد اسلامیہ کی تہنیت وخیر مقدم کی روح جلوہ گر تھی، اب مؤتمر کا نظام یہ مقرر ہوا کہ شام کو ۵ ر سے ساڑھے سات بجے تک اور صبح کو ۱۰ ر سے ایک بجے تک اجلاس ہوا کریں گے۔

۷ ر مارچ ۱۹۶۴ء کو شام ۵ ر بجے سے مؤتمر کا باقاعدہ اجلاس شروع ہوا، ''مبنی المحافظۃ'' کی شاندار عمارت کی پہلی منزل کے ایک ہال میں جونہایت خوبصورت تھا پورا ہال ائیر کنڈیشن تھا تین طرف نشستیں ترتیب دی گئی تھیں۔ سامعین کے لئے ایک طرف مستقل نشستوں کا بھی انتظام تھا۔ ہر شخص کی کرسی کے سامنے میز پر ایک خوبصورت پلاسٹک کا مائیکروفون بھی ہوتا تھا اس کے نیچے میز پر ہیڈ فون اور شیشے کے نیچے ایک ورق لگا یا گیا تھا۔ سامنے ایک چھوٹی مشین تھی اس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی کہ آپ عربی، فرانسیسی، انگریزی جس زبان میں چاہیں اس کی سوئی گھما کر لگا دیجئے۔ اسی ہال کے ایک حصہ میں ترجمہ کرنے والوں کے لئے تین کیبن تھیں جیسا آج کل یو، این، او کے اسمبلی ہال میں انتظام ہوتا ہے اور گو ہمارے پاکستان کی اسمبلی میں بھی اسی طرح کا انتظام ہے لیکن یہاں ترجمہ کا انتظام خاطر خواہ نہیں، جس انداز سے یہاں ترجمہ ہوتا تھا یہ محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ ترجمہ ہورہا ہے بلکہ یہ محسوس ہوتا تھا کہ اسی زبان میں مقرر بول رہا ہے اور پھر علمی اصطلاحات اور علمی تحقیقات کا اس سرعت وفصاحت سے ترجمہ کرنا حیرت انگیز تھا۔ الغرض اس انداز سے اس کا نظم ونسق تھا۔ مختلف موضوعات پر مجمع البحوث کے ارکان کے وہ مقالات تھے جو وہ لکھ کر اپنے ساتھ لائے تھے جس روز مقالہ پڑھا جاتا تھا اگلے روز چھاپ کر تقسیم کردیا جاتا تھا۔ مؤتمر کے مندوبین کو ان مقالات پر مناقشہ ومباحثہ کا حق ہوتا تھا۔ نیز صدر کی طرف سے کوئی جدید مقالہ جدید موضوع پر لکھے یا ان موضوعات پر لکھے' اجازت ہوتی تھی۔ حسب ذیل موضوعات پر مقالات تھے:

① اسلامی دعوت کے جلد پھیلنے کے کیا اسباب وعوامل تھے؟

② اجتہاد کے مختلف ادوار کا جائزہ۔

③ مختلف اسلامی فقہی مذاہب سے مسائل منتخب کرنا، اس کا عنوان تھا "التلفیق بین المذاهب"۔

④ ملکیت زمین کا مسئلہ اسلام میں (لیکن اس موضوع پر کسی نے مقالہ نہیں پڑھا)۔

ان کے علاوہ چند اور موضوعات بھی تھے خیال ہے کہ آئندہ بینات کی کسی اشاعت میں ان مباحث کا خلاصہ پیش کیا جائے۔ راقم الحروف نے بھی اجتہاد پر ایک مختصر مقالہ وہیں مرتب کیا جو فل اسکیپ سائز کے ۶ ر

[illegible] تقسیم کیا گیا، نیز اجتہاد کے سابق مقالات پر بحث میں حصہ لیا اور تنقید کی اور اپنے مقالہ میں التلفیق بین المذاہب پر ہلکی روشنی ڈالی اور مقالہ نگار کی رائے سے اختلاف کیا۔ ہمارے رفقاء میں سے مولانا مفتی محمود صاحب اور مولانا غلام غوث صاحب نے بعض موضوعات پر مقالات پیش کئے۔

مجمع البحوث الاسلامیہ اور اس کی پہلی کانفرنس کے بارے میں تاثرات

اس مؤتمر کا سب سے عظیم الشان فائدہ یہ ہوا کہ حکومت جمہوریہ متحدہ جو عربی ممالک کے اتحاد کے لئے جد وجہد کر رہی تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا عربی اتحاد کی جگہ اسلامی اتحاد آرہا ہے اور ایسا محسوس ہوا کہ جمال عبدالناصر کو وحدۃ العروبہ میں ناکامی ہونے کے بعد اب ان کی توجہ اسلامی اتحاد کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اگرچہ وہاں کے سربرآوردہ حضرات بھی کہا کرتے تھے کہ عربی اتحاد سے ہماری غرض یہ ہے کہ اتحاد اسلام کی یہ پہلی کڑی ہے۔ بہر حال اس جہت سے اس کانفرنس سے یہ سیاسی فائدہ بھی اٹھایا گیا کہ اسلامی اخوت اور عالمگیر اسلامی رشتہ مودت کی طرف قدم اٹھانا چاہیے اور اسی وجہ سے مشرقی افریقہ کے جدید آزاد شدہ ممالک کی طرف کافی توجہ تھی اور اسی وجہ سے بار بار مختلف جہات سے یہ کوشش ہوتی رہی کہ سب مندوبین اسلامی عالمگیر اخوت کے رشتہ کی اہمیت زیادہ محسوس کریں اور یہ گویا سمجھایا جا رہا تھا کہ جمہوریہ متحدہ عربیہ کے پیش نظر اسلامی اخوت کا رشتہ مضبوط ہے۔ اسی مؤتمر میں اخبارات میں شائع ہونے سے قبل سب وفود کو یہ خبر سنائی گئی کہ ہمارا دستور تیار ہو گیا اور اس میں یہ بات طے ہو گئی کہ حکومت جمہوریہ عربیہ متحدہ کا مذہب اسلام ہوگا اور سرکاری زبان عربی ہوگی۔ اس مؤتمر میں پہلے صدر مؤتمر [illegible] اللہ ہاشمی نے شاندار الفاظ میں یہ اعلان کیا کہ حکومت نے مصحف مرتل کے لئے ایک خاص اسٹیشن کھولا ہے جس کے میٹر کا نمبر یہ ہوگا۔ اس پر صرف قرآن کریم روزانہ چودہ گھنٹہ نشر کیا جائے گا۔ مصری وقت کے مطابق صبح ۶ ر سے ۱۰ ر تک اور ۱ ر سے ۱۱ ر تک، ہمارے یہاں ۱۰ ر سے ایک تک اور ۴ ر سے ۲ ر بجے رات تک۔

صدر جمال عبدالناصر نے وفود سے جب ملاقات کی تو سب سے مصافحہ اور مزاج پرسی کے بعد کہا:

''حضرات! میری خوش قسمتی ہے کہ میں آج آپ حضرات کی زیارت کر رہا ہوں۔ ہم سب اسلامی اخوت کے رشتہ میں منسلک تھے۔ استعماری طاقت نے اپنے سیاسی اغراض کے لئے جدا کر دیا اور استعماری سیاست نے دنیا کو تباہ کر دیا (یہ جملہ دو مرتبہ دہرایا اور اس پر زور دیا) میں اس وقت مشغول ہوں، رخصت چاہتا ہوں، خدا حافظ۔ عربی تقریر کا پہلا جملہ یہ تھا:

''ایہا السادۃ! انی لسعید برؤیتکم'' اور آخری جملہ تھا ''سیروا علی برکۃ اللہ''۔ اور اسی وجہ سے حدود فلسطین میں سلح کی حد بندی پر جہاں یو، این، او کا حفاظتی دستہ بھی موجود ہے، سب وفود کو چار سو کیلو [illegible] طے کرا کر لے گئے اور یہ تجویز پاس کرائی کہ فلسطین کا قضیہ تمام عالم اسلامی کا مشترکہ قضیہ ہے، یہ تنہا

عربی ممالک کا قضیہ نہیں اس لئے ہم تمام نمائندگان ممالک اسلامیہ اور مسلمانان عالم متفقہ احتجاج کرتے ہیں کہ فلسطین میں مہاجرین کو جلد از جلد آباد کیا جائے اور سب مندوبین سے اس قرارداد کی تائید کے لئے کہا گیا۔ دوسرا نمبر راقم الحروف کا آیا حسب ذیل عربی الفاظ میں قرارداد کی تائید کی:

> "ایها السادة وفود البلاد الاسلامیة وعلماء المسلیمن! لا شك فی ان المؤمنین اخوة علی تواصی بلادهم واقطارهم وهم كما قال سیدنا الرسول صلی الله علیه وسلم :"المؤمنون فی تراحمهم وتوادوهم و تعاطفهم كجسد واحد اذا اشتكی عضو تداعی له سائر الجسد بالسهر والحمی"(١) ولا ریب ان قضیة فلسطین قضیة اسلامیة عالمیة لیست قضیة عربیة فقط، فمن واجبنا ان نقوم للدفاع عنها متكافئین فی سبیلها وحل مشاكلها. وایها السادة! ان قضیة فلسطین وقضیة كشمیر متماثلتان متجانستان، فاربعة ملایین من المسلمین تئن تحت سیطرة حكومة غاشمة ظالمة مستبدة ، تحكم علیهم بكل قسوة وجفوة لیست فیها أیة رحمة وعاطفة فالرجاء ان نتحد لها كذلك.

ترجمہ: حضرات! ممالک اسلامیہ کے نمائندو! بلاشبہ مسلمان کہیں کے بھی باشندہ ہوں ان میں اسلامی اخوت کا رشتہ موجود ہے اور حضرت رسالت پناہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ساری دنیا کے مسلمان اپنی ہمدردی وتعلق ومحبت میں ان کی مثال ایک بدن کی ہے، بدن کے کسی حصہ میں اگر کوئی شکایت ہے تو سارا بدن بخار وبے خوابی میں مبتلا رہتا ہے، بلاشبہ فلسطین کا قضیہ تمام عالم اسلامی کا مسئلہ ہے تنہا عربی ممالک کا نہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے ہم سب متحد ہوکر سوچیں۔

حضرات! جس طرح فلسطین کا مسئلہ تمام عالم اسلامی کا مسئلہ ہے، ٹھیک اسی طرح کشمیر کا قضیہ بھی تمام عالم اسلامی کا مسئلہ ہے، چالیس لاکھ مسلمان کشمیر میں ایک ظالم بے رحم حکومت کے پنجۂ استبداد کے نیچے کراہ رہے ہیں، تو ہمیں اس کے لئے بھی متحد ہونے کی ضرورت ہے۔(۲)

---

(١) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم ج: ۲ ص: ۸۸۹، ط: قدیمی.

صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والادب، باب تراحم المؤمنین وتعاطفهم وتعاضدهم ج: ۲ ص: ۳۲۱، ط: قدیمی

(۲) عالم اسلام کے نمائندہ وفود کے اجتماع میں قاہرہ جیسے مرکزی مقام پر مسئلہ کشمیر کی یہ ایسی مؤثر ترجمانی ہوگئی ہے کہ اس پر ہماری حکومت کو حضرت علامہ بنوری کا ممنون ہونا چاہیے، خصوصاً حضرت ممدوح نے مسئلہ کشمیر کو مسئلہ فلسطین کا ہم پلہ قرار دے کر اتنا وزن بڑھا دیا کہ اس سے زائد کا تصور کوئی سیاسی مدبر بھی نہیں کرسکتا۔ (غ، م)

الغرض یہ محسوس ہوا کہ اب عرب دنیا بھی اپنے مسائل ومشکلات کے حل کرنے میں عالم اسلامی کے تعاون سے بے نیاز نہیں ہوسکتی اور خدا کا شکر ہے کہ ان کو بھی اس کا احساس ہو چلا ہے۔

[محرم الحرام ۱۳۸۴ھ/جون ۱۹۶۴ء]

مجمع البحوث الاسلامیۃ قاہرہ کی دوسری کانفرنس

مؤتمر رابطہ اسلامیہ منعقدہ مکہ مکرمہ کے بعد قاہرہ مئی ۱۹۶۵ء میں مجمع البحوث الاسلامیہ کی دوسری مؤتمر منعقد ہوئی، ۱۳/مئی سے ۲۳/مئی تک کانفرنس جاری رہی، حسب معمول سابق پاکستان سے چار مندوبین کو دعوت دی گئی: ① راقم الحروف ② مولانا مفتی محمود ③ مولانا غلام غوث ہزاروی ④ مولانا تاج الاسلام (مشرقی پاکستان)، میں مکہ مکرمہ میں تھا، دعوت نامہ یہاں سے ہوکر وہاں پہنچا، سفارت خانہ جمہوریہ عربیہ متحدہ مقیم سعودیہ عربیہ نے جدہ سے براہ راست قاہرہ روانگی کے لئے آمادگی کا اظہار بلکہ اصرار کیا لیکن میرے ساتھ خاندان کا ایک مختصر سا قافلہ تھا اس لئے میں نے براہ راست قاہرہ کے سفر سے معذرت کی، کراچی ۱۷/مئی کو مراجعت ہوئی، پھر یہ خیال ہوا کہ تین چار دن کی شرکت ہی سہی قاہرہ چلا جاؤں اس لئے کہ خالص علمی مباحث، جدید مسائل پر محققانہ تبادلہ خیال اور علمی مناقشات میری دل چسپی کے موضوعات تھے، لیکن سفارت خانہ جمہوریہ عربیہ متحدہ مقیم کراچی سے معلوم ہوا کہ پاکستان کی وزارت خارجہ کے کارکنوں نے میری غیر موجودگی کو غنیمت سمجھا اور جمہوریہ عربیہ متحدہ کے سفارت خانے سے سفارش کی کہ ان کے خصوصی نمائندے سے میری جگہ کی خانہ پری کردی جائے، بہر حال میں قاہرہ کا یہ سفر نہ کرسکا۔

غیرت اسلام اور پاکستان

مؤتمر مجمع البحوث الاسلامیہ میں اس سال جو مقالات پڑھے گئے ان میں اسلامی مالیاتی نظام اور بینکاری وبیمہ صرف دو ہی مسئلے زیر بحث تھے اور جو مقالہ پڑھے گئے ان میں تین مقالے سب سے زیادہ اہم تھے۔

① ایک زکاۃ وصدقات پر شیخ ابوزہرہ کا نہایت محققانہ اور مبسوط علمی مقالہ۔

② دوسرا بینکاری اور اسلام پر ڈاکٹر عبداللہ العربی رکن مجمع البحوث کا نہایت جامع اور مدلل مقالہ۔

③ تیسرا مقالہ اسلام کے نظام مالیات پر شیخ رفیق القصد کا تھا۔

مؤخر الذکر مقالے میں بینک کے تجارتی سود کے جواز پر زور دیا گیا تھا جس پر پورے ہال میں شور مچ گیا اور ڈاکٹر عبدالحلیم محمود پرنسپل شعبہ اسلامیات ازہر نے شدید مؤاخذہ اور احتجاج کیا اور اس مقالہ کو نصوص قطعیہ قرآنیہ اور اجماع امت کے خلاف قرار دے کر مطالبہ کیا کہ اس مقالہ کو مجمع البحوث کے مقالات بلکہ مؤتمر کی کارروائی اور روداد سے نکال دیا جائے اور مقالہ نگار کو اس خیال اور عقیدہ سے توبہ کا اعلان کرنا چاہیے۔

غنیمت ہے کہ اس دور الحاد و زندقہ میں اور ایک ایسی سرزمین اور ملک میں جس کو ’’حریت رائے‘‘ کے لئے ضرب المثل سمجھا جاتا ہے اتنی حرارت ایمانی اور ایسی غیرت دینی کا مظاہرہ! عبرت کا مقام ہے کہ ہمارے اس اسلامی ملک اور پاک سرزمین میں جس کے بسنے والوں کے قلوب میں مذہبی حمیت دینی تصلب اور شعائر اسلامی کا احترام و تعظیم تمام ممالک اسلامیہ اور بلا دعربیہ سے زیادہ موجزن ہے اور ایسی اسلامی مملکت میں جو دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت ہے اور اس کے ایسے نیم سرکاری ادارہ کی طرف سے جس پر حکومت کا لاکھوں روپیہ خرچ ہو رہا ہے تجارتی سود کے جواز پر اردو عربی اور انگریزی زبانوں میں مستقل مقالے شائع ہوں اور نصوص قطعیہ قرآنیہ (قرآن کی قطعی اور صریح آیات) میں تاویلیں اور تحریفیں کی جائیں اور اعلانیہ کہا جائے کہ:

قرآن کی صرف علل و غایات ابدی اور قطعی ہیں نصوص قرآن (قرآن کے صریح الفاظ) میں بدلے ہوئے حالات و ظروف کے تحت تصرف کیا جا سکتا ہے۔

اور ہمارے تمام ارباب دین، ارباب فکر و نظر، ارباب قلم، ارباب مدارس عربیہ و مراکز دینیہ اور مدعی اسلام حکمران غرض راعی سے لے کر رعایا تک سب ہی خاموش ہیں، فانا لله وانا اليه راجعون۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

اگر ہماری غفلت و بے خبری، بے اعتنائی و بے توجہی کا یہی عالم رہا تو نہ معلوم یہ سیلاب کہاں جا کر رکے گا؟ بینات کے صفحات میں بار بار ہر طبقہ فکر کو توجہ دلائی گئی اور حسب مقدور بہت کچھ لکھا بھی:

ولكن لا حياة لمن تنادى

کچھ محسوس ایسا ہوتا ہے کہ ارباب اقتدار علماء دین کی بے حسی بے خبری اور بے دست و پائی سے اور عام تعلیم یافتہ طبقہ کی ٹھوس دینی معلومات سے بے بصیرتی اور ناواقفیت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر بالارادہ اس ملک میں یہ کام منظم طریق پر کر رہے ہیں جس کے نتیجہ میں یہ دردناک وقت آ گیا ہے کہ پاکستان بھی ان اسلامی ملکوں کی صف میں شامل ہو گیا جہاں مذہبی غیرت اور دینی حمیت کا کوئی مظاہرہ نہیں ہوتا یا نہیں ہو سکتا۔

گذشتہ اسمبلی کے اجلاس میں باتفاق آراء پاکستان کے دستور کی بنیاد کتاب و سنت پر رکھی گئی ہے، ظاہر ہے کہ جدید تمدن اور یورپین تہذیب نے جس کی بنیاد ہی بے لگام نفس پرستی اور فحاشی پر رکھی گئی ہے، ملک میں سرمایہ کاری، سودخوری، قماربازی، شراب نوشی، زناکاری وغیرہ اخلاقی اور معاشرتی بدکاریوں کے جو جراثیم (۱) قوم کے اعلیٰ اور متوسط طبقہ میں پیدا کر دیئے ہیں اور شب و روز ان کے منہ پرے اعلیٰ سوسائٹیوں، ہوٹلوں، رقص گاہوں اور

---

(۱) عصر حاضر کے تجدد پرست ’’مجتہدین‘‘ کے طبقہ کی مراد ’’بدلے ہوئے حالات و ظروف‘‘ سے یہی جدید تمدن کی پیداوار، کجراہی اور بے راہ روی ہے، جس کے تحت وہ سودخوری، قماربازی کو جائز قرار دیتے ہیں اور امتناع شراب نوشی کی مخالفت کرتے ہیں۔

بنگلوں، کوٹھیوں میں ہو رہے ہیں، اسلامی شریعت اور کتاب وسنت کی تعلیمات نہ صرف ان کو بلکہ ان کے تصور کو بھی ایک لمحہ کے لئے برداشت نہیں کرسکتیں اب دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں۔

① ایک یہ کہ دوبارہ اسمبلی دستور میں ترمیم کردے اور کتاب وسنت کی پابندی کا جوا اپنی گردنوں سے اتار پھینکیں۔

② دوسری صورت یہ ہے کہ کتاب وسنت اور تعلیمات شریعت میں اتنی توسیع پیدا کردی جائے کہ جدید تہذیب وتمدن کے پیدا کردہ تمام مسائل حسب خواہش اس میں سما سکیں۔

ادارۂ تحقیقات اسلامی اور اس کے سنہرے کارنامے

رائے عامہ کے دباؤ اور عالمی رسوائی کے خوف کی وجہ سے پہلی صورت اختیار کرنے کی جرأت نہیں ہے، اس لئے دوسری صورت ہی اختیار کی جارہی ہے اور ہمارے مرکزی ادارۂ تحقیقات اسلامی کراچی نے تو ایسا معلوم ہوتا ہے اس کارِخیر کا بیڑہ اٹھایا ہوا ہے، چنانچہ اس ادارہ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب اور ان کے تمام کے تمام قلمی رفقاء بڑی جانفشانی اور تن دہی سے یہ خدمت انجام دینے میں ہمہ تن مصروف ہیں اور ماہنامہ فکر ونظر (اردو) اسلامک اسٹڈیز (انگریزی) اور الدراسات الاسلامیہ (عربی) سندھان (بنگالی) کے صفحات ان نام نہاد اسلامی تحقیقات (صحیح تحریفات) کے لئے وقف ہیں تا کہ اس شیریں اور دل آویز زہر کو ہر زبان کا پڑھنے والا زہر مار کرلے۔

اول کتاب اللہ کے بارے میں صاف صاف اعلان ہوا کہ قرآن حکیم کے ابدی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جن علل وغایات پر احکام الٰہیہ کا مدار ہے وہ علل وغایات ابدی ہیں، بدلے ہوئے حالات وظروف کے تحت قرآن کی نصوص (صریح آیات) میں انہی علل وغایات کے تحت تصرف، تغیر وتبدل اور اخذ وترک کیا جاسکتا ہے، پھر ان علل وغایات کے سمجھنے، جاننے اور متعین کرنے والے کون ہیں؟ مجتہد عصر ڈاکٹر فضل الرحمن اور ان کے تجدد پرست قلمی رفقاء، جو ''سائنٹیفک ریسرچ'' کی تربیت حاصل کررہے ہیں اور مجتہد عصر بننے کے امیدوار ہیں اور قرآن کی ابدی علل وغایات وہ ہیں جو ادارۂ تحقیقات اسلامی کے ترجمان مذکورہ بالا ماہنامے اور سہ ماہی رسائل پیش کررہے ہیں جس کا لب لباب یہ ہے:

① زکوۃ اسلامی حکومت کا ٹیکس ہے اور اس کی علت دفع فقر اور رفع مسکنت ہے، اس لئے اسلامی حکومت شریعت کی مجمع علیہ اور متواتر شرح زکاۃ اور اموال زکوۃ میں موجودہ زمانے کے بدلے ہوئے حالات کے تحت جتنی چاہے شرح زکوۃ مقرر کرسکتی ہے اور جہاں مناسب سمجھے صرف کرسکتی ہے۔

② قرآن حکیم کا منصوص نصابِ شہادت دو ثقہ مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس زمانہ کی پسماندہ اور غیر

تعلیم یافتہ عورتوں کے پیش نظر تھا، اس زمانہ کی تعلیم یافتہ، بیدار مغز اور مضبوط دل و دماغ کی ایک عورت بھی ایک مرد کے برابر ہے اور ایک مرد اور ایک تعلیم یافتہ عورت سے نصاب شہادت پورا ہو جاتا ہے اور ان کے علاوہ اور آزاد اجتہادات جن کے بینات کے صفحات میں مختصر مگر شافی جوابات دیئے جا چکے ہیں، مگر افسوس یہ ہے کہ عموماً قارئین فکر ونظر تک یہ جوابات نہیں پہنچ پاتے۔

ادارہ تحقیقات اسلامی کے سربراہ ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب نے اپنے اور اپنی زیر تربیت مجتہدین کے اجتہادات کو کتاب وسنت کے تحت لانے کی غرض سے سنت کے تیرہ سو سالہ معروف مجمع علیہ معنی میں اپنے سفید فام معلم اور مشہور ومعروف یہودی مستشرق ڈاکٹر جوزف شاخت کی رہنمائی سے عجیب وغریب توسیع (نہیں تحریف) کی ہے اور ان اجتہادات کے لئے داغ بیل ڈالنے کی غرض سے ایک نہایت طویل وعریض مقالہ سنت، اجماع اور اجتہاد پر لکھا ہے، اسی مقالہ سے ماہنامہ فکر ونظر کی بسم اللہ یعنی افتتاح کیا ہے، اور اس مقالہ میں قرن اول و دوم کے مجتہدین کی تصانیف کے اقتباسات کے ذریعہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور پورا زورِ قلم اس پر صرف کیا ہے کہ سنت در حقیقت ایک ''تعاملی اصطلاح'' ہے جس کی تشکیل آزاد شخصی رائے سے ہوتی ہے، اور عوام الناس یا رائے عامہ کے قبول کر لینے کے بعد وہ ہی سنت بن جاتی ہے اور رائے عامہ کے اس قبول کر لینے کا نام ہی اجماع ہے جس کو وہ آزاد اجماع کے نام سے یاد کرتے ہیں اور ان کی تحقیق کے مطابق:

① ملت مجموعی طور سے اپنے آپ کو سنت نبوی کے مشمولات کی تخلیق کے ضروری استحقاق کی متحمل سمجھتی ہے۔

② ملت الفاظ پر زور نہیں دیتی بلکہ اس روح کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہے، جس کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان شدہ تاریخی کوائف میں وحی الٰہی کا مفہوم متعین کرنے اور اس کی تفسیر کرنے کے لئے کوئی اقدام فرمایا(١) اور اس تعاملی اصطلاح کو جاری وساری رکھنے کی غرض سے ڈاکٹر صاحب موصوف اس کا نام سنت جاریہ یا زندہ سنت رکھتے ہیں، کتنا حسین اور دلکش نام ہے اور امت مسلمہ کی مجمع علیہ اور متواتر سنت پر کتنی سخت چوٹ ہے اور اپنے مفروضات کو ثابت کرنے کے لئے قرن اول اور دوم کے کبار مجتہدین کی تصانیف سے اقتباسات پیش کئے ہیں۔

منصب نبوت

حالانکہ یہ قطعاً ظاہر اور ناقابل انکار حقیقت ہے کہ رسول اور نبی کی دینی حیثیت اور منصب ہی یہ ہے کہ اس کو سرتاپا معصوم اور امت کے لئے سراپا اسوہ اور قدوہ بنایا جاتا ہے، اس کی اطاعت جزو ایمان ہوتی ہے، ارشاد ہے:

﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ [آل عمران: ٦٤]

---

(١) مذکورہ بالا اقتباسات کے لئے ملاحظہ فرمایئے، ماہنامہ ''فکر ونظر'' بابت ماہ جولائی و اگست ١٩٦٣ء، شمارہ نمبر (١) جلد (١) مقالہ ''تصور سنت''۔

ہم نے ہر رسول و پیغمبر کو اپنے حکم سے واجب الاطاعت بنا کر بھیجا ہے۔

تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب، موسیٰ و عیسیٰ سب ہی یک زبان ہو کر یہی دعوت دیتے ہیں: ﴿فاتقوا اللہ و اطیعون﴾

پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

الغرض رسول و نبی کی سنت کا واجب الاتباع ہونا تو ہر دین سماوی کا متفقہ اساسی عقیدہ ہے، اسلامی تعلیمات اور شریعت محمدیہ مطہرہ کی تشریعی اصطلاحات کے وجود میں آنے کے بعد کتاب و سنت، قرآن و حدیث کے الفاظ اپنے مخصوص شرعی اور اصطلاحی معنوں میں استعمال ہونے لگے، یعنی جہاں شریعت یا علوم شرعیہ میں کتاب کا ذکر کر آئے گا تو اس سے مراد کتاب اللہ اور قرآن ہی ہوگا جو حضرت خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری وحی الٰہی کی صورت میں نازل ہوا اور ایسا کون جاہل ہوسکتا ہے جو یہ کہے کہ اس کتاب سے کوئی بھی لکھی ہوئی کتاب مراد ہے، بالکل اسی طرح علوم و تعلیمات شرعیہ یا تشریعِ اسلامی کے ذیل میں جہاں بھی مطلق (یعنی صرف) سنت کا ذکر آئے گا اس سے مراد صرف سنت رسول اللہ ہی ہوگی۔

الحاد و زندقہ

بہر حال شرعی اصطلاح مقرر ہو جانے کے بعد ان الفاظ کے معانی شرعیہ چھوڑ کر لغوی معنی اختیار کرنا یہی الحاد ہے، یہی تحریف فی الدین، کون نہیں جانتا کہ ایمان، اسلام، صلوٰۃ، زکاۃ، صوم، حج یہ سب عربی زبان کے کلمات تھے جو نزول قرآن کریم سے پہلے عرب میں مستعمل تھے اور لغت عرب کے مطابق اپنے لغوی معانی میں مستعمل تھے، اسلام کے دنیا میں آنے کے بعد ان کلمات کے خاص خاص شرعی معانی متعین کئے گئے اور ان میں ان کلمات کو استعمال کیا گیا، شرعی اور لغوی معنی میں مناسبت کے ہوتے ہوئے بھی ان شرعی معانی میں بالکل جدید حیثیات و خصوصیات پیدا ہو گئیں، اب ان شرعی معانیِ مقصودہ کو چھوڑ کر لغوی معنی مراد لینا اور ان میں استعمال کرنا اور ان شرعی اصطلاحات کو لغت کے تابع کر کے ساری شرعی حیثیات و خصوصیات کو ختم کر دینا یہی الحاد فی الدین اور "ان الذین یلحدون فی آیاتنا" کا مصداق ہے، جس کو امت محمدیہ کے تمام محققین نے سلفاً عن خلفٍ (اول سے آخر تک) متفقہ طور پر الحاد و زندقہ قرار دیا ہے، اسی موضوع پر حجۃ الاسلام امام غزالی (متوفی ٥٠٥ء) رحمۃ اللہ علیہ نے "فیصل التفرقہ بین الاسلام والزندقۃ" اور "قانون التاویل" وغیرہ مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، اسی سلسلہ میں آخری اور جامع ترین تصنیف حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ نور اللہ مرقدہ کی تصنیف "اکفار الملحدین فی ضروریات الدین" ہے، جس کا اردو ترجمہ عنقریب مجلس علمی کراچی کی طرف سے شائع ہونے والا ہے۔

بہر حال یہ کہنا کہ سنت ایک تعاملی اصطلاح ہے اور اس کی تخلیق وتشکیل آزاد شخصی رائے سے ہوتی ہے اور رائے عامہ اس کی توثیق کرتی ہے، مصطلحات شرعیہ کے ساتھ یقینا تلاعب ہے، یہی ملحدانہ طریقہ ڈاکٹر صاحب کے ایک پیش رو حریف اور ان کے اتباع نے اختیار کر رکھا ہے اور رات دن اسی کی نشر واشاعت میں لگے ہوئے ہیں، حالانکہ پاکستان کے مسلمان ان کے متعلق اپنے فیصلہ کا اعلان کر چکے ہیں، ڈاکٹر صاحب موصوف کو اس سے سبق لینا چاہیے اور اس طریق کار کو چھوڑ دینا چاہیے اس سے پہلے کہ پاکستان اور دنیا کے مسلمان ان کے متعلق کوئی فیصلہ کریں۔

یہ تو ایک جملہ معترضہ ہے جو ”الدین النصیحة“ کے جذبہ سے بیچ میں آ گیا، اب اصل موضوع کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

زیر نظر الفاظ وکلمات کے مصطلحات شرعیہ قرار پا جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب کوئی شخص ان کلمات کو لغوی معنی میں کہیں بھی استعمال نہیں کر سکتا، خود قرآن حکیم میں ”واقیموا الصلاة“ میں لفظ صلاۃ کو عبادت مخصوصہ کے معنی میں استعمال کرنے کے باوجود آیت کریمہ ﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَّتَصْدِيَةً﴾ [الانفال: ٣٦] میں اسی لفظ صلاۃ کو غیر شرعی یعنی لغوی معنی میں استعمال فرمایا ہے۔ لہٰذا اگر کہیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ یا امام اوزاعیؒ یا کسی اور بزرگ نے ”هو السنة عندنا، هذا سنة بلدنا“، یا ”سنة المسلمين“ وغیرہ کے الفاظ اپنے شہر کے یا اپنے ملک کے یا عہد تابعین کے مسلمانوں کے تعامل کے لئے جو فی الجملہ سنت نبویہ کی روشنی ہی میں قائم ہوتا تھا، استعمال کر لیے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ان کے نزدیک کتاب وسنت کے ساتھ ساتھ جو لفظ سنت ماخذ تشریع کے طور پر استعمال ہوتا ہے اس سے بھی یہی عامۃ الناس کا تعامل مراد ہے اور یہی سنت کی حقیقت ہے، جیسا کہ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ ”درحقیقت سنت ایک تعاملی اصطلاح ہے“ اور اس کا نام سنت جاریہ یا زندہ سنت رکھ کر یہ تاثر پیدا کرنا کہ ہر زمانہ میں امت نے سنت نبوی میں تخلیق وباز تخلیق کا عمل جاری رکھا ہے، لہٰذا ہم بھی اس استحقاق کے مالک ہیں اور ہمیں بھی تخلیق سنت کا حق ہے، بتلائیے کتنا بڑا ظلم اور کتنا زبردست دھوکہ اور فریب ہے!!۔

کیا اچھا ہوتا کہ اس نفاق کو ختم کر کے جرأت کے ساتھ یہ اعلان کر دیا جاتا کہ:

عہد حاضر میں ہم ایک دوسری ہی زندگی کے اس طرح عادی ہو چکے ہیں اور جدید تمدن سے ہم اس طرح وابستہ ہو چکے ہیں اور اس سلسلہ میں ہم اتنے آگے بڑھ چکے ہیں کہ اب اس کو چھوڑ کر چودہ سو سال پیچھے لوٹنا ہمارے لئے بے حد مشکل بلکہ محال ہے، ہم مجبور ومعذور ہیں، اس زندگی کو نہیں چھوڑ سکتے، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائیں۔

یہ بہت بہتر ہوتا بہ نسبت اس کے کہ یہ کہا جائے کہ:

موجودہ دور کی تمام ترقیات اور تمدن جدید کے تمام اخلاقی معاشرتی اور اقتصادی مسائل کتاب وسنت کی روح کے عین مطابق وموافق ہے۔

مگر ہو یہ ہی رہا ہے کہ کتاب وسنت کے نام پر اسی تلبیس وتحریف میں پورا زورِ قلم اور تمام تر توانائی فکر ونظر صرف کی جا رہی ہے، یہ تلبیس نہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل عفو ودرگذر ہو سکتی ہے، نہ ہی امت مسلمہ کا دیندار وایماندار طبقہ اس ابلہ فریبی کو وقعت کی نظر سے دیکھ سکتا ہے، البتہ اعداء اسلام یہودی ومسیحی مستشرقین اور ان کے پروردہ مسلمان مستغربین ضرور خوش ہو سکتے ہیں کہ ایک مسلمان کا زورِ قلم ہی اسلام کی بیخ کنی کر رہا ہے:

از ماست کہ بر ماست

سنت جاریہ کے پردہ میں چھپے ہوئے دجل وفریب اور کذب وافتراء کو بے نقاب کرنے کے لئے بینات کے اس شمارہ میں سنت جاریہ اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کے عنوان سے ایک مبسوط تنقیدی مقالہ کی پہلی قسط شائع ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مسلمانوں کو حسن نیت، فہم صحیح اور حسن عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

یاس وناامیدی کی تاریک گھٹاؤں میں امید وآس کی ایک کرن

انتہائی مسرت کا مقام ہے کہ پاکستان ہی کے ایک صالح نوجوان شیخ احمد ارشاد ایم اے نے جو سالہا سال تک ملک کے اندر وباہر رہ کر بینکاری کی مکمل قابلیت وتجربہ حاصل کرنے کے بعد بینکاری نظام اور سودی کاروبار کی تباہ کاریوں اور اسلامی نظام مالیات کی رفاہیت آفرینی پر پہلی مرتبہ قابل قدر کتاب بلاسود بینکاری کے نام سے تصنیف کی اور گزشتہ سال اس کا انگریزی ایڈیشن اور اس سال اس کا اردو ایڈیشن شائع کیا ہے اور عملاً بھی ''دی کوآپریٹو انویسمنٹ اینڈ فنانس کارپوریشن لمیٹڈ'' کی بنیاد رکھی ہے (۱)، تاکہ جلد سے جلد اس اسلامی نظام کے تجربات بھی سامنے آجائیں، موصوف ہر طرح تہنیت وتبریک اور حوصلہ افزائی کے مستحق اور پاکستان کے لئے لائق فخر ہیں کہ انہوں نے تمام اسلامی ملکوں سے پہلے پاکستان میں اسلامی نظام کی عظمت کے لئے بروقت یہ عملی قدم اٹھایا اور اس سنت حسنہ کی بنیاد رکھی، اب ضرورت ہے کہ پاکستان کا مسلمان کاروباری طبقہ دل کھول کر اس کی معاونت اور حوصلہ افزائی کی طرف ہاتھ بڑھائے کہ یقیناً یہ معاونت ''تعاونوا علی البر والتقوی'' کا مصداق ہے اور آج جو بینکوں میں بلاسود کروڑوں روپیہ ڈپازٹ کی مد میں پڑا ہوا ہے، اس میں سے معتد بہ حصہ نکال کر اس کارپوریشن میں لگادیں اور سعادت دارین حاصل کریں۔

انہی دنوں قاہرہ کے مشہور فاضل الاستاذ محمد عبداللہ العربی نے بھی بینکاری کے موجودہ نظام اور اسلامی

---

(۱) راقم الحروف نے بھی سفیر عراق صاحب السعادۃ الاستاذ عبدالقادر گیلانی کی معیت میں اس کارپوریشن کی تقریب افتتاح میں شرکت کی ہے۔

نظام مالیات پر عربی میں ایک محققانہ کتاب شائع کی ہے(۱)، جس کا نام "المعاملات المصرفية الحاضرة ورأی الاسلام فیھا" ہے، نیز اسی موضوع پر عربی میں ایک بصیرت افروز مقالہ مؤتمر مجمع البحوث الاسلامیة قاہرہ میں پیش کیا ہے، جس میں ارتکاز دولت کی قباحتیں اور اس کے بالمقابل اسلامی نظام مالیات کے محاسن پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

بہر حال عہد حاضر کی یہ کوششیں یقیناً یاس انگیز گھٹاؤں میں مسرت وکامرانی کی ایک چمک اور متوقع لطیفہ غیبی کا پیش خیمہ ضرور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان مخلصین ومصلحین کی ان مساعی کو کامیاب اور مثمر فرمادیں اور نہ صرف امت محمدیہ بلکہ نوع انسانی ان برکات سے مالا مال ہو اور سرمایہ داری وسود خوری کی لعنت سے نجات پائے اور مسلمان دنیا وآخرت میں سرخرو ہوں، واللہ الموفق۔

[صفر ۱۳۸۵ھ/جولائی ۱۹۶۵ء]

مؤتمر قاہرہ کے مشاہدات وتاثرات

گذشتہ سطروں میں ناظرین کے سامنے تصویر کا ایک رخ سامنے آ گیا ہوگا۔ اس کا اصلی مقصد یہ ہے کہ ہمارے ارباب اقتدار بھی صحیح مقاصد کے پیش نظر عالم اسلامی کو متاثر کرنے کے لئے گاہے گاہے ایسا اقدام کیا کریں، اور جو عربی دنیا پاکستان یا باقی اسلامی دنیا سے تقریباً کٹی ہوئی نظر آتی ہے اس کو جوڑنے کی ان تھک کوشش کرنی چاہیے، صحیح حالات پیش کرنے سے میرا مقصد یہی ہے کہ جو مفید اور کام کی بات ہو اس سے فائدہ اٹھایا جائے، کیونکہ صحیح مقاصد کے حصول کے لئے تنافس اور تسابق تو عین اسلام ہے۔ الحمد للہ جو کچھ خامہ فرسائی کی گئی ہے وہ اشخاص کی تعریفوں سے اور ذاتی اغراض سے بالاتر سطح پر رہ کر کی گئی ہے، جب مقصد عبرت وسبق حاصل کرنا ہو تو کسی قوم یا فرد یا ملک کے محاسن کے ذکر سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے نہ کہ برائیوں کے اظہار سے، لیکن واقعاتی سطح پر "خوگر مدح" کو تھوڑا سا "گلا" بھی احتیاط واعتدال کے ساتھ کرنا پڑے تو چنداں مضائقہ نہ ہوگا، بلکہ تاریخ کا حق اسی طرح ادا ہو سکے گا اور ایک مؤرخ کا قلم اپنے منصبی فرض سے صحیح معنی میں سبکدوش ہو سکے گا۔ لہٰذا مؤتمر اور جدید ازہر اور جمال ناصر کے متعلق چند تاثرات جو دوسرے رخ کی ترجمانی کریں گے اس لئے پیش کئے جاتے ہیں کہ ہم ان سے بچنے کی تدبیر سوچیں اور وہ حضرات اس کی اصلاح کی تدابیر پر غور کریں۔

علمائے ازہر کے بارے میں رائے

ہندوستان وپاکستان کے اکابر علماء میں جو خصوصیت ہے محسوس ہوا کہ عربی ممالک کے اہل علم سے وہ

---

(۱) ادارہ بینات اس کتاب کا عنقریب ترجمہ شائع کر رہا ہے، امید ہے کہ ارشاد صاحب کو اس کتاب کے مطالعہ سے بہت کچھ امداد ملے گی، خصوصاً اسلامی دقیق معلومات کے سلسلہ میں۔

خصوصیت مدت ہوئی کہ رخصت ہو چکی ہے۔ دینی تصلب و پختگی، شعائر اسلام کی بقا کی کوشش، بلاخوف لوم لائم حق کے اظہار میں جرأت اور قوت ایمانی کا ثبوت، کسی غیر صحیح مقصد کے لئے حکومت وقت کا آلہ کار نہ بننا اور اس مسلک میں جو عواقب و نتائج پیش آئیں خندہ پیشانی سے لبیک کہنا، میں سمجھتا ہوں کہ یہ جوہر ممالک عربیہ میں ختم ہو چکا ہے، تاریخی روشنی میں مجھے نظر آتا ہے کہ چند افراد کو مستثنیٰ کرنے کے بعد دسویں گیارھویں صدی ہجری سے وہ صفات جو عرب ممالک کے خصائص تھے غیر منقسم ہندوستان کی طرف منتقل ہو گئے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبدالعزیز دہلوی، حضرت سید احمد بریلوی، حضرت اسمٰعیل شہید، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہم اللہ جمیعًا کی نظیر اپنے اپنے دور میں مشکل ہی سے کہیں اور ملے گی۔

جو حضرات از ہر کے نمائندہ علماء تھے اور جو سوڈان، لبنان، عمان، قدس، غزہ، تونس وغیرہ سے آئے تھے، ان حضرات میں وہ بات محسوس نہ ہو سکی جس کی ان سے توقع تھی، البتہ موریتانیا اور مراکش، فاس کے علماء کو زیادہ پختہ پایا۔ یہ حضرات جدید رو میں بہنے کے لئے تیار نہ تھے۔ میرا احساس یہ ہے کہ حکومت مصر کے پیش نظر جو کام ہیں علماء از ہر چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح ان مقاصد کا فقہ اسلامی کی روشنی میں حل نکالنا ضروری ہے اور اس کی دو وجوہ نظر آتی ہیں:

① ان کو یہ خطرہ لاحق ہے کہ اگر ان مسائل کو اس طرح حل نہ کیا گیا اور حکومت کے منشا کی تکمیل نہ ہو سکی تو اس کے خطرناک عواقب برداشت نہ کر سکیں گے۔

② یا یہ خیال ہے کہ عصر حاضر میں اتنا جمود بے معنی ہے اور توسع و آزادی ضروری ہے۔ اگر اساسی اصول قرآن و سنت کو مان لیا جائے تو پھر رخصت و تیسیر پر عمل کرنا یا کسی ضعیف قول کو اختیار کرنا عین مصلحت و ثواب ہے، بلکہ اس وقت یہی صواب ہے۔

بہر حال وجہ جو کچھ بھی ہو ایک قسم کی مداہنت عام علماء میں زیادہ محسوس ہوئی۔ کلمة حق عند سلطان جابر ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کی جرأت ان میں نہیں ہے، بہت ممکن ہے کہ جو استبدادی پنجہ ان کے سامنے ہے اس کے خوف سے یہ صورت پیدا ہو چکی ہو، اس لئے مؤتمر کے ان مقالات میں جو مستقل اعضاء و ارکان نے تحریر کئے تھے ان میں یہ طبعی ضعف نمایاں تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس میں کوئی مقصد پنہاں ہے، جس کی تکمیل کی کوشش کی جا رہی ہے اور وہ بھی نہایت عالمانہ بلکہ محققانہ انداز سے کہ اس کی گرفت بھی آسان نہ ہو، البتہ چونکہ سب مقالات پختہ اہل علم کے قلم سے تھے اس لئے ایسے نہ تھے جیسے پرویزی قسم کے سوقیانہ یا ادارہ ثقافت کے دین فروشانہ یا اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے عام مقالات ہوتے ہیں، جن میں ضروریات دین کے قطعی حقائق کو مجروح کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کہنا صرف یہ ہے کہ مؤتمر کے علماء کے مقالات میں ہمارے

ملک کے مسلّمہ اکابر کی تحقیقات کی جو نوعیت ہوتی تھی وہ روح جلوہ گر نظر نہیں آتی ۔

جدید ازہر کے خدوخال

مؤتمر کے دوران مندوبین کے سامنے جو علمی و دینی کارنامے سامنے آئے ہیں ان میں سب سے زیادہ اہم الازہر یونیورسٹی کا تجدیدی نظام یا الازہر کی نشاۃ ثانیہ ہے، جس کی عظیم الشان عمارت کی بنیاد قاہرہ مصر کے جدید شہر مدینۃ النصر میں رکھی گئی ہے۔ مدینۃ النصر کے جس علاقہ میں اس جدید یونیورسٹی کے لئے کئی مربع میل کا احاطہ تھا اس میں جس جگہ بنیاد رکھی جانے والی تھی، ایک عظیم الشان حسین وجمیل پنڈال بنایا گیا تھا جس میں اسکندریہ سے قاہرہ تک الازہر کی مختلف شاخوں سے آکر بیٹھنے والے طلباء وعلماء ہی بیس ہزار تھے، اسٹیج پر صرف مندوبین اور المؤتمر کے وفود اور جمال اعبدلناصر اور ان کے نائبین کے لئے کرسیاں تھیں، جن پر نام لکھے تھے، میں نے اپنی زندگی میں اتنا خوبصورت اور عظیم الشان پنڈال، نہایت خوبصورت قیمتی قالینوں سے فرش شدہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ جس خوبصورتی سے سجایا گیا تھا قابل دید تھا، اتفاق سے جمال عبدالناصر اس روز ملک حسین والیٔ اردن کے وداعی امور میں مشغول تھے، اس لئے نہ آسکے اور حسین محمود شافعی نے ان کی نیابت کی، خلیل حصری کی قرأت سے احتفال کی کارروائی شروع ہوئی، پھر تقریریں ہوئی اوار اس کے بعد سنگ بنیاد رکھا گیا، جس میں وفود کی طرف سے شیخ ابراہیم نیاس نے وکالت کی، اس موقع پر ایک بڑا تمغہ سب مندوبین کو دیا گیا جس پر کوفی خط میں "تذکار وضع حجر الاساس للازھر الجدید" کی عبارت کندہ تھی یہ تمغہ ایک مخملی ڈبے میں رکھا ہوا تھا۔

اس مؤتمر کے مصارف کے لئے ابتدائی طور پر حکومت نے دس ملین پونڈ یعنی دس کروڑ روپیہ کی منظوری دے دی تھی، جدید یونیورسٹی میں جو جو کالج اور شعبے قاہرہ واسکندریہ یونیورسٹی میں ہیں وہ سب کے سب مزید ترقی یافتہ صورت میں موجود ہوں گے اور یورپ کی چند زبانوں میں سے فرانسیسی، انگریزی، جرمنی، ایطالوی کوئی نہ کوئی زبان سیکھنا ازہری عالم کے لئے ضروری ہوگا، جہاں تک علوم دینیہ کی مہارت کے ساتھ یورپ کی کسی زبان سیکھنے کا تعلق ہے اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ آج کل تبلیغ، تالیف وتحقیق کے لئے ان زبانوں میں سے کسی ایک کا حاصل کرنا بہت ضروری ہوگیا ہے۔ اگر متقی علماء دین اس طرف توجہ کریں تو اسلام کی تبلیغ وتحقیق کا نقشہ ہی بدل جائے، لیکن جہاں تک علوم دینیہ میں مہارت کا تعلق ہے یعنی تفسیر وحدیث فقہ واصول فقہ، فلسفہ وکلام میں اعلیٰ ترین قابلیت کا تعلق ہے اس جدید نظام میں یہ پہلو بہت کمزور ہے۔ الازہر کی جو خصوصیت چلی آرہی تھی کہ علوم اسلامیہ ودینیہ کے ماہرین یہاں پیدا کئے جائیں وہ خصوصیت اب ختم ہوجائے گی، یوں تو تقریباً ایک سو سال سے یہ ضعف دن بدن بڑھتا ہی جارہا تھا لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب اس امتیاز کا خاتمہ ہی ہوجائے گا، آخر ان جدید علوم کے لئے کیا ضرورت تھی کہ الازہر بھی اس خدمت کو انجام دیتا۔ مصر میں یونیورسٹیاں اور وزارت معارف

وتعلیمات کے ادارے اس خدمت کو انجام دے رہے تھے، قرآن وسنت کے محققین و ماہرین پیدا کرنے کی جو ضرورت ہے وہ اس صورت سے پوری نہ ہو سکے گی، بلکہ اگر یہ ہوتا کہ علوم دینیہ میں تو انتہائی مہارت پیش نظر رہتی اور علوم جدیدہ میں کسی قدر واقفیت اور یورپ کی کوئی زبان ضروری قرار دی جاتی تو بہت ہوتا، لیکن جو صورت اختیار کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ علوم دینیہ سے تو بقدر ضرورت واقفیت رہے اور جدید علوم میں مہارت خصوصی حاصل ہو، ظاہر ہے کہ یہ صورت حال امید افزا نہیں ہے، اس کی وجہ سے الازہر کو جو تاریخی خصوصیت حاصل تھی وہ بالآخر ختم ہو جائے گی۔ میرے خیال میں اگر کوئی قوی العزم، باوقار محقق عالم اور دینی مفکر حسن تدبیر کے ساتھ صحیح طریقہ پر جمال عبد الناصر کو سمجھانے کی کوشش کرتا تو شاید یہ سعی مثمر ہوتی، لیکن محسوس ہوا کہ اس وقت تو کوئی شیخ الازہر ہی نہیں، شیخ محمود شلتوت مرحوم کے بعد اب تک اس جلیل القدر عہدے کے لئے کسی کا انتخاب نہیں ہوا ہے، سنا ہے کہ الشیخ عبد الرحمن تاج اس جلیل القدر منصب کے لئے موزوں شخصیت ہیں، افسوس ہے کہ ان سے ملاقات نہ ہو سکی اور ان اجتماعات واحتفالات میں ان کا یکسر شرکت نہ کرنا یا تو ان کے معتوب ہونے کی وجہ سے تھا یا پھر ان کے اس تجدید سے غیر مطمئن ہونے کی دلیل ہے۔ بہر حال علماء ازہر جو حکومت کے نظام سے وابستہ ہیں اگر تدبر وحکمت کے ساتھ قدم اٹھائیں تو شاید بہت کچھ اصلاح ہو سکے گی۔

جمال عبد الناصر

جمال عبد الناصر اور ان کے کارنامے یا عمل نامے یہ میرا موضوع سخن نہیں، اس لئے اس روئیداد میں اس کا تذکرہ بے محل ہے، لیکن ممکن ہے کہ بعض حضرات گذشتہ صفحات میں جو کچھ لکھا گیا ہے اور مؤتمر کا جس انداز سے جائزہ لیا گیا ہے اس سے کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں۔ اس لئے چند سطریں وضاحۃ پیش خدمت ہیں:

اس میں شک نہیں کہ جمال عبد الناصر ایک فوق العادۃ شخصیت کے مالک ہیں، عزم وارادے کا اتنا مضبوط آہنی انسان ہے کہ شاید ہی مسلمانوں میں ازمنۂ متاخرہ میں اس قوت وارادے کی کوئی شخصیت اس درجہ کی گذری ہو، جمال ناصر استعماریت اور یورپ خصوصاً برطانیہ کے شدید ترین مخالف ہیں، ان کی شاید ہی کوئی تقریر استعماریت پر حملہ سے خالی ہوتی ہو، وہ انتھک کام کرنے کے عادی ہیں، بہترین خطیب ہیں، عیاشی سے ان کی زندگی خالی ہے، اخلاقی کمزوریوں پر ان کے دشمن بھی ان کو متہم نہیں کر سکتے، وہ روزانہ اٹھارہ گھنٹے کام کرنے کے عادی ہیں، ان کا دماغ ہمیشہ کوئی نہ کوئی اسکیم سوچتا ہی رہتا ہے، ناصر کی زندگی سادہ ہے، صدر مملکت ہونے سے پہلے جب کرنل تھے تو جس مکان میں رہتے تھے اب بھی اسی میں رہتے ہیں، ان کی اہلیہ گاؤں میں رہتی ہیں اور مہینے میں دوبار خود ناصر اپنے گاؤں جاتے ہیں، ان کے بچے سائیکل پر اسکول جاتے ہیں، جتنا پروپیگنڈہ ان کے خلاف ہوتا رہا ہے مصر کی موجودہ ملکی ترقیات نے سب کو غلط ثابت کر دیا ہے، وہ نہ خروشیف کے حلیف ہیں نہ امریکہ و برطانیہ

کے، البتہ اپنے ملک میں اشتراکیت کو لاکر اشتمالیت سے بچانے کی کوشش کررہے ہیں اور موجودہ کمیونزم کا جواب سوشلزم سے دینا چاہتے ہیں، اس سوشلزم کے اختیار کرنے کی وجہ سے روس کا قدرے اعتماد حاصل ہوچکا ہے، روس کو دراصل یہ طمع ہوگئی ہے کہ شاید آئندہ کسی وقت یہ ملک کمیونسٹ بن جائے، لیکن ناصر ایک سخت دل انسان ہے، اپنے مخالف کو ختم کرنے میں کوئی رحم نہیں کرتا، جب انتقام پر اترتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کے دل میں رحم کا شائبہ بھی نہیں۔

جمال ناصر اپنی رائے میں بہت مستبد ہیں بہت کم کسی کے مشورے پر عمل کرتے ہیں، گو ان کی رائے ہمیشہ صحیح بھی نہیں ہوتی، ان کی تربیت دینی نہیں ہوئی نہ مزاج ہی دینی پایا ہے، اس لئے جس طرح دنیوی مسائل کے سمجھنے کی ان میں اہلیت ہے دین کو سمجھنے کی نہیں ہے، اسی لئے جس انداز سے دنیا کی طاقت وشوکت کے طریقوں کو سوچ کر وہ آگے بڑھ رہے ہیں دین کی حیثیت وہاں صفر نظر آتی ہے، کاش ناصر کا مزاج دینی ہوتا تو آج مصر کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا، وہ اپنی رائے میں بسا اوقات اتنی جلد بازی کرجاتے ہیں کہ نقصان تک اٹھانا پڑتا ہے، وہ ابتداء عرب ممالک کے اتحاد میں کوشاں تھے اور عرب سیادت کے خواب دیکھ رہے تھے لیکن اس مقصد میں ناکام ہوکر اب وہ افریقہ کے جدید آزاد شدہ ممالک میں رسوخ حاصل کرنے کی کوشش کررہے ہیں اور اسلامی ممالک سے اپنے تعلقات درست کرنے کی خواہش رکھتے ہیں، چنانچہ اس سلسلہ کی ایک کڑی مجمع البحوث کی پہلی مؤتمر کو سمجھنا چاہیے۔

نہر سویز کی آزادی، اسوان بند، اسکندریہ کی بندرگاہ، مدیریۃ التحریر، مدینۃ النصر، مدینۃ العمال اور الازہر کی جدید نشاۃ، دار القرآن کی عظیم الشان عمارت کی تاسیس، المصحف المرتل کے ریکارڈ سارے اسلامی دنیا میں بھیجنا اور خود قاہرہ میں مخصوص ریڈیو کے اسٹیشن سے ۱۴ گھنٹہ قرآن کریم (المصحف المرتل) نشر کرنا، افریقہ کے ممالک میں ہزاروں مبلغ ومعلم بھیجنا، جمال کی زندگی کے روشن کارنامے ہیں۔

اب دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مسلمان ممالک کے سربراہوں کو اسلام کی شوکتِ بازرفتہ دوبارہ واپس لانے کے لئے متحد کرے اور مسلمان مملکتوں کے مادی وسائل سے مستفید ہوکر دین اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا ذریعہ بنائے اور اغیار کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھے۔

وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

[صفر ۱۳۸۴ھ]

مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ کی پانچویں کانفرنس

قمری سال کے آخری۔ ذی الحجہ ۱۳۸۹ء کے اواخر میں قاہرہ میں "مجمع البحوث الاسلامیہ" کی پانچویں کانفرنس منعقد ہوئی، اس دفعہ حکومت پاکستان کی وساطت سے راقم الحروف کو کانفرنس میں شمولیت کی دعوت ملی یعنی

رسمی (سرکاری) طور پر پاکستانی مندوب کی حیثیت سے جانا پڑا۔

ہوا یہ کہ جنوری ۷۰ء کے آخر میں اسلام آباد سے وزارت قانون کے سیکریٹری نے ٹیلیفون کیا کہ قاہرہ میں ایک علمی کانفرنس ہورہی ہے اور آپ کو پاکستانی نمائندہ کی حیثیت سے جانا ہوگا، میں نے عذر کیا کہ میں فروری ۷۰ء کی ۴؍تاریخ کو حج بیت اللہ الحرام کا عزم کر چکا ہوں، اس لئے میں کانفرنس کی شمولیت سے معذرت خواہ ہوں، سیکریٹری صاحب کی طرف سے اصرار ہوا اور فرمایا کہ حج بیت اللہ سے واپس آ کر تشریف لے جائیں، میں نے کہا یہ بھی مشکل ہے، انہوں نے فرمایا کہ ہم نے تاریخ معلوم کرنے کے لئے ٹیلیگرام دلوایا ہے، یہ ہو سکے گا کہ آپ جدہ سے قاہرہ براہ راست چلے جائیں، چنانچہ دوبارہ ٹیلیفون آیا اور تاریخ معلوم ہوئی کہ ۲۷؍فروری ۱۹۷۰ء، ۲۱؍ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ کو کانفرنس شروع ہوگی اور جب ٹکٹ آ جائے گا تو پاکستانی سفارت خانے جدہ بھیج دیا جائے گا، پاکستانی سفیر مقیم جدہ سے رابطہ قائم رکھیں اور ٹکٹ وصول کر کے قاہرہ چلے جائیں، میں نے عرض کیا کہ یہ ممکن ہے۔

۲۶؍فروری ۷۰ء کو پاکستانی سفیر مقیم جدہ سے ملا، معلوم ہوا کہ ایک خط آیا ہے کہ بنوری کو قاہرہ جانے پر آمادہ کریں، ٹکٹ جب پہنچ جائے گا فوراً بھیج دیں گے اور آپ فوراً ان سے رابطہ قائم کر کے پہنچا دیں، لیکن ۲۶؍فروری تک نہ پہنچنے پر مزید تاخیر مشکل تھی اس لئے سفیر صاحب کے مشورے سے طے پایا کہ اس ٹکٹ کے انتظار کئے بغیر قاہرہ پہنچ جانا چاہیے۔(۱)

حج کا موسم تھا اس زمانہ میں ہوائی جہازوں پر رش ہونے کی وجہ سے عین وقت پر سیٹ کا ملنا بہت دشوار ہوتا تھا، لیکن "الوکالة الحسینیة" سے مراسم وتعلقات کی وجہ سے یہ مرحلہ بآسانی طے ہوا اور ۲۷۔۲۸ کی درمیانی شب میں قاہرہ پہنچ گیا۔

یہ کانفرنس تمام سابقہ مؤتمرات سے زیادہ اہم تھی اور نظم ونسق کے اعتبار سے بھی ممتاز تھی، ہر نمائندہ کے لئے مستقل کار تھی اور اس پر مثلاً وفد پاکستان کی چٹ لگی ہوئی تھی اور مندوب کے ساتھ ایک مرافق عالم ہوتا تھا کہ جب کسی کام کی ضرورت پیش آئے مثلاً ٹکٹ، ویزہ وغیرہ وغیرہ تو وہ ان کاموں کو انجام دے۔

جمعہ ۲۷؍فروری سے کانفرنس کا افتتاح ہوا اور جمعرات ۵؍مارچ ۷۰ء کو یہ کانفرنس ختم ہوگئی، لیکن جمعہ کو عالم التعطیل ہونے کی وجہ سے کوئی خاص کام نہیں ہوا تھا، صرف جامع ازہر میں تمام مندوبین نے نماز جمعہ ادا کی تھی اور شام کو ایک بڑے اور شاندار ہوٹل میں استقبالیہ دیا گیا تھا۔ ۲۸؍فروری ۷۰ء کی صبح ۱۰؍ بجے سے باقاعدہ کانفرنس شروع ہوئی، جس میں چالیس (۴۰) ملکوں کے ایک سو نمائندوں نے شرکت کی، شیخ الازہر اور وزیر شؤون الاوقاف والازہر اور مجمع البحوث الاسلامیہ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود نے مؤثر مقالات پڑھے، اسی روز شام کو

---

(۱) بعد میں معلوم ہوا کہ سفارت خانہ کی عمارت سے نکلتے ہی ٹکٹ پہنچ گیا تھا، لیکن قیام گاہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے وہ نہ پہنچا سکے۔

اور اگلے روز کلمۃ الوفود کے عنوان سے نمائندوں کو اپنے تاثرات کے اظہار کا موقع دیا گیا کہ جو کہنا چاہیں کہیں۔

یوں تو عام طور سے مجمع البحوث کی جو کانفرنسیں ہوتی رہی ہیں ان میں زیادہ تر علمی مقالات جو مجمع البحوث کے اعضاء لکھ کر لاتے ہیں پڑھے جاتے ہیں اور مندوبین کو ان پر بحث و مباحثہ کا حق دیا جاتا ہے، لیکن اس دفعہ تمام کانفرنس میں فلسطین اور قدس کا مسئلہ خاص طور پر پیش نظر تھا، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس کانفرنس کا اصلی منشاء یہی ہے کہ تمام عالم اسلامی کی رائے اس سلسلہ میں معلوم کی جائے اور اس مشکل کے حل کے لئے ان کے ذہنوں میں جو تجویزیں ہیں وہ معلوم کی جائیں اور اس طرح تمام عالم اسلام کو ان نمائندوں کے ذریعہ بیت المقدس کے مسئلہ پر متفق کیا جائے، اسی لئے اکثر مقالات کا تعلق اسی موضوع سے تھا۔

چنانچہ شیخ الازہر ڈاکٹر محمد فحام کے مقالے کا عنوان تھا: "استرداد بيت المقدس" (بیت المقدس پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ)

ڈاکٹر عبداللہ قاضی کے مقالے کا عنوان تھا: " الجهاد بالمال فى نظر الاسلام" (اسلام میں جہاد بالمال کی اہمیت)

ڈاکٹر اسحاق موسیٰ الحسینی کے مقالے کا موضوع تھا: " الجانب الاسلامى من القضية الفلسطينية" (فلسطینی مسئلہ کے بارے میں عالم اسلامی کی رائے)

قائد ڈاکٹر محمود شیت خطّاب کے مقالے کا عنوان تھا "اهداف اسرائيل التوسيعية فى البلاد العربية" (عربی ممالک پر اسرائیل کی للچائی ہوئی نظریں)

قائد عبدالرحمن امین کا مقالہ تھا: "التولى يوم الزحف" (جہاد کے موقعہ پر میدان جہاد سے پشت پھیرنا)

ڈاکٹر بھی مصری کے مقالے کا موضوع تھا: "اسرائيل والدين" (دین اسلام اور اسرائیل)

الاستاذ عبدالمنعم خلّاف کے مقالہ کا عنوان تھا" الغارة الصهيونية غارة دينية على الاسلام والانسانية" (یہ صہیونی حملہ تمام اسلام و انسانیت کے خلاف ہے)

اس لئے مقالات کے موضوعات کا علم ہونے کے بعد طبعاً مندوبین کو بھی اپنے ملکوں کی طرف سے اسی موضوع پر اظہار خیال ضروری تھا، چنانچہ اپنی مملکت خداداد پاکستان کی طرف سے راقم الحروف نے بھی اسی موضوع پر اظہار خیال کیا جس کا ترجمہ و خلاصہ حسب ذیل ہے:

جناب صدر اور معزز حاضرین!

میں جمہوریہ عربیہ متحدہ کا عموماً اور ادارہ مجمع البحوث الاسلامیہ کا خصوصاً شکر گذار ہوں جن کی مساعی سے ہمیں اس خالص اسلامی مسئلہ پر اظہار خیال کا موقع ملا، میں اپنی حکومت مملکت اسلامیہ جمہوریہ پاکستان اور اس

کے باشندوں کی طرف سے یعنی حکومت اور پبلک دونوں کی طرف سے ہدیہ شکر پیش کرتا ہوں اور واضح الفاظ میں اعلان کرتا ہوں کہ بیت المقدس پر یہود کے غاصبانہ قبضہ سے تمام عالم اسلامی کو بے حد صدمہ ہے اور اس صدمے میں ملت پاکستان کسی عربی مملکت سے پیچھے نہیں، بلکہ احتجاج کے طور پر جلسوں اور جلوسوں کے لحاظ سے شاید آگے ہو، مجاہدین'' الفتح'' ہمارے ملک میں پہنچ چکے ہیں اور بیشتر مساجد میں جمعہ کے دن مسلمان دل کھول کر ان کی اعانت کرتے ہیں، جامع مسجد نیوٹاؤن کراچی میں راقم الحروف بھی اس تعاون میں حصہ لیتا رہا ہے اور مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے فاضل اساتذہ نے نہایت موثر انداز میں ان کی عربی تقریروں کی اردو زبان میں ترجمانی کی ہے۔

محترم حضرات! میرے خیال میں بیت المقدس کے مسئلہ کا حل صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے اسلامی جہاد، لیکن اسلامی جہاد کے لئے جن امور کی ضرورت ہے میرے ناقص خیال میں وہ حسب ذیل ہیں:

① اولاً: اس جہاد کا مقصد قومیت، وطنیت، جنسیت سب سے بالاتر ہونا چاہئے اور واحد مقصد صرف اعلاء کلمۃ اللہ ہونا چاہیے۔

② ثانیاً: حتی المقدور اسباب ووسائل اور سامان جنگ مہیا کرنے کے بعد اعتماد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو، نہ کہ اسباب ووسائل پر۔

③ ثالثاً: اسلامی جہاد میں استعماری طاقتوں میں سے خواہ مغرب میں ہوں یا مشرق میں ان دونوں میں سے کسی پر بھی اعتماد کرنے کے بجائے صرف اور محض حق تعالیٰ کے اس کلمہ پر توکل واعتماد کرنا ہوگا جس کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے، **لا شرقیة ولا غربیة**۔

④ رابعاً: ہماری زندگی میں مغربی تہذیب کے زہریلے اثر سے جو تعیشات سرایت کر گئے ہیں، ان کو ایک قلم چھوڑنا ہوگا، سادی زندگی، سادی معاشرت اختیار کرنی ہوگی، جب تک عیش وعشرت کی یہ زندگی ختم نہ ہوگی کامیابی موہوم ہے۔

⑤ خامساً: قرآن کریم نے جس آیت کریمہ میں (۱) سامان جہاد کی تیاری کا جس میں جہاد بالمال بھی شامل ہے (اس کی تفصیل زبانی بیان کی) حکم دیا ہے اس کے آخر میں ارشاد ہے: ﴿ **وما تنفقوا من شیء فی سبیل اللہ یوف الیکم وانتم لا تظلمون** ﴾ میں سمجھتا ہوں کہ اس آیت کریمہ میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اگر تم جہاد فی سبیل اللہ کرو گے تو اس کے پورے پورے نتائج حسنہ پاؤ گے اور کوئی ظالم طاقت تم پر مسلط نہ ہو سکے گی، لہٰذا کسی ظالم طاقت کا ہم پر مسلط ہونا اس کی دلیل ہے کہ ہم نے کما حقہ جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ انجام نہیں دیا، میری

---

(۱) پوری آیت یہ ہے: ﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَاتَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَاتُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴾ [الانفال: ٦٠]

دعا اور آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے صحیح اسلامی جہاد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

چنانچہ ”مقترحات من كلمة السيد محمد يوسف البنوری وفد پاكستان“ کے عنوان سے اس تقریر کا چھپا ہوا خلاصہ عربی میں کانفرنس کے اگلے اجلاس میں تقسیم کیا گیا۔

کانفرنس کے اختتام کے بعد جمال عبدالناصر سے گورنمنٹ ہاؤس مندوبین کی ملاقات مقرر تھی، چنانچہ تمام مندوبین اپنی اپنی کاروں میں تنہا۔ اس موقع پر جو مرافقین مقرر تھے ان کو بھی علیحدہ کر دیا گیا۔ جمال عبدالناصر سے ملاقات کے لئے گئے، ملاقات ہوئی اور صدر موصوف نے سب سے پرتپاک مصافحہ کیا، اس اثناء میں جو شخص ان سے کچھ کہنا چاہتا تھا کہتا بھی تھا اور بہت اطمینان سے وہ سنتے بھی تھے، راقم الحروف نے ان کی کوششوں کو سراہتے ہوئے متنبہ کیا کہ اگر صرف حق تعالیٰ کی ذات کی طرف اور اس کے دین کی تائید کی طرف توجہ ہوگی تو غیبی امداد ضرور آئے گی۔

﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ﴾ [محمد:۷]

اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کی امداد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔

ملاقات کے بعد جمال عبدالناسر نے مختصر سی تقریر کی جس کا حاصل یہ تھا:

”میں آپ کا شکر گذار ہوں کہ آپ مصر آئے اور بیت المقدس کے استرداد کے لئے ہمدردانہ غور وخوض کیا، جو قراردادیں آپ حضرات نے پاس کی ہیں وہ میں نے پڑھ لی ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ ان تجاویز کو عملی جامہ پہنایا جائے، اس وقت جو ہماری کوششیں کارفرما ہیں وہ مشکل کے حل کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں، ہمارا مقابلہ تنہا اسرائیل سے نہیں ہے بلکہ پس پردہ بہت بڑی طاقتور حکومت امریکہ سے ہے، جو اسرائیل کو ہر طرح امداد پہنچا رہی ہے، ابھی کچھ دن ہوئے کہ جدید ترین بمبار طیارے امریکہ نے اسرائیل کو دیئے ہیں، دنیا کے تمام یہودی اسرائیل کی کافی امداد کر رہے ہیں، پانچ سو ملین ڈالر کا چندہ اسرائیل کو ابھی ابھی پہنچا چکے ہیں اور مزید پانچ سو ملین ڈالر کی امداد پہنچائی جانے والی ہے، اس لئے مسلمانوں کو اور تمام عالم اسلام کو بھی اسی طرح اس عظیم مقصد کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے، یہ مسئلہ تنہا عرب قوموں کا نہیں تمام عالم اسلام کا ہے، بلکہ عیسائیوں کا بھی ہے، اس لئے کہ دو ہزار عیسائیوں کو بھی قدس سے نکلنا پڑا ہے، جو لوگ پناہ گزین بن کر ہمارے ملک میں آئے ہیں ان میں عیسائی بھی کافی ہیں، ضرورت ہے کہ تمام مسلمان متحد ہو کر ہماری طرح امداد واعانت کریں تا کہ ہم اسرائیل کے مقابلہ کے لئے جدید ترین اسلحہ مہیا کر سکیں، اگر مسلمانوں نے کما حقہ توجہ کی تو کچھ بعید نہیں کہ آئندہ سال اس کانفرنس کے موقع پر یہ حالات بدل چکے ہوں گے“۔

آخر میں جمال عبدالناصر نے مندوبین کے اعزاز کے طور پر اپنے ساتھ ہر ایک کا یادگار فوٹو کھچوانے کے لئے کہا، راقم الحروف کی جب باری آئی تو صف سے علیحدہ ہو کر پیچھے کرسی پر جا بیٹھا، دو شخص آئے کہ جمال عبد

الناصر بلا رہے ہیں کہ فوٹو لیا جائے، میں نے معذرت کی اور کہا کہ میں اس کو صحیح نہیں سمجھتا اور میرے نزدیک اس کی کوئی دینی قیمت بھی نہیں، اس لئے معذرت خواہ ہوں، اگلے روز پہلی فرصت میں قاہرہ سے جدہ کے لئے سیٹ مل گئی اور قاہرہ سے جدہ ہو کر مدینہ طیبہ پہنچا اور مدینہ سے مکہ مکرمہ، غرض جو سفر درمیان میں نا تمام رہا تھا پورا کر کے مراجعت بالخیر ہوئی، وللہ الحمد۔

خوشی ہوئی کہ عین اس وقت جب کہ قاہرہ کانفرنس ختم ہوئی جدہ میں اسلامی ممالک کے وزراء خارجہ کی کانفرنس منعقد ہوئی اور کثرت رائے سے طے پایا کہ ممالک اسلامیہ کا ایک مشترکہ پلیٹ فارم اور مشترکہ سیکرٹریٹ جس کے ذریعہ تمام مشترکہ اسلامی مسائل حل کئے جائیں قائم کیا جائے، رباط کانفرنس میں یہ تجویز پاس ہوگئی اور اس کی تشکیل کے انتظامات بھی شروع ہو گئے، مزید خوشی کی بات یہ ہے کہ ہماری مملکت کے ایک معزز وزیر نے اس سلسلہ میں قابل قدر کردار ادا کیا اور تمام مندوبین نے اس کی تحسین کی، شام و عراق کی عدم شمولیت سے افسوس ہوا ان حکومتوں کا عدم اشتراک ان کی نیتوں کی غمازی کر رہا ہے، آج سب سے بڑا فتنہ یہی ہے کہ اکثر ملوک و امراء کے دلوں میں شقاق و نفاق بھرا ہوا ہے، "تحسبهم جميعا وقلوبهم شتى" کا مصداق ہیں، اسی لئے اعداء کے دلوں میں ان کی ہیبت اور رعب ختم ہوگیا، دوسرا فتنہ علماء امت کا اختلاف ہے جس کی وجہ سے عوام کے دلوں میں سے علماء کی عظمت و محبت نکل گئی، بلکہ دین سے برگشتہ ہو رہے ہیں، بلا تخصیص تمام علماء پر اس کی مسئولیت عائد ہوتی ہے، ابھی وقت ہے، کاش! اب بھی علماء امت متفق و متحد ہو کر تمام باطل قوتوں کی سرکوبی کے لئے متحد ہو جائیں اور صرف اسلام کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے کی امت کو دعوت دیں۔

وما علينا الا البلاغ المبين

[صفر الخیر ۱۳۹۰ھ/اپریل ۱۹۷۰ء]

شیخ الازہر شیخ عبدالحلیم محمود کی پاکستان آمد

گذشتہ ماہ میں ہماری وزارت اوقاف کی دعوت پر جامع ازہر کے شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود پاکستان کے سرکاری دورے پر آئے، موصوف سے براہ راست تعارف و تعلق تھا اس لئے موصوف نے حکومت کو مطلع کیا تھا کہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ تشریف لائیں گے اور راقم الحروف سے ملاقات کریں گے۔ چنانچہ اسلام آباد سے متعدد فون آئے اور پروگرام بھی بتلایا گیا اور اس خواہش کا ذکر بھی ہوا، بلاشبہ جمہوریہ مصر میں شیخ الازہر کا مقام وہاں کے وزیر اعظم سے بھی اونچا ہوتا ہے اور صدر مملکت کے بعد ہی اس کی شخصیت ہوتی ہے اور قدیم زمانہ سے ہی ان کی یہ حیثیت و شخصیت محفوظ چلی آتی ہے، ہمارا دستور مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں روز اول سے یہی رہا کہ خود کسی بڑی شخصیت کو دعوت نہیں دیتے لیکن کوئی بڑی شخصیت خود آنا چاہے تو رد کرتے بھی نہیں، خود ان کی خواہش تھی کہ وہ مدرسہ میں تشریف

لائیں، میرا ان سے براہ راست تعارف تھا، اس لئے اپنی بساط کے مطابق اہتمام کیا، یہ ہمارا ''بینات'' کا موضوع نہیں اور نہ یہ مختصر صفحات اس کے لئے ہیں کہ یہ لکھیں کہ موصوف نے کیا فرمایا؟ اور ہم نے کیا کہا؟ اگر چہ تمام ریکارڈ محفوظ ہے۔

الحمد للہ کہ موصوف کو مدرسہ دیکھ کر خوشی بلکہ حیرت ہوئی اور جب ایک امریکن نو مسلم طالب علم یوسف طلال نے ان کے سامنے فصیح و بلیغ عربی زبان میں ایک تقریر پڑھ کر سنائی تو موصوف کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ نیو یارک کا یہ نو مسلم انگریز عربی زبان کا کس خوبی سے تلفظ کرتا ہے، فرمانے لگے کہ زندگی میں پہلی مرتبہ ایک انگریز کو صحیح عربی تلفظ کرتے دیکھا، ہمارے طلبہ کے تخصصات (ڈاکٹریٹ) کے بعض مقالات کا جب ان کو علم ہوا تو خواہش ظاہر فرمائی کہ دو مقالے جن میں سے ایک عبد اللہ ابن مسعود پر تھا وہ ادارہ از ہر شریف کی طرف سے شائع کریں گے، یہ محض حق تعالیٰ جل ذکرہ کا احسان ہے کہ ہمارے ایک گمنام ادارے کی حیثیت اتنی کر دی کہ دنیائے اسلام کی سب سے بڑی علمی یونیورسٹی اس کے طلبہ کے مقالات کو شائع کرنے کی خواہش کرتی ہے، **ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم**۔ وزارت اوقاف کے سیکریٹری جناب تجمل حسین صاحب ہاشمی ساتھ تھے اور ساتھ ہی ان کا ٹی وی کا عملہ بھی تھا، جب فلم بنانے کے لئے کارروائی شروع کی تو راقم الحروف نے سختی سے منع کیا کہ یہ فوٹو ہمارے مسلک میں حرام ہیں ہم اس کی اجازت نہیں دے سکتے، تو اس پر ہاشمی صاحب نے فرمایا کہ چونکہ یہ سرکاری دورہ ہے اور حکومت کا حکم ہے کہ اس کی فلم بنائی جائے اس لئے یہ تو کرنا ہی ہوگا، اس پر ہم بے بس ہو گئے اور کہہ دیا کہ شرعی ذمہ داری اب آپ پر ہوگی، ہم بری ہیں، مصری سفیر نے تعجب سے یہ ماجرا سنا جب چائے کی محفل پر بیٹھے تو مجھ سے گفتگو شروع کی، شیخ الازہر بھی سن رہے تھے میں نے کہا کہ آپ کے شیخ محمد بخیت مطیعی جو اپنے زمانے میں شیخ الازہر تھے انہوں نے فوٹو کے جواز پر رسالہ لکھا تو ایک شاگرد رشید نے اسی زمانے میں اپنی کتاب ''النهضة الاصلاحية للاسرة الاسلامية'' میں بڑی شدت کے ساتھ اپنے شیخ کے خلاف لکھا، ڈاکٹر عبد الحلیم محمود سن رہے تھے اور تبسم فرما رہے تھے، بہر حال اس صورت حال کو واضح کرنے کے لئے یہ چند سطریں لکھنی پڑیں کہ آگے چل کر کوئی ہمیں متہم کر کے معصیت میں مبتلا نہ ہو، یا اس واقعہ کو فوٹو کے جواز کی دلیل نہ بنائے، واللہ سبحانہ ولی التوفیق۔

[ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ/مئی ۱۹۷۴ء]

عرب و اسرائیل جنگ اور شکست کے اسباب

مسجد اقصیٰ، بیت المقدس، قبۃ الصخرہ وغیرہ مقامات مقدسہ مسلمانان عالم کا مشترک ملی سرمایہ ہیں اور ان کی حفاظت تمام عالم اسلام کا مشترکہ دینی فریضہ ہے، شرق اوسط کا حالیہ سانحہ کبریٰ یعنی قدس پر صہیونی تسلط اور

یہودی اقتدار دور حاضر کا انتہائی دردناک حادثہ اور سلطنت بخاری کی تباہی اور خلافت آل عثمان کی بربادی کے بعد سب سے بڑا المیہ ہے، ابھی دس سال پیشتر کا قصہ ہے کہ برطانیہ، فرانس اور اسرائیل کا سہ طاقتی حملہ پوری شدت اور قوت کے ساتھ مصر پر ہوا تھا مگر حملہ آوروں کو شرمناک شکست اور ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا اور آج بظاہر تنہا اسرائیل حملہ آور ہوا اور مصر، شام، اردن، حجاز، عراق، لیبیا، الجزائر اور کویت وغیرہ تقریباً ایک درجن عرب ممالک نے مشترکہ دفاع کیا اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ صدر جمال عبدالناصر کو شکست ندامت اور ذلت کا ایسا اعتراف کرنا پڑا جس کا تصور وہ خود بھی نہیں کر سکتے تھے، جس سے عالم اسلام پر یکا یک نزع کا عالم طاری ہو گیا اور دوسری طرف تل ابیب، لندن اور نیو یارک میں مسرت کے شادیانے بجنے لگے آخر یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ دس سال کے قلیل عرصے میں اتنا بڑا تغیر کیسے آ گیا؟ اور وہ کون سے عوامل ہیں جن کے نتیجے میں پورے عالم اسلام کو بالعموم اور عرب ممالک کو بالخصوص غرق ندامت ہونا پڑا؟

یہ ایک اہم سوال ہے جس کا جواب ہر قسم کی جذباتیت، جھنجھلاہٹ اور سطحیت سے بالاتر ہو کر پوری سنجیدگی اور گہرے غور و فکر کے ساتھ ہمیں دینا ہوگا۔

ذرا شرق اوسط کی دہ سالہ تاریخ کو سامنے لائیے، ایک طرف اسرائیل کی ملعون قوم ہے جس نے ان دس سالوں کا ایک لمحہ بھی غفلت میں ضائع نہیں کیا، عسکری تربیت، جدید ترین اسلحہ کی فراہمی اور جذبہ انتقام کی پرورش میں ذرا کوتاہی نہیں کی بلکہ ہر قیمت پر انتہائی قوت اور خوفناک جارحانہ عزائم میں برابر اضافہ کرتا چلا گیا، برطانیہ اور امریکہ نے اسرائیلی جارحیت کو پروان چڑھانے اور قوی سے قوی تر بنانے کے لئے اندھا دھند مدد دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، جس کے نتیجے میں بیس، پچیس لاکھ کا پورا ملک جنگی کیمپ اور فوجی چھاؤنی میں تبدیل ہو گیا، دوسری طرف جانب مخالف نے فتح و کامرانی کے نشہ میں بدمست ہو کر اس دس سال کے وقفے میں اپنی طاقتوں کا بے محل استعمال شروع کیا، باہمی خانہ جنگی اور سر پھٹول میں مالی اور فوجی قوت کا جنازہ نکالا، دشمن کی بڑھتی ہوئی طاقت پر صحیح نظر رکھنے اور دفاعی تدابیر بروئے کار لانے سے تغافل برتا، مصنوعی پروپیگنڈا، اخباری شور و غوغا، کھوکھلے نعروں، دھمکی آمیز بیانوں اور تقریروں پر قناعت کی، جس قوم کو اعداء اللہ کے مقابلے کے لئے اپنی تمام ممکنہ قوتوں کے مجتمع رکھنے کا خطاب تھا ﴿واعدوا لهم ما استطعتم من قوة﴾ وہ اپنی تمام قوتیں جھوٹے وقار پر ضائع کرنے لگی، جس قوم کو اسلامی اتحاد اور اسلامی اخوت کا آفاقی نصیب العین دیا گیا تھا وہ قومیت اور نیشنلزم جیسی لعنتوں میں مصروف پیکار ہو گئی، جس امت کو مرتے دم تک اسلام پر قائم رہنے کی تلقین کی گئی تھی ﴿لا تموتن الا و انتم مسلمون﴾ ان کی لغت میں اسلام پر جمنا ایک طعنہ بن کر رہ گیا، جس امت کو کفر اور شعارِ کفر سے بیزاری کا حکم دیا گیا تھا ﴿انا برآء منكم ومما تعبدون من دون الله كفرنا بكم﴾ اس نے شکل و وضع، صورت و سیرت، تہذیب و تمدن اور افکار و نظریات میں کفار اور شعارِ کفر کی نقالی کو مایہ فخر سمجھا، جس امت کو تمام مادی وسائل،

سامان حرب وضرب اور عدد وعُدّ ہ کی فراہمی کے ساتھ ساتھ اللہ سے گڑ گڑا کر دعا مانگنے، اسی کی ذات پر اعتماد اور بھروسہ کرنے اور اسی سے فتح ونصرت کی دعائیں کرنے کی تلقین کی گئی تھی اس نے موہومہ مادی قوت پر اعتماد کرتے ہوئے خدافراموشی کا راستہ اختیار کیا ﴿نسوا الله فنسيهم﴾ آخر اس تمام پس منظر کا نتیجہ ''شامت اعمال صورت نادر گرفت'' کے سوا اور کیا ہوسکتا تھا؟ اس چشم دید اور دردناک صورت حال کی طرف چند مختصراً اشارے گزشتہ ماہ کے بصائر وعبر میں کر چکا تھا، افسوس کہ جس چیز کا مجھے اندیشہ تھا وہی ہو کر رہی، انا للہ۔ روس ہو یا امریکہ، برطانیہ ہو یا فرانس، چین ہو یا جاپان جب تک مسلمان ان بتوں کو دل سے نہیں نکالیں گے ٹھوس اسلامی بنیادوں پر اتحاد عالم اسلام بروئے کار نہیں لائیں گے، صدق دل سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر چلنے کا عہد تازہ نہیں کریں گے اور اسلامی تاریخ کے سبق آموز واقعات سے عبرت پذیر نہیں ہوں گے اس وقت تک کوئی قوت ان کو حرمان وخسران سے نہیں بچاسکتی:

﴿اِنْ يَّنْصُرْكُمُ الله فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِىْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ﴾ [آل عمران: ١٦٠]

آخر اسرائیل جیسی مغضوب اور ملعون قوم جسے نبیوں کی زبانی ملعون کہا گیا، اس کی یہی کامیابی ہمارے لئے کیا کچھ کم عبرت آموز ہے؟ مگر وہ اسی پر قائم نہیں، خدانخواستہ ہماری خودفراموشی اور خ[illegible]اری کی یہی ناگفتہ بہ صورت حال قائم رہی تو۔ خاکم بدہن۔ اسرائیل خیبر ومدینہ کے خواب دیکھ رہا ہے اور بنی نضیر، بنی قریظہ، بنی قینقاع اور یہود خیبر کا انتقام لینے کے لئے دانت پیس رہا ہے، فيا غربة الاسلام و ياخيبة المسلمين۔ کاش! یہی تازیانہ عبرت مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگانے اور اسلامی ممالک کے سربراہوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہو جائے، کاش عالم اسلام کے کسی گوشے سے کوئی صلاح الدین ایوبی شہید اٹھے اور ارضِ مقدسہ کی تطہیر کے لئے علم جہاد بلند کرے۔

مسلمان قوم اور اس کے امراض

عالم اسلام بالخصوص عرب کے صحراؤں میں قدرتی وسائل، خام ذخائر اور مال ودولت کی کمی نہیں، بلکہ فراوانی اور طغیانی ہے مگر یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ ان کے مال ودولت کا بڑا حصہ یا تو غیر ملکی بینکوں میں جمع ہونے کی وجہ سے دشمنان اسلام کے کام آتا ہے، یا شاہ خرچی، عیش پرستی، عافیت کوشی اور آسائش پسندی کے لئے ضائع کیا جاتا ہے، یا پھر لایعنی منصوبوں اور بے مصرف صنعتوں پر برباد کیا جاتا ہے، لیکن فوجی استحکام، عسکری تربیت اور اسلحہ سازی تقریباً صفر ہے دشمنان اسلام جگہ جگہ ہوائی اڈے، بحری بیڑے، فوجی چھاؤنیاں اور اسلحہ سازی کے بڑے بڑے کارخانے قائم کر رہے ہیں، مگر عالم اسلام خدافراموشی کے ساتھ ساتھ ظاہری تدابیر سے بھی مجرمانہ

غفلت میں مست ہے۔

مسلمان قوم کو تن آسانی، آسائش پسندی اور عیش پرستی کبھی راس نہیں آتی، اندلس اور بغداد کی تباہی سے لے کر ترکی اور بخاریٰ تک کی تاریخ پڑھیے اور سبق لیجئے، اسلام کے خیر القرون میں بھی جب اللہ تعالیٰ کی نصرت وتائید کی طلب میں ذرا سی غفلت یا اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشاد کی تعمیل میں معمولی سی کوتاہی ہوئی یا ظاہری ساز وسامان پر نظر گئی تو فوراً تنبیہ کی گئی اور بعض اوقات ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

بہرحال مسلمان قوم اور مسلمان حکومتیں حسب ذیل امراض میں مبتلا ہیں جن کا ازالہ جلد از جلد ہونا چاہیے:

① اسلامی اخوت کے بجائے قومیت کا نعرہ۔

② اقتدار اور طاقت کے باوجود اسلامی قوانین الٰہیہ کو نافذ نہ کرنا۔

③ تن آسانی، تن پروری، عیش وعشرت اور لہو ولعب پر مال ودولت کا برباد ہونا۔

④ فوجی اور عسکری قوت اور جدید ترین جنگی اسلحہ سے مجرمانہ تغافل۔

⑤ صرف مصنوعی سطحی اور وقتی نعروں پر قوم کی تنظیم کا خبط۔

⑥ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اسلامی دینی جہاد کی روح کو ختم کر کے ہوس ملک گیری اور شخصی قیادت کے بقاء کے جنون میں گرفتار ہونا۔

⑦ اسلامی معاشرت کی جگہ ملعون قوموں کی تہذیب ومعاشرت کو اپنانا۔

⑧ اسلامی اخوت، ایثار وقربانی اور غریب پروری کے جذبہ کا ختم ہوجانا۔

⑨ غلط نظام معیشت کی وجہ سے ایک طبقے کا دولت کی فراوانی کے ہیضہ میں مبتلا ہوجانا اور دوسرے طبقے کا نان شبینہ کے لئے بلکنا۔

⑩ اللہ تعالیٰ مالک الملک، خالق ورازق اور قادر مطلق سے غفلت برتنا اور دنیائے کفر کی طاغوتی طاقتوں کو قبلۂ حاجات سمجھنا اور ان سے ہمدردی اور خیر کی توقع رکھنا۔

⑪ اسلامی نظام معیشت کی جگہ بینک کے موجودہ کافرانہ نظام مالیات کو اختیار کرنا اور اسی کو ذریعہ نجات اور مشکل کشا سمجھنا۔

⑫ اسلامی فلسفہ تعلیم کی جگہ خدا بیزار اور آخرت فراموش نظام تعلیم کو اپنانا اور اسی کو معراج ترقی سمجھنا۔

میں سمجھتا ہوں کہ عصر حاضر میں مسلمانوں کی تباہی کے حقیقی اسباب یہی ہیں، کاش! ان کے ازالہ واصلاح کی طرف عالم اسلام کو متوجہ ہونے کی توفیق ہوجائے۔

بیت المقدس پر اسرائیل کا قبضہ

بہر حال جون ۱۹۶۷ء کے پہلے عشرہ کے چار دنوں میں بیت المقدس پر یہود کا قبضہ، خلیج عقبہ پر ان کا تسلط اور غزہ وعریش اور صحراء سینا پر ان کا اقتدار دور حاضر کی تاریخ کا دردناک حادثہ اور عالم اسلام کی جبین پر سیاہ داغ ہے، کہنے والوں کا کہنا ہے کہ یہ سارا قصہ چار دن میں نہیں صرف چار گھنٹوں میں طے ہوگیا تھا، پھر تقریباً ڈیڑھ لاکھ باشندگان قدس وخلیل کا انتہائی ذلت سے بیک بینی ودوگوش ملک بدر کیا جانا یہود کی قلبی قساوت اور سنگدلی کا نیا ریکارڈ ہے جس بد بخت اور تاریخی مجرم قوم نے انبیاء کرام علیہم السلام کے خون سے ہاتھ رنگین کئے ہوں ان سے انسانیت کی توقع کب ہوسکتی ہے؟ امریکہ وبرطانیہ کا اس یہودی سازش میں بلا واسطہ شرکت کرنا، اقوام متحدہ کی نام نہاد سلامتی کونسل (۱) کا اظہار حق کی جرأت سے احتیاط کرنا، عین وقت پر روس کا اپنے بلند بانگ دعووں کے باوجود پہلو تہی کرنا اور برطانیہ وامریکہ کی سامراجیت سے گٹھ جوڑ کرنا ہماری عبرت کے لئے کیا کچھ کم ہے؟ جو کچھ ہونا تھا ہو گیا، اب بعد از وقت روس کا اسرائیل سے سفارتی تعلقات ختم کرلینا، ان دردناک زخموں کو کبھی مندمل نہیں کرسکتا، روس اور اس کے ہمنوا ممالک اب جو کچھ کر رہے ہیں وہ ''مشتے کہ بعد از جنگ بیاد آید برکلہ خود باید زد'' کا مصداق ہے، کیا اب بھی ان دشمنان اسلام سے دوستی اور خیر خواہی کی توقع رکھی جاسکتی ہے؟ افسوس ہے کہ ہمارے عرب اور غیر عرب ملوک وسلاطین کی آنکھیں اب بھی نہیں کھلتیں، کوئی روس کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے اس کے کافرانہ اشتراکی نظام کا حلقہ بگوش بنا ہوا ہے اور کوئی امریکہ وبرطانیہ کی مدح سرائی اور قصیدہ خوانی میں مست ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسرائیل کا بیت المقدس پر قبضہ، علامات قیامت کا پیش خیمہ

فلسطین وبیت المقدس پر یہود کے استیلاء سے اب جو نقشہ بن گیا ہے کچھ بعید نہیں کہ یہی ملحمۂ کبریٰ اور ان ملاحم کے لئے جن کا ذکر احادیث میں بسلسلہ اشراط الساعۃ آتا ہے پیش خیمہ ہو اور آثار بھی ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بے خبر دنیا کے ختم ہونے کا وقت شاید قریب آپہنچا ہے۔

یہاں تک لکھ چکا تھا کہ جنگ مورخہ ۱۴؍ جون ۱۹۶۷ء میں مراکش کے شاہ حسن کا بیان نظر سے گذرا جس سے میری معروضات بالا کی تائید ہوتی ہے، اقتباس ملاحظہ ہو:

---

(۱) اس عالمی ادارے کا احترام اپنی جگہ لیکن ستمبر ۶۵ء کی پاک بھارت جنگ اور شرق اوسط کے حالیہ بحران کے دوران اس ادارے نے جو کردار ادا کیا ہے وہ عالم اسلام کے لئے قطعاً مایوس کن ہے، یہ ادارہ صرف بڑی طاقتوں کا اکھاڑہ اور جارحیت وصہیونیت کا آلہ بن کر رہ گیا ہے، یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ جو عالمی ادارہ عالمی مسائل کے سلجھانے کے لئے وجود میں آیا تھا وہ طاقت وجارحیت کے خلاف کسی قسم کی کاروائی کرنے سے عاجز ہے، اور مظلوم کے حق میں ایک لفظ تک کہنے سے اس کی زبان گنگ ہے۔

''شرق اوسط کی حالیہ جنگ میں عربوں کی شکست کی سب سے بڑی وجہ عرب ریاستوں کا عدم اتحاد اور مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے گناہ ہیں، خدا نے ہمیں ہمارے گناہوں کی سزا دی ہے اور ہمیں متحد ہونے کی ہدایت کی ہے، خدا نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ایک دوسرے کی توہین نہ کی جائے، اور ہم نے زبانی اور تحریری طور پر ایک دوسرے کی توہین کی ہے، خدا نے ہمیں ایک اور موقع دیا ہے کہ ہم اس کے دیئے ہوئے احکامات کی پابندی کریں اور اپنی زندگی کو خدائی قانون کے مطابق ڈھالیں، خدا نے ہم سے اس لئے آنکھیں موڑ لیں کہ ہم خود اس سے دور ہو گئے۔''

باضمیر بادشاہ نے صفائی سے جن حقائق کا اعتراف کیا ہے قرآن کریم اور احادیث نبویہ نے ان حقائق کونیہ کا اتنا واشگاف اعلان کیا ہے اور اسلا[illegible] نے اس کے [illegible] اتنے شواہد جمع کر دیئے ہیں کہ جس دل میں نور ایمان کا کوئی ذرہ موجود ہو اور جو پوری طرح مسخ نہ ہو گیا ہو وہ ان کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا، اے اللہ! اس امت پر رحم فرما، اس کے گناہوں کو معاف فرما، ان کو سچا مسلمان بننے کی توفیق عطا فرما اور انہیں دنیوی سرخروئی اور اخروی نجات نصیب فرما، (آ[illegible])۔

اتحادِ عالم اسلام

ان تلخ حقائق اور دردناک حوادث میں اگر کسی قدر خوشی کی جھلک نظر آتی ہے تو وہ عرب ممالک کا اتحاد خصوصاً اسلامی اتحاد کی طرف رجحان ہے، بلاشبہ وقت کا فوری تقاضا یہ ہے کہ تمام عالم اسلام ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائے اور امریکہ و برطانیہ کی تحریک تفریق بین المسلمین کو ناکام بنا کر اسلامی بلاک وجود میں لایا جائے، اگر آج بھی مسلمان عقلمندی سے کام لیں اور اس تباہی سے عبرت پکڑیں تو متحدہ مساعی سے اپنی سیاسی، اقتصادی اور عسکری قوتوں میں استحکام پیدا کر سکتے ہیں، اگر ہمارے سروں پر مسلط شدہ کافرانہ نظام معیشت، طرز معاشرت اور درآمد شدہ نظریوں کی اصلاح کر لی جائے، توبہ و انابت کے راستے کو اختیار کر لیا جائے، تو تباہ شدہ عزت و مجد اور شرف و وقار کو واپس لوٹایا جا سکتا ہے، مسلمانوں میں آج بھی خالد بن ولید، طارق بن زیاد اور صلاح الدین ایوبی کے جانشین پیدا ہو سکتے ہیں، جو ارضِ مقدسہ کو صہیونیت کے نجس قدموں سے پاک کر دیں اور ﴿من یسومهم سوء العذاب﴾ کا قرآنی وعدہ پھر ایک بار پورا کر دکھائیں، لیکن اگر مسلمان ہی صہیونی پارٹ ادا کرنے لگیں اور یہود و نصاریٰ اور ہنود و مجوس کی سی زندگی کو اپنا لیں اقبال کے لفظوں میں:

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود؟

تو خدا کو ایسے ''بدنام کنندہ نیکو نامے چند'' قسم کے نام نہاد مسلمانوں کی ضرورت نہیں ہے، پھر ان کی ذلت اور موت مقدر ہو چکی ہے، (لا يباليهم الله بالة) معاذ اللہ۔

فتح وشکست کے حقیقی اسباب

حق تعالیٰ شانہ کی قدرت و ربوبیت آسمان سے لے کر زمین تک تمام کائنات پر محیط ہے، اس عالم کون وفساد کا کوئی ذرہ نہ اس کی قدرت سے خارج ہے نہ اس ربوبیت سے بے نیاز، قوموں کا عروج وزوال، ترقی و بربادی، فتح وشکست اور کامیابی وناکامی بھی براہ راست مشیت خداوندی کے تحت داخل ہے، الغرض حق تعالیٰ کا غیر مرئی نظام قدرت ونظام ربوبیت عالم کے ہر ہر جزء میں جاری وساری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس عالم میں اسباب ومسببات کا ایک ظاہری سلسلہ جاری فرمادیا ہے لیکن اسباب ومسببات کا خالق ومالک بھی وہی ہے اور اقتدار وتصرف بھی اسی قادر مطلق کے قبضہ قدرت میں ہے، پھر جس طرح اس عالم میں ظاہری اسباب کا سلسلہ جاری ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کارخانہ قدرت میں اسباب سے بالاتر بھی ایک مخفی نظام کارفرما ہے، ظاہری اسباب بھی اسی وقت مؤثر ہوتے ہیں جبکہ حق تعالیٰ شانہ کی حکمت ومشیت کا تقاضا ہو ورنہ اسباب وتدابیر کا تمام کارخانہ بے کار اور معطل ہو کر رہ جاتا ہے، فتح ونصرت کے لئے جس طرح ظاہری اسباب موثر ہیں اس سے کہیں زیادہ باطنی اسباب اور غیبی نظام کی تاثیر فیصلہ کن ہوتی ہے۔

شرقِ اوسط کے دردانگیز حالات پر جہاں تک غور کیا یہی سانح ہوا کہ ظاہری ومادی اسباب ایسے نہ تھے کہ ایسی حیرت ناک اور ذلت آمیز شکست مسلمانوں کو ہوتی بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہماری بدعملیوں کی پاداش میں قدرت کا مخفی نظام حرکت میں آیا، مصری حکومت پر غلط فہمی اور غفلت طاری کر دی گئی، یوں اس کا فوجی نظام تہہ وبالا کر دیا گیا اور سالہا سال کی جنگی تدبیروں اور دفاعی استحکام کو آن کی آن میں پیوند خاک کر دیا گیا۔

﴿إِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ﴾ [التوبة:٢٥]

درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تازیانہ عبرت ہے تاکہ ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیں، خدافراموش زندگی سے توبہ کرلیں اور حق تعالیٰ سے ٹوٹے ہوئے رشتے کو دوبارہ جوڑ لیں، یہ سانحہ کسی خاص ملک کے لئے نہیں بلکہ مصر شام، تیونس، الجزائر، حجاز اور کویت بلکہ تمام اسلامی ممالک سبھی کے لئے تازیانہ عبرت تھا، جیسا کہ بینات کے سابقہ شمارے میں تفصیلی اشارے کئے گئے تھے لیکن صدمے کی بات یہ ہے کہ اس عبرت انگیز شکست اور سبق آموز صورت حال سے جیسی عبرت ہونی چاہیے تھی نہیں ہوئی، واللہ المستعان۔

ماضی کی ہلاک شدہ قوموں کی عبرت ناک تباہی کی داستانیں پڑھنے سے جو بنیادی بات آدمی محسوس کرتا ہے وہ یہی ہے کہ ان کے دل ودماغ نشہ غفلت سے اس قدر ماؤف ہو چکے تھے کہ ان پر عذاب آتا مگر انھیں یہ احساس بھی نہ ہوتا کہ یہ حق تعالیٰ کا عذاب ہے، بس یوں ہی اسباب کی طرف منسوب کر کے اپنی جگہ مطمئن ہو جاتے اور اگر کہیں اسباب کا کوئی سرا نہ ملتا تو ان حوادث کو بخت واتفاق کا کرشمہ قرار دے دیا ﴿قد مس آباء نا الضراء

والسراء ﴾ غفلت، لاپروائی اور سنگدلی کی یہی وہ خطرناک سرحد تھی جس سے گذرنے کے بعد ان کا نام ونشان تک مٹا دیا گیا ﴿هل تحس منهم من احد او تسمع لهم ركزا﴾ موجودہ حسرت ناک اور دردناک صورت حال میں بھی یہی محسوس ہورہا تھا، فتح وشکست کوئی نئی چیز نہیں بلکہ یہ سلسلہ تو ابتدا ہی سے چلا آرہا ہے لیکن شکست کے اصلی اور حقیقی اسباب پر غور نہ کرنا قابل صد افسوس ہے، قرآن حکیم نے اسی حقیقت کو واضح فرمایا ہے ارشاد ہے:

﴿اَوَ لَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِىْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْمَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَايَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴾ [التوبة:١٢٦]

اور کیا وہ دیکھتے نہیں کہ انھیں آزمایا جاتا ہے ہر سال ایک مرتبہ یا دو مرتبہ، پھر بھی نہ وہ توبہ کرتے ہیں اور نہ وہ غور کرتے ہیں۔

"ولا هم يذكرون" نہایت ہی قابل غور ہے، نیز ارشاد ہے:

﴿فَلَوْلَا اِذْجَاءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (١) [الانعام:٤٣]

پھر وہ کیوں نہ گڑگڑائے جب ان پر ہمارا عذاب آیا تھا لیکن ان کے دل سخت ہوگئے اور اچھا کر دکھلایا ان کو شیطان نے جو کچھ وہ پہلے سے کررہے تھے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ اَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ﴾ [المومنون:٧٦]

اور یقینا ہم نے ان کو عذاب میں پکڑا تھا پھر نہ تو وہ اپنے رب کے سامنے جھکے اور نہ وہ گڑگڑاتے ہیں۔

اسی قسم کی آیات سے واضح ہے کہ حوادث سے عبرت نہ پکڑنا اور حق تعالیٰ کی طرف رجوع نہ کرنا نہایت خطرناک حالت ہے۔

---

(١) کتنا عجیب نقشہ ہے جو قرآن حکیم نے "در حدیث دیگراں" خود ہماری صورت حال کا کھینچ کر رکھ دیا، جنگ سے ذرا پہلے ہمارے یہاں یہ بحث چھڑی ہوئی تھی کہ ہماری ترقی کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ یہی مذہبیت رجعت اور ملائیت ہے اسے ختم کرکے اسلامی اشتراکیت اور اسلامی سوشلزم کو لانا چاہیے، مصر غریب جس کی اشتراکیت پسندی اور تجدد پرستی کے حوالے یہاں بار بار دیئے جاتے تھے سب نے دیکھا کہ وہ " عبادًا لنا اولی باس شديد "کی تاب چار دن بھی نہیں لا سکا، لیکن ہمارے فکر ونظر میں اب بھی تبدیلی نہیں ہوئی، ہمارے مفکرین کا رخ اب بھی مذہب کش اشتراکیت ہی کی طرف ہے، امت کے عمومی فساد مزاج کی انتہا یہ ہے کہ سقوط بیت المقدس کے بعد بھی سیمناروں میں سیرۃ النبی کے اجلاس منعقد کئے جاتے ہیں اور عربوں کے نقصانات کی تلافی کے لئے عرب عورتوں کے مینا بازار جیسے شرمناک اور حیا سوز منظر کا اہتمام کیا جاتا ہے، "واذا اراد الله بقوم سوءا فلا مرد له" نظریں اس طرف تو بھی کی جاتی ہیں کہ مسلمان سائنس اور ٹیکنالوجی میں پیچھے رہ گئے تھے، اس لئے انھیں شکست ہوئی اور ایک معاصر نے تو یہاں تک مشورہ دے ڈالا کہ پاکستان میں مسجدوں پر جتنے ٹکے مسلمان برباد کررہے ہیں وہ سب سائنسی ترقی اور فوجی استحکام پر خرچ کئے جانے چاہئیں لیکن اس طرف کسی کی نظر نہیں جاتی کہ یہ امت تعلق مع اللہ، ایمانی قوت اور خود اعتمادی کی دولت کھو بیٹھی ہے، اس [illegible] سے اقوام متحدہ تک اس کی حیثیت گھاس پھوس کی ہوکر رہ گئی ہے، جس کی نہ کوئی قیمت ہے نہ کوئی وزن۔ (مدیر)

عرب قومیت اور اشتراکیت کی نحوست

عرب ممالک میں بظاہر ممتاز فوجی قوت، عسکری نظام، مادی ساز و سامان اور جدید اسلحہ کے اعتبار سے مصری حکومت ہی اس پوزیشن میں تھی کہ اسرئیل اور امریکہ و برطانیہ کی سامراجیت سے پنجہ آزمائی کرسکے، پھر مصر کے صدر جمال عبدالناصر کے حوصلوں سے کسی اچھے کارنامے کی توقعات وابستہ ہوسکتی تھیں لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ عرب قومیت اور اشتراکیت کی نحوست سے تمام کارناموں پر پانی پھر گیا، مان لیجیے کہ اتحاد عرب کی تحریک اتحاد اسلام کے پیش خیمہ کے طور پر شروع کی گئی ہوگی، یعنی پہلے اپنے گھر کو بنائیں پھر باہر کی دنیا کی خبر لیں گے، لیکن ہوا یہ کہ اتحاد عرب نے اتحاد اسلام کی جگہ لے لی اور وہ بذات خود مقصد بن کر رہ گیا، جس سے اسلامی اتحاد کمزور ہوتا گیا اور اعدائے اسلام کو اسی راستے سے گھسنے کا موقعہ مل گیا، پھر بعض سیاسی غلطیوں یا ہوس اقتدار سے عرب اتحاد بھی پارہ پارہ ہوگیا اور افسوس ہے کہ اس نازک موقعہ پر جو اتحاد عرب کی توقع پیدا ہوگئی تھی اعداء اسلام کی عیاری اور اپنوں کی سادہ لوحی کی وجہ سے وہ بھی ختم ہوگئی، جنگ کے بعد حالات نے جو نئی کروٹ لی ہے اس سے قوی اندیشہ اس امر کا ہوگیا ہے کہ جمہوریہ مصر، شام، عراق اور الجزائر تو روسی بلاک میں شامل ہوکر اسلامی عربی انفرادیت کو کھو بیٹھیں گے بلکہ شاید روس کی دوستی کی قیمت ادا کرنے کے لئے ۔ خاکم بدہن ۔ اپنے ملکوں سے اسلام ہی کو ختم کردیں گے اور دوسری طرف بقیہ چند عرب ممالک امریکہ و برطانیہ سے دوستانہ تعلق کو مزید استوار کرکے اسلام کے لئے مستقل خطرہ بنیں گے، بہرصورت موجودہ نقشہ انتہائی دردناک ہے جس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، خدا فراموشی، تن پروری اور اقتدار پرستی کا تاریک انجام یہی ہوسکتا ہے جو ہوا، **فالی اللہ المشتکی**۔

شکست کے اسباب صرف یہ بتلائے گئے کہ دشمن کے پاس سامان زیادہ تھا اور یہ کہ ہمیں حملہ کا خطرہ مشرق سے تھا لیکن حملہ مغرب سے ہوا(۱)، گویا محض سطحی اور ظاہری اسباب پر ایمان لاکر صرف اسلحہ کی کمی کو پورا کر لینا ہی معراج کمال سمجھا گیا اور ساتھ کے ساتھ اشتراکیت پر عزم کا بھرپور اظہار کیا گیا تا کہ کہیں ''پیغمبر اشتراکیت''

---

(۱) انقلاب مصر کی ۱۵ ویں سالگرہ کے موقعہ پر صدر ناصر کی جو تقریر مقامی اخبارات میں شائع ہوئی ہے اس کے بعض جملے بلاشبہ قابل تحسین ہیں، صدر ناصر نے کہا: اللہ تعالیٰ ہمیں ایک سبق دینا چاہتا تھا جو ہم نے سیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی وہ سبق یہ تھا کہ ہم اپنی خامیوں کو دور کریں، اپنے گناہوں سے توبہ کریں اور اپنے وطن کی تعمیر میں لگے رہیں، اب ہم نے یہ سبق حاصل کرلیا ہے، ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور اگر ہم فتح حاصل کرنے کی جدوجہد کریں گے تو وہ یقینا ہمیں فتح ونصرت سے ہمکنار کرے گا۔ انھوں نے کہا: ہم کسی عرب ملک کو سوشلسٹ نظام کے تحت لانے کی کوشش نہیں کریں گے، اسرائیل کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک عرب محاذ ہونا چاہیے، انہوں نے مزید کہا: میں نے سربراہ کانفرنس طلب کرنے کے لئے سوڈان کے وزیر اعظم کی تجویز منظور کرلی ہے، ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ عرب ملک جو کچھ کرسکتے ہیں کریں اور اپنی طرف سے کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں، کاش! اللہ تعالیٰ تمام عرب سربراہوں کو اپنی واقعی خامیوں کو سمجھنے، گناہوں سے توبہ کرنے اور وطن کی تعمیر کے بجائے اعلاء کلمۃ اللہ کو نصب العین بنانے کی توفیق بخشیں، ضرورت جن چیزوں کو عمل میں لانے کی تھی اب تو انھیں زبان پر لانا بھی شاذ و نادر ہی ہوتا ہے اور عرب سربراہ کانفرنس بھی مفید اسی وقت ہوسکتی ہے جبکہ شرکت کرنے والے جذبہ مفاہمت سے شریک ہوں اور ایک دوسرے کی غلطیاں بغیر یاد دلائے معاف کر دینے کے لئے تیار ہوں اور اگر صرف اپنی کہنے اور اپنی سنانے کے جذبے ہی سے شرکت کی گئی تو خطرہ ہے کہ اس کا انجام اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا سا نہ ہو۔ (مدیر)

روس ناراض نہ ہو جائے اور روسی بحری بیڑہ کے سکندریہ اور سوئز پہنچنے پر اطمینان کا سانس لیا گیا حالانکہ جس رات ٦ بجے حملہ ہوا ہے تین بجے رات تک روس ہی اطمینان دلانے والا تھا کہ اسرائیل کی طرف سے حملہ نہیں ہوگا، تم حملے میں پہل نہ کرنا اور عین اس وقت جبکہ اسرائیلی درندے مصر، شام اور اردن پر بمباری کر رہے تھے روسی بیڑہ کچھ زیادہ دور نہیں تھا اور روس اور مریکہ کے درمیان عدم مداخلت کا سمجھوتہ ہو رہا تھا، اگر یہ واقعات صحیح ہیں تو پھر کیا تعجب اور افسوس کا مقام نہیں کہ روس پر اس کے بعد بھی اعتماد باقی رکھا جائے، یہ صحیح ہے کہ جدید اسلحہ اور دیگر جنگی سامان کے لئے انہی خدا فراموش قوموں میں سے جس کو نسبتۃً غنیمت سمجھا جائے گا اسی سے امداد لی جائے گی لیکن صرف اسی کو ذریعہ نجات سمجھنا کہاں کی عقل اور کہاں کی تدبیر ہے۔

اگر خدانخواستہ عقبہ، غزہ، عریش اور صحرائے سینا کے بعد نہر سوئز پر بھی ان کا قبضہ ہو جاتا ہے جو بظاہر امریکہ و برطانیہ کی پوری سازش ہے تو عرب جمہوریہ کی شہ رگ کٹ جاتی ہے اور اس کے بعد اسلام اور مسلمانوں پر جو کچھ گذرے گی اس کا تصور بھی آج نہیں کیا جا سکتا ہے، بہر حال عرب ممالک کا موجودہ نقشہ اور روزانہ کے پیش آنے والے حالات وواقعات ایک مسلمان کے لئے انتہائی ناقابل برداشت صدمہ کا موجب ہیں، جو کچھ پہلے لکھا گیا یا اب لکھا جا رہا ہے الحمد للہ وہ صرف اپنے ضمیر کی آواز ہے، نہ پہلے کسی کی غلطی کو خوبی سمجھا نہ اب کسی کی واقعی خوبی سے انکار ہے۔

عالم اسلام کے اتحاد کی ضرورت

ظاہر ہے کہ آج کا مسئلہ صرف عرب ممالک کا نہیں بلکہ تمام عالم اسلامی کا مسئلہ ہے، مکہ مدینہ اور قدس تمام عالم اسلام کا مشترک سرمایہ ہے، اس لئے موجودہ صورت حال میں تمام عالم اسلام کو متحد و متفق ہونا چاہیے، سربراہان عرب کا فرض ہے کہ وہ عرب ممالک کے سربراہوں کا اجتماع بلانے کے بجائے عالم اسلامی کے سربراہوں کی کانفرنس منعقد کریں۔

خدا کا شکر ہے کہ اس ابتلاء میں پاکستان کا اسلامی مؤقف ممتاز اور قابل فخر رہا اور ترکی نے بھی قابل تعریف موقف اختیار کیا، ان صبر آزما حالات میں عرب اور اسلام کی مشترکہ مشکلات کو حل کرنے کے لئے اتحاد اسلام کا بہترین موقع ہے، دشمنان اسلام انتہائی عیاری اور چالاکی سے جس طرح عرب حکومتوں میں تفریق کے درپے ہیں اس طرح اس کوشش میں بھی مصروف ہیں کہ جلد سے جلد چند اسلامی ملکوں کا بلاک قائم کر کے عالم عرب سے انہیں جدا کر دیا جائے۔

بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ چین کے خوف نے روس اور مریکہ کو کسی خفیہ سمجھوتے پر مجبور کر دیا ہے اور وہ اندرون خانہ عرب ممالک کی قسمت کا فیصلہ بھی کر چکے ہیں، اگر اس خیال میں کچھ بھی واقعیت ہے تو روس کی دوستی پر

اعتماد کرنا اور اسی کو ذریعہ نجات اور وسیلہ کامیابی سمجھنا بڑی خطرناک اور تباہ کن غلطی ہوگی۔

جہاں تک جدید اسلحہ سازی کا تعلق ہے عرب اور دیگر ممالک اسلامیہ اتنے پیچھے ہیں کہ سو سال میں بھی یہ توقع نہیں کہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں گے، ان حالات میں صراط مستقیم یہی ہے کہ پورا عالم اسلام متحد ہو کر مشترکہ فوجی تنظیم اور جنگی سامان کی تدابیر کرے، حتی المقدور تمام ممکن وسائل جہاں کہیں سے بھی حاصل ہوں مہیا کئے جائیں، اللہ تعالیٰ سے صحیح رشتہ جوڑیں، قانون اسلام نافذ کریں، اعلائے کلمۃ اللہ کو نصب العین بنا کر جدید تہذیب وتمدن کی تمام لعنتوں کو اپنے اپنے ملکوں سے نکال پھینکیں، متحد ہو کر عالمی ترازو میں اپنا وزن ڈالیں، اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل کے چکروں سے نکلیں اور اسلامی اخوت کی پناہ میں آجائیں، اس طرح انشاء اللہ تعالیٰ کامیابی وکامرانی ان کے قدم چومے گی۔

لیکن اگر اس کا امکان نہیں تو مستقبل میں اپنی تباہی وبربادی اور ناکامی وذلت کے لئے تیار ہو جائیں، جس سے نہ روس کی اشتراکیت بچا سکے گی نہ امریکہ وبرطانیہ کا ظل عاطفت۔

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگذارند وخم طُرّہ یارے گیرند

ان تنصروا الله ينصركم و يثبت اقدامكم، والله سبحانه وتعالى ولى التوفيق وهو حسبنا ونعم الوكيل

[جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ]

مشرق وسطیٰ اور جمال عبدالناصر

گذشتہ ستمبر ۱۹۷۰ء میں اردن میں جو خونچکاں اور روح فرسا واقعات پیش آئے ان پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے، مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا وہ قتل عام بجا طور پر دور حاضر کا تاریخی المیہ کہلانے کا مستحق ہے، وہ طاقت جو اسرائیلی طاغوت کے مقابلے میں خرچ ہونی چاہیے تھی آپس میں خانہ جنگی کی نذر ہو کر رہ گئی، جہاد کے بجائے خانہ جنگی کی مکروہ ترین و دردناک صورت حال سامنے آئی، اسباب کیا تھے؟ اور صحیح واقعات کیا ہیں؟ یہ ایک معمہ سا بن گیا ہے، خیر اسباب کچھ بھی ہوں نتائج بہر حال ہمارے سامنے ہیں، اتنا ضرور ہے کہ اعداء اسلام نے جانبین کی حوصلہ افزائی کے لئے نہ صرف ریشہ دوانیاں کیں بلکہ دونوں طرف مادی تعاون بھی جاری رہا اور مسلمان اپنے ہی بھائیوں کا گلا کاٹنے کے لئے اعداء کے آلہ کار بن گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس المیہ کے ظاہری علل واسباب کچھ بھی ہوں مگر اس کا باطنی سبب تو بظاہر شامت اعمال ہی معلوم ہوتا ہے، خدا فراموشی، نسل پرستی، اعلائے کلمۃ اللہ کے تصور کا مفقود ہو جانا، جدید تمدن وتہذیب سے نہ صرف ملوث

ہونا بلکہ اس میں مستغرق ہوجانا، قدم قدم پر عریانی اور فواحش ومنکرات کے روح فرسا مناظر اور خود پسندی، خودغرضی اور بداعتمادی کے مظاہر، یہ ہیں وہ چیزیں جنہوں نے عقلوں کو بے ہوش بنادیا تھا:

''شامت اعمال ماصورت نادر گرفت''

یہی دردناک صورت حال جمال عبدالناصر جیسی مضبوط اور آہنی شخصیت کے لئے جان لیوا ثابت ہوئی، یہ ان کی زندگی کا بے مثال کارنامہ ہے کہ فریقین اور تمام عرب ممالک کے سربراہوں کو بلاکر ان کی صلح کرائی اور ان کے تدبر سے آخر یہ گھتی سلجھ گئی، جمہوریہ عربیہ متحدہ کے سفیر جناب علی خشبہ سے معلوم ہوا کہ جمال ناصر مرحوم کو نو راتیں مسلسل نیند نہیں آئی، ڈاکٹروں کے اصرار پر خواب آور گولیوں کی مدد سے دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں بمشکل دو گھنٹے آرام کرتے تھے، بلاشبہ یہ ان کی زندگی کا آخری کارنامہ ان کے نامہ اعمال کا زریں حصہ ہے۔

مشرق وسطی کے حالات عرصہ سے پیچیدہ ہیں اور اب جمال عبدالناصر کی وفات سے اور زیادہ پیچیدہ ہوگئے، عرصہ دراز کے بعد عرب ممالک میں استعماری طاقتوں خصوصاً امریکہ، برطانیہ اور یہود کا مضبوط ترین مخالف پیدا ہوا تھا، چنانچہ مرحوم کی وفات کے بعد ان کی مقبولیت کا ٹھیک اندازہ دنیا کو ہوا، امریکہ و برطانیہ عرب ممالک میں جو ریشہ دوانیاں کررہے ہیں ان کے لئے جمال ناصر کا وجود ایک آہنی دیوار تھا، ان کا سب سے بڑا وصف استعمار دشمنی تھا، جہاں کہیں استعماریت کے خلاف تحریک حریت شروع ہوئی انہوں نے نہ صرف اس کی ہمنوائی کی بلکہ ممکن سے ممکن اعانت سے بھی دریغ نہ کیا، الجزائر کی آزادی میں اوّل سے آخر تک جو محیر العقول اعانت کی وہ بجائے خود ایک عظیم کارنامہ ہے، برطانیہ، فرانس اور یہود کے سہ طاقتی حملے کو جس بہادری وتدبر سے پسپا کیا وہ قابل حیرت ہے، اگر اخوان المسلمین ان کے سیاسی حریف نہ بنتے اور ان کے قتل سے ان کا دامن داغدار نہ ہوتا تو دنیا میں اس کی مقبولیت تاریخی طور پر بے مثال ہوتی، اس وقت بظاہر امریکہ و برطانیہ کی ملعون سازشوں کے لئے میدان خالی سا ہوگیا ہے، چنانچہ فوراً امریکہ نے تقریباً بیس ارب ڈالر کا دفاعی بجٹ منظور کرکے اسرائیل کو ۴۵ر کروڑ ڈالر قرض دینے کی تجویز پاس کرلی اور دو میزائل اڈے فلسطین میں تعمیر کرانے کا منصوبہ بنالیا، اس طرح عرب ممالک کی مشکلات میں اضافہ ہوگیا اور یہود سے قدس اور مغصوبہ سرزمین کے استخلاص کی امید کھٹائی میں پڑ گئی۔

خیر یہ تو سیاسی مسائل ہیں علمی ودینی مسائل ہمارے بصائر وعبر کا اصل میدان ہے، جامعہ از ہر کے میزانیہ کو ساڑھے نوملین پونڈ تک پہنچادیا، اس کے تعمیری سلسلہ کو اس قدر حیرت انگیز ترقی دی کہ عقل حیرت میں ہے، سات ہزار بیرونی ممالک کے طلبہ کے وظائف مقرر کئے اور مدینۃ البعوث میں ان سات ہزار طلبہ کے لئے رہائش کا انتظام کیا، عمدہ سے عمدہ غذائیں ان کے لئے فراہم کیں، ناشتے میں فول اور انڈے، دوپہر اور شام کے کھانے میں ہفتہ میں تین روز مرغ اور اتنی وافر مقدار میں کہ جتنا چاہیں کھائیں اور اگر طلبہ کے مہمان بھی ہوں تو ان کے لئے الگ انتظام مطبخ سے مزید جتنا چاہیں کھانا طلب کرلیں، دینی یا غیر دینی اداروں اور قومی یا حکومتی مدارس وجامعات

میں تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر تھی۔

سرکاری مناصب ازہریوں کے لئے کھول دیئے گئے اور دین ودنیا کی تفریق علوم ومعارف میں جو قائم ہوگئی تھی ناصر پہلا شخص ہے جس نے اسے ختم کر دیا اور تمام شعبوں میں خواہ انجینئرنگ ہو یا اکنامکس، دین کا اتنا حصہ شامل کر دیا کہ آدمی جاہل نہ رہے، "كلية الهندسة" (انجینئرنگ کالج) کا نصاب دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ہمارے یہاں اسلامیات کی تعلیم جو ایم اے میں ہوتی ہے اس کے مقابل میں صفر ہے، الغرض دوسرے ممالک کے طلبہ کے لئے بھی آسائش حیرت انگیز ہے اور جیب خرچ کے لئے ۷ ر پونڈ کا وظیفہ دینا اس پر مستزاد، خود مصریوں کے لئے تمام تعلیم مفت یعنی کتاب، پنسل اور کاپی تک حکومت دیتی ہے اس لئے فوج کے علاوہ تمام وزارتوں سے وزارت تعلیم کا بجٹ زیادہ ہوتا ہے۔

ازہر کی زیر نگرانی ایک شعبہ مجمع البحوث الاسلامیہ کا قائم کیا جس میں جدید مسائل کتاب وسنت کی روشنی میں حل کئے جائیں گے، اس کے لئے اکثر عرب ممالک سے مستقل ارکان اور اعضاء کا انتخاب کیا، پھر یہ اہتمام کیا کہ یہ مسائل تمام عالم اسلام کے علماء کے سامنے پیش کئے جائیں، اس کے لئے مؤتمرات یعنی کانفرنسیں ہوتی ہیں اور ان کانفرنسوں میں ہر نمائندے کو رد وقدح کی اجازت ہوتی ہے، فیصلہ ہونے کے بعد کتابی صورت میں وہ مسائل ومقالات چھپتے ہیں۔

ازہر میں ایک شعبہ قائم کیا جس کے زیر اہتما تمام عالم میں - خواہ اسلامی ہوں یا غیر اسلامی - عربی ادب، عربی علوم یا اسلامی دعوت کے لئے علماء بھیجے جائیں، چنانچہ امریکہ سے پاکستان تک یہ سلسلہ جاری ہے، کراچی، ڈھاکہ، لاہور، پشاور تمام جگہ یہ اساتذہ عربی سکھانے یا قرأت سکھانے یا بقیہ علوم سکھانے کے لئے موجود ہیں اور بعض ممالک میں تو اتنے علماء بھیجے کہ حد ہوگئی، سومالی لینڈ میں سو کے قریب عالم بھیجے، اس طرح ہزاروں کی تعداد میں مبعوثین باہر کی دنیا میں بھاری مشاہرات سے بھیجے جاتے ہیں اور اہل وعیال سمیت ان کے آنے جانے کے لئے ہوائی جہازوں تک کے تمام مصارف حکومت برداشت کرتی ہے۔

دینی وعلمی کتابوں کی نشر واشاعت کے لئے ایک مستقل ادارہ "المجلس الاعلى للشئون الاسلامية" قائم کیا اور اس میں ایک شاخ "احياء التراث الاسلامى" قائم کی، جس نے ان چند سالوں میں درجنوں اعلی سے اعلی کتابیں لاکھوں کی تعداد میں شائع کی ہیں، یہ کتابیں علمی اداروں اور تمام اسلامی وغیر اسلامی ممالک کے مطالبے پر مفت اپنے خرچ پر بھیجتے، بلکہ افراد واشخاص کے نام ارسال کرتے ہیں اور ان میں اسلامی اصول اور جدید انداز سے اسلامی علوم کی جو خدمت کی گئی عقل حیران ہے۔

قاری محمود خلیل مصری کی تلاوت سے امام حفص رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت کو ۴۸ ر بڑے ریکارڈوں میں تمام قرآن کریم کو ریکارڈ کر کے تمام ممالک اسلامیہ میں اس کے سیٹ بھیج دیئے، تا کہ حکومتیں اسے ریڈیو پر نشر کرتی

رہیں، اس طرح امام ورشؒ کی قرات کے ۶۵ / ریکارڈ بنائے گئے اور مراکش اور افریقہ وغیرہ ممالک میں بھیجے گئے، وہاں عام طور سے لوگ مالکی مذہب کے ہیں اور وہ امام ورشؒ کی قرأت پڑھتے ہیں، اسی طرح قاری عبدالباسط عبد الصمد کی تلاوت کو ریکارڈ کر کے محفوظ کر دیا گیا اور وہ قاہرہ ریڈیو سے نشر کی جاتی ہے، قاہرہ میں ایک مستقل ریڈیو اسٹیشن قائم کیا گیا جس کا نام "محطة اذاعة القرآن الكريم" رکھا ہے، اس اسٹیشن پر صرف قرآن کریم کی تلاوت روزانہ چودہ گھنٹہ ہوتی ہے، اس طرح دنیا میں حفاظ قرآن کے لئے آسانی کی گئی اور قرآن کریم کے احترام کے لئے اور کوئی خبر اس اسٹیشن سے نشر نہیں کی جاتی۔

نماز سکھانے کے لئے چھوٹے کیسٹ بھرے اور تمام دنیا میں اس کو عام کر دیا، قرشوں سے اس کی قیمت رکھی اور مفت تمام ممالک میں بھیجے، قرآن کریم کے لاکھوں نسخے چھوٹے عمدہ سائز کے بہترین کاغذ پر طبع کرا کے افریقہ کے ان تمام ممالک کو بھیجے جو آزاد ہو گئے ہیں، اس کے علاوہ سفارت خانوں کی معرفت تمام اسلامی ممالک میں بھیجتے ہیں، تاکہ قرآن مطبعی اغلاط سے محفوظ رہے اور قرآن کی تلاوت عام ہو، پچھلے سالوں میں جب یہودیوں نے محرف قرآن شائع کیا تو اس کے جواب میں تمام عالم کے لئے قرآن چھاپ کر ناصر کی حکومت نے ہر ہر گوشے گوشے میں نسخے ارسال کئے، قرآن کریم کی اشاعت، قرآت، طباعت جتنی اس کے دور میں ہوئی کبھی نہیں ہوئی، ماہ رمضان المبارک میں تمام عالم اسلامی میں مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک قاری بھیجے جاتے ہیں، چنانچہ ہر سال پانچ یا تین قاری پاکستان بھی آتے ہیں، کیا اسلام کے دشمن ایسے کام کرتے ہیں؟ اگر بالفرض یہ سیاسی اغراض کے لئے ہیں تو دوسرے اسلامی ممالک کیوں ایسا نہیں کرتے؟

غالباً پانچ برس کی بات ہے کہ "مجمع البحوث الاسلامیہ" کی مؤتمر کے زمانے میں راقم الحروف بھی مؤتمر میں مدعو تھا اس وقت قاہرہ میں ہمارے پاکستان کے سفیر اے۔ کے دہلوی تھے، (عبدالسمیع خاں دہلوی) وہ مجھ سے اس دوران میں کچھ مانوس سے ہو گئے تھے اپنی قیام گاہ پر (یہ دریائے نیل پر سر آغا خاں کی ایک عظیم الشان کوٹھی تھی اور حکومت پاکستان کو دی گئی تھی) مجھے استقبالیہ دعوت دی، فراغت کے بعد مجھ سے کہا کہ میرا ایک پیغام آپ ہمارے صدر مملکت جناب ایوب خان کو پہنچا دیجئے، ان کو بتائیں کہ دنیا میں حکومت ایسی ہوتی ہے جیسی صدر جمال عبدالناصر کرتا ہے، میں نے پوچھا وہ کیسی؟ اس کے بچے اسکول اور کالج سائیکل پر جاتے ہیں، ان کے لئے موٹر نہیں، کسی بینک میں ان کا کوئی کھاتہ نہیں، جتنی زمین ان کی ملکیت تھی صدر بننے کے بعد اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا، جس وقت وہ کرنل تھے اس وقت جس مکان میں رہتے تھے بدستور اسی مکان میں رہتے ہیں، گورنمنٹ ہاؤس میں نہیں رہتے صرف ملاقات کے لئے وہاں آیا کرتے ہیں، اٹھارہ گھنٹے روزانہ کام کرتے ہیں...... میں نے کہا کہ آپ خود براہ راست یہ پیغام کیوں نہیں پہنچاتے؟ کہا یہ ہمارا منصب نہیں، تم جیسے جرأت مند مولویوں کا کام ہے، میرا ارادہ تھا کہ اگر ایوب خاں صاحب سے ملاقات ہوگئی تو ضرور یہ پیغام ان کو پہنچاؤں گا۔

ناصر کا سب سے بڑا جرم یہ سمجھا جاتا ہے کہ اشتراکیت کی بنیاد ڈالی اور عرب قومیت کی علمبرداری کی، ہمیں ان کی وکالت نہیں کرنی، ہر شخص قیامت کے روز اپنے اعمال کا مسئول ہوگا، پہلی بات تو یہ ہے کہ جمال عبد الناصر عہد حاضر کا فرمانروا تھا، وہ فاروق اعظمؓ نہ تھا کہ دین و دنیا کے تمام نظام میں اسلامی شریعت اور آسمانی قانون کی اتباع سے سرمو تجاوز نہ کرے، اس معیار پر نہ جانے بمشکل تاریخ اسلام میں کتنے افراد نکلیں گے، لیکن قابل غور یہ ہے کہ وہ اشتراکیت یا اشتمالیت جس کا سرا مارکس ولینن سے جڑتا ہے اور جو سراسر کفر والحاد ہے اسے ایک لمحہ کے لئے کوئی مسلمان تو درکنار ایک عاقل انسان بھی برداشت نہیں کرسکتا، لیکن جو ملک غلط نظام معیشت کی وجہ سے عیش پرستی کا مرکز ہو، طبقاتی تفاوت زمین وآسمان کا ہو، ایک کو عیش پرستی کا ہیضہ ہو اور ایک نان شبینہ کے لئے ترستا ہو، اخلاقی و دینی گرفتیں ڈھیلی ہو جائیں، ایسے نظام کی اصلاح کے لئے تدبیر کرنا تو جرم نہیں، البتہ تدبیر میں شرعی اصولوں سے نکلنا جرم ہے، تمام دنیا میں سرمایہ داری اور عیش پرستی کے رد عمل کے طور پر کمیونزم آرہا ہے، اگر کوئی شخص اس مہلک سیلاب کے روکنے کی تدبیر کرے اور صریح کفر سے بچائے تو کیا یہ قابل قدر کارنامہ نہ ہوگا؟ تمام یورپ کے عقلاء یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں مصر ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں روس کا کمیونزم نہیں آسکتا، جو اقتصادی نظام وہاں جاری ہے اس میں کمیونزم کے سیلاب کو مصر میں آنے سے روک دیا ہے، یوں بھی وہاں کمیونزم اور قادیانیت دونوں خلاف قانون ہیں۔

بلاشبہ روسی اشتراکیت یا اشتمالیت دونوں کفر ہیں اور اگر کسی نے محض اسلام کے اقتصادی نظام کا نام اشتراکیۃ الاسلام یا اسلامی سوشلزم رکھ دیا تو بلاشبہ یہ بھی غلط ہے، اسلامی نظام اقتصاد کو اجنبی نام سے پکارنا بھی گناہ ہے، اسی طرح اسلام کے مالی نظام کے لئے دوسرے نظاموں سے استعارہ کر کے نام رکھنا بھی جرم ہے، یہ ذہنی مرعوبیت اور فکری غلامی کی دلیل ہے کہ اسلامی ناموں کو چھوڑ کر غیر اسلامی نام رکھا جائے، حق تعالیٰ نے اسلام کے تمام نظام کو خواہ اس کا اقتصادی شعبہ ہو یا سیاسی ومعاشرتی شعبہ دوسروں سے مستغنی کر دیا ہے، ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ روس یا چین کے ناموں سے اسلامی چیزوں کو پکاریں، لیکن واقعی سوشلزم لانا اور چیز ہے اور صرف اسلامی مالی نظام کو سوشلزم سے تعبیر کرنا ایک دوسری چیز، دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے، ایک صریح کفر اور دوسرا گناہ ہے، اخوان المسلمین کے ایک مشہور رکن رکین مصطفی سباعی مرحوم نے اسلامی مالی نظام پر ایک ضخیم کتاب لکھی اور اس کا نام "اشتراكية الاسلام" رکھا کیا نام رکھنے سے وہ کافر ہوگیا؟ العیاذ باللہ۔ ہاں اگر اسلامی نظام کے بالمقابل روس کی اشتراکیت کو سراہا جائے جیسا کہ سید قطب کی کتاب "العدالة الاجتماعية" سے مترشح ہوتا ہے تو بڑی خطرناک اور بڑی ناسمجھی کی بات ہے، بہرحال جو جرم اخوان المسلمین کے رکن نے کیا یہی جرم ناصر نے بھی کیا ہے۔

ناصر کی سب سے قابل مواخذہ بات درحقیقت عربی قومیت میں غلو ہے، اگرچہ وہ خود یہ کہتے تھے کہ

اتحاد اسلامی سے پہلے وحدۃ العروبۃ یعنی عرب اتحاد کی ضرورت ہے اور یہ اتحاد اسلامی کی طرف ہمارا پہلا قدم اور پہلی منزل ہے، لیکن ہوا یہ کہ تمام اعداء اسلام نے خود اس کو اتنا اچھالا کہ یہ ایک مستقل حقیقت بن گئی اور تمام عرب ممالک کا دامن اس نیشنلزم سے ملوث ہوگیا، اعداء اسلام کو موقع مل گیا کہ اس کو اتنی قوت پہنچائیں کہ اتحاد اسلامی کا نعرہ دفن ہو کر رہ جائے، عرب اور غیر عرب کے درمیان تفریق ہو جائے اور قومیت کے ساتھ وطنیت کی لعنت سوار ہو جائے، اس جذبے نے اتنی ترقی کرلی کہ عرب عیسائی غیر عرب مسلمان سے بہتر سمجھا جانے لگا، بلاشبہ یہ عذاب تمام عربی ممالک پر مسلط ہوگیا اور مصر اگر ابتداء اس نعرے کا مرکز رہا لیکن دوسرے ممالک ان سے بھی اب نمبر لے گئے، حق تعالیٰ رحم فرمائے۔ بہرحال جو نظام عہد ناصری میں جاری ہوا اس سے بڑی حد تک غریبوں کا مسئلہ حل ہوگیا اور ایک غریب فلاح کو تعلیم و ہسپتال وہ سہولتیں میسر آئیں جو کسی وقت صرف امیر کو میسر ہوسکتی تھیں، تاہم ہم نے اس نظام کی ظلمت محسوس کی نہ معلوم یہ حقیقت ہے یا ہمارا فریب نظر۔

یوں تو مصر کی سرزمین آزادی کے لئے تاریخی طور پر مشہور ہے، صدیوں پہلے حافظ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری میں اس کی بڑی تلخ شکایت کی تھی، مگر جب سے نپولین کا اقتدا قائم ہوا اور فرانسیسی نسلیں قاہرہ واسکندریہ میں لاکر بسائی گئیں تو بے پردگی کا رواج عام ہوتا گیا، نئی نسل میں بالخصوص شہری آبادی میں ''سفور'' یعنی بے حجابی کی وبا پھیل گئی، تعلیمی مدارس کے تمام شعبوں میں لڑکیاں تعلیم پانے لگیں، تاہم ازہر میں دینی تعلیم کے دروازے لڑکیوں کے لئے بند تھے، ناصر کے عہد میں پہلی بار یہ پابندی اٹھائی گئی، ازہر کے دروازے لڑکیوں کے لئے کھول دیئے گئے اور ان کے لئے لڑکوں سے الگ انتظام کردیا گیا، ہمارے نزدیک بے حجابی ایک لعنت ہے خواہ مصر میں ہو یا شام میں، افغانستان میں ہو یا پاکستان میں اور بے پردگی لعنت ہے خواہ وہ تعلیم کے لئے ہو یا پارلیمنٹ کی ممبری کے لئے، جدید تعلیم کے لئے ہو یا قدیم کے لئے، میڈیکل کالجوں میں ہو یا پولیس تھانوں کی خدمات کے لئے، کرسیٔ عدالت ہو یا مسند تدریس پر ہم کسی موقعہ پر بھی ''سفور'' (بے پردگی) کی حوصلہ افزائی برداشت نہیں کرسکتے، یہ نہ صرف فطرت سے انحراف اور تقاضائے انسانیت سے بغاوت ہے بلکہ انسانیت کے مظلوم طبقہ (عورتوں) پر مزید ظلم ڈھانے اور اسے نشانہ ہوس بنانے کے لئے ایک شیطانی حربہ ہے، دور جدید کی بے پردگی مغرب کے بے خدا، بے دین اور بے غیرت قوموں اور تہذیبوں کا لایا ہوا تحفہ ہے، ناپاک اور نجس تحفہ۔ اسلام کی نظر میں عورت سراپا ستر ہے اور جو اس ستر کو برہنہ کرے وہ ملعون ہے۔ عورت کو برہنہ کرکے مغرب جس گرداب میں پھنس چکا ہے کاش ہمارے مسلمان بھائی اسی سے عبرت پکڑتے اور خدا اور رسول کے حکم کی مخالفت کرکے شرف انسانیت کو یوں رسوا نہ کرتے۔

[رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ/نومبر ۱۹۷۰ء]

مصر و اسرائیل جنگ سے درسِ عبرت

ماہ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ میں مصر وشام اور اسرائیل کے درمیان جو جنگ ہوئی اس میں امریکہ کی یہود نواز نکسن حکومت نے اسرائیل کو چار پانچ دن میں تین ہزار ملین ڈالر کا جدید سے جدید ترین اسلحہ مہیا کیا اور بقول ''بی بی سی لندن'' امریکہ و اسرائیل کے درمیان ہوائی پل بنا ہوا تھا اور ہوائی راستے سے سامان جنگ مسلسل اسرائیلی محاذ پر پہنچ رہا تھا امریکہ کی پوری طاقت اور توجہ اس مہم پر خرچ ہو رہی تھی اس کے باوجود جب اسرائیل کسی طرح کامیاب نہ ہو سکا تو قبرص سے تازہ دم امریکی افواج نے آ کر جنگ کا نقشہ بدل دیا، اس طرح امریکہ کھل کر اس جنگ میں کود پڑا، جبکہ روس نے اپنے روایتی نفاق کا ثبوت دیا اور زبانی دعووں سے زیادہ کوئی مؤثر امداد نہیں دی، الغرض اس جنگ میں اسرائیل کو دی جانے والی امریکی امداد اور روس کے منافقانہ رویہ کی وجہ سے اگرچہ فاتح ومفتوح کے درمیان کچھ زیادہ فرق نمایاں نہیں ہو سکا لیکن الحمدللہ مسلمانوں کو اس سے متعدد فوائد اور تجربات حاصل ہوئے۔

① مشرق وسطی کی یہ پہلی جنگ تھی جو بڑی حد تک قوم و وطن کے تصور سے بالاتر ہو کر صرف اسلام کے نام پر اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اسلامی جہاد کی حیثیت سے لڑی گئی، اسلامی جہاد بہت ہی اعلیٰ وارفع مقصد ہے اس کے لئے بہت اونچے ایمان واخلاص اور توکل علی اللہ کی ضرورت ہے اور مسلمان اگر واقعۃً اس منزل مراد کو پانے میں کامیاب ہو جائیں اور نصرت خداوندی کے اسلحہ سے لیس ہو کر اسلام کی سربلندی کے لئے میدان میں نکل آئیں تو کفر کی بڑی سے بڑی طاغوتی طاقتیں ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکتیں، تاہم اس جنگ میں اسلام کے نام پر لڑنے کا ہلکا سا تجربہ ہوا۔

② عرب ممالک اور شرقِ اوسط کی حکومتیں ایک مدت سے باہمی شقاق ونفاق کے مرض میں مبتلا تھیں اگرچہ کبھی کبھی بظاہر یہ نظر آیا کہ وہ متحد ہو گئے ہیں لیکن جب ذرا غور سے دیکھا تو " **تحسبهم جميعا وقلوبهم شتى** " کا حال نظر آیا (یعنی تم گمان کرتے ہو کہ وہ متفق ومتحد ہیں حالانکہ کے دل پراگندہ ومختلف ہیں) مانا کہ یہ صورت حال برطانیہ وامریکہ اور یہود ونصاریٰ کی ریشہ دوانیوں سے پیدا ہوئی، لیکن اسباب خواہ کچھ ہی ہوں نتائج سب کے سامنے ہیں، الحمدللہ ماضی قریب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اسلامی وعربی ممالک کو اتحاد واتفاق کی نعمت کا کچھ احساس ہوا، عرب سربراہوں کے آپس میں صلاح مشورے ہوئے اور مراکش اور شرق اوسط سے لے کر انڈونیشیا تک مسلمانوں میں فی الجملہ یک جہتی نظر آئی، کاش! مسلم ممالک کے سربراہوں کو اللہ تعالیٰ عقل عطا فرمائے اور تمام عالم اسلام میں کامل اتحاد پیدا ہو جائے تو ان کے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

③ ایک مدت سے مسلمانوں پر مغرب سے مرعوبیت کا '' کابوس'' طاری ہے وہ فکر ونظر سے لے کر روٹی

پانی تک اور اسلحہ سے لے کر سامان تعیش تک میں مغرب کے دست نگر ہیں، یہ بات ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آتی کہ وہ ان گورے کافروں کی اعانت وحمایت اور دوستی وموالات کے بغیر بھی جی سکتے ہیں، اسی جنگ میں پہلی بار مسلمان سربراہوں کو احساس ہوا ہے کہ صرف وہی گوروں کے محتاج نہیں بلکہ وہ گوروں کو بھی احتیاج کا مزہ چکھا سکتے ہیں، یورپ وامریکہ کی ساری ترقیات کی کلید خود ان کے ہاتھ میں ہے، وہ جب چاہیں تیل کی سپلائی بند کر کے یورپی وامریکی صنعت کا پہیہ جام کر سکتے ہیں، وہ جب چاہیں مغربی بینکوں سے سرمایہ نکال کر ان کی اقتصادیات کو مفلوج کر سکتے ہیں اور جب چاہیں مغربی امریکی اور یہودی مصنوعات کا بائیکاٹ کر کے ان کے سارے تجارتی کاروبار کو تلپٹ کر سکتے ہیں، الحمد للہ پہلی بار مسلمانوں نے اس جانب کچھ قدم اٹھایا ہے اور پہلی بار مملکت سعودیہ کے سربراہ ملک فیصل نے امریکہ کو نہایت جرأت مندانہ جواب دیا ہے، اگر اس تجویز کو مزید آگے بڑھایا جائے تو عالم اسلام متحد ہو کر مغربی وامریکی فرعونوں کو جھکنے پر مجبور کر سکتا ہے۔

④ الحمد للہ یہ بھی بڑی مبارک علامت تھی کہ یہ جہاد مادی تصورات سے بالاتر تھا اور اس لئے مصر وشام کے مجاہدین میں اسلامی روح جلوہ گر اور دینی جذبات وعواطف موجزن تھے، چنانچہ پہلی مرتبہ مصری فوجوں میں نصرت الٰہی کے آثار نظر آئے اور یہود واسرائیل میں غضب الٰہی کے آثار نمایاں تھے اور سیریا کے سربراہ نے پہلی مرتبہ یہ اسلامی جذبات سے لبریز اعلان کیا کہ ''ہم اس وقت تک لڑیں گے جب تک کہ اسرائیل کا وجود صفحۂ ہستی سے نہیں مٹ جاتا، اگر چہ مصر وشام دنیا کے نقشے سے مٹ جائیں، کیونکہ اسرائیل مٹ جائے تو صہیونی طاقت ختم ہو جائے گی مگر مصر وشام کے ختم ہونے سے اسلام ختم نہیں ہوگا''۔ اگر واقعی مسلمان وقاتلوهم حتی لا تکون فتنة (اور لڑو ان سے یہاں تک کہ فتنے کا وجود مٹ جائے) کی قرآنی ہدایات کو مقصد بنا کر سربکف ہو جائیں تو انشاء اللہ آخری نتائج ان کے حق میں ہوں گے۔

⑤ دنیا کو پہلی مرتبہ اس کا بھی احساس ہوا کہ اسرائیل کوئی مافوق الفطرت اور ناقابل تسخیر قوت نہیں ہے، اس مرتبہ اگر مسئلہ صرف اسرائیل کا ہوتا اور امریکہ درمیان میں نہ کودتا تو مصر وشام کی افواجِ قاہرہ اسرائیل کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے کافی تھیں، دراصل اسرائیل کیا؟ کسی بھی باطل میں کوئی قوت نہیں، اسرائیل تو دنیا کی وہ بدترین مغضوب اور ذلیل وبزدل قوم ہے جو صدیوں سے ذلت ورذالت میں ضرب المثل چلی آئی ہے، کچھ یہی حال ہنود کا ہے اگر مسلمان یہود وہنود سے پٹتے ہیں تو اس کے معنی یہ نہیں کہ یہود وہنود معزز ہو گئے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ نالائق شہزادے کی گوشمالی کے لئے اسے ایک بھنگی سے پٹوایا جا رہا ہے، واقعۃً اسرائیل کا قیام اور اس کا عربوں کو دانت دکھانا ہماری شامت اعمال کا نتیجہ ہے ورنہ مسلمان ذرا سی ایمان کی انگڑائی لے کر خواب غفلت ومعصیت سے جاگ اٹھے تو اسرائیل بے چارے کی کیا حقیقت ہے؟ ہاں! یہ وقت بھی انشاء اللہ آئے گا جبکہ اسرائیلیوں کو سر

چھپانے کی جگہ بھی نہیں ملے گی اور شجر وحجر پکار کر کہیں گے کہ اے مسلمان! یہ یہودی چھپا بیٹھا ہے اسے قتل کر۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔(۱)

⑥ اور یہ تو خیر بارہا تجربہ ہو چکا ہے اور اب بھی ہوا اور خوب تلخ تجربہ ہوا کہ مسلمانوں خصوصاً عربوں کو کافروں پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے، ادھر عیسائی امریکہ نے اسرائیلی یہود کی ہر قسم کی کھل کر مدد کی، ادھر روس روسیاہ نے ہمیشہ نفاق کا ثبوت دیا، دراصل چین کی ابھرتی ہوئی طاقت کے خطرے سے امریکہ اور روس دونوں لرزہ براندام ہیں اور ہر ایسے موقع پر بظاہر ان کا مؤقف مختلف ہوتا ہے، مگر اندر ہی اندر یہ دونوں طاقتیں کوئی خفیہ معاہدہ سا کر لیتی ہیں، مشرقی پاکستان میں جو جنگ پاکستان اور ہندوستان کے مابین ہوئی، اس میں روس ہندوستان کا کھل کر حامی تھا اور امریکہ نفاق کی پالیسی پر عمل پیرا تھا، شرقِ اوسط میں اس کے بالکل برعکس امریکہ کھلے بندوں اسرائیل کی پشت پر تھا اور روس ''کج دار و مریز'' کی نفاق آمیز پالیسی پر گامزن رہا۔ گویا روس نے مصر سے انتقام لیا اور جب صلح کی ضرورت پیش آئی تو نکسن کے اشارے پر روسی وزیراعظم فوراً مصر اور دمشق پہنچ گیا اور اس نے جو خاکہ مرتب کیا اس میں رنگ بھرنے کے لئے امریکہ کا یہودی وزیر خارجہ پہنچ گیا اس سے تمام مسلمانوں میں یہ احساس پیدا ہو جانا چاہیے کہ مسلمان خواہ کسی طاغوت پر انحصار کریں ہمیشہ مار کھائیں گے۔

⑦ اگرچہ اس بار عربوں کو یہ فائدہ بھی ہوا کہ سفارتی اور اخلاقی سطح پر بیشتر ممالک کی ہمدردیاں انہیں حاصل ہوئیں مگر اس سے استفادہ خود ان کے دست و بازو کی طاقت پر منحصر ہے، عالمی رائے عامہ صرف طاقت ور کے سامنے جھکتی ہے اور کمزور کو کسی التفات کا مستحق نہیں سمجھتی بلکہ اسے پاؤں تلے روند کر آگے بڑھ جاتی ہے خواہ وہ کتنا ہی مظلوم ہو۔

مسلمانوں کے لئے لائحہ عمل

آیئے ان تازہ حقائق کی روشنی میں غور کریں کہ مسلمانوں کا آئندہ لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے، مسلمانوں پر حق تعالیٰ شانہ کا یہ عظیم احسان ہے کہ ان کے پاس ہر شعبہ زندگی کی طرح صلح و جنگ کے لئے بھی آسمانی و ربانی ہدایات موجود ہیں، سورۃ انفال اور سورۃ توبہ میں صلح و جنگ اور اعداء اسلام اور منافقین کے مقابلہ کا مفصل دستور العمل موجود ہے، قرآن کریم کا کتنا صاف اعلان اور واضح مطالبہ تھا:

﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللهِ

---

(۱) ''عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''لاتقوم الساعة حتی تقاتلوا الیھود حتی یقول الحجر وراءہ الیھودی: یامسلم! ھذا یھودی ورائی فاقتلہ''
صحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب قتال الیھود ج:١ ص:٤١٠، ط: قدیمی

وَ عَدُوَّكُمْ واٰخَرِينَ مِن دُونِهِم لَاتَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَاتُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيْلِ اللهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَاتُظْلَمُوْنَ﴾ [الانفال: ٦٠]

اوران کافروں کے لئے جس قدر تم سے ہوسکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھواور اس کے ذریعہ تم رعب جمائے رکھوان پر، جو کہ اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے ان کو اللہ ہی جانتا ہے اور اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ تم کو پورا دے دیا جائے گا اور تمہارے لئے کچھ کمی نہیں ہوگی۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

یہ ارشادِ ربانی مسلمانوں پر بطور خاص یہ فریضہ عائد کرتا ہے کہ ان کے پاس ہمہ وقت اتنی قوت موجود رہنا ضروری ہے جس سے اعداء اسلام مرعوب خائف اور لرزہ براندام رہیں اور پوری مسلم قوم کو اس کی تیاری میں مصروف رہنا چاہیے۔

مگر مسلمانوں پر صدیوں سے ایک جمود ساطاری ہے اور وہ نفس پرستی، عیش کوشی اور اغراض پرستی کی دلدل میں کچھ ایسے پھنسے ہیں کہ عرصہ دراز سے مسلمان حکومتوں نے اس فریضہ الٰہی سے تغافل اختیار کر رکھا ہے اور سورۃ توبہ وانفال کی واضح ہدایات کے ہوتے ہوئے غفلت وجہالت کی وادیوں میں بھٹک رہے ہیں، جبکہ اعداء اسلام اسلام دشمنی سے کبھی غافل نہیں ہوئے، اس دردناک غفلت وبے عملی کے جو نتائج سامنے آنے تھے وہ ظاہر ہو کر رہے، جس طرح دواؤں اور غذاؤں کے خواص ہیں اسی طرح اعمال کے بھی خواص ہیں، جو شخص زہر کھاتا ہے وہ ہلاک ہوگا اسی طرح ان ارشادات سے روگردانی کی سزا کو سمجھ لیجئے۔

حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو کلیدی مقامات عطا فرمائے، دنیا کے نقشہ پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ دنیا کا قلب اب بھی مسلمانوں کے حیطۂ اقتدار میں ہے اور قدرت نے نقشہ کچھ ایسا رکھا کہ تمام عالم اسلام باہم مربوط اور ایک اسلامی ملک کی سرحدیں دوسرے سے ملی ہوئی ہیں، پھر مسلم ممالک خصوصاً عرب ممالک کو مادی وسائل کی وہ فراوانی عطا فرمائی کہ عقل حیران ہے، اگر ان وسائل کو اسلامی ترقی اور فوجی طاقت مہیا کرنے پر صرف کیا جاتا تو عالم اسلام کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا اور آج یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا، اب اگر عرب اور مسلم ممالک یہ چاہتے ہیں کہ ان کفار اور دشمنان اسلام کی سازشوں سے محفوظ رہیں تو مندرجہ ذیل تدبیر پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے:

الف..... قومیت، وطنیت اور جنسیت کے مادی روابط سے بالاتر ہو کر صرف اسلام کے ''العروۃ الوثقیٰ'' اور ''حبل متین'' کو مضبوطی کے ساتھ تھاما جائے اور مغرب کی تمام لعنتوں کو خیر باد کہہ کر نئے سرے سے اسلام سے وفاداری کا عہد کیا جائے اور باہمی اتفاق واتحاد کے رشتے مضبوط کئے جائیں، تمام اسلامی ممالک یکجان دو قالب ہو کر ہر قسم کے باہمی نفاق وشقاق اور حسد وکبر کو دل سے نکال دیں، یہ یقین دلوں میں جاگزیں ہونا چاہیے کہ مسلمانوں کی عزت اسلام اور اسلامی زندگی کے اپنانے میں منحصر ہے، اسلام سے انحراف کر کے اور اس کی ہدایات

کو پس پشت ڈال کر یہ قوم کبھی سرخرو اور کامیاب نہیں ہوسکتی۔

ب...... حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے جو مادی وسائل نصیب فرمائے ہیں ان کے ذریعہ اسلحہ سازی کے کارخانے قائم کریں اور پوری کوشش کریں کہ جدید سے جدید اسلحہ میں خودکفیل ہوجائیں، بلاشبہ اس میں دیر لگے گی لیکن بیس پچیس سال میں نقشہ ہی بدل جائے گا، اس مقصد کے لئے جرمن، چین اور جاپان سے فنی اعانت حاصل کی جاسکتی ہے اور زیادہ سے زیادہ معاوضہ دے کر ماہرین کی خدمات حاصل کی جاسکتی ہیں، کافروں کی خوشامدیں کرنے ان سے بھیک مانگنے اور ان کے رحم وکرم پر زندگی بسر کرنے کے بجائے جب تک مسلمان اپنے وسائل پر انحصار نہیں کریں گے تب تک نہ باعزت اور مستغنی قوم کی حیثیت سے دنیا کے نقشہ پر ابھر سکتے ہیں نہ ذلت کی وادیوں سے قدم باہر نکال سکتے ہیں، چین کی مثال ہمارے سامنے ہے جو قوم چالیس پچاس سال پہلے افیونی قوم مشہور تھی اور اپنی بے مائیگی میں ضرب المثل تھی آج وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئی کہ امریکہ اور روس بھی اس سے خائف اور اس کے مقابلہ میں منافقانہ ملی بھگت پر مجبور ہیں، ان کی ترقی کا راز سوشلزم نہیں جیسا کہ ہمارے جہلاء اس کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں بلکہ اتحاد و اتفاق غیروں سے استغناء اور اپنے وسائل پر انحصار چین کی ترقی کا باعث ہے، الغرض جب تک عرب اور مسلم ممالک اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہوں گے اور ان اعداء اسلام کفار امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس سے بے نیاز نہ ہوں گے اس وقت تک یہی صورت حال قائم رہے گی جس کا افسوسناک نقشہ ہمارے سامنے ہے۔

ج...... آج کل عالم اسلام کے اتحاد کی باتیں بہت کی جاتی ہیں اس کے لئے کانفرنسیں ہوتی ہیں، مقالے پڑھے جاتے ہیں، تجاویز سوچی جاتی ہیں، لیکن اس نکتے سے سب غافل ہیں کہ جب تک سب کا ایک مرکز نہ ہو اور تمام سربراہان مملکت اور عوام اپنے مفادات اپنی ذاتی اغراض اور اپنی انا کو چھوڑ کر ایک مرکز ثقل پر جمع ہونے کے لئے آمادہ نہ ہوں ان منتشر ٹکڑوں میں اتحاد کیسے پیدا ہوسکتا ہے، شاید آج کے ماحول میں یہ بات ''دیوانے کی بڑ'' سمجھی جائے گی لیکن خدا لگتی بات یہ ہے کہ جب تک مسلمان خلافت اسلامیہ کا احیاء نہیں کریں گے جسے برطانیہ کی سازش اور کمال اتاترک کی بداندیشی نے ذبح کر ڈالا تھا اس وقت تک عالم اسلام نہ متحد ہوگا نہ ان کا کوئی مسئلہ حل ہوگا، اب مسلمان چاہیں تو خواہ یہ کام آج کرلیں کہ سب متحد ہوکر ایک ''خلیفۃ المسلمین'' بنائیں اور سب کے سب اس کے جھنڈے تلے جمع ہوجائیں یا کچھ عرصہ مزید ذلیل وخوار ہولیں، کافروں کی کند چھری سے ذبح ہوتے رہیں اور بعد میں جو زندہ رہے گا وہ یہ کام کرلے گا بہرحال مسلمانوں کے مسائل کا آخری حل خلافت کی تاسیس واحیاء ہے۔

مسلمانوں نے ایک بہترین اور بے نظیر قوم کی حیثیت سے دنیا پر حکومت کی ہے، صفحۂ ہستی پر نہایت خوشنما نقوش چھوڑے ہیں اور تاریخ عالم پر اپنے کارناموں کے زریں باب رقم کئے ہیں، لیکن آج باوجودیکہ قرآن

جیسا آسمانی ہدایت نامہ ان کے ہاتھ میں ہے اور خاتم الانبیاء رحمۃ للعالمین جیسا ہادی برحق ان کا رسول و نبی اور مقتداء و پیشوا ہے، مگر آج اس کی ذلت و نکبت اور بے حسی و بے غیرتی کا تماشا دیکھو کہ یہود و ہنود سے مار کھانا پسند کرتے ہیں لیکن اپنے طویل جمود، عیش پرستی و تن آسانی، آپس کے کبر و غرور اور انانیت و لن ترانی کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہو پاتے، زمین کے خزانے اور دنیا بھر کے وسائل ان کے قبضہ میں ہیں مگر انہیں کہاں خرچ کیا جا رہا ہے؟ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی اور جہاد فی سبیل اللہ پر نہیں بلکہ تماشوں اور سینماؤں پر، تفریحوں اور کھیلوں پر، ریڈیو اور ٹیلیویژن پر، کلبوں اور ہوٹلوں پر، اناللہ۔ حق تعالیٰ کا ارشاد گویا آج ہی ان کے حق میں نازل ہوا ہے:

﴿فَلَمَّا اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَا اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ﴾

[التوبۃ: ۷۶، ۷۷]

سو جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے (بہت سا مال) دے دیا تو وہ اس میں بخل کرنے لگے اور رو گردانی کرنے لگے اور وہ تو رو گردانی کے عادی ہیں، سو اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق قائم کر دیا جو خدا کے پاس جانے کے دن تک رہے گا، اس سبب سے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ سے اپنے وعدہ میں خلاف کیا اور اس سبب سے کہ وہ اس وعدہ میں شروع ہی سے جھوٹ بولتے تھے۔

اس آیت کریمہ کو بار بار پڑھئے اور غور کیجئے کہ جو ممالک ان کفار مستعمرین کے انتداب سے آزاد ہوئے خواہ وہ فرانس ہو یا برطانیہ، مراکش سے لے کر پاکستان تک کیا ان ممالک نے وعدے پورے کر لئے؟ کیا صحیح اسلامی حکومت قائم کی؟ یا اس کے لئے کوشش کی؟ کوشش تو کیا اس کی خواہش بھی کی؟ جواب نفی میں ملے گا، درحقیقت یہ تو ”بما اخلفوا اللہ ما وعدوہ وبما کانوا یکذبون“ کی سزا ہے جو روز افزوں تنزل اور ذلت کے گڑھوں میں گرتے جا رہے ہیں۔

الغرض مسلمانان عالم کو چاہیے کہ تمام قدرت کے عطا کردہ وسائل، اپنی فوجی قوت و طاقت مہیا کرنے پر خرچ کریں اور غریب حکومتیں جہاد کا فنڈ قائم کر کے مسلمانوں سے جہاد کے لئے مال جمع کریں اور صرف اسی صحیح مقصد پر خرچ کریں اور اتفاق و اتحاد پر اپنی پوری توجہ مرکوز کریں۔

ان سب تدابیر و اسباب کو اختیار کرنے کے بعد توکل و اعتماد صرف حق تعالیٰ ہی کی ذات، نصرت الٰہی اور اس کی غیبی امداد پر ہو، ان وسائل کو حاصل کرنا اس لئے ضروری تھا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد اور حکم یہی ہے ایک راستہ تو مسلمانوں کی ذلت کو عزت سے بدلنے کا یہ معلوم ہوتا ہے۔

فلاح وکامیابی اور عزت وترقی کا راستہ

اس کے سوا ایک راستہ اور بھی ناقص خیال میں آتا ہے، عرب وعجم کے سب مسلمان اسلامی دعوت وتبلیغ کے لئے وقف ہوجائیں، یہ مقصد نہیں کہ تمام کاموں کو چھوڑ کر اس میں لگ جائیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ ہر ملک اور قوم کا کافی حصہ کفر کے ممالک میں اسلامی اصولوں پر دعوت وتبلیغ دین کا کام شروع کرے اور قافلے کے قافلے ہر طرف پھیل جائیں، زیادہ تر توجہ ان ممالک پر مرکوز رکھیں جن قوموں کو اسلام سے سخت عداوت نہ ہو اور ان میں کبر وغرور بھی نہ ہو اور وہ اپنی زندگی سے اکتا چکے ہیں، سکون قلب مفقود کر چکے ہیں، پریشان ہیں، ان کو اسلام کی دعوت دے کر مسلمان بنانے کی کوشش کریں، ان کوششوں کا زیادہ تر دائرہ افریقی ممالک کے علاوہ چین وجاپان کو بنائیں۔ ہوسکتا ہے کہ کسی وقت یہ طاقتور قومیں اسلام کی حلقہ بگوش ہوجائیں اور مسلمانان عالم کا نقشہ ہی بدل جائے۔

﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْماً غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ﴾ [محمد:۳۸]

اور اگر تم منہ پھیر لو تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم لے آئیں گے پھر وہ تم جیسے نہیں ہوں گے۔

کا نمونہ سامنے آئے، نبی کریم علیہ صلوات اللہ وسلامہ نے کیا یہ دعا نہیں فرمائی:

اللهم ايد هذا الدين باحب الرجلين اليك ابی جهل وعمر (۱)

اے اللہ! اس دین اسلام کو دو آدمیوں میں سے جو آپ کو پسند ہو، اس کے ذریعہ قوت عطا فرمادیجئے۔ آج ہم بھی اس سنت نبوی کی روشنی میں چین وجاپان کی ہدایت کے لئے یہ دعا کرسکتے ہیں، تبلیغی راستوں سے اس تدبیر میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔

الغرض میرے ناقص خیال میں یہی دو تدبیریں ہیں اور اگر دونوں کو جمع کرلیا جائے تو سبحان اللہ! حکمران پہلی تدبیر پر عمل کریں اور علماء امت اور عوام دوسری پر عمل پیرا ہوں، اگر یہ اسلامی طریقے اختیار کئے جائیں تو توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ان کوششوں کو ضائع نہیں فرمائے گی، اور کم از کم آخرت کی مسئولیت سے تو سبکدوش ہوجائیں گے، انسان کوشش ہی کا مکلف ہے، نتائج حق تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔

ان اريد الا الاصلاح ما استطعت وما توفيقی الا بالله وحده عليه توكلت واليه انيب. وصلی الله علی خاتم النبيين وسيد المرسلين محمد وآله واصحابه اجمعين الی يوم الدين.

[ذوالقعدہ ۱۳۹۳ھ/دسمبر ۱۹۷۳ء]

---

(۱) سنن الترمذی، ابوب المناقب، مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب رضی الله عنه، ج: ۲ ص: ۲۰۹ ط: فاروقی کتب خانه. الرياض النضرة فی مناقب العشرة، الباب الثانی فی مناقب امير المؤمنين ابی حفص عمر بن الخطاب، الفصل الرابع فی اسلامه، ج: ۱ ص: ۱۹۷، ط: مصر.

طرابلس اور شیخ محمد بن علی السنوسی رحمۃ اللہ علیہ

اس سال زیارت حرمین شریفین کے بعد بلادِ عربیہ کے دو ایک نئے ممالک کے دیکھنے کا اتفاق ہوا، جدہ سے [illegible] ہو کر طرابلس الغرب (تریپولی) جانا ہوا، یہ سفر خالص دینی دعوتی اور تبلیغی مقاصد کے لئے تھا، جناب سید محمد [illegible] صاحب سابق اکاؤنٹنٹ جنرل پاکستان وحال صدر انجمن اشاعت القرآن رفیق سفر تھے، تقریباً ایک ماہ تک طرابلس، عمان اور کویت وغیرہ کے دیکھنے، وہاں کی دینی حالت کا مشاہدہ کرنے، عالم اسلام کے اصلاحی [illegible] اہل فکر اور عوام سے ملنے اور ان سے دعوت دین کے موضوع پر خطاب [illegible]

طرابلس کا نام مشہور داعی الی اللہ، مجاہد اعظم، مصلحِ ملت، متبع سنت، وسیع النظر عالم دین الشیخ السید محمد بن علی السنوسی رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے کافی روشن تھا، پھر مسلمانانِ طرابلس کے مجاہدانہ کارنامے جو اٹلی کے جابرانہ تسلط واقتدار کے خلاف ظہور میں آئے ان کی بدولت اسے نصف صدی سے شہرۂ آفاق حیثیت حاصل ہوگئی ہے اور جب سے طرابلس الغرب کے ریگستانی صحرا زرِ سیال اگلنے لگے اور یکا یک ایک فقیر ملک متمول ممالک کی صف میں شمار ہونے لگا اس وقت سے اس کی عالمگیر شہرت میں چار چاند لگ گئے، سننے والوں کو تعجب ہوگا کہ ساڑھے چار لاکھ مربع میل پر پھیلا ہوا یہ ملک جو ہمارے ملک پاکستان سے ایک لاکھ مربع میل زیادہ وسعت رکھتا ہے، صرف ۱۵ لاکھ کی آبادی پر مشتمل ہے، اور عجیب تر بات یہ کہ اس سال آبادی کے تناسب کے اعتبار سے سب سے زیادہ حج کرنے والی قوم طرابلس ہی کی تھی، یعنی ۱۵ لاکھ کی آبادی کے ملک سے ۱۸ ہزار افراد نے حج ادا کرنے کی سعادت حاصل کی، معلوم ہوا کہ ملک معظم السید ادریس نے ہزاروں افراد کو حکومت کی طرف سے امداد دے کر حج کے لئے بھیجا تھا، اتنی قلیل آبادی سے ملک کا میزانیہ (بجٹ) تقریباً پاکستان کے برابر رہتا ہے، ملک معظم نے چار سو [illegible] پونڈ کی خطیر رقم [illegible] تعمیر مکانات کے لئے عطا فرمائی ہے۔

خیال یہ تھا کہ یہ وسیع صحرائی اور ریگستانی ملک ہوگا، لیکن طرابلس الغرب کی سرسبزی وشادابی کو دیکھ کر تعجب ہوا، زیتون، انگور، کھجور اور دیگر پھلوں کے باغات، گیہوں اور جو کے میلوں لمبے قطعات دیکھ کر حیرت میں اضافہ ہوا۔

مملکت لیبیا کا طرابلس کے بعد دوسرا عاصمہ یعنی دارالحکومت بیضاء ہے، تین سو کیلومیٹر کا یہ طویل اور عظیم الشان پہاڑی سلسلہ قدرت کے حسن وجمال کے دلکش مناظر اور حیرت انگیز سرسبزی وشادابی سے مالا مال ہے، آب وہوا نہایت خوشگوار ہے، خصوصاً جبل الخضراء کا آخری علاقہ "درنہ" تو دلکشی، جلوہ ریزی اور طبعی مناظر کے لحاظ سے بے نظیر ہے، [illegible] جو طرابلس سے ۱۲۰۰ کیلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے اور بیضاء کے صوبہ میں شحات اور سوسہ کے

رومانی اور یونانی آثار قدیمہ آج بھی تاریخ کے ادوارِ سابقہ کی عظمت کی داستانیں تازہ کررہے ہیں۔

حکومت لیبیا میں دو یونیورسٹیاں ہیں ایک جامعہ لیبیا جو طرابلس الغرب میں ہے اور دوسری جامعۃ السید محمد بن علی السنوسی الاسلامیہ جس کا مرکز صوبہ بیضاء ہے، یہ جامعہ نوعمر ہے، جسے قائم ہوئے کوئی چار سال کا عرصہ ہوا ہے، لیکن اس قت اس کا سالانہ میزانیہ (بجٹ) تین ملین پونڈ ہے، اس کے شیخ الجامعہ کی حیثیت اور تنخواہ وزیر اعظم سے کسی طرح کم نہیں ہوتی، شیخ الجامعہ، الشیخ عبدالحمید بن عطیہ الدیبانی بڑی جامع کمالات اور جاذب ترین شخصیت کے مالک ہیں، میں اس پورے سفر میں جس شخص سے سب سے زیادہ متاثر ہوا وہ شیخ الجامعہ ہی کی شخصیت تھی۔

عرب قوم، ان کے امراض اور ان کا علاج

بہرحال اس سفر کی تفصیلات پیش کرنے کا نہ ارادہ ہے نہ مقصد، بے ساختہ چند حروف زیرِ قلم آگئے، کہنا یہ ہے کہ ان عرب ممالک کو دیکھ کر میرے اس سابقہ یقین میں مزید اضافہ اور استحکام پیدا ہوا کہ عرب قوم دو شدید قسم کے امراض میں مبتلا ہے، جو بقیہ تمام بیماریوں کے لئے ام الامراض کا درجہ رکھتے ہیں، یعنی ① عرب قومیت پرستی ② مغربی تہذیب وتمدن کا تسلط، یہ ضرور ہے کہ مصر کی جدید حکومت اس کی نمایاں طور پر علمبردار ہے لیکن یہ مرض اب سارے عرب کا مشترکہ روگ ہے جو اس کے جسم میں خون کی طرح سرایت کرگیا ہے۔

''قومیت'' عربی ہو یا عجمی، مشرقی ہو یا مغربی، دینِ اسلام کی نظر میں وہ بہرحال ایک لعنت ہے، وہ ایک بت ہے جس کی پرستش کو اسلام شعارِ جاہلیت قرار دیتا ہے، قومیت اور اس کی بنیاد پر ابھرنے والے تمام فلسفوں اور نظریوں کو کچل ڈالنے کی دعوت دیتا ہے، لیکن یاللاسف! آج قوم عرب جو اسلام کی دعوت الی اللہ کی اولین حامل تھی، اس لعنت کا بری طرح شکار ہے، قومیت کے طاغوت نے عرب ممالک میں اسلامی اخوت کو پارہ پارہ کرڈالا ہے، آپ کو یہ سن کر دکھ ہوگا کہ اسرائیل اور عربوں کی جو خلفشار ان دنوں جاری ہے اس سلسلے میں عرب راہنماؤں کے جو بیانات، خطبات اور لیکچر ریڈیو پر نشر کئے جاتے ہیں ان میں خدا اور رسول یا دینِ اسلام کا نام تک نہیں آنے پاتا عرب قومیت، عرب وطنیت، عرب افواج اور ملکی وسائل وثمرات ہی کا وظیفہ بار بار پڑھا جاتا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ایک خطبہ کا افتتاحی جملہ "بسم اللہ" کے بجائے "باسم القومية العربية" اور "باسم الكرامة العربية" تھا، انا للہ۔ جب معاملہ یہاں تک پہنچ جائے تو خیر واصلاح کی توقع بہت ہی کم باقی رہ جاتی ہے۔

افسوس ہے کہ اسلام نے جس لعنت کو مٹایا تھا برطانوی طاغوت نے مسلسل تدابیر سے اس لعنت کو دوبارہ جنم دیا۔ "ولقد صدق عليهم ابليس ظنه" انہی ملعون تدابیر سے اس نے پہلے تو خلافت اسلامیہ کو ختم کرانے کے لئے عرب وترک دشمنی کا بیج بویا اور بھائی بھائی کو دشمن بنایا اور جب اس میں کامیابی ہوئی تو وطنیت کا زہر پھیلایا، آج قومیت، وطنیت اور رنگ ونسل کی ان لعنتوں نے عربوں کو اتنا کمزور کرڈالا کہ ۱۲ر کروڑ عرب ۱۵ر لاکھ اسرائیل سے جو ان کے قلب کا ناسور اور عرب ممالک کے عین وسط میں واقع ہے ہراساں، اس کے علاج سے

[illegible] ارض مقدس کی تطہیر سے درماندہ ہیں اور اسرائیل کا حوصلہ کتنا بڑھ گیا ہے؟ اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ عرب سربراہوں کی تقریریں سننے کے بعد اسرائیلی ریڈیو نے کہا:

''تم لیکچر دیتے رہو اور افسانے اڑاتے رہو جب وقت آئے گا تو تمھیں معلوم ہوگا کہ اسرائیل کون ہے؟ یہ عمل کا وقت ہے، قول کا نہیں، نرے دعووں سے کچھ نہیں ہوتا''۔

لعنه الله و خذله

کیا یہ اپنی اپنی ڈفلی بجانے والے قومیت اور وطنیت کے پرستاروں کے لئے عبرت کا مقام نہیں؟ کیا وہ وقت ابھی نہیں آیا کہ تمام عالم اسلام کلمہ، ایمان، خدا اور رسول اور اسلامی اخوت کے نام پر متحد ہو کر ''بنیان مرصوص'' بن جائے؟ اور دشمنان اسلام نے غلط فہمیاں پھیلا کر اختلاف وتفرق کے جس غار میں ہمیں دھکیل دیا ہے اس سے باہر آنے کی تدبیر کریں؟

یہ درست ہے کہ ''اسرائیلی سانپ'' کو قلب اسلام میں ڈسنے کے لیے امریکہ و برطانیہ نے مل کر جنم دیا ہے، اور وہی اس کی پرورش کرتے رہے ہیں اور آج بھی اس کی پشت پر یہ طاقتیں موجود ہیں، لیکن آخر ان طاقتوں کو ہمارے اختلاف وتفرق ہی سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا، اس اختلاف وتفرق کی ایک مکروہ صورت حال اسی سفر میں خود ان آنکھوں نے دیکھی، طرابلس (لیبیا) کے اندر میلوں کے رقبہ میں پھیلا ہوا عظیم امریکی ہوائی اڈہ اور امریکی چھاؤنی موجود ہے، ذمہ داروں سے دریافت کرنے پر اس کی مصلحت یہ بتلائی گئی کہ مصری حکومت کے خطرے کے پیش نظر طرابلس کی حفاظت کے لئے یہ تدبیر کی گئی ہے، سبحان اللہ! ڈاکوؤں، رہزنوں اور قزاقوں کو پاسبانی کا شرف بخشا جاتا ہے اور انہی کو محافظ، چوکیدار بنایا جاتا ہے، شدید ترین دشمنوں سے دوستی کی توقع رکھی جاتی ہے، سادہ لوحی اور خوش فہمی کی بھی انتہا ہو گئی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج انہی ہوائی اڈوں سے اسرائیل کی امداد ہو رہی ہے اور اسے تمام عالم اسلام کے مقابلے میں خم ٹھونکنے کے قابل بنایا جا رہا ہے، نہ معلوم یہ عقلیں اتنی کیوں مسخ ہو گئیں، ان ملکوں کی پالیسیاں بڑی دردناک ہیں، اللہ تعالیٰ اپنا لطف وکرم فرمائے اور تمام عرب ممالک کو صدق واخلاص کے ساتھ قبلۂ اسلام پر مجتمع ہونے اور اپنے تمام اختلافات کو بھول کر مل بیٹھنے کی توفیق بخشیں۔ (۱)

---

(۱) آج کل [illegible] میں عرب راہنماؤں کے اتحاد کی جو خبریں آرہی ہیں وہ تمام عالم اسلام کے لئے نوید مسرت ہیں، اردن کے شاہ حسین کا شاہ فیصل اور صدر ناصر سے مدت سے بچھڑے ہوئے دو بھائیوں کی طرح ملنا اور ان دونوں ملکوں کے سربراہوں کا مشترکہ دفاعی [illegible] قابل تقلید مثال بھی ہے اور موجودہ تاریخ کا زریں باب بھی، اسی طرح صدر ناصر کا یمن سے مصری افواج واپس بلا لینا بلاشبہ قابل تحسین ہے، کاش تمام ممالک اسلامیہ میں ایمانی گہرائیوں سے یہ اتحاد عمل میں آجائے محض نمائشی، سیاسی اور وقتی نہ رہے۔

اللھم الف بین قلوب المؤمنین واصلحهم واصلح ذات بینهم واجعل فی قلوبهم الایمان،
اللھم ارحم امة محمد ﷺ، آمین بحرمة سیدالمرسلین ﷺ

مال ودولت کی فراوانی اور اس کا معاشرہ پر اثر

اسی طرح ان عرب صحراؤں اور ریگستانوں میں جب سے سونے کی کانیں نکلنا شروع ہوئیں اور پٹرول کی نہریں بہنے لگیں، مال ودولت کی فراوانی اور طغیانی نے ان پر مغربی تہذیب ومعاشرت کو مسلط کردیا، عرب تو ہیں اس سے اس قدر متاثر ہیں کہ ''دق'' کی طرح مغربی تہذیب وتمدن کا مرض ان کے دین وایمان کو چاٹتا جا رہا ہے اور قریب قریب لاعلاج صورت اختیار کر چکا ہے، عرب قومیت نے اگر اسلامی عالمگیر اخوت کو پارہ پارہ کیا تھا تو شکل وصورت تہذیب وتمدن اور معاشرت وثقافت میں مغرب کی نقالی دامن اسلام ہی کو تار تار کر دیا ہے، کسی ملک اور معاشرے میں جس رفتار سے تہذیب فرنگ خیمہ زن ہوتی جائے گی اسی رفتار سے قلوب سے ایمان اور معاشرے سے اسلامی اقدار رخصت ہوتی جائیں گی، اسی لئے ایک موقعہ پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے چندنوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

> '' فو الله ما الفقر اخشى عليكم ولكني اخشى عليكم ان تبسط الدنيا عليكم كما بسطت على من كان قبلكم فتنافسوها كما تنافسوها وتهلككم كما اهلكتهم. (اخرجه الشيخان واللفظ لمسلم)(١)

پس بخدا میں تمہارے حق میں فقر کا اندیشہ نہیں رکھتا، بلکہ مجھے ڈر یہ ہے کہ کہیں دنیا تم پر بھی اسی طرح نہ پھیلا دی جائے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر پھیلائی گئی، پس تم بھی اس پر اسی طرح ریجھ جاؤ جس طرح وہ اس پر ریجھے، پھر یہ تمہیں بھی ہلاک کر ڈالے جس طرح انہیں ہلاک کر ڈالا۔

جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا مادیت کا یہ غلبہ اور اس کے نتیجے میں یورپی تہذیب کا تسلط سارے عرب میں عام ہے، کویت وغیرہ میں ان صحراء نوردساربانوں کا طنطنہ دیکھ کر حیرت ہوئی، بازاروں میں جاؤ تو لندن اور پیرس کا شبہ ہوتا ہے، اور موٹر کاروں جیسے سامان تمول کو دیکھو تو امریکہ کا دھوکا ہوتا ہے، بلاشبہ ابھی تک مسجدیں آباد ہیں، مگر عام طور پر فقراء ومساکین اور مزدور طبقہ ہی مساجد کی زینت ہے، مال کی فراوانی کے سیلاب میں آخر کب تک یہ نظام قائم رہے گا؟ ان ممالک کے اونچے طبقہ میں اور امراض بھی پیدا ہوا چکے ہیں جن کا ذکر یہاں ضروری نہیں، بہر حال۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا
حال کے آئینے میں مستقبل کے مناظر کتنے بھیانک نظر آتے ہیں؟

ان حالات میں مسلمانوں کا فرض ہے کہ ''دعاۃ الی اللہ'' کی جماعتیں دعوت دین کو مستقل مقصد بنا کر

---

(١) صحيح مسلم، كتاب الزهد، ج:٢ ص:٤٠٧، ط: قديمى.
صحيح البخارى، كتاب الرقاق، باب مايحذر من زهرة الدنيا والتنافس فيها، ج:٢ ص:٩٥١، ط: قديمى

ایک ملک میں مقیم ہوں اور پوری قوت اور توجہ سے اصلاح کا کام شروع کیا جائے، ابھی تک دلوں میں نور ایمان کی دبی دبائی چنگاریاں موجود ہیں لیکن دن بدن ان کی روشنی مضمحل ہوتی جارہی ہے، ابھی تک ان قوموں میں بات سننے اور سنانے کی صلاحیتیں موجود ہیں، اس لئے اصلاح کی توقع کی جاسکتی ہے لیکن اگر دس پندرہ سال اسی غفلت میں گذر گئے تو پانی سر سے گذر جائے گا، ایمانی حرارت یکسر ختم ہوجائے گی اور اس وقت اصلاح کی کوئی توقع باقی نہیں رہے گی۔

عمان میں ''رابطۃ العلوم الاسلامیۃ'' کے ایک اجتماع میں اس قسم کی تدبیر کی نشاندہی اور امراض کی تفصیل عرض کی گئی، شاید کسی موقعہ پر اس تقریر کا خلاصہ پیش کیا جاسکے، وہاں محسوس ہوا کہ اونچے طبقے میں حالات ابھی تک مایوس کن نہیں، بلکہ کچھ افراد ابھی ایسے موجود ہیں جو ہر حیثیت سے قابل قدر ہیں، کچھ علماء اور ارباب فکر بھی ہر ملک میں ایسے مل جائیں گے جن کو ملا کر اصلاحی کوشش بارآور ہوسکے گی، بیروت میں جماعت ''انصار الرحمن'' اور مفتی لبنان کا مدرسہ اور عمان میں دار القرآن اور رابطۃ العلوم الاسلامیہ وغیرہ ان ظلمات میں امید کی کرنیں ہیں، ان سب سے بروقت صحیح کام لیا جاسکتا ہے، جو حضرات اس عظیم مقصد کی خاطر ان ممالک میں دینی دعوت کو زندہ کرنے کے لئے کچھ بھی وقت نکال سکتے ہوں ان کی ہر قسم کی ممکنہ معاونت اور مشورہ کے لئے میں ہر وقت حاضر ہوں۔

اس سفر میں یہ احساس بھی شدت سے دامن گیر ہوا کہ ان ملکوں میں جہاں دینی انحطاط کے آثار روز افزوں ہیں وہاں علمی انحطاط کا المیہ بجائے خود روح فرسا ہے، علوم اسلامیہ کی قابل قدر خدمات کی انجام دہی نہیں ہورہی، جدید طرز پر چند دینی مضامین کالجوں اور کلیات میں پڑھائے جاتے ہیں، جن سے علوم اسلامیہ کی حفاظت کا تصور لغو ہے، یہ ایک مستقل تفصیل طلب داستان ہے، بہرحال دعاؤں اور محنت کی بے حد ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ ان بلاد کی اصلاح کے لئے کوئی لطیفہ غیبیہ ظاہر فرمادے، وما ذالك على الله بعزيز۔

[ربیع الاول ۱۳۸۷ھ]

انقلاب لیبیا

گذشتہ دنوں یکم ستمبر ۶۹ء کو ایک اور اسلامی مملکت لیبیا کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا، انقلابی رہنماؤں کے طرز عمل سے صاف پتہ چلتا ہے کہ سوشلسٹ بلاک کی تدبیر سے یہ سانحہ پیش آیا ہے، گویا سوڈان کے بعد یہ دوسرا عرب ملک ہے جو اشتراکیت کی گود میں چلا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شاہ ادریس سنوسی تمام اسلامی و عربی ممالک میں سب سے زیادہ خدا پرست اور خدا ترس بادشاہ تھا، شیخ محمد بن علی سنوسی مجاہد اعظم جن کی کوششوں سے یہ مملکت وجود میں آئی تھی اور ایطالیہ کے ظالمانہ اور غاصبانہ قبضے سے مسلمانوں کو نجات ملی تھی شاہ ادریس ان کا پوتا تھا، موجودہ ممالک اسلامیہ میں یہ پہلا اور آخری بادشاہ تھا جو شب خیز

عبادت گذار بھی تھا اور شیخ طریقت بھی، با قاعدہ بیعت و ارشاد کی مسند ان کے دم سے قائم تھی، نہایت فیاض اور رحمدل بادشاہ تھا، غریب پروری اور رحمدلی میں موجودہ بادشاہوں میں ان کی نظیر نہ تھی، صوبہ بیضاء میں جو طرابلس (تریپولی) کے بعد دوسرا پایہ تخت تھا ۵۰۰ رملین پونڈ کا عظیم الشان عطیہ دے کر فقراء اور مساکین کے لئے مکانات تعمیر کرائے تھے، بادشاہ کی طرف سے یہ اعلان تھا کہ جو شخص حج بیت اللہ کے لئے جانا چاہے اور غیر مستطیع ہو حکومت اس کی معاونت کرے گی، یہی وجہ ہے کہ لیبیا آبادی کے تناسب کے اعتبار سے پہلا ملک ہے جس کے شرکاء حج کی تعداد تمام اسلامی ممالک سے گوئے سبقت لے گئی تھی، یعنی لیبیا کی آبادی کل ۱۵ رلاکھ ہے اور پندرہ ہزار لیبیا کے حجاج کرام سال گذشتہ حج میں موجود تھے۔

شاہ ادریس نے بیضاء میں اپنے جد امجد کے نام پر ایک یونیورسٹی قائم کی تھی جس کا نام تھا جامعۃ الشیخ محمد بن علی السنوسی الاسلامی اس کا میزانیہ ابتدائی امراحل میں ۳۵۰ رملین پونڈ سالانہ [illegible] اس کے ماتحت معابد و مدارس میں گذشتہ دو سال سے قبل تک ۷ رہزار لڑکے اور لڑکیاں قرآن مجید حفظ کر رہے تھے لڑکیوں کے لئے اس عظیم الشان پیمانے پر حفظ قرآن کا یہ انتظام تمام عالم اسلام میں بے نظیر تھا۔ اساتذہ کے لئے مستقل مدینۃ الجامعۃ کے نام سے بیضاء میں ایک شہر کئی ملین پونڈ کی لاگت سے تعمیر کرایا جا رہا تھا۔

الغرض بہت سے مفاخر و مآثر کا مالک بادشاہ تھا، البتہ نظم حکومت اور استحکام مملکت کے لئے جس تیقظ وتدبر کی ضرورت ہوتی ہے اس کی کمی تھی، اسی وجہ سے پڑوسی ممالک کے جبر و استبداد اور ناگہانی تسلط سے بچنے کے لئے امریکہ کو ایک عظیم الشان ہوائی اڈہ طرابلس میں قائم کرنے کی اجازت دی ہوئی تھی، گویا امریکہ ہی کے رحم و کرم پر جی رہا تھا اور بیت المقدس کے سقوط میں اس امریکی ہوائی اڈے کا کارنامہ سب کو معلوم ہے، ممکن ہے تکوینی طور سے یہی غفلت مملکت کے زوال کا باعث بنی ہو، ایک بار بادشاہ نے وزیر اعظم کو تین سو ہوائی جہاز خریدنے کا حکم دیا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ اس فرمان کی تعمیل میں صرف تین ہوائی جہازوں کی خریداری ہوئی تھی، [illegible] کو جب علم ہوا تو اتنا شدید صدمہ پہنچا کہ قریب تھا کہ حرکت قلب بند ہو جائے اور اس وزیر اعظم کو ہٹانا پڑا۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ سوشلسٹ یا کمیونسٹ ملک اور قوم کے لئے اس سے بہتر نظام حکومت بھی قائم نہیں کر سکتے جو اس شاہ معزول کے عہد میں قائم تھا اور یہ محض فریب اور دھوکا ہے کہ غریبوں اور مزدوروں کی امداد و فلاح کے جذبے کے تحت علم برداران اشتراکیت ملکوں میں انقلابات برپا کرتے ہیں، بالکل نہیں ہے، اس میں کوئی حقیقت نہیں، چنانچہ لیبیا پر قبضے کا یہ منصوبہ محض ایک ارب پونڈ سالانہ کے تارکول اور پٹرول کی آمدنی پر قبضہ کرنے کے لئے بنایا گیا ہے، ورنہ اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ جس طرح شاہ مخلوق، فقراء و مساکین اور حجاج کی اعانت کرتا تھا، انقلابی حکومت اس کا عشر عشیر بھی کرے گی، اشتراکیت تو غریبوں اور مزدوروں کی امداد و فلاح کے نام سے خدا کی مخلوق پر وہ مظالم ڈھاتی ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، سمرقند و بخارا کی تاریخ دنیا کے سامنے ہے، وسط ایشیا کا

عظیم الشان اور زرخیز خطہ خالص اسلامی ملک تھا اس کا کیا حشر ہوا؟ الامان الحفیظ۔ آج اس طویل وعریض سرزمین کا ذرہ ذرہ اسلام اور اسلامی ورثہ کا مقتل و مدفن ہے، ہاں یہ درست ہے کہ اب سیاسی مصالح کے پیش نظر اس بربریت، وحشت اور دہشت انگیزی کا دور دورہ نہیں رہا اور زمانہ کے تقاضوں سے مجبور ہو کر یہ کمیونسٹ بھی اسلام کش پالیسی اختیار کرتے رہتے ہیں، لیکن اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ یہ خدا دشمن گروہ غریبوں اور محتاجوں کے نام سے تسلط واقتدار حاصل کرتے ہیں اور پھر اسلام کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، سوڈان عربی ممالک میں اپنے دینی مزاج کے لحاظ سے ممتاز تھا لیکن آج وہاں اسلامی نظام مرثیہ خواں ہے، اگر اخبارات وجرائد اور خبر رساں ایجنسیوں کے بیانات صحیح ہیں تو چند دنوں میں اسلام کا نام بھی نہ رہے گا، افسوس اس امر کا ہے کہ اگر یہ اسلامی حکمران ان اسلامی حکومتوں میں صحیح نظام اسلام قائم کر لیتے تو اس کی ظاہری وباطنی برکات ان ملکوں کو ان تمام فتنوں سے محفوظ رکھ سکتی تھیں، دراصل یہ حق تعالیٰ کی طرف سے خدا فراموشی کی سزا ہے، سقوط بیت المقدس اور پھر مسجد اقصیٰ کے جلانے کا دردناک واقعہ اگر غور کیا جائے تو ہماری شامت اعمال کا نتیجہ ہے، ”شامت اعمال ماصورت نادر گرفت“ پھر مالک حق تعالیٰ شانہ اور اس کے قوانین سے انحراف کرنے کے بعد کسی نے روس کو خدائی کا درجہ دے دیا اور کسی نے ...کو اور ان ہی خدا دشمن قوموں کو اپنا مشکل کشا سمجھ لیا، آفتاب نیمروز کی طرح یہ حقیقت واضح ہے کہ یہ صرف ان ہی ملکوں میں اسلامی قانون نافذ ورائج نہ کرنے کی سزا ہے کہ آج یہ اسلامی ممالک بے دین سوشلسٹوں کے ہاتھوں پامال ہو رہے ہیں، کاش ہمارے ملک کے رہنماؤں اور لیڈروں کی آنکھیں کھل جائیں۔

بدقسمتی سے اس اسلامی ملک میں سرمایہ دارانہ نظام اور سودی کاروبار نے مالدار طبقہ کے دلوں میں وہ قساوت اور بے رحمی پیدا کر دی ہے جس کے نتیجہ میں اشتراکیت کا سیلاب آ جانے کا خطرہ ہے، یہ اشتراکیت یا اشتمالیت درحقیقت رأسمالیت کا ردعمل ہے، حکومت پاکستان کو اس اسلامی دنیا سے اور ان دردناک انقلابات سے نجات حاصل کرنے کی شدید ضرورت ہے، نجات کا راستہ اسلام اور صرف اسلام میں منحصر ہے، لیکن نام کا اسلام نہیں بلکہ صحیح عملی اسلام، جس کے لئے اولین فرصت میں اسلامی قانون کو نافذ کرنا، اسلامی اقدار واخلاق کو اپنانا، اسلامی نظام تعلیم رائج کرنا، بدمعاشی اور بد اخلاقی وبداطواری کے حیا سوز مظاہر کی یک قلم بیخ کنی کرنا ہوگی، اسلامی حدود تعزیرات کو جاری کرنا ہوگا، اسلام کے معاشی نظام کو قائم کرنا ہوگا، شخصی وقومی اور انفرادی واجتماعی گوشوں میں عادلانہ اسلامی نظام کو لانا ہوگا، تب کہیں جا کر سوشلزم کی لعنت سے نجات مل سکے گی، صرف کھوکھلے نعروں، وعظوں، لیکچروں تقریروں، پریس کانفرنسوں، پمفلٹوں اور کتابوں سے اس سیلاب کو روکنا ناممکن ہے۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے یہ علاج ہرگز نہیں، کسی حکیم کے صرف نسخہ لکھ دینے سے مرض نہیں جایا کرتا جب تک کہ نسخہ کا صحیح استعمال اور پرہیز کی پابندی نہ ہو۔

سوشلزم اور کمیونزم کا صحیح علاج

بہر حال سوشلزم یا کمیونزم کا صحیح علاج غریب طبقہ کی مشکلات کو انتہائی ہمدردی کے ساتھ سمجھ کر اسلام کے معاشی نظام سے ان کا ازالہ کرنا اور ۹۰ رفیصد آبادی کو مطمئن کرنا ہے، اس کے لئے اسلامی اصول واقدار کی ترویج واشاعت کے ذریعہ ملک گیر تعلیم وتربیت کی ضرورت ہے، اسے خدا فراموش زندگی سے نکال کر خدا ترس زندگی سے روشناس کرنا ہوگا اور معاشرے کی اصلاح اسلامی احکامات وارشادات اور اسلامی قانون سے کرنا ہوگی، صرف اتنی بات ہرگز کافی نہیں کہ ان کے پیٹ کا انتظام کر دیا جائے اور روح وقلب کی اصلاح سے غفلت برتی جائے، ورنہ تو کسی وقت بھی وہ غلط اقتدار کا آلہ کار بن سکیں گے، علماء، واعظین، اداروں اور جمعیتوں کا اصلی مقصد معاشرے کی اصلاح کرنا ہونا چاہیے، تب جا کر توقع ہو سکے گی کہ یہ مہیب سیلاب رک جائے، ورنہ اس کے بغیر ’’ایں خیالست ومحالست وجنوں‘‘، حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک طویل حدیث ہے جو صحیح بخاری ومسلم میں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے اس کے آخر میں حکیمانہ ارشاد ہے:

”الا وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهی القلب“.(۱)

’’سنو! جسم انسانی میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے اس کی اصلاح سے تمام جسم انسانی کی اصلاح ہوگی اور اس کے فساد سے تمام بدن میں فساد ہوگا اور وہ دل ہے۔

دل کی اصلاح ظاہر ہے کہ اسلام کے عملی نظام نافذ کرنے ہی سے ہوگی۔

اتحاد اور اس کی ضرورت

اس کا صدمہ ہے کہ اس وقت علماء حق کی دو جماعتوں میں تصادم ہو رہا ہے، انصاف سے دیکھا جائے تو صرف طریقہ فکر یا طریقہ عمل کا اختلاف ہے لیکن خود غرض اصحاب جو دونوں طرف بری طرح چمٹے ہوئے ہیں ان کو حقیقی اختلاف بنا کر دینی اقدار کو شدید نقصان پہنچا رہے ہیں، بینات کے گذشتہ شمارے میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا تھا لیکن آج مزید صراحت کے ساتھ یہ گذارشات پیش کی جارہی ہیں:

① اس پرآشوب دور میں علماء دین اور خصوصاً مشارٌ الیہ اکابر کا اتفاق بے حد ضروری ہے۔

ایسا اختلاف جو حدود سے متجاوز ہو ہر دور میں انتہائی مضر رہا ہے، لیکن آج تو اس سے بچنے کی اور بھی شدید ضرورت ہے ”وایاکم وفساد ذات البین فانها هی الحالقة“ (آپس کے فساد سے بچتے رہنا!

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدینه، ج:۱ ص:۱۳، ط: قدیمی. صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب اخذ الحلال وترك الشبهات، ج:۲ ص:۲۸، ط: قدیمی

کیونکہ یہ دین کا بالکل صفایا کردیتا ہے) ارشاد نبوی سب کے سامنے ہے۔ (۱)

② اگرچہ دونوں فریق نیک نیتی سے اپنے مؤقف کو حق سمجھتے ہیں لیکن اس سلسلہ میں انتہائی تیقظ و تدبر کی ضرورت ہے، ایسا نہ ہو کہ تمام کوششیں اور محنتیں رائیگاں چلی جائیں، خودغرض عناصر جو علماء کے اتحاد، وقار اور ان کی متحدہ مساعی کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ان کی تمنا پوری ہو اور نتیجہ غیر صحیح نکلے۔

③ وسعت قلب کی بڑی ضرورت ہے اور انتہائی کوشش کی جائے کہ سوء تفاہم اور غلط فہمی سے اختلاف رائے کا دائرہ قلوب کے اختلاف تک نہ پہنچایا جائے۔

④ اگر بدقسمتی سے اتحاد نہ پیدا ہو سکے تو جہاں تک ممکن ہو تنقید اور منفی پہلو سے گریز کیا جائے اپنا دائرہ عمل مثبت طریق کار تک محدود ہو اور اپنے تمام اتباع کو اس کی ہدایت کی جائے۔

⑤ اگر ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ دنیا میں سوشلزم سب سے بڑی لعنت ہے اور وہ اسلام کی تباہی کا پیش خیمہ ہے اس لئے ان حضرات کی بیشتر طاقت اسی کی تردید میں صرف ہورہی ہے، وہ مغربی سرمایہ داری کو بھی لعنت سمجھتے ہیں مگر ان کی طرف سے جس قدر سوشلزم سے بیزاری کا اظہار ہو رہا ہے اس انداز سے سرمایہ داری سے نفرت کا اظہار نہیں ہو رہا، نہ اس کی تردید اس انداز سے ہو رہی ہے۔ دوسرا فریق سرمایہ داری کو لعنت قرار دے رہا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ سوشلزم میں کوئی حسن نہیں بلکہ وہ درحقیقت سرمایہ داری کا ردعمل ہے، سرمایہ داری کی پیدا کردہ الجھنوں کو اسلامی اصول کی روشنی میں حل کردیا جائے تو سوشلزم اپنی موت آپ مرجائے گا، ان حضرات کی جانب سے جتنا زور سرمایہ داری سے بیزاری میں صرف ہوتا ہے سوشلزم کی تردید میں نہیں ہوتا، اب ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کیا جائے تو مقصد دونوں حضرات کا ایک ہے، صرف طریق کار اور الاھم فالاھم کی تعیین کا اختلاف ہے، اس لئے اس کو اختلاف رائے سمجھ کر یقیناً برداشت کرلینا چاہیے، اگر قلوب میں اخلاص ہے تو اختلاف رائے یا اختلاف ذوق افتراق و تشتت کا ذریعہ نہیں بن سکتا ہے اور محبت و خلوص کی فضا میں تبادلہ خیالات کے ذریعہ الاھم فالاھم کی تعیین بھی آسانی سے کی جا سکتی ہے اور متفق علیہ طریق کار کا تصفیہ بھی مشکل نہیں۔ (۲)

⑥ اگر ایک فریق کی رائے یہ ہے کہ لیبر یونین سے اس لئے معاہدہ ضروری ہے کہ ۵۰ لاکھ مزدوروں کو جو مسلمان ہیں سوشلزم کے حوالہ کس طرح کردیا جائے، اور ان سے معاہدہ اسلامی اصولوں کے مطابق مسائل حل کرنے پر کیا گیا ہو اور یہ معاہدہ ان کی رائے میں سوشلزم کے روکنے کے لئے بھی مؤثر تدبیر ہو تو فبہا، ورنہ ان مزدوروں کو سوشلسٹ اپنا آلہ کار بنا کر خونین انقلاب لائیں گے تو دوسرے فریق کو یہ تو حق ہے کہ وہ اس معاہدہ کا اسلام اور مسلمانوں کے لئے غیر مفید ہونا دلائل سے واضح کرے، لیکن اس معاہدہ کو ''کفر سے اتحاد'' سے کیونکر متہم کیا جاتا ہے،

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب الزهد، باب اصلاح ذات البین، ج: ۲ ص: ۷۳، ط: فاروقی کتب خانه

(۲) لیکن خارجی عناصر جن کا اپنا مفاد علماء کے جدال و نزاع میں ہے وہ یہ فضا کیسے پیدا ہونے دیں گے۔

کون نہیں جانتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود مدینہ سے معاہدہ کیا تھا، کون نہیں جانتا کہ قرآن کریم کی سورہ براءت کے باوجود انتہائی شدت کے ساتھ کفار سے کئے گئے معاہدوں کا بھی احترام کیا گیا، کون نہیں جانتا کہ قرآن کریم میں کفار قریش کے بارے میں ہے کہ ﴿وَاِنْ جَنَحُوْ لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ﴾ اور اسی سورہ انفال میں ﴿وَاِنْ يُّرِيْدُوْا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللهُ﴾ [الانفال:٦١، ٦٢] وغیرہ وغیرہ صاف تصریحات موجود ہیں۔ اگر کفار سے معاہدات کرنے میں کفر نہیں تو ایک مسلمان جماعت۔ جو سوشلزم سے متہم ہے۔ کے ساتھ معاہدہ کو کفر یا سوشلزم کے مرادف کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ ہاں اس کی ضرورت ہے کہ یہ فریق بھی جلد سے جلد اپنا منشور شائع کرے تاکہ تہمت کا دروازہ بند ہوجائے، نیز بڑی احتیاط کی ضرورت ہے کہ مشترک مظاہروں اور جلسوں میں کوئی غیر اسلامی شعار نہ ہو، غیر اسلامی نعرہ نہ ہو اور غیر اسلامی جھنڈے جو کمیونسٹوں کے شعار ہیں ان سے پورا پورا احتراز کیا جائے، نیز جماعت کے اخبار ترجمان اسلام میں غیر ذمہ دارانہ مضامین یا ایسے مضامین جن سے سوشلزم کی بو آتی ہو بالکل ختم کرنا چاہیے اور اگر کسی کی ذاتی رائے اس قسم کی ہو تو اس کی ضرورت ہے کہ اس کو علیحدہ کر دیا جائے تاکہ خواہ مخواہ جماعت بدنام نہ ہو، بلکہ سچ یہ ہے کہ اس وقت جماعت کی بدنامی کا باعث اس اخبار کا طرز نگارش اور اس کے بعض مضامین ہیں، بلاشبہ لیبر یونین کے بعض لیڈروں کا تزکیہ کرنا کہ سوشلزم سے ان کا دامن صاف ہے واقعیت سے بعید ہے اور اس قماش کے لوگوں کے لئے نشستوں کو محفوظ کرانے کے مطالبات کرنا کہاں تک دانشمندی ہے، اور اس کی کیا ضمانت ہے کہ کل کو علماء کی ہم نوائی اور ان کی کوششوں سے برسر اقتدار آجائیں تو وہ اسلام کی ترجمانی کریں گے، اب اگر کوئی یہ رائے قائم کرے کہ سوشلزم کا راستہ روکنے کے بجائے ایسا نہ ہوجائے کہ ان کے لئے راستہ صاف ہوجائے اور علماء کو دھوکا دے کر اپنا اُلّو سیدھا کریں گے تو کیوں اس رائے کو سرمایہ داری کی حمایت سمجھا جاتا ہے، بہرحال شکوک وشبہات کا دائرہ تو بہت وسیع ہے وہ ہر طرح موجود ہیں، کہنا یہ ہے کہ ہر طرف شبہات بھی ہوسکتے ہیں اور ہر بات کی تاویل کی بھی گنجائش ہے، اگر ہر جماعت اور ہر فریق کوشش کرے کہ ”اعجاب كل ذی رای برأيه“ کے فتنے سے محفوظ ہوجائے تو معاملہ بہت آسان ہے، ورنہ روز بروز اختلافات کی یہ خلیج وسیع ہوتی جائے گی اور علماء کی بدنامی ہوگی، عوام علماء سے ویسے ہی دور ہیں ان کا بُعد بڑھتا جائے گا اور جانبین کے وقار کا خاتمہ ہوجائے گا اور اس طرح دینی وقار کو جو نقصان پہنچے گا اس کے تصور سے بھی تکلیف ہوتی ہے، یہ چند حقائق تھے جو عرض کئے گئے، امید ہے کہ اکابر و احباب اس تلخ نوائی کے لئے معاف فرمائیں گے، یہ سطور لکھی جاچکی تھیں کہ ۱۸ ستمبر ۶۹ء کی اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ مشرقی پاکستان کے ڈیڑھ سو علمائے کرام اور ائمہ مساجد نے مغربی پاکستان کے علماء اور اکابر دین سے اللہ و رسول کا واسطہ دے کر دردمندانہ اپیل کی ہے کہ وہ اپنے اختلافات کو دور کریں، اپیل کا متن یہ ہے۔

”آپ حضرات کے درمیان اگر کسی قسم کا کوئی اختلاف ہے تو اللہ و رسول کے واسطے سارے اختلافات

سے قطع نظر کر کے دشمنان دین کے مقابلہ کے لئے آپس میں متحد ہو جائیں، علمائے کرام کے آپس کے اختلافات اور توہین آمیز جملوں کی جو خبریں اخبارات میں شائع ہو رہی ہیں ان کے باعث پاکستان کے اسلام دشمن عناصر خصوصاً مشرقی پاکستان کے اسلام دشمن مفاد پرست حلقے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور یہاں تحفظ اسلام کے نام پر جدوجہد کرنے والوں کو مشکلات پیش آ رہی ہیں اور عام مسلمان بددل ہو رہے ہیں''۔ (جنگ کراچی)

حق تعالیٰ ہمیں عبرت لینے کی توفیق بخشیں ایسا نہ ہو کہ دوسروں کے لئے ہمارا وجود عبرت گاہ بن جائے۔

اللهم الف بين قلوب المؤ منين واصلحهم واصلح ذات بينهم ، آمين

اسرائیلی جارحیت اور اس کا حل

اگست کی ۲۱ ر تاریخ کو مسجد اقصیٰ میں آتش زنی کا روح فرسا اور المناک سانحہ پیش آیا عالم اسلام لرز اٹھا، تمام غیر متعصب اور انصاف پسند دنیا نے بلا تمیز ملک وملت تاریخ کے اس ہولناک واقعہ کی ذمہ داری اسرائیل پر ڈالی اور اسے صہیونی عزائم کی تکمیل کی ایک کڑی قرار دیا، اسلامی ممالک میں جلسے ہوئے، جلوس نکلے، ہڑتالیں ہوئیں، تقریریں کی گئیں، قراردادیں پاس ہوئیں، پاکستان اور دوسرے اسلامی ممالک کے نمائندوں کی کوششوں سے سلامتی کونسل کا اجلاس طلب کیا گیا، قراردادِ مذمت پیش کی گئی، سات دن کی بحث وتمحیص کے بعد سلامتی کونسل کے گیارہ ممبروں کے ووٹ سے منظور کی گئی، فرانس نے اس کی جزوی تائید کی، اسرائیل نے اسے پہلے قدم پر ٹھکرا دیا، برطانیہ آخر دم تک ہچکچاتا رہا (اور جب اسے یقین دلایا گیا کہ اس قرارداد میں اسرائیل کی براہ راست مذمت نہیں کی گئی ہے تو قرارداد کے حق میں ووٹ دینے پر راضی ہوا) امریکہ نے کھل کر قرارداد کی مخالفت کی اور اس کے زیر اثر سلامتی کونسل کے تین ممبروں نے چپ سادھ لی نتیجہ کیا ہوا؟ وہی ڈھاک کے تین پات!

اگر سلامتی کونسل اتفاق رائے سے ہی اسے منظور کر لیتی تب بھی کیا حاصل تھا؟ اقوام متحدہ کی کتنی قراردادیں ہیں جنہیں اسرائیل جوتے کی نوک سے ٹھکرا چکا ہے، آج تک اس کا کسی نے کیا بگاڑ لیا؟ ظلم اور درندگی کی حد ہو گئی، ادھر مسجد اقصیٰ سے آگ کے شعلے بلند ہو کر ستر کروڑ مسلمانوں کے دلوں کو خاکستر کر رہے ہیں اور ادھر امریکہ اس آگ کو بجھانے کے لئے اسرائیل کو فنٹم طیارے سپلائی کر رہا ہے، اس سے پہلے ان صفحات میں کئی بار عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ مسئلہ نہ ہماری تقریروں اور وعظوں سے حل ہوگا، نہ اقوام متحدہ کی قراردادوں سے، اس کے لئے نہ امریکہ سے توقع رکھی جا سکتی ہے نہ روس سے، ''آزمودہ را آزمودن جہل است'' اگر دنیا بھر کے ستر کروڑ مسلمان اتنا دم خم بھی نہیں رکھتے کہ وہ اپنے مقامات مقدسہ کی - جو انہیں اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں - حفاظت کر سکیں تو انہیں پوری دنیا سے مایوس ہو جانا چاہیے۔

مقام شکر ہے کہ اس سانحہ پر غور کرنے کے لئے اسلامی ممالک کے سربراہوں کی کانفرنس رباط میں ۲۲ ر

ستمبر سے شروع ہو رہی ہے، تا دم تحریر ۲۶ ر اسلامی ممالک کی طرف سے اس میں شرکت کی دعوت قبول کرنے کی خبر موصول ہو چکی ہے، قبل از وقت کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ کانفرنس عالم اسلام کو کیا دے گی؟ تاہم ہماری دعا ہے کہ حق تعالیٰ عالم اسلام کے سربراہوں کو اس سلسلہ میں صحیح اور نتیجہ خیز فیصلوں پر متفق ہونے کی توفیق عنایت فرمائے۔

اتنی بات بالکل واضح ہے کہ اس وقت اصل مسئلہ صرف مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کا نہیں بلکہ فلسطین میں اسرائیل کے ناجائز وجود اور اس کی کھلی جارحیت کا ہے اور اس کا اصل سبب بڑی طاقتوں کی طوطا چشمی ہے، اس لئے یہ مسئلہ اسی وقت حل ہو سکتا ہے جبکہ:

① اسرائیل کے خلاف تمام اسلامی ممالک مل کر اعلان جہاد کریں۔

② عالم اسلام اپنا متحدہ محاذ بنائے اور اقوام متحدہ سے کنارہ کش ہو جائے۔

③ امریکہ اور اس کے حلیفوں پر واضح کر دیا جائے کہ اگر وہ اسرائیل کی پشت پناہی سے باز نہ آئے گا تو اس سے سفارتی روابط توڑ لئے جائیں گے۔

④ ان کو پٹرول کی سپلائی بند کی جائے۔

⑤ اسلامی ممالک کا جتنا سرمایہ یورپ کے بینکوں میں جمع ہے اسے واپس لیا جائے۔

⑥ یہودی مصنوعات کا داخلہ اسلامی ممالک میں ممنوع قرار دیا جائے۔

ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ تجاویز لفظاً جتنی آسان ہیں عملاً اتنی ہی دشوار بھی ہیں، بہت سی مشکلات پیش آئیں گی، خطرات کا سامنا ہوگا، مادی مفادات پر ضرب پڑے گی، لیکن ہمارے لئے قبلہ اوّل اور مقامات مقدسہ کی ناموس کی خاطر ہمت و عزیمت، قوت ایمانی اور نصرت خداوندی کے سہارے وقت کے اس چیلنج کو قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

مسجد اقصیٰ اور قدس کے مسئلہ پر آج اگر عرب اور اسلامی ممالک میں اتحاد نہ ہو سکا تو قیامت تک امکان نہیں کہ ان میں اتفاق ہو سکے، دو سال سے اتنے مسئلہ پر متفق نہ ہو سکے کہ سربراہوں کی کانفرنس کہاں پر ہو اور اس کا ایجنڈا کیا ہو؟ انتہائی صدمہ ہے کہ آج تمام عالم اسلام ایک خطرناک دور سے گذر رہا ہے اور ان حالات میں اگر اتفاق سے محروم رہے تو مستقبل میں کیا توقع ہو سکے گی۔ افسوس کہ اگر ان کا اجتماع بھی ہوتا ہے تو آخری نتیجہ تشتت وافتراق ہی نکلتا ہے ”تحسبهم جميعا وقلوبهم شتى“ کا نمونہ ہے، حق تعالیٰ صحیح فہم عطا فرمائے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمام اسلامی ممالک میں اسلامی رابطہ بہت کمزور ہو گیا ہے اور عربی ممالک میں مزید کمزوری آ گئی ہے، اس لئے روحانی رابطہ کے ضعف کی تلافی کرنے کے لئے مادی وسائل کی تلاش میں مبتلا ہو گئے، عربی ممالک میں اس وقت سب سے بڑا فتنہ عرب قومیت کا ہے اس کے بعد وطنیت کا بھوت آ جاتا ہے، اسلامی روح نکلنے کے بعد رفتہ رفتہ تمام مادی فتنوں کے لئے زمین تیار ہو جاتی ہے، پھر کہیں اشتراکیت واشتمالیت آ جاتی ہے اور کہیں ملوکیت

جنم لیتی ہے اور آخرکار ”نسوا الله فانساهم انفسهم“ (وہ اللہ کو بھول بیٹھے، نتیجۃً اللہ نے انہیں اپنے آپ سے بیگانہ کردیا) کے قانونِ ازلی کے مطابق کسی نہ کسی شکل میں غضبِ الٰہی نمودار ہوجاتا ہے۔

العياذ بالله، اللهم لا تهلكنا بما فعل السفهاء منا ان هی الا فتنتك.

[شعبان المعظم ۱۳۸۹ھ/اکتوبر ۱۹۶۹ء]

لیبیا میں اسلامی دعوت وتبلیغ کی پہلی کانفرنس

ماہ رمضان المبارک کے اواخر میں راقم الحروف مدینہ طیبہ (علیٰ صاحبہا التحیۃ والسلام) میں معتکف تھا کہ مملکت لیبیا کے پاکستانی سفارت خانے کا اسلام آباد سے ایک دعوت نامہ پہنچا کہ حکومت لیبیا کے پایۂ تخت طرابلس (ٹریپولی) میں ایک اسلامی کانفرنس منعقد ہورہی ہے، بحیثیت پاکستانی مندوب آپ شرکت کریں، یہ دعوت نامہ کراچی مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں آیا تھا یہاں سے بذریعہ ڈاک مجھے مدینہ طیبہ بھیج دیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ ہوائی جہاز کا ٹکٹ بھی پہنچ گیا، جب سفارت خانے والوں کو معلوم ہوا کہ میں حجاز مقدس میں ہوں تو پتہ معلوم کرکے ایک طویل ٹیلی گرام بھی دیا، ایک ٹیلی گرام مدینہ دیا گیا اور ایک مکہ مکرمہ اور پھر تیسرا ٹیلی گرام جدہ دیا گیا کہ بیروت سے تمہاری سیٹ ۹/دسمبر ۷۰ء کو برائے طرابلس محفوظ کردی گئی ہے، کچھ عرصہ سے لیبیا میں انقلابی حکومت قائم ہوچکی تھی اور ملک ادریس تخت سلطنت سے محروم ہوگئے تھے۔ غالباً اہل بیت رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی یہ آخری حکومت مغرب میں تھی جو ختم ہوچکی تھی اور یہی خیال تھا کہ جس طرح انقلابی حکومت سوریہ (شام) سوڈان اور جنوبی یمن کی ہے اسی طرح کی یہ حکومت بھی ہوگی، جن کے حالات سامنے آچکے تھے اس لئے کچھ زیادہ خیر کی توقع نہ تھی، لیکن دعوت نامے کا پروگرام اور کانفرنس کا ایجنڈا جب پڑھا تو توقع کے خلاف پایا، حسن اتفاق سے میں مسجد نبوی کے مقدس ترین حصہ ”ریاض الجنۃ“ میں بیٹھا تھا، جمعہ کا دن اور عصر کے بعد کا وقت تھا، اسی مقام مقدس میں دعوت نامہ عزیزی نورچشم محمد بنوری سلمہٗ نے ادا کردیا، جو اس سفر میں امسال میرے ساتھ تھا، اس لئے دعا اور غور وفکر کا موقع مل گیا، پھر دو تین یوم بعد دکتور الاستاذ محمد مبارک شامی سے۔ جو آج کل کلیۃ الشریعۃ مکہ مکرمہ کے عمید ہیں۔ ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ بھی مدعو ہیں اور دکتور الاستاذ مصطفی زرقا شامی۔ جو آج کل کویت کی حکومت کی طرف سے فقہ اسلامی کے انسائیکلو پیڈیا کی ترتیب وتدوین پر مامور ہیں وہ۔ بھی کانفرنس میں مدعو ہیں اور رباط (مراکش) سے دکتور الاستاذ عمر بہاء الامیری شامی۔ جو ابتدا میں پاکستان میں سوریہ کی طرف سے سفیر رہ چکے ہیں وہ۔ بھی اس کانفرنس میں نمائندگی کریں گے، چونکہ ان حضرات سے براہ راست میں واقف تھا بلکہ یہ میرے احباب تھے اس لئے اب مجھے اطمینان ہوا کہ کانفرنس والوں کی نیت بخیر ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ شرکت مفید ہوگی، اس کے بعد تار کے ذریعہ لیبی سفارت خانے کو منظوری کی اطلاع دے دی کہ میں ان شاء اللہ ضرور شرکت کروں گا، لیکن

بجائے کراچی کے جدہ ہی سے روانہ ہوں گا، میری سیٹ کراچی واپسی کے لئے ۳۰ر نومبر ۷۰ء کو بک ہوچکی تھی اور مدینہ طیبہ میں نماز عید کے فوراً بعد جدہ روانگی طے ہوچکی تھی لیکن اس کانفرنس کی شرکت کی غرض سے کراچی کی روانگی ملتوی کردی، کانفرنس ۱۲ر دسمبر سے شروع ہونے والی تھی اس لئے مجھے مزید ایک عشرہ حرمین شریفین میں قیام کا موقعہ مل گیا، کانفرنس کا نام تھا "المؤتمر الاول للدعوة الاسلامية" یعنی اسلامی دعوت وتبلیغ کی پہلی کانفرنس، پروگرام کا سرنامہ یہ آیت کریمہ تھی:

﴿وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ [حم السجدة: ۳۳]

اس شخص سے بہتر بات اور کس کی ہوسکتی ہے جو حق تعالیٰ کی طرف لوگوں کو بلائے اور خود بھی نیک عمل کرے اور اعلان کرے کہ میں بلاشبہ مسلمان ہوں۔

دعوت نامہ تو طویل تھا لیکن پروگرام کے ایجنڈے کے کلمات حسب ذیل تھے:

(۱) محاربة الغزو العقائدی فی البلاد الاسلامية والمناطق المؤهلة للاسلام.

(۲) تحديد المناطق الاكثر احتياجاً للدعوة الاسلامية.

(۳) بحث شروط الداعية للاسلام وحقوقه.

(٤) أية مقترحات اخرى.

یعنی اسلامی ملکوں میں جو بدعقیدگی اور لادینی کی وباء پھیل رہی ہے اس کی اصلاح اور مقابلہ کی تدبیر کرنا، جن مقامات میں اسلامی دعوت کی زیادہ ضرورت ہے ان مقامات کی تعیین کرنا اور جو شخص دعوت دے اس کے لئے کن شرائط کی ضرورت ہے اور اس سلسلہ میں جو مزید تجاویز پیش ہوں۔

بہرحال انتہائی مسرت ہوئی کہ اس پر آشوب مادی دنیا کی مایوس کن فضا میں پہلی مرتبہ اسلامی دعوت وتبلیغ کی آواز اٹھی، بلاشبہ قابل صد مبارک باد ہے، بڑی سے بڑی اسلامی حکومتوں کو آج تک یہ توفیق نصیب نہیں ہوئی، عام طور سے اگر کوئی دینی آواز اٹھی بھی تو غور کرنے سے پتہ چلا کہ اس کا پس منظر بھی سیاست ہے، اکثر وبیشتر اسلامی ممالک میں اگر علمی سطح پر کچھ کام ہوتا بھی ہے تو وہ اس انداز سے کہ اسلامی اساسی مسائل میں قطع وبرید کا سلسلہ جاری رہتا ہے یا جدید تہذیب وتمدن کا پیوند لگانے کی کوشش ہوتی ہے اور آخر میں یہی کہنا پڑتا ہے:

"واثمهما اكبر من نفعهما"

فائدہ سے نقصان زیادہ ہے۔

بہرحال خلاف توقع یہ کانفرنس جہاں تک راقم الحروف کا خیال تھا اور تمام ارباب بصیرت مندوبین کا بھی یہی فیصلہ تھا کہ یہ کانفرنس تمام سیاسی آلائشوں سے پاک وصاف ہے، اگر آگے چل کر حکومت کا رخ نہ بدلا اور

اسی انداز پر کام آگے بڑھتا چلا گیا تو یہ حکومت اپنی نوعیت کی پہلی حکومت ہوگی، حق تعالیٰ سے یہی دعا ہے اور یہی آرزو ہے کہ اسی انداز سے صراط مستقیم پر تمام اسلامی ممالک کو چلنے کی توفیق نصیب ہو۔

کانفرنس میں بیس اسلامی ممالک کے ساٹھ نمائندے شریک ہوئے، مقالات عمدہ سے عمدہ پڑھے گئے، مباحثے ہوئے، تجویزیں پاس ہوئیں، چند قابل ذکر شخصیتیں حسب ذیل تھیں:

ڈاکٹر عمر بہاء الامیری رباط سے، ڈاکٹر عبدالحلیم محمود وکیل الازہر، اور ڈاکٹر محمد توفیق عویضہ المجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیہ کے ڈائرکٹر اور الشیخ احمد حسن باقوری اور ڈاکٹر احمد حوفی مصر سے، ڈاکٹر مصطفےٰ زرقاء شامی کویت سے، ڈاکٹر محمد مبارک شامی سعودیہ عربیہ سے، ڈاکٹر عبدالقہار مذکر انڈونیشیا سے، ڈاکٹر احمد نونجی امریکہ سے، الدوا، ڈاکٹر محمود شیت خطّاب عراق سے، الاستاذ صالح مسعود بوبصیر الشیخ محمود صبحی عبدالسلام لیبیا سے، الشیخ محمد داود مراکش سے، الاستاذ عبدالواحد الیاس نائجیریا سے، الشیخ حسین جوزوریوگوسلاویہ سے، عبدالکریم ساتیو جاپان سے، الاستاذ مالک بن النبی الجزائر سے، وغیرہ وغیرہ، مختلف کمیٹیاں بنائی گئیں:

① اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے کامیاب ترین وسائل پر غور۔

② اسلامی دعوت کے لئے اہم ترین مراکز کا انتخاب۔

③ دعوت دینے والے افراد کے شرائط پر غور۔

④ تجاویز و قراردادوں کو درست کرنے کا کام۔

بہت سی اہم قراردادیں اور تجویزیں منظور ہوئیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ لیبیا میں اسلامی دعوت کا مرکز قائم کیا جائے جو بوقت ضرورت کسی دوسری اسلامی مملکت میں بھی منتقل کیا جا سکے گا اور تمام اسلامی ملکوں میں اس کی شاخیں قائم ہوں اور ہر ایک اسلامی ملک میں اس مقصد کے لئے امداد و مساعدت (چندہ) کی رقوم جمع کرنے کے صندوق رکھے جائیں اور ان تمام اسلامی ملکوں میں جن کی زبان عربی نہیں ہے عربی سکھانے کے تعلیمی وسائل اختیار کئے جائیں تاکہ قرآن کریم سمجھنے میں آسانی ہو، محقق علماء کی ایک جماعت منتخب کی جائے کہ وہ عصری تقاضوں کے پیش نظر قرآن کریم کی تفسیر لکھیں اور تمام زبانوں میں اس کے تراجم ہوں، نیز احادیث نبویہ کا ایک مجموعہ بھی مرتب کیا جائے اور اس کے بھی تراجم تمام عالم میں پھیلائے جائیں اور اسلامی مصطلحات سمجھانے کے لئے ایک لغت کی انسائیکلوپیڈیا تیار کی جائے۔

اسلام ایک جامع ترین نظام حیات ہے وہ عبادات، معاملات، اخلاق، سیاست و حکومت کے تمام تقاضے پورا کرتا ہے، اس کو اسی انداز سے سمجھایا جائے اور تمام عالم میں اسی انداز سے اس کی اشاعت کی جائے اور اسلام کے مفہومات و مصطلحات میں جو تحریف کر کے غلط معنیٰ لئے جاتے ہیں ان کی تردید کی جائے، بلکہ ان کا راستہ بند کیا جائے، تمام اسلامی حکومتوں سے مطالبہ کیا جائے کہ اپنی جدید نسل کی اسلامی تربیت کریں، صحیح اسلامی ثقافت اور صحیح

اسلامی دعوت ملکوں میں پھیلائیں اور مستشرقین ومعاندین اسلام کی تدبیروں کو خاک میں ملائیں، فقہ اسلامی ۔ تمام مذاہب فقہاء کے ساتھ ۔ یہ اسلام کی بڑی عظیم الشان دولت ہے تیرہ سو سال کا قدیم ترین سرمایہ ہے، اس کی حفاظت کی جائے اور اس کی روشنی میں تمام جدید مسائل حل کئے جائیں، یورپ وغیرہ کے قوانین صرف سو یا ڈیڑھ سو سال کی متاع کاسد ہیں، نیز ان کا طویل تجربہ بھی نہیں ہو سکا ہے، اس لئے اسلامی فقہ کے مقابلہ پر ان کی کوئی حیثیت نہیں ہو سکتی، لہٰذا فقہ اسلامی کے مطابق مجموعہ قوانین تیار کیا جائے اور تمام اسلامی ملکوں میں اس کو رائج کیا جائے اور ہر ملک کا قانون اسی کے مطابق بنایا جائے، تا کہ تمام ملکوں میں تشریعی یگانگت پیدا ہو اور سیاسی و انتظامی اختلافات مٹ جائیں، حق تعالیٰ کی ذات لطیف وخبیر ہے اس نے عالم انسانی کے لئے جو قانون مرتب فرمایا ہے انسانی عقول اس قسم کا ہمہ گیر قانون بنانے سے قطعاً عاجز ہیں، اس لئے اس کا بنایا ہوا آسمانی قانون ہی انسانیت کے لئے ذریعہ نجات وسعادت بن سکتا ہے، نیز قطعی دلائل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جو قانون خالق کا بنایا ہوا ہے وہ کامل اور اکمل ہے اور جو مخلوق نے بنایا ہے وہ ناقص وابتر ہے۔

اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں کے طلبہ کو اسلامی شعائر اور اسلامی تہذیب کا پابند بنایا جائے، تمام اسلامی حکومتیں جو ''کلچر اتاچی'' دوسرے ملکوں میں بھیجیں ان کے ذمہ اسلام کی تبلیغ اور نشر واشاعت کا فریضہ عائد کیا جائے، مسلمان بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے سلسلہ وار اسلامی تعلیمات کے سیٹ مرتب کئے جائیں، عربی ملکوں میں عربی زبان میں ہوں بقیہ ملکوں کے لئے اس کے تراجم کئے جائیں، نیز تمام غیر اسلامی ملکوں میں بھی اسلامی مراکز قائم کرنے چاہئیں جن میں مسجد وکتب خانہ اور ہسپتال اور اسلامی لیکچروں کے لئے ٹاؤن ہال قائم کئے جائیں، ایک کمیٹی ایسی بنائی جائے جو عربی کی ان اہم کتابوں کے جو اسلامی دعوت کے لئے مفید ہوں دوسری زبانوں میں تراجم کرے، اسی طرح دوسری زبانوں کی اہم کتابوں کے عربی زبان میں تراجم ہوں، اسلامی دعوت وارشاد کے لئے مستقل کالج ہوں اور ان میں علوم دینیہ سے فارغ التحصیل طلبہ کو دعوت وارشاد کے لئے تیار کیا جائے جس شخص کو اسلامی دعوت دینے کے لئے منتخب کیا جائے وہ حسب ذیل صفات کا مالک ہو:

(الف) اس کا ایمان قوی ہو۔

(ب) اسلامی اخلاق وملکات سے آراستہ ہو۔

(ج) قرآن کریم اور دین اسلام کے ضروری علوم سے پورا واقف ہو۔

(د) اس ملک کی زبان وعادات ورسومات سے واقف ہو، بہترین خطیب ہو، تفہیم وافہام کا سلیقہ رکھتا ہو۔

(ھ) اس قوم کے غم وخوشی اور سوشل زندگی میں باقاعدہ حصہ لے وغیرہ وغیرہ۔

یہ چند اہم قراردادوں کا خلاصہ ہے جو قارئین کے سامنے پیش کیا گیا ہے، بلا شبہ اگر اس انداز سے یہ خدمت انجام دی جائے تو اسلامی دعوت وتبلیغ اور نشر واشاعت کا فریضہ جس کے ادا کرنے میں عرصہ دراز سے امت

تقصیر کر رہی ہے خوش اسلوبی سے پورا ہو جائے گا، حق تعالیٰ تمام ممالک اسلامیہ کو اس انداز سے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

کراچی میں ممالک اسلامیہ کے وزراء خارجہ کی حالیہ کانفرنس اتحاد اسلامی کے لئے نیک فال ہے، اسرائیلی فتنہ نے جون ۱۹۶۷ء میں مسلمانوں کو اور اسلامی حکومتوں کو پہلی مرتبہ اتحاد اسلامی کی فکر پر مجبور کیا ہے اور یہ محسوس کیا گیا ہے کہ یہ عذاب الٰہی درحقیقت مسلمانوں کی شامت اعمال کی سزا اور اسلامی حکومتوں کے تشتت وافتراق کا نتیجہ ہے اور اگر عالم اسلام کے تشتت کا یہی عالم رہا تو ۔خاکم بدہن ۔وہ دن دور نہیں کہ اسرائیل کی اغراض مشئومہ کا منحوس نقشہ دنیا میں رونما ہو جائے اور شاید پہلی مرتبہ اس کا بھی احساس ہوا کہ دائیں جانب اور بائیں جانب کی دشمن اسلام طاقتیں نہ معاہدوں کی پاس رکھتی ہیں، نہ مسلمانوں سے ہمدردی اور الكفر ملة واحدة کے مطابق سب ایک ہی ہیں۔

اس لئے پہلی رباط (مراکش) میں سربراہ کانفرنس ہوئی، پھر کچھ عرصہ کے بعد جدہ میں وزراء خارجہ کی پہلی کانفرنس ہوئی جس میں اسلامی ملکوں کا سکریٹریٹ قائم ہوا، اور تنکو عبدالرحمن (ملائشیا) کو جنرل سیکرٹری منتخب کیا گیا، دوسری سہ روزہ کانفرنس کراچی میں ہوئی اور آئندہ کابل میں ۱۹۷۱ء کے وسط میں یہ کانفرنس ہوگی۔

ہماری ناقص رائے میں جب تک مسلمانوں کا اعتماد سلامتی کونسل کی قراردادوں اور اقوام متحدہ کے فیصلوں پر رہے گا اس وقت تک یہ گتھی نہیں سلجھ سکتی، اسرائیلی جارحیت کا جواب عالم اسلام کا صحیح اور عملی اتحاد اور حق تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اعلان جہاد پر ہے، اگر یہ تین باتیں پوری ہو گئیں تو انشاء اللہ تعالیٰ یہود خائب و خاسر ہوں گے، یہود نے آج تک سلامتی کونسل کی کسی قرارداد پر عمل نہیں کیا اور نہ توقع ہے۔ اس لئے سوائے اسلامی جہاد کے اور کوئی راستہ نہیں، تجاویز سے کچھ نہیں ہوتا عمل کی ضرورت ہے۔

بہرحال یہ خوشی کی بات ہے کہ عرب دنیا بھی یہ سمجھنے پر مجبور ہوگئی کہ تنہا عرب دنیا کامیاب اور عہدہ برآ نہیں ہو سکتی جب تک عالم اسلام کا اتحاد نہ ہو، عالم اسلام کی تمام مشکلات کا صحیح اور ایک ہی علاج اسلامی وحدت ہے، قومیت و وطنیت کے تمام نعرے بیکار بلکہ تباہ کن ہیں، اسلام اور پیغمبر علیہ السلام نے جاہلیت قدیمہ کی اس لعنت کو مٹایا تھا، اتاترک کمال کے تسلط اور خلافت عثمانیہ کے زوال و سقوط کے بعد اس قومیت کی لعنت نے تمام عالم اسلامی کے اتحاد کو پارہ پارہ کر ڈالا اور دردناک صورت میں اس کے حسرت ناک نتائج سامنے آگئے اور آرہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمان حکمرانوں کو صحیح سمجھ عطا فرمائے اور اتحاد اسلامی کی نعمت و رحمت سے سرفراز فرمائے۔

[ذی القعدہ ۱۳۹۰ھ/جنوری ۱۹۷۱ء]

سربراہ کانفرنس کے نام جناب حسین شافعی کا پیغام

گذشتہ شمارے میں شاہان اسلام کی خدمت میں ایک عرض داشت پیش کی تھی اور سرزمین پاکستان میں پہلی مرتبہ سربراہ کانفرنس کو غنیمت سمجھ کر اسلامی خیرخواہی کے پیش نظر چند گذارشات پیش کی تھیں، خیال تھا کہ ان بنیادی نقطوں کی دل خواہ تشریح کی جاتی تا کہ اس کی اہمیت واضح ہوتی، لیکن انہی دنوں میں قاہرہ کی جمعیۃ شبان المسلمین کا ماہنامہ پہنچا جس کا نام ''الرسالۃ الاسلامیۃ'' ہے یعنی اسلام کا پیغام، مجلہ کے رئیس التحریر یعنی مدیر اعلیٰ الاستاذ الشیخ ابراہیم الطحاوی ہیں جو دینی ذوق اور شوق جہاد میں ممتاز شخصیت کے مالک ہیں، اور ساتھ ہی ساتھ صالح اور باخدا بزرگ ہیں شخصی طور پر مجھے ان سے واقفیت حاصل ہے، موصوف کے مجلہ میں سب سے پہلا مضمون جناب حسین شافعی کا ہے جو حکومت مصر کے نائب صدر رہیں اور جمال عبدالناصر کے عہد میں بھی تین نائب صدور میں سے تیسرے نائب صدر تھے، موصوف نے سربراہ کانفرنس کو ہی متوجہ کیا ہے اور انہی سے خطاب کیا ہے، کسی عظیم ملک کے عظیم نائب صدر کا اتنا عمدہ مضمون کم کہیں نظر سے گذرا ہے اور پھر اسلامی رنگ میں ڈوبا ہوا مضمون ہے، جی چاہا کہ بینات کے صفحات پر اس کا مکمل ترجمہ شائع کیا جائے۔

سربراہ کانفرنس کے نام:

''تمام تعریفیں اس خدائے برتر کے لئے ہیں جس نے اپنی کتاب میں آپ کو امت واحد قرار دیا اور درود وسلام ہو ہمارے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کائنات کے لئے رحمت ہونے کے ساتھ ہی جہاد کے شارع نبی بن کر آئے اور جو پورے عالم کے لئے مبشر ونذیر اور راہ حق کے داعی بنا کر مبعوث کئے گئے ہیں۔

الحمد للہ کہ یہود کے خلاف مصر کی لگاتار جدوجہد گذشتہ رمضان کی لڑائی سے نتیجہ خیز مرحلہ میں داخل ہوگئی، یہ حقیقت کسی بھی مسلم سے مخفی نہیں ہے کہ قدس اور مسجد اقصیٰ کی آزادی اس جہد پیہم کی غرض اولین ہے، مقدس سرزمین کے آزاد کرنے میں اس کو بنیاد اور مدار کی حیثیت حاصل ہے، گو بعض کوتاہ بین یہ سمجھتے ہوں کہ اس سے فلسطین کے قضیہ کے گوشہ نسیان میں پڑ جانے کا اندیشہ ہے۔

رمضان کے ان معرکوں نے دلوں پر چھائی ہوئی مردنی کو نشاط سے اور جمود کو حرکت سے تبدیل کر دیا۔ ان معرکوں نے حق کا ولولہ پیدا کر کے اس کو از سر نو حیات بخشی، اسی کے ساتھ ان معارک نے پوری دنیا کو بھی بیدار کر کے چھوڑا ہے، اس کے نتیجہ میں ملکی سطح پر عرب اتحاد نے واشگاف الفاظ میں اپنی حقیقت دنیا سے منوالی، اسلامی سطح پر مسلم سربراہ کانفرنس کے انتظامات شروع ہوگئے اور عالمی سطح پر افریقہ نے مصر اور عربوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا، یورپ بلکہ دنیا کے تمام ممالک نے از سر نو اپنے سود و زیاں کا حساب کیا، وہ سمجھ گئے کہ ان کے پاس اگر مادی اسلحہ ہے تو عرب اور مصر ایسے اسلحہ اور قوت کے مالک ہیں جس سے وہ محروم ہیں، ان کو اللہ نے ان بلند اور

دائمی اقدار سے نوازا ہے جن کی گہرائیوں کا ادراک ناممکن ہے۔

یہ ہے آج کی وہ فضا جس میں سربراہ کانفرنس لاہور میں منعقد ہونے والی ہے میں اس کانفرنس کو مخاطب کر کے مصر کا پیغام پہنچانا چاہتا ہوں کہ بے شک آپ کا ہر عمل قابل احترام اور مشکور ہے، لیکن اعمال کی بلندی، مقاصد اور اہداف کی بلندی کے تابع اور اس پر موقوف ہے اور ان بلند مقاصد میں کامیابی کا راز صدق نیت، مضبوط ارادے اور سچے انقلابی جذبہ میں مضمر ہے۔

اس سے قبل بھی اسلام کے نام پر اجتماعات منعقد ہوئے ہیں، جو جزوی طور پر اسلام کے مسائل آگے کر کے قابل قدر خدمات انجام دیتے رہے ہیں، لیکن موجودہ اجتماع کی حیثیت ان سے مختلف ہے، یہ رمضان کے اس معرکہ کے بعد منعقد ہو رہا ہے جو اس دور میں قدرت کا ایک معجزہ ثابت ہوا اس لئے اس اجتماع سے بھی بجا طور پر ہم اس کی معجزانہ شان کی امید وابستہ کرتے ہیں۔

اس اجتماع کے اسباب ومحرکات متعدد ہو سکتے ہیں تاہم اگر صرف بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کا قضیہ اس کا داعی اور محرک ہو تو بھی کافی ہے کیونکہ یہ تنہا اتنا بڑا مسئلہ ہے جو اس اہتمام کا یقیناً مستحق ہے، اب ضرورت ہے کہ اسلام کے سربراہ کلام وتجاویز کی حدود سے نکل کر باہمی اتفاق سے کسی ایسے ٹھوس اور مثبت طریقہ کار کو اپنائیں جس میں ان کی موجودہ خستہ حالی کی اصلاح اور ان کو درپیش چیلنج کا جواب ہو، اب وقت ہے کہ وہ خود کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیں کہ آخر اپنے ملکوں میں وہ ایسے بے سہارا بن کر کیوں رہ رہے ہیں؟ ان کا رعب ان کے دشمنوں کے دلوں سے کیوں نکلا؟ وہ معزز ہونے کے باوجود ذلیل وخوار کیوں ہوئے؟

کوئی بھی اسلامی اجتماع اس وقت تک کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ قرآن کے اس واضح اور روشن مؤقف کے معیار پر نہ ہو کہ عزت درحقیقت اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے لئے ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (المنافقون: ۸)

ہم صرف اس وقت راہ راست پر ہو سکتے ہیں کہ عزت کا معیار اپنا عقیدہ اور اپنے دین کے احکام کی پابندی کو سمجھیں۔

بیت المقدس کا مسئلہ اس اجتماع کے پروگراموں کا اصل اور اہم موضوع بحث ہونا چاہیے، اس وقت ہماری نگاہیں پوری دنیا کے مسلمانوں پر مرکوز ہیں، اس وقت ہر مسلمان بزبان حال اپنی قوم کو مخاطب کر کے یوں گویا ہے کہ بیت المقدس کی آزادی کا حل تلاش کیجئے ورنہ! آپ قصور وار اور عظیم گناہ کے مرتکب قرار دیئے جائیں گے، یہ فریضہ آپ پر صرف وہاں کے مسلم باشندوں کی خاطر نہیں بلکہ تمام سماوی ادیان اور مطلق عقیدہ کی آزادی کی خاطر بھی عائد ہو رہا ہے، کیونکہ اسلام ہی وہ دین ہے جو سب سے پہلے اس عظیم حقیقت کا اعلان کر چکا ہے ''لا اکراہ فی الدین'' دین (اسلام) میں زبردستی نہیں ہے۔

اے لاہور کے اجتماع میں شریک ہونے والی قوم کے رہنماؤ! بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لئے ہیں اور (اس کے عوض) ان کے لئے جنت تیار کی ہے یہ لوگ خدا کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے بھی ہیں اور خود بھی مارے جاتے ہیں، یہ تورات اور انجیل اور قرآن میں اس کا سچا وعدہ ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ، وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ﴾

(التوبة:۱۱۱)

مسلمانو! صرف آپ ہی کا دین یہ امتیاز رکھتا ہے کہ وہ پوری دنیا کے لئے رحمت بن کر آیا، اللہ کے برحق انبیاء میں تفریق نہ کرنا، اور ہر سماوی عقیدہ پر ایمان اس دین کی اولین شرائط میں داخل ہے۔

اب ان حقائق کی روشنی میں اپنے مقدسات کی آزادی کے لئے جو بھی جنگ ہم لڑیں گے وہ درحقیقت مبغوض تعصب اور قابل نفرت فرقہ واریت کے خلاف جنگ ہوگی، اس سے اسلام کی فراخدلی کی تائید اور اس کی وسیع الصدری دنیا پر عیاں ہوگی۔

یہود اور مسیحی گذشتہ چودہ صدیوں تک مسلسل مسلمانوں کو قدس، مسجد اقصیٰ اور دوسرے مقدسات کے کلید بردار تسلیم کرتے رہے، وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر بیت المقدس اور دنیا کے دوسرے اسلامی ممالک میں اسلام کی وسعت قلبی کے زیر سایہ امن و امان کی زندگی گذاتے رہے، البتہ اسلام کی وسعت قلبی ہمیشہ ایسے وقت میں لڑائی کی اجازت بلکہ اس کو ضروری قرار دیتی ہے جبکہ ہمارے عقیدے بلکہ ہر سماوی عقیدہ کی راہ میں کوئی رکاوٹ بن کر کھڑا ہونے کی کوشش کرے۔

قدس کی آزادی کے بعد اگلا مرحلہ مسلم اتحاد کے لئے کوشش

قدس اور مسجد اقصیٰ کو دشمن کے قبضہ سے چھڑا لینے کی تدبیر اور منصوبہ بندی کے بعد اس اجتماع کا دوسرا اہم مسئلہ مسلم اتحاد کے لئے ٹھوس اقدام ہونا چاہیے، بجائے اس کے کہ مسلمان آپس میں منتشر ہوکر دوسروں کے رحم وکرم پر زندہ رہیں ان میں اتحاد پیدا کر کے ان کو امت واحدہ بنانا چاہئے۔

وحدت امت کی دعوت دے کر میں کوئی مخصوص اور محدود گروہ بندی مراد نہیں لے رہا ہوں، کیونکہ اسلام کسی گروہ یا قوم کے لئے نہیں بلکہ پوری دنیا کے لئے دین رحمت بن کر آیا ہے میں تو صرف حکم خداوندی کے مطابق مسلمانوں کو پوری دنیا کی ہدایت کے لئے یکجا دیکھنا چاہتا ہوں۔

دنیا میں موجود یہ متعدد گروہ بندیاں مختلف نظریات کی بنیاد پر وجود میں آئی ہیں، یہ نظریات اپنے مبدأ اور فکر کے اعتبار سے کتنے ہی بلند کیوں نہ ہوں، بہر حال انسانی ارادے کے تابع، ترمیم و اصلاح کے قابل،

کمزوری اور کوتاہی کے اسباب کی تلافی کے محتاج ہوتے ہیں، لیکن اسلام اللہ کی وہ دائمی اور ناقابل تغیر شریعت ہے جس میں عجز وقصور اور ضعف کے لئے ذرا بھی گنجائش نہیں۔

﴿ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [الروم: ۳۰]

یہی ہے سیدھا دین لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

یہ نظریات وجود میں آکر ختم ہوجاتے ہیں، ترقی کے بعد تنزل کا شکار ہوجاتے ہیں لیکن اسلام اپنے اصول میں پہاڑ کی طرح بلند اور بے پایاں رسوخ کا مالک ہے، گو اس کے متبعین اس وقت کمزور ہوکر مصائب سے دوچار ہورہے ہیں جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ نفس وخواہشات کے بندے بن کر دنیا کے پیچھے پڑ گئے اور دنیا نے ان سے منہ موڑ کر طویل کسمپرسی کے عالم میں ان کو حیران وسرگردان چھوڑ دیا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی بڑی طاقتیں جب بھی اپنے کسی نظریہ کو فروغ دینا چاہتی ہیں تو ایک ایسی مادی کشمکش اور جنگ کا ہونا ناگزیر ہوجاتا ہے جس کے نتیجہ میں انسانی معاشرہ ایک طویل عرصہ کے لئے مصائب وآلام سے دوچار ہوجاتا ہے، پھر یہ معاشرہ ان مصائب کا حل تلاش کرتے کرتے نادانستہ طور پر اسلام کے قریب آجاتا ہے، لیکن اسلام کے مفکرین ایسے موقعوں کو غنیمت سمجھ کر فائدہ نہیں اٹھاتے کہ حقیقت پسندی اور راہ نجات کی نشاندہی کرتے ہوئے اس مصیبت زدہ معاشرہ کو بتلائیں کہ اب ان آلام اور مصائب سے اس کی خلاصی صرف اس دین کی اتباع میں ہے جو پوری دنیا کے لئے رحمت بن کر آیا ہے۔

اس وقت دنیا ایک اعصابی تشنج میں مبتلا ہوکر حیرت پریشانی اور نفسیاتی الجھنوں کے زبردست دور سے گذر رہی ہے، وہ ان خودساختہ مذاہب کی بندشوں سے نجات پانے کے لئے برابر پیچ وتاب کھارہی ہے لیکن یہ آزادی صرف اس وقت اس کو نصیب ہوگی جبکہ فکر اسلامی کے لئے راہ ہموار کرکے اس کی رحمت کے فیضان قرآن کی صحیح تطبیق اور دنیا کے موجودہ افکار ونظریات کے مقابلہ کا سامان فراہم کردیں۔

دنیا کے تمام وضعی نظام جو بظاہر اجتماعی عدل وانصاف کے نظریہ کے تحت وجود میں آئے ہیں وہ اشتراکیت ہو یا شیوعیت یا سرمایہ دارانہ نظام ہو یہ سب بلا استثناء اسلام کے عطا کردہ عدل اور انصاف پر مبنی نظام کے مقابلہ سے عاجز اور بے بس ہیں، یہ تمام وضعی نظام وقتاً فوقتاً تبدیل ہوتے رہتے ہیں تجربہ اور تطبیق عملی کے بعد ان کے بہت سے اصول فرسودہ اور غلط ثابت ہوجاتے ہیں، یہ بہرحال انسانی ذہن کی پیداوار ہیں اور انسان اپنی ذات میں، اپنی موت اور حیات میں، اپنی تندرستی اور مرض میں، اپنی غلطی اور صواب میں جیسے عاجز، بے بس اور قوانین قدرت کا پابند واقع ہوا ہے ایسے ہی اس کی خودساختہ ہر چیز عجز وقصور اور حدوث اور نقص کا مجسم نمونہ اور پیکر ہے، لیکن اسلام کا عطا کردہ نظام سرتاپا خیر ہے وہ اپنے اندر دائمی توانائی اور حیات جاوداں رکھتا ہے، وہ نقص وحدوث کے شائبہ سے بالا ہے، وہ دین ودنیا کی فلاح کا نظام ہے، وہ ایمان وعرفان کا سرچشمہ ہے، وہ حق اور

انصاف کا ناموس اور کائنات کے لئے رحمت کا پیغام ہے۔

اب اگر اس حقیقت سے وقت کے ان مفکرین نے پہلوتہی کر لی جو امت مسلمہ کو درپیش مسائل کے حل کے لئے جمع ہو رہے ہیں تو وہ اپنا رستہ طویل کر دیں گے، ترقی کے اسباب کی تلاش میں ان کی صحرا نوردی بے سود ثابت ہوگی، وہ منزل مقصود تک کبھی پہنچ نہیں سکیں گے اور آخری اور حتمی نتیجہ یہی ہوگا کہ اپنے تمدن اور ترقی سے ہاتھ دھو کر زبردست تباہی کا شکار ہوں گے۔

برادرانِ اسلام! ان وضعی نظاموں کی وہ خوبیاں جو انسان کی فلاح و بہبود سے متعلق ہیں اسلام میں بدرجہ اتم موجود ہیں، جبکہ اسلام کے اسلوب کو یہ برتری حاصل ہے کہ وہ رحمت کا دین بن کر ہمیشہ انسان کو عزت و اکرام سے ہمکنار کرنا چاہتا ہے، اسلام انفرادی، اجتماعی اور عالمی سطح پر اپنی رحمت کے مظاہرہ کے لئے اسلوب جدا گانہ رکھتا ہے، وہ اس اسلوب عمل سے اس بات کی پرزور تعلیم دیتا ہے کہ بنی نوع انسان کا باہمی ربط، اخوت وصداقت کے جذبات پر مبنی ہونا چاہیے، ہابیل وقابیل کی داستان غم کو مزید طول دینے کی وہ اجازت نہیں دیتا۔

اسلام انسان کو وہ بلند اور باعزت مقام دیتا ہے جس کی تحدید خداوند قدوس نے اس دن کی تھی جبکہ اس کے حکم سے فرشتے آدم علیہ السلام کے سامنے ان کی عزت و اکرام کے لئے سربسجود ہو گئے تھے۔

اگر یہ سربراہ کانفرنس انصاف سے کام لے کر نظریہ اسلام کی اشاعت کے لئے فعال قدم اٹھانا اپنا نصب العین بنا لے تو لوگ اللہ کے اس دین میں جوق در جوق داخل ہونا شروع ہو جائیں گے، دنیا کی طاقتیں اپنے افکار و نظریات کو مادی قوت کے ذریعہ مسلط کرتی ہیں، جبکہ اسلام اپنا عدل و انصاف پھیلانے میں روحانی قوت کا سہارا لیتا ہے، جس دن اسلام کے داعی اور مبلغ دنیوی اشغال سے جان چھڑا کر خیر کی مخلصانہ دعوت دینا شروع کریں گے تو اس وقت انسانی معاشرہ اس ظالمانہ مادی طاقت کی گرفت سے چھوٹ کر راہ نجات پر گامزن ہوگا۔

میں ایک بار پھر اس حقیقت کو دہراتا ہوں کہ میں توحید کے علمبرداروں کو اتحاد کی دعوت دے کر دنیا کی موجودہ گروہ بندیوں کے معیار پر ایک اور گروہ کا قیام نہیں چاہتا ہوں بلکہ میں صرف ان کا اتحاد ان پر عائد شدہ فرائض کی انجام دہی کے لئے ضروری سمجھتا ہوں اور اس وقت ان کا کم سے کم فریضہ یہ ہے کہ وہ اسلام کے نور کو پھیلا کر اس کے اصول کی حقانیت اور وقت کے خود ساختہ تمام افکار و نظریات پر اس کا غلبہ ثابت کر دکھائیں اور اس میں شک نہیں کہ اسلام ہمیشہ اپنے عادلانہ اصول سے کائنات کے لئے رحمت بن کر وقت کی مشکلات کے حل پر قادر چلا آیا ہے۔

قرآن کیا کہتا ہے:

اللہ کا ارشاد ہے کہ اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے: ﴿یَآ اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ

اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ ﴾ (الحجرات: ۱۳)

یہ ہے عزت واکرام کی وہ تحدید جو خالق اپنی مخلوق کے لئے کرتا ہے، انسان ہی دراصل اس وجود کائنات کا مدار اور اہتمام کا مرکز ہے، انسان سے ہر چیز کی ابتداء ہوتی ہے اس کی اصلاح پر دنیا کی اصلاح موقوف اور اس کے فساد پر دنیا کا فساد مرتب ہے، انسان اس اکرام واعزاز کا مستحق کیوں نہ ہو جبکہ اس کے جد اعلیٰ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ بنایا۔

اسلام ہمیشہ اپنے اصول وتعلیمات کے ذریعہ اپنے پیرووں میں بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ چلنے کی صلاحیت پیدا کرتا چلا آیا ہے، وقفے وقفے کے ساتھ وحی کے قرآنی نزول سے اجداد کی جو تربیت ہوئی ہے اس میں احوال وظروف کی تبدیلی کو ملحوظ رکھنے کی یہی حکمت کارفرما تھی۔

اسلام کی ان تربیت یافتہ اقوام کی شان یہ ہونی چاہئے کہ وہ قرآن کریم کی روشنی میں وقت کی ہر مشکل کا اسلامی حل تلاش کریں، وہ صرف قرآن کے حفظ، اس کی تفسیر اور تلاوت پر اکتفا کرنے والے نہ ہوں بلکہ قرآن ان کا نصب العین ہو، ان کے باہمی معاملات میں حاکم اور ان کی سیرت وسلوک کے لئے مشعل راہ ہو، ان کی شان یہ ہو کہ وہ فہم کے ساتھ متاثر ہونے والا دل بھی رکھتے ہوں، شعور کے ساتھ اخلاق سے بھی متصف ہوں اور متدین ہونے کے ساتھ اپنے تدین پر فخر کرنے والے بھی ہوں، کیونکہ کسی بھی دین کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ اس کے پیرو سب سے پہلے اس کو اپنے لئے مایۂ ناز وافتخار سمجھتے ہوں، دنیا میں اس وقت اگر کوئی جتھہ بندی پائی جارہی ہے تو یہ ان وضعی اور خودساختہ نظاموں کا نتیجہ ہے، نہ کہ اسلام کا، وہ اسلام جو سرتاپا سلامتی اور انسان کی عزت واکرام کے لئے آیا ہوا دین ہے۔

اسلامی اتحاد کے دوررس اور خوش آئند نتائج

اس فضل ایزدی کا کیا کہنا جس کی یہ امت صرف اور صرف اس وقت مستحق ہوگی جبکہ راہ حق پر چل کر اپنے خالق، خدائے برتر سے تعلق جوڑنے کا اعلان کردے، اس وقت اللہ کی جو بے پایاں مہربانیاں اس پر ہوں گی انسان کے لئے ان کا تصور اور ادراک ناممکن ہے، اس امت کی نصرت وفلاح اس کی استقامت علی الحق اور تعلق باللہ کی مقدار پر ہوگی۔

تالیف قلب اور باہمی اخوت کے جو آثار گذشتہ رمضان کی جنگ میں نظر آئے اس دور میں اس سے قبل ان کی نظیر شاید ہی کسی نے دیکھی ہو۔ عربوں نے باہمی اتحاد کا ثبوت دے کر اپنا وجود منوالیا اور اس کا سرچشمہ دراصل تالیف بین القلوب کا وہ اکرام خداوندی تھا جس کو قرآن کریم ان الفاظ میں بیان کرتا ہے ''اگر تم روئے زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کرڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں الفت نہ پیدا کرسکتے مگر (وہ تو) اللہ (ہی تھا) جس نے

ان لوگوں میں الفت پیدا کردی۔ ﴿لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعاً مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ﴾ (الانفال: ٦٣)

اب غور کرنے کی بات ہے کہ صرف عرب اتحاد دشمن سے برسر پیکار ہونے کے وقت جب یہ نتائج پیدا کرسکتا ہے تو اسلامی اتحاد سے کہیں زیادہ قیمتی اور وزنی نتائج کی امید وابستہ کی جاسکتی ہے، امت مسلمہ کے متحد ہونے کی صورت میں وہ دوررس نتائج اور آثار ظاہر ہوں گے جن کی فعالیت اور قوت کا اندازہ حساب وشمار کی قید سے بالاتر ہوگا۔

پس اے میرے خدا! اپنے فضل سے امت مسلمہ کا انتشار اتحاد میں تبدیل کر کے اس کو اپنے دشمن کے مقابلہ کے لئے ایک صف میں کھڑے ہونے کی توفیق عطا فرما، اے اللہ حق کی راہ میں اس کو جمع ہونے اور ایسی قوت بن جانے کی توفیق عطا فرما جس سے تیرے اور ہمارے دشمن خوف زدہ ہوں، وہ دشمن جن کو ہم جانتے ہیں اور وہ بھی جن کو ہم نہیں جانتے صرف آپ ہی ان کو جانتے ہیں، اے اللہ! لاہور کے اس اجتماع کو اس کے کاموں میں درستی کا سامان عطا فرما، اس اجتماع کے ذریعہ اس امت کو وہ سعادت نصیب فرما جو ان کے اسلاف کو نصیب ہوئی تھی بے شک آپ ہر چیز پر قادر اور دعا قبول کرنے والے ہیں۔

[ربیع الاول ۱۳۹۴ھ/اپریل ۱۹۷۴ء]

دورۂ انگلستان

الحمدللہ ماہ رمضان المبارک میں کچھ لمحات حرمین شریفین میں نصیب ہوئے، انگلستان کی دینی دعوت آئی تھی، اگرچہ صحت اچھی نہیں تھی اور ڈاکٹروں کی حتمی رائے سفر نہ کرنے کی تھی اور خود مجھے بھی تردد ضرور تھا، لیکن استخارہ کر کے اللہ کا نام لے کر میں جدہ سے ۲۲/نومبر ۷۴ء کو روانہ ہوگیا، ہڈرس فیلڈ میں جاتے ہی ایک جدید حادثہ سے دوچار ہوا ڈاکٹروں نے تین روز سکونت اور ایک ہفتہ آرام کا مشورہ دیا لیکن بیانات کا نظم بن چکا تھا اور اس کا اعلان ہوگیا تھا اس لئے بادل ناخواستہ ڈاکٹروں کے مشورے کے خلاف کرنا پڑا، الحمدللہ کہ تقریباً تمام پروگرام حق تعالیٰ شانہ نے پورا کردیا متعدد مقامات پر جانا ہوا اور جن دینی اہم مسائل کی ضرورت سمجھی ان پر بیانات ہوئے ہدرسفیلڈ، بولٹن، ڈیوزبری، بلیک برن، پرسٹن، بریڈفورڈ، گلسٹر، والسال، برمنگھم، ولرہملٹن، کونٹری، لسٹر، نیٹن اور خود لندن کے مختلف مقامات میں پروگرام بن چکے تھے، اللہ تعالیٰ نے باوجود صحت کی خرابی وطبیعت کی ناسازی کے محض اپنے فضل وکرم سے توفیق نصیب فرمائی، متعدد دینی موضوعات پر بیان ہوا مثلاً:

① دین اسلام حق تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔
② اسلام اور بقیہ مذاہب کا موازنہ۔
③ دنیا اور آخرت کی نعمتوں کا موازنہ۔
④ دنیا کی زندگی کی حقیقت۔

⑤ طمانیتِ قلب دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے اور اس کا ذریعہ حقیقی اسلام ہے۔

⑥ ذکر اللہ جس طرح حیات قلوب کا ذریعہ ہے ٹھیک اسی طرح بقائے عالم کا ذریعہ بھی ہے۔

⑦ لندن وانگلستان میں مسلمانوں کی زندگی کا نقشہ۔

⑧ دنیا کی زندگی میں انہماک اور آخرت سے دردناک غفلت۔

⑨ انگلستان میں مسلمانوں نے اگر دینی انقلاب اختیار نہ کیا تو ان کا مستقبل نہایت تاریک ہے۔

⑩ انگلستان کی پُرازشہوات زندگی میں اصلاحِ نفوس کی تدبیر۔

⑪ مخلوط تعلیم کے دردناک نتائج اور اس سے بچنے کے لئے لائحہ عمل۔

⑫ محبت رسول کی روشنی میں سنت وبدعت کا مقام۔

⑬ حضرات انبیاء کرام کی عصمت اور صحابہ کرام کا مقام۔

⑭ انگلستان میں عالم دین کی زندگی کیسی ہو۔

⑮ رؤیت ہلال وغیرہ بعض مسائل میں علماء کا اختلاف اور اتحاد کے لئے لائحہ عمل۔

⑯ قادیانی مسئلہ اور اس کا اتفاقی حل۔

الغرض اس قسم کے بیانات ہوئے، مجالس اور سوالات کے جوابات میں دار الحرب، دار الاسلام اور ان کے احکام کے اختلاف، غلاموں اور لونڈیوں کی اسلام میں اجازت اور اس کے مصالح وحکم وغیرہ وغیرہ بے شمار مسائل زیر بحث آئے اور اپنی مقدور کے مطابق ان مشکلات کے حل کرنے کی کوشش کی گئی۔

انگلستان کے اس سفر میں جہاں یہ خوشی ہوئی کہ دینی فضا مسلمانوں میں بنتی جارہی ہے اور ہر ہر شہر میں مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ ہے، جماعت خانے اور مسجدیں بھی کثرت سے بنتی جارہی ہیں، مکتب اور اسکول قائم کیے جارہے ہیں، تبلیغی جماعت کی نقل وحرکت سے بھی الحمد للہ نوجوانوں میں دینی رجحانات بڑھتے جارہے ہیں، لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ احساس شدت سے پیدا ہو رہا ہے کہ ہم مسلمان خصوصاً اہل علم فریضہ دعوت وتبلیغ میں انتہائی مقصر ہیں، مسلمانوں کو بے انتہاء اصلاح کی ضرورت ہے اور اگر سلیقہ ونظم کے ساتھ مؤثر انداز سے ارباب کفر کو بھی دعوت پیش کی جائے تو قبول کرنے کی بڑی توقع ہے، کافروں کا خصوصاً نوجوان طبقہ دور حاضر کی تہذیب ومعاشرت کی [illegible] سکون قلب کی نعمت سے محروم ہے اور طرح طرح کی تدبیریں سکون دل اور آرام جان کے لئے اختیار کر رہے ہیں، اگر ان کو اسلام کا صحیح نقشہ معلوم ہو جائے کہ اطمینان قلب اور سکون روح کے لئے اس سے زیادہ مؤثر [illegible] ان کے ماننے کے لئے تیار ہے، [illegible] بحیثیت القوم اونچا طبقہ تو اسلام سے قدیمی [illegible] ہے شاید آمادہ نہ ہو لیکن جدید نسل کو تو سکون قلب کی ضرورت ہے، عقول پختہ ہو چکی ہیں، قدیمی تاریخی عداوت نہ ان کے پیش نظر ہے نہ اس کو وقعت دیتے ہیں، اگر ان کو پاکیزہ زندگی کی لذت معلوم ہو جائے تو

اپنی گندی اور ملوث زندگی سے تائب ہونے کے لئے فوراً تیار ہوجائیں۔

یورپ کے ملکوں میں اگر مسلمانوں کی زندگی صحیح اسلامی زندگی ہوتی سر سے پیر تک مجسمہ اسلام ہوتے اور اخلاق و ملکات تمام مسلمانوں کے سے ہوتے، ان کی صورت، ان کی سیرت صحابہ کرام کی ہوتی تو ان کے وجود سے خاموش تبلیغ ہوتی، بغیر زبان ہلائے ارباب کفر کو تبلیغ ہوتی، اسلامی اخلاق اور اسلامی صورت وسیرت میں غضب کی جاذبیت ہے، بلاشبہ کبھی جدید نسل کو بعض شبہات عقلی پیدا ہوتے ہیں اور بسا اوقات مسیحی پادری اسلام کو بدنام کرنے کے لئے اسلام کو مسخ کر کے پیش کرتے ہیں تا کہ عیسائی اسلام سے نفرت کریں، اس وقت صحیح انداز اور مؤثر طریقے پر افہام وتفہیم کی ضرورت پڑتی ہے، اگر اسلامی علوم کے ساتھ صورت و اسلامی سیرت مل جائے تو ہر ایک شخص سراپا دعوت بن جائے، بہرحال مؤثر ترین چیز کردار وعمل ہے، اگر علم بہت بھی ہے لیکن زندگی غیر اسلامی ہے تو فطرۃً اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا، دعوت وتبلیغ کی تاثیر کے لئے ضروری ہے کہ عمل وکردار، قول و بیان کی تکذیب نہ کرے اس لئے قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ [البقرة: ٤٤]

کیا غضب ہے کہ اور لوگوں کو نیک کام کرنے کا کہتے ہو اور اپنی خبر نہیں لیتے؟ حالانکہ تم تلاوت کرتے ہو کتاب کی تو پھر کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے؟

لیکن افسوس کہ یہ ہو رہا ہے کہ مسلمان اور کافر کے درمیان نہ صورت میں کوئی فرق، نہ سیرت میں، نہ تہذیب میں، نہ معاشرت میں، نہ اعمال میں، نہ اخلاق میں تو کافر کس چیز سے تأثر لے؟ بلاشبہ مسلمان کے دل میں عقیدہ اسلامی ہے لیکن اگر یہ عقیدہ دل میں راسخ ہے تو سیرت کی تخلیق میں اس کو مؤثر ہونا چاہئے، مگر اس کے برعکس ہو رہا ہے کہ مسلمان معاملات میں کافروں سے زیادہ گئے گذرے ہیں، جھوٹ، دھوکہ، وعدہ خلافی، خیانت، بے رحمی اور ظلم وعدوان ایسی بلاؤں میں اس طرح مبتلا نظر آتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔

کتنے شرم کی بات ہے کہ مسلمان اسلام کا عملی اور اخلاقی وتہذیبی نمونہ پیش کرنے کے بجائے ایسے کردار کے حامل ہوں کہ ''جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود''۔ کافروں کے تمام ظاہری اخلاق واعمال کی بنیاد محض خودساختہ عقلی ضوابط پر ہے یا دنیوی مصالح ان کے پیش نظر ہیں، لیکن نیت اور باطن کو کون دیکھتا ہے؟ دنیا ظاہر کو دیکھتی ہے، دنیا دیکھتی ہے کہ مسلمان وعدہ خلافی، خیانت اور دھوکہ دہی کا ارتکاب کرتا ہے، جبکہ کافر بھی ان گھناؤنے افعال سے پرہیز کرتے ہیں، الغرض اسلام کی تبلیغ میں سب سے زبردست رکاوٹ خود مسلمانوں کی عملی زبوں حالی ہے اور جن لوگوں کو اسلام اور مسلمانوں کا درد ہے ان کے لئے یہ بات بے چین و بے تاب کردینے والی ہے۔

قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے پر مبشرات

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جانا بہت ہی عظیم برکات کا کارنامہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے منکروں کا مسلمانوں سے خلاملا نہ صرف مسلمانوں کے حق میں ایک ناسور تھا بلکہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک بھی بے تاب تھی، قادیانی مسئلہ کے حل پر جہاں تمام ممالک کی جانب سے تہنیت و مبارک باد کے پیغامات آئے وہاں منامات و مبشرات کے ذریعہ عالم ارواح میں اکابر امت اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسرت و بہجت بھی محسوس ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق مبشرات ذکر کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تاہم اہل ایمان کی خوشخبری کے لئے اپنے دو بزرگوں سے متعلق بشارت منامیہ بعض مخلصین کے اصرار پر ذکر کرتا ہوں۔

جمعہ ۳ر رمضان المبارک ۱۳۹۴ء صبح کی نماز کے بعد خواب دیکھتا ہوں کہ حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ گویا سفر سے تشریف لائے ہیں اور خیر مقدم کے طور پر لوگوں کا بہت ہجوم ہے، لوگ مصافحے کر رہے ہیں جب ہجوم ختم ہوگیا اور تنہا شیخ رہ گئے تو دیکھتا ہوں کہ بہت وسیع چبوترہ ہے جیسے اسٹیج بنا ہوا ہو اس پر فرش ہے اور اوپر جیسے شامیانہ ہو، بالکل درمیان میں شیخ تنہا تشریف فرما ہیں، دو تین سیڑھیوں پر چڑھ کر ملاقات کے لئے پہنچا، حضرت شیخ اٹھے اور گلے لگایا، میں ان کی ریش مبارک اور چہرہ مبارک کو بوسے دے رہا ہوں، حضرت شیخ میری داڑھی اور چہرے کو بوسے دے رہے ہیں، دیر تک یہ ہوتا رہا، چہرہ و بدن کی تندرستی زندگی کے آخری ایام سے بہت زیادہ ہے، بے حد خوش اور مسرور ہیں، بعد ازاں میں دو زانوں ہو کر فاصلہ سے باادب بیٹھ گیا اور آپ سے باتیں کر رہا ہوں، اسی سلسلہ میں یہ بھی عرض کیا کہ بھول گیا کہ "معارف السنن" حاضر کرتا، فرمایا: میں نے بہت خوشی اور مسرت کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا ہے، اب چھٹی جلد کا مطالعہ کر رہا ہوں، میں نے عرض کیا کہ میرے پاس تو علم نہیں جو کچھ آپ نے فرمایا تھا بس اس کی تشریح و توضیح و خدمت کی ہے، بہت مسرت کے لہجے میں فرمایا کہ بہت عمدہ ہے۔

شوال ۱۳۹۴ھ میں لندن کے قیام کے دوران خواب دیکھا کہ ایک بہت بڑا وسیع مکان ہے گویا ختم نبوت کا دفتر ہے، بہت سے لوگوں کا مجمع ہے، میں ایک طرف جا کر سفید چادر جس طرح کہ احرام کی چادر ہو باندھ رہا ہوں، بدن کا اوپر کا حصہ برہنہ ہے کوئی چادر یا کپڑا نہیں، اتنے میں حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اسی ہیئت میں کہ احرام والی سفید چادر کی لنگی باندھی ہوئی ہے اور اوپر کا بدن مبارک بغیر کپڑے کے ہے میرے داہنے کندھے کی جانب سے تشریف لائے اور آتے ہی مجھ سے چمٹ گئے، پہلا جملہ یہ ارشاد فرمایا: "واہ میرے پھول"۔ پھر دیر تک معانقہ فرمایا: میں خواب ہی کی حالت میں خیال کرتا ہوں کہ مبارک باد کے لئے تشریف لائے ہیں، انتہیٰ۔

منامات کی حیثیت مبشرات کی ہے اس سے زیادہ ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، بہر حال قادیانی ناسور کے علاج سے نہ صرف زندہ بزرگوں کو مسرت ہوئی بلکہ جو حضرات دنیا سے تشریف لے گئے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بھی اس سے بے حد و پایاں خوشی ہوئی ہے، فالحمد للہ۔

علاقائی ثقافتی میلے اور اسلام

یکم دسمبر سے کراچی میں ایک ثقافتی میلہ منعقد کیا جا رہا ہے، جس میں سندھی، پنجابی، پٹھانی اور بلوچی ثقافتوں کی نمائش کی جائے گی، اسلامی لغت ''ثقافت'' کے لفظ سے نا آشنا ہے، قرآن کریم حدیث نبوی اور دیگر اسلامی ذخائر میں یہ لفظ کہیں نہیں ملتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد مکارم اخلاق کی تکمیل قرار دیا(۱) مگر یہ کہیں نہیں فرمایا کہ میں ثقافت کی تعلیم کے لئے آیا ہوں۔

دراصل انگریزی میں کلچر کا لفظ تہذیب و تمدن اور اسلوب زندگی کے معنی میں رائج تھا، ہمارے عرب ادباء نے اس کا ترجمہ ثقافت سے کر ڈالا اور جب سے یہ لفظ مسلمانوں میں کثرت سے استعمال ہونے لگا، مگر یہ مہمل لفظ آج تک شرمندہ مفہوم و معنی نہیں ہوا۔ ہر شخص نے اپنے ذوق کے مطابق اس کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی اور آج کل عموماً اسے رقص و سرود، ناچ رنگ اور فحاشی اور عیاشی کے مناظر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، خیر کچھ بھی ہو کہنے کی بات یہ ہے کہ اس اسلامی ملک میں ان علاقائی ثقافتوں کی ترویج و نمائش اور حوصلہ افزائی کا کیا مقصد ہے؟ سندھی ثقافت آخر کیا بلا ہے؟ اس سے مراد محمد بن قاسم کی ثقافت ہے یا راجہ داہر کی؟ پنجابی ثقافت کیا چیز ہے؟ کیا راجا جیت سنگھ کی ثقافت کا احیاء مقصود ہے؟

سندھی ایک مسلمان بھی ہو سکتا ہے اور کافر بھی، پنجابی ایک مومن بھی ہو سکتا ہے اور ایک سکھ بھی، بلوچی بھی ایک مسلم بھی ہو سکتا ہے اور ایک یہودی بھی، جب آپ سندھی، پنجابی اور بلوچی ثقافتوں کی نمائش کریں گے تو وہ ایک مسلم و کافر کی مشترکہ میراث ہوگی، سوال یہ ہے کہ ایک مسلمان کو بحیثیت مسلمان کے اس سے کیا دلچسپی ہے؟ کیا پاکستان انہی چیزوں کو نمایاں کرنے کے لئے بنایا گیا جن میں دنیا بھر کے کافروں کی تسلی کا سامان تو ہو مگر اسلام اور مسلمانوں کو ان سے کوئی واسطہ نہ ہو؟

اگر یہ ایک اسلامی ملک ہے اور یہاں کے شہری مسلمان ہیں، تو ان سب کے لئے ایک ہی ثقافت ہو سکتی ہے، قرآن حکیم کی تعلیمات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ، عقل و ایمان کا یہ کیسا المیہ ہے کہ اسلام،

---

(۱) "عن ابی ھریرة رضی اللہ عنہ، ان رسول اللہ ﷺ قال: "بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" (المستدرك علی الصحیحین، ومن کتاب آیات رسول اللہ ﷺ التی ھی دلائل النبوة، ج۲: ص: ٦٧٠، ط: دار الکتب العلمیة بیروت)

اسلامی تعلیمات اور اسوۂ نبوی کی کسی کو فکر نہیں، مسلمانوں کے اخلاق و معاشرت کی اصلاح کی طرف کسی کو توجہ نہیں، اور زندہ کیا جا رہا ہے تو انہی تہذیبوں کو؟ اس کے لئے ہزاروں، لاکھوں روپیہ اس مفلس ملک اور بے بس قوم کا صرف کیا جا رہا ہے۔

اور یہ بات بھی شاید ہمارے ارباب حل وعقد کے سوا کسی کی عقل میں نہیں آئے گی کہ ایک طرف تو زبانی جمع خرچ کے طور پر چاروں صوبوں کے درمیان اتفاق واتحاد کی ضرورت پر زور دیا جاتا ہے، علاقائی عصبیت پھیلانے والوں کو ملک وملت اور قوم ووطن کے غدار کے خطاب سے نوازا جاتا ہے اور دوسری طرف ہزاروں روپیہ خرچ کر کے علاقائی ثقافتوں کو ابھار کر علاقائی عصبیت کی چنگاری کو ہوا دی جاتی ہے۔ ان سندھی، پنجابی، پٹھانی، بلوچی ثقافتوں کو جب اچھالا جائے گا تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہوگا کہ لوگوں میں سندھیت اور پنجابیت، پشتونیت اور بلوچیت کا احساس ابھرے گا، صوبوں کے درمیان منافست اور منافرت بیدار ہوگی اور علاقائی عصبیت کا بھوت عریاں رقص کرنے لگے گا، ایک وطن، ایک قوم، ایک ملت اور ایک مقصد کا احساس اگر کسی کے گوشۂ قلب میں موجود ہو تو وہ بھی دب کر رہ جائے گا، کہیں یہ ثقافتی میلے، یہ علاقائی ناچ رنگ کی نمائش ملک کے مزید حصے بخرے کرنے کی سازش تو نہیں؟ کیا یہ مسلمانوں میں مزید جنگ وجدال برپا کرنے کی تمہید تو نہیں؟

ان علاقائی ثقافتی میلوں کا ایک اور دردناک پہلو بھی نہایت اہم ہے، اس وقت پورا ملک ہوشربا گرانی اور قلت رسد کی لپیٹ میں ہے، پنجاب، سرحد اور بلوچستان کے بعض علاقوں میں قحط کے سے آثار نمودار ہو رہے ہیں، لوگوں کو ستر پوشی کے لئے کپڑا اور جسم وجان کا رشتہ قائم رکھنے کے لئے قوت لایموت کا حصول بھی مشکل ہو رہا ہے، خشک سالی نے آئندہ فصل کے لئے بھی بیم وخوف کی شکل پیدا کر دی ہے، بجلی اور پانی کی قلت سے زمین بنجر اور کھڑی فصلیں خشک ہو رہی ہیں، حالات کے دباؤ نے لوگوں میں اندیشہ ہائے دور دراز پیدا کر دیئے ہیں، ہر شخص فکرمند نظر آتا ہے۔

اگر کسی کے دل میں رحم وانصاف کی کوئی رمق ہو تو اسے سوچنا چاہیے کہ ان سنگین حالات میں یہ ملک ان ثقافتی عیاشیوں کا متحمل ہے؟ ان حالات میں توبہ واستغفار اور انابت الی اللہ کی ضرورت ہے یا ان مختلف علاقوں کے ناچ رنگ کے ڈراموں کی؟

خدارا! اس ملک پر رحم کیجئے، اس قوم پر رحم کیجئے، قوم وملک کو ان لعنتوں میں گرفتار کر کے خدا کے غضب کو دعوت نہ دیجئے، اگر اسلامی ملک کی اصلاح وفلاح اور مسلمانوں کے امن وسکون کے اسباب مہیا کرنا آپ کے بس کی بات نہیں ہے تو کم از کم انہیں تباہی وبربادی کے جہنم میں تو نہ دھکیلئے:

''مرا بخیر تو امید نیست، بد مرساں''

مسلمانوں کا اسوۂ ونمونہ اور نصب العین

زندہ قومیں تاریخ کے سنگلاخ میں اپنا راستہ خود نکالا کرتی ہیں، ان کے پاس خود اپنا نصب العین ہوتا ہے، وہ اپنا طریق کار خود وضع کرتی ہیں، انہیں دوسروں کے اشارہ چشم وآبرو کی حاجت نہیں ہوتی، نہ ان کی الوالعزمی غیروں کے پامال راستوں پر چلنے کی انہیں اجازت دیتی ہے، مسلمانوں کے پاس سفر حیات کے لئے اپنا نصیب العین ہے، اپنا طریق کار ہے اور اپنا توشۂ سفر موجود ہے، انہیں کسی نظریہ حیات سے نصیب العین مستعار لینے کی ضرورت نہیں، نہ زادِ سفر کے لئے غیروں کی زلہ ربائی کی حاجت، لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ تقلید اغیار میں یہ اپنے نصب العین سے غافل ہوکر اپنے گھر کی ساری دولت سے ہاتھ دھو بیٹھے، اس کا نتیجہ ہے کہ آج ان کے لئے اسوۂ ونمونہ انبیاء واولیاء نہیں بلکہ یہود ونصاریٰ ہیں، وہ ہر چیز میں غیروں کے دست نگر ہیں، ان کی مثال ان بدقسمت شہزادوں کی ہے جو چند اوباش لونڈوں کے بہکاوے میں آکر گھر سے نکل جائیں اور باہر جاکر پیشہ گدائی کرلیں، وہ کسی وقت پوری دنیا کی قسمت کے مالک تھے لیکن آج لوگوں کے سڑے بسے دستر خوان کی ریزہ چینی میں فخر محسوس کرتے ہیں، فیاللعجب۔

اسلام اور سوشلزم

ایک مدت سے ہمارے یہاں سوشلزم کے نعرے لگ رہے ہیں، مسلمانوں کو بہکانے کے لئے اس پر بڑے حسین وجمیل لیبل چپکائے جارہے ہیں، اسلامی سوشلزم، اسلامی مساوات، سائنٹفک سوشلزم وغیرہ وغیرہ لیکن ان بھولے شہزادوں سے کون پوچھے کہ حضرات! یہ سوشلزم کس کے دسترخوان کا چبایا ہوا نوالہ ہے جسے آپ فخر سے تناول فرمارہے ہیں، سوشلزم کی تحریک کا بانی کون تھا؟ اس کی تاریخ کیا ہے؟ اس کے بنیادی عناصر کون کون ہیں؟ اس کا طریق کار کیا ہے؟ یہ کہاں سے آیا؟ کن کن راستوں سے گذرا؟ اس میں کیا کیا تبدیلیاں پیدا ہوئیں؟ اس نے انسانیت سے کیا کیا سلوک کیا؟ وغیرہ وغیرہ۔

جس قوم کے پاس قرآن حکیم جیسا دستور العمل موجود ہو، جو نبی آخر الزماں حکیم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ عقیدت سے وابستہ ہو، جسے اسلام جیسا پاکیزہ دین نصیب ہو، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جو قوم خداوند ذوالجلال کی عنایت وہدایات اور نصرت ومدد اپنے ساتھ رکھتی ہو، اسی قوم کے افراد کی دناءت اور دون ہمتی دیکھو کہ وہ روٹی کے چند ٹکڑوں کے لئے کارل مارکس اور لینن کے دروازہ پر سجدہ ریز ہے، سفر حیات کی منزلیں خروشیف اور ماؤزے تنگ سے پوچھ پوچھ کر متعین کررہی ہے اور زندگی کے ہر کام وقدم میں کافرانِ فرنگ اور ملحدانِ مادیت کے نقش پا کو دیکھ دیکھ کر چلتی ہے۔

ہم مسلمانوں کو دوٹوک لفظوں میں بتادینا چاہتے ہیں کہ اسلام کسی ازم اور کسی نظریہ حیات کا محتاج نہیں،

نہ ان سے مصالحت اور پیوند کاری کا متحمل ہے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا قطعی فیصلہ ہے:

"لو کان موسی حیاً لما وسعه الا اتباعی"(۱) (مشکوۃ)

اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا۔

امن وعافیت کا راستہ

جو لوگ مسلمانوں کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کے لئے اسلام کے ساتھ سوشلزم وغیرہ کے نعرے لگاتے ہیں وہ مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں بلکہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا رشتۂ عقیدت تڑوا کر انہیں غیروں کی دریوزہ گری کی دعوت دیتے ہیں اور سچ پوچھئے تو یہ لوگ نہ اسلام کے مخلص ہیں، نہ سوشلزم کے، اسلام اور سوشلزم کے ملغوبے سے ان کا مقصد محض اپنی خواہشات کی تکمیل ہے اور بس۔

سوشلزم کے مصنوعی نعروں کا خمیازہ قوم ۷۱ء میں ایک بار بھگت چکی ہے، ملک دو ٹکڑے ہوا، ذلت و رسوائی کا ریکارڈ پہلی بار مسلمانوں نے قائم کیا، اندرون ملک بے چینی و بے قراری نصیب ہوئی، امن وامان اور راحت وسکون قصہ پارینہ بن گیا، روٹی کپڑے کے لئے یہ سب کچھ کیا گیا، مگر جو پہلے ملتی تھی وہ بھی چھن گئی وغیرہ وغیرہ۔

سوشلزم کے یہی انعامات کافی ہیں جو ہمارے ملک کو عطا ہوئے، خدارا! اب انعامات کی اس بارش کو بند کیجئے، ان مصنوعی نعروں سے ملک وقوم کے مسائل حل نہیں ہوں گے بلکہ مزید الجھیں گے، امن وعافیت کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ اسلام کی حبل متین کو مضبوطی سے تھامنا، عالم وعامی، راعی اور رعایا، تاجر اور مزدور جب تک اسلام سے نفاق ورزی کی روش نہیں چھوڑیں گے خدا تعالیٰ کی عنایات ان کی جانب متوجہ نہیں ہوں گی۔

وصلی الله علی خیر البرية سیدنا محمد وآله واصحابه واتباعه اجمعین الی یوم الدین.

[ذوالقعدہ ۱۳۹۴ھ/دسمبر ۱۹۷۴ء]

معاہدۂ تاشقند اور اس کے نتائج

جنوری کے پہلے ہفتہ میں تاشقند کانفرنس منعقد ہوئی، اس کے نتیجہ میں پاکستان اور بھارت کے درمیان ایک قرارداد طے پا گئی، اس قرارداد سے دونوں ملکوں کی فوجوں کے درمیان فائر بندی کی تکمیل ہوگئی اور فائر بندی کی خلاف ورزیوں کا سلسلہ بھی ختم ہوگیا اور اب ایک مقررہ مدت میں جنگی محاذوں سے فوجوں کی واپسی کا مرحلہ سامنے ہے۔

اس قرارداد کا پس منظر اور وہ گفتگوئیں جو تینوں ملکوں کے سربراہوں کے درمیان ہوتی رہی ہیں اور وہ عوامل ومحرکات جنہوں نے بالکل آخری مرحلہ پر کانفرنس کو ناکامی سے بچالیا، دنیا کے سامنے نہیں ہیں، اس لئے اس

---

(۱) مشکوۃ، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثانی ج:۱ ص:۳۰، ط: قدیمی

پوری صورتحال پر صحیح تبصرہ مشکل ہے، لیکن جو واشگاف حقیقتیں سامنے آ چکی ہیں ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے کانفرنس کے نتائج افسوسناک اور مایوس کن ہیں۔

ایک ظالم و جارح اور بے رحم ملک کے ساتھ نزاعات کو طے کرتے ہوئے اخلاق و تواضع اور رحم و کرم کا یہ معاملہ جو قرارداد تاشقند کی صورت میں سامنے آیا ہے سمجھ سے بالاتر ہے:

امور مملکت خویش خسروان دانند

جہاد پاکستان کے موقعہ پر پاکستان کے تمام باشندوں میں اتحاد و اتفاق کی جو روح پیدا ہوگئی تھی اور حکومت کو عوام کی غیر مشروط وفاداری اور ان کے درمیان ہر دلعزیزی حاصل کرنے میں جو کامیابی حاصل ہوگئی تھی اور اسی کے ساتھ عام مسلمانوں کے عزائم اور حوصلوں میں جو قوت اور بلندی پیدا ہوگئی تھی تاشقند کی اس قرارداد نے اس سب کو ختم کر دیا۔

مزید ستم ظریفی یہ ہوئی کہ جب اسی وفا شعار اور ایثار پیشہ قوم نے اس اعلان پر آزادی کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کیا تو اس کو دبانے اور ختم کرنے کے لئے جو طریقے اختیار کئے گئے وہ بھی انتہائی افسوسناک تھے۔

اگر قوم کے نوجوانوں کے پر جوش اور مخلصانہ جذبات کی قدر کی جاتی اور افہام و تفہیم اور مؤثر تدابیر اختیار کر کے ان میں اعتدال پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی تو نہ صرف یہ کہ حکومت پاکستان کے حق میں یہ صورت مفید ہوتی اور ملک کے مستقبل کے لئے ایک فال نیک ثابت ہوتی بلکہ دوسرا فریق بھی اس سے متاثر ہوتا اور بھارتی حکومت پر بھی دباؤ پڑتا اور اس کے نتیجہ میں وہ کشمیر کے متنازعہ فیہ مسئلہ کی شدت و اہمیت کو محسوس کر کے اس کو حل کرنے کے لئے جلد آمادہ ہو جاتی، لیکن اس بے تدبیری نے خود اپنی صفوں میں بھی انتشار اور خلفشار پیدا کر دیا ہے جو اس سلسلہ میں اختیار کی گئی ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ نہ اپنوں کے ساتھ طرز عمل میں حکمت و مصلحت کا لحاظ رکھا گیا ہے اور نہ فریق نزاع کے ساتھ معاملات کو طے کرنے میں معاملاتی سمجھ بوجھ کا ثبوت دیا گیا ہے، ایک مشہور عربی مثل ہے:

”خذه بالموت حتى يرضى بالحمى“

بہ مرگش بگیر تا بہ تپ راضی شود

بہر حال یہ وہ صورت حال ہے جو واضح ہو کر سب کے سامنے آ چکی ہے، لیکن ہم ان حالات کے ان داخلی اسباب و عوامل کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں، جن کو ارباب اختیار نے اب تک قابل اعتنا نہیں سمجھا، یا ان کی طرف بہت ہی کم توجہ کی گئی ہے، غور طلب یہ ہے کہ آخر یہ انقلاب کیسے آیا وہ حالات کیوں بدل گئے جو دوران جنگ روشن حقائق بن کر سامنے آ گئے تھے، اتحاد کی جگہ افتراق اور تشتت اور محبت و مودت کی بجائے بغض و نفرت کیوں پھوٹ پڑے، یہ حقیقتیں آخر کیوں بدل گئیں۔

اگر ذرا غور کیا جائے تو اس سوال کا جواب واضح ہے، حق تعالیٰ نے جہاد پاکستان میں پاکستانی افواج، پاکستان کی حکومت اور پاکستانی قوم پر جو انعامات کئے وہ تصور سے بھی بالاتر ہیں، ہر موقع پر نصرت الٰہی کی جو غیبی تائیدات پیش آئیں اور قدرت کاملہ کے جو خوارق و معجزات ظاہر ہوئے ان سے کسی کو انکار کی مجال نہیں ہوسکتی، پوری قوم عزت ومجد سے سرفراز ہوئی،، دنیا میں اہل پاکستان کی دھاک قائم ہوگئی اور دوست دشمن سب ہی پاکستانی افواج کی بے مثال بہادری جفاکشی اور ایثار واستقامت کے معترف ہوگئے، اللہ تعالیٰ کی ان عظیم نعمتوں کا حق شکر گذاری سب سے زیادہ صدر محترم پر واجب تھا، پھر وزرائے مملکت پر اور اس کے بعد عام مسلمانوں پر، کیا ہم سب اس حق شکر سے عہدہ برآ ہوگئے؟

نعمت الٰہی کا شکر ادا کرنے کا طریقہ

ظاہر ہے کہ ہر شخص کی شکر گذاری اس کی حیثیت کے مطابق ہوتی ہے، صدر محترم کے ذمہ اس نعمت الٰہی کا شکر یہ تھا کہ وہ اپنے اختیارات کو اللہ تعالیٰ کے قانون رحمت وعدل وانصاف، قرآن حکیم، سنت نبویہ اور فقہائے امت کے مرتبہ قوانین کے نفاذ واجراء کے لئے استعمال کرتے، عزم وہمت کے ساتھ اس کے لئے فوری تدابیر اختیار کرتے تاکہ جلد سے جلد اس ملک میں محاکم عدلیہ شرعیہ قائم ہوجاتے۔ ان کے عہد حکومت میں قرآن وسنت کے خلاف جو قوانین نافذ کئے گئے تھے ان سب کو منسوخ کیا جاتا، عائلی قوانین کی جو قرآن کی ہدایات واحکام کے خلاف ہیں منسوخی کا اعلان کیا جاتا یا کم از کم ان سترہ ترمیمات کو منظور فرما کر جو سابق اسمبلی کے مقتدر علماء پیش کرچکے ہیں ان قوانین کو قرآن وسنت کے مطابق بنایا جاتا، خاندانی منصوبہ بندی کی اسکیم کو ختم کیا جاتا، شراب خوری اور سود خواری کی لعنت سے امت کو نجات دلائی جاتی، رقص وسرود کی محفلوں کو خلاف قانون قرار دیا جاتا اور عصمت فروشی کو جرم قرار دیا جاتا، غرض وہ تمام اقدامات کئے جاتے جو صدر محترم کے اس عہد کو پورا کرنے کے لئے ضروری تھے جو انہوں نے غیبی تائیدات کو محسوس فرما کر قوم کے سامنے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا۔

وزرائے مملکت اپنے دائرہ اختیارات میں عوام میں اسلامی روح پیدا کرنے کی کوشش کرتے، وزارت تعلیم ابتدائی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے تمام مراحل میں عربی اور دینی تعلیم کو لازمی قرار دیتی، وزارت جنگ فوجی نظام میں غیر اسلامی رسوم کی اصلاح کر کے نمازوں کی پابندی کے احکام نافذ کرتی، اسی طرح مواصلات اور امور خارجہ کی وزارتیں فریضہ حج کی ادائیگی میں سہولتیں اور زیادہ سے زیادہ حجاج کرام کو سفر کی آسانیاں فراہم کرنے کی کوششیں کرتیں، اسلامی ممالک سے زیادہ قریبی اور مستحکم تعلقات قائم کرنے کی تدابیر اختیار کرتیں، وزارت داخلہ مسلمانوں میں اسلامی معاشرت کے پھیلانے اور خدا فراموش قوموں کی تہذیب وتمدن کے ناپاک اثرات سے ملک کو پاک کرنے کی کوشش کرتی۔

عوام کی شکر گذاری یہ تھی کہ جس طرح وہ جنگ کے دوران اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر گناہوں سے تائب ہو چکے تھے اور مسجدوں کو آباد کر چکے تھے اسی طرح وہ مزید اصلاح، حسن عمل اور حکومت کی ان نیک مساعی میں پرخلوص تعاون کی طرف قدم بڑھاتے۔

اگر ان میں سے ہر طبقہ نے اپنا فریضہ شکر ادا کیا ہوتا تو ہم دیکھتے کہ اس قوم کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبولیت کی کیا کیا برکتیں نازل ہوتیں اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ برملا اور خاموش عہد پورے ہوتے تو ہماری قوم بھی وعدہ الٰہی کے مطابق قیادت اقوام کی عزت اور سیادت کبریٰ کے تاج مرصع سے سرفراز ہوگئی ہوتی، آج ہمارے درمیان جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس ناشکری کے عواقب اور اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد وقرار پورا نہ کرنے ہی کے نتائج ہیں۔

﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ [الانفال:٥١]

یہ اسی سبب سے ہے جو کچھ تمہارے ہاتھوں نے کمایا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

دنیا بھی ایک مختصر دار الجزاء ہے، روز جزاء سے پہلے ہی لوگوں کی عبرت وبصیرت کے لئے بعض اعمال کی جزاء کے نمونے بھی اس دنیا میں دکھائے جاتے ہیں، ایسا نہ ہوتا تو طاغوتی طاقتیں اس دنیا کو مسلسل ظلم وعدوان اور فساد وخوں ریزی سے بھر دیتیں۔

اعلان تاشقند کے موضوع پر قارئین بینات کی خدمت میں تفصیلی گذارشات پیش کرنے کا ارادہ تھا لیکن ابھی ابھی ”المنبر“ لائلپور کے توسط سے محترم مولانا عبد الرحیم اشرف صاحب کے تاثرات ہم تک پہنچے ہیں اس لئے مزید کچھ عرض کرنے کی بجائے ان ہم آہنگ خیالات ہی کو قارئین بینات کے لئے اسی شمارہ میں کسی جگہ پیش کیا جا رہا ہے تا کہ وہ بھی موصوف کے ان پاکیزہ رشحات قلم سے مستفید ہو سکیں۔

رؤیت ہلال اور نظام شریعت

رؤیت ہلال کے متعلق شریعت کے نظام بالکل فطری مکمل اور پوری طرح قابل اطمینان ہے، جو ایک حکیم وفلسفی علم ہیئت کے ماہر اور ایک غیر تعلیم یافتہ بدوی دونوں کے لئے یکساں طور پر قابل اعتماد ہے، قمری نظام جو مشاہدہ اور رؤیت بصری پر مبنی ہے، اس حسابی شمسی نظام سے بدرجہا زیادہ باعث یقین اور وجہ طمانینت ہے، جو محض عقل حساب اور یادداشت پر قائم ہے، حساب اگرچہ تقریبی طور پر یقینی ہے لیکن محض عقلی اور علمی ہے اور مشاہدہ ورؤیت کا درجہ یقینا عقلی اور فکری نتائج سے زیادہ قطعی اور قابل اعتماد واطمینان ہے، اسی لئے اور اس کے علاوہ متعدد وجوہ سے شریعت اسلامی نے عباوات، حج وروزہ کا مدار ہلال کی رؤیت پر رکھا ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتَابِ اللهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ،ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾ [التوبة:٣٦]

بلاشبہ مہینوں کا شمار اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ مہینے ہے، اللہ تعالیٰ کی کتاب میں جس دن کہ پیدا کیا تھا اللہ نے آسمانوں اور زمین کو، ان (بارہ) میں سے چار حرام ہیں۔ (جن میں جنگ کرنے کی ممانعت ہے) یہ درست دین ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ [البقرة:١٨٩]

وہ آپ سے ہلالوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے وہ لوگوں کے لئے مقررہ اوقات (کے پیمانے) ہیں اور حج کے لئے۔

پھر ہلال کے ان فطری مواقیت کا معیار و مدار اس کی طبعی رؤیت و مشاہدہ کو ٹھہرایا ہے، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"نحن امة امية لا نكتب ولا نحسب الشهر هكذا وهكذا"(١)

ہم امی قوم ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب رکھتے ہیں، مہینہ ایسا اور ایسا اور ایسا ہوتا ہے، آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے شمار سے ایک مرتبہ تیس اور ایک مرتبہ انتیس کے شمار کی طرف اشارہ فرمایا۔

اور فرمایا:

"صوموا لرؤيته و افطروا لرؤيته فان غم عليكم الهلال فكملوا عدة شعبان ثلاثين يوما".(٢)

روزہ رکھو اس (ہلال) کو دیکھنے سے اور افطار کرو اس کے دیکھنے سے اور اگر گھٹا تمہارے لئے چاند (دیکھنے) سے مانع ہو تو شعبان کا شمار تیس دن پورا کرو۔

قرآن و حدیث کی ان نصوص شرعیہ سے فقہائے امت محمدیہ نے رؤیت ہلال کے لئے ایک مفصل نظام اور قانون مرتب کیا ہے اور رؤیت کے شرعی ثبوت کے لئے ایک مکمل طریق کار اور نظام عمل واضح فرما دیا ہے، اگر حکومت پاکستان شرعی طریقوں پر عمل کرے تو عبادات کی تنظیم اور ان کے اوقات کے صحیح تعین میں کبھی اختلال واضطراب پیدا نہیں ہو سکتا۔

اس سال ہلال عید کے بارہ میں جو اختلاف واضطراب پیش آیا اس کی وجہ یہی تھی کہ اس معاملہ میں شرعی دستور العمل کو نظر انداز کر دیا گیا تھا اس کے نتیجہ میں قوم کو مذہبی معاملات کے متعلق حکومت کے رویہ پر مزید بد اعتمادی پیدا ہوئی اور حکومت کو اس فروگذاشت کے لئے سجدہ سہو کرنا پڑا۔

---

(١) صحيح البخاری، كتاب الصوم، باب قول النبی ﷺ لانكتب ولانحسب، ج:١ ص:٢٦٥، ط:قديمی

(٢) صحيح البخاری، كتاب الصوم، باب قول النبی ﷺ اذا رأيتم الهلال...ج:١ ص:٢٥٦، ط:قديمی

رؤیت ہلال کے شرعی ثبوت کے لئے فقہائے امت اسلامیہ نے جو اصول بیان فرمائے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(الف)......رؤیت ہلال کی شہادت علماء کے سامنے آئے اور وہ اس کے ردوقبول کا فیصلہ کریں۔

(ب)......شاہد اگر خود علماء تک نہ پہنچ سکیں تو ہر شاہد اپنی شہادت کے دو گواہ بنائے اور پھر یہ گواہ علماء کے سامنے اس شہادت پر گواہی دیں۔

(ج)......اگر کسی جگہ علماء اور قاضیوں کے سامنے شرعی شہادت پیش ہو جائے تو دوسرے علاقہ میں اس عالم یا قاضی کی سربمہر تحریر پر دو شاہد اپنی شہادت پیش کریں۔

(د)......ان تین طریقوں کے علاوہ ایک چوتھی صورت استفاضہ خبر (خبر کی شہرت اور تواتر) کی بھی ہے اور وہ یہ کہ ملک کے مختلف علاقوں سے عام اطلاعات ملیں اور ان خبروں سے رؤیت کا ایک گونہ یقین حاصل ہو جائے۔

روزہ اور فطر کو رؤیت ہلال پر موقوف رکھنے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشاد اور فقہاء کے استخراجی اصول وقوانین کے ساتھ اگر اس مصلحت عامہ کو پیش نظر رکھا جائے جو اسلام کے تمام اصول واحکام فرائض اور ادائے فرائض کے سلسلہ میں ملحوظ رکھی گئی ہے اور جس کو سمجھنے کے لئے کسی غیر معمولی عقل وفہم کی ضرورت نہیں ہے تو ہلال کی طبعی اور عادی رؤیت ومشاہدہ پر روزہ وافطار کا مدار رکھنے کے اس حکم کی علت وحکمت بہ آسانی سمجھ میں آسکتی ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "الدین یسر (۱)" دین آسانی ہی ہے۔

روزہ اور فطر ایک مسلمان کے انفرادی فرائض اور ذمہ داریاں ہیں، فرضیت کے شعور اور ادائے فرض کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے لئے اس پر آلات رصدیہ کے استعمال اور فوق العادہ وسائلِ سائنس اختیار کرنے کی ذمہ داری عائد نہیں کی گئی، ہوسکتا ہے کہ ایک مسلمان یا مسلمانوں کی ایک آبادی ایسی جگہ ہو جہاں ان کو آلات رصدیہ اور حسابی سائنس کی سہولتیں حاصل نہ ہوسکتی ہوں، یہ صورتحال خود ہمارے ملک ہی میں موجود ہے، بہت سے دیہات اور قصبات ایسی الگ تھلگ وادیوں اور دور دراز علاقوں میں واقع ہیں جہاں ماہرین سائنس اور آلات رصدیہ کی سہولتیں تو کیا شہری علاقوں سے جلد خبریں پہنچنے اور حاصل کرنے کی آسانیاں بھی میسر نہیں ہیں اور ان مسلمانوں کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ وہ چاند کی طبعی رؤیت ومشاہدہ پر ہی روزہ اور افطار کا انحصار رکھیں، اس لئے اگر صرف اپنے ہی ملک پاکستان میں عید کی وحدت اور اجتماعیت پیدا کرنے کے لئے ہم سائنس اور رصدیہ آلات کے ذریعہ چاند کی دریافت کو معیار بنائیں تب بھی۔ اس سے قطع نظر کہ اس فوق العادہ اجتماعیت کے ہم مکلف نہیں ہیں۔ ان پسماندہ ودور افتادہ بستیوں میں روزہ وافطار کی یہ وحدت اور یکسانیت ممکن نہیں ہوگی اور

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب الدین یسر، ج:۱ ص:۱۰، ط: قدیمی

مشرقی و مغربی پاکستان میں تو روزہ اور عید کی یہ یکسانیت طول بلد کے فرق کی وجہ سے بسا اوقات سائنس اور حسابی اصول کے بھی خلاف ہوگی۔

شریعت کی مطلوب وحدت واجتماعیت میں بھی عوام کی سہولت ومصلحت ہی ملحوظ ہے، جمعہ اور عیدین میں مسلمانوں کا اجتماع مطلوب شرعی ہے لیکن کثیر آبادی کے شہروں میں شہر کی پوری آبادی کے لئے کسی ایک ہی مسجد یا عیدگاہ میں اجتماع کو ضروری قرار دینا حرج عام اور غیر شرعی تکلیف ہے، اسی طرح ایک ایک ملک کے وسیع علاقہ میں مطالع کے طبعی اور حسابی فرق اور اختلاف کو نظر انداز کر کے روزہ اور عید میں بہ تکلف وحدت واجتماعیت پیدا کرنا غیر معقول بھی ہے اور شرعی طور پر غیر مطلوب اور عوام کو حرج اور تنگی میں مبتلا کرنے کے مترادف ہے:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ [البقرة:١٨٥]

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانیاں برتنا چاہتا ہے اور تمہارے لئے تنگی اور سختی نہیں چاہتا۔

اس لئے فرائض عبادات (حج وروزہ وزکاۃ) کے لئے آسان صحیح اور مکمل نظام الاوقات وہی ہے جو قرآن وسنت نے ہلال اور اس کی عادی رؤیت ومشاہدہ پر قائم کیا ہے اور جس کے لئے فقہائے امت نے نہایت مرتب اور منظم اصول وقواعد مرتب فرما دیئے ہیں۔

رؤیت ہلال کے سلسلہ میں ضروری اصول واحکام اور چند مفید تجاویز پر مشتمل حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور راقم الحروف [شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری] کا ایک مشترکہ بیان اخبارات کو دیا گیا ہے جس کو یہاں بھی نقل کیا جا رہا ہے، تاکہ اس مسئلہ کی اہمیت اور اس کا طریق کار عوام اور حکومت کے سامنے پوری طرح واضح ہو جائے اور ایک ایسا دستور العمل معین ہو جائے کہ آئندہ اس قسم کے اختلاف واضطراب کی صورت پیش نہ آئے۔

ہم صدر محترم سے جنہوں نے رؤیت ہلال کے سلسلہ میں حالیہ فروگذاشت کے متعلق تحقیقات کا حکم بھی جاری فرما دیا ہے اور محترم وزیر داخلہ سے جنہوں نے اس فروگذاشت کے لئے معذرت کا اظہار فرمایا ہے، توقع رکھتے ہیں کہ شرعی نظام رؤیت کی حکمت ومصلحت اور ایک عام دیہاتی مسلمان کی ضرورت اور سہولت پر غور فرمائیں گے اور ان احکام وتجاویز کی روشنی میں رؤیت ہلال کے متعلق ایک واضح دستور العمل معین فرمائیں گے۔

رؤیت ہلال اور شرعی نقطۂ نگاہ

مولانا مفتی محمد شفیع اور شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف بنوری کا مشترکہ بیان

امسال عید کے موقع پر رؤیت ہلال کمیٹی اور اس کے فیصلہ کے سرکاری اعلان سے جو انتشار واضطراب سے عام مسلمانوں میں پیدا ہوا ہے، شکر ہے کہ اس کا احساس فرما کر پاکستان کے صدر محترم نے تحقیقات کا حکم

دیا اور وزارت داخلہ کی طرف سے معذرت کے ساتھ آئندہ رؤیت ہلال کمیٹی کی جدید تشکیل اور اس کے نظام کو بہتر بنانے کا اعلان کیا گیا یہ دونوں چیزیں بلاشبہ قابل تحسین وشکر ہیں۔

لیکن اس معاملہ میں جو انتشار آیا اس کا سبب صرف اعلان کی تاخیر نہیں بلکہ رؤیت ہلال کمیٹی کی تشکیل اور اس کے نظام کار میں شرعی حیثیت سے بہت سی خامیاں بھی ہیں، جن کی اصلاح کے بغیر ملک میں عید کی وحدت کا مقصد پورا نہیں ہوسکتا۔

اب جبکہ حکومت نے اس کی اصلاح کا قصد کیا تو ضروری معلوم ہوا کہ اس معاملہ کے شرعی پہلوؤں کی وضاحت اور نظام کار کے متعلق کچھ تجاویز پیش کروی جائیں، ۱۳۸۰ھ میں بھی ایک مرتبہ اسی طرح کا انتشار پیش آیا تھا، اس وقت احقر نے رؤیت ہلال کے نام سے ایک کتابچہ میں اس کی وضاحت کی تھی اس رسالہ کی چند باتیں خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

اول یہ کہ ہماری عیدین عام دنیا کے فرقوں اور مذاہب کی عیدوں کی طرح رسمی تہوار نہیں بلکہ عبادات ہیں جن میں شریعت کی ہدایات کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے، آراء واہواء الرجال اور لوگوں کی خواہشات کا ان میں دخل نہیں۔

دوسرے یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہے کہ رمضان یا عید کرنے کے لئے چاند کا صرف وجود کافی نہیں بلکہ شہود ضروری ہے، یعنی چاند کا افق کے اوپر ایسے انداز میں موجود ہونا جس کو عام لوگوں کی نگاہیں دیکھ سکیں، جو چاند عام نظروں کے ادراک کے قابل نہ ہو، اس کو آلات رصدیہ کے ذریعہ یا ہوائی جہاز میں اڑ کر دیکھ لینا کافی نہ سمجھا جائے اسی لئے شریعت میں ہلال کا مدار رؤیت پر رکھا گیا ہے حسابات پر نہیں۔

تیسرے یہ کہ جب چاند کی رؤیت عام طور پر نہ ہوسکے صرف دو چار آدمیوں نے دیکھا ہو تو یہ صورت حال اگر ایسی فضا میں ہو کہ مطلع بالکل صاف ہو، چاند دیکھنے سے کوئی بادل یا دھواں، غبار وغیرہ مانع نہیں ہو تو ایسی صورت میں صرف دو تین آدمیوں کی رؤیت اور شہادت شرعاً قابل اعتبار نہیں ہوگی، جب تک مسلمانوں کی بڑی جماعت اپنے دیکھنے کی شہادت نہ دے، چاند کی رؤیت تسلیم نہ کی جائے گی، جو دیکھنے کی شہادت دے رہے ہیں ان کا مغالطہ یا جھوٹ قرار دیا جائے گا۔

ہاں اگر مطلع صاف نہیں تھا، غبار، دھواں، بادل وغیرہ افق پر ایسا تھا جو چاند دیکھنے میں مانع ہوسکتا ہے، تو ایسی حالت میں رمضان کے لئے ایک ثقہ کی اور عیدین وغیرہ کے لئے دو ثقہ مسلمانوں کی شہادت کا اعتبار کیا جاسکتا ہے، مگر حکومت کے لئے ایسی شہادت کا اعتبار کر کے ملک میں اعلان کرنے کے واسطے تین صورتوں میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے، اگر ان صورتوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے تو اس شہادت کی بنیاد پر عید کا اعلان کرنا حکومت

کے لئے یا کسی ذمہ دار جماعت کے لئے جائز نہیں۔ وہ تین صورتیں اصطلاح شریعت میں یہ ہیں:

① شہادت علی الرؤیۃ ② شہادت علی شہادۃ الرؤیۃ ③ شہادت علی القضاء

اس کی تشریح یہ ہے:

اول یہ کہ کسی ایسے ماہر عالم یا جماعتِ علماء کے سامنے یہ شہادت دینے والے بذات خود پیش کئے جائیں جن کی احکام شرعیہ فقہیہ اور اسلام کے ضابطہ کی مہارت پر ملک میں پورا اعتماد و اطمینان کیا جاتا ہو اور یہ عالم یا علماء متفقہ طور پر اس شہادت کو قبول کرنے کا فیصلہ کریں۔

دوسرے یہ کہ اگر یہ گواہ خود حاضر نہیں ہوئے یا نہیں ہو سکے تو ہر ایک گواہ کی گواہی پر دو گواہ ہوں اور یہ گواہ عالم یا علماء کے سامنے یہ شہادت دیں کہ ہمارے سامنے فلاں شخص نے یہ بیان کیا ہے کہ میں نے فلاں رات میں فلاں جگہ اپنی آنکھوں سے چاند دیکھا ہے۔

عمومی اعلان کی شرطیں

تیسرے یہ کہ جس مقام پر چاند دیکھا گیا اگر وہاں کچھ ایسے علماء موجود ہیں، جن کے فتویٰ پر علماء اور عوام اعتماد کرتے ہیں اور یہ چاند دیکھنے والے ان کے پاس پہنچ کر اپنی عینی شہادت پیش کریں اور وہ علماء ان کی شہادت کو قبول کرلیں تو ان علماء کا فیصلہ اس حلقہ کے لئے تو کافی ہے جس میں یہ شہادت پیش ہوتی ہے، مگر پورے ملک میں اس کے اعلان کے لئے ضروری ہے کہ حکومت کی نامزد کردہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کے سامنے ان علماء کا یہ فیصلہ بشرائط ذیل پیش ہو۔

یہ سب علماء یہ تحریر کریں کہ فلاں فلاں وقت ہمارے سامنے دو یا زائد شاہدوں نے بچشم خود چاند دیکھنے کی گواہی دی اور ہمارے نزدیک یہ گواہ ثقہ اور قابل اعتماد ہیں، اس لئے ان کی شہادت پر چاند ہونے کا فیصلہ دے دیا، یہ تحریر دو گواہوں کے سامنے لکھ کر سربمہر کی جائے اور یہ دو گواہ یہ تحریر لے کر مرکزی کمیٹی کے علماء کے سامنے اپنی اس شہادت کے ساتھ پیش کریں کہ فلاں علماء نے یہ تحریر ہمارے سامنے لکھی ہے۔

مرکزی کمیٹی کے نزدیک اگر ان علماء کا فیصلہ شرعی قواعد کے مطابق ہے تو اب یہ کمیٹی پورے ملک میں مرکزی حکومت کے دیئے ہوئے اختیار کے ماتحت اعلان کرسکتی ہے اور یہ اعلان سب مسلمانوں کے لئے واجب القبول ہوگا، وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ یہ اعلان عام خبروں کی طرح نہ کیا جائے، بلکہ مرکزی ہلال کمیٹی کے سرکردہ کوئی عالم خود ریڈیو پر اس امر کا اعلان کریں کہ ہمارے پاس شہادۃ علی الرؤیۃ یا شہادت علی شہادۃ الرؤیۃ یا شہادت علی القضاء کی تین صورتوں میں سے فلاں صورت پیش ہوئی، ہم نے تحقیقات ہونے کے بعد اس پر چاند ہونے کا فیصلہ کیا اور مرکزی حکومت کے دیئے ہوئے اختیار کی بنا پر ہم یہ اعلان پورے پاکستان کے لئے کر رہے ہیں، یہ چند

اصولی باتیں ہیں جن کا رؤیت ہلال اور اس کے اعلان کے معاملے میں پیش نظر رہنا ضروری ہے۔

اور اب تک جو انتشار یا مغالطے اس معاملے میں ملک کے اندر پائے جاتے ہیں وہ انہیں بنیادی اصولوں کے نظر انداز کرنے کی وجہ سے پائے جاتے ہیں۔

چند تجاویز

حالیہ عید کے موقع پر جو صورت حال اعلان کی تاخیر سے پیش آ گئی وہ مزید بر آں ہے، اس لئے صرف تاخیر کی تحقیقات کرنا کافی نہیں، ضرورت اس کی ہے کہ بنیادی اصول کے ماتحت رؤیت ہلال اور اس کے اعلان کے جدید انتظامات کئے جائیں، جدید انتظامات سے متعلق تجاویز حسب ذیل ہیں:

① مرکزی ہلال کمیٹی جس کا فیصلہ پورے ملک کے لئے واجب العمل قرار دینا ہے اس کمیٹی میں ایسے علماء کا ہونا ضروری ہے جن کے فتویٰ پر عام مسلمانوں میں اعتماد معروف و مشہور ہے تا کہ ان کا فیصلہ قبول کرنے میں عام مسلمانوں کو تامل نہ رہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس کمیٹی کے فیصلے کو خود کمیٹی کے کوئی عالم اپنے الفاظ میں نشر کریں عام خبروں کی سطح پر اس کا اعلان نہ ہو۔

② ملک کے بڑے شہروں میں ذیلی کمیٹیاں رؤیت ہلال کے لئے بنائی جائیں تا کہ گواہوں کو مرکزی کمیٹی ہی میں پیش ہونے کی ضرورت نہ رہے، ان کمیٹیوں میں حکومت کا کوئی ذمہ دار افسر شریک ہو جو شہادت لینے اور خبر پہنچانے کے انتظامات سرکاری خرچ پر سرکاری ذرائع سے کرانے کا مجاز ہو، مثلاً مغربی پاکستان میں پشاور، پنڈی، لاہور، ملتان، کراچی اور مشرقی پاکستان میں ڈھاکہ، چاٹگام، سلہٹ وغیرہ۔

③ رمضان اور عید سے ایک دو روز پہلے ریڈیو اور اخبارات سے اس امر کی پوری اشاعت کی جائے کہ جو شخص کسی جگہ چاند دیکھے وہ اپنے قریبی تھانے میں فوراً اطلاع کرے، اگر بلا وجہ تاخیر کی تو مجرم سمجھا جائے گا اور اس کی شہادت قابل قبول نہ ہوگی۔

④ ہر تھانہ کو یہ ہدایت دی جائے کہ جس وقت کوئی ایسا گواہ آئے اسی وقت تھانے کا ذمہ دار افسر یہ کام کرے کہ اپنے سے قریب تر رؤیت ہلال کمیٹی کے ذمہ دار سرکاری افسر کو ٹیلیفون پر اطلاع دے کہ اتنے آدمی بچشم خود چاند دیکھنے کی شہادت دے رہے ہیں، ہم ان کو آپ کے پاس بھیجنے کا انتظام کر رہے ہیں اور یہ ذیلی کمیٹی کو اس صورت حال کی اطلاع دے دے۔

⑤ مرکزی کمیٹی غروب آفتاب سے ایک گھنٹہ تک ملک کی ذیلی کمیٹیوں کی خبر کا انتظار کرے، اگر یہ معلوم ہو کہ ملک کے کسی حصے میں چاند کی شہادت پر غور کیا جا رہا ہے تو چاند نہ ہونے کا قطعی اعلان کرنے کے بجائے اسی صورت حال کا اعلان کرے کہ لوگ انتظار کریں جس وقت بھی فیصلہ ہو جائے گا اس کا اعلان کیا جائے گا۔

⑥ مرکزی کمیٹی کے علماء اور ارکان اس کے پابند ہوں کہ قطعی فیصلہ ہونے سے پہلے منتشر نہ ہوں۔

⑦ مرکزی ہلال کمیٹی اس کی پابند ہو کہ ملک میں شہادت کی بناء پر رؤیت ہلال کا فیصلہ اس وقت تک نشر نہ کرے جب تک مذکور الصدر تین صورتوں میں سے کسی صورت پر ان کے نزدیک ثبوت مکمل نہ ہو جائے۔

قابل توجہ

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اس طریق کار میں یہ ضروری ہے کہ یا تو خود گواہ پنڈی کی مرکزی کمیٹی کے سامنے حاضر ہوں یا پھر کسی ذیلی کمیٹی کا فیصلہ لے کر دو گواہ اس کمیٹی کے سامنے شہادت دیں کہ فلاں شہر کی ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ لکھ کر ہمارے سپرد کیا ہے، اس میں یہ عملی دشواری ہے کہ دور دراز علاقوں سے کچھ لوگوں کا پنڈی پہنچنا ضروری ہوگا جو ہوائی جہازوں کے دور میں تو نہ سہی مگر اشکال سے خالی نہیں۔

اس مشکل کا حل اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ گواہوں کو تو صرف اپنی قریبی ہلال کمیٹی تک پہنچایا جائے اور اس ہلال کمیٹی کے علماء ان کی شہادت شرعی اصول پر لینے کے بعد فیصلہ کریں، پھر حکومت کا کوئی ذمہ دار افسر جو ہلال کمیٹی کے انتظام کا ذمہ دار بنایا گیا ہو اس فیصلہ کی اطلاع مرکزی ہلال کمیٹی کو بذریعہ ٹیلیفون دے دے، جس میں اس کی تفصیل موجود ہو کہ فلاں فلاں علماء کے سامنے یہ شہادت پیش ہوئی اور انہوں نے اس کو قبول کیا، مرکزی ہلال کمیٹی کو اگر ان علماء کے فیصلے پر اطمینان ہو جائے تو وہ اعلان میں اپنا فیصلہ نشر کرنے کے بجائے اس ذیلی کمیٹی کے فیصلہ کو اس تصریح کے ساتھ ریڈیو پر نشر کرے کہ فلاں جگہ فلاں علماء نے شہادت ہلال قبول کر کے فیصلہ کیا، مرکزی ہلال کمیٹی ان کے فیصلہ کو درست قرار دے کر حکومت کی طرف سے اعلان کرتی ہے کہ پاکستان کے مسلمان سب اس پر عمل کریں۔

اس طرح مرکزی کمیٹی کے سامنے شہادت کی ضرورت نہ رہے گی کیونکہ وہ خود کوئی فیصلہ نہیں کر رہی بلکہ دوسرے علماء کے فیصلہ کو نشر کر رہی ہے، اس فیصلہ کی اطلاع ٹیلیفون پر بھی دی جا سکتی ہے، بشرطیکہ ٹیلیفون کسی معتمد آدمی کا ہو اور اس میں کسی کی مداخلت کا خطرہ نہ رہے۔

اس کے بعد حضرت مولانا بنوری صاحب نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام ہمارے پاس خدا کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہے، ایک ایسی نعمت جو ہمارے اسلاف کی چودہ سو سالہ قربانیوں کے بعد ہمیں حاصل ہوئی ہے، ہمارے اسلاف نے تلوار کی دھار پر چل کر اس دولت کو ہمارے لئے محفوظ رکھا ہے اور اس کی حفاظت ہم میں سے ہر ایک فرد کی ذمہ داری ہے، ہم نے اس ذمہ داری کو کہاں تک ادا کیا ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب ہمارے پاس ندامت کے آنسوؤں کے سوا کچھ نہیں، اللہ نے حالیہ جہاد کے ذریعہ ہمیں اسی ذمہ داری کی طرف دوبارہ متوجہ فرمایا ہے اور اگر تازیانے کے بعد بھی ہم بیدار نہ ہوئے تو خطرہ ہے کہ کہیں ہم اس آیت

کے مصداق نہ بن جائیں کہ:

﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى اِذَا فَرِحُوْا بِمَا اُوْتُوْا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَاهُمْ مُّبْلِسُوْنَ﴾ [الانعام: ٤٤] (۱)

[شوال ۱۳۸۵ھ/فروری ۱۹۶۶ء]

مسلمانوں کے لئے دوسرا اسرائیل بھارت

یہاں زخم ایک نہیں جس کے لئے رویا جائے، جس طرح برطانیہ وامریکہ نے اسرائیل کے ذریعہ مصر وغیرہ کی فوجی طاقت کو ٹھکانے لگانے کی سازش کی اور انہیں کامیابی ہوگئی، ٹھیک اسی طرح امریکہ و برطانیہ، چین کا ہوا دکھا کر ہندوستان کو مضبوط سے مضبوط تر کر رہے ہیں اور روس بھی اس سازش میں ان کا ہمنوا اور بھارت کا ممد ومعاون ہے، بھوکا بھارت ۹/ارب سے لے کر ۱۱/ارب روپیہ صرف دفاع پر خرچ کر رہا ہے، روس اور امریکہ کی مشترکہ مدد سے ۲۲/اسلحہ ساز کارخانے دن رات کام کر رہے ہیں، روس اور دیگر ممالک سے کثیر مقدار میں جنگی جہاز، مگ طیارے اور جدید ترین اسلحہ فراہم کر رہا ہے، یہ ایک نئی اسرائیلیت ہے جو خاکم بدھن صرف پاکستان کو مٹانے کے لئے پرورش کی جارہی ہے، ان حالات کے پیش نظر ہمیں ہر وقت چوکنا رہنے کی ضرورت ہے، ہمارے لئے غفلت کا ایک لمحہ بھی تباہ کن ثابت ہوگا، ضرورت ہے کہ جہاں سے بھی مل سکے جدید اسلحہ فراہم کیا جائے، اندرون ملک اسلحہ سازی کے کارخانے قائم کئے جائیں، رضا کاروں کو با قاعدہ فوجی تربیت دی جائے، اور عام نوجوانوں کے لئے فوجی تربیت لازم قرار دی جائے۔ حق تعالیٰ کے فضل واحسان سے ہمیں ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی، لیکن ہمیں زیادہ مغرور نہیں ہونا چاہئے، دس سال پہلے مصر کو بھی کامیابی ہوئی تھی یہ ہمارے لئے مستقل عبرت ہے، عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ شکست خوردہ قومیں نئے سرے سے تیاری شروع کر دیتی ہیں اور فاتحین نشہ فتح میں ست روی اختیار کر لیتے ہیں، جس کے نتیجے میں کچھ مدت بعد پانسہ پلٹ جاتا ہے، اس لئے ہمارے عزم، استحکام اور جہد مسلسل میں ادنیٰ رخنہ بھی ہمارے لئے خطرناک ہوگا، حق تعالیٰ ہماری اور تمام عالم اسلام کی حفاظت فرمائیں اور امت مسلمہ کو اپنی مرضیات کی توفیق نصیب فرمائیں۔

وهو علی كل شیء قدير

[ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ]

---

(۱) چاٹگام میں سب سے بڑی جامع مسجد میں حضرت مولانا رحمہ اللہ نے ۱۳۸۵ھ میں ایک خطاب فرمایا تھا جس کا یہ ایک اقتباس ہے۔

١٩٦٥ء کی پاک و ہند جنگ

الحمدللہ کہ ٦ ؍ ستمبر ١٩٦٥ء مطابق ٩ ؍ جمادی الاولی ١٣٨٥ء کے مبارک دن مملکت خداداد پاکستان میں ایک جدید اور مقدس باب کا افتتاح ہوگیا، یہ تاریخ پاکستان کی قومی زندگی کی کتاب میں ایک نئے باب کا آغاز ہے، اور پاکستان کی عزت و مجد کے عنوانات میں ایک شاندار عنوان کا اضافہ ہے، مہاجر قوم کے بعد مجاہد قوم! اور ہجرت کے بعد جہاد! سبحان اللہ، نور علی نور۔ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی قابل قدر اور لائق صد تشکر نعمت ہے۔

چند اہم حقیقتیں اور قابل عبرت بصیرتیں بھی اس مبارک افتتاح میں منظر عام پر آ گئیں:

① ہندوستانی حکومت کی بدنیتی، مکاری، عیاری اور نفاق۔

② ان سے حسن معاشرت اور بہتر ہمسائیگی کے تعلقات کی توقعات سراب سے زیادہ کچھ نہیں:

خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

③ پاکستانی عساکر و افواج قاہرہ کے مجاہدانہ ولولے اور عزائم، سرفروشانہ جذبات اور احساسات، دین و وطن پر مر مٹنے کی پوری اہلیت و صلاحیت اور میدان کارزار میں استقلال و استقامت اور ذوق و شوق شہادت۔

④ پاکستانی افواج منصورہ کی فنی مہارت، قابلیت، بحری، بری اور فضائی افواج قاہرہ کے فوق العادۃ حیرت انگیز کارنامے جن سے سلف صالحین کے محیر العقول کارناموں کی یاد تازہ ہوگئی اور اقوام عالم کے سامنے پہلی مرتبہ پاکستانی فوجوں کے جوہر اس طرح کھلے کہ دشمنان اسلام پر بھی سکتہ طاری ہوگیا اور آخر ان کو بھی پاکستانی افواج کی برتری اور قابلیت نیز سرفروشانہ وجاں نثارانہ خصوصیت کا اعتراف کرنا پڑا۔ والفضل ما شهدت به الاعداء (بزرگی وہ ہے جس کی دشمن بھی شہادت دیں)۔

⑤ دشمن قیدیوں کے ساتھ ہتھیار ڈالنے کے بعد انتہائی ہمدردانہ، شریفانہ اور حوصلہ مندانہ، انسانیت نواز سلوک۔

⑥ پاکستانی افواج اپنے ملکی دفاع کی پوری قابلیت اور صلاحیت رکھتی ہیں اور وہ حملہ آور دشمن کی چند فوجی طاقت اور سامان جنگ کی فراوانی کے باوجود ہر محاذ پر منہ توڑ جواب دے سکتی ہیں۔

⑦ فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں -أيّده الله بنصره- کے حسن تدبر، مجاہدانہ عزیمت، اہلیت، قیادت اور شجاعت و جواں ہمتی کے ساتھ ہی ساتھ سیاسی تدبر کے جوہر بھی اس طرح منظر عام پر آ گئے کہ دنیائے اسلام کو اس کا یقین ہوگیا کہ موصوف دنیائے اسلام کی قیادت کی صلاحیت کے مالک ہیں۔

⑧ پاکستانی قوم بھی اس قدر باشعور اور سمجھدار ہے کہ ملکی دفاع کے نازک ترین مرحلہ پر اپنے تمام باہمی اختلافات اور ذاتی منافع کو یکسر پس پشت ڈال کر اپنے حکمرانوں کی ہر آواز پر لبیک کہنے، تعاون کرنے اور تن، من،

دھن سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہوگئی اور زندگی کے ہر شعبہ میں اتحاد اور تنظیم کا مکمل مظاہرہ کیا اور اس قدر حوصلہ مند ہے کہ دشمن کی تباہ کن بمباریوں سے شکستہ خاطر اور ہراساں ہونے کے بجائے اس کے جوش وخروش اور ذوق وشوق شہادت میں چند در چند اضافہ ہوتا ہے، والحمد للہ علی ذلک۔

قابل عبرت نتائج وحقائق

ان بصیرت افروز حقائق اور عبرت انگیز واقعات سے جو عظیم نتائج نکلے ہیں وہ بھی قوموں کی زندگی کی تاریخ میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں:

① جہاد فی سبیل اللہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کا فریضہ انجام دینے کیلئے پاکستانی قوم میں ایک نئی روح پیدا ہوگئی۔

② دشمنان اسلام کے دلوں پر پاکستانیوں کا رعب چھا گیا ﴿ترھبون به عد والله وعدوكم﴾ ”تم اللہ کے دشمنوں پر اور اپنے دشمنوں پر اس سے ہیبت اور رعب طاری کردو“ کی تفسیر سامنے آگئی۔

③ مسلمان اگر اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد وتوکل سے بہرہ ور ہوں تو ان کی امداد ونصرت کے لئے اب بھی اللہ تعالیٰ کی غیبی امداد نو بنو انداز میں ضرور آتی ہے۔

④ امریکہ ہو یا روس، برطانیہ ہو یا فرانس یہ سب کفر کی طاغوتی طاقتیں ہیں، ان سے کسی بھی خیر کی توقع رکھنا خالص حماقت ہے اور اخروی سے پہلے دنیوی خسران کا موجب ہے۔

⑤ پاکستان کو صرف اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ رکھنا چاہیے اور زندگی کے ہر شعبہ میں جلد از جلد اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی پوری پوری جدوجہد کرنی چاہیے، اور ارشاد خداوندی:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ [الانفال:٦٠]

اور جو بھی طاقت وقوت تم ان کے مقابلہ کے لئے مہیا کرسکتے ہو اس کی تیاری کرو پر مکمل طور سے عمل کرنا چاہیے اور اس سلسلہ میں کسی بھی قسم کی تقصیر یا تغافل ہرگز روا نہ رکھنا چاہئے۔

بہرحال ہندوستانی حکومت نے تمام بین الاقوامی اصول پس پشت ڈال کر بغیر کسی سابقہ اعلان جنگ کے رہزنوں کی طرح پوری فوجی طاقت وقوت اور تیاری کے ساتھ پاکستان پر چوطرفی حملہ کردیا اور اپنی بربریت اور بہیمانہ سلوک میں بھی اصلاً کوتاہی نہیں کی، لیکن احکم الحاکمین کے قانون قدرت نے کمزوروں کا ساتھ دیا اور آیت کریمہ کی:

﴿وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِيْنَ﴾ [القصص:٥]

اور ہم چاہتے ہیں کہ جن لوگوں کو روئے زمین پر کمزور سمجھ لیا گیا ہے ان پر احسان فرمائیں اور انہی کو

مقتدی (بین الاقوامی قائد) بنا دیں اور انہی کو ان (کے ملک وسلطنت) کا وارث بنا دیں۔

تفسیر وتشریح ایک بار پھر دنیا کے سامنے آ گئی کہ مٹھی بھر ناتوان اور (ہر لحاظ سے) کمزور افراد کو اللہ تعالیٰ نے وہ قوت وطاقت بخشی کہ دشمن کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے اور آج دشمن کے ۱۶ رسو سے زیادہ مربع میل رقبہ پر پاکستانی فوجیں قابض ہیں اور پاکستانی پرچم لہرا رہا ہے۔ صدر مملکت سے لے کر چپڑاسی تک اور تاجر وصنعت کار سے لے کر معمولی مزدور اور آجر تک خواص وعوام ساری قوم میں حیرت انگیز اور بے مثل اتحاد وتعاون کی روح پورے طور پر کارفرما ہے اور پوری قوم دشمن کے سامنے ’’بنیان مرصوص‘‘ (آہنی دیوار) بن کر کھڑی ہوگئی ہے۔

نعمت خداوندی اور اس کا شکریہ

اللہ تعالیٰ کی اس لائق فخر نعمت عظمیٰ کا شکر یہی ہے کہ ہم صلاح وتقویٰ کی اسی پاکیزہ زندگی کو مستقل طور پر اختیار کرلیں جو اس وقت ہنگامہ رزم وحرب نے پوری قوم کے اندر پیدا کردی ہے، اور خوف وخشیت خداوندی اور ذکر الٰہی کو اپنا شعار بنالیں اور منکرات وفواحش کو جو اس اسلامی ملک میں غیر ملکی تہذیب وتمدن کے تسلط اور ان یورپین خدا ناشناس قوموں کی قابل شرم نقالی کی بناء پر رائج ہو چکے ہیں یک قلم ترک کردیں اور مغرب کی گندی، مہنگی اور بزدل بنا دینے والی معاشرت کے بجائے سیدھی سادی اور سستی اسلامی معاشرت کو مستقل طور پر اپنالیں، اجتماعی زندگی میں فوق العادہ طبقاتی تفاوت کو جہاں تک ممکن ہو ختم کردیں، شجاعت وبہادری کے احساسات کو بیدار کرنے والے خصائل، ایثار ومروت، جفاکشی وسخت کوشی، جوانمردی وحوصلہ مندی کو اختیار کرلیں، راحت پسندی وتن پروری، بے روح نام ونمود اور نمائش پسندی کو خیر باد کہہ دیں، خصوصاً غریبوں اور کمزوروں پر ترحم وشفقت کے جذبات کو زیادہ سے زیادہ بیدار کریں، ہر نوجوان فوجی بنے اور مجاہدانہ احساسات سے سرشار ہو، الغرض ایک ایسے صالح معاشرہ کی تشکیل کی جائے جو ’’باللیل رھبان و بالنھار فرسان‘‘ (رات میں تہجد گذار اور دن میں شہسوار) کی تفسیر ہو۔

کسی قوم کی موت

حقیقت یہ ہے کہ جب کسی قوم میں دو مرض پیدا ہو جائیں ① ایک دنیا کی محبت ② دوسرے موت کا ڈر، تو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ قوم مر چکی اور جب کسی قوم کو ان دونوں بیماریوں سے نجات نصیب ہو جاتی ہے تو وہ قوم حیات ابدی سے ہمکنار ہو جاتی ہے، صحیح بخاری شریف میں ایک حدیث آئی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ: ایک وقت ایسا آئے گا کہ تم پر دنیا کی قومیں اس طرح یلغار کریں گی جس طرح کھانے والے کھانے پر ٹوٹ پڑتے ہیں، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اس زمانہ میں ہم مسلمانوں کی تعداد اتنی تھوڑی ہوگی، فرمایا: نہیں تم اتنے زیادہ ہوگے کہ اس سے پہلے کبھی تمہاری اتنی تعداد نہ ہوئی ہوگی مگر تمہاری

مثال ایسی ہوگی جیسے سیلاب پر خس وخاشاک، دشمنوں کے دل سے تمہاری ہیبت نکل جائے گی اور تمہارے دلوں میں وہن پیدا ہوجائے گا، پوچھا کہ وہن کیا چیز ہے؟ ارشاد فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے خوف (١)۔ اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہوگیا کہ مسلمانوں کی کامیابی وکامرانی کا عددی اکثریت پر کبھی بھی مدار نہیں رہا ہے، نہ ہی عددی اکثریت میں اسلام کی قوت مضمر ہے بلکہ مسلمانوں کی طاقت وقوت کا راز یہ ہے کہ ان کے قلوب دنیا کے محبت سے پاک اور موت کے خوف سے ان کے دل آزاد ہوں۔

آپ نے دیکھا کہ اس موجودہ معرکہ حق وباطل میں مسلمانوں کا جوجوہر سب سے زیادہ نمایاں رہا ہے وہ مسلمان نوجوانوں کے دلوں میں دنیوی زندگی کی بے وقعتی اور شہادت کی موت کو لبیک کہنے کا ذوق وشوق ہے، دنیا نے ایک بار پھر اسلامی روح اور اسلامی قوت وطاقت کا منظر دیکھ لیا اور مسلمان افواج کی بے نظیر شجاعت اور شوق شہادت نے تاریخ میں ایک نئے اور شاندار باب کا اضافہ کردیا یہ واقعہ دور حاضر کی تاریخ کا سنہرا باب ہے جس کو عصر حاضر کا مؤرخ زریں حروف میں لکھے گا۔

کاش! اگر ہماری قوم کی غالب اکثریت میں یہ ہی روح کارفرما ہوجائے تو دنیا اور اس کی قیادت کا نقشہ ہی بدل جائے پھر نہ دنیا پر امریکہ کی بالادستی نظر آئے نہ روس کی۔

مسلمانوں کی بنیادی قوت

یہ حقیقت بالکل ظاہر وعیاں ہے کہ موجودہ اسباب ووسائل کی مادی دنیا میں ہم مسلمان ان کفر کی طاغوتی طاقتوں اور اسلام دشمن قوموں کے مقابلہ پر خواہ روس ہو یا امریکہ، جرمنی ہو یا برطانیہ بہت پسماندہ ہیں، مادی وسائل اور حیرت انگیز سائنسی ترقیات میں ہم ان سے بہت پیچھے ہیں، ایسی صورت میں ہمارے لئے عقلاً بھی ان کے مقابلہ کا یہی مختصر اور محکم راستہ ہے کہ ہم اس رب العالمین سے اپنا رشتہ مضبوط جوڑ لیں اور عبدیت کا تعلق استوار کرلیں جو ان تمام مادی وسائل کا خالق حقیقی ہے اور اس کی قدرت کاملہ اور قوت قاہرہ کے سامنے ان کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے، بھلا اس خالق کائنات کی قدرت کاملہ کے سامنے ان ایٹم بموں اور ہائیڈروجن بموں کی کیا حقیقت ہوسکتی ہے جن کا وہ خود پیدا کرنے والا اور حقیقی موجد ہے۔

اس کا یہ مقصد ہرگز نہ سمجھا جائے کہ ہم مادی اسباب ووسائل سے بے نیازی اختیار کرنے اور غفلت برتنے کا درس دے رہے ہیں، یہ تو خود خداوندی حکم ہے کہ جتنی بھی طاقت وقوت تمہاری استطاعت میں ہو دشمنان اسلام کے مقابلہ کے لئے اس کو فراہم کرنے میں مطلق کوتاہی نہ کرو۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اعتماد کا اصل سرچشمہ وہ ذات قدسی صفات ہونی چاہیے، جس کے قبضہ قدرت میں یہ تمام محیر العقول وسائل ہیں اور وہی ان کا حقیقی مالک

---

(١) سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب فی تداعی الامم علی الاسلام، ج: ٢ ص: ٥٩٠، ط: حقانیہ

ومتصرف ہے، آپ نے دیکھا چینی قوم جو اب سے بیس سال پہلے تک دنیا کی پست ترین ''افیمی قوم'' سمجھی جاتی تھی آج وہ قوم اپنی ہمت وجرأت اور تنظیم واتحاد، جفاکشی وسخت کوشی اور سرفروشی کی بدولت نہ صرف صنعت وحرفت میں بلکہ فنی وحربی قوت اور فوجی طاقت میں امریکہ اور روس کے لئے بھی وبال جان بنی ہوئی ہے اور وہ دنیا جو کچھ سرخ خطرہ سے لرزہ براندام ہوا کرتی تھی اب ''زرد خطرہ'' سے پریشان اور حواس باختہ ہے، حتی کہ اس نے اب امریکہ وروس کے ایوان سیاست وتدبیر کو بھی متزلزل کردیا ہے، اگر ستر کروڑ چینی، امریکہ وروس کو مرعوب کرسکتے ہیں تو کیا دنیا کے ستر کروڑ مسلمان اگر آج تنظیم واتحاد ہمت وعزیمت، ایثار ومحنت اور سرفروشی کی نعمت سے سرفراز ہوجائیں تو وہ ان طاغوتی طاقتوں کو مغلوب ومقہور نہیں کرسکتے؟

آج اگر دنیا کی مسلمان قومیں اور حکومتیں اغیار کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ ومامون ہوجاتیں اور جو قدرتی ذخائر ان بلاد اسلامیہ میں قدرت نے پیدا کئے ہیں ان سے ان ''عیار سفید فام'' قوموں کے بجائے خود وہ مستفید ہونے لگیں تو دنیا کی سب سے زیادہ طاقتور اور باعزت قوم مسلمان بن جائیں۔

الغرض وقت کا تقاضہ ہے کہ مادی ترقیات میں بھی ہم زیادہ سے زیادہ اغیار سے سبقت لے جانے کی کوشش کریں، مگر اس سے پہلے اللہ جل شانہ سے اپنا رشتہ جوڑیں اور تعلق استوار کریں تو آخرت کی نعمتوں کے ساتھ ساتھ دنیا کی نعمتوں سے بھی مسلمان ہی سرفراز ہوں گے، فاعتبروا یا أولی الابصار۔

عصر حاضر اور علماء کرام

بدقسمتی سے علماء امت کو ہر دور میں بدنام اور متہم کیا گیا ہے کہ یہ لوگ وقت کے تقاضوں سے غافل اور بے خبر رہتے ہیں، ان میں سخت ترین جمود اور تعطل کارفرما رہا ہے، یہ خالص رجعت پسند ہیں، قدامت پرست ہیں، ہر زمانہ میں قومی ترقی کی راہ میں یہی لوگ رکاوٹ بنتے رہے ہیں وغیرہ وغیرہ، یہ وہ طعنے ہیں جو آج بھی علی الاعلان علماء کو دیئے جارہے ہیں۔

جی ہاں! علماء کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ قدیم ترین قانون الٰہی اور دین فطرت کو انسانیت کے لئے واحد ذریعہ نجات سمجھتے ہیں، وہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت الٰہیہ کو ہی وسیلہ سعادت دارین مانتے ہیں، فرائض شرعیہ، نماز، روزہ، زکاۃ اور حج کی پابندی کو جزو ایمان جانتے ہیں، محرمات ومنکرات شرعیہ، زنا، شراب، سود، قمار، تھیٹر، سینما، رقص وسرود، بے حیائی اور حیا سوز عریانی، مردوں اور عورتوں کے بے محابا اختلاط اور مخلوط تعلیم وغیرہ کو قطعاً حرام اور قوم کے کردار کی تباہی اور اخلاقی پستی کا واحد ذمہ دار سمجھتے ہیں اور ان فواحش ومنکرات کے مٹانے پر قولاً وعملاً کمربستہ اور سینہ سپر رہے ہیں اور یہ بدیہی امر ہے کہ انسانی ترقی اور انسانیت کے ارتقاء سے ان فواحش کا دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں، بلکہ یہ انسانی ارتقاء کی راہ میں سخت ترین رکاوٹ ہیں اس لئے کہ یہ فواحش تو

خالص بہیمیت اور شہوت رانی کے مظاہر ہیں۔

اور ہاں! یہ علماء قرآن وحدیث کے منصوص اور صریح عقائد واحکام کو ہر طرح کی تاویل وتحریف اور تبدیل وتغیر سے بالاتر سمجھتے ہیں، امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) کے اجماعی اور قطعی معتقدات ومسائل کو واجب الاتباع جانتے ہیں، فقہاء امت رحمہم اللہ کے اجتہادات کو عملی زندگی کے لئے رہنما اصول کے طور پر تسلیم کرتے ہیں اور جدید مسائل کے حل کرنے میں ان سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں، یہ ہے علماء کی رجعت پسندی اور قدامت پرستی۔

اور ہاں! یہی ہیں وہ علماء اور محافظین تہذیب وتمدن اسلامی جو یورپ وامریکہ کی دہریت ولادینی کے سیلاب کی راہ میں مضبوط چٹان بن کر ہمیشہ صف آرا ہوئے ہیں، یہی وہ علماء ہیں جو پیٹ پر پتھر باندھ کر شعائر اللہ کی پاسبانی کا فرض ادا کرتے رہے ہیں، ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، مالک رحمۃ اللہ علیہ، شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، شاہ ولی اللہ، شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور اسیر مالٹا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تک کے تمام خدا پرست علماء کی یہ سرفروشانہ خدمات جن کا آپ کو بھی اعتراف ہے نہ ہوتیں تو عہد بنوامیہ اور عہد بنوعباس سے لے کر دور اکبری تک ہی دین اسلام ”لعبۂ اہوا“ اور ”بازیچۂ اطفال“ نیز عیش پرست ملوک وسلاطین کی نت نئی اطماع وخواہشات کا اکھاڑہ بن جاتا، دین حق کے یہ پاسبان اگر نہ ہوتے تو یہ خدا کا پسندیدہ دین خدا ہی جانتا ہے اس کا کیا حشر ہوتا۔

مدیر فکر ونظر اور علماء

ہمارے معاصر مدیر ”فکر ونظر“ کا انتہائی پرفریب انداز ”تنقید“ نہیں بلکہ ”تنقیص“ یہ ہے کہ ان اکابر علماء دین کی زرین خدمات کا نہایت فراخ حوصلگی سے اعتراف کرنے کے بعد ”لیکن“ کے استدراک سے ان سب کو خاک میں ملا دیتے ہیں اور قومی ترقیات واصلاحات۔ جو درحقیقت اسلام کو مسخ ومحرف کرنے کی یہود جیسی مذموم ومنحوس مساعی اور تدابیر ہیں۔ کی راہ میں رکاوٹ بننے کا ان کو مجرم اور مسلمانوں کی موجودہ پستی کا ذمہ دار گردان دیتے ہیں۔

معاصر موصوف نے ماضی قریب کے چند حضرات کے نام لے کر علماء کو طعنہ دیا ہے کہ ان مصلحین کی اصلاحات کے راستہ میں یہ قدامت پرست علماء ہی سد راہ بنے ہیں، اچھا ہوتا کہ وہ ان تین بزرگوں کے نام نہ لیتے۔ کیا ہمارے محترم مدیر فکر ونظر کے پیر ومرشد علامہ سندھی علیہ الرحمۃ نے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کو ۔اگر وہ کوئی تحریک تھی۔ اکبر کے دین الٰہی کا تکملہ نہیں قرار دیا؟ کیا اکبر کے۔ منافق شیعہ علماء کے ساختہ پرداختہ۔ دین الٰہی کی تائید وتصویب کوئی بھی مدعی اسلام عاقل یا عالم کر سکتا ہے؟ ہمارے دوست اکبرآبادی مدیر برہان بھی

باوجود علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے غالی معتقد ہونے کے ان کے اس نظریہ کی توجیہ وتاویل سے عاجز آ گئے۔

یہ قازانی بزرگ۔ جاراللہ۔ جو اتاترک کمال کے دور حکومت کو علی منہاج النبوۃ مانتے اور خلافتِ نبوت سمجھتے تھے۔ قرآنی منصوص احکام کو قانون پارینہ کہہ کر معطل قرار دے چکے تھے کیا ہر ترکی باشندہ سے خواہ ارمنی ہو خواہ گریک مسلمان عورت کے نکاح کو صحیح قرار دینے والا اور اس کے لئے قانون بنانے والا خلیفہ علی منہاج النبوۃ ہوسکتا ہے؟ حج بیت اللہ کو قانوناً جرم قرار دینے والا خلافت راشدہ کا وارث ہوسکتا ہے۔

خدارا بتلایئے! کہ کیا واقعی آپ کے نزدیک دین الٰہی کی حمایت کرنے والے اور اتاترک کی لادینی حکومت کو خلافت علی منہاج النبوۃ کہنے والے حضرات ہی مصلحین امت میں سے ہیں؟ اور ان ملحدانہ خطرناک نظریات پر گرفت کرنے والے علماء دین دقیانوسی ذہنیت کے مالک اور ترقی واصلاح کے راستہ میں سد راہ بننے کے مجرم ہیں؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

لمثل هذا يذوب القلب عن كمد
ان كان فى القلب اسلام وايمان

ان جیسے خیالات ونظریات سے غم کے مارے دل پگھل جانا چاہئے بشرطیکہ اس دل میں اسلام ایمان ہو۔

ہم نہیں چاہتے کہ اس تکلیف دہ سلسلہ کو چھیڑیں، لیکن اگر ہم مجبور ہو گئے تو پھر یہ تمام حقائق واشگاف کرنے پڑیں گے، پھر ناظرین فیصلہ کر سکیں گے کہ آیات وبینات کے سامنے فکر ونظر کی خیرگی اور درماندگی کہاں تک پہنچ چکی ہے۔

﴿وسيعلم الذين ظلموا اى منقلب ينقلبون﴾

بھارت اور پاکستان کی جنگ

﴿هٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ [الاعراف:۲۰۳]

آخر وہ دور ابتلا آ ہی گیا جس کے آثار نظر آ رہے تھے، بھارت کی ہوس ملک گیری نے پاکستان پر جارحانہ حملہ کر دیا اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر پاکستان نے بھی اس اسلامی ملک کی حفاظت اور دین اسلام کے دفاع کی غرض سے اعلان جنگ کر دیا اور مشرقی ومغربی دونوں محاذوں پر شدید ترین اور ہولناک جنگ شروع ہوگئی جس کا آج چودھواں دن ہے۔

ان پریشان کن اور خطرناک حالات کے دوران مسلمانوں سے جس انابت الی اللہ کی توقع کی جا سکتی تھی افسوس ہے کہ اس کا ظہور نہیں ہو رہا یا پھر ہماری نگاہ کا قصور ہے، ۶۵ء کی جنگ کے دوران جو انابت الی اللہ اور تعلق مع اللہ کی صورت حال بن گئی تھی وہ نظر نہیں آتی، تاہم الحمد للہ جتنا خطرہ اور خیال تھا کہ ہماری قساوت قلبی اور غفلت

شعاری اور ہماری کوتاہیاں وغلط کاریاں۔ خدانا کردہ۔ رنگ نہ لائیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ونصرت واعانت کے نزول کی راہ میں حائل نہ ہوجائیں، اس کا اندیشہ نہ رہا اور اس لحاظ سے قدرے اطمینان ہوگیا بلکہ اللہ جل شانہ کی نصرت ورحمت کے آثار وعلامات نظر آنے لگی ہیں اور توقع ہوگئی ہے کہ نصرت بھی انشاء اللہ عنقریب نازل ہوگی "الا ان نصر اللہ قریب" اور مسلمانوں کو اور پاکستان کو فتح مبین انشاء اللہ نصیب ہوگی۔

سب سے پہلے جو قابل صد شکر چیز ہے وہ یہ ہے کہ ہماری بحری، بری اور فضائی افواج نے جس عزم وثبات اور اخلاص وایثار کا ثبوت دیا ہے اور جس جان نثاری وجانبازی سے شجاعت وبسالت اور مقاومت اعداء کے جوہر دکھائے ہیں اس نے قرون اولیٰ کی یاد تازہ کردی۔ اللّٰھم زد فزد۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے اسلام اور مسلمانوں کی عزت وآبرو رکھ لی اور نہ صرف عالم اسلام بلکہ تمام اقوام عالم سے پاکستانی افواج نے خراج تحسین حاصل کرلیا اور پھر ایک مرتبہ کفار پر خاص کر ہمارے پڑوسی بت پرست مشرک قوم پر ان کا رعب اللہ تعالیٰ نے بٹھا دیا اور اگر ہماری مملکت اور ارباب حکومت اور پوری قوم اللہ کے فرمان ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ [الانفال: ۶۰] پر پوری طرح عمل پیرا ہوجاتی اور ان تمام جدید ترین اسلحہ سے ہماری فوجیں مسلح ہوتیں جن کی اس زمانہ میں شدید ضرورت ہے تو اس جنگ کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

پاکستان اور روس

دوسری چیز جو محض قدرت خداوندی اور رحمت الٰہی کا کرشمہ اور واجب الشکر احسان عظیم ہے وہ یہ ہے کہ اول سلامتی کونسل میں اور اس کے بعد جنرل اسمبلی میں اقوام متحدہ کی عظیم ترین اکثریت نے بھارت کو جارحیت کا مجرم قرار دیا اور جو قرارداد پاس کی اس میں اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ بھارت حملہ آور ہے اور پاکستان اپنے دفاع کے لئے نبرد آزما ہے اور بڑی بات یہ ہے کہ روس خون آشام کی طاغوتی حکومت ایک مرتبہ پھر بے نقاب اور روسیاہ ہوگئی اور دنیا میں امن وسلامتی کی حمایت کا جو لبادہ اس نے اوڑھ رکھا تھا وہ نوچ کر پھینک دیا گیا اور درندہ روس دنیا کے سامنے آگیا اور اقوام عالم پر عیاں ہوگیا کہ وہ ایک ظالم وجابر، بے رحم وسنگدل اور اس کے اشاروں پر چلنے والی حکومت (بھارت) کے ہاتھ مضبوط کرنے اور دنیا کی سب سے بڑی آزاد اسلامی حکومت (پاکستان) کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے پر تلا ہوا ہے، حتیٰ کہ اس کو دنیا میں اپنے روسیاہ ہوجانے کا بھی احساس نہیں ہے۔

یہ روس وہی ملعون طاغوتی طاقت ہے جس کا وتیرہ بن چکا ہے کہ بے نوا قوموں اور کمزور ملکوں کو ہضم کرلیا جائے اور ڈکار بھی نہ لے اور ان پر ان گنت مظالم ڈھاتا اور ان کے خون چوستا رہے، وسط ایشیا کی قدیم ترین عظیم اسلامی حکومت سلطنت بخارا وسمرقند کو اسی درندہ نے تباہ وبرباد کر کے جس بربریت اور درندگی کا ثبوت روس کی استعمار پسند حکومت نے دیا ہے تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ظاہر ہے کہ جس ظالم و جابر اور سفاک و خون آشام حکومت کا یہ شیوہ ہو کہ کمزور قوموں پر ظلم ستم کے آسمان ڈھائے ان کے بے گناہ اور معصوم خون سے اپنی ہوس خون آشامی کی تسکین کا سامان بہم پہنچائے، اس سے کیا بعید ہے کہ وہ ایک دوسری خون آشام حکومت (بھارت) کو جو اسی کی ایجنٹ ہے، مزید سہارا دے کہ وہ خدا کی مخلوق پر خوب ظلم ڈھائے اور اچھی طرح ان کا خون چوسے۔

تمام دنیا پر واضح ہو گیا کہ سلامتی کونسل کے اجلاس میں فوری جنگ بندی اور فوجوں کی غیر مشروط واپسی کی قرارداد کے خلاف تین مرتبہ حق استرداد و تنسیخ (ویٹو پاور) استعمال کرنے کا واحد مقصد یہ ہے کہ روس کے بل بوتے پر جنگ کرنے والی بھاتی فوجیں اس تاخیر اور مہلت سے فائدہ اٹھا کر کسی طرح ڈھاکہ پر قبضہ کر لیں اور بھارت وہاں بنگلہ دیش کی حکومت قائم کر دے۔ اور روس اور اس کی ہمنوا کمیونسٹ حکومتیں فوراً بنگلہ دیش کی حکومت مشرقی پاکستان میں تسلیم کر لیں اور اس طرح مشرقی پاکستان کی حکومت کو زندہ درگور کر دینے کے شرمناک منصوبہ میں بھارت اور روس کامیاب ہو جائیں گے۔

روسیاہ روس کی اس ڈھٹائی اور بے باکی سے سلامتی کونسل میں ویٹو استعمال کرنے سے آفتاب نیمروز کی طرح روشن ہو گیا کہ درحقیقت روس دنیا کے امن وسلامتی کا نمبر اول دشمن ہے اور جو بڑی حکومتیں ناطرفدار رہیں اور انہوں نے اس قراداد پر ووٹ نہیں دیا وہ عالمی امن وسلامتی کی دشمن نمبر دوم ہیں۔

نیز روس نے پے در پے تین مرتبہ ویٹو پاور استعمال کر کے تمام عالم کو ایک مرتبہ پھر یہ بتلا دیا کہ روس کے دل میں مظلوم انسانیت پر شمہ برابر بھی رحم کا جذبہ نہیں ہے، وہ سلامتی کونسل کا رکن صرف دنیا کے امن وسلامتی کی کوششوں کو ناکام بنانے کے لئے بنا ہے۔

بہر حال یہ سب کچھ دنیا اور دنیوی اسباب پر نظر رکھنے والوں کے نقطہ نظر سے عرض کیا گیا ہے، رہے مسلمان تو ان کا ایمان واعتماد تو صرف حق تعالیٰ کی لاتعداد قدرت کی مالک ذات بابرکات پر ہے، جس کے قبضہ قدرت میں تمام عالم ملکوت اور پوری کائنات ہے، فتح ونصرت صرف اور محض اس کے ہاتھ میں ہے، چاہے وہ اپنے بندوں کی امداد واعانت کے لئے فرشتے بھیجے اور چاہے شیاطین الانس، انسانی شیطانوں سے فرشتوں کا کام لے لے اور اپنے بندوں کی حمایت کرا دے اور چاہے بغیر ظاہری اور باطنی اسباب کے محض غیبی تائید نازل فرما دے، غرض وہ ہر چیز پر قادر ہے اور جو چاہے کر سکتا اور کرا سکتا ہے، چنانچہ اسلامی تاریخ اس قسم کی غیبی تائیدات اور قدرت خداوندی کے حیرت انگیز کرشموں سے بھری پڑی ہے، چنانچہ اس وقت دنیا کی دو بڑی طاقتوں امریکہ اور چین بلکہ فرانس نے بھی جو پاکستان کے مؤقف کی حمایت وتائید کی ہے اور ان کے علاوہ ایک سو سے زیادہ حکومتوں نے جو بھارت کی جارحیت کی مذمت کی ہے اور اسے حملہ آور قرار دیتے ہوئے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا ہے یہ ہمارے اس دعویٰ کا زندہ ثبوت اور تائید غیبی ہے۔

بہرحال اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا کفر ہے، بلاشبہ کامیابی اور فتح وظفر میں جو کچھ تاخیر ہو رہی ہے وہ ہماری شامت اعمال کا نتیجہ ہے۔

ماضی کی بے اعتدالیاں

گذشتہ تیس سال میں جو خطرناک غلطیاں ہم نے کی ہیں خصوصاً مشرقی پاکستان کے عوام کے بارے میں جو معاشی اقتصادی اور سیاسی بے اعتدالیاں ہم نے کی ہیں اور جو بے اعتنائیاں ہم نے برتی ہیں وہ انتہائی خطرناک ہیں۔

عرصہ دراز سے۔ پاکستان بننے کے بعد سے۔ ایک سادہ لوح قوم کی خالص اسلامی اور قومی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ دینے کے بجائے تمام اعلیٰ اونیٰ درس گاہوں کے دروازے غیر مسلم اور کٹر ہندو ذہنیت رکھنے والے استادوں اور استانیوں کے لئے چوپٹ کھول دینا اور خالص ہندو ذہنیت کے تحت تصنیف کی جانے والی کتابیں نصاب تعلیم میں داخل کرنے دینا، بنگالی قومیت کے پرچار کی کھلی چھٹی دے دینا، کیا خود اپنے گلے پر چھری پھیرنے اور اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مرادف نہیں ہے؟ اسی کا نتیجہ ہے کہ اس تیس سال میں جو نئی پود ابھری اور نئی نسل پروان چڑھی وہ اسلامی روح سے قطعاً بے بہرہ تھی اور بنگالی قومیت کا زہر اس کی رگ رگ میں سرایت کر چکا تھا، وہ بڑی آسانی سے دشمن کی آلہ کار بن گئی اور غیر بنگالی سے نفرت وبیزاری اس قدر بڑھ گئی کہ وہ غیر بنگالی سے مشرقی پاکستان کی سرزمین کو پاک کرنا اپنا اوّلین فرض بلکہ جہاد سمجھنے لگی اور مارچ ۱۷ء کے مہینہ میں انہوں نے غیر بنگالیوں کا خون چوسنے کے سلسلہ میں جس درندگی کا ثبوت دیا دنیا اس سے واقف ہے:

حیف، از ماست کہ بر ماست

ماضی قریب کی سب سے مہلک غلطی

گذشتہ سال محض انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کی غرض سے ملک کی سیاسی جماعتوں نے انتہائی ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے نہ صرف مشرقی پاکستان میں بلکہ مغربی پاکستان میں بھی عوام کے معاشی استحصال کا مہلک نعرہ سیاسی پلیٹ فارموں سے اس زور شور کے ساتھ بلند کیا کہ دونوں بازوؤں کے عوام کے سامنے بجز پیٹ اور روٹی، کپڑے اور مکان کے اور کوئی چیز نہ رہی، انہوں نے خدا کو رسول کو، دین کو، اسلام کو، پاکستان کو، غرض ہر غیرت وحمیت کی چیز کو یک قلم فراموش کر دیا اور اکثریت نے انہی جماعتوں کو ووٹ دیا اور اپنا نمائندہ منتخب کیا جو روٹی اور پیٹ کا مسئلہ حل کرنے کی دعویدار تھیں، خصوصاً مشرقی پاکستان میں تو نہ صرف کالعدم عوامی لیگ کو تقریباً سو فیصد نمائندگی حاصل ہوئی بلکہ اسی چلتے ہوئے فقرہ بلکہ منتر کی بدولت مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور بنگلہ دیش کی تخم ریزی ہوئی، کاش! مشرقی پاکستان کے عوام ان حقیقی استحصال کرنے والے ہندوؤں کو پہچان سکتے جو نہ

صرف پاکستان بننے کے بعد سے بلکہ برطانوی دورِ حکومت سے ہی بنگال کے عوام کا استحصال کرتے اور خون چوستے رہتے ہیں، پاکستان بننے کے بعد بھی انہی ہندوؤں نے مشرقی پاکستان کے عوام کا استحصال کیا ہے، جن کی جھولی میں بنگلہ دیش والے ان کو ڈالنا چاہتے ہیں، اللہ بچائے۔

حالیہ غفلت اور غلط کاری

تقریباً سات لاکھ بے گناہ اور بے قصور فرزندانِ توحید اور بے بس و بے کس مسلمانوں کا خون انتہائی سفاکی کے ساتھ بہانے والوں اور ان کی سرپرستی کرنے والوں کو بیک نوکِ زبان و بیک جنبشِ قلم معاف کر دینا اور خون خوار درندوں کی معافی کا محض حقائق سے ناواقف، دنیا کے دباؤ کی وجہ سے بار بار اور برملا اعلان کرنا اور بحفاظت تمام ان کی واپسی اور دوبارہ آبادکاری کا انتظام کرنا، بالفاظ دیگر ان درندوں کو دوبارہ خون آشامی، قتل وغارت اور شر وفساد کا موقعہ دے دینا یہ کہاں کا عدل وانصاف ہے؟ اور کہاں کا تدبر و سیاست ہے؟ بلکہ یہ تو مظلوموں کے زخموں پر —جن میں مشرقی پاکستان کے غیر بنگالی عوام اور پاکستانی افواج دونوں شامل ہیں— نمک پاشی اور حوصلہ شکنی کے مرادف ہے۔

سب سے بڑی غلطی بلکہ پہاڑ سے بھی زیادہ بڑی اور بھاری حالیہ غلطی یہ ہے کہ ان بدترین مجرموں کے سرغنہ کو بچا کر محفوظ کوٹھیوں اور سرکاری پہروں میں بٹھا دینا، ناز و نعمت میں اس کی پرورش کرنا اور ہر طرح کے آرام اور راحت کے سامان اس کے لئے مہیا کرنا یہ کون سی دیانت اور کون سی سیاست اور کہاں کا عدل وانصاف ہے؟ کیا دنیا کی غیور اور دلیر قومیں ملک کے باغیوں کے ساتھ یہی سلوک کیا کرتی ہیں؟

غرض اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائیں اور ہماری غلطیوں کو محض اپنے فضل وکرم سے معاف فرمائیں اور حبیب رب العالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں کو اپنے حبیب کے صدقے معاف فرمائیں، اسلامی ممالک خصوصاً عربی اور اخص الخصوص ہمارے قابل قدر ملک فیصل کی سعودی حکومت نے اور عقید معمر قذافی کی حکومت لیبیا نے اپنے پاکستانی مسلمان بھائیوں اور اسلامی حکومت سے جس سچی ہمدردی کا ثبوت دیا ہے اس سے اسلامی اخوت ومواساۃ کی قابل تقلید تاریخی مثال قائم کر دی ہے اور تاقیامت اسلامی تاریخ کے صفحات پر سنہرے حروف سے لکھی جائے گی اور مسلمانانِ پاکستان کے قلوب پر یہ انمٹ نقوش قیامت تک قائم رہیں گے، اب دیکھنا یہ ہے کہ سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی اپنے وقار کو قائم رکھنے کی کیا تدابیر اختیار کرتی ہیں اور دنیا کو کیسے باور کراتی ہیں کہ اقوام متحدہ اور اس کی سلامتی کونسل چند اربابِ استبداد اور طاغوتی حکومتوں کے ہاتھوں کا کھلونا نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے، تازہ ترین خبروں سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ سلامتی کونسل دنیا کے امن وسلامتی کی حفاظت کے لئے نہیں بلکہ روس برطانیہ اور فرانس جیسی طاغوتی طاقتوں کے اغراض ومقاصد اور مفادات کی حفاظت کے لئے قائم کی

گئی ہے، شاید روسیاہ روس کی حکومت کی نگاہ میں پاکستان کا سب سے بڑا جرم یہ ہوگا کہ پاکستان نے چین اور امریکہ کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں کچھ خدمات انجام دی ہیں، اس لئے وہ پاکستان سے انتقام لینا ضروری سمجھتا ہے، امریکہ کو ہندوستان کی ضرورت اس لئے تھی کہ چین کے لئے قربانی کا بکرا تیار کیا جائے لیکن جب چین سے امریکہ کو اطمینان ہوگیا تو اس کو اس بکرے کو پالنے کی کیا ضرورت ہے؟ علاوہ ازیں دنیا کی ان دو بڑی حکومتوں کے اتحاد یا قرب سے روس کو اپنی موت نظر آنے لگی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق بننے کا طریقہ

بہرحال یہ تو ظاہر ہے کہ یہ سب شطرنج کا کھیل ہے اور سیاسی شعبدہ بازیاں ہیں "الکفر ملة واحدة"، مسلمان کا کام تو حق تعالیٰ کی طرف انابت ورجوع اور اپنی خطاؤں سے توبہ واستغفار ہے، سابق جنگ عظیم ہی میں دیکھ لیجئے! آخر میں جرمنی کس طرح تنہا رہ گیا اور برطانیہ نے اپنے بدترین دشمن روس کو کس طرح اپنے سینے سے لگا لیا اور اتحادی بنالیا، یہ تو سیاست کے مہرے ہیں، رات دن بدلتے رہتے ہیں، ان میں سے کسی کے لئے بھی بقا اور قرار نہیں ہے، حق تعالیٰ کی ذات ازلی، ابدی اور منبع قدرت وکمالات ازلی ہے، تغیر وتبدل سے بالاتر بلکہ وراء الورا ہے، مسلمانوں کے لئے اب ایک ہی مختصر اور قریبی راستہ رہ گیا ہے کہ حق تعالیٰ کو راضی کرنے کی تدبیر میں لگ جائیں، اسلامی قانون عدل نافذ کرنے کا فوری طور پر اعلان کریں، اسلامی معاشرے کی تکمیل کے لئے حکومت کی سطح پر فواحش ومنکرات اور جرائم کے خلاف جدوجہد جاری کریں اور اپنی بساط کے مطابق آلات حرب اور سامان جنگ کی تیاری میں کوتاہی نہ کریں، صحیح اسلامی زندگی اختیار کریں، غیر اللہ کا خوف دل سے نکال دیں، صرف حق تعالیٰ کی ذات پر کامل توکل واعتماد کریں اور دلوں سے وہن اور جبن کو نکال پھینکیں، موت سے ڈرنا چھوڑ دیں، دنیا کی محبت میں سرشار ہونے کے بجائے اس سے تعلق منقطع کرلیں۔ پھر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں کس کس طرح نازل ہوتی ہیں۔ ہمارے سامنے چین کی زندہ مثال موجود ہے جو قوم اپنی غفلت وبیکاری میں ضرب المثل بن گئی تھی، دنیا اسے افیم چیوں کا ملک کہتی تھی، آج اپنی جدوجہد اور عزم واستقلال کی وجہ سے اور جفاکشی وسخت کوشی اور عظیم ترین ہمت کی بدولت کہاں سے کہاں پہنچ گئی، عقل حیران ہے اس ملک میں راعی ورعیت کا ایک ہی لباس ہے، ایک ہی خوراک ہے، ایک ہی سی معاشرت ہے، عیش پرستی کے تمام راستے بند کردیئے ہیں، نہ تھیٹر ہیں، نہ سینما، نہ عیاشی کے شبینہ کلب ہیں، نہ راتوں کو دادِ عیش دینے کے اجتماعات ہیں، اس جفاکشی وسادہ زندگی کی برکت سے ہی ملک کی ترقی میں تمام توانائی خرچ ہورہی ہے، آج عوامی چین اس زندگی کی بدولت ہی اس مقام پر پہنچ گیا کہ روسیاہ روس اور امریکہ بھی اس کی ترقی سے لرزہ براندام ہیں، کاش! یہ قوم اسلام کے حلقہ بگوش ہوجائے، صرف خدائے لایزال پر ایمان لانے کی کسر باقی ہے ورنہ کلی طور پر حقیقی مسلمانوں کی معاشرت اختیار کرچکی ہے، کاش! مسلمانوں کو چین سے عبرت

حاصل ہوتی اور پاکستانی حکمران اور پاکستانی قوم اس قوم سے درس عبرت حاصل کرتی، مسلمانوں پر من حیث القوم کبھی بھی تاریخ میں فواحش ومنکرات کی زندگی راس نہیں آئی، بلکہ اس کی سزا ضرور ملی ہے، اندلس کی تباہی سے لے کر بخارا وسمرقند کی بربادی اور اس کے بعد تک تاریخ اسلام کے صفحات عبرت کے لئے ہمارے سامنے ہیں۔

مسلمانوں کو غیر اسلامی تعبیرات ونعروں سے بچنا چاہئے

بہرحال پاکستان اس وقت شدید ابتلاء کے دور سے گذر رہا ہے اور ایک سنگدل ومکار دشمن سے برسرِ پیکار ہے، جو ایک خدا کی منکر، باغی وطاغی فرعونی طاقت کا آلہ کار بنا ہوا ہے، ہماری افواج بے نظیر شجاعت وپامردی اور عزم واستقلال کے ساتھ اپنے ملک وملت کی حفاظت میں مصروف ہیں اور صرف اسلامی جہاد کی روح نے ان میں یہ ایثار واخلاص اور بہادری وبے خوفی کے اوصاف پیدا کئے ہیں، اسلامی جہاد کا اساسی منشا اعلاء کلمۃ اللہ ہے اور دنیا کے مذاہب کے مقابلہ پر دین اسلام کی سربلندی وبرتری کو قائم کرنا ہے، اسلام وطنیت، قومیت، جغرافیائی حدود کی اہمیت، رنگ ونسل اور نسلی تفرقوں سے بالاتر ہے، اس سلسلہ میں آج کل ریڈیو اور اخبارات اور اس کے علاوہ عام نشریات میں جو نعرے اور تعبیرات آرہی ہیں سراسر اسلامی روح کے منافی ہیں، وطن مقدس، حب الوطنی ملکی سالمیت وغیرہ وغیرہ الفاظ سب کے سب اسلامی روح سے بعید ہیں، غیر شعوری طور پر ہمارا یہ معاشرہ ان غیر اسلامی نعروں اور تعبیرات میں مبتلا ہوگیا ہے، مسلمانوں کی مملکت اس لئے قابل احترام ہے کہ دین اسلام کے حلقہ بگوش وہاں بستے ہیں، دین اسلام کے شعائر وہاں زندہ ہیں، اللہ ورسول کے بابرکت ناموں سے پورے پاکستان کی فضا معمور ہے، دین اسلام کی خدمت اور اسلامی علوم کی نشر واشاعت کی گراں بہا خدمات انجام پذیر ہیں، ایک مسلمان کی قیمتی جان اور مذہب وہاں محفوظ ہے، اگر آج اسلام کے تصور سے قلوب خالی ہوجائیں، اسلامی شعائر پامال ہونے لگیں اور بحیثیت مسلمان، مسلمان کا دین وایمان اور جان ومال عزت وآبرو وہاں غیر محفوظ ہوجائے تو وہ ملک ووطن مقدس کہلانے کا کبھی بھی مستحق نہیں ہوتا، اس لئے ہمارے اخبارات وجرائد اور ریڈیو ونشریات کو چاہئے کہ وہ اس حقیقت کو کبھی نظر انداز نہ کریں اور ان غیر اسلامی الفاظ، نعروں اور تعبیرات کو یک قلم ختم کردیں، ہمیں صدمہ ہے کہ ہماری ریڈیو کی زبان ایسی ہوگئی ہے جیسے غیر مسلم قوموں کی زبان ہوتی ہے، نہ انشاء اللہ کا ذکر آتا ہے، نہ ماشاء اللہ کا کلمہ زبان سے نکلتا ہے، ہم یوں کریں گے اور ہم ایسے ہیں اور ویسے ہیں وغیرہ وغیرہ، خودسرانہ الفاظ اور نعرے عام ہیں، اس کے علاوہ تلاوت قرآن کریم، اذکار وادعیہ ماثورہ، آیت کریمہ وغیرہ کے بجائے موسیقی کی دھنیں گونج رہی ہیں، کیا کہیں آج اگر ہماری سیرت، ہماری صورت، ہمارا معاشرہ اسلامی ہوتا تو نقشہ ہی کچھ اور ہوتا، خدا کا شکر ہے کہ ہمارے عوام کے دینی مشاغل، تلاوت قرآن کریم، ختم آیت کریمہ، نمازوں میں قنوت نازلہ اور نوافل وصلاۃ حاجت وغیرہ پڑھی جارہی ہیں اسی لئے ان کے حوصلے بلند ہیں، ہماری افواج بھی اسلامی جذبے سے سرشار ہیں،

ان کے نعرہ ہائے تکبیر سے بھی پاکستان کی فضا گونج رہی ہے، غرض ان میں ایسے اوصاف تھے۔ اب ضرورت اس کی ہے کہ قوم کے ادنیٰ اعلیٰ تمام طبقوں میں اسلامی روح کی تربیت کی جائے اور اس کو فنا نہ ہونے دیا جائے۔ گذشتہ ۶۵ء میں جس طرح حق تعالیٰ کی رحمت نازل ہوئی وہ بھی دنیا دیکھ چکی ہے اور اس کے بعد جس طرح اس روح کو کچلنے کی کوشش کی گئی وہ بھی سب کو معلوم ہے۔ ''عیاں راچہ بیاں''

جہاد سے متعلق حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے چند ملفوظات

یہاں تک لکھ چکا تھا کہ میرے سامنے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کے چند ملفوظات آئے، جو حضرت نے ۳۳ رسال قبل لکھنؤ کے قیام کے دوران جہاد کے متعلق ارشاد فرمائے تھے اور بعض مخلصین نے بتقاضائے وقت نفع امت کے خیال سے شائع کئے ہیں، بطور تبرک ان مبارک ملفوظات کو بینات کے بصائر وعبر کا جزو بنانا بہت ہی برمحل معلوم ہوا اور اللہ تعالیٰ توفیق نصیب فرمائے۔ فرمایا:

''آج کل لوگوں پر مادہ پرستی کا غلبہ ہے، مادی ہی ترقی کو ترقی سمجھا جاتا ہے، چنانچہ مادی اشیاء پر بہت زور دیا جاتا ہے اور ان پر ناز کیا جاتا ہے، لڑائی میں مادی ہتھیار اور سامان جنگ کو نصرت کا سبب خیال کیا جاتا ہے، مالک حقیقی رب العالمین پر نظر نہیں کی جاتی، دیکھئے! ابتدائے اسلام میں جتنے جہاد ہوئے، ان میں عموماً کفار کے پاس ہر قسم کے ہتھیار کافی تعداد میں موجود تھے اور مسلمان ان کے لحاظ سے بالکل بے سروسامان اور تہی دست کہے جانے کے مستحق تھے، غزوہ بدر میں اسلامی لشکر کے پاس تلواریں صرف آٹھ تھیں، گو نیزے وغیرہ اتنے کم نہ تھے اور جنگ دست بدست ہوئی، جس میں تلوار زیادہ کارآمد ہوتی ہے، اس پر طرہ یہ کہ کفار تعداد میں بھی مسلمانوں سے تین گنے تھے اور سب کے سب ہتھیار بند، باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو منصور ومظفر فرمایا، کامیابی وفتح مندی نے ان کے قدم چومے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ سب غزوات میں کامیاب غزوہ بدر ہی کا ہے کیونکہ اس سے کفار کے حوصلے ہمیشہ کے لئے پست ہو گئے تھے اور ان کی سطوت وشوکت ٹوٹ گئی تھی، تو اب غور کیجئے کیا یہ نصرت مادی ترقی کا نتیجہ تھی یا ایمان واخلاص کی برکت تھی''۔

اسی سلسلہ میں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی بھی فوج ہے (یعنی فرشتے) جس کو نہ گھوڑوں کی حاجت ہوتی ہے، نہ اسلحہ کی ضرورت، نہ رسد کی محتاج ہوتی ہے، نہ کمک کی منتظر، اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں اس فوج ظفر موج کے ذریعہ سے مسلمانوں کی نصرت فرما کر ظفر مندی کا تاج ان کے سر پر رکھ دیتے ہیں اور اس فوج کے ذریعہ سے نصرت اب بھی ہوتی ہے اور بہت مرتبہ اس کا ظہور ہوا ہے، ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا کہ لاکھ سے زیادہ تعداد میں ہندوؤں نے ضلع اعظم گڑھ میں مٹھی بھر مسلمانوں پر حملہ کر دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس ناگہانی معرکہ میں مسلمانوں کو خاطر خواہ کامیابی عطا فرمائی تھی، بعض لوگوں نے بیان کیا کہ مقابلہ کے وقت جہاں تک نظر جاتی تھی سبز پوش مسلح

مسلمان ہی نظر آتے تھے، یہ سبز پوش لوگ غالباً فرشتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ملائکہ کی جماعت کو اپنے خاص بندوں کی حفاظت کے لئے بھیجا اور ان کو صرف کفار پر ظاہر کردیا مسلمانوں سے پوشیدہ رکھا، تاکہ وہ پوری ہمت سے جدوجہد کو جاری رکھیں اور ان کی شانِ توکل میں کمی نہ آنے پائے اور پھر آخرت میں اجرِ جزیل حاصل کریں اسی سلسلہ میں فرمایا نزول ملائکہ کا مدار تقویٰ پر ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَ يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ﴾ [آل عمران:۱۲۵]

یعنی اگر تم اے مسلمانو! کفار کے مقابلہ میں استقلال سے کام لوگے اور متقی بنے رہوگے اور وہ تم پر ایک دم ٹوٹ پڑیں گے تو تمہارا پروردگار تمہاری امداد پانچ ہزار خاص وضع کے فرشتوں سے فرمائے گا۔

آج کل لوگوں نے تقویٰ کو بیکار سمجھ رکھا ہے اور کہتے ہیں کہ تقویٰ اور فتح میں کیا مناسبت؟''

تقویٰ فتح وکامرانی کا ذریعہ ہے

فرمایا: ''اس زمانہ کے نوتعلیم یافتہ لوگ کہتے ہیں کہ دین کو ظاہری ترقی سے کیا تعلق ہے، گویا بالفاظ دیگر دین کی پابندی کو دنیاوی ترقیات میں حائل سمجھتے ہیں، ان لوگوں کی اس بے سروپا بات پر مجھ کو یہ واقعہ یاد آجاتا ہے کہ:

ایک طبیب نے بادشاہ کو امراض چشم کے لئے کف پا میں مہندی لگانے کو بتایا اس پر خواجہ سرا صاحب سے صبر نہ ہوسکا اور ناقدانہ انداز میں بولے کہ جناب حکیم صاحب کف پا اور چشم میں کیا تعلق ہے؟ طبیب نے فوراً منہ توڑ جواب دیا کہ کف پا اور چشم میں وہی تعلق ہے جو خصیتین اور ڈاڑھی میں ہے، یعنی یہ تو تجھے بھی تسلیم بلکہ مشاہدہ ہے کہ اگر خصیے نکال دیئے جائیں تو داڑھی نہیں نکلتی ہے اور اس تعلق کو تو کھلی آنکھوں اپنی ہی ذات میں دیکھ رہا ہے، تو کف پا وچشم کے تعلق پر کیوں اعتراض وتعجب ہے؟ تو جیسے خواجہ سرا صاحب کی سمجھ میں کف پا وچشم کا تعلق نہیں آیا تھا ایسے ہی ہمارے جدید تعلیم یافتہ نوجوان کی سمجھ میں دین اور ترقی کا تعلق سمجھ میں نہیں آتا، حالانکہ یہ تعلق اس تعلق سے بہت زیادہ ظاہر ہے، صدیوں تک مسلمانوں نے ہی نہیں بلکہ کفار نے بھی مشاہدہ کیا ہے کہ دین کی پابندی نے مسلمانوں پر ہر قسم کی ترقیات کے دروازے کھول دیئے ہیں، ادھر مسلمانوں نے دین کی پابندی چھوڑنا شروع کردی ادھر ترقی نے مسلمانوں کا ساتھ دینا چھوڑ دیا''۔

فرمایا: ''جو لوگ صرف ظاہری ساز وسامان پر نظر رکھتے ہیں اور کامیابی کا راز اسی میں پوشیدہ جانتے ہیں ان کو غور کرنا چاہئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس کون سا لاؤ لشکر اور ساز وسامان تھا اور فرعون جیسے متکبر وعظیم الشان بادشاہ کے پاس کس شے کی کمی تھی؟ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کارساز حقیقی پر توکل کرکے اس کے ارشاد کے ماتحت فرعون سے مقابلہ کرنے جاتے ہیں اور اپنے ساتھ صرف اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو لے لیتے ہیں اور

ان کو بھی اس خیال سے ساتھ لیتے ہیں کہ وہ فصیح البیان ہیں، اچھی شستہ تقریر کریں گے اور میری تائید و تصدیق کریں گے کیونکہ تائید سے دل بڑھتا ہے۔

غرض حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے مقابلہ کے لئے تنہا تیار ہو گئے، صرف تائید کے لئے حضرت ہارون علیہ السلام کو ساتھ لے کر اس کے بھرے اور پرشوکت دربار میں پہنچ گئے اور خوب کڑک کر اور بلا جھجک کر گفتگو فرمائی، فرعون کی ہمت نہیں ہوئی کہ ان کو قتل کرا دے یا گرفتار کرا دے یا اور کوئی مقدمہ قائم کرا دے۔ صرف زبانی گفتگو میں اتنا ضرور کہا:

﴿ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴾ [بنی اسرائیل:۱۰۱]

یعنی اے موسیٰ! میرے خیال میں تو ضرور تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا:

﴿ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴾ [بنی اسرائیل:۱۰۲]

یعنی اے فرعون میرے خیال میں ضرور تیری کم بختی کے دن آ گئے ہیں۔

مگر باوجود اس جواب کے بھی فرعون کو اقدام قتل کی ہمت نہ ہوئی اور کیسے ہوتی اللہ کا وعدہ تھا:

﴿ وَ نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَاناً فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا بِاٰيٰتِنَا اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴾

[القصص:۳۵]

یعنی اے موسیٰ و ہارون علیہما السلام! ہم تم دونوں کو ایک خاص شوکت عطا کرتے ہیں جس سے تم پر ان لوگوں کو دسترس نہ ہوگی، ہمارے معجزے لے کر جاؤ تم دونوں اور تمہارے پیرو غالب رہیں گے۔

اب غور کیجئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں یہ قوت و شجاعت، یہ ہمت و جرأت، یہ سطوت کس مادی سامان کی وجہ سے تھی، ان کے پاس توپ و تفنگ نہ تھی، ہوائی جہاز اور تباہ کن گیس نہ تھے، یہ قوت صرف حقانیت اور تعلق مع اللہ کی تھی، یہ تقویٰ، بجا آوری احکام خداوندی کا ثمرہ تھا۔

فرعون کی تدابیر، لڑکوں کا قتل وغیرہ سب بیکار ثابت ہوئیں، جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں سے فرعونی حکومت کے تباہی کے سامان بہم ہوں تو فرعون کی ظاہری قوتیں کیا کام کر سکتی تھیں۔

اسی طرح تقویٰ سے اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہوتا ہے اور سب مادی و طاغوتی طاقتیں حق تعالیٰ کے سامنے پاش پاش ہو جاتی ہیں، تقویٰ کی وجہ سے ہر قسم کی فلاح بندہ کو نصیب ہوتی ہے، قوت کی اصل روح تعلق مع اللہ ہی ہے، دیکھئے اگر ضلع کا کلکٹر کسی کا حامی و مددگار ہو تو وہ کس قدر بے خوف اور جری ہو جاتا ہے اور اگر کمشنر سے بھی تعلق ہو تو قوت میں بھی وہ چند سہ چند اضافہ ہو جاتا ہے، گورنر، وائسرائے اور بادشاہ کے تعلقات کو اسی پر قیاس کر لیجئے اور جس کا تعلق رب العالمین، احکم الحاکمین، سلطان السلاطین سے ہو اس کی طاقت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے، اب

صرف یہ بات رہ گئی کہ تعلق مع اللہ کیسے حاصل ہو، سنئے! تعلق مع اللہ، اللہ تعالیٰ کے ظاہری و باطنی احکام پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

ہزیمت

یہ جو کچھ لکھا گیا تھا پریس کو جا رہا تھا کہ دردناک خبر کانوں میں پڑی کہ مشرقی پاکستان میں ہماری بہادر افواج کو ہتھیار ڈالنے کا حکم دیا گیا ہے اور دوسرے ہی دن مغربی محاذ پر بھی فائر بندی کا حکم دے دیا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نااہل قیادت کے ناقابل برداشت عواقب نے اسلام و مسلمانوں کو رسوا کر دیا، آئندہ شمارے میں اس حسرت ناک موضوع پر اظہار خیال کیا جائے گا:

اذا کان الغراب دلیل قوم
سیهدیهم طریق الهالکینا

پہلے سات لاکھ کا مرثیہ لکھا اب سات کروڑ کا مرثیہ لکھنا ہوگا۔

[ذی القعدہ ۱۳۹۱ھ - جنوری ۱۹۷۲ء]

سقوط مشرقی پاکستان

﴿هٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ [الاعراف:٢٠٣]

اس کارخانہ قدرت کی حکمتوں کو کون ہے جو سمجھنے کا دعویٰ کرے، بجز اس ذات حکیم علی الاطلاق کے کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ یہ کائنات رازہائے سربستہ کا ایک حیرت انگیز گنجینہ ہے، جس کے افشاء سے آسمان بریں کے ملائکہ اور فرش زمین کے انبیاء کرام سب ہی عاجز ہیں -علیهم صلوات الله وسلامه- یہ وہ مقام ہے جہاں افلاطون وارسطو بھی طفل مکتب ہیں، یہ وہ مقام ہے جہاں آئن، سائن، رسل، ہنری، برگسان کی زبان بھی خاموش ہے، حق تعالیٰ شانہ کا ہر وصف ازلی محیر العقول ہے، حق تعالیٰ کی صفات کمال اور اسماء حسنیٰ میں ایک وصف ''صمدیت'' ہے، جو حق تعالیٰ کی شان بے نیازی کو ظاہر کرتی ہے، وہ بادشاہ ہے مالک الملک ہے جو چاہے کرے کسی کو مجال سوال نہیں، اس کے جلال وعظمت کے سامنے سب سربسجود ہیں اور تمام مخلوقات سرنگوں ہے، قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾[آل عمران:٢٦]

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہیں: یا اللہ مالک سلطنت کے، تو سلطنت دے جس کو چاہے اور سلطنت

چھین لے جس سے چاہے اور عزت دے جس کو چاہے اور ذلیل کرے جس کو چاہے، تیرے ہاتھ ہے سب خوبی، بلاشبہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

شیخ فریدالدین عطار رحمہ اللہ نے ''منطق الطیر'' میں تفصیل کے ساتھ اور پند نامے میں اجمال کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ کی کبریائی اور بے نیازی کا انتہائی مؤثر نقشہ کھینچا ہے، حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے اولوالعزم رسول وپیغمبر بھی حکیم مطلق کی حکمتوں کے سمجھنے سے قاصر رہے اور حضرت خضر علیہ السلام کے تکوینی عجائبات قدرت دیکھنے کی تاب نہ لاسکے اور جلد ہی جدائی اختیار کرلی، لیکن ہم سمجھیں یا نہ سمجھیں اتنا ہر ایک مسلمان ضرور سمجھتا ہے اور اس کا عقیدہ وایمان ہے کہ حق تعالیٰ عادل ہے، قائما بالقسط ہے، کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا، جو کچھ مصائب وآلام آتے ہیں انسانی اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں، یہ دنیا بھی چھوٹا دارالمکافاۃ اور دارالجزاء ہے، پوری جزاوسزا تو آخرت وقیامت کی خصوصیت ہے، البتہ تنبیہ وتہدید کے طور پر دنیا میں بھی اعمال کی کسی نہ کسی قدر جزاء یا سزا مل جاتی ہے۔

عصر حاضر کا سب سے بڑا المیہ

آج کا ہمارا سب سے جانکاہ حادثہ مشرقی پاکستان کا سقوط اور مغربی پاکستان کا مجروح ہونا ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ عصر حاضر کی تاریخ کا یہ سب سے بڑا المیہ ہے، سلطنت عثمانیہ کے زوال کے بعد ایشیا کا سب سے بڑا حادثہ ہے، مسلمانوں کی ایک عظیم مملکت جس کی آبادی ۱۲ ر کروڑ تھی اور اس میں تمام عالم اسلام کی قیادت کی صلاحیت تھی چند دنوں میں یکایک ۵ ر کروڑ کی ہوگئی اور اتنی کمزور کہ اس کو اپنی حفاظت بھی مشکل ہوگئی ہے، مسلمانوں کی ایک عظیم ترین صالح قوم ایک سفاک، بے رحم، ہندو جیسی رسوائے عالم طاقت کے اقتدار میں آگئی، ہماری ہزاروں مسجدیں، ہزاروں مدرسے اور خانقاہیں اور سینکڑوں ادارے اور جمعیتیں وحشی درندوں کے ہاتھوں برباد ہوگئیں، ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں جانیں بدترین بربریت کی شکار ہوگئیں، ہزاروں ناموس لٹ گئے، ہزاروں مسلمانوں کی معصوم عورتیں درندوں اور بہائم کے ہاتھ آگئیں، ایک لاکھ کے قریب قابل فخر نوجوان مجاہدین ایک ذلیل قوم کے ہاتھ جنگی قیدی بن کر طرح طرح کے روح فرسا آلام کے شکار ہورہے ہیں، ہماری اربوں کی جائیداد اور فیکٹریاں، ملیں، کارخانے، ہندو قوم کے ہاتھ آگئے، ہمارا کروڑوں اربوں روپے کا اسلحہ، ٹینک، توپیں اور گولہ بارود اور راشن کفار کے ہاتھوں میں چلے گئے، اور ہماری جان باز وجان نثار، بے نظیر بہادر فوج ایسی حالت میں ہے کہ زخموں سے کراہ رہی ہے اور دنیا کی کوئی قوم ان کی مرہم پٹی کرنے سے بھی عاجز ہے اور ہم ریڈیو اور ٹی وی پر اپیل کرتے کرتے تھک گئے، لیکن ''صدائے برنخاست'' کسی کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی، وہ دردناک اور حسرت ناک ذلت نصیب ہوئی ہے جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، کہاں تک مرثیہ خوانی کی

جائے، ''عیاں راچہ بیان'' تمام حالات سامنے ہیں، اگر وحی آسمانی کا سلسلہ بند نہ ہوتا اور نبوت ختم نہ ہوتی اور قرآن نازل ہوتا تو عبرت کی یہ داستان بھی ضرور سنتے کہ یہ کیوں اور کیسے ہوا؟ اصل حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے لیکن انسانیت کی جو تاریخ ہمارے سامنے ہے، وحی ربانی کے جو عبرت انگیز حقائق روزانہ پڑھتے ہیں قوموں کے عروج وزوال کی بصیرت افروز عبرتناک جو داستانیں قرآن کریم نے نہایت مؤثر پیرائے میں بار بار بیان فرمائی ہیں ان کی روشنی میں جو کچھ ایک مسلمان سمجھ سکتا ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

سقوط مشرقی پاکستان کے اسباب

① سلطنت مغلیہ کے زوال اور برطانیہ کے تسلط کے بعد متحدہ ہندوستان میں اسلامی سلطنت سے محرومی کے بعد خصوصاً ۵۷ء عیسوی کی جنگ آزادی کے بعد تدبیریں اور کوششیں شروع ہوئیں، ہندوستان کے باشندے بھی کوششوں میں مصروف ہوئے اور برسر اقتدار طاقت نے بھی ان کو کمزور کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی، آخر میں متحدہ ہندوستان میں کانگریس اور لیگ کی بنیاد پڑ گئی اور ہندو مسلم تعلقات کی شدید ناہمواری کی وجہ سے پاکستان کا مطالبہ کیا گیا، برسر اقتدار طاقت دوسری جنگ عظیم کی تباہ کاریوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہو رہی تھی، بہ مجبوری یہ سونے کی چڑیا ہاتھ سے نکالنی پڑی تو انگلستان کی پوری طاقت برطانیہ کی حفاظت میں لگا دی گئی، خود مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے جہاں مختلف وسائل برطانیہ نے اختیار کئے تھے وہاں ان کو مرتد کافر بنانے میں بھی کوئی کسر باقی نہ اٹھا رکھی، اس مقصد کے لئے مرزائیت کا پودہ پہلے ہی کاشت کر چکے تھے اور رفض وتشیع کو بھی پروان چڑھا چکے تھے۔

② ملک کی تقسیم کی بنیاد صوبائی اکثریت پر رکھی گئی تھی لیکن جاتے جاتے بدخواہ برطانوی اقتدار نے ایک اور شوشہ چھوڑا، ضلعوں میں ہندو مسلم تناسب سے صوبوں کی تقسیم کرا دی، بنگال سے مغربی بنگال علیحدہ کر دیا اور پنجاب سے مشرقی پنجاب الگ کر دیا اور اس طرح ایک مستقل شقاق وافتراق کی بنیاد ڈال دی۔

③ مسلم لیگ نے اس ظلم کو برداشت کر لیا اور اس پر ڈٹ کر مقابلہ نہیں کیا، کچھ بھی قربانی نہیں دی ورنہ یہ غیر معقول صورت حال وقوع میں نہ آتی۔

④ جب بنگال و پنجاب کی تقسیم کی ٹھہری تو پھر بہت بہتر تھا کہ مشرقی بنگال کو چھوڑ کر مشرقی پنجاب لینے پر زور دیتی، بعض ارباب سیاست نے نواب اسمٰعیل خاں صاحب کو سمجھایا بھی کہ ارباب لیگ اس کو تسلیم کر لیں، لیکن صد افسوس کہ ایسا نہیں کیا۔

⑤ پھر تقسیم پنجاب اور بنگال کی حدود قائم کرتے وقت بونڈری کمیشن نے انتہائی ظلم کیا اور ہندوؤں کی کھلی طرف داری کی، ارباب لیگ نے جانتے ہوئے بھی اس کو بھی برداشت کر لیا۔

⑥ ریاست کشمیر کو تدبیر کے ساتھ اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے، اس کے بجائے قبائلی حضرات کو ترغیب جہاد کے نام سے کھڑا کیا، غیر تربیت یافتہ، غیر سنجیدہ افراد کے کارناموں نے اسلام اور مسلمانوں کی آبرو کو خاک میں ملا دیا، جب پاکستان سے احتجاج کیا گیا تو پاکستان نے اپنی لاعلمی اور برأت کا اظہار کیا، کشمیر کی ہندو حکومت نے ہندوستان سے امداد طلب کی اور الحاق کے شرط پر آمادہ ہوگئی، کشمیر نے ہندوستان سے الحاق کرلیا، اب ہندوستان فوج نے ہوائی فوج اور توپوں اور ٹینکوں کی فوج سے حملہ آوروں کا مقابلہ کیا، پاکستان نے برأت کا اظہار پہلے ہی کر دیا تھا، بندوقوں اور رائفلوں سے طیاروں کا مقابلہ ناممکن تھا، ادھر پاکستانی افواج کو جو امداد کرنی چاہئے تھی وہ نہ کر سکیں، آخر کشمیر کو ہندو کے قبضے میں دے دیا، ہندوؤں نے پٹھان کوٹ کے راستہ سڑک نکال کر قبضہ مستحکم کرلیا اور بھارت کا جزو بنالیا۔

⑦ بنگال کی اسلامی تربیت کے بجائے غیر اسلامی تربیت کی کوشش کی گئی، عریانی اور فواحش، رقص وسرود کی ترویج میں انتہائی کوشش صرف کی گئی، ہندو نصاب اسکولوں کالجوں میں پڑھایا گیا، ۹۰ رفیصد ہندو ٹیچرز تھے، تعلیم کے راستہ سے بنگلہ دیش کی تخم ریزی کی گئی۔

⑧ بنگلہ دیش کی جڑیں مستحکم ہوگئیں، غیر بنگالی مسلمانوں کو جن کی صحیح تعداد ۷ رلاکھ بتلائی جاتی ہے، انتہائی سفاکی اور درندگی کا ایسا نشانہ بنایا گیا کہ چنگیزی مظالم کی داستان بھی اس کے سامنے ماند پڑ گئی اور عوامی لیگ برسر اقتدار آ گئی جس کا نعرہ بنگلہ دیش تھا اور مجیب کے ۶ رنکات پر اس کا مدار تھا۔

⑨ مجیب ویحییٰ کی گفتگو میں تمام باتیں طے ہوگئی تھیں، صرف دفاع اور باہر کی کرنسی کا مسئلہ طے نہ ہو سکا تھا جب کہ ہمارے ہوائی، بحری، بری راستے ہندوستان کے قبضہ میں جا چکے تھے اور مستقل مقابلہ ہمارے لئے بے حد مشکل تھا، عواقب پر غور کر کے کتنا بہتر ہوتا کہ ان کو اختیارات سونپ دیتے اور متحدہ پاکستان سے رابطہ رہتا تو یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا۔

⑩ مارشل لاء کی حکومتیں یکے بعد دیگرے قائم ہوتی رہیں، عوام کی نمائندہ حکومت قائم نہیں کی گئی، اس طرح فوجی ذہن سے معاملات سلجھانے کی کوشش کی گئی، اس پر مستزاد یہ کہ غالباً اعداء اسلام کا آلہ کار بن کر تاریخی غداری جو اس قوم کا پیشہ تھا اس کو بروئے کار لاکر اسلام کے وقار کو تباہ وبرباد کیا گیا، مسلمانوں کو قعر مذلت میں دفن کر دیا گیا، پاکستان کو لنگڑا لولا بنا کر دشمنان اسلام کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا اور رونے کی بات یہ ہے کہ یہ جن دشمن اسلام طاقتوں نے یہ سب کچھ کرایا صبح وشام ریڈیو واخبارات میں ان کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے، مدحیہ قصیدے پڑھے جاتے ہیں۔

اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی سزا

یہ دس نکات ہیں جو پاکستان کی تباہی میں مؤثر ہیں اور ان سب باتوں کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ پاکستان کا مطالبہ اس لئے کیا گیا تھا یا عوام کو یہ سمجھایا گیا تھا کہ حق تعالیٰ کے قانون کی بالادستی ہوگی، اسلامی قانون نافذ ہوگا، کتاب وسنت پر دستور وآئین بنایا جائے گا، اسلامی اخوت واسلامی عدل کا مظاہرہ ہوگیا اور اسلامی سایہ معدلت ورحمت میں مسلمان قوم اطمینان کا سانس لے گی، حق تعالیٰ نے قرآن میں صاف صاف اعلان فرمادیا ہے کہ اسلامی حکمرانوں کو اقتدار حاصل کرنے کے بعد اقامت صلاۃ، ایتاء زکاۃ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کا منصب سپرد ہوتا ہے اور آخر میں فرمایا گیا: ولله عاقبة الامور (١) کہ آخر کار انجام حق تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے، یعنی اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر ان فرائض منصبی میں کوتاہی کریں گے تو یہ نعمت ان سے چھین لی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے پاکستان کی نعمت عطا فرمائی لیکن جو کچھ اس نعمت کا شکر یہ ادا کیا وہ ظاہر ہے، درمیان میں ٦٥ء میں حق تعالیٰ نے دوبارہ پاکستان کو نشاۃ ثانیہ عطا فرمائی، لیکن پھر ہم کو تنبہ نہیں ہوا، مزید تباہی وبربادی میں منہمک ہوگئے، آخر ایک بڑا حصہ چھین لیا گیا اور ایک حصہ جو باقی ہے اگر آج اس پر اسلامی حکومت قائم نہیں ہوتی تو خاکم بدہن ایک ہی دھکے میں باقی ماندہ حصہ بھی حصے بخرے کر کے لے لیا جائے گا، جس کا نقشہ اعدائے اسلام نے تیار کرلیا ہے اور رہا سہا کچھ تھوڑا سا ٹکڑا بچا یا بھی گیا تو اس میں انہی اعداء اسلام کی کٹھ پتلی حکومت قائم کی جائے گی اور اسلام کے اساسی مسائل ختم نبوت، جہاد، حج وغیرہ وغیرہ سب کے سب ختم کر دیئے جائیں گے اور جدید اسلام کا ایڈیشن تیار کیا جائے گا، بشرطیکہ خارجی سیاسی مصلحت کا تقاضا برائے نام ایک اسلامی ریاست قائم رکھنے کا ہوا، ورنہ ظاہر ہے، بہر حال اب کہنا یہ ہے کہ موجود حکومت کا دعویٰ ہے کہ یہ عوامی حکومت ہے اور سابقہ حکومتیں مارشل لاء کی حکومتیں تھیں، فوجی طاقت سے تمام کام انجام پذیر ہوتے رہے، اب عوام کی مرضی کی حکومت قائم ہوئی ہے اور عوم کے نمائندہ حکومت پاکستان میں پہلی مرتبہ وجود میں آئی ہے، اب اس دعوی کی تصدیق کا وقت آ گیا اور امتحان کی کسوٹی پر پرکھنے کا وقت آ گیا ہے۔

تمام اسلامی جماعتیں سیاسی یا غیر سیاسی کتاب وسنت پر متفق ہیں اور تمام عوام کا مطالبہ بھی یہی ہے اس لئے اب حکومت کا فرض ہے کہ وہ جلد سے جلد نمائندہ اسمبلی کے ذریعہ اسلامی آئین کتاب وسنت کی روشنی میں تیار کرائیں اور اپنی مرضی کا آئین قوم پر مسلط نہ کریں، پاکستان کی بنیاد اسلام ہے اور اسلام کی بنیاد کتاب وسنت پر ہے، اس لئے بغیر کسی قسم کے چوں وچرا کے جلد سے جلد اس اسلامی عوامی مطالبے کو پورا کر دیا جائے اور اس طرح

---

(١) ﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰ تَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾[الحج:٤١]

سابقہ دعویٰ کی تصدیق مہیا کی جائے اس طرح تمام سابقہ حکومتوں کی بے راہ روی کا تدارک بھی ہو جائے گا اور حکومت کو عملی توبہ کا موقع بھی مل جائے گا اور قوم کی دیرینہ آرزو بھی پوری ہو جائے گی اور پاکستان کے وجود کا اصلی منشاء بھی پورا ہو جائے گا اور کچھ بعید نہیں کہ اسلامی آئین اور اسلامی زندگی کی برکات بھی نازل ہوں اور جو تباہی و بربادی ہوگئی اس کی مکافات ہو جائے اور پھر ہم وہاں پہنچ جائیں جہاں تھے، ورنہ ہنود و یہود کی سازشیں تمام دنیائے اسلام کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈال کر رہیں گی۔

حکومت وقت سے التجا

خدارا! اس قوم اور اس ملک پر رحم کرو، جتنی تباہی و بربادی آچکی ہے اور یہ روز بد دیکھنا پڑا ہے اس سے بچنے کی مؤثر تدبیریں اختیار کرو، اسباب کی فراہمی میں کوتاہی نہ کرو، حق تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کرو، اعداء اسلام سے خیر کی توقع نہ رکھو، اقتدار کی کرسی تمہیں مبارک ہو ہمیں اپنی بوریہ نشینی پر فخر ہے، پاکستان کو صحیح پاکستان اسم بامسمیٰ بنانے کی کوشش کرو، عوام کو مطمئن کرو، دین و دنیا دونوں کی وجاہت حاصل کرو اور سابقہ سربراہوں سکندر مرزا سے لے کر یحییٰ تک کا جو انجام ہوا اس سے عبرت حاصل کرو۔

ان فی قصصهم عبرة لاولی الالباب

[ذوالحجہ ۱۳۹۱ھ/فروری ۱۹۷۲ء]

اخبارات و جرائد و صحافت اور قوم و ملت

موجودہ دور دینی اور اخلاقی ہر اعتبار سے انتہائی پُرآشوب دور ہے، اعتقادی، عملی اور اخلاقی نو بنو فتنوں کا ہجوم ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قلوب سے خوف خدا ختم ہو گیا، آخرت کا تصور نکل گیا ہے، اب محاسبۂ اعمال اور مسئولیت آخرت کا عقیدہ مسلمانوں میں برائے نام رہ گیا ہے، مال کی فروانی، دولت کی طغیانی اور زیادہ سے زیادہ کسب دولت کے جنون نے حلال و حرام کی تمیز بالکل ختم کر دی ہے، اہل حق اور اہل علم کے قلوب میں بھی فتنوں کی کثرت نے حسد و رقابت اور حب جاہ و وجاہت کے گوناگوں امراض پیدا کر دیئے ہیں، الا ماشاء اللہ:

چو گل بسیار شد پیلان بلغزند

اخلاص عنقا ہوتا جا رہا ہے مادی اغراض کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔

ان فتنوں میں آج کل سب سے بڑا فتنہ اخبارات و جرائد اور صحافت کا فتنہ ہے، معاشرے کی تباہی و بربادی میں اس کا بہت بڑا حصہ ہے، ریڈیو ٹیلیویژن، نائٹ کلبوں اور رقص و سرود کی محفلوں سے زیادہ معاشرے کو یہ صحافت برباد کر رہی ہے، اور مصیبت یہ ہے کہ اخبارات کو موجودہ تمدن میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہوگئی، اگر اسی کی اصلاح ہو جاتی تو معاشرے کی اصلاح کا مؤثر راستہ کھل جاتا، لیکن کیا کہا جائے یہی صحافت آج معاشرہ

کی تباہی و بربادی کا ذریعہ بن رہی ہے، آج کل اہل حق کے درمیان بھی جو خلیج زیادہ سے زیادہ وسیع ہوتی جارہی ہے اس کا منشاء بھی یہی صحافت ہے، اسی لئے حدیث نبوی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام میں قیامت کی علامات میں سے ایک علامت یہ بیان کی گئی ہے: "و یفشو الکذب(۱)" جھوٹ خوب عام ہو جائے گا، آج سیاسی پلیٹ فارم، ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ اس جھوٹ کے عموم کے وہ حیرت انگیز مظاہر سامنے آرہے ہیں کہ عقل حیران ہے، پھر آن کی آن میں تمام عالم کے گوشے گوشے میں یہ جھوٹ پہنچ جاتا ہے، کچھ پہلے تک تو اسٹیج ہی اس جھوٹ کا منبر تھا لیکن آج کل پریس کانفرنسوں کی جو عام وبا پھیل گئی ہے اس نے تو اس صحافتی جھوٹ کو انتہا تک پہنچا دیا اور جو کچھ کسر باقی رہ گئی تھی وہ اخبارات و جرائد و مجلات کے نمائندگان کے انٹرویوں نے پوری کردی ایسے ہی مواقع کے لئے وحی آسمانی کی ہدایت ہے:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَاءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْماً بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِیْنَ﴾ [الحجرات:٦]

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق (دروغ گو) تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اچھی طرح چھان بین کرلیا کرو کہیں تم کسی جماعت کو نادانی میں کوئی نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کئے پر نادم ہونا پڑے۔

آج بیشتر اختلافات و مشاجرات اور فساد ذات البین (باہمی تعلقات کی تباہی) کا اصلی سبب اس قرآنی ہدایت سے غفلت و اعراض ہی بنا ہوا ہے۔

منشور جمعیۃ علماء اسلام اور لیبر یونین

مقام مسرت ہے کہ جمعیت علماء اسلام کے منشور کو جس کا خلاصہ اور بنیادی نکات کا ذکر سابقہ شمارہ بینات میں آ گیا تھا لیبر پارٹی کے کنویز نے قبول کرلیا اور ان کے اجلاس شوریٰ نے اس کی توثیق کردی ہے اور کہا ہے کہ:

''جمعیت علماء اسلام کے منشور کو ہماری مجلس شوریٰ نے پسند کیا ہے بلکہ اس سے اتفاق کیا ہے''۔

لیکن ضرورت ہے کہ اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ اعلان کیا جائے کہ علماء کی رہنمائی میں ہم اسی منشور پر عمل کریں گے اور اس کے علاوہ اور کوئی منشور پیش ہی نہیں کریں گے، اگر یہ صراحت ہو جائے تو تمام خطرات و وساوس کے راستے بند ہو جائیں گے اور تہمت و بدگمانی کا سلسلہ ختم ہو جائے گا، بہر حال اہل حق کے اختلاف نے جو پریشان کن صورت اختیار کر رکھی ہے وہ اب ختم ہو جانی چاہیے، بادل ناخواستہ دو تین شماروں میں اس موضوع پر کچھ کہنا پڑا جس کا منشا یہ تھا کہ جن چند اصحاب پر محاکمہ (ثالثی) کا بار ڈالا گیا تھا اور ایک معاہدہ ہو گیا

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب الفتن عن رسول الله صلی الله علیه وسلم، باب فی لزوم الجماعة، ج:۲ ص:۳۹، ط: فاروقی کتب خانه

تھا ان میں راقم الحروف بھی شامل تھا، اگرچہ آج کل زمانہ معاہدات کے احترام کا نہیں اور خدا ناشناس ارباب اقتدار تو اس پر فخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ معاہدات توڑنے کے لئے تو ہوتے ہی ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ یہ غیر اسلامی نظر یہ ہے، اسلام تو ایفاء عقود و ایفاء عہود کی پُرزور دعوت دیتا ہے، اسلام ہی وہ آسمانی دین ہے جو سب سے زیادہ معاہدات کا احترام کرتا ہے، اسلام تو کفار اور اعداء اسلام کے ساتھ کئے ہوئے معاہدات کا بھی احترام کرتا ہے اور اتمامِ عہود کا حکم دیتا ہے، کون نہیں جانتا کہ قرآن حکیم نے ایفاءِ عہود پر کتنا زور دیا ہے اور احادیث نبویہ میں عہد شکنی منافقین کی امتیازی عادت بتلائی گئی ہے، بہر حال آج ہم اس موضوع کو ان اشارات پر ختم کرتے ہیں، حق تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ علماء امت متحد ہو کر تمام باطل ازموں کے خلاف متفقہ آواز اٹھائیں، خواہ وہ سوشلزم ہو یا کمیو نزم ہو، کیپٹل ازم ہو اور یہ تمام کوششیں ایک مرکزی نقطہ اسلامی نظام پر جمع اور متحد ہو جائیں اور جو سیلاب لایا جا رہا ہے حق تعالیٰ اس کے لئے ان متحدہ مساعی کو سد ذوالقرنین بنادے، دنیا میں اہل حق کا اتفاق ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت رہا ہے اور ان کا اختلاف سب سے بڑا عذاب الٰہی رہا ہے، لیکن موجودہ پر آشوب عہد میں جتنی اتفاق کی ضرورت ہے مسلمانوں کی تاریخ کے کسی دور میں بھی اتفاق واتحاد کی اتنی اہمیت نہ ہو گی، نئی نسل کا تعلق اسلام سے برائے نام رہ گیا ہے، نفسانی اہوا (خواہشات) کا تسلط انتہا کو پہنچ گیا ہے، اس لئے علماء کا ذرا سا اختلاف بھی اسلام کی بدنامی کا باعث ہے، جنگ جمل اور جنگ صفین میں ہزاروں مہاجرین وانصار شہید ہو گئے لیکن پھر بھی اسلام باقی رہا، قلوب میں ایمان واسلام راسخ تھا، اس لئے خانہ جنگی کے ان طوفانوں سے بھی اسلام کی بنیاد نہ ہل سکی، لیکن آج کی صورت حال بالکل مختلف ہے، اہل حق کا ذرا سا اختلاف بھی اسلام سے انحراف کا ذریعہ بن سکتا ہے، امید ہے کہ ان حقائق پر غور کیا جائے گا، واللہ سبحانہ ولی التوفیق۔

پاکستان اور نظام تعلیم

نہ معلوم وزارت تعلیم تعلیمی پالیسی کے نافذ کرنے میں اب تک کیوں تائل کر رہی ہے، سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں جلد از جلد جدید تعلیمی پالیسی کو نافذ کر دینے کی ضرورت ہے، مگر مفکرین کی طرف سے پیش شدہ ترمیمات کی روشنی میں قدم اٹھانے کی ضرورت ہے، ملک کی اندرونی اصلاحات اور صحیح معنی میں زندہ اور جاندار قوم کی تخلیق اور معاشرے کی اصلاح بغیر صحیح تعلیم کے ناممکن ہے اور اسلامی خطوط پر مسلمان نسل کی تربیت بغیر اسلامی تعلیمات کے ناممکن ہے، حقیقی معنی میں پاکستان اور اس عظیم اسلامی مملکت کے خواب کی تعبیر اسی وقت پوری ہو سکے گی کہ ہمارے جدید نظام تعلیم کا تانا بانا اسلامی تعلیمات کے پیمانہ پر بنا ہوا ہو، اسلامی تعلیم وتربیت ہی سے اسلامی اخلاق پیدا ہوں گے، ظلم وعدوان، بے حیائی وعریانی، رشوت و بے انصافی وغیرہ جن برائیوں نے ہماری قوم کی

جڑیں کاٹ کر رکھ دی ہیں ان سب کی اصلاح صحیح اسلامی تربیت اور اسلامی ماحول (۱) سے ہی ہو سکتی ہے، قومی ڈھانچہ کی اصلاح کے لئے تعلیمی نظام ہی روح رواں ہوتا ہے، اگر یہ نظام صحیح ہو جائے تو تمام اجتماعی نظام صحیح ہو جائے گا، اسی لئے چھوٹی چھوٹی حکومتیں بھی جیسے افغانستان و عراق و مصر تعلیم و تربیت پر ہی اپنے میزانیہ کا اکثر حصہ خرچ کرتی ہیں، تمام عالم اسلام میں صرف پاکستان ہی بدنصیب ملک ہے جہاں نظام تعلیم اب تک حکومت کی صحیح نگرانی سرپرستی اور خسروانہ کرم سے محروم ہے، اللہ تعالیٰ اس ملک پر رحم فرمائے اور حکمرانوں کو صحیح خدمت خلق کی توفیق نصیب فرمائے۔

عالم عرب اور اسرائیل

یہ معلوم کر کے اطمینان ہوا کہ تیرہ عرب ممالک اس پر متفق ہو گئے کہ اسرائیل سے جنگ کئے بغیر چارہ کار نہیں اور ۲۰ دسمبر کو رباط میں سربراہوں کی کانفرنس میں آخری فیصلہ کریں گے، خدا کرے یہ خواب جلد شرمندہ تعبیر ہو جائے، بلاشبہ اس مصیبت کا آخری علاج متفقہ اعلان جہاد ہے، درحقیقت یہ اسرائیل و یہود سے مقابلہ نہیں بلکہ یہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت امریکہ سے مقابلہ ہے، یہ جو کچھ ہو رہا ہے یا کیا جا رہا ہے در پردہ امریکہ ہی کرا رہا ہے، اگر عرب ممالک اب بھی خواب غفلت سے بیدار نہیں ہوتے اور محض رضاء الٰہی کے لئے اور استخلاص قدس کی نیت سے جہاد نہیں کرتے اور بجائے روس و امریکہ کے حق تعالیٰ کی ذات پر توکل و اعتماد نہیں کرتے تو وہ عبرت ناک ذلت کے لئے تیار رہیں، انتہائی ضرورت اس کی ہے کہ بعض عربی ممالک کی بے حساب فراوانی دولت نے تو عیش پرستی و راحت کوشی کی وبا پھیلا ہی رکھی ہے لیکن بعض دوسرے عربی ممالک میں بھی باوجود وسائل معیشت کی قلت کے تعیش و ترفہ میں مسابقت جاری ہے، یک قلم اس تعیش و ترفہ کی زندگی کو ختم کر دیا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ روح اور یہ قوت صرف اسلامی نظام سے ہی پیدا ہو سکتی ہے اسلامی اخوت و اتحاد سے ہی اسلامی عظمت و وقار پیدا ہو سکتا ہے قومیت یا وطنیت میں یہ روح اور یہ قوت کہاں؟ آج جو کچھ ہو رہا ہے اگر غور کیا جائے تو ہماری زندگی اس آیت کریمہ کا مصداق ہے:

﴿تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعاً وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى﴾ [الحشر: ١٤]

تم گمان کرتے ہو کہ وہ متحد ہیں حالانکہ ان سب کے دل مختلف ہیں۔

---

(۱) مگر یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ اسلامی تعلیم واقعی اسلامی تعلیم ہو، ان مسلمان مؤلفین و مصنفین کی کتابیں داخل نصاب کی جائیں جن کے ذہن و فکر استشراقی ذہنیت اور یورپین اقوام کی ذہنی و فکری غلامی اور مرعوبیت کے زہریلے اثرات سے پاک و صاف خالص اسلامی ہوں، اگرچہ اب تک ہو یہی رہا ہے کہ شہرہ آفاق دشمنان اسلام مستشرقین کی تصانیف اسلامیات اور ایم اے عربی کے نصابوں میں داخل کی جاتی ہیں، گذشتہ مہینہ میں ایک انگریز مصنف کی کتاب ''آدمیت کی کہانی'' مصنفہ ''ہنڈرک واں لوں'' کو جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے نصاب تخصص میں داخل کرنے پر ہم احتجاج کر چکے ہیں، آج ہمارے پاس فلپ حتی کی ''تاریخ عرب'' کے اقتباسات آئے ہیں، آئندہ ماہ ہم انشاء اللہ اس کتاب پر مفصل اور مدلل اظہار رائے کریں گے۔

بہر حال اتحاد کا سر چشمہ اسلامی رابطہ ہی ہے، توکل واعتماد کا مرکز ومنبع حق تعالیٰ کی ذات ہی ہے، اگر چہ عالم اسباب میں بھی اپنے مقدور کے مطابق اسباب ووسائل کی فراہمی میں کوتاہی نہ کی جائے، مسلمانوں کو فتح کبھی سامان کی کثرت اور عددی اکثریت سے حاصل نہیں ہوئی، بلکہ زیادہ تر فتوحات بے سروسامانی میں ہی میسر آئی ہیں، اسلامی تاریخ دنیا کے سامنے ہے:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَامَوْلٰى لَهُمْ﴾[محمد:۱۱]

یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا مددگار ہے اور کافروں کا مددگار کوئی نہیں ہے۔

"اللهم انصر الاسلام والمسلمين وانجز وعدك وكان حقاً علينا نصر المومنين".

وصلى الله على سيدنا محمد وآله وصحبه اجمعين

حکومت پاکستان اور سعودی عرب کو حج کے سلسلہ میں چند تجاویز ومشورے

حج بیت اللہ عظیم اسلامی فریضہ ہے، اس کی اہمیت دینی، اخلاقی، سیاسی ہر حیثیت سے واضح ومسلم ہے، لیکن افسوس کہ پاکستان کی اسلامی حکومت اس فریضہ کی جانب سے جتنی غفلت برت رہی ہے وہ حیرت انگیز ہے اور اب تک کوئی ایسی ٹھوس توجہ نہیں کررہی، جس سے گوناگوں مشکلات رفع ہوں اور مخلوق خدا مطمئن ہو اور اپنی حکومت کی ممنون بھی ہو اور بارگاہِ قدس میں اپنی حکومت کے لئے دست بدعا بھی ہو۔

بارگاہ قدس کا یہ مسافر طرح طرح کی مشکلات سے دوچار ہے، لیکن صدمے کی بات ہے کہ نہ صرف یہ کہ سابقہ مصیبتوں کو ختم نہیں کیا جاتا بلکہ روز بروز مصیبتوں میں اضافہ ہوتا رجارہا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ حکومت سعودیہ بھی ہر سال نئے نئے ضوابط جاری کر کے حجاج کرام کی مشکلات میں اضافہ کرتی جاتی ہے، اس لئے اپنی حکومت سے مطالبے بھی ناگزیر ہیں اور سعودی حکومت سے استدعا بھی۔

حکومت سے براہ راست اور بذریعہ اخبارات حسب ذیل چند مطالبات کئے گئے تھے:

① کہ ماہ رمضان المبارک سے پہلے حجاج کے ماہ صیام میں ہی سرزمین حرم میں پہنچنے کے لئے جہازوں کا انتظام کیا جائے۔

② حج بدل کا علیحدہ کوٹہ رکھا جائے۔

③ بونس واؤچر کا سلسلہ ختم کیا جائے، اس کی شرعی حیثیت مشتبہ ہے، فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے اس کی پابندی غیر اسلامی ہے۔

④ حجاج کرام کے کوٹہ میں اضافہ کیا جائے۔

خدا کا شکر ہے کہ اگر چہ یہ آواز صدا بصحرا ثابت نہیں ہوئی اور پہلی اور دوسری بات قبول کر لی گئی، لیکن ماہ

رمضان میں سفر کے لئے جہاز اتنا چھوٹا تجویز کیا گیا جس سے تشفی نہ ہوسکی، پورے مغربی پاکستان سے ساڑھے چودہ ہزار درخواستیں موصول ہوئیں، جبکہ نشستیں بمشکل تمام صرف (۱۳۰۰) تھیں، ضرورت تھی کہ ایک جہاز کا اور انتظام کیا جاتا، خدا کرے کہ آئندہ کے لئے حکومت کو خاطر خواہ توجہ کرنا نصیب ہو، بونس واؤچر کی لعنت ختم کرنے کی بے حد ضرورت ہے، اگر خواہ مخواہ رکھنا ہی ہے تو تمام حجاج کی لئے فی کس ایک ہزار زرمبادلہ دینے کی بعد جو کوئی زائد رقم لینا چاہے تو اس کو بونس واؤچر کے ذریعہ دی جائے تقریباً پونے دو کروڑ روپیہ پاکستان حجاج کرام کا زرمبادلہ ہوتا ہے، جس میں تقریباً آدھی رقم کی مقدار میں حکومت کو یہ بار اٹھانا پڑتا ہے، اس لئے کہ سعودی حکومت کو اس کے عوض جو سونا دینا پڑتا ہے وہ وہاں کے نرخ سے دینا پڑتا ہے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ جبکہ حکومت کے میزانیہ کا کروڑوں روپیہ ملکی وسیاسی اغراض کے لئے خرچ کیا جاتا ہے تو کیا مسلمانوں پاکستان کو اس اہم دینی فریضہ کو ادا کرنے اور سیاسی اعتبار سے ان کو مطمئن کرنے کے لئے دو تین لاکھ روپیہ بھی صرف نہیں کیا جاسکتا؟

بہرحال اسی قوم سے وصول کرکے تو یہ میزانیہ پورا کیا جاتا ہے اور نہ معلوم کس کس طرح بے جا اسراف وتبذیر میں خرچ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارباب اقتدار کو صحیح فہم نصیب فرمائے تاکہ وہ مسلمانوں کے قلوب کو مطمئن کرنے کے لئے صحیح اقدامات کرسکیں۔

اسی طرح اللہ جل شانہ سے دعا ہے کہ وہ مملکت سعودیہ کے ارباب اقتدار کو بھی توفیق نصیب فرمائیں کہ وہ بھی حجاج کرام کی مشکلات پر اسلامی نقطہ نگاہ سے غور فرما کر بے معنی ضابطوں کی جکڑ بندیاں ختم کردیں اور ویزوں کے ضابطوں میں حرمین شریفین میں اقامت اور ہجرت کے قواعد میں زیادہ سے زیادہ آسانیاں پیدا کریں، نیز قومیت، وطنیت کی اندھی پیروی اور جدید یورپ کی تقلید میں جو روز بروز نئی نئی پابندیاں بڑھائی جارہی ہیں ان کو ختم کردیں، تاکہ سعودی حکومت کا عالم اسلام سے صحیح معنی میں اسلامی رابطہ قائم ہو اور عالمگیر اسلامی اخوت کا عملی ثبوت منظر عام پر آجائے۔

عملی زندگی میں تو تنگ قومیت اور وطنیت کارفرما ہو اور زبان پر اسلامی اخوت کا نعرہ ہو، اس سے کیا فائدہ؟ مسلمان اتنے بے وقوف نہیں ہیں۔

اگر سفارت خانے والے کسی حاجی کو اس کی آسانی کے پیش نظر مدت زیارت اور حج کے لئے اقامت کا ویزہ دے بھی دیتے ہیں تو اگر کسی بھی وجہ سے تین دن کے اندر اندر وہ پاسپورٹ کے دفتر میں اندراج نہ کرائے تو سعودی حکومت اس کو بدترین مجرم شمار کرکے سو ریال جرمانہ کردیتی ہے اور چار کارڈوں پر فوٹو لگا کر ”القائمة السوداء“ (بلیک لسٹ) میں اس کا اندراج کردیا جاتا ہے اور تمام سرکاری دفاتر ریاض، جدہ اور مکہ مکرمہ میں ان کارڈوں کو بھیج دیا جاتا ہے۔

اور اس طرح ایک معزز ومحترم مسلمان کو ذلیل ورسوا کیا جاتا ہے، بڑی دردناک داستان ہے، کیا اللہ

درسول کے مہمان اس تذلیل کے مستحق ہیں، اسلام تو اپنے مہمان کے اکرام پر اتنا زور دیتا ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

”من كان منكم يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه“(۱)

جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے مہمان کی عزت واحترام کرنا چاہیے۔

کیا یہی حجاج کا اکرام ہے؟

سعودی حکومت سے اسی سلسلہ کی ایک اور درخوست پر زور تائید کے ساتھ درج ذیل ہے، حجاج کرام کے لئے سہولتوں کا مطالبہ جو بذریعہ برقیہ جلالۃ الملک شاہ فیصل سے سینٹرل حج پلگرمس لیگ کے چیئر مین جناب حاجی حافظ فرید الدین احمد الوجیہ نے کیا ہے جس کا مضمون حسب ذیل ہے:

”حج فیس حجاج پر بڑا بار ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت کچھ عطا فرمایا ہے، اس لئے درخواست ہے کہ حج فیس کی وصولیابی کا ضابطہ واپس لے لیا جائے، حالیہ عمرہ کی مدت پر ۳۰ر رمضان المبارک تک کی عائد کردہ میعاد کی تنسیخ فرمادی جائے، تاکہ عمومی بے چینی رفع ہو سکے، یہاں کوئی وبائی بیماری نہیں ہے جیسا کہ لاتعداد اسٹول کلچر سرٹیفکیٹ سے واضح ہو چکا ہے، اس لئے اس حکم کی تنسیخ فرمائی جائے اور حجاج سے کھانے پینے کی اشیاء لے جانے کی پابندی ہٹالی جائے“۔

[شوال ۱۳۸۹ھ/دسمبر ۱۹۶۹ء]

صوبہ سندھ میں ہندوؤں کو دوبارہ آباد کرنے کا مسئلہ

سنا جا رہا ہے کہ شملہ معاہدہ کے تحت صوبہ سندھ میں ان ہندوؤں کو جو حالیہ جنگ میں بھارت چلے گئے تھے دوبارہ بسانے کی تجویز زیر غور ہے، پاکستانی شہریوں کی پاکستان میں آبادکاری کسی طرح بھی محل اعتراض نہیں ہونی چاہیے، مگر حال میں ملک عزیز جن سازشوں کی آماجگاہ رہا ہے اور جن کا سلسلہ ابھی تھمنے نہیں پایا، ان کے پیش نظر بہت سے خدشات ابھر کر سامنے آتے ہیں جن سے صرف نظر کرنا خودکشی کے مرادف ہوگا، اس لئے ان پر غور کرنا ضروری ہے۔

① سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ پاکستان میں تمام اقلیتیں ہمیشہ امن وامان سے رہی ہیں، انہیں اپنی ہم وطن اکثریت کی جانب سے جان ومال یا عزت وآبرو کا کبھی خطرہ لاحق نہیں ہوا، نام نہاد ہندو مسلم فسادات (۲) جو ہندوستان میں روزمرہ کا معمول بن چکے ہیں، پاکستان کی تاریخ ان سے یکسر خالی ہے، ان حالات میں سوال پیدا ہوتا

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الادب، باب اكرام الضيف وخدمته اياه بنفسه، ج: ۲ ص: ۹۰۶، ط: قديمي

(۲) یہ دراصل سب کچھ مسلم کشی کے لئے ہوتا ہے مگر ”فسادات“ کا نام دے کر گرفتار بھی مسلمانوں ہی کو کر لیا جاتا ہے۔

ہے کہ سندھ کے ہندوؤں کو آخر وہ کون سا خطرہ لاحق تھا جس کی بنا پر انہوں نے ہمارے متحارب ملک کی طرف راہ فرار اختیار کرنا مناسب سمجھا اور بھارت نے ان کو سیاسی پناہ دینا ضرری تصور کیا؟ سوال یہ ہے کہ کیا ان کا یہ طرز عمل وطن دشمنی کے ذیل میں نہیں آتا؟ کیا یہ ملک کے مفرور بھگوڑے پاکستان کے پرامن شہری بن کر رہ سکتے ہیں؟ اور کیا ان کی دوبارہ آمد یہاں کسی سیاسی سازش کو جنم تو نہیں دے گی؟ کیا ان خدشات کا تشفی بخش حل تلاش کرلیا گیا ہے؟

② اس پر یہ مزید اضافہ کر لیجئے کہ جو ہندو ٹھا کر یہاں سے بھاگے، وہ شرافت اور خاموشی سے نہیں چلے گئے، بلکہ انہوں نے ان علاقوں کو تخت و تاراج کیا، وہاں کے شہریوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا، جن کی المناک داستانیں اخبارات کی فائلوں میں محفوظ ہیں، سوال یہ ہے کہ اس حرکت کے بعد ان کی حیثیت ڈاکوؤں اور لٹیروں کی ہے یا پُر امن شہریوں کی؟

③ پھر جو ہندو یہاں سے بھاگ گئے تھے ان کی تعداد آٹھ دس ہزار سے زیادہ نہیں ہوگی مگر اخباری اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ دس ہزار کی بجائے پچاس ساٹھ ہزار ہندو یہاں لائے جا رہے ہیں اور یہ بھی افواہ ہے کہ ہندوستانی فوج کی نگرانی میں ان کو آباد کیا جائے گا اور ان خیالات کا بھی اظہار کیا جا رہا ہے کہ وہ مسلح ہوں گے اور گوریلا جنگ کے تربیت یافتہ ہوں گے۔

ہمیں معلوم نہیں کہ ان باتوں میں کہاں تک صداقت ہے، مگر ہندوستان کی ڈپلومیسی سے بعید نہیں کہ یہاں بھی مشرقی پاکستان کی تاریخ دہرانے کا منصوبہ تیار کرلیا گیا ہو، وہاں یہی ہوا کہ پہلے غدارانِ وطن جن میں اکثریت ہندوؤں کی تھی، ملک کی سرحد پار کر کے ہندوستان چلے گئے اور ہندوستان نے انہیں گوریلا تربیت دے کر اور اسلحہ سے لیس کر کے دوبارہ ہماری سرحد میں دھکیل دیا اور پھر جو کچھ ہوا انہی کے ذریعہ سے ہوا۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ اگر ان افواہوں میں ذرا بھی صداقت ہے تو معلوم نہیں کہ ہمارے حکمرانوں کو کیا ہوگیا ہے، کیا بے ہوشی کے عالم میں اس قسم کے معاہدات کئے گئے ہیں، اس کے خطرناک نتائج سے اتنی غفلت کیوں کر ممکن ہے؟ اس کی کیا ضمانت ہے کہ ان مسلح افواج اور اتنی کثیر تعداد دشمنان اسلام کی موجودگی میں صوبہ سندھ میں امن قائم رہ سکتا ہے یا مسلمان آرام کی نیند سو سکیں گے؟ اس قسم کی صورت حال سے مشرقی پاکستان کا کیا حشر ہوا، کیا مغربی پاکستان کو اسی طرح قربانی کا بکرا بنانا ہے، اگر خدانخواستہ ایک فیصدی بھی اس میں صداقت ہو تو خاکم بدہن اس روز بد کے لئے تیار رہنا چاہیے، کیا یہ نقشہ ہندوستان نے نہیں تیار کیا تھا کہ تھرپارکر سے سیدھے آ کر حیدر آباد پر قبضہ کر کے کراچی کو مغربی پاکستان سے کاٹ دیا جائے، جو روس کی نظرِ کرم سے پورا نہ ہو سکا اور جس کا شکریہ امریکہ نے ہم سے پورا کردایا اور روس کے اس انتہائی ظلم و ستم کے باوجود کہ اس نے مشرقی پاکستان کٹوایا اور ہندوستان کی امداد کی ہم نے روس کا شکریہ اس لئے ادا کیا کہ مغربی پاکستان کٹوانے سے بچایا، خدا کرے یہ افواہیں سب غلط ہوں اور مسلمانان سندھ و مغربی پاکستان کی آبرو محفوظ رہے۔

سرکاری مدارس میں شیعہ حضرات کے لئے علیحدہ دینیات

ان دنوں سرکاری مدارس میں شیعہ حضرات کے لئے نصاب کی علیحدگی کی جو تجویز زیر غور ہے، وہ سراسر سیاسی مصالح کے خلاف ہے، شیعہ حضرات کو اس مطالبہ سے پہلے اپنا مؤقف متعین کرنا چاہئے، اگر ان کا خیال ہے کہ چونکہ وہ حضرات شیخین، ابوبکر صدیق اور عمر فاروقؓ کی تکفیر پر متفق ہیں، وہ تمام صحابہ کو باستثناء تین یا پانچ کافر سمجھتے ہیں، وہ موجودہ قرآن کریم کو ناقص سمجھتے ہیں، وہ متعہ کو جزو ایمان سمجھتے ہیں، وہ تقیہ کو مدار اسلام خیال کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ، اس لئے ان معروف عقائد کے ہوتے ہوئے ان کو مسلمان نہ سمجھا جائے، تو بہت پہلے سے اس کی ضرورت تھی کہ وہ اس قسم کا اعلان کرتے تاکہ موجودہ اہل تشیع کو اسلامی فرقہ نہ سمجھا جاتا اور ان کو ایک مستقل اقلیت شمار کیا جاتا۔

لیکن جب ایسا نہ ہوسکا اور حکومت ان کو مسلمانوں کا ایک فرقہ ہی سمجھ کر معاملہ کرتی رہی اور جب حکومت کی مردم شماری میں یہ مسلمان ہیں، سنی اور شیعہ میں باعتبار اسلام کے کوئی فرق نہیں، تو پھر علیحدگی نصاب کا کیا مقصد؟ اس تجویز کا تو لازم تاثر یہ ہے کہ شیعہ ایک مستقل اقلیت ہے، جس کی دینیات عام مسلمانوں سے الگ ہے اور حکومت جس طرح دوسری اقلیتوں کو راضی کرنا ضروری سمجھتی ہے اسی طرح ان کو بھی ایک اقلیت سمجھتی ہے، ایک طرف مسلمان سمجھنا دوسری طرف علیحدہ نصاب تجویز کرنا یہ کہاں کا فلسفہ ہے؟ اس تجویز سے منافرت اور بڑھ جائے گی، اختلافات زیادہ ہوجائیں گے، ہوسکتا ہے کہ یہ اختلافات ایسی صورت اختیار کرجائیں کہ حکومت کے لئے ہمیشہ درد سر ثابت ہوں، بہرحال جہاں اتحاد و اتفاق کی ضرورت ہے وہاں شقاق و افتراق پیدا کرنا یہ کہاں کی سیاست ہے۔

دراصل اس قسم کی تمام تجویزیں اور مصلحتیں صاف وصریح امر کی دلیل ہیں کہ حکومت کا سرکاری مذہب اسلام نہیں، بلکہ وہ عملاً غیر مذہبی حکومت ہے، جس ملک میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہ ماننے والے موجود ہوں، جو آج تک تاج برطانیہ کے نہ صرف وفادار ہوں بلکہ ان کی اعانت جزو ایمان سمجھتے ہوں، ان کو ظل اللہ فی الارض مانتے ہوں، عیسیٰ علیہ السلام کو یوسف نجار کا بیٹا مانتے ہوں، حضرت مریم علیہا السلام کو -العیاذ باللہ- زانیہ سمجھتے ہوئے قرآن کریم کی تکذیب کرتے ہوں اور تمام روئے زمین کے مسلمان جو مرزا غلام احمد قادیانی پر ایمان نہ لائیں ان کے ”ذریة البغایا“ (اولاد زنا) ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوں وغیرہ وغیرہ اور پھر حکومت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مناصب پر جلوہ افروز ہوں، کلیدی مناصب ان کے حوالہ ہوں، جو جماعت بالاتفاق کافر ہو اور وہ ایک حکومت کی مشین کو چلائیں، بتلایئے ایسی حکومت اسلامی حکومت کیسے ہوسکتی ہے؟ بلاشبہ نام اسلامی ضرور ہے لیکن کام تمام کے تمام سیکولر اسٹیٹ کے ہیں جس کا بنیادی عقیدہ خدائے تعالیٰ اور آخرت سے انکار ہو اور اس کا کوئی دین ومذہب نہ ہو اور تمام فرقے اس کی نظر میں برابر ہوں اور تمام فرقوں کو اپنے عقائد میں خواہ وہ اسلام ہو یا کفر ہو،

حریت وآزادی حاصل ہو، درحقیقت پاکستان کا جب ابتداء ہی میں وزیر خارجہ ظفر اللہ قادیانی کو بنایا گیا اور کہا یہ جاتا ہے کہ برطانیہ نے یہ شرط لگائی تھی تو پھر ظاہر ہے کہ اتنا اہم منصب ایک غیر مسلم کافر کے سپرد کرنا اس کی دلیل ہے کہ یہ غیر اسلامی حکومت ہے اور درمیان میں ایک دفعہ قائم مقام صدر ایک عیسائی کو بھی عارضی طور پر بنایا گیا ہے، اسلامی مملکت کے دستور کے ابتدائی دفعات یہ ہوتے ہیں کہ حکومت کا مذہب اسلام ہوگا حکومت کا صدر مسلمان ہوگا۔

ان دستوری دفعات کے بعد کسی کو یہ حق نہیں ہوتا کہ حکومت کے مذہب کے خلاف کوئی غیر اسلامی حرکت کرے، بہر حال کہنا یہ ہے کہ علیحدگی نصاب کی تجویز بالکل اسی کے مترادف ہے کہ فرقہ شیعہ مسلمانوں کا فرقہ نہیں اور اس تجویز سے جو مفاسد پیدا ہوں گے اس کے عواقب ونتائج نہایت دردناک نکلیں گے۔ اللہ تعالیٰ صحیح فہم اور صحیح عمل کی توفیق عطا فرمائے اور پاکستان کو صحیح اسلامی مملکت اور مستحکم مملکت بنائے اور اعداء اسلام کی ریشہ دوانیوں سے اس کی حفاظت فرمائے، آمین۔

وصلى الله على خاتم النبيين وسيد المرسلين وامام المتقين محمد وآله واصحابه اجمعين.

[رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ/نومبر ۱۹۷۲ء]

قوم کا اتحاد واتفاق مستقبل کے لئے نیک فال

نہ معلوم اس بدنصیب مملکت کا کیا انجام ہوگا؟ روز اوّل سے تاریخ کچھ ایسی عبرت ناک ہے کہ بجز حیرت وافسوس کے کچھ حاصل نہیں، پاکستان کی سی سالہ مختصر زندگی میں بڑے بڑے بحران آئے اور گذر گئے، لیکن دور حاضر میں جس شکل وصورت میں بحران آیا ہے اور قوم وملت کا جو شدید امتحان شروع ہوا ہے، ادوار سابقہ میں اس کی نظیر نہیں ملتی، ان دردناک حوادث میں جو گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں، بلا شبہ مایوس کن ہیں، لیکن امید وکامیابی کی جو کرنیں ان گھٹاؤں کی تہوں سے نکلتی ہیں وہ قدرے حوصلہ افزاء ہیں، ملک وملت کا حیرت انگیز اتحاد شدید اختلافات کے ہوتے ہوئے جس مرحلے میں داخل ہے نہایت ہی امید افزا ہے اور من حیث القوم اسلامی شریعت کے نفاذ کا مطالبہ جس قوت سے پیش آرہا ہے نہایت ہی روشن اور تابناک مستقبل کی خبر دیتا ہے، چند مٹھی بھر افراد جو شراب وزنا اور بے حیائی وعریانی کے جنون میں مبتلا ہیں، ان کے سوا تمام قوم کا اتحاد بے نظیر حسین وجمیل منظر پیش کرتا ہے اور دین کے لئے سربکف میدان میں نکل کر جس غیرت ایمانی وحمیت دینی اور حرارت اسلامی کا ثبوت دیا جارہا ہے اس سے پہلے اس کی نظیر نہیں ملتی۔

گذشتہ دنوں تحریک ختم نبوت میں پاکستانی قوم جس طرح یک دل ویک جان ہوکر متحد ہوگئی تھی، اب دوبارہ پورے دینی نظام کو لانے کے لئے اتحاد واتفاق ہوگیا ہے، جو نہایت امید افزا ہے اور قوم کے اتحاد نے یہ

ثابت کر دیا ہے کہ ملک کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس کے لئے قوم متحد ہو جائے اور وہ حل نہ ہو سکے، قومی اتحاد لوہے کی ایک ایسی دیوار ہے کہ نہ پولیس کی لاٹھیاں اسے مسمار کر سکتی ہیں، نہ فوج کی گولیاں اس میں رخنہ پیدا کر سکتی ہیں، نہ بیرونی اعداء اسلام اور دشمنان دین کی ریشہ دوانیاں اسے گرا سکتی ہیں اور نہ اس میں سوراخ کیا جا سکتا ہے، اگر ہٹلر و گوبلز اور ہملر و میسولینی کا انجام پیش نظر ہو تو ہر ڈکٹیٹر مزاج حکمران کے لئے مقام عبرت ہے، ظلم و تشدد کے ہتھیار کی عمر بہت کم ہوتی ہے، حق تعالیٰ نے کسی ظالم و جابر حکمران کو اپنی خدائی نہیں دی ہے کہ جو چاہے کرتا رہے، گذشتہ ادوار میں یورپ و ایشیا میں جو ظالم و سنگدل حکمران آئے ان کا عبرت ناک انجام دنیا نے دیکھ لیا، قران کریم میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَ یَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ﴾ [الشوریٰ:۲۸]

اور وہ ایسا ہے کہ لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد مینہ برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے اور وہ کار ساز لائق حمد ہے۔

کچھ بعید نہیں کہ جس انداز سے ملک و ملت کا خون بہایا جا رہا ہے اور جس انداز سے نوجوانوں کی لاشیں تڑپ رہی ہیں، جیل خانے اسیروں سے بھر گئے ہیں اور ہسپتال زخمیوں سے پٹے پڑے ہیں اس کا صلہ حق تعالیٰ سے عام معافی ہو اور اس قوم پر رحم فرما کرسی سالہ غلطیوں اور غفلتوں کو معاف فرمائے، صالح حکومت اور اسلامی قانون اور شریعت الٰہیہ کے نفاذ کے پرچم لہرائیں اور غضب کو خود ہی حق تعالیٰ ابر رحمت سے بجھائے **وما ذالك على الله بعزيز**۔ بہر حال پوری قوم کو بارگاہ رحمت ہی کی طرف توجہ کی شدید ضرورت ہے اور یہ کہ ان ظاہری اسباب پر فتح و کامیابی کو موقوف نہ سمجھیں، خوشی کی بات ہے کہ مختلف جماعتوں کا اسلام کے اساسی مقاصد پر پورا اتحاد و اتفاق ہے، قرآن کریم و سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و عقیدہ ختم نبوت پر سب کا اتفاق ہے، اگر تھوڑا بہت اختلاف ہے تو چند فقہی مسائل میں قوم اپنے اپنے مسلک کے مطابق اس کو اختیار کرنے کی مجاز ہے، گذشتہ چند دنوں میں راقم الحروف نے پریس کو دو بیانات جاری کئے تھے، پہلا بیان شخصی و انفرادی تھا جو ۹/اپریل کو اخبارات میں شائع ہوا اور دوسرا مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر کی حیثیت سے جو ۱۵/اپریل کے اخبارات میں چھپا، دونوں بیان علی الترتیب حسب ذیل ہیں:

حکومت تشدد کر کے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی

کراچی ۹/اپریل (پ ر) ممتاز عالم دین شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف بنوری نے آج یہاں اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ اس وقت پاکستان جس بحران سے گذر رہا ہے وہ بہت دردناک اور تاریخ پاکستان کا تاریک ترین باب ہے، حکومت عوام کی مرضی کے خلاف اقتدار پر قابض رہنا چاہتی ہے، دوسری طرف عوام اس حکومت کو

کسی طرح برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں اور اسے متفقہ طور پر بار بار رد کر چکے ہیں۔

ارباب حکومت تشدد سے عوام کے جذبات کو دبانا چاہتے ہیں، جو یقیناً بہت مذموم ہے، نیز مسجدوں میں لاٹھی چارج کرنا، اشک آور گیس استعمال کرنا، نمازیوں اور علماء کو زدوکوب کرنا اور بے گناہ مسلمانوں کو گولیوں کا نشانہ بنانا، سراسر عقل و انصاف کے خلاف ہے، اس لئے ہماری رائے یہ ہے کہ حکومت تشدد کر کے کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی، برطانیہ جیسی حکومت بھی تشدد کر کے اقتدار سے محروم ہوگئی۔

حکومت کو ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ وہ ان حالات میں قوم کے مطالبات کو تسلیم کر لے، مولانا محمد یوسف بنوری نے آخر میں قوم سے اپیل کی ہے کہ وہ تحریک کو پُرامن رکھیں اور مظلوم بنے رہیں، اس لئے کہ مظلوم ہی اللہ تعالیٰ کی نصرت و کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں، اسلام کی تاریخ عہد نبوت سے لے کر آج تک یہی بتلاتی ہے۔

(جنگ کراچی، ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ۔ ۹/ اپریل ۱۹۷۷ء)

مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مولانا سید محمد یوسف بنوری کا بیان

ملک عزیز جس ہولناک بحران کی لپیٹ میں ہے، اس پر دل کانپ رہا ہے، خانہ خدا کے تقدس کو پامال کیا جارہا ہے، علماء، وکلاء اور ملک کے دیگر معززین کی سر بازار تذلیل کی جارہی ہے، نہتے شہریوں کو خاک و خون میں تڑپایا جارہا ہے اور ان کا پرندوں کی طرح شکار کیا جارہا ہے، معصوم بچوں اور خواتین پر شہ زوری کا مظاہرہ کیا جارہا ہے، جو کسی قوم کی پیشانی پر سب سے بدنما داغ ہے، معیشت تباہ ہو چکی ہے، اقتصادیات پٹ چکی ہیں، کارخانے اور بازار بند اور کاروبار ٹھپ ہے، عالمی برادری میں ملک کا وقار خاک میں مل چکا ہے، دشمن ہنس رہے ہیں اور دوست رو رہے ہیں، یہ ظلم و ستم، یہ جور و تعدی، یہ انتشار و خلفشار، یہ بے آبروئی و ہواخیزی ملک کے مستقبل کے لئے نہایت خطرناک ہے۔

میں نہایت دل سوزی سے دردمندانہ اپیل کرتا ہوں کہ خدا کے لئے اس ملک کی حالت پر رحم کریں، اقتدار سے الگ ہو کر قوم کو آزادانہ انتخابات اور بے لاگ فیصلہ کا موقع دیں، اگر قوم بخوشی انہیں دوبارہ منتخب کر لیتی ہے تو اطمینان سے حکمرانی کریں اور اگر قوم انہیں مسترد کر دیتی ہے تو زبردستی لوگوں کی گردنوں پر مسلط رہنے کی کوشش نہ کریں، ملک کے طول و عرض میں جو خونی ڈرامہ کھیلا جارہا ہے ملک اب اس کا مزید متحمل نہیں۔

(جنگ کراچی ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ۔ ۱۵/ اپریل ۱۹۷۷ء)

یہاں تک لکھا گیا تھا کہ جناب ذوالفقار علی بھٹو کی پریس کانفرنس نشر ہوئی جو بہت غور سے سنی گئی اور اس کے پس منظر و پیش منظر پر غور کیا، تو حیرت و افسوس کی انتہا باقی نہ رہی، اسی وقت رات کو ایک اخباری بیان جاری کیا گیا جو ۱۸/ اپریل کے صبح کے اخبارات میں شائع ہوا، اس کا متن حسب ذیل ہے:

کراچی ۱۷/ اپریل (پ ر) مولانا سید محمد یوسف بنوری امیر مرکزیہ مجلس تحفظ ختم نبوت نے آج رات

ایک بیان میں کہا ہے کہ قوم کو توقع تھی کہ جناب بھٹو اپنی پریس کانفرنس میں پاکستان کے موجودہ بحران کا جس نے پاکستان کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے، حل کرنے کے لئے قوم کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے اس کے مطالبات کو منظور کرنے کا اعلان کریں گے، مگر افسوس کہ جناب بھٹو نے صورت حال کا صحیح اندازہ لگانے کی کوشش نہیں کی، انہوں نے پریس کانفرنس میں جن اقدامات کا اعلان کیا ہے انہیں قوم سے مذاق ہی تصور کیا جا سکتا ہے، سوچنے کی بات ہے کہ جس حالت میں قوم کو خاک وخون میں تڑپایا جا رہا ہو اور عوام کے مجمعوں پر آتش باری کی جا رہی ہو، ان اقدامات کی کیا قیمت ہو سکتی ہے، بہر حال جناب بھٹو صاحب کو اطمینان رکھنا چاہیے کہ قوم اب ان کے سبز باغوں سے فریب نہیں کھائے گی، انہوں نے قوم سے اتنی وعدہ خلافیاں کی ہیں کہ اب قوم کے کسی سنجیدہ فرد کو ان کے کسی وعدہ پر اعتبار نہیں رہا، مثلاً قادیانیوں کے بارے میں قانون سازی کا قومی اسمبلی میں وعدہ کیا تھا مگر تین سال گذرنے پر بھی وعدہ پورا نہ کیا گیا، اس کے لئے بارہا یاد دہانی کرائی گئی، تار دیئے گئے، تقاضوں پر تقاضے کئے گئے، مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی، ان کے لئے دانشمندانہ راستہ اب یہی ہے کہ وہ مستعفی ہو جائیں، آزادانہ انتخاب کا راستہ صاف کریں اور موجودہ اسمبلیوں کو جو دھاندلیوں کی پیداوار ہیں اور جن کی کوئی قانونی حیثیت نہیں، توڑ کر قوم کے مطالبات تسلیم کر لیں۔ اللہ تعالیٰ صحیح فہم کی توفیق نصیب فرمائے اور ملک پر رحم فرمائے، آمین۔

حکام کے وعدے اور اسلام سے ان کا تعلق

بڑا صدمہ ہے کہ یہاں روز اوّل سے جو حکمران آتے رہے کتاب وسنت کا نام لینے کے باوجود کتاب وسنت کی جڑیں کاٹتے چلے گئے، اسلامی قانون بنانے کے بہانے سے تعلیمی بورڈ قائم کیا گیا، لاکھوں روپیہ اس پر خرچ کیا گیا، پھر مشاورتی کونسل قائم کی گئی جو آج تک موجود ہے، اس وقت شاید کروڑوں روپیہ خزانہ عامرہ کا خرچ ہو چکا ہوگا، لیکن ”ہنوز روز اول ست“۔ صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ ہمارے حکمرانوں کی سیاسی شعبدہ بازی ہے، چونکہ عام مسلمانوں کا مزاج دینی ہے اور انہیں معلوم ہے کہ یہاں کے مسلمان اسلام کے سوا کسی نظام کو برداشت نہیں کر سکتے، اس لئے ان کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے لئے یہ سب کچھ ہوتا رہا، عائلی قوانین کتاب وسنت کے خلاف نافذ کر دیئے گئے، تمام ملک میں احتجاج ہوا مگر کیا مجال کہ حکومت اپنے مؤقف سے سرمو بھی ہٹی ہو، آخری دور بھٹو صاحب کا آیا ہے، اپوزیشن میں چند مؤقر خدا ترس ہستیوں کی مساعی جمیلہ سے خدا خدا کر کے آئین میں پہلی مرتبہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہے اور اس کا آئین کتاب سنت پر مبنی ہوگا، لیکن عملی طور پر زبانی جمع خرچی اور لفظوں کے ہیر پھیر سے زیادہ کوئی نتیجہ نہیں نکلا، اس بدنصیب مملکت کے حکمرانوں کا مزاج سوء اتفاق سے ایک ہی قسم کا نکلا تھا، ”تشابهت قلوبهم قاتلهم الله انّٰی یوفکون“۔ بھٹو صاحب کے دورِ حکومت میں بار بار یہی دہرایا گیا، پھر منشور کی بنیادی دفعات میں یہ دہرایا گیا کہ مذہب اسلام ہوگا، معیشت سوشلزم

ہوگی، مگر اسلام کے ساتھ سوشلزم کا جوڑ کیسے؟ کیا کفر و اسلام دونوں ایک ہو سکتے ہیں؟ کیا سفید و سیاہ ایک ہی چیز ہے؟ غرض حقائق کو مسخ کر کے الفاظ کے گورکھ دھندوں میں بے چارے عوام کو پھنسانے کی کوشش کی گئی اور ہو رہی ہے، بھٹو دور حکومت میں تمام مسلمانوں نے اپنے اتحاد و اتفاق کی قوت سے ملت مرتدہ قادیانیہ، مرزائیہ کو اقلیت بنانے میں کامیابی حاصل کی ضرورت تھی کہ فوراً قانون بنا مرزائیوں کی مردم شماری ہوتی، اس تناسب سے ان کے لئے اسمبلی کی سیٹیں متعین کی جاتیں، ان کے شناختی کارڈوں اور پاسپورٹوں پر قادیانی، مرزائی کا لفظ لکھنا ضروری کر دیا جاتا، تاکہ چور راستوں سے جو اسلامی اور عربی حکومتوں میں گھس کر وہ اسلام کی بیخ کنی کرتے چلے آئے ہیں اس کا راستہ بند کیا جاتا ہے، لیکن افسوس اور صد افسوس کہ ایک قدم بھی نہیں اٹھایا گیا، بلکہ اٹھتے ہوئے قدموں کو کاٹ دیا گیا، مسٹر بھٹو کی حکومت اس سلسلہ میں خود تو کیا اقدام کرتی حزب اختلاف کی طرف سے جو بل اسمبلی میں پیش ہوا اسے بھی مسترد کر دیا اور حالیہ انتخابات سے پہلے مسٹر بھٹو نے مرزا ناصر احمد قادیانی مرتدین کے سربراہ سے تین گھنٹے تک طویل ملاقات کی، نہ جانے کیا خفیہ پخت و پز ہوئی ہوگی، اسی کا شاخسانہ ہے کہ موجودہ نام نہاد اسمبلیوں میں غیر مسلم اقلیت کی حیثیت سے قادیانیوں کو شریک نہیں کیا گیا، گویا آئین میں جو قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا ہے عملی طور پر اسے معطل کر دیا گیا، ماضی قریب میں شراب پر فخر و مباہات کا اظہار کیا اور عملی طور پر برسر بازار شراب نوشی کی محفلیں گرم کی گئیں، قانون اسلام کا مضحکہ اڑا گیا، زکاۃ و عشر کے اسلامی نظام کو فرسودہ اور باعث لعنت قرار دیا گیا، بلکہ تمام اسلامی حکام کو پارینہ دیرینہ اور فرسودہ نظام سے یاد کیا گیا، ان حقائق کے ہوتے ہوئے کیا بھٹو صاحب کے وعدے پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ اپنی کرسی اقتدار کو سہارا دینے کے لئے شراب نوشی کی پابندی کے اعلان سے عوام کو دھوکا دیا جا رہا ہے، جبکہ چور راستوں سے غیر ملکی لوگوں اور غیر مسلموں کے لئے کھلی اجازت دے دی گئی، عبرت کی بات ہے کہ ہندوستانی حکومت نے مدت سے شراب کو اس سختی سے ممنوع قرار دے رکھا ہے جس کی نظیر اسلامی حکومت میں نہیں ملے گی، حالانکہ وہ کافر سیکولر حکومت ہے، چند ناموں کا اعلان کر کے اسلامی قانون سازی کے لئے سفارشات پیش کرنے کا اعلان کیا گیا تاکہ ہوا کے رخ کو موڑا جا سکے، سابقہ تجربوں کو سامنے رکھ کر کیا کوئی سادہ لوح بھی ان اعلانوں اور ان وعدوں پر اعتماد کر سکتا ہے؟ بہر حال یہ آخری سیاسی حربہ تھا اور ترکش کا آخری تیر تھا۔

اس وقت ہم نے صرف ایک دینی پہلو کے پیش نظر چند اشارات کئے ہیں، سیاسی اعتبار سے مملکت کی تباہی، اقتصادی بدحالی، بدامنی، بے رحمی، ظلم و عدوان کی فراوانی بیرونی قرضہ جات سے معیشت کی تباہی کی داستانیں اتنی طویل اور اتنی دردناک ہیں کہ نہ قلب میں طاقت، نہ قلم میں یارائی کی قوت ہے۔

[جمادی الاولیٰ ۱۳۹۷ھ/ مئی ۱۹۷۷ء]

اخوت اسلامی اور اس کی اہمیت

اسلامی اخوت وہ عالمگیر رابطہ وحدت اور رشتہ یگانگت ہے جو تمام جغرافیائی، نسلی لسانی، ملکی اور وطنی حدود و قیود سے آزاد اور امتیازات سے وراء الوراء ہے، یہ وہ روحانی رشتہ ہے جو مادی علائق و روابط سے منزہ اور بالاتر ہے، وحی ربانی کی آیات بینات اور صاحب وحی و رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مقدسہ میں اس کی تفصیلات و تمثیلات کے مستقل ابواب موجود ہیں، ارشاد الٰہی ہے:

﴿كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا﴾ [آل عمران:١٠٣]

تم (ایک دوسرے کے) دشمن (خون کے پیاسے) تھے، پس اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کردی، اب تم اس کے انعام و رحمت سے (ایک دوسرے کی) بھائی ہوگئے۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

”المومن للمؤمن كالبينان يشد بعضه بعضا وشبك بين اصابعه.“(١)

ایک مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کے ردّوں کی مانند ہے، جس کا ایک ردا دوسرے ردے کو مضبوط و محکم کرتا ہے۔ اور (آپ نے اس تمثیل کا مشاہدہ کرانے کے لئے) اپنی ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کرلیں اور فرمایا اس طرح۔

نیز ارشاد ہے (صلی اللہ علیہ وسلم):

”مثل المؤمنين فى تواددهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد اذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى“(٢)

(بخاری ومسلم بر وایت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ)

مومنوں کی مثال باہمی دوستی شفقت و عاطفت اور ایک دوسرے پر مہربان ہونے میں جسم (کے اعضاء) کی مانند ہے، جب جسم کا کوئی ایک عضو مرض میں مبتلا ہوتا ہے تو تمام جسم کے اعضا بیماری کی تکلیف کی وجہ سے راتوں کو جاگنے اور بخار کا اثر قبول کرنے میں اس کا ساتھ دیتے ہیں (اور پورا جسم بیمار ہو جاتا ہے)۔

---

(١) صحيح البخارى، ابواب المظالم والقصاص، باب نصر المظلوم، ج:١ ص ٣٣١، ط: قديمى.

صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والادب، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم، ج:٢ ص:٣٢١، ط: قديمى.

(٢) صحيح البخارى، كتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم، ج:٢ ص:٨٨٩، ط: قديمى.

صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والادب، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم، ج:٢ ص:٣٢١، ط: قديمى.

اس کے بالمقابل اس رابطۂ وحدت اور رشتۂ اخوت کو پارہ پارہ کردینے کے بارے میں شدید وعیدیں اور بلیغ مثالیں آئی ہیں، چنانچہ ارشاد ہے:

"الا اخبركم بافضل من درجة الصيام والصلوة والصدقة، قالو: بلى، قال: اصلاح ذات البين، فان فساد ذات البين هى الحالقة، لا اقول تحلق الشعر ولكن تحلق الدين"(١) (ابو داؤد، ترمذی، بروایت ابو الدرداءؓ)

فرمایا: کیا میں تمہیں روزہ، نماز اور صدقہ کے درجہ سے بھی افضل (عبادت) نہ بتلاؤں؟ (صحابہ نے) عرض کیا: کیوں نہیں (ضرور بتلایئے) فرمایا: (وہ عبادت) باہمی تعلقات کی اصلاح (خوشگوار بنانا) ہے، اس لئے کہ اس کے مقابلہ پر آپس کے تعلقات کو بگاڑنا (اور خراب کرنا) ہی مونڈ دینے والی (معصیت) ہے، میرا مطلب یہ نہیں کہ یہ (حرکت) بالوں کو مونڈتی ہے، بلکہ یہ تو (پوری قوم کے) دین (وایمان) کو مونڈ ڈالتی ہے (تباہ کردیتی ہے)۔

دنیائے اسلام کیلئے مسلمانوں کے باہمی اتحاد وتعاون سے بڑھ کر کوئی نعمت اور رحمت نہیں، جس طرح دنیا میں مسلمانوں کے تحزب (دھڑے بندی) اور افتراق سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں، قرآن کریم کی آیت کریمہ:

﴿اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ﴾ [الانعام:٦٥]

یا تم کو مختلف گروہوں میں بانٹ دے اور ایک دوسرے سے لڑادے (خانہ جنگی کے عذاب میں مبتلا کردے)۔

میں اسی عذاب کا ذکر فرمایا ہے۔

جہادِ پاکستان اور اتحاد

آج اگر مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک کے مسلمانوں میں باہمی اتحاد وتعاون اور تنظیم کی روح کارفرما ہوجائے تو یقینا دنیا کی سب سے بڑی طاقت اسلام اور مسلمانوں کی طاقت ہو۔ خدا کا شکر ہے کہ جہاد پاکستان کے موقعہ پر اس اسلامی اتحاد وتعاون کی ہلکی سی جھلک سامنے آگئی اور ترکی، ایران، عرب اور جاوہ نے اس نازک موقعہ پر پاکستان کی اعانت وامداد کرکے یہ وحدت اسلامی کا بھولا ہوا سبق مسلمانوں کو یاد دلایا ہے اور اب محسوس ہوتا ہے کہ یہ جہاد کیا تھا نفحۃ الہیہ (نسیم رحمت الہی) کا ایک ایسا جھونکا تھا جس نے اسلامی اخوت ووحدت کی لہر بجلی کی طرح دنیا کے مسلمانوں میں دوڑادی اور مشاہدہ میں آگیا کہ جہاد ہی ایک نعمت ہے جس کے ذریعہ حق تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کی سعادت اور دنیا کی عزت وعظمت میسر آسکتی ہے اور اس نعمت سے محرومی مسلمانوں کی دنیا اور آخرت

---

(١) سنن الترمذی، کتاب الزهد، باب اصلاح ذات البين، ٢ ص: ٧٤، ط: فاروق کتب خانه.

سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب اصلاح ذات البين، ج: ٢ ص: ٦٧٣، ط: حقانيه

دونوں میں ذلت اور رسوائی کا باعث بنتی ہے۔ خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کی طرف امت کو ذیل کے الفاظ میں متوجہ فرمایا ہے:

"الجهاد ماض إلى يوم القيامة"(۱)

جہاد قیامت کے دن تک جاری رہے گا۔

اندرون ملک میں بھی اسی جہاد کی برکت سے پوری قوم میں بے نظیر اتحاد و یگانگت اور ہمدردی و تعاون کے جذبات یکدم بیدار ہو گئے، تمام جماعتی اور سیاسی تفرقے مٹ گئے، ایثار و سرفروشی کے احساسات بروئے کار آگئے اور چشم زدن میں اہل پاکستان اس عظیم نعمت سے سرفراز ہو گئے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

درحقیقت پاکستان کا یہ دور نہایت مبارک و مسعود ہے جس میں قوم کو بہت بڑی سعادت سے ہمکنار ہونا نصیب ہوا، اور برسوں کے خواب غفلت سے پوری قوم بیدار ہو گئی، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تاریخ اسلام میں مسلمانوں کی ترقی و برتری کا راز سربستہ منکشف ہو گیا، آیات جہاد اور احادیث قتال فی سبیل اللہ کے حقائق و برکات کا مشاہدہ ہو گیا۔

کاش! مسلمان اس عظیم الشان نعمت الٰہی کا صرف زبانی شکریہ کے بجائے حقیقی شکریہ ادا کریں اور اس منحوس زندگی کو یکسر ختم کر دیں جو غضب الٰہی اور قہر خداوندی کو دعوت دیا کرتی ہے، ارباب اقتدار کا بھی فرض ہے کہ اللہ کی دی ہوئی اس طاقت و قدرت سے صحیح فائدہ اٹھائیں اور اس ملک میں اللہ تعالیٰ کا قانون رحمت و حکمت یعنی مکمل نظام شریعت جلد از جلد جاری کر دیں اور اس کی رہنمائی میں ملک کے اندر ایک صالح معاشرہ کی تشکیل کریں، اور اس شکر نعمت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے وعدے:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ [ابراهيم:۷]

اگر تم نے شکر کیا تو ہم تمہیں زیادہ دیں گے اور اگر تم نے کفر کیا تو (یاد رکھو) میرا عذاب بڑا سخت ہے

کے مطابق دنیا میں اور زیادہ سے زیادہ عزت و عظمت اور طاقت و قوت کی نعمت سے سرفراز ہوں اور آخرت میں رضاء الٰہی اور ابدالآباد تک رہنے والی لازوال نعمتوں سے مالا مال ہوں۔

مگر اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس اور چین وغیرہ [illegible] طاقتوں اور خالص مفاد پرست خود غرض قوموں سے اپنا دامن چھڑا کر احکم الحاکمین کی بارگاہ جلال و [illegible] کریں اور رب العالمین کی بارگاہ قدس میں سربسجود ہو کر کونین کی نعمتوں اور سعادتوں سے سربلند اور سرخرو ہوں۔

---

(۱) المعجم الاوسط، من اسمه عبدالرحمن، رقم الحديث ٤٧٧٥، ج:٥ ص:٩٥، ط: دار الحرمين القاهرة.
مجمع الزوائد، باب لايكفر احد من اهل القبلة بذنب، رقم الحديث ٤٠٤، ج:١ ص:١٢٦، ط: دار الفكر بيروت

پاکستان کی اصلاح کے لئے چند ضروری تجاویز

چند خوش آئند تبدیلیاں دیکھ کر خوشی ہوئی، ریڈیو کے نظام میں کچھ تبدیلی آ گئی ہے، سنا ہے کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مخلوط تعلیم ختم کرنے کے لئے بھی احکامات جاری کر دیئے گئے ہیں، سب سے زیادہ نیک فال یہ ہے کہ قرآن عظیم کے بارے میں پہلی مرتبہ یہ اعلان ہوا ہے کہ حکومت پاکستان قرآن کریم کی رہنمائی کو رہنما اصول کے طور پر تسلیم کرتی ہے، لیکن یہ تبدیلیاں اور اقدامات اصلاح حال کے لئے قطعاً ناکافی ہیں، ریڈیو پر اگرچہ عام گانے بند کر دیئے گئے ہیں لیکن قومی اور رزمی ترانے صنف نازک کی سریلی آوازوں اور طاؤس و رباب کے دلکش نغموں کے ساتھ اور موسیقی کی ترنم ریزیاں ابھی تک باقی ہیں، یہ نہ مرض کا پورا علاج ہے اور نہ کامل شکر نعمت، یہ درست ہے کہ معاشرہ کا مذاق اتنا بگڑ چکا ہے کہ یکدم اصلاح ممکن نہیں، تاہم مدبرانہ تدریجی نظام کے ساتھ مزید اقدامات کے جاری رکھنے کی ضرورت ہے، قرآنی قانون اور شرعی نظام جلد از جلد نافذ ہونا چاہئے، ہر قسم کے رقص و سرود کی محفلیں رفتہ رفتہ ختم ہونی چاہئیں، کلبوں اور اعلیٰ سوسائٹیوں میں عورتوں اور مردوں کے بے محابا اختلاط، سرکاری تقریبات میں لازمی عورتوں کی شرکت کی بھی بیخ کنی ہونی چاہیے، اخبار اور رسائل میں ملکی اور غیر ملکی عورتوں کے نیم عریاں فوٹو اور تصاویر کی اشاعت خصوصاً کاروباری اغراض کے لئے سینما اور دوسری کمپنیوں کے اشتہارات میں عورتوں کی تصاویر کی اشاعت و استعمال قطعاً ممنوع ہونا چاہئے، شراب نوشی اور قمار بازی بہر صورت قابل سزا جرم قرار دیا جانا چاہیے، غرض نہ صرف اغیار بلکہ اعداء کی اس مستعار تہذیب و ثقافت اور ملعون زندگی کو جس کی یہ سب نحوستیں ہیں یکسر خیر باد کہہ کر دنیا میں ایک باوقار و باعزت اور خوددار و طاقتور قوم کی تشکیل ناگزیر ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور آخرت کی مسؤلیت پر کامل یقین و ایمان موجود ہو اور عہد حاضر کے تجربات و مشاہدات سے استفادہ کرنے والی عقل صحیح عزم راسخ اور خود اعتمادی کی طاقت میسر ہو تو دنیا کی کوئی مشکل بھی مشکل نہیں ہے، عبرت کے لئے چین کی مثال موجود ہے مگر درحقیقت یقین محکم ہونے کے بجائے کمزور، عقل کامل ہونے کے بجائے ناقص اور عزم راسخ ہونے کے بجائے متزلزل اور احساس کمتری غیر شعوری طور پر مسلط ہو چکا ہے، اسی قصور اور خامی کی وجہ سے صورت حال میں مؤثر انقلاب آفرین اقدامات کی ہمت نہیں ہوتی۔

اللهم اهد قومی فانهم لا یعلمون

گروہ بندی ۔ افتراق اور علماء کرام

جس طرح عوام اور قوم کے دوسرے طبقوں میں انتشار و افتراق اور تحزب (گروہ بندی) کارفرما ہے، اسی طرح علماء کرام کے طبقوں اور دینی اداروں میں بھی تشتت و افتراق موجود ہے، نہ صرف مختلف مکاتب فکر کے علماء میں بلکہ ایک ہی مکتب فکر کے بزرگوں میں بھی یہی صورت حال کارفرما ہے، کہیں جمعیت علماء اسلام ہے تو کہیں

جمعیت علماء پاکستان اور کہیں مجلس احرار اسلام موجود ہے تو کہیں جمعیت اہل حدیث، کہیں تنظیم اہل سنت ہے تو کہیں ادارہ ختم نبوت، دین کے لئے یہ انتشار و افتراق سانحہ عظیم ہے، کاش! یہ سب ادارے یا کم از کم ایک ایک مکتب خیال کے ادارے ایک مرکز پر جمع اور متحد و متفق ہو جائیں اور پھر باہمی تعاون و مشاورت اور متحدہ نظام کے تحت تقسیم کار کے اصول پر جو جماعت جس مقصد کے لئے زیادہ اہل اور موزوں ہو وہ کام اس کے سپرد کر دیا جائے، آپس میں کلی ارتباط واتحاد، تعاون وتناصر اور ہم آہنگی و یگانگت موجود ہو اور سب ایک نظام میں منسلک ہوں۔

خوشی ہے کہ اس مہلک صورت حال کا احساس ہو چلا ہے، چنانچہ گذشتہ ماہ ملتان میں اسی تشتت و افتراق کو ختم کرنے کی عرض سے ارباب علم وفضل کا ایک اجتماع ہوا تھا اور اسی مقصد کے پیش نظر اس ماہ لاہور میں سیاسی کام کرنے والی جماعتوں کے باہمی اتحاد و تعاون سے متحدہ اسلامی محاذ وجود میں آیا ہے اور ۵/دسمبر ۱۹۶۵ء کو جمعیت علماء کے زیر اہتمام دوبارہ ملتان میں اتحاد و تنظیم کے لائحہ عمل اور باضابطہ تشکیل پر غور کیا گیا ہے۔

خدا کرے کہ اس مبارک اور ملک وملت کے لئے خوش آئندہ مقصد کا سفینہ ساحل مراد تک پہنچ جائے اور علماء کے طبقہ کا یہ تشتت وافتراق دور ہو جائے، دلوں میں خلوص نیت صالح اور عزم راسخ ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ کامیابی نہ ہو۔

"مجلس دعوت واصلاح" کے اہم ترین مقاصد میں ایک مقصد یہ بھی ہے، اس لئے ہم اس مقصد کے لئے تمام دینی جماعتوں کو سیاسی ہوں یا غیر سیاسی ہر قسم کے تعاون اور عملی اشتراک کا یقین دلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس مبارک مقصد کی تکمیل کے لئے ہم سب کو توفیق عمل عطا فرمائیں، وما ذالك على الله بعزيز۔

[شعبان ۱۳۸۵ھ/دسمبر ۱۹۶۵ء]

مسلمانوں کے لئے دنیا کی عزت وآبرو حاصل کرنے کا طریقہ

امسال بتوفیق اللہ تعالیٰ اسلامی اور غیر اسلامی ممالک میں دینی دعوت وتبلیغ کے کام اور طریق کار پر غور کرنے کا زیادہ موقع ملا، اپریل ۱۹۷۳ء کے آخری عشرہ میں بمقام پیٹر میٹرس برگ (صوبہ نیٹال جنوبی افریقہ) میں تبلیغی اجتماع طے پایا تھا، بعض مخلصین کی خواہش بلکہ اصرار پر بندہ نے بھی شمولیت کا وعدہ کر لیا تھا، گو اپنی معذوری اور مدرسہ کے علمی وانتظامی اشغال کے پیش نظر ایفاء مشکل تھا، لیکن بہرحال وعدہ کر چکا تھا اور کچھ احباب کا اصرار بھی بہت بڑھ گیا تھا، بلکہ میرے مخلص ترین احباب "آل میاں" کو جب خبر ہوئی تو ان کی خواہش ہوئی کہ پورے سفر کے انتظامات وہ خود کریں، چنانچہ ۱۳/اپریل کی صبح کو پی آئی اے سے براہِ عدن نیروبی پہنچا اور نیروبی سے اولمپک ایرویز یونانی کمپنی کے ذریعہ جوہانسبرگ پہنچ گیا اور ۶/ہزار میل کا یہ طویل سفر چند گھنٹوں میں الحمد للہ بعافیت وآسانی طے ہو گیا، ایئرپورٹ پر علماء کرام اور مخلصین واحباب نے خیر مقدم اور استقبال سے شرمندہ فرمایا۔

اس میں سے علمی ودینی مرکز دائرفل کے "المعهد الاسلامی" میں قیام ہوا، جہاں ہر طرح کے آرام وراحت کے سامان تصور سے بالاتر مہیا تھے، اس وقت نہ سفر نامہ لکھنا مقصود ہے نہ عادت ہے، نہ بینات کے محدود صفحات ان دلچسپیوں کے متحمل ہیں، تبلیغی مقصد کے پیش نظر یہ سفر کیا گیا تھا اس لئے دینی اور تبلیغی تاثرات ہی زیادہ تر سفر کا موضوع رہے اور اسی میں وقت صرف ہوا، تقریباً ایک ہفتہ تو صرف صوبہ نیٹال کے تبلیغی اجتماعات میں صرف ہوا، اور موضوع صرف یہی رہا کہ اگر مسلمان دنیا میں باعزت زندگی بسر کرنے کے آرزومند ہیں تو ان کو دین کے لئے قدم ضرور اٹھانا پڑے گا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت سے صحیح مسلم میں جو صحیح حدیث مروی ہے اس کی سیر حاصل تشریح ہوئی ہے، فرمایا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے:

"ان الله يرفع بهذا الكتاب اقواماً و يضع به آخرين"(١)

حق تعالیٰ قرآن کریم پر عمل کرنے والوں کو اٹھاتا ہے اور عمل نہ کرنے والوں کو گراتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال تھی، اس وقت حدیث شریف کی کافی وشافی تشریح اور بیان کا موقع ملا اور اس امر کی وضاحت کی کہ انسان خلیفۃ اللہ فی الارض ہے، اسی کے ذریعہ حق تعالیٰ کے اسرار قدرت اور آثار حکمت ظاہر ہوتے ہیں اور تکوینی مصالح کے لئے تو اس کا وجود ازبس ضروری ہے، چنانچہ اگر انسان دین الٰہی کے تابع ہو جائے تو تکوینی وتشریعی دونوں قسم کی مصالح وحکم کے ظہور کا ذریعہ بنتا ہے اور اگر یہی انسان صحیح مسلمان بن کر حق تعالیٰ کے کلام کی صورت کی حفاظت کرتا ہے تو خود اس کی صورت محفوظ ہو جاتی ہے اور اگر اس کے معنوں کی حفاظت بھی کرتا ہے، یعنی اس پر عمل کرکے اس کو محفوظ کرتا ہے تو حق تعالیٰ کا صحیح معنی میں سفیر ہوتا ہے اور سفیر اپنی حکومت کا صحیح نمائندہ ہوتا ہے، لہٰذا اگر سفیر اپنی حکومت کا صحیح ترجمان اور صحیح نمائندہ بنتا ہے تو حکومت کے ذمہ بھی فرض ہوتا ہے کہ اس کی ہر طرح حفاظت کرے، اسی لئے دنیا کے قانون میں سفیر کو نکالنا اس حکومت سے بغاوت کے مترادف سمجھا جاتا ہے اور عداوت اور مخالفت کی دلیل ہے۔

غرض اس موضوع کی تشریح میں حق تعالیٰ کی توفیق شامل حال رہی اور آخرت ودنیا کی نعمتوں کا تفصیلی موازنہ کیا اور "ومامتاع الدنيا فی الآخرة الاقليل" کی خوب خوب توضیح ہوئی، حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ خلاف توقع اس کا اثر اچھا ہوا اور کافی تبلیغی قافلے دنیا کے گوشے گوشے کے لئے تیار ہوگئے۔

اس کے بعد مختلف مقامات پر جزوی بیانات ہوئے، پھر پرتگالی مقبوضہ افریقہ موزمبیق کے دارالخلافہ [illegible] جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں بھی احباب ومخلصین کے ذریعہ متعدد بیانات ہوئے اور ان ممالک میں تبلیغی کاموں کا جائزہ لیا گیا اور محسوس ہوا کہ اگر کوئی مخلص عالم پرتگیزی زبان جاننے والا اس سرزمین میں کام کرے تو وہاں کی حبشی قومیں بہت آسانی سے اسلام قبول کرسکتی ہیں، چنانچہ معلوم ہوا کہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے ایک فارغ

---

(١) صحيح مسلم، كتاب فضائل القرآن، باب فضل من يقوم بالقرآن، ج:١ ص:٢٧٢، ط: قديمی.

التحصیل عالم کے ہاتھ پر ایک ہزار سے زائد حبشی مسلمان ہو چکے ہیں، اس موقعہ پر قرآن کریم میں صدقات وزکوۃ کے مستحقین یا جن لوگوں پر خرچ کئے جائیں کے اقسام میں ایک قسم والمؤلفة قلوبهم کی اہمیت محسوس ہوئی کہ آج بھی ایسی صورت موجود ہے اگر مسلمان ان نومسلموں کی پرورش پر زکاۃ کے اموال ہی خرچ کریں تو ہزاروں ہزار مفلس حبشی حلقہ اسلام میں داخل ہو سکتے ہیں۔

بہرحال محسوس ہوا کہ جن بلاد میں مسلمانوں کی حکومت نہیں ہے ان میں اس انداز سے کام کرنے میں بہت کچھ کامیابی ہو سکتی ہے، جنوبی و پرتگالی افریقہ سے فارغ ہونے کے بعد لندن کا پروگرام تھا، چونکہ یہ سفر طویل تھا اس لئے آل میاں نے میری رفاقت اور اعانت کے لئے ایک انگریزی داں عالم دین حافظ موسیٰ یوسف میاں کا انتخاب کیا جن سے مجھے ہر طرح کی آسائش و آسانی میسر آئی۔

دورۂ برطانیہ

جوہانسبرگ سے تمام افریقہ کے براعظیم کو تقریباً دس گھنٹہ کی مسلسل پرواز کے ذریعہ طے کر کے اندلس کے دارالخلافہ میڈرڈ پہنچے، ایک شب میڈرڈ میں، دو راتیں قرطبہ میں اور چند گھنٹے غرناطہ میں گذارے، مسلمانوں کے عروج و زوال کی تاریخ بیک وقت سامنے آئی اور قرطبہ کی مرحوم جامع مسجد کو دیکھ کر سینہ کے داغوں کو تازہ کیا اور جامع قرطبہ کے ایک گوشے میں دوگانہ نفل ادا کرنے کی توفیق نصیب ہوئی، لندن میں احباب و مخلصین کا ایک وسیع حلقہ تھا اس لئے تمام انگلستان کے اکثر مقامات ڈیوزبری، والسال، باٹلی، برمنگھم، ڈارسٹن، مانچسٹر، بریڈفورڈ، بولٹن، شفیلڈ وغیرہ پر اجتماعات کا پروگرام بن گیا اور ہر جگہ جانا پڑا، نو دن کے قیام میں بیس پچیس بیانات ہوئے، انگلستان کے مسلمان باشندوں کی نئی نسل کے لئے شدید خطرات محسوس ہوئے اس لئے کہ تعلیم لازمی ہے اور مخلوط ہے اور مسلمانوں کے اور لندن کی اصلی باشندہ حکمراں قوم دونوں کے اسکول و کالج ساتھ ہیں، اس مخلوط معاشرے کے زیر اثر ہفتہ وار لڑکیوں کے لئے جدید انداز میں تفریحی غسل کرنا، ان درسگاہوں میں ضروری ہے اور لڑکوں کے لئے ٹیلیویژن پر اس کا دیکھنا بھی ضروری ہے اس تعلیمی و تفریحی اختلاط کے جو زہریلے اثرات پیدا ہوں گے ظاہر ہے کہ وہ نہایت ہی شرمناک و دردناک ہوں گے، ویسے بھی لندن میں کیا بلکہ تمام انگلستان میں عریانی اور فحاشی کے ہیجان انگیز مظاہر عام ہیں اور جدید نسل کے لئے انتہائی تباہ کن ہیں، اس لئے اکثر بیانات میں موضوع یہی رہا ہے کہ اسلامی اقدار کو جدید مخلوط تعلیم کے زہریلے اثرات سے محفوظ رکھنا مسلمانوں کے لئے بہر صورت ضروری ہے اور اس کے لئے جو کچھ تدبیریں سمجھ میں آئیں وہ بیان کرتا رہا، جو ارباب علم وہاں پہنچ چکے ہیں ان کے لئے رضوان الٰہی اور جنت حاصل کرنے کے بے حد مواقع ہیں اگر وہ تبلیغی مقاصد کے پروگرام کے تحت دینی خدمت انجام دیں اور محض مال و زر کی تحصیل مقصد نہ ہو تو وہ دنیا اور آخرت دونوں کی دولت کما سکتے ہیں۔

بہر حال یہ محسوس ہوا کہ ان بلاد میں تبلیغ دین اور مسلمانوں کو بیدار کرنے کی بڑی شدید ضرورت ہے، نیز محسوس ہوا کہ انگلستان کی نئی نسل کو اسلام سے زیادہ عداوت نہیں رہی ہے، عقلوں میں پختگی آ گئی ہے، نفع وضرر، خیر وشر کی تمیز کر سکتے ہیں، عصبیت کے دبیز پردے بھی ہلکے پڑ گئے ہیں، اپنی مسیحیت سے بیزار ہو چکے ہیں، مسلمانوں کے ہاتھ اپنے گرجے فروخت کر رہے ہیں، اپنے طریقہ زندگی میں سکون قلب کو ترستے ہیں، ان حالات میں اگر ان کو اسلام کا نسخہ شفاء اور دوا، سکون وطمانیت کو مؤثر انداز میں پیش کیا جائے تو بہت جلد قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے اور اس میں تو شک ہے ہی نہیں کہ اہل باطل جتنا اپنے باطل دین سے دور ہوں گے اتنا ہی حق اور اسلام کے قریب آئیں گے، افسوس کہ زیادہ قیام کی گنجائش نہیں تھی ورنہ بہت کام ہو سکتا تھا۔

مراجعت پر پیرس، سوئزرلینڈ، ترکی میں بھی تھوڑا تھوڑا قیام ہوا، آج کے ترکی میں اور اتاترک وعصمت انونو کے ترکی میں زمین آسمان کا فرق پایا، نوجوانوں میں عربی زبان، عربی تعلیم کا ذوق بڑھ رہا ہے، دینی کتابیں شائع ہو رہی ہیں دینی اور تجارتی کتب خانے بارونق ہیں۔

قدیم وجدید مطبوعات میسر آ رہی ہیں، مسجدیں آباد ہو رہی ہیں، شیخ الاسلام کے عہدے کے لئے ایک عمدہ اور پختہ عالم دین ''علی فکری یادوز'' کا انتخاب متوقع ہے، یہ انقلاب دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی، سابقہ مساجد اور قلمی نوادرات کی ۵ رلاکھ علمی کتابوں کے ساتھ ساتھ جدید ترکی کی یہ ترقی مزید جاذبیت کا ذریعہ ہے، سرزمین حرمین شریفین پر سفر ختم ہوا، ارادہ صرف ایک ہفتہ قیام کا تھا لیکن کسی دینی خدمت کی وجہ سے قیام دو ہفتہ سے بھی زیادہ ہو گیا، اثناء قیام مدینہ طیبہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب دامت برکاتہم کی مجالس وصحبت میں حاضری بھی نصیب ہوئی، ۱۹ رجون کو یہ سفر ختم ہوا۔

[جمادی الثانیہ ۱۳۹۳ھ راگست ۱۹۷۳ء]

پاکستان اور اس کے دشمن

﴿هٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ [الاعراف: ۲۰۲]

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہماری حکومت نے قرطاس ابیض شائع کر کے امت پر بڑا احسان کیا، حکومت ہی کی زبان سے مشرقی پاکستان کی انسانیت سوز بربریت سامنے آ گئی اور مجیب وبھاشانی کی امت نے جس درندگی کا ثبوت دیا اس کی پہلی مرتبہ نقاب کشائی ہوئی، ان لرزہ خیز مظالم کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، انسانیت کی تاریخ قیامت تک اس کا ماتم کرے گی، حکومت ہند کے ناپاک عزائم بھی ایک مرتبہ پھر دنیا کے سامنے آ گئے، برطانیہ کے ناپاک ارادوں پر سے بھی پردہ اٹھ گیا اور بی بی سی لندن جو خودساختہ خبریں اپنی منحوس خواہشات کے پیش نظر شائع کر کے دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک رہی ہے اس کا پردہ بھی چاک ہو گیا، اس قرطاس ابیض کو

انگریزی اور عربی میں لاکھوں کی تعداد میں شائع کرنے کی ضرورت ہے اور اپنے سفارت خانوں کے ذریعہ دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچانے کی حاجت ہے۔

اس کا افسوس ہے کہ ہمارے اکثر سفارت خانے خصوصاً مشرق اوسط کے پاکستانی سفارتخانے اپنے منصبی فرائض کے ادا کرنے میں انتہائی افسوسناک حد تک مقصر ہیں، برطانیہ اور امریکہ کے ناپاک ارادے تو پہلے سے معلوم ہو چکے تھے، اب روس کی منافقانہ چالوں کا پردہ بھی چاک ہوتا جارہا ہے، سچ کہا ہے ”الکفر ملة واحدة“ یہ تمام داستانیں ہمارے لئے عبرت کے صحیفے ہیں کہ ہمیں خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی شدید ضرورت ہے اور انتہائی کوشش کرنی چاہیے کہ ہم ان دشمنان اسلام سے بھیک مانگنے سے اجتناب کریں اور ہم ان کفر کی طاقتوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر مزید رسواء اور ذلیل نہ ہوں اور اس غیبی طاقت سے اپنا رشتہ جوڑیں جس کے قبضہ قدرت میں تمام کائنات کی طاقتیں ہیں، جو ایک پلک جھپکنے میں تمام کائنات کو صفحہ ہستی سے مٹادینے کی طاقت رکھتی ہے اور جب تک ملک میں اسلامی قانون نافذ نہ ہو چین سے نہ بیٹھیں، مگر قوم میں اجتماعی دینی روح جب تک پیدا نہ ہو اس وقت تک اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔

ضروریات دین کا انکار موجب کفر ہے

چند روز پہلے اخبار جنگ میں یہ خبر نظر سے گذری کہ ایک مسلمان خاتون نے عدالت میں دعویٰ دائر کر کے عدالت سے چارہ جوئی کی ہے کہ میرا شوہر زکاۃ سے منکر ہے، اسلام سے خارج ہو گیا، مجھے اس کے نکاح میں رہنا جائز نہیں، اس لئے قانوناً بھی اس کے حق زوجیت کو ختم کر دیا جائے، اس مایوس کن فضا میں یہ خبر اور ایک مسلمان عورت کا یہ مطالبہ ایک مسلمان کے لئے انتہائی امید افزا ہے، بلاشبہ یہ مطالبہ بالکل صحیح ہے، شرعاً تو اس کی تفریق ہو ہی گئی، نماز، روزہ، زکاۃ، حج یہ بنیادی اسلامی قوانین واحکامات ہیں، ان میں اگر عملی تقصیر ہو جائے تو دائرہ اسلام سے انسان نہیں نکلتا، ہاں معصیت وفسق مبتلا ہو جاتا ہے، لیکن اگر ایک سیکنڈ کے لئے بھی ان کی فرضیت سے انکار کر دے تو فوراً دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، یہی حکم وقانون ان تمام احکام کا ہے جن کا ثبوت اور دین اسلام کا جزو ہونا قطعی ویقینی ہے کہ ان کے انکار سے کفر لازم آتا ہے، مثلاً شراب کی حرمت، زنا کی حرمت، سود کی حرمت، خنزیر کے گوشت کی حرمت وغیرہ وغیرہ، یہ سب چیزیں دین اسلام میں حرام ہیں، اگر کوئی شخص عملی تقصیر کر کے مبتلا ہو جائے تو فاسق ہوگا کافر نہیں ہوگا لیکن اگر کوئی مسلمان ان کی حرمت سے انکار کرے اور حلال سمجھے چاہے عملاً بچتا ہی رہے پھر بھی کافر ہو جائے گا، اسی طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ورسول ہونے کا یعنی ختم نبوت کا عقیدہ بھی قطعی ویقینی ہے، قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا آخری آسمانی پیغام ہے اور ابدی ہے، اگر کوئی شخص قرآن کریم کے اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے سے انکار کرے، چاہے روزانہ تلاوت بھی کرتا رہے وہ مسلمان

نہیں ہو سکتا، اسی طرح جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور کی نبوت کا قائل ہو کہ آپ کے بعد کوئی اور بھی نبی ہو سکتا ہے تو وہ بھی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ (خواہ کلمہ طیبہ پڑھتا رہے)

الغرض جو چیز بھی دین اسلام کا یقینی جزو ہو اس کو اسلام سے خارج کرنے سے انسان خود اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، یہی عقیدہ اور عمل کا بنیادی فرق ہے، موٹی سی بات ہے اگر انسان غور کرے، ایک شخص کا اگر یہ عقیدہ ہو کہ موجودہ حکومت صحیح نہیں بلکہ غلط اور غیر آئینی ہے اس کی اطاعت اور احکامات کی پابندی ضروری نہیں تو اسے یقیناً باغی قرار دیا جائے گا اور وہ کسی بھی رعایت کا مستحق نہ ہوگا، لیکن اگر حکومت کو تو صحیح اور آئینی مانے البتہ کسی بھی وجہ سے کسی قانونی پابندی میں کوتاہی کرے تو یہ جرم پہلے جرم سے بہت ہلکا ہوگا اور قابل معافی بھی ہو سکتا ہے، علماء امت نے بہت وضاحت سے اس کی تحقیق کی ہے کہ جو احکام شرعیہ قطعی ہیں جن کی علمی تعبیر یہ ہے کہ جو ضرورت دین ہیں یعنی ان کا دین اسلام سے ہونا قطعی اور بدیہی ہے اور ان کا انکار کرنا یا ان میں تاویل کرنا اور ان کو ان کے قطعی مفہومات سے نکالنا جو تیرہ سو سال سے مسلّم چلے آتے ہیں، یہ سب کفر ہے، مثلاً نماز جو مخصوص عبادت ہے اس کے لئے وضو کرنا بھی فرض ہے، استقبال قبلہ بھی فرض ہے، جس جگہ پڑھی جائے اس کا پاک ہونا بھی فرض ہے، ان کپڑوں کا جن میں نماز پڑھی جاتی ہے ان کا پاک ہونا بھی فرض ہے، تکبیر- اللہ اکبر- سے شروع ہوتی ہے، سلام -السلام علیکم ورحمۃ اللہ- پر ختم ہوتی ہے، قیام، رکوع وسجود وقعود اس کے ارکان ہیں وغیرہ وغیرہ، لہٰذا جس طرح نماز کا فرضیت سے انکار کرنا کفر ہے، ٹھیک اسی طرح نماز کے معنی بدلنا یا اس کی یہ تاویل کرنا کہ نماز سے محض اللہ کی یاد مراد [illegible] یقیناً یہ بھی کفر ہے، یہی وجہ ہے کہ غلام احمد پرویز اپنی تحریرات وتالیفات میں نماز، زکاۃ، روزہ، حج، اطاعت رسول اور اطاعت اللہ کے مفہومات بدلنے کی وجہ سے ہی کافر ہو گیا اور اسی لئے مرزا غلام احمد قادیانی جہاں اس کے اور سینکڑوں کفریات ہیں، وہاں ختم نبوت یا نزول مسیح علیہ السلام کے معنی میں تاویل کرنے کی وجہ سے مسلمہ طور پر باتفاق امت کافر ہے، بہرحال ایک خاتون کے اس اسلامی جذبے اور دینی غیرت وحمیت سے بہت مسرت ہوئی مگر ہمیں توقع ہے کہ اگر اس کے شوہر کو سمجھایا جائے تو وہ بھی اس انکار سے توبہ کر لے گا۔

روز افزوں خرابیاں اور ان کا تدارک

پاکستانی معاشرے میں روز افزوں خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں، اور نئی نسل اخلاق اور دین کے تقاضوں سے آزاد ہو رہی ہے، یہ صورت حال انتہائی دردناک ہے اور اس کے عواقب ونتائج انتہائی خطرناک ہیں، بنیادی چیز جس پر زیادہ تر دارومدار ہے وہ تعلیم ہے، تعلیم کے دو موثر عوامل ہیں (۱) نصاب تعلیم (۲) اور اساتذہ تعلیم، انتہائی ضروری ہے کہ ان دونوں عوامل تعلیم کی بنیاد دین پر ہو، قرآن کریم کی تعلیمات، احادیث نبویہ کے اخلاقی جواہر پارے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی سیرت مقدسہ نصاب تعلیم کا اہم جزو ہونا

چاہیے، جب تک اس نصاب کی اصلاح نہ ہو کیونکر یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ افکار وخیالات اور زندگی میں کوئی انقلاب آ سکتا ہے، مشرقی پاکستان کی تباہی وبربادی کی داستان جو آج کل زبان زد خاص وعام ہے، اس میں زیادہ تر مؤثر تعلیمی نصاب تھا، جو نصاب پڑھایا جاتا تھا وہ وہی نصاب تھا جو بھارت نے مغربی بنگال کے مدارس میں ہندو نسل کے لئے تیار کروایا تھا، پڑھانے والے اساتذہ جو دوسرا مؤثر ترین عامل ہے زیادہ تعداد میں ہندو اساتذہ تھے، ہندو استاذوں کی تربیت ہو اور نصاب تعلیم ہندوانہ ہو اس کے نتائج وہی نکلنے تھے جو سامنے آئے، کسی زمین میں جو تخم ڈالا جائے گا وہی پھوٹ کر نکلے گا، اس لئے انتہائی ضروری ہے کہ نصاب تعلیم کے ہر مرحلے پر ابتدائی اسکول سے لے کر ایم اے کے نصاب تک درجہ بدرجہ دینی عنصر مؤثر انداز سے شامل کیا جائے۔

اساتذہ کے انتخاب میں دین واخلاق اور کردار کی پختگی کو معیار قرار دینا بہت ہی ضروری ہے، اگر اساتذہ غیر اسلامی ذہنیت کے ہوں گے یا اسلامی اخلاقی اقدار سے آزاد ہوں گے تو ظاہر ہے کہ نرا نصاب کچھ نہیں کرسکتا ہے، ان کی زندگی کا اثر طلبہ پر لامحالہ پڑے گا، افسوس یہ ہے کہ ایک طرف تو مؤثر اصلاحی عوامل کی کم یابی بلکہ نایابی ہے اور دوسری طرف یورپ کی تہذیب کی پوری نقالی کی ہر ممکن ترغیب ہے، ایسی صورت میں جو فساد پیدا ہو رہا ہے اس کی کس طرح اصلاح ہوسکتی ہے، سب سے دردناک چیز یہ ہے کہ درحقیقت جو مرض ہے اس کو صحت وتندرستی سمجھ لیا گیا ہے، دنیاوی زندگی میں عیش پرستی اور تن آسانی، دین واخلاق کے تقاضوں سے آزادی کو ہی عملاً ترقی کا معیار قرار دے دیا گیا ہے اور یہی تصور ذہنوں میں راسخ ہو چکا ہے، بقول شاعر:

اب تو آرام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

جب قوم اس مرحلے پر پہنچ جاتی ہے تو عواقب ونتائج انتہائی خطرناک ہوجاتے ہیں، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ
فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا﴾ [الاسراء:١٦]

یعنی جب بداعمالیوں کی شامت کی بنا پر کسی بستی کو ہلاک کرنا ہوتا ہے تو دفعۃً ان کو نہیں پکڑتے بلکہ اتمام حجت کے طور پر ان کو احکام الٰہی پہنچائے جاتے ہیں، لیکن وہاں کے امراء اور ارباب عیش وعشرت جب فسق وفجور میں مبتلا ہو کر تمام معاشرے کو برباد کر دیتے ہیں تو وہ پوری بستی عذاب الٰہی کی مستحق بن جاتی ہے اور ہم اسے ملیا میٹ کر دیتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

جب گھروں کی زندگی میں دینی اقدار ختم ہو جائیں، اسکول، کالج اور یونیورسٹی کی زندگی میں اسلامی اقدار باقی نہ رہیں، باہر کے معاشرے میں ٹیلی ویژن، ریڈیو، سینما، عریاں مناظر، حیا سوز مظاہر قدم قدم پر سامنے

ہوں اور پھر ہم توقع رکھیں کہ صالح معاشرہ پیدا ہو، کیوں کر ممکن ہے؟ وہی مضمون ہوگا، جو کسی شاعر نے لکھا ہے:

اندرونِ قعرِ دریا تختہ بندم کردی
بازمی گوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

بلاشبہ اس وقت راہنمایانِ قوم وملت کو انتہائی خلوص اور بے جگری کے ساتھ ٹھوس قدم اٹھانے کی ضرورت ہے، نوجوان نسل پر یورپ کی کورانہ تقلید کی جو وبا مسلط ہوگئی ہے اس کے خلاف جہاد کرنے کا وقت ہے، تب ممکن ہے کوئی مؤثر کام ہو سکے، بالفرض اگر ناکامی بھی ہوتی ہے تو ہماری مسئولیت تو ختم ہو جائے گی۔

والله سبحانه هو الموفق والمستعان ، وصلى الله على سيدنا محمد وآله واصحابه واتباعه وصالحي عباده وبارك وسلم

[رجب المرجب ۱۳۹۱ھ/ستمبر ۱۹۷۱ء]

امت اسلامیہ کی زبوں حالی اور اس کا اصل علاج

تمام امت اسلامیہ کا شیرازہ منتشر ہو چکا ہے، ہر جگہ اضطراب ہی اضطراب ہے، نہ حکمرانوں کو چین نصیب ہے، نہ محکوم آرام کی نیند سو سکتے ہیں، مصیبت بالائے مصیبت یہ کہ کوئی بھی صحیح علاج نہیں سوچ رہا ہے، جو زہر ہے اس کو تریاق سمجھ لیا گیا ہے، جو تباہی و بربادی کا راستہ ہے اس کو نجات کا راستہ سمجھا جا رہا ہے، جو تدبیریں شقاوت کو دعوت دے رہی ہیں انہی کو ذریعہ سعادت خیال کیا جا رہا ہے، ماسکو ہو یا واشنگٹن تمام جہنم کے راستے ہیں، کوئی بھی سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کا راستہ جو سراسر نجات وسعادت کا اعلیٰ ترین وسیلہ ہے نہیں سوچ رہا ہے، جو صراط مستقیم جنت کو جا رہا ہے اس سے بھٹک گئے ہیں، نہ معلوم کہ اربابِ عقول کی عقلیں کہاں چلی گئیں؟ اربابِ فکر کیوں فکر سے عاری ہو گئے؟ آخر تاریخ کی یہ عبرتیں کس لئے ہیں؟ حقائق سے کیوں چشم پوشی کی جا رہی ہے؟ خاکم بدہن ایسا تو نہیں کہ تکوینی طور پر امت پر تباہی و بربادی کی مہر لگ چکی ہے؟ اس امت کا زوال مقرر ہو چکا ہے؟ عروج کا دور ختم ہو گیا ہے؟ حق تعالیٰ نے تو اسلام اور صرف اسلام کی نعمت کو آخری نعمت فرمایا تھا اور یہ صاف وصریح اعلان ہو چکا تھا کہ اس کے سوا کوئی رشتہ ورابطہ کوئی دین ومسلک قابل قبول نہ ہوگا، نجات اسی دین اسلام میں ہے اور اسی دینی رابطہ میں فلاح وسعادت ہے، باقی تمام راستے شقاوت وہلاکت اور تباہی وبربادی کے راستے ہیں اور یہ ابدی اعلان آج بھی حق تعالیٰ کے آخری پیغام میں کیا جا رہا ہے:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْناً فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ [آل عمران: ۸۵]

اور جو کوئی چاہے سوا اسلام کی حکم برداری کے اور دین، سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا۔

اور سورۂ عصر میں تاریخ عالم کو گواہ بنا کر پیش کیا گیا ہے کہ جن لوگوں میں ایمان باللہ، عمل صالح، تواصی

بالحق، اور تواصی بالصبر، یہ چار باتیں نہیں ہونگی ان کا انجام تباہی و بربادی ہے، کیا اسی اسلام سے روگردانی کی اتنی بڑی سزا پاکستان اور پاکستانیوں کو نہیں ملی کہ چند لمحوں میں بارہ کروڑ آبادی کا عظیم ملک ۵ر کروڑ کا چھوٹا سا ملک بن گیا؟ کیا بنگلہ دیش کے قضیہ سے دونوں طرف کے مسلمان عذاب الٰہی میں نہیں مبتلا ہوئے؟ اسلامی رابطہ اتحاد واخوت ختم کر کے کیا دولت کمائی؟ آخرت سے پہلے دنیا کی رسوائی اور خسران وتباہی بھی دیکھ لی، افسوس کہ وہی غیر اسلامی سبق پھر یہاں مغربی پاکستان میں دوہرایا جارہا ہے، وہی سندھی، پنجابی، بلوچ اور پٹھان کے ملعون نعرے یہاں بھی ابھر رہے ہیں ارحم الراحمین کے غضب کو دعوت دینے والی صورتیں اختیار کی جارہی ہیں، طاغوتی طاقتیں جن کا ڈورا باہر کے شیاطین کے ہاتھ میں ہے، اسلام اور مسلمانوں پر ایک اور کاری ضرب لگانے کی فکر میں لگ گئے ہیں، فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ نہ ارباب حکومت مرض کا صحیح علاج سوچ رہے ہیں نہ ارباب دین دین کے تقاضوں کو پورا کر رہے ہیں، نہ ارباب قلم زور قلم اصلاح حال پر خرچ کر رہے ہیں، غور کرنے سے یہی معلوم ومحسوس ہوتا ہے کہ اس قوم کا آخرت پر یقین یا تو ختم ہوگیا یا اتنا کمزور ہوگیا ہے کہ نہ ہونے کے برابر ہے، جنت وجہنم اور حیات ابدی کے تصور سے دل ودماغ خالی ہوگئے ہیں، تمام نعمتیں وآسائشیں صرف دنیا کی چاہتے ہیں، جب مرض یہ ہے یعنی دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت تو اب رہنمایان قوم کا فرض یہ ہے کہ اسی کا تدارک کریں اور اسی کا علاج سوچیں، گزشتہ چند سالوں کے تجربات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو طریقہ علاج کا سوچا گیا اور عملاً اس کو اختیار بھی کیا گیا وہ صحیح قدم نہ تھا، اخبارات بھی جاری کئے گئے، جماعتیں بھی بنائی گئیں، جلسے بھی کئے گئے، جلوس بھی نکالے گئے، مظاہرے بھی کئے گئے، جھنڈے بھی اٹھائے گئے، نعرے بھی لگائے گئے، الیکشن بھی لڑے گئے، کچھ ممبر بھی منتخب ہوگئے، اسمبلی ہالوں میں پہنچ گئے، کچھ تقریریں بھی کیں، کچھ تجویزیں بھی پاس ہوئیں، لیکن یہ سب نقار خانے میں طوطے کی آواز بن کر رہ گئے، قوم سے چندے کئے گئے کروڑوں روپے خرچ بھی کئے، لیکن قوم جہاں تھی کاش وہیں رہتی، ہزاروں میل پیچھے ہٹ گئی، میں یہ نہیں کہتا کہ یہ تدابیر اختیار نہ کی جائیں اور یہ بالکل عبث وضیاع وقت ہے لیکن اتنا تو واضح ہوگیا کہ یہ پورا علاج نہیں یا اصل علاج نہیں اور یہ نسخہ مفید ثابت نہ ہوا، مرض کا ازالہ اس سے نہیں ہوسکا۔

اصلاح معاشرہ کا صحیح طریقہ

بہر حال ان سیاسی تدبیروں کے ساتھ اب دینی سطح پر کام کی ضرورت ہے، اگر آپ کا شوق اس کا متقاضی ہے کہ سیاسی تدبیریں اختیار کی جائیں اور سیاسی حربے بھی استعمال ہوں اور آپ کی طبیعت اور ذوق ان وسائل کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں اگرچہ ہماری دیانتدارانہ رائے یہی ہے کہ ان کی حقیقت ایک سراب سے زیادہ نہیں اور ''کوہ کندن وکاہ برآوردن'' والی مثال صادق آتی ہے، وقتی اور سطحی عوامی فائدے ہیں، لیکن تاہم اگر آپ کا

ذوق تسلیم نہیں کرتا تو ترک نہ کیجئے لیکن اصلی اور حقیقی و بنیادی کام اصلاح معاشرہ ہے، اللہ تعالیٰ کی اس مخلوق کو بھولا ہوا سبق یاد دلائیں اور انبیاء کرام اور مصلحین امت کے طریقوں پر آسمانی ہدایات کی روشنی میں اصلاح کا بیڑہ اٹھائیں اور اپنی پوری طاقت انفرادی، اجتماعی اصلاح امت پر خرچ کی جائے، گھر گھر، بستی بستی پہنچ کر دعوت الی الخیر کا ربانی پیغام پہنچائیں، اجتماعات ہوں تو اسی مقصد کے لئے، جلسے اگر ہوں تو اسی بنیاد پر، مجالس ہوں تو اسی کام کے لئے، اخبارات کے صفحات ہوں تو اسی مقصد کے لئے اور کاش! کہ اگر حکومت کے وسائل حاصل ہوں اور ریڈیو وغیرہ کی پوری طاقت بھی اس پر خرچ ہو تو چند مہینوں میں یہ فضا تبدیل ہو سکتی ہے، بہر حال اس وقت یہ آرزو تو قبل از وقت ہے کہ حکومت کی سطح پر جو وسائل نشر و اشاعت ہیں وہ ایمان کی روح سے آراستہ ہوں اور ایمانی حرارت اور نور ان میں جلوہ گر ہو، ان کے ذریعہ اصلاح ہو، اب ضرورت اس کی ہے کہ کہ آج کی نسل خدا ترس بن جائے ان کی اصلاح ہو، آج کی یہی نسل کل حکمران ہو، تمام تر وسائل نشر و اشاعت اور خبر رساں ایجنسیاں سب کے سب اشاعت اسلام و تزکیہ اخلاق کے سرچشمے ہوں، پوری قوم نہ سہی اکثریت یا قابل اعتنا اہم اقلیت کی ہی اصلاح ہو جائے تو کل کرسی صدارت ہو یا کرسی وزارت، منصب سفارت ہو یا وسائل نشر و اشاعت ہوں، یہ سب کے سب تعلیم اسلام و تعلیم دین کے مراکز بن سکیں گے، اب تو حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ پاسبان خود چور بن گئے ہیں، جو رہبر تھے وہ رہزن بن گئے ہیں، تفصیلات میں جانے کی حاجت نہیں۔ ”عیاں راچہ بیان“ جو صورت حال ہے وہ سامنے ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس وقت دین کی اہم ترین پکار یہی ہے کہ خدا کے لئے اٹھو اور خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور سفینہ حیات کو ساحل مراد تک پہنچانے کی پوری جدوجہد کرو۔

نیز یہ چیز پیش نظر رہے کہ طاغوتی طاقتیں اور تمام تر فتنہ و فساد برسر کار ہیں اور نہایت تیزی سے سیلاب آ رہا ہے، کمزور و ناتواں کوشش کافی نہیں، فساد معاشرے میں ایٹم کی رفتار سے پھیل رہا ہے، ظاہر ہے کہ کیڑے مکوڑوں کی رفتار سے مقابلہ کیا گیا تو کیونکر اصلاح ممکن ہوگی، خدارا! یہ آگ جو لگ چکی ہے جلد سے جلد بجھانے کی کوشش کرو، ورنہ تمام قوم و ملک اس کے شعلوں کی نذر ہو جائے گا۔ افسوس و تعجب سے کہنا پڑتا ہے کہ اگر کسی کے گھر میں آگ لگ جاتی ہے تو وہ فوراً بجھانے کی تدبیر میں لگ جاتا ہے کوتاہی نہیں کرتا لیکن دین اسلام کے گھر میں آگ لگی ہوئی ہے، صدیوں کا جمع کیا ہوا ذخیرہ نذر آتش ہونے کے قریب ہے، لیکن ہم اطمینان سے بیٹھے تماشائی بنے ہوئے ہیں۔

پاکستان کے بحرانوں کا حقیقی علاج دعوت الی اللہ ہے

ہمارے ملک میں جو بحران ڈیڑھ دو سال سے چل رہا ہے وہ مشرقی پاکستان کو موت کی نیند سلا دیے

کے بعد بھی تھمنے نہیں پایا بلکہ اس کا سارا زور سمٹ کر اب نیم جان مغربی پاکستان پر لگا ہوا ہے، مریض کے حالات اتنے غیر یقینی اور مستقبل اتنا بھیانک ہے کہ اسے ضبط تحریر میں لانا ممکن نہیں، ہم علماء سے، طلبہ سے، حکام سے، صحافیوں سے، وکیلوں سے، کسانوں سے، مزدوروں سے اور ہر ادنیٰ و اعلیٰ سے خدا کے نام پر اپیل کرتے ہیں کہ اگر اس ملک کی اور خود اپنی زندگی کچھ دن اور مطلوب ہے، اگر ہمارے دل پتھر، ہمارے ذہن مفلوج، ہمارے دماغ ماؤف اور ہمارے اعضاء شل نہیں ہوگئے ہیں اور اگر ہمارے بدن میں زندگی کی کوئی رمق اور ہماری آنکھ میں عبرت وغیرت کا کچھ پانی ابھی موجود ہے تو ہمیں سارے دھندے چھوڑ کر سارے ضروری کام ملتوی کر کے اور سارے مشاغل سے ہٹ کر چند دن کے لئے دعوت الی اللہ کا کام کرنا ہوگا، اس کے لئے سب کو نکلنا ہوگا، سب کے پاس جانا ہوگا، دربدر کی ٹھوکریں کھانی ہوں گی، اگر ملک کا معتدبہ حصہ اس فرض کو انجام دینے کے لئے اٹھ کھڑا ہوگا تو حق تعالیٰ اس ملک کی اور اس کے ساتھ ہماری بقاء کا فیصلہ فرمادیں گے اور پھر بھارت اور روس بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اور اگر ہم بدستور اپنی اپنی لے میں مست اور اپنے اپنے کام میں مگن رہے اور دعوت الی اللہ کے کام کے لئے اپنے اوقات، اپنے مال اور اپنی جان کو خرچ کرنے کی ہمت نہ کی تو خدا ہی جانتا ہے کہ اس فرض ناشناسی کی پاداش کن کن شکلوں میں ظاہر ہوگی، ہماری تدبیریں، ہماری حکومتیں، ہماری وزارتیں، ہماری اسمبلیاں، ہمارے وسائل خدا کے فیصلے کو نہیں بدل سکتے۔

میٹنگیں بلانے، عمائد کو جمع کرنے، اتحاد کے نعرے لگانے اور مشترکہ لائحہ عمل تیار کرنے پر بہت وقت ضائع کیا جاچکا ہے، اب وقت ہمیں ایک لمحہ کی مہلت دینے کو بھی تیار نہیں، نہ دعوت واصلاح کے خاکے مرتب کرنے پر مزید اضاعت وقت کی ضرورت ہے۔ مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ والی تبلیغی تحریک ہی بس امید کی آخری کرن ہے، اپنے ذوق، اپنے تقاضوں اور اپنے اختلافات کو ایک طرف رکھ دیجئے، ملت کی شکستہ کشتی کے ٹوٹے ہوئے اس تختہ کو جس پر پانچ کروڑ نفوس سوار ہیں اگر بچانا ہے تو بس یہی ایک تدبیر ہے کہ ہم سب اخلاص کے ساتھ خفافاً وثقالاً اس کام کے لئے نکل کھڑے ہوں اور دعوت کے کام کو سیکھیں اور کریں، ہم ایک بار پھر علماء اور دانشور طبقہ سے عرض کریں گے کہ خدارا! مقتضائے حال کو سمجھو، ہمارے موجودہ مشاغل ہمارے پاؤں کی زنجیر بن جائیں گے، اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے دعوت واصلاح کی محنت والا کام نہ سنبھالا گیا اور اگر ہماری بے اتفاقی، لاپروائی اور بے اعتنائی کی یہی کیفیت رہی جو اب تک ہے تو وقت کا فیصلہ بڑا ہی شدید اور بھیانک ہوگا، مشرق والوں کو اس کا تجربہ ہوچکا ہے ہمیں اس سے عبرت پکڑ لینی چاہئے، اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں اور ملت بیضاء کی حفاظت کی توفیق امت کو نصیب فرمائیں۔

ایک خواب اور ایک پیغام

کچھ دن ہوئے لاہور سے ایک صاحب کا گرامی نامہ موصول ہوا، ہم اس مکتوب اور اس کے ساتھ منسلکہ خواب کو بصائر و عبر کی مناسبت سے یہاں پیش کرتے ہیں:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

۹۔۱۰؍ جنوری کی درمیانی شب کو میں نے ایک خواب دیکھا جس کی کاپی جناب کو روانہ کر رہا ہوں، اس خواب میں میں نے کچھ علماء کو جناب نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی خدمت میں بیٹھے دیکھا ہے، جن میں ایک آپ بھی ہیں، پہلی صف میں مولانا مفتی محمد حسن، مولانا محمد یوسف دہلوی، مولانا عبدالقادر رائے پوری، مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری اور جناب (مولانا محمد یوسف بنوری) تشریف فرما ہیں۔

پچھلے سے پچھلے رمضان المبارک کو ایک خواب دیکھا تھا جس میں دیکھا تھا کہ چاند اپنی پوری گولائی میں موجود ہے اس پر پاکستان کا نقشہ بنا ہوا ہے مشرقی حصے کے نقشہ پر یہ حروف لکھے ہیں:

‘‘سنهلك الارض واهلها’’.

ہم اس سرزمین کو اور یہاں کے رہنے والوں کو عنقریب ہلاک کریں گے۔

اب اس خواب کے بعد جو یہاں نقل کیا جا رہا ہے، طبیعت خاصی پریشان ہے، سوچتا ہوں کہ اس پیغام کا حق کیسے ادا ہو، امید ہے آپ کوئی تسلی بخش جواب دیں گے۔

خواب اور پیغام

‘‘جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مکان میں مشرق کی جانب رُخ کئے ایک منبر پر تشریف فرما ہیں، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب کھڑا ہوں اور ایک دبلے پتلے گورے چٹے بزرگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب کھڑے ہیں، علماء کا ایک گروہ بھی حاضر خدمت ہے، ایک عالم دین کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پاکستان کے حالات بیان کر رہے ہیں، واقعات سناتے ہوئے جب وہ یہ کہتے ہیں ‘‘پھر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہندوستان کی فوجیں فاتحانہ انداز سے ہمارے ملک میں داخل ہوگئیں’’ تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیوں سے اپنی پیشانی تھام لیتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے لگاتار آنسو بہنے لگتے ہیں، یہ دیکھ کر تمام محفل پر گریہ طاری ہو جاتا ہے اور بعض حضرات تو چیخیں مار مار کر رونے لگتے ہیں۔

کچھ دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم علماء کی جماعت کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرماتے ہیں ‘‘اس حادثۂ عظیم پر ملائکہ بھی غمزدہ ہیں، مگر ان کو تمہارے اعمال کی بدولت تمہاری مدد کے لئے نہیں بھیجا گیا’’۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کا چہرہ انور سرخ ہوگیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''تمہیں معلوم ہے تمہاری اسی مملکت میں میری نبوت کا مذاق اڑایا گیا، میرے صحابہ کو گالیاں دی گئیں اور میری سنت کی تضحیک واہانت کی گئی''۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے جماعت علماء! امت کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ جب تک حکام عیاشی ظلم اور تکبر نہیں چھوڑیں گے، اغنیاء جب تک بخل، حق تلفی اور بے حیائی ترک نہیں کریں گے اور علماء جب تک کتمان حق، حرص دنیا اور ریا کاری وخودنمائی سے باز نہیں آئیں گے، عورتیں جب تک بدکاری، ناچ ورنگ، فحش گانے، شوہروں کی نافرمانی اور عریانی اور بے پردگی نہیں چھوڑ دیں گی اور پوری قوم جب تک جھوٹی گواہی، غیبت، زنا، لواطت، شراب نوشی، سودخوری اور اعمال شرک سے توبہ نہیں کرے گی، خوب یاد رکھو! اس وقت تک عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکتی''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''تم مجھے ان باتوں کے ترک کر دینے کی ضمانت دو، میں تمہیں دنیا وآخرت کی بھلائی کی ضمانت اور دشمن پر غلبہ کی بشارت دیتا ہوں لیکن اگر تم اب بھی ایسا کرنے کے لئے تیار نہیں ہو تو خوب یاد رکھو! عنقریب ایک سخت ترین عذاب بصورت نفاق آنے والا ہے جس سے تمہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا۔ (العیاذ باللہ۔ العیاذ باللہ) اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّاتُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ [الانفال: ۲۵]

اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص انہیں لوگوں پر واقع نہیں ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔ (بیان القرآن)

اس آیت کے سنتے ہی ہم سب پر گریہ طاری ہوگیا، ہم رو رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہ آیت دہرا رہے تھے:

﴿وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعاً اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [النور: ۳۱]

اور اے مسلمانو! تم سے جو ان احکام میں کوتاہی ہوگئی تو تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ (بیان القرآن)

اس پر مزید کسی تبصرے کی ضرورت نہیں، عذاب بصورت نفاق کی تعبیر صوبائی عصبیت اور گروہی مفادات کا وہ طوفان ہے جو ملک کی در و دیوار سے ٹکرا رہا ہے، جس میں علماء و صلحاء، اور عوام و حکام سب بہے جا رہے ہیں اور جسے برپا کرنے میں اوپر سے نیچے تمام نفاق پیشہ عناصر اپنی پوری قوتیں صرف کر رہے ہیں، پورا ملک آتش نفاق کے مہیب شعلوں کی لپیٹ میں ہے، جس پر توبہ واستغفار، تضرع وابتہال اور دعوت الی اللہ کے ذریعہ آج تو قابو پایا جا سکتا ہے مگر کچھ دن بعد یہ تدبیر بھی کارگر نہیں ہوگی، اور پھر خدا ہی جانتا ہے کہ کیا حالات ہوں گے، کون

رہے گا اور کسی کی حکومت ہو، وہ ان مظلوموں کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائیں، ہمارے گناہوں کو معاف فرمائیں اور پوری امت کو اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه صفوة البریة سیدنا محمد وعلی آله
واصحابه واتباعه اجمعین

| ربیع الاول ۱۳۹۲ھ |

مسلمانوں کی زبوں حالی کے اسباب اور ان کا حل

عربی کی ایک مشہور مثل ہے: "آخر الدواء الکی" یعنی آخری علاج آگ سے داغ دینا ہے۔ مشرقی پاکستان میں جو کچھ ہوا اور جن حالات میں ہوا وہ سب ناظرین کے سامنے ہیں۔ ان حقائق و واقعات کی تفصیلات میں وقت ضائع کرنے کی حاجت نہیں، یوں بھی یہ تذکرہ دلی اذیت کا باعث ہی نہیں، باعث صد ندامت ہے۔ [illegible] تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے پاکستان کی سالمیت کی ایک بار پھر حفاظت فرمائی۔

البتہ صدمے کی بات ہے کہ ملک میں جمہوری فضا پیدا کرنے اور نظم حکومت کو صحیح اسلامی نہج پر لانے کے لئے جو محنتیں کی گئیں وہ سب رائیگاں گئیں اور مدتوں کے بعد جو توقعات قائم ہوئی تھیں وہ خود غرض نا اندیش لیڈروں کی نذر ہو کر خاک میں مل گئیں، یہ ہماری بدبختی کی انتہا [illegible] ہوئی۔

میں اتفاق سے ۲۶ مارچ ۱۹۷۱ء سے ۲ اپریل ۱۹۷۱ء تک "مجمع البحوث الاسلامیة" کی چھٹی کانفرنس میں شرکت کے لئے قاہرہ گیا ہوا تھا، ادھر ہمارے ملک میں یہ واقعات پیش آئے تو وہاں کانفرنس کے ارباب حل وعقد کو شیخ مجیب الرحمن کے نام سے عجیب غلط فہمی پیش آئی۔ عرب ممالک اور خصوصاً مصر میں "شیخ" کے معنی بڑے عالم کے ہیں۔ مجیب الرحمن کے نام کے ساتھ بار بار شیخ کا لفظ سن کر انہوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ مجیب الرحمن کوئی بڑا عالم اور دینی مقتدا ہے۔ طبعی طور پر علماء کو ایک عالم سے ہمدردی ہونی چاہیے تھی، یہی وجہ ہے کہ جب وہ اتنا بڑا عالم اور دینی رہنما ہے تو یقیناً وہ اپنے موقف میں حق بجانب ہی ہوگا۔ [illegible] کانفرنس نے مؤتمر کی جانب سے شیخ مجیب الرحمن کو ہمدردی کا پیغام ارسال کرنا چاہا تو اس میں اس کے نام کے ساتھ "العالم الشیخ العلامة" کے خطابات آویزاں کئے گئے۔ مجھے خبر ہوئی تو مجھے غلط فہمی دور کرنے کے لئے کہنا پڑا:

"لیس هو عالماً وانما الشیخ لقب الاسرة والعائلة وهو جاهل بالدین والعلم بل لیس شیخاً بالمعنی اللغوی وانما هو شاب او کهل".

وہ عالم نہیں "شیخ" وہاں دراصل ایک خاندان اور برادری کا نام ہے، یہ شخص دین اور علم دونوں سے

یکسر جاہل ہے اور وہ لغوی معنی کے لحاظ سے بھی "شیخ" (بمعنی بوڑھا) نہیں بلکہ جوان یا ادھیڑ عمر کا ہے۔

اس کے بعد میں نے کانفرنس کو اصل حقائق سے آگاہ کرنے کے لئے صحیح حالات و واقعات پر ایک مفصل یادداشت مرتب کر کے پیش کی اور انہیں بتایا کہ مارشل لاء حکومت نے جو اقدام کیا وہ عین حکمت و مصلحت اور ان حالات کا ایک ناگزیر تقاضا تھا، ان کو اطمینان ہوا اور جو فطری تعلق اور طبعی ہمدردی علماء کو ایک حق پرست عالم اور دینی مقتداء سے ہونی چاہیے وہ ختم ہوئی۔

پاکستان کے حالیہ بحران اور اس کے نتیجہ میں پیدا شدہ تکلیف و نتائج کے اسباب و علل پر ہم گذشتہ ماہ کے "بصائر و عبر" میں مختصراً گفتگو کر چکے ہیں، مرض کی تشخیص کے بعد اس کے صحیح مؤثر اور پائیدار علاج کی ضرورت ہوتی ہے، محض وقتی و عارضی علاج چنداں سودمند نہیں ہوتا، بلکہ غلط ذرائع اور محذرات و مسکنات کے استعمال سے مرض کو دبانے کی کوشش کی جائے تو چند دن بعد وہ پھر ابھر آئے گا اور پوری شدت سے ابھرے گا، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ محض عارضی اقدامات پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ صحیح علاج سے مرض کو بیخ و بن سے نکال پھینکنے کی عملی تدابیر کی جائیں، خواہ ان میں کچھ وقت لگے، مگر عزم و ہمت سے اس کا ارادہ کر لیا جائے اور کم از کم ابتدائی عملی تدابیر کا آغاز کر دیا جائے، افسوس ہے کہ ایک عرصہ سے عالم اسلام کے سربراہ ارباب حل و عقد اور باثر و با اختیار حضرات نہ صرف مسلمانوں کی زبوں حالی کے اسباب کی صحیح تشخیص سے قاصر اور اس کے صحیح علاج سے غافل ہیں بلکہ اکثر و بیشتر قلب و ذہن حقائق کے صحیح ادراک ہی سے جواب دے چکے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ نہ دین مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے نہ دنیا، جگہ جگہ پٹ رہے ہیں اور بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا، آج اردن میں جو کچھ ہو رہا ہے کیا اس سے بڑھ کر بدنصیبی و بدبختی ہو سکتی ہے؟ جو طاقت دشمنان اسلام، اسرائیل اور یہودیوں کے خلاف استعمال ہونی چاہیے تھی وہ ایک دوسرے کے خلاف باہمی خانہ جنگی میں خرچ ہو رہی ہے، اور یہی حادثہ چند شرپسندوں کے طفیل خود ہمارے ملک میں بھی پیش آیا، بہرحال ہماری نحیف آواز جہاں تک پہنچ سکتی ہے ہم نہایت اخلاص و دل سوزی کے ساتھ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ صحیح علاج اور مناسب تدابیر کی طرف توجہ دلاتے رہیں، بقول عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ:

حافظ وظیفہ تو دعا گفتن است و بس
در بند آں مباش کہ نشنید یا شنید

① قانون الٰہی کا نفاذ:

ہمارے نزدیک مسلمانوں کے تمام مصائب کا پہلا حل یہ ہے کہ بغیر کسی پس و پیش کے اسلام کے عادلانہ قانون رائج کیا جائے، مسلمان جب تک خدا کے قانون سے عملی طور پر باغی رہیں گے، اس وقت تک دنیا کی

[illegible] ان مشکلات سے نہیں نکال سکتی، اگر تمام عالم اسلام میں ایک ہی اسلامی قانون رائج ہو، ایک ہی اسلامی زبان ہو، یکساں اسلامی معاشرہ ہو اور یکساں اسلامی تہذیب وتمدن ہو تو خود بخود اسلامی اتحاد ہوجائے گا اور اعداء اسلام کی کمر ٹوٹ جائے گی، ان کے حوصلے پست ہوجائیں گے اور وہ مسلمانوں کو اپنی ریشہ دوانیوں کا شکار نہیں بنا سکیں گے، انڈونیشیا سے مراکش تک ایک ہی مسلمان قوم ہوگی جو ہر طاغوتی طاقت کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوگی، اسلامی قانون سے محرومی عالم اسلام کا ایک ایسا خلاء ہے جس کی وجہ سے ایک طرف وہ نصرت خداوندی سے محروم ہیں اور دوسری طرف ان کی جمعیت پارہ پارہ ہوکر رہ گئی ہے، اور آج اس خلاء کو قومیت ووطنیت کے مصنوعی خداؤں سے پُر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اسلامی معاشرہ کے لئے اسلامی قانون کی ضرورت ایک ایسا بدیہی مسئلہ ہے جو کسی معمولی عقل وفہم کے آدمی سے بھی مخفی نہیں رہنا چاہئے، نہ اس کے لئے دلائل کی ضرورت ہونی چاہئے، مگر افسوس ہے کہ ربع صدی سے ہمارا ملک اس نعمت سے محروم ہے، ملک ہے، حکومت ہے، اقتدار ہے، مسلمان ہیں، مگر نہیں ہے تو اسلامی قانون نہیں ہے اور اس سے بڑھ کر صدمے کی بات یہ ہے کہ آج تک کی تمام حکومتوں نے اسے ٹالنے کے لئے گوناگوں حیلے تراشے، اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ آج ملت کا شیرازہ منتشر ہے اور کوئی قوت ماسکہ ایسی نہیں جو ان پراگندہ دلوں کو جوڑ دے۔

ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ جب دنیا کے سارے کام مارشل لاء کے ذریعہ ہوسکتے ہیں اور ہر چھوٹی بڑی چیز کے لئے مارشل لاء کے احکام وضوابط جاری کئے جاسکتے ہیں، تو آخری اسلامی دستور اور اسلامی قانون جیسی نعمت [illegible] مارشل لاء کے ضابطے سے کیوں نہیں ہوسکتا؟ جب حکومت کی حکم عدولی، فوج کی گستاخی اور قومی پرچم کی توہین سے مارشل لاء حرکت میں آسکتا ہے اور آنا بھی چاہیے، تو خدا کی حکم عدولی، انبیاء کرام کی گستاخی، شعائر دین اور احکام شرعیہ کی پامالی پر مارشل لاء کیوں حرکت میں نہیں آسکتا؟ اگر ملک میں امن کمیٹیاں قائم کی جاسکتی ہیں تو یقیناً اسلامی قانون اور جدید قانون کے ماہرین کی کمیٹیاں قائم کردینا بھی کچھ مشکل کام نہیں، بہرحال ہمارے نزدیک موجودہ مسائل ومشکلات کا صحیح حل یہ ہے کہ ملک میں بلاتاخیر اسلامی قانون نافذ کردیا جائے اور فرصت کے ایک لمحے کو بھی ضائع نہ کیا جائے، اس سے نہ صرف عصبیتوں کے بھیانک مظاہر کا سدباب ہوجائے گا بلکہ یہ مارشل لاء حکومت کا ملک اور قوم پر عظیم احسان ہوگا۔

خالی نعروں سے اجتناب

اس ضمن میں یہ گذارش بھی ضروری ہے کہ صرف خالی نعروں سے نہ مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے، نہ حقائق کا سامنا ہوسکتا ہے، چوبیس سال میں ہم اسلام، اسلام کے اتنے نعرے لگا چکے ہیں کہ اگر صرف اسلام کا نام لینے

سے مسائل حل ہوجاتے تو یقیناً اب تک ہمارا کوئی مسئلہ باقی نہ رہتا، جس طرح سارا دن روٹی روٹی کا وظیفہ پڑھنے سے آدمی کا پیٹ نہیں بھر جاتا، اسی طرح یہ بھی ہرگز کافی نہیں کہ نام تو اسلام کا لیا جائے اور کام کفر کے کئے جائیں، صرف زبان سے اسلام کا نام لینا مگر دل کو اس کی اطاعت پر آمادہ نہ کرنا نفاق کہلاتا ہے اور حق تعالیٰ کے یہاں نفاق برداشت نہیں کیا جاتا اس لئے منافق کی سزا قیامت میں کافر سے بھی برتر رکھی گئی ہے، اگر ہم واقعۃً مسلمان ہیں تو ہمیں اخلاص کے ساتھ اسلام کو عملی طور پر اپنانا ہوگا۔

③ درآمدہ شدہ نظریات کی ناکہ بندی

مثل مشہور ہے کہ ''خانہ خالی را دیوے گیرد'' مسلمان معاشرے کی اسلامی نظامِ عدل سے محرومی ایک ایسا خلا ہے کہ باہر کی طاغوتی طاقتوں کو اسے اپنی کمین گاہ بنانے کا موقع مل گیا اور انہوں نے اسلامی ممالک میں سازشوں کا جال پھیلا دیا، نت نئے نظریات کے تجربات کئے گئے اور مسلمانوں کو نظریاتی جنگ، ذہنی خلفشار اور طبقاتی کش مکش کی آگ میں جھونک دیا گیا، بالآخر وہ اسلامی ممالک میں ایسے افراد اور جماعتیں تیار کرنے میں کامیاب ہوگئے جنہوں نے معاشرے کے امن وسکون کو تباہ کر کے رکھ دیا، مقامِ شکر ہے کہ مارشل لاء حکومت نے اسلامی نظریہ حیات کے تحفظ کا اعلان کیا ہے، یہ اقدام نہایت صحیح اور حق بجانب ہے مگر ضرورت ہے کہ عملی طور پر تمام خارجی جراثیم سے ملک کو پاک کیا جائے تاکہ لوگ راحت وسکون کا سانس لے سکیں، ہمیں کسی نئی نبوت، کسی سیاسی واقتصادی فلسفے اور ماڈرن ازم کی ضرورت نہیں، ہماری تمام مشکلات کا حل، تمام مصیبتوں کا علاج، تمام دکھوں کا مداوا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا اسلام ہے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ معدۂ ملت کا سرطان ہے جب تک اسے کاٹ کر نہیں پھینک دیا جاتا مریض کے جانبر ہونے کی توقع عبث ہے۔

④ اسلامی معیشت کا نفاذ

اسلامی نظامِ عدل کا ایک شعبہ اسلامی اقتصاد و معیشت ہے جس کو اگر نافذ کر دیا جائے تو ہر شخص کو حسبِ استطاعت سکون کی زندگی میسر آسکتی ہے، افسوس ہے کہ ہمارے ملک میں دورِ غلامی سے آزادی کے چوبیس سال بعد تک مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام اپنی بدتر شکل میں رائج ہے، جس کی بنیاد سود، سٹہ، قمار اور اسلامی نقطۂ نظر سے صریح حرام کاروبار پر قائم ہے اور آج تک کسی بندۂ خدا کو توفیق نہ ہوئی کہ اسے بدل کر اس کی جگہ اسلام کا منصفانہ معاشی نظام قائم کرے، قرآن کریم میں سودخوروں کے خلاف خدا اور رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ کیا گیا ہے، جب پوری قوم پر سودی نظام مسلط ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ قوم کی قوم خدا اور رسول کے خلاف میدانِ جنگ میں صف آراء ہے، کیا ایسی قوم پنپ سکتی ہے؟ کیا اسے راحت وسکون میسر آسکتا ہے؟ کیا خدا اور رسول کے مقابلے میں میدان جیت سکتی ہے؟ نہیں! بخدا ہرگز نہیں! بلکہ ایسی بدقسمت قوم کو منہ کی کھانی ہوگی، چنانچہ آج اس ہزیمت خوردہ قوم

[illegible] معیشت [illegible] آچکے ہیں اور [illegible]

[illegible] متعلقات [illegible] اسلام [illegible]

[illegible] آتے ہیں [illegible]

[illegible] نظام [illegible]

[illegible] اس صورت میں [illegible]

[illegible] توفیق [illegible]

[illegible]

[illegible]

اس سلسلہ میں اسلامی تعلیمات اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات بطور نمونہ از خروارے ذیل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں، جن میں حق تعالیٰ کے ارشاد:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ [الحجرات: ۱۰]

(کہ مسلمان تو بھائی بھائی ہیں) کی تشریح فرمائی گئی ہے۔

حدیث① فرمایا:

"ترى المؤمنين فى تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد اذا اشتكى عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى".(۱)

(بخاری ومسلم عن النعمان بن بشیرؓ)

تم باہمی الفت محبت، شفقت وعنایت اور رحم وکرم میں تمام مسلمانوں کو ایک جسم کی مانند دیکھو گے کہ جسم کے ایک حصہ میں کوئی تکلیف ہو تو سارا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

حدیث② فرمایا:

"المؤمنون كرجل واحد ان اشتكى عينه اشتكى كله، وان اشتكى رأسه اشتكى كله"(۲) (مسلم)

مومنوں کی مثال ایک آدمی کی ہے اگر اس کی آنکھ کو تکلیف تو سارا جسم بے تاب ہو جاتا ہے اور اگر سر میں تکلیف ہو تب بھی سارا بدن بے چین ہو جاتا ہے۔

حدیث③ فرمایا:

"المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضاً ثم شبك بين اصابعه"(۳)

(بخاری ومسلم عن ابی موسیٰؓ)

ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایسا ہے جیسے ایک عمارت کی مختلف اینٹیں کہ وہ ایک دوسرے کی مضبوطی کا باعث ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر انگلیاں ایک دوسری میں ڈالیں۔

حدیث④ فرمایا:

"المسلم اخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه، ومن كان فى حاجة اخيه كان

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم، ج:۲ ص:۸۸۹، ط: قدیمی.
صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والادب، باب تراحم المؤمنین، ج:۲ ص:۳۲۱، ط: قدیمی
(۲) صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والادب، باب تراحم المؤمنین، ج:۲ ص:۳۲۱، ط: قدیمی
(۳) صحیح البخاری، ابواب المظالم والقصاص، باب نصر المظلوم، ج:۱ ص:۳۳۱، ط: قدیمی.
صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والادب، باب تراحم المؤمنین، ج:۲ ص:۳۲۱، ط: قدیمی

الله فی حاجته، ومن فرج عن مسلمه کربة فرج الله عنه کربة من کربات یوم القیامة، ومن ستر مسلماً ستره الله یوم القیامة".(۱)
(بخاری ومسلم عن ابی هریرةؓ)

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرسکتا ہے نہ اسے بے سہارا چھوڑ سکتا ہے اور جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے کام میں ہو اللہ تعالیٰ اس کے کام بنا دے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پریشانی دور کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پریشانی دور کردے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔

حدیث⑤ فرمایا:

"المسلم اخو المسلم لایظلمه ولا یخذله ولایحقره کل المسلم علی المسلم حرام دمه وماله وعرضه".(۲) (مسلم عن ابی هریرةؓ)

مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے بے مدد چھوڑتا ہے، نہ اس کی بے ادبی کرتا ہے، ایک مسلمان کا سب کچھ دوسرے مسلمان پر حرام ہے اس کا خون بھی، اس کا مال بھی اور اس کی عزت بھی۔

حدیث⑥ فرمایا:

"والذی نفسی بیده لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه" (۳)
(بخاری ومسلم عن انسؓ)

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو کچھ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

حدیث⑦ فرمایا:

"المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده".(۴)
(بخاری عن عبد الله بن عمروؓ)

---

(۱) صحیح البخاری، ابواب المظالم والقصاص، باب لایظلم المسلم المسلم ولا یسلمه، ج:۱ ص: ۳۳۰، ط: قدیمی. صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والادب، باب تحریم الظلم، ج:۲ ص: ۳۲۰، ط: قدیمی

(۲) صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والادب، باب تحریم ظلم المسلم... ج:۲ ص:۳۱۷، ط: قدیمی

(۳) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب لاخیه مایحب لنفسه، ج:۱ ص:٦، ط: ۲ قدیمی
صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من الایمان ان یحب لاخیه مایحب لنفسه، ج:۱ ص: ۵۰، ط: قدیمی

(۴) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون... ج:۱ ص:٦، ط: قدیمی

مسلمان تو وہ ہے جس کے ہاتھ اور جس کی زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔

حدیث⑧ فرمایا:

”انصر اخاك ظالماً او مظلوماً فقال رجل يا رسول الله : انصره مظلوماً فكيف انصره ظالماً ؟ قال: تمنعه من الظلم فذ لك نصره اياه“.(۱)

(بخاری ومسلم عن انسؓ)

اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ مظلوم تب تو اس کی مدد کرسکتا ہوں لیکن اگر وہ ظالم ہو تو اس کی مدد کیسے کروں؟ فرمایا: اسے ظلم سے روک دو بس یہی اس کی مدد ہے۔

حدیث⑨ فرمایا:

”لا یرحم الله من لا یرحم الناس“.(۲)

(بخاری ومسلم عن جریر بن عبد اللہؓ)

اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم نہیں کرتا جو انسانوں پر رحم نہ کرے۔

حدیث⑩ فرمایا:

”الراحمون یرحمهم الرحمن، ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء“(۳)

(ابوداؤد، ترمذی عن عبد اللہ بن عمروؓ)

رحم کرنے والوں پر رحمن بھی رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

حدیث⑪ فرمایا:

”والله لا یؤ من والله لایؤمن والله لا یؤ من، قیل : من یارسول الله! قال :

---

(۱) صحيح البخارى، ابواب المظالم والقصاص، باب أعِن اخاك ظالماً او مظلوماً، ج:۱ ص: ۳۳۱، ط: قديمى. صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والادب، باب نصر الاخ ظالما او مظلوماً، ج: ۲ص: ۳۲۰، ط: قديمى

(۲) صحيح البخارى، كتاب الرد على الجهمية وغيرهم، باب قل ادعوا الله اوادعوا الرحمن، ج:۲ ص: ۱۰۹۷، ايضاً كتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم، ج:۲ص:۸۸۹، ط: قديمى. صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب رحمته صلى الله عليه وسلم، الصبيان والعيال وتواضعه، ج:۲ص:۲٥٤، ط: قديمى

(۳) سنن ابى داؤد، كتاب الادب، باب فى الرحمة، ج:۲ص:٦٧٥، ط: حقانية. سنن الترمذى، ابواب البر و الصلة، باب ماجاء فى رحمة الناس، ج:۲ص:۱٤، ط: فاروقى كتب خانه

الذی لا یامن جارہ بوائقه". (بخاری ومسلم، عن ابی هریرةؓ)(١)

بخدا! وہ مومن نہیں، بخدا! وہ مومن نہیں، بخدا! وہ مومن نہیں، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کون؟ فرمایا: جس کے ہمسائے اس کی شرارتوں سے محفوظ نہیں۔

حدیث⑫ فرمایا:

"من قضی لاحد من امتی حاجة یرید ان یسرہ بها فقد سرنی ومن سرنی فقد سر اللہ ومن سر اللہ ادخله اللہ الجنة". (البیهقی عن انسؓ)(٢)

جس شخص نے میرے کسی امتی کو خوش کرنے کے لئے اس کی کسی ضرورت کو پورا کیا اس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے اللہ رب العزت کو خوش کیا اور جس نے اللہ رب العزت کو خوش کیا اللہ رب العزت اسے جنت میں داخل کریں گے۔

یہ نبوت کے بحر ناپیدا کنار کے چند گراں قدر موتی ہیں جو پیش کئے گئے، کیا یہ روح اسلام کی دنیا کے کسی مذہب میں ہے؟ کیا یہ روح بغیر اسلامی تہذیب ومعاشرت کے پیدا کی جاسکتی ہے؟ ہرگز نہیں، دین اسلام کا کرنے کا سامان پیش کیا ہو جو ہر جہت سے مکمل ہے جس کی نظیر تمام ادیان عالم نہیں بلکہ تمام ادیان سماویہ بھی پیش کرنے سے قاصر ہیں، جس دین کو بقاء دوامی کا تمغہ دیا گیا ہو، جس کو آخری نعمت فرمایا گیا ہو، جو قیامت تک آنے والی تمام نسلوں کے لئے ہو اور جس میں ہر مرض کے علاج کا نسخہ شفاء موجود ہو، جو قیامت تک آنے والی تمام نسلوں کے لئے ہو اور جس میں ہر مرض کے علاج کا نسخہ شفاء موجود ہو، اس کی قدر نہ کرنا کتنی بڑی حماقت ہے، اس نعمت عظمیٰ کی بے قدری تو وہاں جتنی بھی ہو کم ہے، یہ تو حق کی رحمت کاملہ کا ظہور ہے کہ باوجود ہماری خطرناک اور تباہ کن غلطیوں کے ہمیں معاف فرمادیتا ہے، دنیا کی نظر میں عزت عطا فرماتا ہے، وسائل رزق کی فراوانی فرماتا ہے اس کا کرم ہے اس کی رحمت ہے۔

⑥ اسلامی معاشرے کی اصلاح وتربیت

قرآن کریم کی نصوص اور انبیاء کرام علیہم السلام کے جو حالات وواقعات قرآن کریم میں بیان فرمائے گئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ حیات طیبہ، پاکیزہ زندگی، ایمان باللہ، عمل صالح اور تقویٰ وطہارت کے بغیر ناممکن ہے۔ قرآن کریم صاف صاف اعلان کرتا ہے کہ فسق وفجور کی زندگی کا انجام بجز تباہی وبربادی کے کچھ نہیں، وہ تمام

---

(١) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب اثم من لا یامن جارہ بوائقه، ج: ٢ ص: ٨٨٩، ط: قدیمی
صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم ایذاء الجار، ج: ١ ص: ٥٠، ط: قدیمی

(٢) شعب الایمان، الثالث والخمسون من شعب الایمان، باب فی التعاون علی البر والتقوی، ج: ٦ ص: ١١٥، ط: دار الکتب العلمیة بیروت

کائنات اور اقوام عالم کی تاریخ کو گواہ بناتا ہے کہ قوموں کی فلاح و بہبود کا دارومدار صالح اور پاکیزہ معاشرے پر ہے، اس نے دوٹوک فیصلہ دیا ہے کہ دنیا وآخرت کی نجات کا بس ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے وحی الٰہی کی پیروی اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر مرمٹنا۔

آج مغرب کی بے خدا قوموں کی تقلید اور اندھی تقلید میں ہمارا معاشرہ گناہ ومعصیت، فسق وفجور اور بے حیائی وبے حجابی کے جس گرداب میں پھنس کر رہ گیا، حیوانیت وبہیمیت کے جو جو مظاہرے ہو رہے ہیں، نفس پرستی، تعیش پسندی اور خواہش براری کی نت نئی شکلیں جو سامنے آنے لگی ہیں انہیں دیکھ کر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ اسلامی معاشرہ ہے؟ اور یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ماننے والی قوم ہے؟ جو قوم اخلاق وآداب، تہذیب وتمدن، سیاست ومعاشرت کے تمام شعبوں میں اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے راستے کو چھوڑ کر بے دین، بے ہدایت اور بے خدا قوموں کے رستے پر اندھا دھند چل نکلے اس سے نفس پرستی کے سوا کسی کارنامے کی توقع رکھنا بے سود ہے، جب انسانیت ہی رخصت ہو جائے تو انسان نما وحشیوں سے انسانی اخلاق وتہذیب کا مظاہرہ کیسے ہو سکتا ہے؟

افسوس ہے کہ ہمارے ارباب حل وعقد کو اس پہلو پر غور کرنے کی کبھی فرصت نہیں ملی، نہ انسانیت کے ''سوداگروں'' کا نوٹس لینے کی کبھی ضرورت محسوس ہوئی، اخبارات ورسائل میں فحش تصاویر اور گندے مضامین، تعلیم گاہوں میں لڑکے لڑکیوں کا اختلاط اور مشترک ڈرامے، ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر حیا سوز پروگرام، سینما ہالوں اور کلبوں میں ننگ انسانیت مظاہر، بازاروں اور سڑکوں میں بے حجابی اور بے حیائی کا طوفان، گویا پورا ملک ایک حیوان ساز فیکٹری ہے جس میں جدید فنی تکنیک سے نئے فیشن کے جانور تیار ہو رہے ہیں، کیا کوئی گھر ہے جو اخلاق سوز گانوں کی آوازوں سے محفوظ ہے، کوئی بازار ہے جہاں قدم قدم پر بے حجابی نظر وقلب کی آلودگی کا سامان مہیا نہ کرتی ہو، اور اب اس بے قید آوارگی وانارکی کے نتائج سب کے سامنے آنے بھی لگے ہیں۔

اگر ہم اسلامی قانون کے سایہ عاطفت میں آنا چاہتے ہیں، اگر اسلامی اخوت کا صحیح نقشہ دیکھنا چاہتے یا زیادہ صاف الفاظ میں اگر ہم زندگی کچھ دن راحت وسکون سے انسانوں کی طرح گذارنا چاہتے ہیں تو اس کے سوا ہمارے لئے کوئی چارہ کار نہیں کہ معاشرے کو اعمال نبوت پر لائیں، اسلامی اخلاق پیدا کرنے کی فکر کریں اور ان تمام شیطانی وسائل کو جن کی نشاندہی اوپر کی گئی ہے ایک ایک کر کے ختم کریں، خلاصہ یہ کہ ہماری ابتری وبدحالی کی اصلاح کا صحیح نقشہ یہ ہے کہ اسلامی قانون نافذ کیا جائے، اسلامی عدالت قائم کی جائے، اسلامی اخوت کے تریاق سے عصبیت کے زہر کا علاج کیا جائے اور نبوت کے اعمال واخلاق کے مطابق اسلامی معاشرے کی تربیت کی جائے، مگر ان چیزوں کے لفظی ورد سے کچھ نہیں ہوگا بلکہ اخلاص کے ساتھ ان کے عملی نفاذ کا عزم کیا جائے، یہ کام جمہوریت کے سایہ رحمت میں نہ سہی مارشل لاء کے سایہ حکمت میں سہی، مگر اس میں ایک لمحہ کی تاخیر نہ کی جائے۔

اللہ تعالیٰ اس مملکت خداداد پر رحم فرمائیں، اس کی سالمیت وحفاظت کا غیبی سامان فرمائیں، حکمرانوں کو اسلامی قانون نافذ کرانے اور تمام مسلمانوں کو اس قانون پر چلنے کی توفیق وسعادت نصیب فرمائیں اور اس کی برکات سے تمام ملک وملت کو مالا مال فرمائیں، آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ صفوۃ البریۃ سید الکائنات محمد وآلہ وصحبہ اجمعین.

[ربیع الاول ۱۳۹۱ھ/مئی ۱۹۷۱ء]

عالم اسلام اور مسلمانوں کی حالت زار

آج کل تمام عالم اسلام ایک شدید بحران میں مبتلا ہے، مراکش سے انڈونیشیا تک جہاں جہاں نظر ڈالیں کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید عالم اسلام پر سکرات الموت طاری ہیں، وہ موت وحیات کی کش مکش میں مبتلا ہے اور اس کی روح بڑی شدت سے پرواز کی منتظر ہے، اسی طرح بالواسطہ تمام کائنات کی بقاء کے لئے خطرات متوجہ ہیں، کیونکہ جس روح پر تمام عالم کی حیات کا دار ومدار ہے اس کا وقت قریب آلگا ہے، چنانچہ جس طرف نگاہ ڈالتے ہیں مایوسی نظر آتی ہے، تمام نسل انسانی میں خدا فراموشی کا ایسا طوفان برپا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ مال ودولت کی فراوانی کا یہ عالم ہے کہ جو ممالک کل بکریاں چراتے تھے اور قوت لایموت کے محتاج تھے آج برطانیہ وامریکہ ان کا محتاج ہے، دینی مدارس روز افزوں ہیں، ان کی تعداد مسلسل بڑھتی جارہی ہیں، کتابوں پر کتابیں تصنیف ہورہی ہیں اور دھڑا دھڑ چھپ رہی ہیں، نئے نئے کتب خانے قائم ہورہے ہیں، اسلاف کے قدیم ذخائر جن کے ناموں کے لئے بھی ترستے تھے آج چھپ کر ہر شخص کو میسر آرہی ہیں، کہیں امام احمد اور ان کے اتباع فقہ حنبلی کی کتابیں چھپ رہی ہیں، کہیں امام مالک کے مذہب کی متبع حکومتیں ہیں، ان کے ذریعہ مالکیہ کے ذخائر سامنے آرہے ہیں، حنفیہ کا تو طویل دور رہا شاید آل عثمان کی حکومت وخلافت کے زوال وسقوط کے بعد ان پر بھی زوال آگیا، بہر حال حدیث کی عظیم الشان کتابیں طبع ہورہی ہیں، تفسیریں نشر ہورہی ہیں، تبلیغ ودعوت کی مؤتمرات وکانفرنسیں قائم ہورہی ہیں، [illegible] بدن فارغ التحصیل مدارس سے نکل رہے ہیں، مجلّات ہیں، اخبارات ہیں، جو روز بروز بڑھتے جارہے ہیں، نئی اسلامی حکومتیں وجود میں آرہی ہیں اور کافر مستعمرین کی قید سے آزاد ہورہی ہیں، الغرض اسلامی حکومتیں بڑھ رہی ہیں، دینی ادارے کثرت سے معرض وجود میں آرہے ہیں، مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے، حج بیت اللہ ودیار حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے زائرین کا سیلاب ہے جو اطراف عالم سے امڈا آرہا ہے، یہ حیرت انگیز محیر العقول مظاہر سامنے آرہے ہیں، لیکن صد افسوس کہ حقیقی اسلام کی

روح فنا ہو رہی ہے، اسلام ختم ہو رہا ہے، مسلمان بڑھ رہے ہیں، علمی کتابیں، علمی ادارے روز افزوں ترقی پر ہیں لیکن جہل و بے علمی چھا رہی ہے(۱)، زبانوں پر اسلام اور قلوب میں کفر ہے، جب دلوں کو ٹٹولیں گے تو معلوم ہوگا اسلام سے تعلق محض برائے نام ہے اور اللہ تعالیٰ پر اعتراضات، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر تنقیدات، اسلام کے اساسی عقائد واحکام میں شکوک وشبہات، تو اس سطحی وظاہری آب وتاب پر کیا خوشی؟ یہ کثرت، یہ ہنگامہ آرائی اور یہ غوغا ظاہر تک محدود ہے، قلوب ونفوس دنیا کی محبت میں سرشار ہیں، قدم قدم پر خدا فراموشی کے مظاہر، فواحش ومنکرات کا سیلاب، نہ شرم نہ حیا، نہ حلال وحرام کی تمیز، اسلامی ممالک کے مسلمان حکمرانوں کا جب جائز لیجئے تو "**تحسبهم جميعاً وقلوبهم شتى**" (آپ خیال کرتے ہوں گے کہ سب متحد ومتفق ہیں لیکن دل ان سب کے جدا جدا ہو رہے ہیں) کا سماں نظر آئے گا، سب کے سب اپنی اپنی اغراض وخواہشات میں مبتلا ہیں، اتفاق واتحاد کے معاہدے ہو رہے ہیں مگر اندر سے دلوں میں نفاق بھرا ہوا ہے، اسی لئے ان کے دلوں میں حق تعالیٰ نے دشمنانِ اسلام کا رعب ڈال دیا اور ان کی ہیبت اور رعب کفار کے دلوں سے نکل گیا، اس کثرت کے باوجود قلت میں ہیں اور اس مال ودولت کی فراوانی بلکہ طغیانی کے باوجود فقر وتنگدستی میں گرفتار ہیں، درحقیقت تمام امت نفاق کے شدید مرض میں مبتلا ہوگئی ہے اور اس نفاق کی وجہ سے ایمان کی حلاوت سے محروم ہے، قوت ایمانی پر جو ثمرات

---

(۱) اسلاف کی عظیم الشان گرانمایہ اور نایاب سے نایاب کتابیں جب چھپ چھپ کر سامنے آتی ہیں تو کچھ نہ پوچھئے دل پر کیا قیامت گذرتی ہے، ہمارے اکابر جوان سے استفادہ کے حقیقۃً اہل تھے وہ تو ان کو ترستے دنیا سے رخصت ہوئے مگر ان کو ان کتابوں کی شکل دیکھنا بھی نصیب نہ ہوئی اور آج کے دور "جہل آباد" میں کتابوں کے انبار پر انبار لگ رہے ہیں، مگر لاکھوں میں ایک بھی تو ایسا نہیں جو ان ذخائر سے صحیح استفادہ کر سکے، آج کتابیں خریدی جاتی ہیں الماریوں میں سجانے کے لئے یا پھر ان سے کام لیا جاتا ہے جہل مرکب کی تائید اور مطالب صحیحہ کو بگاڑنے کا، انا للہ۔ کسی نایاب کتاب کی نئی طباعت دیکھ کر راقم الحروف کا پہلا تاثر ہمیشہ حسرت وافسوس ہوا۔

الحمد للہ آج حضرت شیخ بنوری مدظلہ کے تاثر سے اس کی تائید ہوئی، ہمارے نزدیک جہل وغباوت کے اس دور میں کتب نادرہ کی یہ فراوانی، یہ کثرت بلکہ یہ طوفان کسی بڑے طوفان کی آمد آمد کا نقارہ ہے، دور فاروقی میں کسریٰ کے خزانے مسجد نبوی میں ڈھیر ہیں، فرحت ومسرت سے مسلمانوں کے چہرے چمک اٹھتے ہیں، مگر فاروقی بصیرت اس کے روز ان سے آنے والے فتنوں کا مشاہدہ کر رہی ہے، وہ مسجد نبوی کے ایک گوشے میں بیٹھے زار وقطار رو رہے ہیں، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جب پوچھا کہ یہ رونے کا کون سا موقعہ ہے؟ تو ارشاد ہوا کہ "اگر مال ومتال کے اس طوفان میں ذرا بھی خیر ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے زیادہ اس کے مستحق تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے ایسی حالت میں رخصت ہوئے کہ کبھی دو وقت جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر میسر نہ ہوتی"، آج کی آسانیوں اور فراوانیوں کو دیکھ کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ حکیمانہ ارشاد بار بار یاد آتا ہے۔ والله المستعان (مدیر)

و برکات مرتب ہوتے ہیں ان سے بالکل بے بہرہ ہوگئی ہے۔ (۱)

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمام عالم کو خدا فراموشی کی سزا مل رہی ہے ﴿أو یلبسکم شیعاً و یذیق بعضکم باس بعض﴾ ”یا تم کو مختلف فرقے بنا کر لڑا دے اور ایک دوسرے کو لڑائی کا مزہ چکھا دے“ کا منظر روز افزوں ترقی میں ہے۔

عرصہ دراز کی محنت اور قربانیوں کے بعد پاکستان وجود میں آیا، لیڈروں نے عوام کی قوت سے فائدہ اٹھانے کے لئے اسلام کے نعرے لگائے اور عوام نے اسی نام پر منظم ہوکر برطانیہ جیسی طاغوتی حکومت کو شکست دی اور آزادی حاصل کی، ربع صدی گزرنے کے بعد بھی آج تک یہ ملک اسلامی ملک نہ بن سکا، جو کام پہلے روز ہو جانا چاہیے تھا وہ آج تک نہ ہو سکا اور ہوتا بھی کیسے؟ یہاں تو اوّل سے لے کر آخر تک نفاق کا بدترین حربہ چلتا رہا اور اسی نفاق، غداری اور دورخے پن کی سخت ترین سزا بھی ملی، ایک بڑا حصہ کٹ گیا، لاکھوں جانیں ضائع ہوگئیں، لیکن ہائے افسوس! کہ ابھی خواب غفلت سے بیداری نصیب نہیں، وہی نفاق، وہی تلبیس، وہی جھوٹے وعوے اور وہی مکاری عیاری، اب تو پاکستان کی گاڑی ایک ایسے خطرناک موڑ پر آ کر ٹھہر گئی ہے کہ اگر اوپر سے نیچے تک قوم نے اپنی روشِ نفاق نہ بدلی تو ایک معمولی سے دھکے سے ایسے گہرے گڑھے میں گرے گی کہ قیامت تک نہ نکل سکے گی، بارہا بینات کے صفحات پر یہ ماتم سرائی کی گئی لیکن ”صدائے برنخاست“۔

میں اس ملک سے باہر تھا اور ہمہ تن یہاں کے تصورات و افکار سے کٹ گیا تھا، اچانک کانوں میں یہ آواز پڑی کہ پارلیمانی سطح پر پہلی مرتبہ بعض مخلصوں کی کوششوں سے متفقہ طور پر یہ طے پایا کہ پاکستان کا مذہب اسلام ہوگا اور اس کا نام اسلامی جمہوریہ ہوگا، یہ آخری جزء تو پہلے طے ہو چکا تھا لیکن یہ لفظ کبھی شرمندہ معنی نہ ہوا، خدا کرے یہ نعرہ نفاق سے خالی ہو اور دل و جان سے اس قرارداد کو تسلیم کیا جائے اور جلد سے جلد اس لفظ کے تقاضوں کو عملاً پورا بھی کیا جائے، اسلام کی صحیح تعریف کو قبول کر کے اس کا حق مکمل طور پر ادا ہو، ایسا نہ ہو کہ رسوائے عالم ”منیر رپورٹ“ کی طرح اسلام کی تعریف کو مشتبہ بنا کر یہ تمام قرارداد معرض التواء میں آ جائے، تعجب ہے کہ جس قوم کے پاس قرآن حکیم جیسی کتاب اور رشد و ہدایت کی دستاویز موجود ہو اور حضرت رسالت پناہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

(۱) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جب میری امت دنیا کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی تو اسلام کی ہیبت ان کے دلوں سے نکل جائے گی اور جب وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ بیٹھے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی اور جب میری امت آپس میں گالی گلوچ کرنے لگے گی تو اللہ جل شانہ کی نظر سے گر جائی گی، [کنز العمال، الزهد، ج: ۳ ص: ۳۳۹، ط: مؤسسة الرسالة بیروت] اس حدیث پاک میں آج کی امت کا عکس نمایاں نظر آتا ہے؟ یہ اللہ کی نظر سے گری ہوئی امت آج امریکہ برطانیہ روس اور چین سے عزت و وجاہت ہی کی نہیں بلکہ روٹی کپڑے کی بھی بھیک مانگتی نظر آتی ہے، مگر بصیرت کے اندھے پن کی وجہ سے اپنی ناکامی اور ذلت کے حقیقی اسباب اور عزت و وجاہت کے حقیقی سرچشمے پر اس کی نظر ہی نہیں جاتی۔ (مدیر)

وسلم جیسے آخری پیغمبر ان کی راہنمائی کے لئے دنیا میں تشریف لائے ہوں اور عہد خلافت راشدہ میں یہ حق تعالیٰ کا آخری پیغام دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ چکا ہے، کروڑوں مسلمان دین اسلام پر عمل کرنے والے موجود ہوں، ان حقائق کے ہوتے ہوئے بھی یہ طے نہ ہو کہ اسلام کیا ہے؟ یہ شیطانی تدبیریں صرف اس لئے کی جاتی ہیں کہ ہر منافق، ہر زندیق، ہر ملحد دین اسلام میں داخل سمجھا جائے اور ہر مدعی اسلام اگرچہ کافر ہو، ختم نبوت کا منکر ہو مسلمان سمجھا جائے، برطانیہ کے دور حکومت میں جو مردم شماری کی فہرست میں مسلمان لکھا گیا وہ مسلمان ہے، اگرچہ نئی نبوت پر ایمان لانا ضروری سمجھتا ہو، اناللہ۔ نہایت دردناک صورت حال ہے، گویا مسلمانوں کو اپنا مذہب تک معلوم نہیں، پاکستان کے حکمرانوں نے اسلام کا نعرہ لگا کر اسلام کے لئے پاکستان بنایا مگر اسلام نہ جانا گیا ہے، محض اندھیرے میں تیر چلائے، جب عقلیں مسخ ہو جاتی ہیں تو ایسی ہرزہ سرائیاں سرزد ہوتی ہیں (۱)۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ بہت طویل عرصہ گذر گیا، بار بار تنبیہ ہوئی، مشرقی پاکستان کی صورت حال سے اگر عبرت نہ ہوئی تو خاکم بدہن کہیں وہ وقت نہ آجائے کہ پاکستان کا وجود نقشہ عالم سے حرف غلط کی طرح مٹ جانے پر آہ و بکا سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

خدارا! غور وفکر سے کام لیں، بارگاہ ربوبیت میں توبہ و استغفار کریں اور پورے خشوع وحضور قلب سے معافی مانگیں کہ حق تعالیٰ صحیح اسلام پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور پاکستان کی حفاظت، اسلام اور مسلمانوں کا تحفظ فرمائے اور پاکستان کی تباہی کے جو خطرات پیدا ہو گئے ہیں حق تعالیٰ ان سے حفاظت فرمائے اور رنگ ونسل ووطن کی جو لعنتیں چمٹ گئی ہیں ان سے نجات ملے اور اخوت اسلامی کا قدم قدم پر مظاہرہ ہو۔

فرنگی قوانین کو اسلامی قالب میں ڈھالنے کی جانب ایک قدم

حکومت سرحد نے موجودہ قوانین کو اسلامی قانون میں ڈھالنے کے لئے ایک کمیٹی کی تشکیل کی ہے جو پانچ ارکان پر مشتمل ہے، اس طرح کم از کم صوبائی سطح پر موجودہ قوانین کو اسلامی قالب میں ڈھالنے کے لئے مبارک قدم اٹھایا گیا ہے، کمیٹی کی چار روزہ پہلی نشست گذشتہ شعبان ۹۲ھ میں راولپنڈی میں ہوئی، حکومت سرحد کے وزیر اعلیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ جتنے قوانین تدریجاً مرتب ہوں، آرڈی ننس کے ذریعہ ان کی تنفیذ کی جائے، بعد میں

---

(۱) اور "منیر رپورٹ" کی صدائے بازگشت موجودہ قومی اسمبلی میں بھی سنائی دی جب ایک معزز وزیر نے ٹھیک اسی منطق کو اپناتے ہوئے اسلام کی تعریف سے ناواقفی کا اظہار فرمایا، دراصل اسلام کا نام بھی محض سیاسی حربے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور ہمارے حکمران اسلام کے نام کا بوجھ بھی اسی منزل تک اٹھانے کے روادار ہیں جہاں تک اسلام ان کے اغراض کی تکمیل کرے، تمام مصلحتوں سے ہٹ کر اور تمام اغراض وخواہشات سے ہٹ کر صرف اللہ رب العزت کو خوش کرنے کے لئے اسلام پر عمل کرنے کا عزم کبھی کیا ہی نہیں، نہ اس کے لئے کبھی سوچا ہے، اسلام اور دین رہے یا جائے عوام کو روٹی کپڑا ملنا چاہئے اور لیڈران کرام کو ووٹ، یہی وجہ ہے کہ اسلام کو نافذ کرنا تو کجا؟ ایک مسلمان پوچھتا ہے کہ مسلمان کسے کہتے ہیں؟ کیا ان ہی سے اسلامی قانون کی توقع رکھی جائے؟ (مدیر)

آسمبلی میں برائے منظوری پیش ہوں، ظاہر ہے کہ اسلامی صوبے میں اسمبلی میں مخالفت کی جرأت نہ ہو سکے گی، بالفرض اگر چند خرد باختہ ارکان نے مخالفت بھی کی تو مؤثر نہ ہوگی۔

اسلامی حکومت میں غیر اسلامی عائلی قوانین کا تحفظ

پہلی نشست میں کمیٹی نے عائلی قوانین اور ساردا ایکٹ میں ترمیم کر کے انہیں اسلامی قوانین کے مطابق بنایا، لیکن سن کر آپ کو تعجب ہوگا کہ عائلی قوانین کو مرکز کی جانب سے تحفظ دیا گیا ہے، مرکز کی اجازت کے بغیر کوئی صوبہ ترمیم یا تنسیخ کا حق نہیں رکھتا، بقیہ قوانین بھی ایسے ہیں جن کو مرکز کے اختیار میں رکھا گیا ہے اور صوبائی اسمبلی اس کی مجاز نہیں کہ وہ مرکز کے حکم کے بغیر انہیں جاری کرا سکے، معمولی نوعیت کے کچھ قوانین ایسے بھی ہیں جو صوبہ کے اختیار میں ہیں، سرحد کے وزیر اعلیٰ نے چاہا کہ مرکزی اسمبلی میں ترمیمی بل پیش ہو، تا کہ تمام صوبے یکساں طور پر اسلامی قانون کی برکات سے مستفید ہو سکیں، لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا اور مرکز میں پیش کرنے کی اجازت نہیں دی گئی، جس قانون ساز اسمبلی کی یہ حالت ہو تو اس سے خیر کی کیا توقع؟ درحقیقت قانون ساز اسمبلی کا نام بھی غیر اسلامی ہے، قانون سازی کا حق اسلام میں صرف حق تعالیٰ کا ہے اور اس کے رسول کریم علیہ صلوات اللہ وسلامہ کا منصب احکام الہیہ کی تشریح اور اس کی عملی تشکیل ہے، اسمبلی کا اگر کچھ کام ہے تو اس کے ذمہ ان قوانین الہیہ کے اجراء و تنفیذ کا کام ہے، نہ کہ تقنین و تشریع کا، البتہ انتظامی معاملات میں جو قانون چاہیں بنائیں بشرطیکہ وہ شریعت اسلامیہ کے خلاف نہ ہوں۔

بہر حال یہ بات انتہائی قابل قدر و قابل شکر ہے کہ حکومت سرحد نے اپنی بساط کے مطابق اصلاحی قدم اٹھائے ہیں، شراب نوشی کو حرام قرار دے دیا اور اس کی خرید و فروخت اور درآمد وغیرہ کو ممنوع قرار دے دیا، بے پردگی ختم کرا دی، سود پر پابندی لگا دی، سودی قرضے جو دیئے گئے اس کا سود ختم کر دیا گیا، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں طلباء کے لئے نماز کا پڑھنا اور نماز کا ترجمہ سمجھنا لازمی قرار دے دیا، انگریزی لباس کوٹ پتلون کو ختم کرایا، سادہ قومی ملکی لباس کو سرکاری لباس قرار دے دیا، اس لئے مولانا مفتی محمود کی حکومت اس وقت امت محمدیہ کے لئے قابل قدر نعمت ہے اور عقید معمر قذافی کے بعد وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شریعت اسلامیہ کی سیادت کو سر پر رکھا اور شریعت محمدیہ کی ترویج کے لئے کمربستہ ہو گئے حق تعالیٰ جزاء خیر عطا فرمائے اور بقیہ تمام صوبوں کے حکمرانوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

[ذوالقعدہ ۱۳۹۲ھ۔جنوری ۱۹۷۳ء]

خدا فراموشی اور اس کی سزا

تمام عالم اسلام بے بسی و بے کسی کے ایک ایسے دور سے گذر رہا ہے جس پر غور کرنے کے بعد صدمہ ہی صدمہ ہوتا ہے، مسلمان عرب میں ہوں یا عجم میں، مشرق میں ہوں کہ مغرب میں، ان پر ہر جگہ طاغوتی طاقتوں کی یورش ہے، کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمام عالم اسلام کو خدا فراموشی کی سزا مل رہی ہے اور دردناک بات یہ ہے کہ نہ مرض کی صحیح تشخیص ہے نہ علاج کی فکر اور علاج کیونکر ہوسکتا ہے جبکہ مرض کی صحیح تشخیص ہی نہ ہو، اس سے بڑھ کر دردناک صورت حال یہ ہے کہ مرض کو صحت اور اسبابِ مرض کو نسخہ شفا سمجھا جارہا ہے، ایسے مریض کی حالت بجز تباہی و ہلاکت کے اور کیا ہوسکتی ہے؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

گذشتہ ہفتہ انڈونیشیا کے ایک قابل قدر عالم دین الشیخ حسین بن ابی بکر الحبشی یہاں تشریف لائے، موصوف دراصل یمنی الاصل عرب تھے، مگر ایک مدت سے انڈونیشیا میں آباد ہیں اور وہاں کی ایک فعال دینی جماعت ''المجلس الاعلی الاسلامی'' کے رئیس وصدر ہیں، موصوف سے انڈونیشا کے جو دردناک حالات معلوم ہوئے سن کر کلیجہ منہ کو آ گیا، وہاں عیسائی آبادی پانچ فیصدی ہے لیکن چھ اہم وزارتیں ان کے پاس ہیں، وزیر دفاع، وزیر مال اور وزیر صحت یہ سب عیسائی ہیں۔ (۱)

مذہبی امور کا وزیر ایک مرزائی ''معطی بن علی'' ہے جو لاہور ربوہ کا قادیانیت گزیدہ ہے اور اس کا جنرل سیکرٹری بہروم انکوتی بھی مرزائی ہے، انا للہ۔ قادیانی، عیسائی، اور کمیونسٹ، اسلام اور مسلمانوں کی عداوت میں متفق ہیں، نوجوانوں کو مادی اور سفلی خواہشات کا لالچ دے کر دھڑا دھڑ عیسائی اور مرزائی بنایا جارہا ہے یا پھر وہ دہریہ ہورہے ہیں، مسلمانوں کی یہ حالت اس مملکت میں ہے جو عالم اسلام میں اس وقت دنیا کی سب سے بڑی حکومت ہے، جس کی آبادی بارہ کروڑ ہے، گویا تمام طاغوتی طاقتوں کی پوری ہمت اس پر لگی ہوئی ہے کہ اس عظیم تر اسلامی ملک کو اسپین بنا دیا جائے، افسوس یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان عواقب کا عموماً احساس نہیں اور جن خال خال لوگوں کو احساس ہے ان کے پاس اس طاغوتی سیلاب کے سامنے بند باندھنے کے وسائل نہیں، انا للہ۔ افسوس یہ کہ بین الاسلامی سطح پر مسلمانوں کی صحیح مالی تنظیم نہ ہونے سے ان طاغوتی طاقتوں کو زیادہ شکار کا موقع مل جاتا ہے، عرب دنیا جہاں مال و دولت کا سیلاب آیا ہوا ہے، کاش! وہ اپنا تھوڑا سا رخ ان مسلمانوں کی طرف پھیر لیں تو بہت سی مشکلات حل ہوجائیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح فہم اور صحیح توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

---

(۱) وہاں عیسائیوں کے اثر و رسوخ میں سب سے موثر عامل غالباً صدر سوہارتو کی اہلیہ ہے جو عیسائی ہے، مدیر

مملکت پاکستان کی روح

عرصہ دراز تک انگریز کی غلامی کی چکی میں پسنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے برصغیر کے مسلمانوں پر رحم فرما کر ایک مملکت عطا فرمائی، جس کے رجال کار کے پیش نظر یہ بات تھی کہ اسے ایک مثالی اسلامی ریاست بنا کر اس میں تمام عالم اسلام کی قیادت کی اہلیت پیدا کی جائے، لیکن ''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ''۔ یہاں کے ارباب حل وعقد رفتہ رفتہ ایسے راستے پر چل نکلے کہ تمام توقعات ہی ختم ہوگئیں۔ ''خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم'' اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

قیام پاکستان کا مقصد

یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر لیا گیا، عوام نے اس مقصد کے پیش نظر پاکستان کا نعرہ لگایا اور حق تعالیٰ نے بھی دوبارہ امتحان کے لئے ایک وسیع مملکت عطا فرمائی، بلاشبہ پاکستان جغرافیائی حدود کے اعتبار سے صرف ایک ڈھانچہ ہے اور یہ سب کچھ جو اس کا تانا بانا نظر آتا ہے یہ کارخانے، یہ زراعتی ترقیات، یہ صنعتی کاروبار اور جو کچھ کہ آج کے تمدن نے پیدا کیا ہے پاکستان کے اس ظاہری قالب کا نام ہے، جس کی روح دین اسلام ہے، اسلامی نظام مملکت ہے، اسلامی قانون ہے، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق زندگی کے تمام شعبوں کو ڈھالنا ہے، الغرض پاکستان نام ہے دو حقیقتوں کے مجموعے کا۔ ایک جسم اور دوسری روح۔ اگر اس کے جسم میں یہ روح کارفرما نہ ہو تو اس بے جان لاشہ کی قدر حق تعالیٰ کے یہاں کچھ بھی نہیں ہے اور بعید نہیں کہ پاکستان کا ایک بڑا حصہ اسی لئے کٹ گیا یا کاٹا گیا کہ جس روح کی توقع تھی وہ اس میں نہ پڑ سکی، اس لئے بے جان جسم حق تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں قابل قدر نہ رہا، اب بھی اگر اس روح کو جلد ڈالنے کی کوشش نہ کی گئی تو شدید خطرہ ہے کہ یہ جسم جس کا سڑنا گلنا شروع ہو چکا ہے اس پر موت طاری نہ ہو جائے۔

''بینات'' میں اس حقیقت کو واشگاف کرنے کے لئے نہ معلوم کتنے صفحات سیاہ کئے گئے ہیں، لیکن صد افسوس کہ ''صدائے برنخاست''۔ طوطی کی آواز کتنی ہی خوبصورت اور دل نواز کیوں نہ ہو لیکن نقار خانے میں اسے کون سنتا ہے؟ معاصر روزنامہ ''جنگ'' میں ''یوم آزادی کا مقصد'' ایک قابل قدر آرٹیکل نظر سے گذرا، جی چاہا کہ ناظرین بینات کی خدمت میں اسے پیش کیا جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ آواز صرف ملاؤں کی نہیں بلکہ سنجیدہ و متین جدید طبقہ کی یہی رائے ہے جو خواص سے نکل کر عوام تک اور محراب و منبر سے نکل کر بازاروں تک بھی پہنچ گئی ہے۔

''آج ہم آزادی کی اٹھائیسویں سالگرہ منارہے ہیں۔ بلاشبہ یہ ہمارے لئے انتہائی خوشی اور مسرت کا موقع ہے لیکن یہی دن سال کے باقی دنوں سے اس بات کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہے کہ ہم پلٹ کر اپنے ماضی پر نظر ڈالیں، آزادی کے مقصد کو اپنے ذہنوں میں تازہ کریں اور اس بات کا جائزہ لیں کہ انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے ہم نے اس مقصد کے لئے اب تک کیا کچھ کیا ہے، کیونکہ اصل خوشی اور حقیقی مسرت اپنے مقصد میں

کامیاب ہونے کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے، جہاں تک انگریزی اقتدار اور ہندو اکثریت کے تسلط سے نجات حاصل کرنے اور پاکستان کے نام سے ایک آزاد مملکت قائم کرنے کا تعلق ہے یقیناً اس جدوجہد میں ہم نے ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو کامیابی حاصل کرلی تھی اور اس مبارک ساعت کے آنے پر ہم جس قدر خوشی منائیں کم ہے، لیکن یہ بات بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارا سفر یہیں ختم نہیں ہوگیا تھا، ہمارے نصب العین کی صرف یہی ایک آخری حد نہیں تھی، جہاں پہنچ کر ملت کا قافلہ رک جاتا، حصول پاکستان تو منزل کی طرف اٹھنے والا پہلا قدم تھا، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ پاکستان ہماری قومی جدوجہد کا مقصد نہیں مقصد تک پہنچنے کا ایک ذریعہ تھا اور یہ مقصد ایک ایسی مملکت کا قیام تھا جہاں مسلمان زندگی کے تمام شعبوں میں اسلام کے اصولوں کو نافذ کر کے ایک ایسا معاشرہ تعمیر کرسکیں جو ان کی تہذیب اور ان کی ملی اقدار کا پوری طرح آئینہ دار ہو اور جسے وہ دنیا کے سامنے ایک نمونے کے طور پر پیش کرسکیں، اس مقصد کو معیار بنا کر جب ہم گذشتہ ربع صدی کا جائزہ لیتے ہیں تو جہاں آزادی کا جشن مناتے ہوئے ہمارے چہرے خوشی سے دمک اٹھتے ہیں وہاں ہم دل میں اٹھنے والی ان ٹیسوں کو بھی نہیں دبا سکتے جو حصول پاکستان کے اصل مقصد سے غفلت اور اس سے پیدا ہونے والے المناک نتائج کی یاد دلاتی ہیں، اس غفلت کا سب سے زیادہ رنج وہ نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ پاکستان کا ایک بازو اس سے کٹ کر علیحدہ ہوگیا اور سات کروڑ مسلمان جن کی اکثریت پاکستان سے محبت کرتی تھی غیروں کے زیر اثر چلی گئی، اس عظیم المیے کا صرف یہ پہلو قدرے اطمینان بخش ثابت ہوا کہ اس ٹھوکر نے ہمیں سنبھلنے، اپنا احتساب کر کے اپنی غلطیوں کو سمجھنے اور ان کی اصلاح کرنے کا ایک موقع فراہم کر دیا، وہ غلطیاں جن کا تعلق سیاست دانوں کے دور سے تھا اور پھر وہ غلطیاں جو شخصی اقتدار اور افسر شاہی کے طویل دور سے تعلق رکھتی تھیں۔

اس نئے دور میں جس کا آغاز وزیر اعظم بھٹو کی قیادت سے ہوا ہے ہم نے اپنی جس سب سے بڑی غلطی کی اصلاح کی وہ یہ تھی کہ آئین سے متعلق طویل جھگڑوں اور بحثوں کو ختم کر دیا اور ایک ایسا دستور جلد از جلد مرتب کر لیا جو نظریہ پاکستان اور قومی امنگوں کا آئینہ دار ہے، لیکن ہمیں اس حقیقت کو بھی تسلیم کرنا چاہئے کہ صرف آئین کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتا جب تک کہ اس پر پورے خلوص اور دیانت داری کے ساتھ عمل نہ کیا جائے، اس آئین کا سب سے اہم حصہ وہ ہے جس میں موجودہ تمام قوانین کو اسلام کے مطابق بنانے کا ذکر کیا گیا ہے، اس کے تحت زیادہ سے زیادہ آئندہ دس سال کے دوران موجودہ قوانین کی اصلاح کا یہ کام انجام پا جانا چاہیے، لیکن اس کام کے ساتھ جب تک ہم عوام خصوصاً نئی نسل کے ذہنوں کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے اور اس کی اخلاقی تربیت کا کام انجام نہیں دیں گے اسلامی قوانین سے ہم آہنگ معاشرہ وجود میں نہیں آسکے گا، اس کے لئے صرف تعلیم و تربیت کے تمام ذرائع کو استعمال کرنا ہی کافی نہیں ہوگا بلکہ ہمیں ان منفی کوششوں کا خاتمہ بھی کرنا ہوگا جو نئی نسلوں کے ذہنوں کو پراگندہ کرنے اور کلچر کے نام پر ان میں اخلاقی بگاڑ پیدا کرنے کے لئے کی جارہی ہیں، ان میں فحاشی پھیلانے والا

اور عصبیتیں بھڑکانے والا لٹریچر، عریاں فلمیں اور ایسی تمام تحریکیں شامل ہیں جن کا مقصد عوام کو نظریہ پاکستان سے منحرف کرنا اور پاکستان کی سالمیت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے، اگر ذہنی تربیت کا کوئی مؤثر کام شروع نہ کیا گیا اور ساتھ ہی ذہنی انتشار اور اخلاقی انارکی پھیلانے والی کوششوں کی سرکوبی نہ کی جاتی رہی تو ایک ایسے دستور اور قوانین کے باوجود اسلامی معاشرے کی تشکیل کا خواب کبھی پورا نہ ہو سکے گا۔

بلاشبہ گذشتہ ۲۸ ربرس کے دوران پاکستان نے زراعت، صنعت اور تجارت کے میدان میں کافی ترقی کی ہے اور غذائی اعتبار سے اس کے خود کفیل ہونے کے آثار بھی بہت نمایاں ہیں، زندگی کے ہر شعبے میں کم وبیش ترقی ہوئی ہے اور گذشتہ تین سال کے دوران ترقی کی اس رفتار میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے اور پاکستان نے ۱۹۷۱ء کے المیے کو برداشت کرکے معاشی اور سیاسی طور پر دوبارہ سنبھل کر عالمی برادری میں بڑا وقار بھی حاصل کرلیا ہے اور توقع ہے کہ آئندہ پانچ دس سال میں پاکستان معاشی سیاسی اور دفاعی اعتبار سے بہت زیادہ ترقی کرجائے، لیکن ہمیں اس بات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ پاکستان کے استحکام اور بقاء کا انحصار صرف ان باتوں پر نہیں ہے بلکہ اس بات پر ہے کہ ہم پاکستانی معاشرے کو کس حد تک اسلام کی بنیادوں پر تعمیر کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں اور کس حد تک نظریہ پاکستان کو عملی جامہ پہناتے ہیں، اگر ہم نے یہ بنیادی کام انجام نہ دیا تو کوئی ترقی ہمارے کام نہ آسکے گی، اس کا تجربہ ہمیں ایوب خاں کے دس سالہ ترقیاتی دور سے ہو چکا ہے، اس برصغیر میں ہم اپنی آزادی اور انفرادیت کو صرف اسلام کا قلعہ تعمیر کرکے ہی محفوظ رکھ سکتے ہیں، اگر اس حقیقت کو ہم نے نہ سمجھا تو یہ ہماری سب سے بڑی غلطی ہوگی، قائداعظم کی عملی جدوجہد، ان کی تمام تقریریں اور اقوال اسی حقیقت کو ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں، آج ۱۴ راگست کا یہ مبارک دن بھی ہمیں اسی حقیقت کی یاد دلاتا ہے، اب ہماری سب سے بڑی آزمائش یہی ہے کہ ہم اپنے عمل اور اپنی جدوجہد کو کس حد تک اس حقیقت کے مطابق بناتے ہیں۔ (اقتباس روزنامہ جنگ کراچی ۱۵ راگست ۱۹۷۵ء)

[رمضان وشوال ۱۳۹۵ھ - اکتوبر ونومبر ۱۹۷۵ء]

ہماری معاشرتی زندگی کی ایک جھلک

یہ معلوم ہوکر انتہائی صدمہ ہوا کہ کراچی کے کسی ہوٹل میں کوئی کلب قائم ہوا ہے جس کا نام ''جہنمی'' رکھا گیا ہے اور کلب کے ممبروں نے شب کو دعوت دی ہے اس دعوت کا نام ''شیطانی ڈنر'' رکھا گیا، یہ افسوس ناک خبر روزنامہ ''حریت'' کراچی ۶ رستمبر ۱۹۶۷ء کے پرچہ میں شائع ہوئی، انا للہ۔ یہ تو واقعہ ہے کہ یہ کلب تو واقعی جہنمی ہے اور اس کے ممبران واقعی شیطان ہیں اور اس حیثیت سے یہ اسم بامسمی اور ''زبان خلق نقارہ خدا'' کا مصداق ہے، لیکن اس واقعہ میں جو ہماری معاشرتی زندگی کا جلی عنوان ہے سوچنے کی بات یہ ہے کہ انسانوں کے قلوب خوف خدا سے کس قدر خالی ہو چکے ہیں اور معاصی پر جرأت، بے حیائی اور قلبی قساوت کہاں تک پہنچ گئی ہے، یہ صحیح کہ معصوم صرف

انبیاء کرام علیہم السلام کی ہستیاں ہیں، عصمت ان کا خاصہ ہے، ان کے سوا کون ہے جو معصومیت کا دعویٰ کرے اور سراپا تقصیر انسان سے کیونکر یہ ممکن ہے کہ ہر معصیت سے دامن بچائے؟ کوتاہی اور لغزش، خطا و تقصیر لوازم بشریت سے ہے، لیکن انسانیت ہی کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ فرمان بردار اور اطاعت شعار انسان گناہوں کو گناہ سمجھے اور اپنی تقصیر کا اعتراف کرے، حضرت سعدی علیہ الرحمتہ کے دو شعر جو در حقیقت تصوف کا نچوڑ ہے اسی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہیں:

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش　　عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش　　کس نتواند کہ بجا آورد

انسان کا کمال اور اس کی بدنصیبی

انسانِ باکمال کا یہ کمال کافی ہے کہ ہمیشہ اپنے آپ کو قصور وار سمجھے، گناہوں سے استغفار کرے، گناہوں پر ندامت اور شرم محسوس کرے، گناہ پر اصرار سے بچے، اس کے دل میں حق تعالیٰ کا خوف موجود ہو، مغفرت کی امید رکھتا ہو اور معاصی کے برے انجام سے بے خوف نہ ہو، یہی ایمان کی خاصیت ہے کہ خوف و رجاء (امید و بیم) دونوں ساتھ ساتھ ہوں۔

انسان کی بدنصیبی اس وقت شروع ہوتی ہے جبکہ اسے گناہوں پر اصرار، عاقبت کی فکر سے بے نیازی ہو اور اس سے بڑھ کر شقاوت یہ ہوتی ہے کہ گناہوں کو کمال سمجھا جائے، ان پر فخر کیا جائے، شرم و حیا اور خجالت و ندامت کا نام و نشان نہ ہو اور اس سے بھی آگے بدنصیبی کی آخری منزل یہ ہوتی ہے کہ گناہوں سے استہزاء کرے اور شرعی اسلامی حقائق کے ساتھ تمسخر کرے، جب نوبت یہاں تک پہنچتی ہے تو انسانی شقاوت اور اس کی قلبی قساوت کی انتہاء ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ جنت، جہنم، ملائکہ، شیاطین وغیرہ وہ کلمات ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء و رسل نے شرائع الٰہیہ و کتب سماویہ میں ان کا ذکر فرمایا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی زبانی ان کے حقائق بتلا دیئے گئے ہیں، کون مسلمان ہے جو ان حقائق سے بے خبر ہوگا؟ اب اگر کوئی مسخرہ افسانوں، ڈراموں، سینماؤں اور کلبوں میں ان حقائق کو مسخ کر کے ان سے ٹھٹھا کرے تو انتہائی شقاوت بھی ہوگی اور پورے دین اسلام کی توہین بھی، قرآن کریم کا استخفاف بھی ہوگا اور تعلیمات نبویہ کا استہزاء بھی اور جب کسی اسلامی مملکت میں اس جرم شنیع کا ارتکاب کیا جائے اور پھر اس کی خبریں اور تصویریں اخبارات میں چھاپی جائیں تو اس اسلامی مملکت کی بے حرمتی ہوگی اور اگر اس حکومت کا مذہب واقعی دین اسلام اور کتاب و سنت ہے تو گویا بیک وقت اسلام اور حکومت دونوں کی توہین ہوگی، اس صورت میں سب سے پہلے ایک اسلامی حکومت کا فرض ہوگا کہ وہ ان بدلگاموں کو روکے اور سخت سزا دے اور اگر اس پر سکوت کیا جائے تو مجرمانہ غفلت ہوگی، جس کے نتیجہ میں تمام معاشرہ خدا کے قہر کے زد میں آ کر برباد ہوسکتا ہے، الغرض اگر مدعی اسلام قوم اور معاشرہ میں یہ وبا سرایت کر جائے تو حالات انتہائی خطرناک ہوجاتے ہیں اور عذاب الٰہی کے آنے کا خطرہ

قریب تر ہو جاتا ہے، افسوس اس کا ہے کہ ملک میں فواحش ومنکرات کے روز افزوں سیلاب نے نوبت یہاں تک پہنچا دی ہے، اسلامی اخلاق واقدار کو بری طرح ذبح کیا جارہا ہے، اندرونی طور پر دلوں سے خوف خدا نکل گیا اور خارج میں حکومت کے نظام سے فواحش ومنکرات اور بے حیائیوں پر احتساب کا سلسلہ ختم ہو گیا، جس کے نتیجہ میں پورا معاشرہ ذوقِ معصیت سے چور، بے تمیزیوں میں غرق اور تباہی وبربای کے آخری کنارے پر کھڑا ہے۔

جب معاشرے میں یہ خرابیاں اس حد تک پہنچ جاتی ہیں تو چند صالح افراد کا صلاح وتقویٰ قوم کو تباہی و بربادی سے نہیں بچا سکتا۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّاتُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ [الانفال:۲۵]

اللہ تعالیٰ کے اس عذاب سے بچو جو صرف ظالموں پر نہیں پڑے گا اور یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے۔

متعدد احادیث میں یہ مضمون ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا امت پر صالحین کے ہوتے ہوئے عذاب آ سکتا ہے؟ فرمایا ہاں اگر برائی اور خباثت کی کثرت ہو، البتہ صالحین شہادت کی موت مریں گے۔(۱)

اگر بالفرض آخرت کی بھلائی اور جنت کی نعمتوں سے استغناء ہے اگر چہ یہ بھی انتہائی بدنصیبی ہے تو دنیا کی خیر منانے کے لئے بھی اس خدا فراموش ناپاک زندگی سے توبہ کرنا ضروری ہے۔

افسوس کہ عقلیں مسخ ہو گئیں، خیر وشر کی تمیز ہی ختم ہو گئی، پاکیزہ زندگی کی برکات سے جہاں آخرت کی نعمتیں ملتی ہیں آخرت سے پہلے دنیا میں بھی راحت وسکون قلب نصیب ہوتا ہے اور عذاب الٰہی سے نجات نصیب ہوتی ہے، شہوات کی زندگی میں انہماک کبھی مسلمان قوم کو راس نہیں آیا، جب کبھی مسلمان اس قسم کی حیوانی زندگی میں مبتلا ہوئے اس کے دردناک اور عبرت ناک نتائج سامنے آئے، تاریخ کے صفحات اس پر شاہد ہیں اور عرب کی

---

(۱) "عن زینب بنت جحش ان النبی صلی الله علیه وسلم دخل علیهافزعایقول لااله الاالله ویل للعرب من شرقداقترب فتح الیوم من ردم یاجوج وماجوج مثل هذه وحلق باصبعیه الابهام والتی یلیهافقالت زینب بنت جحش قلت یارسول الله انهلك وفیناالصالحون؟قال:نعم اذا کثر الخبث". صحیح البخاری،کتاب الانبیاء،باب قصة یاجوج و ماجوج ،ج: ۱ص :٤٧٢ ،ط: قدیمی.
"وفی روایة مسلم "ولکنه یبعث یوم القیامة علی نیته". صحیح مسلم،کتاب الفتن واشراط الساعة، فصل من اشراط الساعة خروج یاجوج و ماجوج، ج: ۲ ص:۳۸۸، ط: قدیمی

حالیہ تباہی اس کی تازہ ترین عبرت ناک مثال ہے۔

ہم اس ملک کے تمام دانشوروں، صحافیوں اور ارباب اقتدار سے نہایت اخلاص درد اور دلسوزی سے صاف صاف کہنا چاہتے ہیں کہ اگر چند دن اور جینے کی خواہش ہے تو عقل و دانش کا تقاضا یہ ہے کہ خدا کی زمین کو مزید ناپاک ہونے سے بچاؤ، خدا کے حلم اور عفو و درگذر کو چیلنج نہ کرو، یہ وقت عیش و عشرت، فسق و فجور اور خرمستیوں کا نہیں عذاب الٰہی کے بادل سروں پر منڈلا رہے ہیں اور ہماری بدعملی اور بدعقلی نے پہلی امتوں کا وہی نقشہ پیدا کر دیا ہے جو بالآخر ان کی تباہی و بربادی پر منتج ہوا ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا﴾ [بنی اسرائیل:١٦]

جب ہم کسی بستی کو تباہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں تو اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہاں کے اہل ثروت فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں پس ہمارا فیصلہ اس پر نافذ ہوتا ہے اور ہم اسے پوری طرح تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

اللھم انا نسئلك العفو و العافية فى الدنيا والآخرة

[رجب ۱۳۸۷ھ]

عالم انسانیت اور پیٹ کا مسئلہ

کسی موسم کی اچانک اور غیر معمولی تبدیلی کمزور طبائع کے لئے ہیجان و اضطراب کا باعث بن جاتی ہے، بعض کے لئے موت کا پیغام لاتی ہے اور بعض کے لئے مختلف امراض کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے، کسی مریض پر اگر بحرانی کیفیت طاری ہو جائے اور اس کی حالت دگرگوں نظر آنے لگے تو اس کے گھر والوں، تیمارداروں اور معالجوں کی توجہ ہر طرف سے ہٹ کر مریض پر جم جاتی ہے، وہ نہ صرف اپنا سب کاروبار بھول جاتے ہیں بلکہ یہ حادثہ انہیں انسان کی طبعی ضروریات سے بھی غافل کر دیتا ہے اور اہم سے اہم مشاغل ثانوی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں، بالکل یہی حال اس وقت عالم انسانیت کا ہے وہ اپنی تمام خوبیوں کے باوجود پیدائشی طور پر کمزور طبیعت واقع ہوئی ہے، "خلق الانسان ضعيفا" مال و جاہ کی محبت اس کا موروثی مرض ہے، مادیت کے مختلف موسموں کی تبدیلی کے زیر اثر وہ ہمیشہ نت نئے امراض کا شکار رہا ہے اور ناپختہ عزمی تلون اور سپر اندازی اس کی فطرت بن کر رہ گئی ہے، ادھر کچھ مدت سے اسے "شکمی حادثہ" بھی پیش آ گیا ہے جس کے نتیجہ میں اس پر بحرانی کیفیت طاری ہے اور وہ موت و حیات کی کشمکش میں گرفتار ہے، انسانیت کے غمخواروں، تیمارداروں اور معالجوں کی تمام تر توجہات کا مرکز اس وقت مسئلہ شکم بنا ہوا ہے، چنانچہ آج کل تمام عالم میں عموماً اور دولت خداداد پاکستان میں خصوصاً معاشی نظام کا ایک اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہے، گویا دنیا میں دوسرا کوئی مسئلہ ہی نہیں رہا اگر دینی سطح پر دیکھئے تو اسلام کے معاشی نظام،

تقسیم دولت، گردش دولت وغیرہ وغیرہ مسائل پر گرما گرم بحثیں ہیں اور اخبار وجرائد میں مضامین ومقالات کا ایک طور مار نظر آتا ہے، اگر سیاست کے میدان میں آیئے تو ایک شور برپا ہے، کہیں مساوات کے نعرے ہیں، کہیں سوشلزم کی دہائی ہے، کہیں اسلام کی پیوند کاری ہے، کہیں مزدوروں کا نام استعمال کیا جارہا ہے، گویا تمام عالم میں صرف ایک ہی مسئلہ ہے اور وہ ہے پیٹ کا مسئلہ اور دنیا کی ساری تگ ودو کا محور بس ایک پیٹ ہے۔ دوسری طرف سرمایہ داری نازک حالت میں ہے، سرمایہ دار سراسیمہ ہیں اور سرمایہ داروں کی حمایت کرنے والے حکمران بدحواس ہیں اور چاہتے ہیں کہ کسی طرح جلد سے جلد پیٹ کا مسئلہ حل ہوجائے تو انہیں سکون واطمینان کا سانس نصیب ہو۔ تیسری طرف جاہلیت کی علمبردار انقلابی پارٹیاں اور اسلامی ممالک میں ریشہ دوانی کرنیوالی طاقتیں اس صورت حال سے فائدہ اٹھارہی ہیں اور حکومتوں کے لئے مشکلات پیدا کررہی ہیں۔

بلاشبہ اس صورت حال کا اصلی سبب تو وہ سنگدلی اور بے رحمی ہے جو فقراء ومساکین کے ساتھ کی گئی ہے اور وہ غلط نظام حکومت ہے جس نے رعایا کے پسماندہ افراد کی خبر گیری کے بجائے انہیں مختلف طریقوں سے استحصال کا نشانہ بنایا ہے اور ان سب سے بڑھ کر وہ بے ہودہ نظام معیشت ہے جس نے بینکاری، قمار بازی اور ساہوکاری کے ذریعہ معاشرے کا توازن بگاڑ کر رکھ دیا، ایک طبقہ کو دولت کی فراوانی کا تخمہ (بدہضمی) ہے اور دوسری طرف عام طبقہ زندگی قائم رکھنے کے لئے بنیادی وسائل سے بھی محروم ہے، یہ صورت حال یقینا خدا فراموشی کی سزا ہے جو قوموں اور حکومتوں کو مل رہی ہے، لیکن بعض لیڈروں کے غلو کی بھی انتہا ہوگئی ہے کہ انہیں تمام اسلام اور سارے قرآن کریم میں سوائے اس مادی نظام کے اور کچھ نظر ہی نہیں آتا، اس سلسلہ میں قرآن کریم کی آیات کی تحریف وتبدیل سے بھی یہ لوگ نہیں ڈرتے اور بلاخوف تردید نہایت صفائی کے ساتھ قرآنی مفہومات اور حقائق کو مسخ کرکے آج کل کی نام نہاد مساوات کے دلائل پیش کیے جارہے ہیں کوئی سورہ نحل کی آیت ﴿وَاللهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ فَمَاالَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَادِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَاءٌ﴾ [النحل:۷۱] سے مساوات کے لئے استدلال کرتا ہے اور کوئی سورہ سجدہ کی آیت ﴿وَقَدَّرَ فِيْهَا اَقْوَاتَهَا فِىْ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّا ئِلِيْنَ﴾ [حم السجدة:١٠] میں تحریف کررہا ہے، حالانکہ پہلی آیت تفاضل اور عدم مساوات کے لئے نص صریح ہے اور دوسری آیت کا اس موضوع سے تعلق ہی نہیں۔ کوئی ﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ﴾ [الزخرف:٣٢] سے غلط استدلال کرکے مساوات کا نتیجہ نکال رہا ہے اور تعجب ہے کہ بعض مشاہیر اہل قلم بھی ان غلط فہمیوں میں بھٹک رہے ہیں اور اس سے بڑھ کر حیرت کی بات یہ کہ بعض اہل حق کی جماعت سے وابستہ لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہوگئے ہیں۔

بلاشبہ معاشی اور مالی نظام عالم کون وفساد کے لئے ریڑھ کی ہڈی ہے اور حق تعالی نے معاشرے کے اس مادی نظام کی اصلاح کے لئے ایک مستقل رسول حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام جیسی جلیل القدر شخصیت کو مبعوث

فرمایا ہے جنہوں نے خرید وفروخت اور تجارتی لین دین میں ظالمانہ، غیر عادلانہ اور بے رحمانہ نظامِ معیشت کی اصلاح کے لئے پیغمبرانہ دعوت دی اور شاید تاریخ انسانیت میں یہ سب سے پہلا ظالمانہ معاشرتی نظام تھا کہ آسمانی وحی کے ذریعہ اصلاح کی دعوت دی گئی اور اسے تسلیم نہ کرنے پر بارگاہ قدس کی عدالت سے اس قوم کی تباہی کا فیصلہ کیا گیا، قرآن کریم کی ایک مستقل سورت کا موضوع ہی لین دین میں کمی اور نقصان کرنے والوں کی بدانجامی کا بیان کرنا ہے، میری مراد سورۃ تطفیف سے ہے۔

امام حجۃ الاسلام غزالیؒ نے ''جواہر القرآن'' میں یہ بحث کی ہے کہ قرآن کریم نے تجارت اور بیع وشراء وغیرہ نظامِ معیشت کو اس لئے ذکر کیا ہے کہ نظامِ معاش جب تک قابلِ اطمینان نہ ہو تو فلاحِ معاد کی طرف توجہ مشکل ہوتی ہے، دینی خدمات کی انجام دہی کے لئے ضروری ہے کہ معاش ومعیشت کا نظم ونسق درست ہو، حجۃ الاسلام کے الفاظ یہ یاد پڑتے ہیں:

''وما لم ينتظم امر المعاش لا يتم امر المعاد والتبتل اليه تعالىٰ''(۱)

اسی وجہ سے قرآنی ہدایات اور پیغامات ربانیہ میں تجارت کو فضل سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسی لئے سود اور سٹے، جوئے اور رشوت کو شدید طور پر حرام کر دیا گیا ہے اور سخت ترین وعید سنادی گئی ہے اور دنیا وآخرت دونوں میں اس کے برے انجام پر متنبہ کر دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ حقوق العباد کی حفاظت کا یہ بنیادی نکتہ ہے، قران کریم جیسے آخری پیغامِ حیات میں اس پر کیونکر توجہ نہ دی جاتی اور مستقبل میں جو مختلف نظامِ معیشت پیدا ہونے والے تھے ان کی اصلاح کے بارے میں بنیادی ہدایات کو قرآن حکیم کیسے نظر انداز کر سکتا تھا اور ان سے حق تعالیٰ کا آخری پیغامِ نجات، دستورِ حیات، اور نظامِ ہدایت کیونکر خالی ہوسکتا تھا، فقراء ومساکین اور یتامیٰ وایامیٰ کے لئے صدقات وعشر اور خیرات وانفاق کا عظیم الشان نظام نازل فرمایا ہے، بلکہ زکوٰۃ وعشر کو مالی فریضہ اور عظیم الشان عبادت قرار دیا ہے، اس سے انکار کرنے کو کفر وارتداد کہا گیا ہے، ان فرض وواجب صدقات کے علاوہ عام خیرات وانفاق کے لئے ترغیب دلائی ہے، ان کے لئے آخرت کے اجر وثواب اور جنت نعیم کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں، کیا دنیا کا کوئی بھی نظامِ معیشت آسمانی ہو یا غیر آسمانی اسلام کے اس حیرت انگیز نظامِ مواسات کی ہم سری کا دعویٰ کر سکتا ہے؟ کیا دنیا کا کوئی نظام ایسا ہے جس نے غریبوں، کسانوں اور مزدوروں کا مسئلہ پیدا ہی نہ ہونے دیا ہو۔

معاشی علوم ہوں یا معیشت کے نکات، اقتصادی نظام ہو یا مال ودولت کمانے کا نظم، قرآن کریم کا دامن اس سے متعلق ہدایات سے لبریز ہے، یہ حقائق سب صحیح سب درست ہیں، کسی کو مجالِ انکار نہیں لیکن اسلام کو موجودہ معاشی تحریکوں پر منطبق کرنا اس کی سراسر مادی تعبیریں کرنا اور کھینچ تان کر نصوص سے وہی کچھ منوانا جو آج کے

---

(۱) جواهر القرآن ودُرره، القسم السادس فی تعریف عمارة منازل الطریق وکیفیة التّأهُّب للزاد، و الاستعداد باعداد السلاح الذی یدفع سُرّاق المنازل وقطاعها، ص: ۲۰، ۱۰۹، ط: دار الکتب العلمیة بیروت

معاشیین کہتے ہیں، بدترین غلطی اور مقامات نبوت سے بے خبری کی دلیل ہے، وحی الٰہی اور نبوت و رسالت کا حقیقی منصب ان حقائق الٰہیہ کو بیان کرنا ہے جن کے ادراک سے انسانی عقول قاصر ہیں، جہاں تک نہ عقل افلاطون پہنچی ہے، نہ ارسطو کا فلسفہ، نہ یونان کے حکماء پہنچے ہیں، نہ رومہ کے قانون دان، نہ مارکس کو اس کی ہوا لگی ہے، نہ لینن کو۔

قرآن کریم کیا ہے؟

قرآن کریم تذکیر و موعظت کی کتاب ہے، مابعد الطبیعات کے ربانی حقائق حق تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کی قدرت جلال و جمال کا مرقع ہے، جنت و دوزخ، ملائکہ، حشر اجساد، معاد قیامت کی تفصیلات، مابعد الممات کے احوال، برزخ کے واقعات، عبادات و طاعات کے اصول و مہمات کی عظیم الشان دستاویز ہے، حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے ان رموز و اشارات کی شرح اور ان مجمل ہدایات کی تفصیل فرمائی ہے، چنانچہ قرآن و حدیث اور کتاب و سنت دونوں لازم و ملزوم ہیں، دونوں میں تفریق کا امکان نہیں، البتہ حدیث جاننے اور پرکھنے کے لئے فن کی اعلیٰ مہارت چاہئے اور یہی حال قرآن کریم کا بھی ہے، جتنا اونچا کلام ہوگا اس کے سمجھنے میں اتنی ہی دقت ہوگی، ناقصین نے جب بھی دخل دیا الحاد و تحریف دنیا کے سامنے آئی۔

بہر حال قرآن و حدیث کی تعلیم کا نقطہ آغاز وہ اساسی و بنیادی عقائد و حقائق ہیں جو ہزاروں سال سر مارنے کے باوجود عقل مجرد کی گرفت میں نہیں آسکتے، پھر اس کی جامعیت کا یہ حال یہ ہے کہ تمام احکام الٰہیہ خواہ عبادات ہوں یا معاملات، انفرادی مسائل ہوں یا اجتماعی، راعی کے مسائل ہوں یا رعیت کے، معاشرت کے آداب ہوں یا تجارت کے اصول، الغرض زندگی کا کوئی گوشہ اور کوئی موضوع ایسا نہیں جسے کتاب و سنت نے بیان نہ کیا ہو اور اسلام کی ہر نوع کی تعلیمات میں ایسی متانت و رزانت اور اعتدال و میانہ روی ہے کہ عصر حاضر کی نام نہاد اصلاحی تحریکیں اس کی گرد کو بھی نہیں پاسکتیں، قرآن کریم اگرچہ جدید اصطلاح میں دستور یا قانون کی کتاب نہیں ہے جسے عنوانات و دفعات پر مرتب کیا گیا ہو، لیکن اس میں انسانیت کے تمام ہمہ گیر مسائل کی طرف اصولی اشارات دیے گئے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ اور سیرت طیبہ میں متشکل ہوکر سامنے آتے ہیں، خلافت راشدہ کی تشریحات اور فقہاء امت کی تنقیحات کے بعد وہ ایسا کامل و مکمل دستور ہے کہ دنیا کا کوئی دستور نہ اس کی ہمسری کرسکا ہے نہ کرسکے گا۔

واضح رہے کہ قرآن کریم کے ارشادات و تعلیم نبوت کے دو حصے ہیں: ایک حصہ تو ان شرعی احکامات کا ہے جن کا درجہ قانون کا ہے اس میں کوتاہی کرنے پر نہ صرف یہ کہ اسلامی حکومت گرفت کرسکتی ہے بلکہ ایسا شخص شرعی اصطلاح میں عاصی اور گنہگار بھی ہے، جس کے لئے آخرت کی سزا و عقوبت کی دھمکی دی گئی ہے، زکاۃ، عشر، صدقہ فطر اور دیگر صدقات واجبہ اسی شعبہ میں داخل ہیں، دوسرا حصہ اخلاقی ترغیبات کا ہے، ان کا درجہ قانون کا نہیں بلکہ

اخلاقی فضلیت کا ہے، انفاق فی سبیل اللہ کا ایک بڑا حصہ دوسری قسم سے وابستہ ہے، آج کل بہت سے نا اہل قرآن کریم میں غور کرتے ہوئے ان دونوں حصوں کو باہم ملا دیتے ہیں یہی وہ خلط مبحث ہے جو ان کی خامی و نا اہلی کی ولیل ہے، آج کل معاشی مسائل میں یہ خلط مبحث انتہاء کو پہنچ گیا ہے ان دو حصوں کو الگ سمجھنے کے لئے عہد نبوت کی عملی زندگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ اور پھر خلافت راشدہ کے دور میں ان قوانین ومسائل کی تشکیل سے دونوں کا امتیاز واضح ہوجاتا ہے۔

غزوہ تبوک میں عسرت وتنگدستی عام تھی، دور دراز کا سفر تھا، ایک منظم طاقت سے مقابلہ تھا اور جزیرۃ العرب سے باہر جا کر جہاد کرنا تھا، ایسے نازک موقع پر بھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مالدار سے جبرا کوئی استحصال نہیں کیا، بلکہ صرف ترغیب دی، اعلان کر دیا، جنت ومغفرت کے وعدے سنا دیئے، فرمایا: ”من يجهز جيش العسرة اضمن له الجنة(۱)“ چونکہ قلوب کی اصلاح ہوچکی تھی اس لئے ہر شخص نے اپنی ہمت واستطاعت کے مطابق جتنا چاہا برضا ورغبت پیش کر دیا اور ضرورت پوری ہوگئی، یہی طرز ومعاملہ تمام اسلامی ادوار میں رہا، بعد کے بعض ادوار میں ایسے واقعات ضرور پیش آئے جبکہ تاتاریوں کا سیلاب آیا تو بعض ممالک میں ان کے مقابلہ کے لئے بیت المال کا خزانہ کافی نہ تھا اس وقت علماء نے فتویٰ دیا کہ جہاں ایسی صورت پیش آئے کہ بیت المال کا خزانہ کافی نہ ہو اور تمام اونچے مناصب والوں کی اعانت بھی کافی نہ ہو تو عوام سے ان کے فاضل اموال لئے جاسکتے ہیں لیکن یہ حق بھی ان اسلامی حکمرانوں کو ہوتا ہے جو اسلامی قوانین ملک میں نافذ کر چکے ہوں اور اسلامی حکومت صحیح معنی میں اسلامی حکومت ہو جس کی سب سے پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ معاملات وحقوق میں پورے کا پورا اسلامی قانون نافذ کرے، شرعی تعزیرات وحدود کا اجراء کرے اور معاشرے کو کتاب وسنت کا پابند بنائے، اسلامی سلطنت کے سربراہ کو یہ حق حاصل ہے کہ ملک کے فقراء ومساکین کی کفالت یا ریاست کی دفاعی ضروریات کے لئے اگر بیت المال کی رقم ناکافی ہو تو اغنیاء سے ترغیبی چندہ اور قرضہ حسنہ لے اور اگر اس سے بھی ضرورت پوری نہ ہو اور ارباب دولت وثروت بخل سے کام لیں اور وہ رضاکارانہ طور پر دینے کے لئے آمادہ نہ ہوں تو ان سے زبردستی وصول کرے تا آنکہ وہ ہنگامی ضرورت پوری ہوجائے، ہمارا خیال ہے کہ کسی صحیح اسلامی معاشرہ میں یہ نوبت آ ہی نہیں سکتی۔

اس شدید وقتی تقاضے کے پیش نظر ”مدرسہ عربیہ اسلامیہ“ نے چاہا کہ علمی انداز سے اسلامی معاشیات پر ایک مفصل کتاب مدون ہوجائے جو قرآن واحادیث وفقہاء امت کے ارشادات اور تاریخ اسلام کی روشنی میں مرتب ہو، جس میں نہ خدا فراموش سوشلزم یا کمیونزم کے جراثیم ہوں، نہ دین فراموش سنگدل سرمایہ دارانہ ذہنیت

---

(۱) صحيح البخاری، كتاب المناقب، باب مناقب عثمان بن عفان، ج:۱ ص:۵۲۲، ط: قدیمی

کارفرما ہو، اس کے لئے ضرورت تھی کہ چند مستند علماء ایک جگہ بیٹھ کر اس کام کا خاکہ تیار کریں، چنانچہ پہلے مرحلہ پر جن حضرات کو جمع کیا گیا راقم الحروف کے علاوہ ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

① مولانا مفتی ولی حسن صاحب ② مولانا مفتی رشید احمد صاحب
③ مولانا مفتی محمود صاحب (ملتان) ④ مولانا محمد رفیع صاحب مدرس دار العلوم کراچی
⑤ مولانا محمد تقی صاحب مدرس دار العلوم و مدیر البلاغ ⑥ جناب محمد اقبال صاحب ایڈوکیٹ۔

اس اجتماع میں مزارعت، احیاء موات اور زمینی مسائل سے متعلق ایک مختصر خاکہ تیار کیا گیا تھا جس کی حیثیت بھی صرف استفتاء ہی کی ہو سکتی ہے نہ اس کی کتابی تدوین و ترتیب تھی، نہ وہ آخری رائے تھی بلکہ نا تمام خاکہ تھا جو سائیکلو سٹائل کر کے شائع کیا گیا تھا تا کہ اسے علماء کے پاس بھیجا جا سکے اور اس کی اشاعت کی غرض بھی یہی تھی لیکن خود غرض حضرات نے اس کو آخری فیصلہ سمجھا اس سے اپنا اُلو سیدھا کرنے کی کوشش کرنے لگے یہ جلد بازی ہے، دوسرے مرحلے پر شرکاء مجلس کچھ کم ہو گئے اور کتاب کے مختلف ابواب تجویز کے کام تقسیم کر دیا گیا اور حسب ذیل حضرات اس پر کام کر رہے ہیں:

① مولانا مفتی ولی حسن صاحب مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی
② مولانا محمد ادریس صاحب مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی
③ مولانا مفتی رشید احمد صاحب اشرف المدارس کراچی
④ مولانا محمد تقی صاحب دار العلوم کراچی

یہ کام جاری ہے تکمیل تک نہیں پہنچا، حق تعالیٰ جلد اسکی تکمیل کرائے پھر بھی یہ آخری رائے نہ ہوگی، علماء کو تبصرہ و تنقید کا موقع دیا جائے گا، ہو سکتا ہے کہ جرح و تعدیل کے بعد اس کو آخری شکل دی جا سکے، ضرورت تھی کہ اس صورت حال کو واضح کر دیا جائے تا کہ بعض معاصر رسالوں میں جو ابتدائی خاکہ شائع ہو گیا ہے اس کو علماء کی آخری رائے نہ سمجھا جائے، واللہ ولی التوفیق۔

[جمادی الاولیٰ ۱۹۶۹ء]

رؤیت ہلال

اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ دین اسلام ایک معقول فطری نظام ہے، پھر یہ تمام ادیان سماویہ اور ادیان عالم میں واحد جامع ترین نظام بھی ہے، اسلام کے پیش کردہ معاملات اور معاشرت کی معقولیت تو واضح ہے ہی لیکن نظام عبادات بھی جو بظاہر عقول و ادراکات کے احاطے سے بالاتر ہوتا ہے اسلام میں بڑی حد تک معقول ہے اور اس کے اسرار و حکم کی گہرائیوں میں جہاں تک عقل نارسا کی رسائی ہو سکی ہے، قلب مومن کو اس سے بڑا سکون و

اطمینان حاصل ہوتا ہے خواہ وہ عبادت نماز ہو یا روزہ زکوٰۃ ہو یا حج۔

مثلاً عبادات کے نظام اوقات ہی کو لیجئے اسلام نے عبادات کے اوقات کا مدار حس اور مشاہدے پر رکھا ہے تا کہ ان کے بارے میں جس طرح یونان کا ایک فلسفی مطمئن ہوسکتا ہے ٹھیک اسی طرح جزیرۃ العرب کا ایک دور افتادہ بادیہ نشین بھی مطمئن ہو سکے، طلوع فجر سے صبح کا وقت شروع ہوا اور طلوع آفتاب پر ختم ہوا، سورج کے ڈھلنے سے ظہر کا وقت شروع ہوا سائے کے دو قامت ہونے تک باقی رہا، پھر عصر کا وقت شروع ہوا اور غروب آفتاب پر ختم ہو کر مغرب کا وقت شروع ہو گیا، شفق سرخ یا سفید پر مغرب کا وقت ختم ہو کر عشاء کا وقت شروع ہوا اور طلوع فجر تک رہا، اوقات نماز کا یہ کتنا صاف واضح اور فطری نظام ہے؟ جبریل امین نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح تعلیم دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اسی طرح تعلیم فرمائی۔

جس طرح اوقات نماز کا مدار حس اور مشاہدے پر رکھا اسی طرح تمام عبادات سے متعلقہ نظام اوقات کو قمری مہینوں سے مربوط فرمایا گیا اور اسی قمری نظام کو قرآن حکیم نے دین قرار دیا ”ذالك الدين القيم“ شمسی نظام خواہ وہ ایران کا ہو یا یونان کا، روما کا ہو یا ہندوستان کا محض عقلی اور حسابی نظام ہے، دین فطرت میں حسابی تخمینوں پر عبادات واحکام کا مدار نہیں رکھا گیا، بلکہ چاند کے محکم فطری نظام پر ان کا مدار رکھا گیا تا کہ امت مرحومہ کا ہر عامی وخاصی اس پر عمل پیرا ہو سکے، چنانچہ روزۂ رمضان کے بارے میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد واضح ہے:

”ہم تو امت امیہ ہیں، نہ لکھنے کی حاجت نہ حساب کی ضرورت! چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید کرو، ہاں اگر بادل ہوں تو پھر تیس دن پورے کرو۔“(۱)

فقہائے امت نے اس کی تفصیل بیان فرمائی جسے یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں، یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ اگر کوئی اسلامی حکومت رؤیت ہلال (چاند ہونے) کا اعلان کرتی ہے تو امت کے لئے وہ اعلان واجب القبول ہونا چاہیے لیکن یہ شرط ضرور ہے کہ اس اعلان کا طریقہ کار شرعی قواعد سے نہ ٹکرائے بلکہ اس کا طریقہ کار وہی ہو جس کی شرعی صورتیں فقہائے امت رحمہم اللہ نے بیان کی ہیں۔

یہ بات تو سبھی جانتے ہیں کہ شاہد خود آ کر قاضی یا عالم کے پاس اپنی شہادت بیان کرتا ہے اور شرعی قاضی فیصلہ کر کے اعلان کراتا ہے، اس وقت حجاز ہو یا مصر شام ہو یا اردن ہر جگہ یہی طریقۂ کار ہے کہ حکومت نے یہ کام ملت کے معتمد علیہ قاضی یا شیخ الاسلام کے (اگر کسی اسلامی حکومت میں اس عہدے پر کوئی عالم مقرر ہو) سپرد کر رکھا ہے، وہ شہادت لے کر فیصلہ کرتا ہے اور حکومت مملکت میں اس فیصلے کا اعلان کرتی ہے، بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو رہی

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب قول النبي ﷺ لا نكتب و لا نحسب، ج:۱ ص:۲۵٦ ايضا باب قول النبي ﷺ اذا رأيتم الهلال فصوموا... ج:۱ ص:۲۵٦، ط: قديمى

ہے کہ عرب ممالک میں رؤیت ہلال کا نظام صرف حکومتوں کے ہاتھ میں ہے اور وہ آپ سے جب چاہتی ہیں چاند کا اعلان کردیتی ہیں، کل تک جہاں ہندوستان میں اسلامی ریاستیں قائم تھیں، بھوپال، رام پور، ٹونک سبھی جگہ علماء اور قاضیوں کے یہ کام سپرد کیا تھا " وكانوا أحق بها و أهلها"۔

یہ کون نہیں جانتا کہ "شاہد" اور "قاضی" کا ایک جگہ رُودررُو ہونا صحت شہادت کے لئے قطعی شرط ہے، جہاں قاضی ہو وہاں شاہد پہنچے یا جہاں شاہد ہوں قاضی صاحب وہاں تشریف لے جاکر شہادت سنیں، اس کے بغیر نہ شہادت کا کوئی وزن ہے نہ وہ کسی کے لئے بھی قابل قبول ہے، اس عید الفطر کے موقع پر دوسری دفعہ جو صورت حال پیش آئی نہایت ہی افسوسناک تھی، اگر ارباب حکومت ذرا غور کرتے اور شرعی اصول کے مطابق اس مشکل کو حل کرنے کی تدبیر فرماتے تو معاملہ بالکل آسان تھا، یعنی جہاں رؤیت ہوئی تھی ان گواہوں کو مرکز میں مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کے پاس پہنچاتے وہ ان سے رُودررُو شہادت لے کر فیصلہ کردیتی اور اعلان ہوجاتا، یہاں ہمیں اس سے بحث نہیں کہ وہ شہود کیسے تھے؟ نہ اس سے بحث ہے کہ ملک بھر میں مطلع صاف ہونے کے باوجود راولپنڈی سے کراچی تک صوبے بھر میں کسی بھی جگہ چاند نظر نہ آنے کی صورت میں ان کی شہادت کی شرعاً کیا حیثیت تھی؟ مگر اتنا تو ہوا ہوتا کہ ان کو اس کمیٹی کے پاس پہنچادیا جاتا یا پھر جن اصحاب کو اس فیصلے کے لئے مقرر کیا گیا تھا ان ہی کو شہود کے پاس پہنچادیا گیا ہوتا، موجودہ دور کے وسائل اور مواصلات میں جہاں عمدہ سے عمدہ تیز رفتار کاریں موجود ہوں، ہیلی کوپٹر ہوں فوکر اور ڈیکوٹا طیارے موجود ہوں، ہر مرکزی مقام میں ہوائی اڈہ موجود ہو حکومت کے لئے یہ انتظام کیا مشکل تھا؟

کون نہیں جانتا کہ آج تک محاکم عدلیہ میں خواہ وہ اسلامی ہوں یا غیر اسلامی، ٹیلیفون یا ٹیلیگرام سے شہادت قابل سماع نہیں ہوتی، پھر رؤیت ہلال کی شہادت کو ٹیلیفون پر قبول کرنے پر کیوں اصرار کیا جاتا ہے؟ بہرکیف ہوا یہ کہ جب رات کے تقریباً دس بجے مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے خود رجوع کیا اور اس ذمہ دار قاضی سے براہ راست ٹیلیفون پر بات کی تو معلوم ہوا کہ گواہ تو کوہاٹ میں تھے مگر ٹیلیفون پر گواہوں کی خبر مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کو دی گئی ہے، کیا شرعاً و عقلاً شہادت کی یہ عجیب و غریب صورت قابل اعتبار ہوسکتی ہے؟ کہ گواہ تو ہوں کوہاٹ میں اور قاضی صاحب پنڈی میں، البتہ اگر ملک کے مختلف مقامات میں تواتر کی حد تک رؤیت ہلال ثابت ہوجاتی اور ان متعدد و مختلف مقامات سے رؤیت کی خبریں ٹیلیفون یا ٹیلیگراف سے پہنچ جائیں تو یہ فقہ اسلامی کا ایک اور قانون ہوتا یعنی استفاضہ خبر (کسی خبر کا شہرت اور تواتر کی حد تک پہنچ جانا) اور اس وقت "قانون شہادت" پر عمل کی ضرورت نہ تھی۔ (شریعت میں موسمیات کے فیصلوں کا کوئی وزن نہیں)

کراچی کے جن علماء نے ریڈیو کے اعلان سے موافقت نہیں کی وہ اس وقت جبکہ ان پر شہادت کی مندرجہ بالا نوعیت واضح ہوگئی، خود راقم الحروف نے رات گئے تک نہ خود تراویح پڑھیں نہ نیوٹاؤن کی مسجد میں

پڑھوائیں بلکہ صورت حال کی وضاحت کا انتظار کرتا رہا۔

بہرحال آئندہ اس بدمزگی کے سد باب کے لئے اسلام کے صاف واضح اور فطری قانون پر عمل ضروری ہے اس مشکل کا آسان حل یہی ہے کہ مختلف مقامات اور علاقوں کے مرکزی شہروں میں رؤیت ہلال کمیٹیاں قائم ہوں، جن میں ملت اسلامیہ کے تمام طبقات کے معتمد ماہرین فقہ کو نمائندگی دی جائے اور جہاں شہادت میسر آئے وہیں کی رؤیت ہلال کمیٹی فیصلہ کرے اور وہ اپنے اپنے فیصلوں کی اطلاع مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کو کریں اور مرکزی کمیٹی کا ذمہ دار شخص خود ریڈیو پر اعلان نشر کرے، اس صورت میں مختلف جہات واطراف سے جو خبریں موصول ہوں گی ان کے لئے ٹیلیفون کا واسطہ بھی کافی ہے۔

اس امر کا مزید افسوس ہے کہ بعض ارباب قلم اور معاصرین موجودہ مکدر صورتحال کو ہوا دے کر مزید فساد برپا کرنا چاہتے ہیں اور حکومت کو اکسار ہے ہیں کہ ان مولویوں کے ساتھ محض اس جرم میں کہ انہوں نے روزہ رمضان کے بارے میں شریعت اسلام کے صاف اور واضح حکم کے پیش نظر احتیاط کا پہلو کیوں اختیار کیا، وہی طرز عمل اختیار کیا جائے جو کمال اتاترک نے ترکی میں اختیار کیا تھا اور بعض موقر مجلات نے تو کافی عرصے سے ایک اہم مقصد کے طور پر علماء اور مدارس ومساجد کے خلاف یہ مہم چلا رکھی ہے، کیا اچھا ہوتا کہ یہ حضرات ہماری حکومت کے لئے اتاترک جیسے غلط اندیش جابر حکمران کی مثال پیش نہ کرتے۔

کون نہیں جانتا کہ کمال اتاترک نے خلافت اسلامیہ کا الغاء کرایا اور یورپ کو خوش کرنے کے لئے اس نے یہ غلط قدم اٹھایا؟ کون نہیں جانتا کہ کمال نے سلطنت عثمانیہ کو اسلامی حکومت کی بجائے سیکولر اسٹیٹ بنا کر چھوڑا؟ کون نہیں جانتا کہ اس نے اسلامی قوانین اور احکام شرعیہ کو معطل کرایا اور ان کی جگہ لادینی قانون نافذ کرایا؟ کون نہیں جانتا کہ کمال نے عربی زبان، قرآن کریم اور عربی کتابوں کی طباعت واشاعت کو قانوناً جرم قرار دیا؟ کون نہیں جانتا کہ کمال نے عربی رسم الخط کو ختم کرایا اور ترکی زبان کو لاطینی حروف میں جاری کرا کر اسلامی، ملی اور قومی تہذیب وثقافت سے غداری کی، کون نہیں جانتا کہ کمال نے اسلامی ناموں تک کو جبراً تبدیل کرایا؟ کون نہیں جانتا کہ کمال کے لئے عربی زبان میں اذان واقامت کے پاکیزہ الفاظ بھی ناقابل تحمل تھے، اس نے اذان واقامت کو بھی ترکی زبان میں کرایا؟ کون نہیں جانتا کہ کمال کی غلط بین نظر اسلام کی پردہ عصمت کو بھی برداشت نہ کر سکی اور اس نے عورتوں کے چہروں کو قانوناً بے نقاب کرایا اور لباس مغرب کی پابندی کا قانون بنایا؟ کون نہیں جانتا کہ کمال نے نکاح اور طلاق اور میراث وغیرہ کے اسلامی احکام کو معطل کرایا؟ وغیرہ وغیرہ:

اند کے پیش تو گفتم حال دل دنز سیدم
کہ آزردہ شوی وگرنہ سخن بسیار است

کمال اتاترک کا نام بار بار پیش کرنے والے بتلائیں کہ یہ تمام قوانین اللہ ورسول کے تھے یا مولویوں

کے گھر کے تھے؟ اگر قصور علماء کا تھا وہ ناکردہ گناہ کے مجرم، قتل و اعدام کے لائق اور جلا وطنی کے مستحق تھے تو خدا اور رسول نے کیا جرم کیا تھا؟ قانون الٰہی کو کیوں جلا وطن کیا گیا؟ قرآن و سنت کو کیوں تہ تیغ کیا گیا؟ احکام الٰہیہ کو کیوں پامال کا گیا؟ سنت خیر البشر کو کیوں ذلیل کیا گیا؟ علماء بے چارے تو دین الٰہی کے پاسبان اور سنت نبوی کے خادم تھے اگر انھوں نے دین الٰہی کی پاسبانی کے جرم میں جام شہادت نوش کیا تو ”زہے سعادت“! ان کی شہادت پر اقتدار پرستوں کی ہزاروں زندگیاں قربان!

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

کیا افسوس اور تعجب کا مقام نہیں کہ جو کارنامے علماء کے مفاخر میں شمار ہوں ان ہی کو قابل نفرت قرار دیا جائے؟ کیا یہی عقل و دین کا تقاضا ہے؟ کیا یہی عدل و انصاف ہے؟ مظلوم علماء اور ظالم حکمرانوں کی داستان کو بار بار دہرانے کا کہیں یہ مطلب تو نہیں کہ در پردہ ارباب اقتدار کو یہ شہ دی جا رہی ہے کہ اس بدترین سیاہ تاریخ کو پھر سے دہرایا جائے اور ہماری حکومت بھی علماء کے ساتھ وہی حسن سلوک کرے جو کمال اتاترک جیسے نادان حکمران کے دورِ اقتدار میں ترکی میں ہوا تھا؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کیا کسی دانشمند کے نزدیک کمال جیسے کج فہم، انتہاء پسند کا کوئی کارنامہ کسی اسلامی یا غیر اسلامی حکومت کے لیے قابل تقلید ہو سکتا ہے۔

بہر حال حق، حق ہے اور باطل باطل، ظلم و عدوان اور جور و ستم سے حق باطل نہیں بن جاتا اور نہ باطل کو حقانیت کی سند مل جاتی ہے، بالآخر اتاترک کا عبرت ناک حشر بھی اسی دنیا کے رہنے والوں نے دیکھا، عصمت انونو پاشا، عدنان مندریس اور جلال بایار نے تدریجاً وہی قوانین دوبارہ رائج کئے جو معطل کئے گئے:

حذر! اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

اگر ”فکر و نظر“ یہ نظر مرحمت فرمائے تو ”الرحیم“ کی نگاہ مرحمت سے تو نہایت بعید ہے، آخر سارا قصور علماء ہی کا ہے؟ ارباب اقتدار کے غلط رویہ پر یا سوئے تدبیر پر کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لانا یہ تو انصاف نہیں، ہاں یہ ضروری ہے کہ اہل حق کو قرآن حکیم کے حکیمانہ اصول کے تحت دعوت حق دینا چاہیے، نیز جس حقیقت کا اظہار ہو وہ خلوص نیک نیتی اور اصلاح کی غرض سے ہو، پھر اگر دنیا میں اس دعوت کو شرف قبول حاصل نہ بھی ہو تو آخرت کا سامان تو ہو ہی جائے گا اور اگر دنیا میں اس پر صلہ ملنے کی بجائے الٹی سزا ملے تو اجر عظیم کا باعث ہوگا لیکن اگر شرط اخلاص معدوم ہو تو ” خسر الدنیا والآخرة ذلك هو الخسران المبين“ کا مصداق ہے، معاذ اللہ۔

بہر حال علماء حق کا منصب ابلاغ حق ہے اثر ہو یا نہ ہو:

حافظ! وظیفہ تو دعا گفتن است و بس
در بند آں مباش کہ نشنید یا شنید

[ذوالحجہ ۱۳۸۶ھ/اپریل ۱۹۶۷ء]

ماہ رمضان اور اس کے برکات وفضائل

ماہ رمضان کی آمد آمد ہے، انوار و تجلیات ربانیہ سایہ فگن ہوں گی، عاصی پُر معاصی ابن آدم کے لئے سامان مغفرت تیار ہوگا، جواد مطلق کے جود و کرم کا فیضان عام ہوگا، ایمان و عمل کی بہار آئے گی، توفیق وسعادت شکست خوردگان معصیت کا دامن تھامے گی، رندانِ بادہ نوش بھی ایک بار توبہ و انابت کی سلسبیل میں غوطہ لگا کر قدوسیوں سے قدم ملانے کی ہمت کریں گے، ابواب جنت مفتوح ہوگا، ابواب جہنم پر قفل چڑھا دیئے جائیں گے، ''اے خیر کے طالب! آگے بڑھ، اور اے شر کے قاصد رُک جا'' کی غیبی صدائیں بلند ہوں گی، ہر رات بے شمار گنہگاروں کی آتش دوزخ سے آزادی کے فیصلے سنائے جائیں گے۔

نفس امارہ کا تزکیہ

نفس امارہ کے تزکیہ و اصلاح کے لئے حق تعالیٰ نے روزہ فرض فرمایا تاکہ مومن تقویٰ کے بلند مراتب حاصل کر کے مرتبہ ولایت پر فائز ہوجائے، راتوں کو قرآن کریم سننے سنانے کی ترغیب دی اور اپنا کلام پاک بندوں کی زبان پر جاری کرنے کے مواقع بہم فرمائے، روزہ سے نفس کے تزکیہ کا سامان اور روح کی تربیت کے لئے کلام پاک سے بہرہ اندوز ہونے کا انتظام فرمایا گیا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس ماہ مبارک میں زمین کا رابطہ ملاء اعلیٰ سے قائم کردیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کو جب سے لیل ونہار کا نظام قائم فرمایا ہے عجیب وغریب برکات وتجلیات کا موسم بنایا ہے اور اس خاک کے پتلے کی اصلاح روح وتہذیب نفس کے لئے جب کبھی کوئی آسمانی تحفہ اتارا ہے اس کے لئے اسی ماہ کا انتخاب فرمایا گیا ہے، صحف ابراہیم سے قرآن کریم تک تمام روحانی تحفے اور عجیب عجیب احکام ربانی اور قوانین الٰہی پر مشتمل نظام نامے سب اسی ماہ مبارک کے برکات ہیں، احادیث میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے ماہ رمضان کی پہلی تاریخ کو نازل ہوئے، موسیٰ علیہ السلام کی تورات چھ تاریخ کو، عیسیٰ علیہ اسلام کی انجیل تیرہ تاریخ کو، داؤد علیہ السلام کی زبور ۱۸ رکو، اور قرآن کریم ۲۴ رکو نازل ہوا(۱)، الغرض حق تعالیٰ نے ازل ہی سے کائنات کو اپنی رحمت سے سرفراز کرنے کے لئے اس ماہ مبارک کو مشرف فرمایا ہے۔

بہرحال رمضان مبارک صحف سماویہ اور کتب الٰہیہ خصوصاً قرآن کریم کی ایک دینی یادگار ہے، جو وحی آسمانی نے خود قائم کی ہے، لیکن اس یادگار اور جشن وحی کے لئے صرف یہ صورتیں نہیں رکھی گئیں کہ جگہ جگہ چراغاں کیا جائے، درودیوار عجیب وغریب جاذب نظر و دلکش مناظر سے آراستہ کئے جائیں، رنگارنگ قمقموں سے سرزمین

---

(۱)مسند احمد بن حنبل ، حدیث ابی ثعلبة الخشنی عن النبی ﷺ ،رقم الحدیث١٧٠٢٥، ج: ٤ ص: ١٠٧ ،ط: مؤسسة قرطبة القاهرة. سنن البیهقی الکبریٰ، باب ذکر کتب انزل الله قبل نزول القرآن، ج:٩ ص:١٨٨ ،ط: مکتبة دارالباز، مکة المکرمة

جگمگا اٹھے، شامیانے لگائے جائیں، تفریحات کا دور دورہ ہو، نہ عبادت کی فکر ہو نہ نماز کا خیال، نہ خدا کا نام ہو نہ کوئی دینی کام، بے جا اسراف وتبذیر کر کے قوم اور ملک کی توانائی کو ختم کیا جائے، گویا ایک خدا فراموش قوم کی زندگی ہو جس کو نہ ابتداء کی فکر ہو نہ انتہاء کا تصور، نہ مبداء کا خیال ہو نہ معاد کا عقیدہ، یوں ہی لہو ولعب کی دنیا ہو اور عیش پرستی کا سامان۔

آج کل جو یادگاریں قائم کی جاتی ہیں اس کا حاصل تو یہی ہوتا ہے، لیکن جو چیز اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اصلاح نفوس کے لئے بھیجی ہو، جس سے روحوں کو جلا ملے، جس سے انسان حیوانات اور درندوں کی صف سے نکل کر صحیح معنوں میں بااخلاق انسان بنے، اس کے لئے یادگار بھی ایسی ہونی چاہیے جس سے اس مقصد کی تکمیل ہو، تاکہ بے عمل افراد باعمل اور خدا فراموش قوم باخدا بن جائے، انسان درندوں اور جانوروں کی صفوں سے نکل کر فرشتہ خصلت بن جائے، غریبوں اور فقیروں کی خبر گیری کی جائے، مسکینوں، یتیموں پر رحم کیا جائے، الغرض انسان انسانیت کے اعلیٰ ترین اخلاق واوصاف سے آراستہ ہو جائے، انہی مقاصد کے پیش نظر حق تعالیٰ نے ماہ رمضان المبارک کے روزے فرض کر دیئے اور راتوں کو قیام کی سنت جاری فرمادی، تاکہ بندہ مومن اس کی راتوں میں قرآن پڑھے یا سنے، کبھی بارگاہ عظمت وجلال کے سامنے سربسجود ہو کر، کبھی جھک کر تعظیم وتقدیس بجالائے، کبھی کھڑے ہو کر قرآن کریم کے رقت انگیز نغموں سے دل کو گرمائے، اور "یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبھم" وہ یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے بھی بیٹھے بھی اور لیٹے بھی، کا پیکر بن جائے اور دنوں میں اسی قرآن پر عمل کی توفیق نصیب ہو، آنکھیں نیچی اور زبان کلمہ خیر کے علاوہ بند رکھے، لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرے، نفسانی خواہشات کے کسی تقاضے کو پورا نہ کرے، صدقہ وخیرات کرے، ہر کار خیر کی طرف لپکے اور اس کی بجا آوری میں دریغ نہ کرے، ہر برائی سے بچے، الغرض سیرۃ وصورۃ اور عمل وکردار کے لحاظ سے سراپا فرشتہ بن جائے، ظاہر وباطن کی ایسی اصلاح ہو جائے کہ اس کے سرتاپا سے ظاہر ہو کہ یہ ایک باخدا قوم کا فرد ہے، اب آپ کے خیال میں ماہ رمضان اور نزول قرآن کا باہمی تعلق واضح طور پر آ گیا ہوگا، یہ ہے حقیقی یادگار نزول قرآن کریم کی۔

جشن قرآن کریم اور پاکستان

پاکستان میں چند ماہ بعد قرآن کریم کا "جشن چہاردہ صد سالہ" منایا جا رہا ہے، اس کے لئے زمین وزمان کو آراستہ کرنے کی وہ ساری تدابیر کی جائیں گی جو آج کل مروج ہیں، لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس معاشرے میں سراسر قرآن کے خلاف قوانین جاری ہوں، صبح سے شام تک جو کچھ ہو رہا ہو قرآن کریم کے خلاف ہو، قرآن کریم کے ہر حکم خداوندی کو بری طرح سے ذبح کیا جا رہا ہو، دین اسلام اور اس کے احکام کی دھجیاں بکھیری جا رہی ہوں کراچی اور لاہور، لندن وپیرس کا کوئی فرق باقی نہ رہا ہو، جو کچھ وہاں ہو رہا ہو یہاں ہو رہا ہو، شراب خانے کھلے ہوں، ماہ رمضان میں ہوٹل اور کھانے کی دکانیں کھلی ہوں، لوگ بازاروں میں سرراہ کھاتے پیتے نظر

آ رہے ہوں، عریانی و بے حیائی کے عریاں منظر قدم قدم پر موجود ہوں، فسق و فجور ہی نہیں بلکہ کفر و بد دینی کے دروازے کھلے ہوں کہ ہر شخص جو چاہے بکے، کیا اس قوم کو قرآن کریم کے جشن منانے کا حق ہے؟ کیا اس سرزمین پر قرآن کریم کی یادگار قائم ہوگی؟ اس سے بڑھ کر کیا مضحکہ خیزی ہوسکتی ہے کہ ایک طرف قرآن کریم سے دشمنی کا یہ معاملہ ہو اور دوسری طرف قرآن کریم سے محبت کا یہ منافقانہ مظاہرہ:

برین عقل و دانش بباید گریست

آخر کب تک یہ منافقانہ طریق کار جاری رہے گا؟

محفل میلاد اور اجلاس سیرت النبی

حقیقت یہ ہے کہ جب قوم کی اصلی روح نکل جاتی ہے تو وہ اسی قسم کی طفل تسلیوں سے دنیا کو فریب دینے کی کوشش کرتی ہے، چنانچہ پورے سال تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت وسنت کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو ایک شقی دشمن کرتا ہے اور ایک رات سیرت و میلاد کی محفل قائم کر کے محبت رسول کا دعویٰ کیا جائے، اس سے بڑھ کر کیا نفاق ہوگا؟ اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ جب تک قوم شریعت پر چلنے کی توفیق سے بانصیب تھی تمام امت سراپا شریعت تھی اور ہر شخص اپنی سیرت وصورت اور عمل و کردار سے شریعت اسلامی، محبت رسول اور اتباع سنت کا پیکر تھا، اس وقت نہ سیرت کی ان رسمی محفلوں کی حاجت تھی، نہ میلاد النبی کے جلسوں کی ضرورت، چنانچہ عہد صدیقی، عہد فاروقی، عہد عثمانی میں آپ کو کہیں نظر نہیں آئے گا کہ میلاد النبی کے لئے کوئی اجتماع ہوا ہو، کیا خیر القرون کی نسل محبت رسول سے بے بہرہ تھی؟ کیا قرون مشہود لہا بالخیر کے مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہ تھی؟ کیا ان میں اتباع سنت کا جذبہ نہ تھا؟ یہ مبارک ادوار تو محبت رسول و اتباع سنت، ایمانی حرارت وقوت ایمانی کے بے نظیر قرون ہیں، بلکہ تمام صحابہ اور تمام تابعین وائمہ مجتہدین فقہاء امت اور محدثین کرام، ارباب قلوب ومکاشفات، اصحاب ریاضات ومجاہدات کے کسی حلقے میں آپ کو نہ سیرت کے اجلاس ملیں گے، نہ میلاد کی محفل کا پتہ چلے گا، تاریخ اسلام کی مکمل چھ صدیاں ایسی گذریں جن میں سیرۃ الرسول اور بارہ وفات یا میلاد النبی کی محفلوں کا کوئی نام ونشان نہیں، چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں ''اربل'' جو موصل کے حکمراں تھے ان کے دور میں تاریخ سیرت کی یادگار منائی جانے لگی۔ فقرا و مساکین پر ہزاروں اشرفیاں خرچ کی جاتی تھیں، کپڑے تقسیم ہوتے کھانا کھلایا جاتا، اس طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس کے لئے ایصال ثواب کا سلسلہ جاری کیا گیا، مگر بعد کے ادوار میں تو یہ بات بھی ختم ہوگئی، صرف میلاد کی محفلیں قائم ہونے لگیں، پھر بھی یہ صورت حال خال خال کہیں کہیں نظر آتی تھی، لیکن جب شر القرون کی نوبت آئی تو قوم میں اسلام، دین کا نام نہیں بلکہ قومیت کا نام بن کر رہ گیا اور منافقانہ طور پر اظہار اسلام کا دور شروع ہوگیا، عقیدہ برباد ہوگیا، عملی زندگی تباہ، محبت رسول سے سینے خالی ہوگئے، دماغوں سے

اتباع شریعت کا تصور نکل گیا، دلوں میں ایمانی جذبہ سرد پڑ گیا تو سال میں ایک مرتبہ دعوائے اسلام کے لئے صرف ایک آدھ جشن منا نا ہی کافی ہو گیا، ٹھیک یہی معاملہ قرآن کریم کی یادگار کا ہے کہ بس اب عمل کرنے کی حاجت تو ہے نہیں، صرف ظاہری رسموں کے ذریعہ چراغاں کیا جائے، مکانات اور مسجدیں آراستہ کی جائیں، لاکھوں روپیہ اسراف وتبذیر پر خرچ کیا جائے، خدارا یہ بتایئے کہ یہ کہاں کا انصاف ہے۔

اگر یادگار اس لئے منائی جاتی کہ حق تعالیٰ سے عہد کرنا ہے کہ ہمیں قرآن کریم پر اب عمل کرنا اور اس کو قانون زندگی بنانا ہے، عملی زندگی میں قرآن کریم جاری کرنا ہے، دلوں میں محبت وتعظیم کے ساتھ اپنی معاشرت ونظام زندگی میں اس کو جگہ دینی ہے، گذشتہ بے عملی کی زندگی سے تائب ہونا اور آئندہ کے لئے عزم عمل کا عہد کرنا ہے تو چلئے بہت اچھا! جشن منانے کے لئے کچھ معنی تو نکل آتے، لیکن یہاں جس طرح کے ارادے ہیں اور جو کچھ کیا جائے گا اس کے اعتبار سے یہ ”جشن قرآن“ اسلام وقرآن کی توہین، عیسائی قوموں کی مضحکہ خیز نقل اور قومی دولت کو بے فائدہ ضائع کرنا ہے، ان لاحاصل وبے معنی تقریبات نے قوم کی کمر توڑ ڈالی، ان کی قوت برداشت کو ختم، ان کے تصورات کو مسخ، ان کے جذبہ عمل کو تباہ اور ان کے اعصاب کو مفلوج کر دیا، بہر حال ادارہ تحقیقات اسلام کی نگرانی میں لاکھوں روپیہ کے مصارف سے یہ جشن منایا جائے گا اور جہاں تک اندازہ ہے یہ کوشش ہوگی کہ قرآن کریم کے جسم پر کچھ نئے نشتر لگانے کے لئے راستہ نکالا جائے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت فرمائے اور مسلمانوں کو صحیح سمجھ نصیب فرمائے۔

[رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ]

حج بیت اللہ اور ارباب حکومت کو چند مشورے

بارگاہ قدس کے مرکز تجلیات کا نام بیت اللہ الحرام اور کعبۃ اللہ ہے، صاحب استطاعت پر عمر میں ایک مرتبہ اس بارگاہ پر حاضری کا نام حج بیت اللہ ہے، جو دین اسلام کا پانچواں رکن اور اہم ترین شعائر اللہ میں شمار ہوتا ہے، قرآن حکیم کی آیات کریمہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ قیام عالم اور بقاء کائنات کا ذریعہ ہے، جب تک اللہ تعالیٰ کا یہ گھر دنیا میں باقی رہے گا دنیا قائم رہے گی اور جس وقت اللہ تعالیٰ شانہ اس دنیا کو ختم کرنے کا ارادہ فرمائے گا اس کعبے کو ویران کر دیا جائے گا، گویا کعبۃ اللہ اور بیت اللہ میں بقاء عالم کا راز ہے، یہ مرکز عالم ہے اور اس مرکز کے ختم ہو جانے کے بعد فناء عالم کا سلسلہ شروع ہو جائے گا، پھر جس طرح عالم کے ظاہری بقاء کا راز بیت اللہ الحرام کے بقاء میں ہے، ٹھیک اسی طرح روحانی ہدایت ربانی کا سلسلہ بھی اسی بیت اللہ سے قائم ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آسمانی ہدایت وانوار کا فیضان بارگاہ عرش عظیم سے اس بیت عظیم پر ہوتا ہے اور عالم میں اسی بیت کو منبع ہدایت وچشمہ ارشاد بنایا گیا ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾[آل عمران:٩٦]

بے شک سب سے پہلا گھر جو مقرر ہوا لوگوں کے واسطے یہی ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور ہدایت جہان کے لوگوں کو۔ (ترجمہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)

بیت المعمور جو ساتویں آسمان پر طواف گاہِ ملائک ہے، اسی کے بالمقابل اللہ تعالیٰ نے روز اوّل ہی سے زمین پر اس مقام کو مرکز تجلیات بنایا اور تاریخ انسانی کے ادوار میں بیت اللہ کی تعمیر ہوتی رہی، ملائکہ کرام، انبیاء عظام اور مقربین بارگاہ کے طوافوں، نمازوں، دعاؤں اور نالہائے عشق ومحبت نے اس کو ایسا بقعہ نور بنا دیا کہ عقل حیران ہے، یہی وجہ ہے کہ عشاق کو نہ طواف سے سیری ہوتی اور نہ دیدار سے، اور بیت اللہ کی یہی معنویت ہے جس کی وجہ سے اسے نمازوں اور نمازیوں کا قبلہ بنا کر مزید بارگاہ قدس کی تجلیات کا نقطہ ومرکز بنایا گیا، اہل بصیرت جانتے ہیں کہ جہاں کوئی ایک صالح اور مقرب بارگاہ جلوہ افروز ہوتا ہے وہاں رحمت خداوندی اور انوار الٰہی کا نزول ہوتا ہے، پس جہاں فرشتوں، رسل وانبیاء اور مقربین بارگاہ کی دعوات وعبادات وتسبیحات وتہلیلات کا مرکز ہو اس کی برکات کا کیا ٹھکانا، حق تعالیٰ کی رحمت کاملہ کے امیدوار اپنے گناہوں سے توبہ کر کے جہاں عالم کے گوشہ گوشہ سے جمع ہوکر والہانہ انداز میں کبھی آہ وبکا اور گریہ وزاری میں مشغول ہوتے اور کبھی سربسجود ہوتے ہیں، ایسے مقام اقدس کی برکتوں کا کیا کہنا جس مقام مقدس پر احادیث نبویہ کے مطابق ایک سو بیس رحمتیں روزانہ نازل ہوتی ہیں، ٦٠/ طائفین کے لیے، ۴٠/نمازیوں کے لئے، ۲٠/زائرین ودیدار کرنے والوں کے لئے (١)، اس کی مقناطیسی کشش کا کیا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور جو سعید روحیں تینوں قسم کی عبادتوں سے سرشار ہوں ان کی سعادتوں کا کیا کہنا۔

الغرض کعبہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا اس عالم میں عظیم ترین مرکز، رحمت ازلیہ کا خزانہ، مغفرت ورحمت کا گہوارہ اور روحانی سیر وسیاحت کرنے والوں کا ربانی مرکز ضیافت ہے، جہاں ہر شخص اپنی اپنی استعداد کے مطابق فیض اٹھاتا ہے، اس لئے ہر مستطیع شخص پر زندگی میں اس مقام اقدس کی حاضری کے لئے کم از کم ایک مرتبہ کا حکم دیا گیا تاکہ مرکز رحمت ومرکز تجلیات کے انوار وبرکات سے نور ایمانی میں مزید روشنی وجلا پیدا ہو اور رحمت ازلیہ کے جلووں سے بہرہ نصیب ہو، اور اقطار عالم کے مسلمانوں کے لیے آہ وبکا سے سامان مغفرت کرنے والوں اور اخلاص وتوبہ وانابت الی اللہ والوں کا یہ عظیم الشان اجتماع طرح طرح کی برکات کا وسیلہ بنتا ہے، پھر قدم قدم پر شعائر اللہ کی تقدیس وتعظیم کے جلوے، مقربینِ بارگاہ کی یادگاریں، کہیں حجر اسود کی نورانیت کا جلوہ، کہیں مقام ابراہیم کی مقناطیسی کشش، کہیں صفا ومروہ وسعی کے انوار وبرکات، کہیں وادیٔ عرفات کی تجلیات، کہیں مزدلفہ ومنیٰ کے انوار، الغرض قدم قدم پر مغفرت ورحمت کی وعدے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج مادیت کے پرآشوب دور کے باوجود بھی ہزاروں دلوں میں حج بیت اللہ کی صحیح تڑپ موجود ہے، کہ ذرا بھی جس قلب میں ایمان کا نور موجود ہے، حج

---

(١) شعب الایمان، فضیلة الحجر الاسود والمقام الخ، ج٣:ص:٤٥٤، ط:دار الكتب العلمية بيروت

بیت اللہ کے لئے بے تاب ہے، ظاہر ہے کہ اصلی مقصد تو ان عبادات سے رضائے الٰہی، سامان آخرت کی تدبیر اور آخرت کی نعمتوں کا استحقاق ہے، لیکن شریعت مقدسہ اسلامیہ کی یہ جامعیت ہے کہ ان دینی منافع کے ساتھ ساتھ دنیوی منافع بھی وابستہ کردیئے گئے۔ دنیائے اسلام کے بہترین دماغ، فکر و سیاست کے ماہرین، ارباب صلاح وتقویٰ، ارباب بیعت وارشاد، علماء و محدثین غرض ہر طبقہ اور ہر مزاج کے لوگ، پھر عوام و خواص، ارباب دولت وارباب طاقت سب ہی کے عظیم ترین اجتماع کا۔ جس کی نظیر عالم میں کہیں نہیں ملتی۔ کس قدر عجیب انتظام ہے، ہر ذوق اور ہر مکتب فکر کا شخص اپنی اپنی حاجت وغایت کی تسکین کا سامان کرسکتا ہے، اتحاد عالم اسلامی کے روح پرور مناظر، مشکلات عالم اسلامی کی تشفی انگیز تجاویز اور تعلیم وتربیت اور افادہ واستفادہ کے لئے ایسے قابل غنیمت مواقع کہاں میسر آسکتے ہیں، بہر حال تجارت واقتصادی تنظیمات ہوں یا علم ومعرفت کے خزانے اور ادارت وسیاست کے مسائل ہوں یا اتحاد عالم کے خواب، سب ہی کی تکمیل کا سامان یہاں موجود ہوتا ہے، قرآن کریم کے دو لفظوں میں یہ سب کچھ آ گیا ہے:

١ - ﴿وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا﴾ [البقرہ:١٢٥]

اور جب مقرر کیا ہم نے خانہ کعبہ کو اجتماع کی جگہ لوگوں کے واسطے اور جگہ امن کی۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

٢ - ﴿لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ﴾ [الحج :٢٨]

تاکہ پہنچیں اپنے فائدہ کی جگہوں پر۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

کاش! ہمارے پاکستان کے حکمران ان دینی حقائق اور ان سیاسی مصالح پر نظر کرتے اور قوم کے صحیح جذبہ اور تڑپ کی قدر کرتے اور ادائے فریضہ حج کے لئے آسانیاں مہیا کرتے تو کیا اچھا ہوتا، یہ مانا کہ زرمبادلہ کا مسئلہ بہت اہم ہے اور حکومت کی مجبوریاں بھی اپنی جگہ بجا ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ حکومت کے کاندھوں پر قرضوں کا جتنا بوجھ ہے مملکت اس کی برداشت سے عاجز آرہی ہے، لیکن اگر ارباب حکومت ذرا غور فرماتے تو اس مشکل کا حل بہت آسان ہے اور بہت سی صورتیں نکل سکتی ہیں، جو قوم اربوں روپے کا ٹیکس دے کر حکومت کا سارا کارخانہ چلا رہی ہے اور جو حکومت فوج اور پولیس پر اربوں خرچ کرکے ملک وملت کے حدود وجان ومال وآبرو کی حفاظت کررہی ہے اگر یہ حکومت اس قوم کے ادائے فریضہ حج کے لئے ایک کروڑ سالانہ کے زرمبادلہ کا خسارہ برداشت کرے تو کوئی بڑی بات نہیں، لیکن ہم باوجود اس کے ارباب حکومت کے سامنے چند تجاویز پیش کرتے ہیں:

① دو سال کے لئے جدید درخواست حج نہ لی جائے، سابق درخواست کنندگان جن کی تعداد تیس ہزار سے ہرگز زیادہ نہیں اگر پندرہ بیس ہزار ہوں تو بھی بعید نہیں، پہلے ان سب کو بغیر قرعہ اندازی حج کی اجازت دی جائے دو سال بعد کوٹہ سسٹم ختم کردیا جائے۔

ایک سال قدرے حجم ہوگا، ہوسکتا ہے کہ بیس پچیس ہزار ہوجائیں، اگلے سال حالات اعتدال پر

آ جائیں گے اور لوگ بھی مطمئن ہو جائیں گے، بیس ہزار سے کبھی زیادہ نہ ہوں گے، قرعہ کے موجودہ نظام میں پچاس ہزار درخواست کنندگان کی تعداد سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دراصل حج پر جانے والوں کی تعداد پندرہ بیس ہزار سے زائد نہیں، درخواستوں کی یہ کثرت تو صرف اس لئے ہے کہ درخواست کرنے والے حرص کرتے ہیں کہ شاید نام آ جائے، اس لئے درخواست دے دیتے ہیں، اگر لاکھ دو لاکھ ہوتے تو معلوم ہوتا ہے کہ پچاس ہزار اصلی مشتاق ہیں۔

② پندرہ بیس ہزار سے بھی اگر زر مبادلہ بچانا ہے تو بہت اچھی تدبیر یہ ہو کہ جو اشیا مملکت سعودیہ میں درکار ہیں، چاول، المونیم کے برتن، کورالٹھ، بوٹ، چمڑے کے تیار کردہ سوٹ کیس وغیرہ وغیرہ بیسیوں چیزیں ہیں جو بہت آسانی سے فروخت ہو سکتی ہیں، ہر حاجی کو برآمد کا لائسنس دیا جائے اور اتنا سامان ہر حاجی کے ساتھ جانے کی اجازت ہو یا کسی تاجر کی معرفت ٹھیکہ دیا جائے وہاں جا کر وہ رقم اس تاجر کے ذریعہ مل جائے گی، بہر حال اس کی تفصیلات بآسانی تاجر طبقہ مرتب کر سکتا ہے، اس طرح حکومت زر مبادلہ کی پریشانی سے بھی بچ جائے گی اور فریضہ حج ادا کرنے میں حجاج کرام کو پوری سہولت بھی حاصل ہو جائے گی۔

③ ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت اسلامی ہمدردی اور فرض منصبی کے پیش نظر مشکل حل کرنے پر اسلامی سیاسی اور اقتصادی سب گوشوں کو سامنے رکھ کر غور کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ مشکل حل نہ ہو، افسوس یہ ہے کہ اکثر ارباب حل وعقد جن کے زمام اقتدار میں یہ مسائل ہیں کبھی اسلامی و ہمدردانہ بنیادوں پر غور نہیں کرتے یا بدقسمتی سے غور کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا یا نقطہ نگاہ کا زاویہ ہی بدل گیا ہے، بہر حال مشتاقان دیدار کعبہ کے لئے آسان تدبیریں سوچی جا سکتی ہیں۔

④ درحقیقت کچھ تکوینی مصالح بھی ہیں کہ یہ سفر، سفر عشق ہے اور عشق کے منازل طے کرنے میں امتحان ناگزیر ہے اور یہی وجہ ہے کہ قلوب میں جتنی تڑپ زیادہ تھی، امتحان بھی شدید تھا، اگر ازمنۂ سابقہ کی تکالیف آج ہوتیں تو شاید بمشکل اس سفر کے لئے تیار ہوتے، آج اگر نقل وحرکت کے ذرائع، مواصلات کی آسانی اور مال و دولت کی فراوانی حاصل ہے جن کی وجہ سے بڑی آسانی سے ہر شخص کو حج بیت اللہ نصیب ہو سکتا ہے تو امتحان اور آزمائش نے حکومتوں کی پابندیوں کی شکل اختیار کر لی ہے۔

⑤ جہاں ان حقائق پر غور کرنے کی ضرورت ہے ساتھ ہی حجاج کرام کو بھی شدید ضرورت ہے کہ دنیاوی منافع کے تصورات، سیر وسیاحت اور تفریح کی خواہشات، شہرت وسمعت کے رجحانات کی سطح سے بالاتر ہو کر اس فریضہ کے ادا کرنے کا جذبہ پیدا کریں اور کوشش کریں کہ جو دینی مقاصد ہیں صرف انہی کے پیش نظر حج کے لئے ارادہ کریں، دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے حضرات ایسے ہیں کہ حج کر آنے کے بعد ان کی زندگیوں میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوتی، جو بہتر علامت نہیں، حج مبرور کی علامت یہی ہے کہ حج کے بعد زندگی میں ایک بڑا انقلاب آ جائے، اللہ تعالیٰ سے ایسا تعلق قائم ہو جائے کہ اس کی زندگی کا ہر گوشہ متاثر نظر آئے، افسوس یہ ہے کہ حجاج کرام

نہ تو مسائل سے واقفیت حاصل کرتے ہیں، نہ اسلامی تعلیمات کے مطابق حج ادا کرنے کی سعی کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مطوفین و معلمین حضرات نے جو کچھ کرا دیا ہے وہی ٹھیک ہے، حالانکہ کسی زمانے میں واقعی معلمین و مطوفین کی سب سے بڑی خدمت یہی ہوتی تھی کہ حجاج کرام صحیح فریضہ حج ادا کر سکیں اور ان کی صحیح رہنمائی ہو، پھر ان کی نقل وحرکت و قیام و سفر میں سہولتیں بھی میسر ہوں، لیکن آج کل تو مطوف و معلم کا مقصد صرف قیام و طعام و نقل وحرکت وسواری و مکان کرایہ کے انتظامات کرنے ہیں، ان کو اس کی کوئی فکر نہیں کہ حج کیسے ہوا اور کیسے نہ ہوا، معلمین کا رخ ہی بدل گیا اور شاید یہ اسی کا اثر ہو کہ حجاج کرام کی نیتوں میں بھی فرق آ گیا، جیسی روح ویسے فرشتے، بہر حال نظام سارا بدل گیا، آوہ کا آوہ بگڑ گیا، حکومت، عوام، راعی، رعیت، حاجی و معلم سب ہی کو توجہ و حسن اصلاح و حسن تدبیر کی ضرورت ہے، تاکہ بے نظیر فریضہ اور حیرت انگیز دینی و دنیاوی مصالح پر مشتمل عبادت بازیچۂ اطفال اور سیر و تفریح وتماشا نہ رہ جائے، اب اگر چند نفوس قدسیہ صحیح روح کے حامل بھی ہوں وہ بھی جدید تغیرات کی وجہ سے پوری برکات سے محروم ہو جاتے ہیں۔

اللھم اھدی قومی فا نھم لا یعلمون

[محرم الحرام ۱۳۸۷ھ]

حج بیت اللہ سے متعلق چند ہدایتیں

اور حجاج سے چند شکایتیں

حج بیت اللہ الحرام مسلمان کے لئے یہ فریضہ ادا کرنا گوناگوں برکتوں کا ذریعہ ہے اور حیرت انگیز نعمتوں کا وسیلہ ہے، باوجودیکہ سابقہ مشکلات ختم ہو گئیں اور بہت کچھ آسانیاں پیدا ہو گئیں ہیں، تاہم دور دراز کا سفر ہے، ہزاروں روپے کا خرچ ہوتا ہے، اکثر لوگوں کو زندگی میں ایک ہی مرتبہ جانا میسر ہوتا ہے اور اب بھی بہت کچھ مشکلات اٹھانا پڑتی ہیں، ایسی صورت میں بے حد ضروری تھا کہ مسلمان اس فریضہ کی ادائیگی میں انتہائی احتیاط برتیں، مسائل حج سے کامل واقفیت حاصل کریں، اسی لئے ہر زبان میں مسائل و احکام حج سے متعلق چھوٹی بڑی کتابیں شائع ہو چکی ہیں، تاکہ شرعی قانون کے مطابق صحیح طور پر حج ادا ہو سکے، لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مخلوق خدا کا یہ عظیم انبوہ جو ملک کے ہر گوشے سے پہنچ رہا ہے، اکثر و بیشتر اس فریضہ کے احکام و مسائل سے بالکل بے خبر ہے، سنن و مستحبات تو در کنار، فرائض و واجبات سے بھی غافل ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اتنا ہی نہیں کہ محظورات و ممنوعات کا برابر ارتکاب ہوتا رہا ہے بلکہ اور تمام گناہوں تک سے بچنے کا ذرہ برابر اہتمام نہیں ہوتا، نمازوں کے ادا کرنے میں تقصیر، جماعت کی پابندی میں کوتاہی، حالانکہ ایک فرض نماز بھی حج سے بدرجہا زیادہ اہمیت رکھتی ہے، اگر بغیر عذر شرعی ایک نماز بھی قضا کی تو حج قبول ہونے کی توقع مشکل ہو جاتی ہے، سفر میں خصوصاً احرام باندھنے کے

بعد بجائے تلبیہ کہنے اور ذکر اللہ کرنے کے عام طور پر غیبتیں کرتے ہیں، بکواس بکتے رہتے ہیں، نہ زبان پر قابو، نہ نگاہ پر قابو، نہ ہاتھ پاؤں پر، بلکہ بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ مسجد حرام میں بیٹھے ہیں، نماز کا انتظار ہو رہا ہے اور فضولیات بک رہے ہیں، غیبت میں مبتلا ہیں، حالانکہ زندگی کے اس عظیم مرحلے پر پہنچ کر تو تمام اوقات عبادت اور توبہ واستغفار، انابت الی اللہ سے معمور ہونے چاہئیں، تاکہ ان مقدس مقامات کی برکات سے مالا مال ہوں، گناہوں سے پاک وصاف ہو کر ایسے واپس ہوں جیسے آج ہی ماں کے پیٹ سے ولادت ہوئی ہے، دنیا میں دوبارہ آئے ہیں۔

بعض حضرات مستحبات وآداب میں تو غلو کرتے ہیں لیکن فرائض وواجبات میں تقصیر کرتے رہتے ہیں، اور دور حاضر کے اکثر حجاج کو دیکھ کر تو یہ شبہ ہوجاتا ہے کہ شاید کسی میلہ یا تماشہ کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں، عورتوں پر پردہ فرض ہے مگر حرمین شریفین میں پہنچ کر اکثر عوتیں بلکہ ۹۹ رفیصد برقع پوش عورتیں بھی برقع پھینک کر بے حجاب ہو جاتی ہیں اور اس طرح گناہ کبیرہ کی مرتکب ہوتی ہیں، نہ صرف بے حجاب بلکہ بسا اوقات نیم عریاں لباس میں بیت اللہ کا طواف کرتی ہیں اور افسوس اس کا ہے کہ نہ شوہر اور نہ ان کے محرم حضرات اس بے حجابی کو روکنے کی تدبیر کرتے ہیں، نہ حکومت کی طرف سے اس پر کوئی پابندی عائد کی جاتی ہے، بے محابا مردوں کے درمیان گھستی ہیں، حجر اسود کو بوسہ دینے کے لئے مردوں کی دھکا پیل میں جان بوجھ کر گھستی ہیں اور پستی ہیں، اجنبی مردوں کے ساتھ شدید وقبیح اختلاط میں مبتلا ہوتی ہیں، یہ سب حرام ہے، گناہ کبیرہ ہے، ایسا حج کہ جس میں اول سے آخر تک محرمات اور کبائر سے احتراز نہ ہو سکے کیا توقع ہے کہ وہ حج قبول ہوگا؟ حج مبرور کے لئے جزاء جنت بے شک ہے، لیکن حج مبرور کیسے ہوگا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج مبرور کا بیان فرمایا ہے کہ "حج کرے اور اس میں کوئی بھی بے حیائی کا کام نہ کرے، کوئی گناہ نہ کرے، تب گناہوں سے پاک وصاف ہوگا جیسے ماں کے پیٹ سے آج ہی پیدا ہوا ہے"(۱)۔

پاکستان وہندوستان کی بعض عورتیں، مصر وشام وغیرہ بعض ملکوں کی عورتوں کو دیکھ کر کہ وہ بے پردہ ہیں خود بھی پردہ اٹھا دیتی ہیں اور حرم میں اس طرح آتی ہیں جیسے تمام مردان کے محرم ہیں یا وہ گھر کے صحن میں پھر رہی ہیں، لیکن یہ انتہائی حماقت ہے اگر کوئی قوم کسی گناہ میں مبتلا ہے تو اس سے وہ گناہ جائز نہیں ہوجاتا، پھر دیکھا یہ گیا ہے کہ ان کی بے پردگی یعنی چہرہ کا کھلا ہونا ایک خاص سنجیدگی اور وقار کے ساتھ ہوتا ہے، لباس بھی ان کا سر سے پاؤں تک باحجاب ہوتا ہے، پاؤں تک میں موزے ہوتے ہیں، لیکن پاکستانی عورتوں کا خصوصاً پنجاب وسندھ کی عورتوں کا لباس تو انتہائی بے حیائی کا ہوتا ہے، تمام نسوانی اعضاء نمایاں ہوتے ہیں، بے محابا سینہ تان کر چلتی ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ عورتیں بھی اس بے حیائی کی وجہ سے معصیت وفسق میں مبتلا ہوتی ہیں اور ان کے شوہر بھی ان کی اس بے حجابی پر گنہگار ہوتے ہیں، کیونکہ وہ ان کو مطلق منع نہیں کرتے کوئی اصلاح نہیں کرتے، نہ روکتے ہیں، نہ

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب المناسک، باب فضل الحج المبرور، ج:١ ص:٢٠٦، ط: قدیمی.

ٹوکتے ہیں، یہ تو کھلی بے حیائی اور بے غیرتی ہے۔

ان سب سے بڑھ کر ایک اور عام ابتلاء یہ ہے کہ تمام عورتیں پنج وقتہ نمازوں میں مردوں کی طرح حرم میں پہنچتی ہیں، باوجودیکہ عورتوں کے لئے دروازے بھی مخصوص ہیں اور نماز پڑھنے کی جگہیں بھی متعین ہیں، مگر حج کے زمانہ میں چونکہ اژدحام بے حد ہوتا ہے، مستقل جگہ پر نہیں پہنچ پاتیں تو مردوں کے درمیان صفوں میں کھڑی ہوجاتی ہیں اور نماز پڑھنا شروع کردیتی ہیں۔

مسجد حرام اور مسجد نبوی کی نماز اور عورتیں

پہلی بات تو یہ ہے کہ جس طرح اپنے وطن میں عورتوں کو تنہا نماز گھروں میں پڑھنا افضل ہے، اسی طرح مکہ و مدینہ میں بھی عورتوں کے لئے نماز گھروں میں تنہا بغیر جماعت کے پڑھنا افضل ہے اور مکہ و مدینہ میں نماز کا جو ثواب حرم اور مسجد نبوی کا ہے وہ ان کو گھروں پر پڑھنے میں اس سے زیادہ ملتا ہے، جو مسجد میں مردوں کو ملتا ہے، ایسی صورت میں حرمین شریفین میں عورتوں کو نماز گھروں میں ہی پڑھنی چاہیے، بالفرض کسی وقت بیت اللہ کے دیکھنے کی غرض سے یا طواف کرنے کی غرض سے مسجد حرام میں یا صلوۃ وسلام کی غرض سے مسجد نبوی میں آئیں اور نماز باجماعت پڑھ لیں تو ادا ہوجاتی ہے، بشرطیکہ مردوں کے درمیان نہ کھڑی ہوں، ایک عورت اگر مردوں کے درمیان کھڑی ہوجاتی ہے تو تین مردوں کی نماز خراب ہوجاتی ہے، دائیں، بائیں کے دو مردوں کی، اس کی محاذات (سیدھ) میں جو مرد کھڑا ہے اس کی بھی، تینوں کی نمازیں فاسد ہوگئیں، بالفرض بغیر ارادے کی کوئی عورت اتفاقیہ طور پر عین نماز کے وقت صفوں کے درمیان پھنس جائے اور نکلنا دشوار ہوجائے یا طواف کرنے کے درمیان نماز کھڑی ہوجائے تو اس وقت اس کو خاموش بغیر نماز کی جہاں بھی ہو بیٹھ جانا چاہیے، نماز کی نیت ہرگز نہ کرے، ورنہ مردوں کی نماز بھی خراب ہوگی، جب امام نماز سے فارغ ہوجائے تو پھر تنہا وہیں وہ اپنی نماز ادا کرلے، عورتوں کو بیت اللہ کا طواف کرنے کے لئے بھی ایسے وقت میں جانا چاہئے جب نماز کا وقت نہ ہو، اس وقت نسبتاً بھیڑ بھی کم ہوتی ہے اور اگر اتفاقاً نماز کا وقت ہوجائے تو اذان ہوتے ہی جلدی جلدی طواف پورا کرکے یا طواف درمیان میں چھوڑ دیں اور جتنے شوط (چکر) رہ گئے ہیں وہ نماز کے بعد جہاں چھوڑے تھے وہیں سے پورے کردیں، یا اسی طواف کو دوبارہ کرلیں، بہرحال گناہ سے بچنا بے حد ضروری ہے اور بھی بہت سی کوتاہیاں ہوتی رہتی ہیں لیکن ان سب میں نماز اور بے پردگی کا مسئلہ میرے خیال میں سب سے زیادہ اہم ہے۔

بہرحال حج ایک ایسا اہم فریضہ ہے جو زندگی میں بار بار ادا کرنا بے حد مشکل ہے، اس لئے چاہیے کہ مرد ہوں یا عورتیں انتہائی احتیاط کے ساتھ اس فریضہ کی ادائیگی سے سبکدوش ہوں۔

نیز یہ بھی خیال رہے کہ بعض عورتیں اپنے ملکوں میں بھی پردہ نہیں کرتیں اور گویا مستقل طور پر بے پردہ

رہتی ہیں، بلاشبہ یہ گناہ عظیم ہے اور ایک فرض حکم کی خلاف ورزی ہے، لیکن انہیں بھی حج بیت اللہ کے سفر میں تو چاہئے کہ اس گناہ عظیم سے بچیں تا کہ یہ فریضہ تو صحیح طریقے سے ادا ہو، آج کل بہت سی عورتیں بغیر محرم کے سفر کرتی ہیں، یہ بھی حرام اور گناہ کبیرہ ہے، جس عورت کا کوئی محرم نہ ہو اس پر حج فرض ہی نہیں ہوتا، بلکہ محرم ہو بھی لیکن حج پر قادر نہ ہو یا یہ عورت اس کے مصارف برداشت کرنے کے قابل نہ ہو تب بھی حج فرض نہ ہوگا، انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ حج بھی فرض نہ ہو اور پھر وہاں جا کر حج میں اتنی فروگذاشتیں بھی ہوں؟ جب شرعاً اس کے ذمہ حج فرض ہی نہیں ہے تو یہ حج کا سفر کیوں اختیار کیا جاتا ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ حجِ بیت اللہ میں حجاج کرام سے اس قسم کی کوتاہیوں اور خلاف شرع حرکتوں کی وجہ سے ہی حج کی برکتیں ختم ہوتی جاتی ہیں اور باوجود حجاج کی کثرت کے امت جس مقام پر کھڑی ہے وہاں سے روز افزوں تنزل میں جارہی ہے، اگر اتنی کثرت سے حجاج کرام صحیح طریقہ پر یہ فریضہ ادا کرتے اور ہم سب کا حج بارگاہِ اقدس میں شرف قبولیت سے سرفراز ہوتا تو شاید دنیا کا نقشہ ہی بدل جاتا۔ حق تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح فہم اور توفیق خیر نصیب فرمائیں۔

[ذوالحجہ ۱۳۹۲ھ/فروری ۱۹۷۳ء]

حج اور اس کے فوائد و اسرار

حج بیت اللہ الحرام دین اسلام کا اساسی رکن اور ہر صاحب استطاعت مسلمان کا فریضۂ عینی ہے، اسلام کے بنیادی امور میں اصلی جوہر اور روح عبادت ہے، ان سب صورتوں میں احکم الحاکمین کے حکم سے طریقہ عبادت اور اظہار عبدیت وعبودیت کی تعیین کی گئی ہے، اس روح کے لئے جو قالب مقرر کیا گیا ہے وہ بھی من جانب اللہ ہے، اور کسی انسانی عقل کا اس میں دخل نہیں ہے، روح اور جسد دونوں ہی وحی ربانی کا کرشمہ ہیں اور یہ دائرہ عقل اور ادراک انسانی سے ماوراء ہے، جس طرح روح مامور بہ ہے اسی طرح یہ جسد اس کے لئے مطلوب ومقصود ہے، ﴿ذلك تقدير العزيز العليم﴾ لیکن عبادت وعبدیت کے طریقوں کے ماوراء عقل ہونے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ عقل وادراک اس کے محاسن اور منافع وثمرات کو سمجھنے سے بھی قاصر ہے، نماز ہو یا روزہ، زکاۃ ہو یا حج جہاں تک عقل کی رسائی ہے ان کے اسرار وحکم کی طرف جو رہنمائی ہوئی ہے وہ بجائے خود حیرت انگیز ہے۔

بہارِ عالم حسنش دل وجان تازہ می دارد
برنگ اربابِ صورت را بہ بو ارباب معنیٰ را

نماز اور خصوصاً باجماعت اور اذان واقامت میں وقت کی پابندی کے ذریعہ امت محمدیہ میں ایک خاص نظم ونسق کے ساتھ کیسے کیسے فوائد وبرکات کا نظام قائم کیا گیا ہے، روزہ میں ضبط نفس اور پاکیزگی روح کی کیسی نتیجہ خیز اور اثر انگیز تدبیریں کارفرما ہیں، زکاۃ میں فقراء ومساکین کی حاجات وضروریات کی تکمیل کے لئے کیسا عجیب نظم

پیدا کیا گیا ہے، اسی طرح حج بیت اللہ میں اصلاح نفس اور اجتماعی تعاون کی تدبیریں، تربیت خلائق اور ہدایت عالم کی مصلحتیں مضمر ہیں، تعظیم شعائر اللہ اور تجلیات الٰہیہ کے مرکز بیت اللہ کے طواف میں مشاعر مقدسہ کی تعظیم و تقدیس اور عرفات کے روح پرور اجتماع میں اسرار و حکم کے جو رموز ہیں ان کے غور و فکر میں عقل حیران ہے۔

حج کے اس بے مثال عالمی اجتماع میں دنیا کے گوشہ گوشہ سے امت مسلمہ کے افراد جمع ہوتے ہیں، یہ عالمی اجتماع جن ہمہ گیر اجتماعی مصالح و منافع کا ذریعہ بن سکتا ہے وہ بالکل ظاہر ہیں، اسلام کا یہ دینی نظام اتنا محیر العقول ہے کہ تہذیب و ترقی کی مدعی قومیں اور کوئی مذہب و ملت اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی، قرآن کریم کی دو آیتوں میں انہی اسرار و حکم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

(۱) ﴿وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ [الحج:۳۲]

اور جو کوئی شعائر اللہ کی تعظیم کرتا ہے تو یہ دلوں کا تقویٰ ہے۔

(۲) ﴿لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ﴾ [الحج:۲۸]

تاکہ وہ اپنے منافع (اور فوائد) کو دیکھ لیں۔ حاصل کر لیں۔

ان اسرار و حکم کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

حکومت وقت کی حج پر پابندیاں اور اس کے نقصانات

کاش! دولت خداداد پاکستان کے ارباب اقتدار حج بیت اللہ کے ان منافع اور مصالح پر غور کرتے اور صحیح اجتماعی و سیاسی فوائد حاصل کرتے، لیکن دینی امور اور اسلامی شعائر و ارکان کے متعلق اس طبقہ کی عام سہل انگاری کا یہ نتیجہ ہے کہ زر مبادلہ کی بچت کے پیش نظر اسلامی فریضہ حج کی ادائیگی پر پابندیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، اس سال حج پر مزید پابندیاں لگا دی گئی ہیں اور ایک خاص تعداد و مقدار مقرر کر دی گئی ہے، یہ روش اور فیصلہ داخلی اور خارجی مصلحتوں کے پیش نظر ہر جہت سے نظر ثانی کا محتاج ہے، جہاں تک موجودہ حالات میں زر مبادلہ کی مشکلات کا تعلق ہے، اس مشکل کو حل کرنے کے بہت سے متبادل طریقے اختیار کئے جا سکتے تھے، جن سے حجاج کی تعداد اور سفر کی سہولتوں پر بھی کوئی اثر نہ پڑتا، لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شعائر دین سے اس بے اعتنائی کی وجہ سے صحیح غور و فکر کی توفیق ہی کلی طور پر سلب ہو چکی ہے، سال رواں میں حج پر پابندیوں میں مزید اضافہ اور تعداد میں یہ غیر معمولی کمی نہ صرف یہ کہ قابل ستائش طریق کار نہیں ہے بلکہ قومی اور عام اسلامی مفادات کے نقطہ نظر سے انتہائی ناعاقبت اندیشی کا اقدام ہے۔

اس سال حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مملکتِ خداداد پاکستان کو نئی زندگانی عطا فرمائی اور قوم کو جہاد کی روح سے سرشار فرمایا، دشمن کو ذلیل و رسوا ہونا پڑا، اقوام عالم میں پاکستان کے رعب اور عزت و منزلت میں

اضافہ ہوا، اور تمام دنیا میں پاکستان ایک باوقار ملک کی حیثیت سے روشناس ہوا، ایک طرف حق تعالیٰ کی اس کرم گستری کے شکر کا تقاضا تھا کہ اس فریضہ کی ادائیگی میں زیادہ سہولتیں پیدا کی جاتیں، دوسری طرف جس قوم نے صدر محترم کی آواز پر لبیک کہہ کر کروڑوں روپیہ بے دریغ دفاعی فنڈ میں پیش کر دیا، اس کے دینی جذبہ کی قدر اور حوصلہ افزائی کے لئے یہ ضروری تھا کہ حجاج کی تعداد اور سفر حج کی سہولتوں میں اضافہ کیا جاتا اس طرح حق تعالیٰ کی خوشنودی بھی حاصل ہوتی اور حکومت ملک کے اندر باہر اور سیاسی و اجتماعی فوائد سے بہرہ اندوز ہوتی۔

نہیں معلوم وزیر خزانہ کی نگاہ صرف زرمبادلہ کی وقتی اور بچت ہی پر کیوں مرکوز رہی، اور ان اہم تر مصلحتوں تک نہ پہنچ سکی، جن کو حج کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بہت سا زرمبادلہ صرف کرنے کے بعد بھی حاصل نہیں کیا جاسکتا، غیر معمولی اور ہمہ گیر ملی تعاون کے نتیجہ میں زرمبادلہ کی غیر متوقع حاصلات کے پیش نظر اسی، پچاسی لاکھ زرمبادلہ کے خسارے کی کیا اہمیت ہوسکتی ہے، جس کی بچت کے لئے عظیم تر مصلحتوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، قومی و ملی مصلحتوں سے یہ اعراض و صرف نظر یقیناً پاکستان کے قومی و ملی شعور کا ترجمان نہیں ہے، حج جیسے اہم دینی فریضہ کے متعلق یہ روش اگر بعض شخصی رجحانات اور ناقابل فہم مخفی جذبات کا نتیجہ ہے تو یہ قومی تعمیر کے متعلق اس دینی رجحان سے ہم آہنگ نہیں ہے جس کا صدر محترم بار بار اظہار فرماتے رہے ہیں، اور قوم وملت کے بہترین مفاد کے لئے بھی تباہ کن ہے، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہاں بھی انتقام کا مخفی ہاتھ بصورت مہربانی کارفرما ہو اور قہر نے مہر کی صورت اختیار کی ہو۔

بہر حال اس غیر دانشمندانہ روش اور ناعاقبت اندیشی کے فیصلے کے اسباب کچھ بھی ہوں یہ نتیجہ بالکل ظاہر ہے کہ اس افسوسناک فیصلہ سے قوم کے جذبات بری طرح مجروح ہوئے ہیں اور اس کی وجہ سے ہمارے مکار اور ذلیل دشمنوں کو ہمارے خلاف ایک نیا حربہ استعمال کرنے کا موقع ہاتھ لگ گیا ہے۔ ''از ماست کہ بر ماست''۔

اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون

[رمضان ۱۳۸۵ھ/جنوری ۱۹۶۶ء]

ٹیلیویژن اور مشرکانہ پروگرام

یہ معلوم ہو کر انتہائی صدمہ ہوا کہ بتاریخ ۲۴؍ دسمبر ۷۰ء ٹیلی ویژن پروگرام پر حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا گیا اور الوہیت مسیح کا تصور جیتی جاگتی شکل میں پیش کیا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس دردناک واقعہ سے پاکستانی ملت کی غیرت و حمیت کو جس بری طرح مجروح کیا گیا ہے، نوک قلم اس کے اظہار سے قاصر ہے، معدودے چند اقلیت کو خوش کرنے کے لئے ملک کی عظیم اکثریت اور حکومت کے مذہب کو اس طرح ذبح کرنا نہ صرف اسلامی تقاضوں کے خلاف ہے بلکہ عقل کے بھی خلاف ہے، اب تک تو شکوہ تھا کہ ٹیلی

ویژن پر زیادہ تر مخرب اخلاق پروگرام پیش ہوتے ہیں اور انسانی داخلاقی تربیتی پروگرام عمداً پیش نہیں کئے جاتے ورنہ ٹیلی ویژن قوم کے سدھارنے کا بہترین ذریعہ بن سکتا تھا، لیکن اب تو معاملہ اخلاق سے متجاوز ہو کر دین تک پہنچ گیا اور دین اسلام کے بنیادی عقیدہ توحید پر کاری ضرب لگانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

دین اسلام کی تمام عمارت صرف توحید الٰہی پر قائم ہے، شرک و بت پرستی کی مذمت تمام شرائع الٰہیہ سماویہ میں موجود ہے، پھر کتنی جرأت و جسارت ہے کہ مسلمانوں کے ملک میں سلامی حکومت کے زیر سایہ شرک کی تبلیغ کی جائے اور توحید کے خلاف پروگرام پیش ہوں، بے غیرتی اور بے دینی کی بھی انتہا ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور ہر منصب کے ارباب اقتدار کو فرائض منصبی ادا کرنے کی صحیح اہلیت نصیب فرمائے، آمین۔ ہوسکتا ہے کہ یہ پروگرام غیر شعوری طور پر لایا گیا ہو لیکن اس قسم کے غیر شعوری پروگرام ایک باشعور قوم وملت کے لئے کلنک کا ٹیکہ ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

قابل توجہ مسائل حاضرہ

''بینات'' کے سابق دوشماروں میں راقم نے حضرات علماء کرام کی خدمت میں جو گذارش کی تھی اسی سلسلے میں اب ان کی خدمت میں عصر حاضر کے چند قابل توجہ مسائل بطور مثال ونمونہ کے پیش ہیں۔

عقود ومعاملات

عصر حاضر میں تجارت اور درآمد کا سارا نظام دو باتوں پر موقوف ہے:

① انشورنس یعنی بیمہ۔ ② بینک۔

انشورنس جس کو آج کل جدید عربی میں ''التامین'' کہتے ہیں، اسکی دو بنیادی قسمیں ہیں: ''تامین الاموال''، ''تامین الحیاۃ'' یعنی مال کا بیمہ اور زندگی کا بیمہ، بینات کے صفحات میں عنقریب آپ کے سامنے اس کی تفصیلات آجائیں گی اور آپ حضرات کو کفالہ، غرر، میسر وقمار کی ان جدید صورتوں پر غور کرنا ہوگا۔

بنک کا رائج نظام بغیر ''ربا'' کے چل نہیں سکتا، اس لئے آپ کو بنک کے متبادل نظام مضاربت، وکالت، شرکت پر غور کرنا ہوگا، جو بلا سود کے چل سکے، اور جس سے جدید معاشرے کے مسائل اور مشکلات حل ہوسکیں یہ فیصلہ آپ نہیں کر سکتے کہ بڑے پیمانے پر تجارت یا درآمد و برآمد (ایراد وتصدیر) کا سلسلہ بند کر دیں یا موجودہ نسل اس کو تسلیم کر کے ملک کے اندرونی حصے میں تجارت پر قناعت کرے، لامحالہ آپ مجبور ہیں کہ فقہ اسلامی کی روشنی میں غور کر کے جلد از جلد ان مشکلات کو حل کریں تاکہ جدید نسل اس غلطی میں مبتلا نہ ہو کہ دین اسلام عصر حاضر کی مشکل کشائی سے قاصر ہے۔

انہی عقود ومعاملات میں جدید کارخانوں اور ملوں کا نظام ہے، ان میں متعدد مسائل درپیش ہیں، بیع سلم،

ربا وغیرہ اور مختلف ابواب سے انکا تعلق ہے۔ بطور مثال:

① کارخانہ دار بنک سے سود پر رقم قرض لے کر زمینداروں میں تقسیم کر دیتا ہے کہ آئندہ کپاس کے موسم اور نرخ پر سب لوگ اپنی کپاس اس کارخانہ میں دیں گے۔

② خریدار اور فروشندہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے جو بعض اوقات تحریری ہوتا ہے اور بعض اوقات زبانی ہوتا ہے، جس میں باہمی سمجھوتہ ہوتا ہے کہ خریدار کچھ رقم پیشگی دے کر فروشندہ کو اخلاقی طور پر پابند کر لیتا ہے کہ وہ اس پیشگی رقم کے عوض اپنی کپاس خریدار کو دے گا۔

پیشگی رقم فی من کپاس کے حساب سے دی جاتی ہے اور اس کے مطابق وزن بھی طے شدہ ہوتا ہے، مگر بعض اوقات صرف اتنا کہہ کر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ فروشندہ کا جس قدر مال اس کی کاشت سے برداشت ہوگا وہ اپنے خریدار کو دے گا، اس صورت میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فروشندہ مقررہ مقدار سے زائد وزن بھیج دیتا ہے اور کبھی کم، کیونکہ کپاس کا دارومدار فصل کی پیداوار پر ہے۔ (اس میں اور مزید تفصیل بھی ہے جو اس وقت حذف کی جاتی ہے)۔

③ نرخ طے کرنے کی بھی ایک تاریخ مقرر ہوتی ہے، مال بھیجنے کے بعد سے مقررہ تاریخ تک فروشندہ کو بازار کے نرخ پر اپنا سودا طے کرنے کا اختیار ہوتا ہے کہ وہ جس دن چاہے سودا طے کرے، اگر فروشندہ اس مقررہ وقت تک بھی اپنا نرخ طے نہ کر پائے تو خریدار مقررہ تاریخ کو بازار کے نرخ پر سودا طے کر کے فروشند کو نرخ سے باخبر کر دیتا ہے اور فروشندہ کو اس نرخ کا پابند ہونا پڑتا ہے۔

④ کپاس کی سودے کی ایک صورت اور بھی ہو سکتی ہے جس کو "معاہدہ پنبہ بر نرخ متعین" Cotton contract on fixed rate کہا جاتا ہے اس کی بھی مزید تفصیل ہے۔

غرض اس قسم کے معاملات آج کل کثرت سے ہوتے ہیں اور عام لوگ اس میں مبتلا ہیں اس لئے فقہ اسلامی کی روشنی میں ان کا حل تلاش کرنا نہایت ضروری ہے۔

تعلیم و تربیت

تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں بہت اہم مسائل درپیش ہیں، ڈرائنگ میں بچوں سے مختلف صورتیں اور شکلیں بنوائی جاتی ہیں اور جاندار چیزوں کے بھی فوٹو اور صور بنوائے جاتے ہیں، کتابیں تصاویر سے آراستہ کی جاتی ہیں، ہر قصہ میں اس کی تصاویر آتی ہیں اور اب انتہا یہ ہوگئی ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام وصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تصاویر سب بنائی گئی ہیں، بلکہ آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک سارے مشہور انبیاء کرام جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے، سب کی تصویروں کے ساتھ واقعات لکھے گئے ہیں بعض عرب ممالک اسلامیہ نے اس معصیت کو اتنا رائج کر دیا کہ عقل حیران ہے۔

میڈیکل کالجوں میں تشریح الاعضاء اور جراحت (اناٹومی، سرجری) کی تربیت کے سلسلہ میں لاوارث مردوں کی لاشیں دی جاتی ہیں۔ ان کی چیر پھاڑ کی جاتی ہے اور اس طرح مسلمان اموات کی بے حرمتی کا یہ سلسلہ جزو تعلیم بن چکا ہے، پھر لڑکوں اور لڑکیوں کو یہاں مخلوط تربیت دی جاتی ہے، ایک دوسرے کے اعضاء مستورہ پر بلا تکلف عمل جراحی کرایا جاتا ہے اس طرح یہ تربیتی سلسلہ بھی جاری ہے۔

علاج الامراض وادویہ

مریضوں کے علاج کے سلسلہ میں ڈاکٹر اور ہسپتال جو ادویہ استعمال کرتے ہیں ان میں الکحل استعمال ہوتا ہے جو اکثر اوقات خمر وشراب کی صورت ہوتی ہے۔

ضعیف وناتوان مریضوں کو خون دیا جایا ہے، کافروں کا خون، اجنبیوں کا خون دیا جاتا ہے، اس کی کہاں تک گنجائش ہے؟ اور جزئیت کا یہ معاملہ کیسے برداشت ہوسکتا ہے؟ قریب الموت اشخاص کی آنکھیں نکال کر نابیناؤں میں لگائی جاتی ہیں۔ یہ سلسلۂ علاج وخوبصورتی، ایک شخص کی کھال کاٹ کر دوسرے شخص (مرد یا عورت) کو لگائی جاتی ہے۔

مرہم پٹی کے سلسلہ میں نرسنگ کا نظام کہ عورتیں مردوں کی خدمت کرتی ہیں اور بدن کے ہر ہر حصہ میں مرہم پٹی کرتی ہیں۔

عورتوں کا آپریشن مرد ڈاکٹر کرتے ہیں، جبکہ اس خدمت کو انجام دینے والی عورتیں (لیڈی ڈاکٹر) بھی موجود ہیں ان سب مسائل کے فیصلے کرنے ہوں گے۔

عبادات

نماز، روزہ، زکوٰۃ ان سب میں جدید تمدن نے نئے نئے مسائل پیدا کردیئے ہیں، مثلاً ہوائی جہاز میں قضا لازم ہے یا جہاز ہی میں جیسے ممکن ہو نماز پڑھ لی جائے؟ ایک شخص نے کومٹ جٹ طیارے میں اپنے وقت پر نماز پڑھ لی اور دوسرے ملک میں جا پہنچا جہاں ابھی اس نماز کا وقت بھی داخل نہیں ہوا، آیا وہ نماز دوبارہ پڑھے یا نہیں؟

غرض اس قسم کے سوالات ہیں، علماء امت کے ذمہ یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ان سب کے جوابات قدیم فقہ اسلامی اور قرآن وحدیث نبویہ کی روشنی میں پیش کریں اور امت کو مطمئن کردیں۔

یہ چند مختصر اشارات ہیں اور مقصود صرف اتنا ہے کہ اس وقت جدید مسائل کی نوعیت کی طرف توجہ مبذول کرائی جائے۔ آئندہ ارادہ ہے کہ ان سارے ابواب کے مسائل کا ایک مفصل سوالنامہ مرتب کر کے علماء امت کی خدمت میں پیش کیا جائے تاکہ منفرداً پہلے اس پر غور فرمالیں اور پھر آخری اجتماعی فیصلہ کے بعد اس کو کتابی صورت میں (اردو، عربی، انگریزی، تینوں زبانوں میں) شائع کیا جائے، یہ وہ جدید فقہ اسلامی ہوگی جس کے لئے

ملت کا دیندار طبقہ مضطرب ہے اور بے چینی سے انتظار کر رہا ہے۔

"وفاق المدارس العربیۃ الاسلامیہ" کی طرف سے میں عنقریب یہ تجویز پیش کروں گا کہ فقہ اسلامی کے تخصص و تکمیل (ڈاکٹریٹ) کا آغاز انہی فقہی مسائل کی تحقیق سے کیا جائے۔

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

[جمادی الاولیٰ ۱۳۸۳ھ/اکتوبر ۱۹۶۳ء]

مسائل حاضرہ

① ماہنامہ بینات کے گذشتہ چند شماروں میں علماء امت کو توجہ دلائی گئی تھی کہ ان کے ذمہ ایک اہم دینی فریضہ عائد ہے کہ وہ جدید تمدن سے پیدا شدہ مسائل کا حل تلاش کر کے اس نازک وقت میں امت کی رہنمائی کا فرض ادا کریں، اور اس حقیقت کا عملی ثبوت دیں کہ دین اسلام ہر دور اور ہر عصر کے لئے صالح ترین اور جامع ترین نظام ہے اور عملی طور پر باور کرائیں کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ابدی قوانین و احکام میں ہر مشکل کا حل تلاش کرنے سے مل جاتا ہے اور فقہاء اسلام کی کاوشیں آج بھی ہماری رہنمائی کی لئے کافی وشافی ہیں۔

② اس سلسلہ میں چند رہنما اصول بھی پیش کئے تھے اور بطور نمونہ چند مسائل کی فہرست بھی ارباب علم وفتویٰ کے غور وفکر کے لئے پیش کی تھی جس میں نہ صرف معاملات سے متعلق مسائل تھے، بلکہ عبادات میں روزہ، نماز، زکوۃ اور حج وغیرہ کے بعض مسائل بھی تھے جو توجہ کے محتاج ہیں، ٹھیک جس وقت یہاں اس دینی ضرورت کے احساس کا صفحات قرطاس پر اظہار ہی کیا جا رہا تھا کہ ہندوستان کے ارباب علم ودین کی ایک مستقل مجلس "دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو" کی سرپرستی میں "مجلس تحقیقات شرعیہ" کے نام سے وجود میں آ گئی، اس مجلس کے کارکن ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس راہ میں ایک عملی قدم بھی اٹھایا اور انشورنس (بیمہ) کے مسائل کے حل سے کام شروع کر دیا اور ایک جامع اور بصیرت افروز سوالنامہ شائع کیا تا کہ علماءِ عصر انشورنس (بیمہ) کے مالہ وما علیہ سے پوری واقفیت حاصل کر کے علی وجہ البصیرۃ جواب باصواب دے سکیں، وہ سوالنامہ بینات ماہ رمضان ۸۴ء کے صفحات پر ضرور ملاحظہ سے گذرا ہوگا۔

③ آج کی فرصت میں ادارہ بینات کی جانب سے اس کے مفصل جواب کی پہلی قسط شائع کی جا رہی ہے، ظاہر ہے کہ اس قسم کے مسائل میں اجتماعی آراء وافکار کی ضرورت ہے، انفرادی رائے زیادہ مؤثر اور شرعاً نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی لیکن بدرجہ مجبوری کہ موجودہ حالات میں اس قسم کا اجتماع دشوار ہے اور ارباب علم وفتویٰ کی کوئی ایسی مجلس موجود نہیں، انفرادی رائے سے ہی کام لے کر یہ مفصل جواب علماء امت کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے، ضرورت بلکہ دینی فریضہ ہے کہ حضرات علماء، مفتیین اس کے ہر پہلو پر کامل غور وخوض فرما کر موافقت یا مخالفت

میں اپنی رائے اور تحقیق سے ادارہ بینات کو مطلع فرمائیں اور نقد و تبصرہ کا دینی حق ادا فرمائیں، تاکہ اس نقد و تبصرہ اور تحقیق و تنقیح کے بعد ایک ایسے فیصلہ پر پہنچا جاسکے جس کو امت کی اجتماعی رائے اور متفقہ فیصلہ سے تعبیر کرنا صحیح ہو، نہ کہ محض شخصی اجتہاد اور انفرادی رائے، اس لئے کہ مستند علماء، مفتیین کا اجتماع میسر نہ آسکنے کی صورت میں بھی ایک طریق کار ہے جس پر مسائل طے ہونے سے امت محمدیہ کے سامنے ایک مستند قابل اعتماد اور مجمع علیہ فیصلہ آسکے گا اور انشاء اللہ العزیز امت کے مضطرب قلوب کو مطمئن کرسکے گا، اس لئے حضرات علماء و مفتیین سے قوی توقع اور مخلصانہ استدعا ہے کہ وہ اس جواب استفتاء کو صرف ایک علمی اور تحقیقی مقالہ کی نظر سے دیکھ کر خاموشی نہ اختیار فرمائیں بلکہ یہ محسوس فرمائیں کہ یہ ایک استفتاء اور اس کا جواب ہے جو ہمارے سامنے پیش کیا جارہا ہے اور ہمیں اپنے علم و بصیرت کے مطابق اس پر کچھ نہ کچھ ضرور لکھنا ہے۔

مسائل شرعیہ کے حل کا طریقہ

④ یہ حقیقت واضح رہے کہ کسی مشکل شرعی مسئلہ کو حل کرنے کا طریقہ یہ نہیں کہ جو صورتحال ملک میں رائج ہو اس کو عموم بلویٰ کے عنوان سے بحالہ رکھ کر فیصلہ کردیا جائے کہ یہ شرعاً جائز ہے، اس لئے کہ بحالت اضطرار اس سے مخلص نہیں، جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ بینکنگ کے نظام میں جو سود ہے چونکہ اس سے چارہ کار نہیں اس لئے بینک کا سود شرعی ربا نہیں ہے، اور بیع غرر اور قمار و میسر کا نظام چونکہ عام طور پر ملکوں میں رائج ہوگیا ہے اس لئے اس کے جواز کا فتویٰ ناگزیر ہے، یہ درحقیقت مسائل شرعیہ کا حل نہیں ہے بلکہ ایک طرف یہ سراسر جہل و بے دینی ہے، دوسری طرف یہ اس امر کا اعتراف ہے کہ۔ العیاذ باللہ۔ دین اسلام ناقص اور مکمل رہنمائی سے قاصر ہے، انسانی زندگی کے مسائل کا حل اس میں موجود نہیں ہے۔

آج کل جو غیر ارباب دین اور غیر ارباب علم اسی نقطہ نظر سے سوچ رہے ہیں اور اپنے اداروں اور مجلّوں میں اسی قسم کے جوابات شائع کرکے اسلامی احکام و اصول اور قانون الٰہی پر عمل جراحی کررہے ہیں اور اسی کو عین اسلام سمجھ رہے ہیں اور سمجھا رہے ہیں، اس ظلم و عدوان کے خلاف بارہا آواز اٹھائی گئی ہے، لیکن "صاحب الغرض مجنون" والی بات ہے، ان حضرات میں سے کسی کو اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ اپنے اس طرز عمل کا جائزہ لیں اور اپنے طریق کار پر نظر ثانی کی زحمت گوارا کریں۔

اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے ضروری امر

⑤ یاد رہے کہ اسلامی احکام و قوانین کے صحیح طور پر نفاذ و اجراء کے لئے اسلامی مملکت اور شرعی حکومت ضروری ہے، ملک تو ہو غیر اسلامی نظام حکومت سے وابستہ اور آپ چاہیں کہ اس کی مشکلات اسلامی قانون کے تحت حل کی جائیں یہ کیونکر ہوسکتا ہے، اس کی مثال تو بالکل ایسی ہی ہے جیسے ایک جوتے کا قالب سیدھے اور صحیح سالم

پاؤں کے لئے تیار کیا گیا ہے اب اگر کوئی ٹیڑھا اور مڑا ہوا پاؤں اس قالب پر بنے ہوئے جوتے میں فٹ نہ ہو تو یہ نہ جوتے کا قصور ہے نہ قالب کا، بلکہ پاؤں کا قصور ہے کہ وہ ٹیڑھا ہے، ٹھیک اسی طرح ملک کی موجودہ صورتحال کو تصور فرمائیں، آپ چاہیں کہ کافرانہ نظام کے ہوتے ہوئے اسلامی احکام کے نفاذ میں کوئی دقت پیش نہ آئے یہ ناممکن ہے۔

بہرحال انشورنش (بیمہ) کے مسئلہ کا حل موجودہ صورت حال میں جتنی گنجائش شرعاً نکل سکتی تھی سوچا گیا ہے، اگر ملک میں کامل طور پر اسلامی نظام معیشت و معاشرت رائج ہوتا تو بہت سی مشکلات خود بخود حل ہو جاتیں۔

اسلامی احکام کی نفاذ کی راہ میں دشواری صرف اس لئے نظر آتی ہے کہ ملکی معیشت اور معاشرت کا سارا ڈھانچہ غیر اسلامی ہے، دونوں کا جوڑ پورے طور پر لگ ہی نہیں سکتا، یہ حقائق ہیں جن پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اب جو مسئلہ اور اس کا حل پیش کیا جارہا ہے اس تمام صورت حال پر غور کرنے کے بعد اس پر رائے قائم فرمائیں، نقد و تبصرہ سے نوازیں، ادارہ بینات کو بے صبری کے ساتھ علماء کرام کی آراء کا انتظار ہے۔

حکام پاکستان کا فریضہ

بینات کے گذشتہ شماروں میں ارباب حکومت اور سربراہ مملکت کو متوجہ کیا گیا ہے کہ اسلام اللہ جل شانہ کی وہ آخری نعمت ہے جس سے نبی عربی فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت امت محمدیہ کو نوازا اور سرفراز کیا گیا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس نعمت کے پھلنے پھولنے اور بارآور ہونے کے لئے اسی کے نام پر ایک سرزمین ایسی عطا فرمادی جس میں مسلمانوں کو غلامی کی ذلت و لعنت سے نجات میسر آگئی، تو ارشاد ربانی:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا
بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ [الحج:٤١]

وہ مغلوب و کمزور لوگ جن کو اگر ہم روئے زمین پر اقتدار اعلیٰ اور تمکن عطا فرمادیں تو وہ نمازوں کو قائم کریں، زکاۃ ادا کریں اور ہر بھلے کام کا حکم دیں، اور برے کام سے منع کریں اور (یاد رکھو) انجام کار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

کے مطابق اس نعمت کا شکر ادا کرنے کا یہی طریقہ کہ اس پاک سرزمین میں حقیقی اور صحیح قانون الٰہی نافذ کرایا جائے، اور شرائع الٰہیہ و شعائر اسلامیہ یہاں قائم کئے جائیں، تاکہ دین و دنیا دونوں کی سرخروئی مسلمانوں کو نصیب ہو، اور ملک کے استقلال و استحکام میں مزید اضافہ ہو کہ اللہ جل شانہ کا وعدہ ہے:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾ [ابراهيم:٧]

بخدا! اگر تم نے شکر ادا کیا تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کی تو بے شک میرا عذاب بہت سخت ہے۔

اگر ایسا نہ کیا تو اندیشہ ہے کہ مبادا ہم کفران نعمت اور ناشکری کی پاداش میں اس نعمت سے محرومی کے عذاب شدید میں گرفتار ہو جائیں۔

لیکن جب یہی حکومت کے ارباب کار اور برسر اقتدار طبقہ کو اس طریق کار کی جانب متوجہ کیا جاتا ہے تو جو نااہل اور غیر موزوں اشخاص سوء اتفاق سے اس معاملہ میں ان کے مشیر بن گئے ہیں ان کو فوراً اپنے مناصب کی فکر دامن گیر ہوتی ہے اور اہل حق کے خلاف چلا اٹھتے ہیں کہ یہ لوگ دراصل دینی سیادت کا خواب دیکھ رہے ہیں اور مذہبی اقتدار کے آرزومند ہیں اور طرح طرح کے الزامات واتہامات لگا کر اور ان کی نیتوں پر حملے کر کے ان کے خلاف ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں، صرف اس لئے کہ کہیں وہ اس متاع حقیر وقلیل یعنی دنیوی مناصب اور کرسیوں سے محروم نہ ہو جائیں "ذلك مبلغهم من العلم" یہ ہے ان کا مبلغ علمی، اور اس کی پرواز، اس قسم کے فریب خیال اور ہواء نفس کا شکار وہی خدا فراموش قوم ہوتی ہے جو آخرت کی گرانمایہ نعمتوں کو بھلا چکی ہو اور "وفرحوا بالحيوة الدنيا واطمئنوا بها" (وہ دنیا کی زندگی پر مگن ہیں اور اسی پر مطمئن) کا مصداق بن چکی ہو، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ بوریہ نشین تو وراثت نبوت کی دولت (علم دین) سے بڑھ کر دنیا کی اور کسی دولت کو خاطر میں نہیں لاتے اور اس فاقہ مستی میں بھی ان کو وہ سکون قلب حاصل ہے جس کا یہ حضرات تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اللہ جل شانہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تاریخ کی بدنام ترین قوم یہود کی ذہنیت "اتستبدلون الذی هو ادنیٰ بالذی هو خير" کا ہمارے حاشیۂ خیال اور تصور کے آس پاس بھی گذر نہیں ہو سکتا۔

اس گروہ کا چلتا ہوا جادو اور کارگر حربہ جو انہوں نے اپنے آقایان نعمت سے سیکھا ہے، ہمیشہ یہی رہا ہے کہ "لڑاؤ اور حکومت کرو" چنانچہ جب کہا جاتا ہے کہ اس ملک کے تمام باشندے سنی حنفی ہیں، اس ملک کے قانون کی اساس فقہ حنفی پر رکھی جانی چاہئے تو فوراً یہ حضرات حنفی واہل حدیث اور سنی وشیعہ کا جھگڑا کھڑا کر دیتے ہیں اور مذہبی نزاع کے فتنۂ خوابیدہ کو بھڑکانے کی سرگرم کوششیں شروع کر دیتے ہیں۔

تعجب وتاسف کا مقام ہے کہ یہ حضرات اپنا سارا زور بیان اور فرقہ وارانہ جوڑ توڑ کی پوری صلاحیت اسی پر صرف کرتے ہیں کہ کہیں ملک کے سربراہ دین کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں اور ان حضرات کی یہ جاگیرداری ختم نہ ہو جائے اور ان نعمتوں سے جو اس وقت حاصل ہیں محروم نہ ہو جائیں۔

یاد رکھیئے! جو حضرات ملکوں اور حکومتوں میں بلا ترمیم وتنسیخ قانون الٰہی اور احکام شریعت محمدیہ کے نفاذ کے امکانات کو ختم کرنا چاہتے ہیں ان کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ ان مذہبی احکام کے نفاذ سے ملک میں ایک مستمر ومسلسل نزاع کی تخم ریزی ہوتی ہے، اس لئے ملک کا قانون مذہبی فرقہ وارانہ اختلافات سے بلندتر ہونا

چاہیے، وہ درحقیقت یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حکومت لادینی (سیکولر اسٹیٹ) ہونی چاہیے، اس لئے کہ بجز لادینی کے اور ملک میں کوئی بھی ایسا قانون نافذ نہیں کیا جا سکتا جس کو ملک کے تمام فرقے حق ہوں یا باطل یکساں طور پر قبول کرلیں اور مطمئن ہو جائیں۔

یہ حضرات اتنی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھتے کہ دراصل لادینی ہی سے ''انارکزم'' اور ''فوضویت'' جنم لیتی ہے، اور انارکی ہی ملک کے بقاء اور استحکام اور قوت واستقلال کی سب سے بڑی دشمن ہے اور یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ انارکی اور فوضویت کے انسداد اور بیخ کنی کے لئے دینی نظام سے بڑھ کر کوئی دوسرا نظام مفید نہیں ہو سکتا، دنیا کے تمام مفکرین اور مدبرین، خواہ یورپین اقوام سے تعلق رکھتے ہوں، خواہ ایشیائی اقوام سے سب اس پر متفق ہیں حتی کہ آج یورپ کے ملحدین اور منکرین آخرت بھی محض سیاسی مصالح ہی کی غرض سے کلیساؤں کا دامن تھامے ہوئے ہیں، اگر مذہب کا لبادہ اتار دیں تو دنیا میں بھی ان کا کوئی سہارا باقی نہ رہے، اللہ تعالیٰ ان مدعیان اسلام کو صحیح اسلام کو سمجھنے اور اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اپنی رضاء وخوشنودی کے حصول کی ان کو بھی اور ہمیں بھی سعادت ارزانی فرمائیں:

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ [المائدة:٨]

[اپریل ۱۹۶۵ء/ذوالقعدہ ۱۳۸۴ھ]

ایک اچھا اقدام

ہمیں انتہائی مسرت ہے کہ ماہنامہ ''فکرونظر'' بابت ماہ جنوری ۱۹۶۵ء کے ادارتی نوٹ بعنوان ''نظرات'' سے توقع ہوگئی کہ ادارہ ماہنامہ ''فکرونظر'' غور وفکر کے بعد اپنا سابق موقف بدل رہا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

''ماہنامہ فکرونظر...... اس کی یہ کوشش ہے کہ ہم اپنے ہر مسئلہ کا حل تلاش کرتے وقت کتاب وسنت کی طرف رجوع کریں اور فقہائے کرام اور علماء سلف کے ارشادات کی روشنی میں ان سے رشد وہدایت حاصل کریں، ملی روایات کے تسلسل پر ہمارا ایمان ہے اور ماضی کی باقیات صالحات ہی پر ہم مستقبل کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں، فکر ونظر اسلام کی تجدید ضرور چاہتا ہے، اس کی کوشش یہ ہے کہ آج اس زمانے میں اسلام کی ایسی علمی تعبیر ہو جو ہمارے لئے مشعل ہدایت بن سکے، مختصراً ماہنامہ فکرونظر تجدید اسلام کی دعوت نہیں دیتا اس کی دعوت صرف تجدید فکر وعمل کی ہے اور تجدید فکر وعمل بھی اسلام کی روشنی میں''۔

ماشاء اللہ! سبحان اللہ! کاش! یہی عزم روز اول سے ہوتا اور یہی ارشاد پہلے دن ہی فرما دیتے، بینات بھی

یہی کہتا ہے کہ حقائق اسلام کی تحریف وتبدیل، انکار سنت وتردید احادیث اور تجہیل فقہاء کرام کے بجائے غیر منصوص جدید مسائل کا حل قرآن وسنت اور فقہاء امت کے کلمات طیبات کی روشنی میں اجتماعی صورت میں تلاش کیا جائے، خدا کرے کہ فکر ونظر اس موقف پر قائم رہے اور اس دعوے کا عملی ثبوت بھی فراہم کرے اور اپنے مقالات ومضامین سے اس کی تصدیق وشہادت بھی مہیا کرے اور فکر ونظر، بینات کے شانہ بشانہ چل کر سفینہ اسلام کو جس بھنور میں وہ اس وقت پھنسا ہوا ہے انتہائی دیانت داری ودانائی کے ساتھ اس سے نکال کر ساحل مقصود پر پہنچائے اور تقسیم کار کے اصول پر مقصد کے جس جزء کے لئے اس میں اہلیت ہے وہ انجام دے اور جس کے لئے بینات موزوں ہے وہ اتمام تک پہنچائے۔

لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس شمارے میں جو مضامین شائع ہوئے ہیں وہ اس دعوے کی تردید وتکذیب کرتے ہیں، تمنا عمادی صاحب کا مضمون جس میں بینک کے سود کو صرف اس لئے جائز قرار دیا گیا ہے کہ اس میں فریقین کی رضامندی ہوتی ہے لہٰذا یہ بمنزلہ بیع ہے اور جائز ہے، ربا وہ ہوگا جس میں ظلم پایا جائے، اس سے بڑھ کر اسلامی حقائق محترمہ کو مسخ کرنے کی اور کیا کوشش ہوسکتی ہے؟ اس تراضی طرفین کی دلیل سے کل کو کہا جائے گا کہ:

﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ [النور:٣٣]

اگر باندیاں پاک دامن رہنا چاہتی ہیں تو زنا پر جبر واکراہ مت کرو۔

کی بنا پر زنا بالجبر زنا ہے اور جرم ہے لیکن جب فریقین میں تراضی ہو تو نہ وہ زنا ہے اور نہ جرم، بلکہ بمنزلہ نکاح کے ہے جس میں باہمی رضامندی سے ایجاب وقبول ہوتا ہے۔

اسی طرح مولوی عمر احمد تھانوی کا طلاق ثلاث سے متعلق مضمون جس میں محمد حسین ہیکل کی کتاب الفاروق کی صریح گمراہ کن تجویز سے استفادہ کیا گیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صریح نص قرآنی کے خلاف اپنے اجتہاد سے کام لے کر یہ فیصلہ کیا ہے، اس لئے ہم اس کی مخالفت کرتے ہیں، افسوس اور رنج اس پر ہے کہ فہم صحیح سے انسان خود محروم ہو اور طعن وتشنیع کا ہدف بنائے حضرت فاروق اعظم جیسی شخصیت کو، کیا کتاب وسنت اور فقہاء امت کے اتباع کا یہی طریقہ ہے؟ اب ہم تو شرعاً مجبور ہیں کہ ان حضرات کی تلبیس آمیز نگارشات کا پردہ چاک کریں۔ واللہ المستعان۔

مسیحی قوموں کا عرصہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد دین اسلام اور حضرت خاتم الانبیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین وتذلیل کرتے رہتے ہیں، ان دنوں اخبارات سے معلوم ہوا ہے کہ ’’جی ایچ براؤننگ‘‘ نے ایک کتاب لکھی ہے ’’دی لانگ ورلڈ آف ہسٹری ان کلرز‘‘ اور اس میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی جو انسانیت کے محسن اعظم ہیں ان کی شان اقدس میں اہانت آمیز کوئی تحریر لکھی ہے، آج جب کہ اسلامی ممالک کا حلقہ دن بدن وسیع ہوتا جارہا ہے اور امریکہ وروس جیسی حکومتیں بھی مجبور ہوتی جارہی ہیں کہ

مسلمانوں کے دینی احساسات ومعتقدات کی عزت واحترام کر کے ان کو خوش رکھیں اور ان سے دوستانہ روابط وتعلقات قائم کریں، ان حالات میں حکومت برطانیہ کے زیر سایہ مصنفین اس قسم کی زہر آلود تحریریں شائع کرتے رہتے ہیں، یہ دیکھ کر انتہائی رنج وافسوس اور دکھ ہوتا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ برطانیہ کے تدبر کا بالکل ہی دیوالیہ نکل گیا ہے، حیرت یہ ہے کہ جو حکومت تدبر وعاقبت اندیشی میں ضرب المثل تھی آج اس کی یہ فرومائیگی؟ لیکن حقیقت واضح ہے کہ اس قوم کو اسلام سے حد درجہ دیرینہ عداوت ہے، اس کو چھپا نہیں سکتی، بہر حال اب حکومت برطانیہ کا سیاسی فرض ہے کہ اس قسم کے لٹریچر کو یک قلم ضبط کر کے اپنے سیاسی تدبر کا ثبوت دے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ﴾ [آل عمران:۱۱۸]

یہ بغض وعناد تو ان کی زبانوں سے ظاہر ہو گیا لیکن جو کچھ دل میں چھپا ہوا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔

[شوال ۱۳۸۴ھ/ مارچ ۱۹۶۵ء]

دینی مدارس اور پاکستان

حق تعالیٰ شانہ نے محض اپنے فضل وکرم سے مملکت خداداد پاکستان مسلمانوں کو عطا فرمائی تاکہ اسلام کے صحیح تقاضے بروئے کار آسکیں، عوام نے دل وجان سے اسی مقصد کے لئے کوششیں کیں، ہر قسم کی قربانیاں دیں، دعائیں کیں، خواص نے بار بار اعلان کیا کہ متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کی دینی آزادی کا مستقبل تاریک ہے اور نہ یہاں یہ امکان ہے کہ اقتصادی ومعاشی سکون وراحت نصیب ہو سکے، غرض اسلام وکفر دو نظریوں کے ماتحت یہ مملکت وجود میں آئی، اور کروڑوں مسلمانوں نے ہندوستان سے ہجرت کر کے اس مملکت کو آباد کیا، بلاشبہ مسلمانوں نے ابتداء میں بہت کچھ ایثار سے کام لیا، اپنی تجارتیں اور انڈسٹریز اور دیگر ذرائع معیشت، اسباب راحت وسکون کو خیر آباد کہا، اپنی عبادت گاہیں، مسجدیں اور دینی درسگاہیں چھوڑیں، علمی ادارے چھوڑے، نشر واشاعت کے مراکز کو الوداع کہا۔

حق تعالیٰ شانہ نے ترک وطن کرنے والوں پر احسان فرمایا ان کو وہاں سے بہتر مکانات اور کارخانے عطا فرمائے ان کے ارباب خیر وصلاح نے مسجدیں بنوائیں، تاکہ عوام ان کو آباد کریں، علماء امت کو توفیق عطا فرمائی کہ ہندوستان میں چھوڑی ہوئی دینی درس گاہوں کے بجائے یہاں متبادل دینی وعلمی مراکز، بڑے بڑے دار العلوم وجامعات اور تعلیم القرآن کے مدارس جاری کئے گئے، تشنگان دین کے لئے دینی مراکز قائم کئے، مشتاقان علم نبوت کے لئے علمی چشمے جاری ہوئے، کتب خانے اور مطابع قائم کئے، علمی ودینی کتابوں کے انبار لگ گئے، علوم ومعارف کے ذخائر تیار ہو گئے، الغرض سندھ کے صحراؤں میں علم ومعرفت کے چشمے پھوٹ پڑے، پنجاب کی وادیوں میں علم ودین کی بہار آگئی، یہ سب کچھ ان غریب مسلمانوں نے کیا جو اپنا مال ومتاع لٹا کر یہاں آئے تھے، اگر بمبئی، کاٹھیا

واڑ اور گجرات و برما کے مسلمان تاجر یہاں نہ پہنچتے تو یہ کارخانے انڈسٹریاں نظر نہ آتیں، اور اگر ارباب علم و دیندار اصحاب ثروت کا طبقہ یہاں نہ پہنچتا تو یہ مدارس و مساجد و معابد یہاں نہ ہوتے، ان دیندار اور ارباب خیر مسلمانوں کی وجہ سے آج کراچی میں دو ہزار مسجدیں جدید تعمیر ہوئیں، ان میں ایسی مساجد بھی ہیں جن پر دس دس لاکھ روپیہ خرچ ہوا، اگر یہ اہل علم نہ ہوتے تو اس مغربی پاکستان میں چھوٹے بڑے ایک ہزار مدرسے نہ ہوتے، بلاشبہ پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی یہی دینی مدارس و تعلیم گاہیں ہیں، پاکستان کی روح یہی مسجدیں اور دینی ادارے ہیں، اگر آج مسلمانانِ پاکستان کی توجہات و کوششیں نہ ہوتیں تو دین کا وہی حشر ہوتا جو اسپین میں ہوا۔

دینی مدارس کو حکومت کی تحویل میں لینے کا منصوبہ

خدارا! بتلایئے کہ کراچی جیسے عظیم شہر میں کتنی مسجدیں ارباب حکومت نے بنائیں؟ کتنی دینی درسگاہیں ہیں جن کو حکومت نے تعمیر کرایا؟ نہ صرف دینی درس گاہیں بلکہ دنیوی تعلیم گاہیں بھی مسلمانوں کی کوششوں کی رہین منت ہیں، کیا حکومت کے قائم کردہ اسکول و مکاتب مسلمان بچوں کی تربیت کے لئے کافی ہو سکتے تھے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ پاکستان کی دنیوی حیات جس طرح مسلمان ارباب تجارت کی سعی بلیغ کا ثمرہ ہے، ٹھیک اسی طرح پاکستان کا دینی و علمی نظام، ارباب دین اور ارباب فکر کی کوششوں کا نتیجہ ہے، اگر حکومت پاکستان کا میزانیہ ان کارخانے والوں کا مرہون منت ہے جو ان کے ٹیکسوں کے ذریعہ پورا ہوتا ہے تو ٹھیک اسی طرح پاکستان کا دینی و علمی وقار ان علماء امت کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے جو بوریوں پر بیٹھ کر معمولی مشاہروں ''قوت لا یموت'' پر گذارہ کر کے اس نظام دین کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

یہ ممکن ہے کہ ان ارباب علم میں کچھ لوگ ایسے بھی شامل ہو گئے ہوں جن کے مقاصد بلند نہ ہوں، اخلاص میں کمی ہو، دنیاوی اغراض ان کا مطمح نظر ہوں، لیکن ان کی وجہ سے اس پورے علمی و دینی نظام کو یکسر ختم کرنے کی تدبیر کرنا کہاں کی دانشمندی ہے؟ اس میں شک نہیں کہ اس قماش کے لوگ آخرت کے ثواب سے محروم اور دنیاوی اعزاز و احترام سے تہی داماں ہوں گے اور اس کے لئے یہی سزا کافی ہے لیکن ان کے ادارے بھی خالی از نفع نہیں ہیں، اگر چند کارخانے دار رشوت دے دے کر صنعت کے نظام میں فساد پیدا کر دیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سارا صنعت و حرفت کا نظام ناقص اور بے سود ہے۔

آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ جن اسکولوں، کالجوں اور علمی اداروں کو حکومت نے قومیا کر اپنی تحویل میں لے لیا ہے ان کا کیا حشر ہوا؟ کیا وہ سابقہ معیار قائم رہ سکا؟ جن کارخانوں کو حکومت نے اپنی تحویل میں لیا، کیا ان کی آمدنی اور پیداوار کا توازن قائم رہ سکا؟ نتیجہ یہ ہوا کہ پیداوار میں خسارہ رہا اور حکومت مجبور ہو گئی ہے کہ نئے ٹیکس لگا کر اپنے میزانیہ کو پورا کرنے کی تدبیر کرے، انا للہ۔

کبھی کبھی یہ آواز سنائی دیتی ہے کہ دینی مدارس حکومت اپنی تحویل میں لینا چاہتی ہے، کیا حکومت کو اپنے سابق تجربات سے یہ عبرت انگیز نصیحت نہیں ملی کہ ان بوریہ نشینوں کو اپنی حالت پر چھوڑ دو، اور ان کو نہ چھیڑو، ورنہ اس کے نتائج جہاں پاکستان کے حق میں تباہ کن ہوں گے وہ حکمرانوں کے حق میں بھی نہایت ہی مضر ثابت ہوں گے، فواحش منکرات کے روز افزوں تباہ کن سیلاب کے راستہ میں اگر کچھ روڑے ہیں تو یہی ٹوٹے پھوٹے مدرسے ہیں، جن کے ذریعہ ملک کے اندر و باہر دینی وقار قائم ہے، ظاہر ہے کہ یہ بوریہ نشین جن کی زندگیاں اسی خدمت کے لئے وقف ہیں وہ ان دینی درسگاہوں کی حفاظت کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔

حال ہی میں ملتان میں دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث ہر مکتب فکر کے ارباب مدارس، اہل علم کا عظیم اجتماع ہوا، اور سب ہی نے یہ متفقہ فیصلہ کیا کہ ان دینی مدارس کی ہر قیمت پر حفاظت کی جائے گی اور اگر خدانخواستہ ارباب حکومت نے ناعاقبت اندیشانہ قدم اٹھایا تو اس کی مزاحمت کی جائے گی، اگرچہ ہمیں اطمینان ہے کہ حکومت اپنی سیاسی بصیرت کے پیش نظر ایسا قدام ہرگز نہ کرے گی، متفقہ قرارداد کا متن حسب ذیل ہے:

''یہ اجلاس پورے وثوق کی ساتھ اس امر کا اظہار کرتا ہے کہ اس غیر اسلامی اور غیر جمہوری اقدام کے اصل محرک سوشلسٹ عناصر ہیں، جو یہ چاہتے ہیں کہ دینی مدارس کو اپنی تحویل میں لے کر دینی اقدار اور اسلامی روایات کو ختم کیا جائے، اگر خدانخواستہ ایسا قدم اٹھایا گیا تو ملت اسلامیہ کسی صورت میں اسے کامیاب نہیں ہونے دے گی، اور دینی مدارس کے تقدس، آزادی، وقار اور شاندار روایات کو محفوظ رکھنے کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرے گی، ملک کے تمام دینی اداروں کا یہ نمائندہ اجتماع حکومت سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ اگر اس کا ایسا ارادہ ہے تو اسے یکسر ترک کر دیا جائے، اور بلاوجہ فضا کو مکدر نہ کیا جائے، ورنہ اس کے نتائج کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔ یہ اجلاس فیصلہ کرتا ہے کہ اس اہم ترین دینی مسئلہ کے بارے میں حکومت کے عزائم کو معلوم کرنے اور اسی مرحلہ پر اس اجتماع کے فیصلہ جذبات و احساسات ارباب اقتدار تک پہنچانے کے لئے ایک نمائندہ وفد ارباب حکومت سے ملاقات کرے گا، دینی مدارس کے تقدس اور آزادی کی حفاظت کے لئے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا جائے گا''۔

پاکستان میں دین و اسلام کی بقاء دینی مدارس کی مرہون منت ہے

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا اور اسلام پر اس کو باقی رکھنا ہے اور حقیقت میں اس کا وجود بھی اسلام سے وابستہ ہے تو مدارس کا یہ دینی نظام اور یہ علمی ادارے اسی طرح باقی رکھنے ہوں گے، اس سے پیشتر دینی علوم کا یہ نظام اگر بے دین اور اسلام دشمن حکمرانوں کے ہاتھوں میں چلا جاتا تو اسلام اس ملک سے کبھی کا رخصت ہو جاتا، ملک کے دینی مدارس اور علماء ان بے دین حکمرانوں کے عزائم کے سامنے ڈٹ گئے

اور ملک کی دینی حیثیت قدرے باقی رہ گئی، سکندر مرزا، غلام محمد، ایوب خان نے پاکستان کا دینی حلیہ بگاڑنے کی کچھ کم کوشش نہیں کی؟ لیکن ان کا حشر کیا ہوا؟ سب کو معلوم ہے، ان لوگوں نے ہر لادینی تحریک کی حوصلہ افزائی کی اور ہر دینی تحریک کے کچلنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا، ان ہی منحوس وملعون کوششوں کا نتیجہ ہے کہ کراچی میں سال نو کے افتتاح کے موقع پر دو کروڑ کی شراب پی گئی، کلبوں کی اندر عریاں ناچ کیا گیا اور وہ وہ حرکتیں کی گئیں کہ انسانیت وحیا کا جنازہ اس ملک سے نکل گیا، کیا پاکستان اس کے لئے بنا تھا؟ اگر اس ملک میں قال اللہ وقال الرسول کی یہ صدائیں بلند نہ ہوتیں جن سے کچھ نیکی اور بدی کا توازن قائم ہے تو یہ ملک کبھی کا پیوند زمین ہو گیا ہوتا، مسلمان قوم پر من حیث العموم کافرانہ زندگی اور خدا فراموش ماحول کبھی راس نہیں آیا اور اس کا انجام تباہی و بربادی کے سوا کبھی کچھ نہیں ہوا، صرف وزارت امور مذہبی اور وزارت حج واوقاف قائم کرنے سے یہ مملکت صحیح معنوں میں اسلامی مملکت نہیں بن سکتی، جب تک کہ اول سے آخر تک تمام نظام اسلامی نہ ہو اور حق تعالیٰ کی حاکمیت کا قدم قدم پر ظہور نہ ہو، محاکم عدلیہ کا پورا نظام کتاب وسنت پر مبنی نہ ہو، اس ملک کی قامت پر سوائے اسلام کی قبا کے اور کوئی چیز راس نہیں آ سکتی، سوشلزم یا کمیونزم یا چینی ازم کے جو خواب آج ہمارے حکمران دیکھ رہے ہیں وہ سب تباہی و بردبادی کے خطرناک راستے ہیں، دین سے پہلے اس میں دنیا کی تباہی ہے، بارہا بینات کے صفحات میں ہم لکھتے رہے ہیں اور آج پھر صاف صاف کہہ دینا چاہتے ہیں کہ اسلامی مدارس کو ختم کرنے کی اسکیم دراصل ملک کو ٹھیٹ لادینی ریاست میں تبدیل کرنے کا اشتراکی وقادیانی منصوبہ ہے جو اس ملک کے لئے تباہی و بربادی کا موجب ہوگا، اللہ تعالیٰ اس ملک پر رحم فرمائے اور ہمارے حکمرانوں کو صحیح فہم عطا فرمائے اور اس تباہ کن زندگی سے ہمیں نجات عطا فرمائے۔ آمین۔

یہ سطریں لکھ چکا تھا کہ اخبار جنگ مورخہ ۷ رفروری ۱۹۷۵ء میں اسلام آباد کی یہ خبر شائع ہوئی کہ حکومت مذہبی اداروں کو تحویل میں لینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی، البتہ حکومت ان مذہبی اداروں کے حسابات کی پڑتال کرے گی۔

بہت اچھا! کوئی مضائقہ نہیں کہ حکومت اس امر کی تحقیق کرے کہ آمدنی صحیح خرچ ہو رہی ہے یا نہیں، تاہم اس سلسلہ میں یہ گذارش بیجا نہ ہوگی کہ آج تک مدارس عربیہ یوم الحساب کی جواب وہی کے عقیدے پر چل رہے ہیں، انہیں خود احساس ہے کہ احکم الحاکمین کے دربار میں ''آمد وصرف'' کا حساب دینا ہوگا۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ جب تک یوم الحساب کے خوف کا احساس پیدا نہ ہو صرف دنیا کے دکھاوے کے لئے دیانت وامانت کا معیار قائم رکھنا مشکل ہے، آج کتنے محکمے ہیں جن کے حساب کی پڑتال حکومت کرتی ہے، لیکن ان میں غبن بھی ہوتے ہیں، بددیانتی بھی ہوتی ہے، گھپلے بھی ہوتے ہیں اور شاطروں نے ان چیزوں کے لئے ایسے ایسے طریقے ایجاد کر رکھے ہیں کہ قانون کی کسی بڑی سے بڑی طاقت اور خوردبین سے بھی ان کو نہیں دیکھا جا سکتا، کیا اب مدارس عربیہ میں اسی تجربہ کو دہرایا جائے گا؟ مدارس عربیہ کا حساب کوئی خفیہ چیز نہیں، ایک کھلی کتاب ہے جسے

حکومت ہی نہیں بلکہ ہر ادنی واعلی مسلمان جب چاہے بصد شوق دیکھ سکتا ہے:

''آں را کہ حساب پاک است از محاسبہ چہ باک''

لیکن مسلمانوں کے وہ اوقاف اور مساجد جو حکومت کے قبضہ میں لے لئے گئے، ان کے بارے میں بھی حکومت نے کبھی قوم کو بتایا کہ ان کا کیا حشر ہے؟ ان کی آمد کن مصارف پر خرچ ہورہی ہے؟ صرف سندھ کے اوقاف کی چھبیس لاکھ سالانہ آمدنی سے کیا کام لیا جاتا ہے؟ اور حکومت اسے کس مصرف پر خرچ کررہی ہے؟ اصل مقاصد پر کتنا صرف ہوتا ہے اور کتنا کچھ زبانی جمع خرچ اور دفتری نظام کے دیوتا کی نذر ہوتا ہے؟ ان مساجد کا کیا حال ہے جو آج کل حکومت کے ظل عاطفت میں ہیں بہرحال اگر حکومت مدارس عربیہ کے حسابات کا جائزلینا چاہتی ہے تو بصد شوق اپنی تسلی فرمائے، ''چشم ماروشن دل ماشاد'' مگر عام احساس یہ ہے کہ بعض ارباب رسوخ جن کے نزدیک دین فرسودگی کا نام ہے وہ دینی مراکز کو حکومت کی لونڈی بنا کر اس ملک سے دین وایمان کا جنازہ نکال دینا چاہتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ تاثر اس بے چین ملک کے لئے مزید بے چینی کا باعث ہوگا، مدارس عربیہ کسی حکومت کے لئے خطرہ نہیں، البتہ لادینی عناصر (جن میں سوشلسٹ اور قادیانی شامل ہیں) کے لئے ہر وقت خطرہ ہیں اور اسی خطرہ کو ٹالنے کے لئے یہ لوگ دینی مدارس کو قومیانے کے لئے چیخ رہے ہیں۔

[صفر المظفر ۱۳۹۵ھ/مارچ ۱۹۷۵ء]

مدارس عربیہ کے لئے لائحہ عمل (۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۲/رجب ۱۳۶۹ھ

گرامی مآثر مخدوم ومحترم زیدت مفاخرکم العالیۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرصہ گذرا کہ والا نامہ باعث شرف ہوا تھا، مجھے بے حد ندامت اور افسوس اور اپنی تقصیر کا اعتراف ہے کہ جواب میں اتنی شدید تاخیر ہوئی، عمر میں آپ کا یہ پہلا والا نامہ آیا تھا، مجھے فوراً جواب دینے کی کوشش کرنی چاہئے تھی اور شاید میری عمر میں ہی کسی خط کے جواب میں اتنی شدید تاخیر کا یہ پہلا موقعہ ہوگا، بہرحال نادم ومقصر ہوں، لیکن تاخیر دراصل صرف اس لئے ہوئی کہ میں چاہتا تھا کہ تعمیل حکم کے لئے مفصل عریضہ لکھوں اور اس کے لئے فرصت ونشاط کا متلاشی رہا، ایک طرف جامعہ کے سالانہ امتحان کا قرب، کتابوں کے ختم کرانے کی فکر اور دوسری

---

(۱) حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ نے ایک نہایت قابل احترام بزرگ کے نام مدارس عربیہ کی افادیت کو مزید بڑھانے کے سلسلے میں مندرجہ بالا گرامی نامہ تحریر فرمایا۔

طرف دوسرے مشاغل، کچھ مفید کچھ غیر مفید کاموں کا ہجوم، طبیعت میں نشاط کا فقدان، علمی کسل وغیرہ موانع پیش آتے رہے، ورنہ آپ کا نامہ کرم جواب طلب خطوط میں سب سے پہلے رکھا تھا، امید ہے کہ میرے ان اعذار کی وجہ سے آپ معاف فرما کر ممنون کرم فرمائیں گے۔ جس وقت آپ کا یہ نصاب مرتب ہو چکا تھا برادرم مولانا صاحب نے ایک کاپی ارسال کی تھی، اس وقت سرسری سی کچھ ترمیم پیش کی تھی اور ایک مختصر خط میں چند اصولی باتیں پیش کی تھیں، تجویز نصاب کا مسئلہ بے حد اہم اور وقت کا شدید تقاضا اور اہم ضرورت ہے، اور جیسا کچھ ہو سکے کوشش کر کے طے کرنے کی ضرورت ہے، اتفاق سے مجھے عرصہ سے اس کا احساس اور شغف رہا ہے، لیکن اس ضرورت کے لئے سنجیدہ دماغ، مخلص حضرات اور تجربہ کار اصحاب جمع ہو کر کوئی خاکہ تیار کریں تو بہتر ہوگا، انفرادی کوشش نہ تو مفید ہو سکتی ہے نہ مؤثر نہ امت کے لئے قابل قبول، نصاب کے بارے میں تو میں بعد میں عرض کروں گا اور شاید اس مراسلہ میں اس کی نوبت نہ آئے، لیکن میرے خیال میں نصاب سے زیادہ اہم چند باتیں ہیں جو تعیین نصاب کے لئے اصول موضوعہ کا کام دیتی ہیں، اس لئے عرض کرتا ہوں اور یہ مقصد نہیں کہ یہ چیزیں آنجناب کے پیش نظر نہیں ہیں لیکن شاید زیادہ توجہ نہ ہو یا کم از کم لازم فائدۃ الخبر کے درجہ میں خیال فرمائیں۔

① نصاب کوئی بھی ہو لیکن اساتذہ کے انتخاب میں زیادہ غور کی ضرورت ہے، اس کے لئے مندرجہ ذیل امور کا لحاظ ضروری ہے:

(الف) مفوضہ کتابوں کی تدریس میں اعلیٰ درجہ کی مہارت رکھتے ہوں، جس کا حاصل یہ ہے کہ استعداد بہت اعلیٰ ہو۔

(ب) مخلص ہوں اور دل سے چاہیں کہ طلبہ کو علم آ جائے۔

(ج) جن علوم کو پڑھاتے ہوں ان سے شغف وطبعی مناسبت ہو، غرض یہ کہ محض وقت گذارنا یا معاش کی ضرورت کو پورا کرنا مقصد نہ ہو، استعداد، اخلاص، شوق ومناسبت یہ تین باتیں مدرسین کے لئے معیار انتخاب ہوں۔

② طلبہ کی لئے آسائش وراحت کا پورا خیال رکھا جائے، اگر مدرسہ میں سو طلبہ کے لے وسعت اور راحت کا انتظام نہ ہو تو بیس رکھے جائیں، لیکن ان کی عملی نگرانی بہت سخت کی جائے، درسوں میں حاضری، رات کا مطالعہ، امتحانات میں نہایت سختی کی جائے، اور تسامح نہ کیا جائے، مثلاً اگر سہ ماہی میں فیل ہو گیا تو ششماہی کے لئے تنبیہ کی جائے کہ اگر ششماہی میں فیل ہو گیا تو سالانہ امتحان میں نہ لیا جائے گا، اس میں کوئی مراعات ہرگز نہ کی جائے کہ یہی مراعات سم قاتل ہیں۔

③ اساتذہ کو کتابیں پڑھانے کے لئے اتنی دی جائیں کہ آسانی سے ان کا مطالعہ کر سکیں اور ان کے متعلقات کو دیکھ سکیں اور ان کو صرف اس کتاب کے حواشی وشرح پر کفایت نہ کرنی چاہیے بلکہ فن کی اعلیٰ کتابیں پیش نظر رکھنی چاہئیں۔

④ ہر درجہ کے مناسب طلبہ کو بھی مطالعہ کے لئے کتابیں دینی چاہئیں اور ان میں امتحان ضروری ہو، یعنی بغیر تدریس کے صرف مطالعہ سے وہ ان کتابوں پر عبور حاصل کرلیں اور امتحان دیں۔

⑤ طلبہ کی اخلاقی نگرانی بہت شدید ہونی چاہیے، اسلامی حلیہ اور دینی وضع میں کوئی مسامحت برداشت نہیں کی جاسکتی، بلکہ غبی محنتی کو برداشت کیا جائے اور ذکی مستعد آزاد کو نہ رکھا جائے، مدرسہ میں قواعد وضوابط ایسے ہوں کہ نماز کی پابندی اور لباس وپوشاک میں علمی وضع کی حفاظت ملحوظ ہو۔

⑥ مسابقت کے امتحانات مقرر ہوں، نیز ہر سہ ماہی، ششماہی امتحانات میں طلبہ کی اعلیٰ کامیابی پر وظیفہ دینا چاہیے۔

⑦ ہر سال امتحانات میں ایک پرچہ امتحان کا محض عام استعداد وقابلیت کا رکھنا چاہیے جس کا کسی خاص کتاب سے تعلق نہ ہو، ہاں اس درجہ کی اہلیت ضروری ہے۔

⑧ عربی بولنے کی قابلیت مقاصد میں شامل کرنی چاہیے، تین سال کے بعد تدریس کی زبان عربی ہونی چاہیے۔

⑨ عربی ادب پر خاص معیار سے توجہ دینی ہوگی، تقریر وتحریر کی تربیت دی جائے اور اس کے لئے بہت تفصیل طلب اور مہم تنبیہات کی حاجت ہے جو بعد میں عرض کروں گا۔

⑩ ہر زمانہ کا ایک فن ہوتا ہے اس زمانہ کا مخصوص فن تاریخ وادب ہے اس پر توجہ زیادہ کرنی ہوگی۔

⑪ قرآن کریم کا ترجمہ ابتدا سے شروع کرنا چاہیے اور تین چار سال میں ختم کرنا چاہیے، بغیر کسی تفسیر کے محض ترجمہ ابتداءً زیر درس ہونا چاہیے اور قابلیت بڑھانے کے لئے مخصوص اجزاء اور سورتوں کا انتخاب کرنا چاہیے اور لغوی وادبی تحقیق کے ساتھ پڑھانا چاہیے۔

⑫ طلبہ کے مطالعہ کے لئے ایک دار المطالعہ مخصوص ہو ان کے لئے مفید کتابیں اور عربی مجلات وجرائد رکھنے چاہئیں۔

⑬ مدرسہ کے سالانہ بجٹ میں ایک رقم مستقل بسلسلہ اصلاح نصاب اور تبدیل کتب علیحدہ کرنا ضروری ہو، یہ اس لئے کہ نصاب کی مشکلات میں سب سے زیادہ مشکل مرحلہ ہمارے غریب مدارس کے لئے قلتِ سرمایہ کا ہے۔

⑭ تین نصابوں کی ضرورت ہے:

(الف) ایک سہ سالہ نصاب: جس میں فقہ قرآن وحدیث، تاریخ، صرف ونحو، معانی، ادب، عقائد اور فرائض شامل ہوں، تاکہ جو شخص صرف اپنی ضرورت کے لئے عالم بننا چاہتا ہو، وہ علم حاصل کرسکے، تعلیم وتدریس کو پیشہ نہیں بنانا چاہتا ہو، بلکہ تجارت وغیرہ میں زندگی بسر کرنا چاہتا ہو۔

(ب) مدرس وعالم بننے کے لئے نصاب زیادہ سے زیادہ ہشت سالہ ہو۔

(ج) تیسرا نصاب درجہ تکمیل کا ہے، ایک سال کا اور دو سال کا، اس میں مفتی، محدث، ادیب، مؤرخ

وغیرہ اسی قسم کے چند شعبے ہوں۔

حاصل یہ ہے کہ نصاب خواہ کوئی بھی ہو لیکن اگر ان امور کی رعایت کی جائے تو انشاءاللہ اچھے عالم نکل سکیں گے۔

طلبہ میں تکثیر سواد کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، بلکہ معیار انتخاب کے مطابق کوشش کرنی چاہیے، چاہے جتنے بھی کم ہوں، جو طلبہ ذہین و ذکی اور مستعد ہوں، ان کی ترغیب اور حوصلہ افزائی کے لئے مختلف وجوہ کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوگا، مثلاً مخصوص وظیفہ جاری کرنا، درجہ تکمیل میں جانے کی ترغیب دینا، بلکہ درجہ تکمیل میں باقاعدہ ایسا وظیفہ دیا جائے جو ضروریات زندگی کے لئے کفایت کرے، ایک اہم بات جو سلسلہ تعلیم میں ضروری ہے اسے لکھنا بھول گیا وہ یہ کہ ابتدائی کتابیں قابل اساتذہ کے پاس ہوں، مثلاً ہر بڑے استاد کو ایک چھوٹی کتاب دی جائے، اس میں طرفین کا فائدہ ہوگا، طلبہ کو تجربہ کار استاذ سے استفادہ کا موقع ملے گا اور مدرس کا کام ہلکا ہو جائے گا بجائے ایک بڑی کتاب کے چھوٹی کتاب ہوگی جس میں اسے زیادہ دماغ سوزی نہیں کرنی پڑے گی، اور جب مدرس مخلص ہوگا تو یہ سوال پیدا نہیں ہو سکتا کہ بڑی کتابیں پڑھانے والا چھوٹی کتابیں پڑھانا اپنی توہین سمجھے۔

نصاب کے بارے میں ایک چیز قابل گذارش ہے کہ موجودہ نصاب میں سوائے چند کتابوں کے کوئی ایسی کتاب نہیں جس سے بہتر قدماء کی عمدہ تالیفات نہ مل سکتی ہوں۔

نصاب کی ترمیم میں یہ بات پیش نظر رکھنا بے حد ضروری ہے کہ کتابیں ایسی داخل درس ہوں جن میں کتاب کی لفظی بحثیں کم ہوں اور مصنف کے الفاظ کے مطالب بیان کرنے میں وقت زیادہ صرف نہ ہو، مثلاً اگر اختصار شدید سے کاغذ کم خرچ کیا گیا لیکن تفہیم میں دماغ اور وقت کتنا زیادہ لگا، اتنا وقت اگر حفظ مسائل پر خرچ ہوگا تو زیادہ بہتر ہوگا، ملکہ و بصیرت مختصراتِ مخلّہ سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتی، زیادہ تر کوشش اس کی ہونی چاہیے کہ تفہیم مقاصد و مسائل میں پورا انشراح حاصل ہو، اگرچہ جزئیات کا استیعاب نہ ہو سکے، بعض متون درسیہ میں اگرچہ استقصاء مسائل زیادہ ہے لیکن پہلا مقصد حاصل نہیں ہوتا اور وہ زیادہ ضروری ہے۔ رہا معاشیات و اقتصادیات و سیاسیات کا داخل نصاب ہونا تو یہ مرحلہ اتنا مشکل نہیں، امت کو اس کی اتنی ضرورت بھی نہیں کیونکہ اس کے لئے بہت مل جاتے ہیں، مشکل تو ''رسوخ فی العلم'' ہے، ہمیں صحیح العلم، راسخ العلم، ذکی اور مخلص علماء تیار کرنے ہیں، یہ چیزیں مطالعہ کی ہیں بآسانی بعد الفراغ حاصل کی جا سکتی ہیں۔

یہ چند باتیں اس وقت مختصر فرصت میں نہایت استعجال و ارتجال کے ساتھ پیش کر رہا ہوں، امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔ والسلام خیر ختام۔

[ذوالحجہ ۱۳۸۹ھ]

دینی مدارس کے علماء وطلباء کے لئے لمحہ فکریہ

بلاشبہ دینی مدارس کا وجود سراپا خیر وبرکت اور ان کا منصب تعلیم وتعلم نہایت ہی اونچا اور لائق فخر ہے، یہ دینی مدارس انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی وراثت کے امین، شریعت الٰہی کے محافظ اور امت محمدیہ کے معلم ہیں، قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں دین کی تعلیم وتعلم کے جو فضائل آئے ہیں ان سے کسی کو انکار کی مجال نہیں، لیکن یہ منصب جتنا عالی ہے اس کی قیمت بھی اتنی ہی اونچی ہے، اور وہ صرف رضاء الٰہی اور نعیم جنت ہی ہوسکتی ہے، اگر اس گوہر بے بہا کی قیمت متاع دنیا کو ٹھہرالیا جائے تو اس سے بڑھ کر کوتاہ نظری اور کیا ہوسکتی ہے؟ حدیث میں صاف وصریح وعید وارد ہے کہ:

”من تعلم علما مما يبتغى به وجه الله لايتعلمه الا ليصيب به عرضاً من الدنيا لم يجد عرف الجنة“ (١)

(مسند احمد، ابو داؤد، ابن ماجه عن ابى هريرة رضى الله عنه)

یعنی جس نے وہ علم حاصل کیا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوسکتی ہے مگر وہ اس کو صرف متاع دنیا کے لئے حاصل کرتا ہے تو اس کو جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہوگی۔ سنا ہے کہ حضرت فقیہ عصر محدث وقت عارف باللہ مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے خواب بیان کیا کہ درس گاہ کی تپائیوں کے سامنے طلبہ کے بجائے بیل بیٹھے ہیں، فرمایا: اناللہ، اب لوگ علم دین کو پیٹ کے لئے پڑھنے لگے۔

ہمارے اکابر کے لئے علم وتدریس، تصنیف وتالیف، دعوت وارشاد اور امامت وخطابت کے مشاغل کبھی شکم پروری اور جاہ طلبی کا ذریعہ نہیں رہے، بلکہ یہ خالص دینی مناصب تھے اور بزرگوں کے اخلاص وتقویٰ، خلوص وللّٰہیت، ذکر وشغل اور اتباع سنت نے ان مناصب کے وقار کو اور بھی چار چاند لگا رکھے تھے، لیکن افسوس ہے کہ کچھ عرصہ سے دینی مدارس کی روح دن بدن مضمحل ہوتی جارہی ہے، اساتذہ وطلبہ میں شب خیزی، ذکر وتلاوت، زہد وقناعت، اخلاص وللّٰہیت اور محنت وجانفشانی کی فضا ختم ہورہی ہے، نماز فجر کے بعد تلاوت قرآن کریم کی جگہ عام طور پر اخبار بینی لے رہی ہے، ریڈیو اور ٹی وی جیسی منحوس چیزیں جدید تمدن نے گھر گھر پہنچادی ہیں اور ہمارے دینی قلعے، دینی مدارس بھی ان وباؤں سے متاثر ہورہے ہیں، یہ وہ دردناک صورت حال ہے جس نے ارباب بصیرت، اہل دل کو بے چین کر رکھا ہے، ہمارے مخدوم گرامی منزلت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی – متع

---

(١) سنن ابى داؤد، كتاب العلم، باب فى طلب العلم لغير الله، ج:٢ ص:٥١٥، ط: حقانيه.

سنن ابن ماجة، المقدمة، باب الانتفاع بالعلم والعمل به، ص:٢٢، ط: قديمى.

مسند احمد بن حنبل، مسند ابى هريرة، ج:٢ ص:٣٣٨، ط: مؤسسة قرطبة القاهرة.

الله الامة بحیاتهم الطیبة المبارکة- نے اسی تاثر کی وجہ سے راقم الحروف کے نام ایک مفصل والا نامہ تحریر فرمایا ہے۔ ارباب مدارس کی توجہ اور اصلاح کے لئے اسے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ارباب مدارس کے لئے وسیلہ عبرت ونصیحت اور توجہ بنائے، آمین۔

مکتوب مبارک

مدارس کے روز افزوں فتن، طلبہ کی دین سے بے رغبتی و بے توجہی اور لغویات میں اشتغال کے متعلق کئی سال سے میرے ذہن میں یہ ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی بہت کمی ہوتی جارہی ہے، بلکہ قریباً یہ سلسلہ معدوم ہو چکا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ بعض میں تو اس لائن سے تنفر کی صورت دیکھتا ہوں جو میرے نزدیک بہت خطرناک ہے، ہندوستان کے مشہور مدارس دارالعلوم، مظاہر العلوم، شاہی مسجد، مرادآباد وغیرہ کی ابتداء جن اکابر نے کی تھی وہ سلوک کے بھی امام الائمہ تھے، انہی کی برکات سے یہ مدارس ساری مخالف ہواؤں کے باوجود اب تک چل رہے ہیں۔

اس مضمون کو کئی سال سے اہل مدارس منتظمین اور اکابرین کی خدمت میں تقریراً وتحریراً کہتا اور لکھتا رہا ہوں، میرا خیال یہ ہے کہ آپ جیسے حضرات اس کی طرف توجہ فرمادیں تو زیادہ مؤثر اور مفید ہوگا، مظاہر العلوم میں تو میں کسی درجہ میں اپنے ارادہ میں کامیاب ہوں اور دارالعلوم کے متعلق جناب الحاج مولانا قاری محمد طیب صاحب سے عرض کر چکا ہوں اور بھی اپنے سے تعلق رکھنے والے اہل مدارس سے عرض کرتا رہتا ہوں۔ روز افزوں فتنوں سے مدارس کے بچاؤ کے لئے ضروری ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی فضا قائم کی جائے، شرور وفتن اور تباہی وبربادی سے حفاظت کی تدبیر ذکر اللہ کی کثرت ہے، جب اللہ تعالیٰ کا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا تو دنیا ختم ہو جائے گی، جب اللہ تعالیٰ کے پاک نام میں اتنی قوت ہے کہ ساری دنیا کا جود اس سے قائم ہے تو مدارس کا وجود تو ساری دنیا کے مقابلہ میں دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ بھی نہیں، اللہ تعالیٰ کے پاک نام کو ان کی بقاء وتحفظ میں جتنا دخل ہوگا ظاہر ہے۔

اکابر کے زمانہ میں ہمارے ان جملہ مدارس میں اصحاب نسبت اور ذاکرین کی جتنی کثرت رہی ہے وہ آپ سے بھی مخفی نہیں اور اب اس میں جتنی کمی ہوگئی وہ بھی ظاہر ہے، بلکہ اگر یوں کہوں کہ اس پاک نام کے مخالف حیلوں اور بہانوں سے مدارس میں داخل ہوتے جارہے ہیں تو میرے تجربہ میں تو غلط نہیں، اس لئے میری تمنا ہے کہ ہر مدرسہ میں کچھ ذاکرین کی تعداد ضرور ہوا کرے۔

طلبہ کے ذکر کرنے کے تو ہمارے اکابر بھی خلاف رہے ہیں اور میں بھی موافق نہیں، لیکن منتہی طلبہ یا فارغ التحصیل یا اپنے سے یا اپنے اکابرین سے تعلق رکھنے والے ذاکرین کی کچھ مقدار مدارس میں رہا کرے اور مدرسہ ان کے قیام کا کوئی انتظام کردیا کرے، مدرسہ پر طعام کا بار ڈالنا تو مجھے بھی گوارا نہیں، طعام کا انتظام تو مدرسہ کے اکابر میں سے کوئی شخص ایک یا دو اپنے ذمہ لے لے یا باہر سے مخلص دوستوں میں سے کسی کو متوجہ کرکے ایک

ایک ذکر کرنے والے کا کھانا کسی کے حوالہ کر دیا جائے، جیسا کہ ابتداء میں مدارس کے طلبہ کا انتظام اسی طرح ہوتا تھا، البتہ اہل مدارس ان کے قیام کی کوئی صورت اپنے ذمہ لے لیں جو مدرسہ ہی میں ہو، اور ذکر کے لئے کوئی ایسی مناسب جگہ تشکیل کریں کہ دوسرے طلبہ کا کوئی حرج نہ ہو، نہ سونے والوں کا، نہ مطالعہ کرنے والوں کا۔

جب تک اس ناکارہ کا قیام سہارن پور میں رہا تو ایسے لوگ بکثرت رہتے تھے جو میرے مہمان ہوکر، ان کے کھانے پینے کے انتظام تو میرے ذمہ تھا، لیکن قیام اہل مدرسہ کی جانب سے مدرسہ کے مہمان خانہ میں ہوتا تھا، اور وہ بدلتے سدلتے رہتے تھے، صبح کی نماز کے بعد میرے مکان پر ان کے ذکر کا سلسلہ ایک گھنٹہ تک ضرور رہتا تھا، اور میری غیبت کے زمانہ میں بھی سنتا ہوں کہ عزیز طلحہ کی کوشش سے ذاکرین کی وہ مقدار اگر چہ نہ ہو مگر ۲۰، ۲۵ کی مقدار روزانہ ہو جاتی ہے، میرے زمانہ میں تو سو، سوا سو تک پہنچ جاتی تھی اور جمعہ کے دن عصر کے بعد مدرسہ کی مسجد میں تو دو سو سے زیادہ کی مقدار ہو جاتی تھی اور غیبت کے زمانہ میں بھی سنتا ہوں کہ ۴۰، ۵۰ کی تعداد عصر کے بعد ہو جاتی ہے، ان میں باہر کے مہمان جو ہوتے ہیں وہ دس بارہ تک تو اکثر ہو ہی جاتے ہیں، عزیز مولوی نصیر الدین سلمہٗ، اللہ تعالیٰ اس کو بہت جزائے خیر دے ان لوگوں کے کھانے کا انتظام میرے کتب خانہ سے کرتے رہتے ہیں، اسی طرح میری تمنا ہے کہ ہر مدرسہ میں دو چار ذاکرین ضرور مسلسل رہیں، داخلی اور خارجی فتنوں سے بہت امن کی امید ہے، ورنہ مدارس میں جو داخلی اور خارجی فتنے بڑھتے جا رہے ہیں اکابر سے زمانہ میں جتنا بعد ہوتا جائے گا اس میں اضافہ ہی ہوگا۔

اس ناکارہ کو نہ تحریر کی عادت، نہ تقریر کی، آپ جیسا یا مفتی محمد شفیع صاحب جیسا کوئی شخص میرے اس مافی الضمیر کو زیادہ وضاحت سے لکھتا تو شاید اہل مدارس پر اس مضمون کی اہمیت زیادہ واضح ہو جاتی، اس ناکارہ کے رسالہ ''فضائل ذکر'' میں حافظ ابن قیم کی کتاب "الوابل الصیّب" سے ذکر کے سو کے قریب فوائد نقل کئے ہیں، جن میں شیطان سے حفاظت کی بہت سی وجوہ ذکر کی گئی ہیں، شیاطینی اثر ہی سارے فتنوں اور فساد کی جڑ ہیں، فضائل ذکر سے یہ مضمون اگر جناب سن لیں تو میرے مضمون بالا کی تقویت ہوگی، اس کے بعد میرا مضمون تو اس قابل نہیں جو اہل مدارس پر کچھ اثر انداز ہو سکے، آپ میری درخواست کو زور دار الفاظ میں نقل کرا کر اپنی یا میری طرف سے بھیج دیں تو شاید کسی پر اثر ہو جائے۔

دار العلوم، مظاہر علوم اور شاہی مسجد کے ابتدائی حالات آپ کو مجھ سے زیادہ معلوم ہیں کہ کن صاحب نسبت اصحاب ذکر کے ہاتھوں ہوئی ہے انہی کی برکات سے یہ مدارس اب تک چل رہے ہیں، یہ ناکارہ دعاؤں کا بہت محتاج ہے، بالخصوص حسن خاتمہ کا کہ گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے''۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ، بقلم حبیب اللہ
۳۰ نومبر ۷۵ء، والسلام، مکہ المکرمہ

جامعۃ العلوم الاسلامیہ میں "التخصص فی الفقہ الاسلامی" کا اجراء

علوم خواہ شرعیہ ہوں یا عقلیہ، دینیہ ہوں یا دنیویہ، ان کی وسعت و ہمہ گیری معلوم و مسلم ہے، ایک طرف تو یہ صورت حال! دوسری طرف طبائع کی آسانی پسندی اور جفاکشی و محنت سے گریز پھر جدید دنیا کے تمدن کی وجہ سے یکسوئی خاطر ناممکن، اس لئے موجودہ صورت حال کے پیش نظر کسی شخص کا تمام علوم میں تبحر و وسیع النظر ہونا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، پھر اس پر مستزاد اذواق کا اختلاف، کسی کو حدیث سے مناسبت، کسی کو فقہ سے ذوق، کسی کو معقول سے دلچسپی، کسی کو ادبی علوم سے لگاؤ، اور تفاوت عقول اور ادراک و فہم کے مدارک کا اختلاف بھی ضروری ہے، قدماء امت میں بھی علوم کے متخصصین ہوتے تھے، سیبویہ اگر عربیت میں امام ہے تو فقہ و اصول میں طفل مکتب، عبدالقاہر جرجانی اگر بلاغت کا امام ہے تو علوم حدیث میں صفر، بہت کم افراد ایسے ملتے ہیں جو ہر علم میں امامت کے درجہ پر فائز ہوں، ان وجوہ کے پیش نظر عرصہ سے یہ آرزو رہا کرتی تھی کہ ضروری علوم کے بعد یہ ضروری ہے کہ مختلف فنون میں تخصص کے درجات جاری کئے جائیں، چنانچہ دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار کے سابقہ ماہنامہ دعوۃ الحق میں آج سے اٹھارہ سال قبل اس کی تفصیل عرض کی تھی، خوشی ہے کہ وہ صدا بصحرا ثابت نہیں ہوئی اور جامعہ اسلامیہ عباسیہ بہاولپور میں جو محکمہ اوقاف کی جامعہ ہے ان تخصصات کے جاری کرنے کا اعلان کردیا گیا تھا، لیکن اساتذہ وطلبہ کے فقدان سے وہاں معیار مطلوب قائم نہیں ہوسکا، چار سال سے مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں التخصص فی الحدیث کا اجراء ہو چکا ہے اور الحمدللہ کہ توقع سے بالاتر اس کے ثمرات ظاہر ہو رہے ہیں، دو سال سے التخصص فی الفقہ الاسلامی کے اجراء کا ارادہ ہوتا رہا لیکن جس انداز سے کام کرنا پیش نظر تھا اس کے لئے کوئی متخصص فی الفقہ عالم فارغ نہ تھا جس کی نگرانی میں کام کیا جائے، اس سال سابق اساتذہ میں مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی کی نگرانی و تربیت میں اس شعبہ کے اجراء کا فیصلہ اساتذہ کے جلسۂ شوریٰ میں ہو چکا تھا اس کے بعد ماہنامہ دارالعلوم کراچی البلاغ میں یہ خوشخبری بھی پڑھی کہ حضرت مفتی مولانا محمد شفیع صاحب کی نگرانی میں دارالعلوم کراچی میں یہ شعبہ جاری ہو رہا ہے۔ "اللہم زد فزد" بہت اچھا ہوا، خدا کرے کہ بقیہ ارباب مدارس علیا دینیہ کو بھی توجہ ہو، اور وہ بھی اپنی اپنی استعداد کے مطابق یہ سلسلہ جاری کریں، التخصص فی الفقہ کے لئے اسی معیار پر داخلہ ہوگا جس پر التخصص فی الحدیث کے لئے ہوا ہے، مدت دو سال، وظیفہ ماہانہ ۶۰/روپے، کام ۱۴/گھنٹہ کرنا ضروری ہوگا۔ کتب فقہ، اصول فقہ اور اس کے متعلقات کا مطالعہ کرایا جائے گا جو کم از کم بیس ہزار صفحہ ہوگا، مقالات لکھوائے جائیں گے، قضاء وافتاء کی تمرین کرائی جائیگی، بہت معتد بہ قواعد یاد کرائے جائیں گے، اس کی تفصیلات بینات کے کسی آئندہ شمارے میں پیش کی جائیں گی، انشاء اللہ داخلہ ۱۵/شوال سے ہوگا۔

[رمضان ۱۳۸۸ھ]

دارالتصنیف سے حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب کا انسلاک

مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں کچھ عرصہ سے باضابطہ اور مستقل طور پر دارالتصنیف کا شعبہ قائم کیا گیا ہے، جس کا بنیادی مقصد دین اور علم دین کی اس انداز سے خدمت کرنا ہے جس کے ذریعہ عصری، دینی وعلمی تقاضے پورے ہو سکیں، جس طرح تدریس کے ذریعہ علوم دینیہ اسلامیہ عربیہ سے ایک صالح عالم عنصر تیار کرنا مقصود ہے، اسی طرح تصنیف وتالیف کے ذریعہ جدید نسل کی ذہنی اور دینی تربیت مقصود ہے، اس مقصد کے پیش نظر اس شعبہ کی صحیح خدمت کے لئے ایک ایسی شخصیت کی بھی ضرورت تھی جو بیک وقت عربی، اردو، انگریزی تینوں زبانوں کا صاحب علم ادیب ہو، عرصہ سے یہ آرزو تھی، الحمدللہ کہ یہ آرزو پوری ہوگئی اور حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی جو دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو کے شیخ الحدیث اور مہتمم تھے وہ تشریف لائے اور اس شعبہ میں ہمارے رفیق کار بن گئے، موصوف الحمدللہ تینوں زبانوں میں مصنف ہیں اور پختہ کار، کہن مشق فاضل ہیں، علم وعمل، سیرت وصورت سب میں ممتاز اور حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ کے سلسلہ سے وابستہ ہیں، سنجیدہ، مفکر سیاست دان، عالم دین ہیں، زیادہ لکھنے سے قلم اس لئے رک رہا ہے کہ اب وہ ہمارے رفیق کار ہیں بضرورت یہ چند کلمے لکھنے پڑے ہیں، اس وقت علاوہ تصنیف وتالیف کے مولانا موصوف کو فقہ اسلامی کے تخصص کے طلبہ درفقاء کی تربیت سپرد کردی گئی ہے تاکہ مدرسہ سے بھی رابطہ قائم رہے، توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بہت جلد ان کے افادات قلمیہ کے جواہر ریزے امت کے سامنے پیش ہوں گے، حق تعالیٰ ہم سب کو اخلاق وحسن نیت اور صحیح جدوجہد کی توفیق عطا فرمائے۔ اس وقت اس شعبہ تصنیف میں احادیث نبویہ پر متعدد وجہات سے ٹھوس علمی کام ہورہے ہیں، ان کی تفصیلات امت کے سامنے لانا یہ ہمارے مزاج کے خلاف ہے، حق تعالیٰ قبول فرمائے اور امت محمدیہ کو نفع پہنچائے، یہ ناتمام اشارات ارباب بصیرت کے لئے ان شاء اللہ کافی ہیں، ہماری آرزو یہ ہے کہ جو کام اس وقت کہیں نہ ہورہا ہو وہ یہاں سے ہوجائے۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

[ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ رفروری ۱۹۷۱ء]

مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی تاسیس وابتداء اور ارتقائی مراحل

مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کی ابتداء درجہ تکمیل سے کی گئی تھی، کچھ تو وسائل پیش نظر نہیں تھے اور کچھ اس لئے کہ ملک کے طول وعرض میں دینی درس گاہیں بکثرت موجود ہیں، ہمیں اس چیز کی طرف توجہ کرنی چاہئے جس کی شدید ضرورت ہے مگر اس کی طرف کسی کی توجہ نہیں ہے، اس لئے یہی اعلان کیا گیا کہ فارغ التحصیل مستند درس گاہوں کے سند یافتہ حضرات کے لئے حسب ذیل مضامین کا اجرا ہوگا:

الف: علوم قرآن اور مشکلات قرآن کا درس ہوگا۔

ب: ...... صحیح بخاری کا درس اس انداز سے دیا جائے گا جس میں آراء رجال سے زیادہ توجہ علوم نبوت اور اغراض دین پر ہوگی اور ان مضامین کو زیادہ ابھارا جائے گا جس سے دور حاضر کے امراض کی اصلاح ہو۔

ج: مذاہب اربعہ کے فقہی اجتہادات پر غور وخوض ہوگا اور ابن رشد کی کتاب ''بدایۃ المجتہد'' جو اس موضوع کی کتاب ہے زیر مطالعہ ہوگی۔

د: ...... ادب اور تاریخ ادب کا درس ہوگا، عربی ادبی اسلوب کی کتابت اور خطابت کا سلیقہ پیدا کرنے کی جدوجہد ہوگی اور ''الوسیط'' کا درس دیا جائے گا۔

ھ: ...... ''حجۃ اللہ البالغہ'' کی تدریس اور احکام شرعیہ کے مصالح واسرار پر بحث ہوگی۔

ز: ''مقدمہ ابن خلدون'' پڑھایا جائے گا اور علوم اسلامیہ کی تاریخ وارتقائی ادوار زیر بحث لائے جائیں گے۔

اعلان کیا گیا اور اس مقصد کی تکمیل کے پیش نظر دس فارغ التحصیل مستند درس گاہوں کے فاضل، سند یافتہ پہنچ گئے لیکن آگے چل کر جوان دینی درس گاہوں کی نسل سامنے آتی تھی ان کی استعداد علمی بہت ناقص ہوتی تھی اور وہ ہمارے اس درجہ تکمیل میں چل نہیں سکتے تھے اس لئے مجبوراً نیچے اتر کر دورۂ حدیث کا درجہ شروع کیا گیا پھر یہی مشکل اس درجہ میں پیش آئی کہ تعلیم ناقص، استعداد کچی، مجبور ہو کر یہ بار گراں سر پر اٹھایا اور تمام درجات نصاب درس نظامی کے جاری کئے لیکن ساتھ ساتھ تین مضامین کو اپنی درس گاہ کی خصوصیت بنایا:

الف: درس قرآن کریم ابتداء سے لازمی کر دیا گیا اور اسے پانچ سالوں میں تقسیم کیا گیا۔

ب: ...... عربی زبان کے بولنے لکھنے کی تمرین جاری کردی گئی۔

د: ...... حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ابتداء سے ہر درجہ میں لازم کردی گئی۔

ج: مختلف درجات میں نصاب میں ترمیم کرکے عمدہ مفید کتابوں کا اضافہ کیا گیا۔

ھ: ...... بعض درجات تخصص کے جاری کردیے گئے۔

ایک طرف اسلامی علوم کا سمندر ناپیدا کنار، دوسری طرف جدید علمی نسل کی دماغی کم مائیگی، دونوں پر غور کرنے کے بعد ضروری سمجھا گیا کہ اب ضرورت اس کی ہے کہ ہر فارغ شدہ کے طبعی ذوق، فطری صلاحیت اور علمی استعداد وقابلیت کے پیش نظر تخصصات (ڈاکٹریٹ) کے درجے کھولے جائیں، چنانچہ دینی درسگاہوں کی ضرورت کے پیش نظر کہ علوم حدیث کے ماہرین بہت کم ہوتے جارہے ہیں اور درس حدیث کے حق ادا کرنے والے ناپید ہوتے جارہے، افتتاح درجہ ''التخصص فی الحدیث'' سے کیا گیا، جس کی تفصیل کا اب یہ موقع نہیں، اس کے بعد ''التخصص فی الفقہ الاسلامی'' اور اس کے چند سالوں بعد ''التخصص فی الدعوۃ والارشاد'' جاری کردیا گیا، اور

''التخصص فی علوم القرآن ومشکلاتہ'' اور'' التخصص فی الکلام الجدید والفلسفۃ الجدیدۃ'' اور'' التخصص فی تاریخ الاسلام'' وغیرہ کا افتتاح ہوگا، اس آخری تخصص کے ذیل میں مستشرقین نے اسلام کی تاریخ کو جس طرح مسخ کیا ہے اس کی تنقید واصلاح بھی ہوگی، ظاہر ہے کہ ہمارے وسائل محدود ہیں اور رجال کار مفقود، یہ آسان نہیں کہ ایک ہی دفعہ تمام درجات کھولے جائیں۔ اس لئے آہستہ آہستہ اپنی قدرت، امکانیات کے پیش نظر آگے کی طرف قدم بڑھ رہے ہیں، ہماری آرزو تھی کہ قاہرہ جو اسلامی علمی ملکوں میں علوم اسلامیہ کی خدمت میں مرکزیت حاصل کر چکا ہے، وہاں جا کر جدید نظام تعلیم ''الدراسات العلیاء'' اور'' التخصصات'' کے جدید نظاموں سے واقفیت حاصل کی جائے، حسن اتفاق سے " المجلس الاعلی للشئون الاسلامية" کے الامین العام یعنی امور اسلامیہ مذہبیہ کے ڈائریکٹر السید محمد توفیق عویضہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ تشریف لائے ان کے ساتھ دس حضرات رفقاء کرام تھے، جن میں علی خشبہ مصری سفیر وغیرہ اہم شخصیتیں تھیں، ہماری خدمت اور اعلیٰ نظام سے بے حد متاثر ہوئے اور انہوں نے ہر قسم کے تعاون کا وعدہ فرمایا جو پورا کر رہے ہیں، اسی ذیل میں پانچ وظیفے ڈاکٹریٹ کے منظور فرمائے اور فوراً ٹکٹ بھیج کر بطور مہمان خصوصی قاہرہ آنے کی دعوت دی اور ساتھ ہی ہمارے رفیق گرامی مولانا عبدالرزاق صاحب ہزاروی جو مدرسہ کے استاذ اور جامعہ اسلامیہ مدینہ کے ممتاز سند یافتہ تھے اور عربی ادب میں مؤلف اور مدرس تھے، ڈاکٹریٹ کے لئے ان کا انتخاب کیا وہ بھی ساتھ تشریف لے گئے، موصوف کی دعوت اور تعاون پر ہم دونوں قاہرہ پہنچ گئے، برادرم محترم مولانا عبدالرزاق صاحب نے وہیں حسب ذیل مضمون پر ڈاکٹریٹ کے لئے جامعہ قاہرہ میں داخلہ لیا اور الحمد للہ کامیاب ہو کر واپس آ گئے، جن کے ذریعہ ہم اپنے تخصصات کو جدید باقاعدہ نظام کے سانچے میں ڈھال سکیں گے برادر موصوف کا روانگی سے قبل تار ملا اور پھر ایک مکتوب ملا تھا، نامناسب نہ ہوگا اگر ہم ذیل میں اس مکتوب کا اقتباس درج کریں:

> "سبق ان ارسلت برقية الى فضيلتكم بمناسبة حصولی علی شهادة الدكتوراه من جامعة القاهرة لعلها قد وصلتكم، كانت مناقشة الرسالة يوم الاربعاء ٢٢ محرم ١٣٩٧هـ الموافق ١٢ يناير ١٩٧٧ء، واستمرت نحو خمس ساعات وحضرها اكثر من مائتی عالم وطالب علم ، واكرمنی الله بحسن التقديم وصحة الاجابة كما اثنى كل واحد من اعضاء لجنة المناقشة على الرسالة وترتيبها والجهود التی صرفت ، واخيرًا اعلنت اللجنة بمنح شهادة الدكتوراه بتقدير "جيد جدا" مع مرتبة الشرف، والحمد لله".

[ربیع الاول ۱۳۹۷ھ/مارچ ۱۹۷۷ء]

قدیم وجدید نصابِ تعلیم کا امتزاج

جامعہ اسلامیہ بہاول پور اسلامی اوقاف کی برکت سے وجود میں آیا اور اب اس کی حیثیت قانون کی رو سے حکومت کی یونیورسٹی کی ہوگئی، مغربی پاکستان کا گورنر اس کا چانسلر ہوگا اور اس کے گریجویٹوں کی حیثیت وہی ہوگی جو پشاور، لاہور وکراچی یونیورسٹیوں کی ہے، محکمہ اوقاف اور جامعہ اسلامیہ بہاول پور نے علماء کرام وجدید تعلیم یافتہ حضرات کے عملی تعاون سے ہفدہ سالہ نیا نصابِ تعلیم تیار کیا ہے، جس میں بیک وقت علوم دینیہ وعلوم دنیویہ، عربی اور انگریزی کا دوآبہ تجویز کیا ہے، اور ایک مرتبہ پھر سابق ناکام تجارب کے باوجود جدید تجربہ کیا جارہا ہے، مزید برآں کارکنانِ جامعہ کی یہ خواہش ہے کہ ملک کے دینی مدارس ومعاہد ومراکز بھی ان کا نصاب اپنے ہاں جاری کریں یا ان سے الحاق کرائیں تاکہ جامعہ کی یہ ممتاز جامعیت قوم میں مسلم ہوجائے، چند بوریہ نشینوں کی جدوجہد سے عربی دینی مدارس مغربی پاکستان کا ایک فیڈریشن ''وفاق'' وجود میں آچکا ہے، جس میں اس وقت ایک سو بہتر چھوٹے بڑے مدارس شریک ہوچکے ہیں اور آخری سالانہ امتحان بیک وقت مختلف مراکز میں خصوصی ناظمین امتحان کی نگرانی میں ہورہا ہے اور کامیاب طلبہ کو وفاق ہی کی طرف سے سند دی جاتی ہے، وفاق المدارس کی مجلس عاملہ ومجلس شوریٰ کا اجلاس ۲۸، ۲۹، ۳۰/جمادی الاولی ۸۴ھ، مطابق ۶، ۷، ۸/اکتوبر ۶۴ء ملتان میں منعقد ہوا، جس میں جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے نصابِ تعلیم ونظامِ تعلیم پر بھی غور ہوا، اور باتفاق یہ طے ہوا کہ اس صدی میں اس قسم کے جتنے تجربے ہوئے وہ سب ناکام ثابت ہوچکے ہیں، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو، مدرسہ الٰہیات کانپور، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن، جامع ملیہ اسلامیہ دہلی، جامعہ عباسیہ بہاول پور ان سب چوٹی کی درسگاہوں میں یہ تجربہ ناکام ثابت ہوا ہے، کوئی بھی جامع قسم کا فاضل ومحقق ان مراکز میں ان مخلوط نصابوں سے تیار نہ ہوسکا، الا ماشاء اللہ:

''آزمودہ را آزمودن خطا است''

اس لئے اربابِ جامعہ کو یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ بجائے اس مخلوط تعلیم کے بہتر یہ ہوگا کہ علوم عصریہ وانگریزی کے لئے ایک علیحدہ درسگاہ قائم کی جائے جس میں مستند عربی درسگاہوں کے فارغ التحصیل حضرات کو علوم عصریہ کی تعلیم وتربیت دی جائے اور انگریزی گریجویٹوں کے لئے ایک دینی درسگاہ قائم کی جائے جس میں علوم دینیہ عربیہ کا چہار سالہ نصابِ تعلیم ترتیب دے کر علوم ضروریہ دینیہ کی تعلیم وتربیت دی جائے، اس طرح اس نقص کو دور کیا جاسکے گا اور جن مضرتوں کا دونوں قسم کے نصابوں کے اجتماع سے پیدا ہونے کا یقین ہے وہ ختم ہوجائیں گی، اور مقصد حاصل ہوجائے گا اور ملک وملت کی خدمت کے لئے اس طرح صحیح افراد تیار ہوسکیں گے، وفاق المدارس اصلی مقصد سے بالکل متفق ہے کہ عصر حاضر میں ایسے افراد کی ضرورت ہے جو دونوں قسم کے علوم کے جامع ہوں لیکن طریقہ کار سے اختلاف ہے۔

بڑے مدارس اس خدمت کے لئے تیار ہیں کہ وہ اپنی سرپرستی میں جدید علوم عصریہ اور انگریزی زبان کی تعلیم کے لئے شعبے قائم کریں، بشرطیکہ محکمہ اوقاف صحیح طریق پر تعاون کرے، الغرض اس طریقہ پر جانبین میں جو بعد المشرقین حائل ہے وہ بھی دور ہو جائے گا اور صحیح افراد کار تیار کرنے میں اس دینی مواخاۃ سے صحیح اور بہتر نتائج پیدا ہو سکیں گے، وفاق المدارس کی تجویز حسب ذیل ہے:

"مجلس عاملہ وشوریٰ وفاق المدارس العربیہ، پاکستان ملتان، اجلاس منعقدہ ۲۸، ۲۹، ۳۰/ جمادی الاولی ۱۳۸۴ھ"

"مجلس عاملہ وشوریٰ وفاق المدارس العربیہ جامعہ اسلامیہ بہاول پور کے مجوزہ نصاب کے بارے میں اس قطعی رائے کا اظہار ضروری سمجھتی ہے کہ علوم عربیہ دینیہ کے ساتھ ساتھ علوم عصریہ اور انگریزی زبان کو بیک وقت جمع کر کے پڑھانا ایک طالب علم کے لئے قطعاً غیر مفید ہے، عربی علوم دینیہ اور عصری علوم کے نصاب ہائے تعلیم میں سے ہر ایک نصاب بجائے خود ایک مستقل نصاب تعلیم ہے، ہر ایک نصاب اس نظریہ کو پیش رکھ کر مرتب کیا گیا ہے کہ طالب علم اپنی عمر کا وہ عزیز حصہ جو تحصیل علم کے لئے عموماً مختص ہوتا ہے پورا کا پورا انتہائی یکسوئی کے ساتھ اس میں صرف کر دے تاکہ وہ اس نصاب کی تکمیل کے بعد فاضل علوم دینیہ (عالم دین) یا فاضل علوم عصریہ (گریجویٹ) بننے کا اہل کما حقہ ثابت ہو سکے، اگر ان دونوں نصابوں میں قطع برید سے کام لے کر کوئی متوسط نصاب مرتب کیا گیا تو نہ وہ ضرورت کی حد تک عربی علوم ضروریہ کا حامل ہوگا اور نہ عصری علوم ضروریہ کا، اور اس نصاب کی تکمیل کے بعد اس کا فارغ التحصیل طالب عالم فی الحقیقۃ نہ تو عالم دین کہلانے کا اہل ہوگا اور نہ اچھا گریجویٹ بن سکے گا۔

گذشتہ نصف صدی میں اس قسم کے متعدد تجربات ناکام ثابت ہو چکے ہیں، سب س پہلے علامہ شبلی مرحوم نے ندوۃ العلماء لکھنو میں اس تجربہ کا آغاز کیا، اس کے بعد علامہ عبدالحمید فراہی نے مدرسہ الٰہیات کانپور میں اسی راہ کو اختیار کیا، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن میں نظام دکن کی سرپرستی میں اسی مقصد کے حصول کے لئے قائم ہوا، علاوہ ازیں جامعہ ملتِ اسلامیہ دہلی جس کا سنگ بنیاد حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے مقدس ہاتھوں سے رکھا گیا تھا اسی مقصد کے لئے قائم ہوا، خود جامعہ عباسیہ میں یہی تجربہ کیا گیا لیکن یہ تمام تجربے ناکام ثابت ہوئے اور ان درس گاہوں میں اس مخلوط نصاب تعلیم سے عموماً کسی ایک جانب کے بھی رجال کار پیدا نہ ہو سکے۔

بنابریں وفاق المدارس العربیہ کا یہ اجلاس کسی ایسے نصاب تعلیم کو مفید نہیں سمجھتا اور نہ اس کی تائید کر سکتا ہے، جو دونوں نصابوں کو مخلوط کر کے مرتب کیا گیا ہو۔

البتہ وفاق المدارس محکمہ اوقاف اور جامعہ اسلامیہ بہاول پور کو یہ ضروری مشورہ دینا اپنا فرض سمجھتا ہے کہ وہ وفاق المدارس کے زیر سرپرستی مذکورہ ذیل دو قسم کی درسگاہیں قائم کرے:

① وہ شعبہ جس میں علوم عصریہ اور انگریزی زبان کا سہ سالہ مختصر نصاب پڑھایا جائے۔

④ وہ شعبہ جس میں علوم دینیہ کا سہ سالہ مختصر نصاب پڑھایا جائے، آزاد عربی درسگاہوں کے فارغ التحصیل طلبہ پہلی قوم کی درسگاہوں میں داخل ہو کر بقدر ضرورت عصری علوم حاصل کریں اور کالجوں کے فضلاء (گریجویٹ) دوسری قسم کی درسگاہوں میں داخل ہو کر بقدر ضرورت عربی اور دینی علوم سے بہرہ اندوز ہوں۔

وفاق المدارس کے اس اجلاس کی نظر میں اس طرح دونوں نصابوں کے فضلاء ملک وملت کی حقیقی ضرورت کی تکمیل اور بقاء واستحکام کا باعث بن سکیں گے، انشاء اللہ العزیز''۔

والسلام

یکم جمادی الثانیہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۹۶۴ء

مجھے امید ہے کہ محکمہ اوقاف کے ناظم اعلیٰ اور جناب حامد حسن صاحب وفاق المدارس کی اس قرارداد اور میری ان گذارشات پر خصوصی توجہ فرمائیں گے اور اپنی رائے سے مطلع کریں گے۔

[جمادی الثانیہ ۱۳۸۴ھ]

مدارس دینیہ اور مدارس عصریہ کے نصاب تعلیم کا تقابل

چند دن ہوئے ایک مقامی روزنامے میں ایک محترم کا مضمون شائع ہوا تھا (جس سے بظاہر مقصد اظہار افسوس تھا) کہ موجودہ مدارس اسلامیہ عربیہ دینیہ کا نصاب تعلیم ناقص ہے اور صحیح رجال کار پیدا نہیں ہوتے، ضرورت ہے کہ مدارس میں جدید علوم اور انگریزی زبان میں مہارت حاصل کی جائے تاکہ سرکاری دفاتر میں یہ فارغ التحصیل حضرات کام کرسکیں ورنہ یہ بیکار کس کام کے ہیں۔

ہمیں نیت پر شبہ کرنے کی حاجت نہیں، بظاہر اخلاص ہی سے یہ مشورہ دیا گیا ہوگا اور دل سوزی سے اس مقصد کا اظہار کیا گیا ہوگا، لیکن عام تاثر یہ ہوا کہ مدارس عربیہ دینیہ کی تحقیر کی گئی ہے، مضمون نگار کا مقصد اپنے کمال کا اظہار ہو یا ارباب مدارس کی توہین، لیکن مجموعی اعتبار سے مضمون غیر سنجیدہ سمجھا گیا۔

مجھے اس وقت تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں، مدارس دینیہ کے نصاب تعلیم کا مسئلہ عرصہ دراز سے موضوع بحث ہے اور ہر صاحب فکر ہر دور میں ترمیم کرتا چلا آیا ہے تاکہ اس کی افادیت واضح ہو، بہتر ہوتا اگر مضمون نگار ارباب مدارس دینیہ کو مشورہ دینے کے بجائے ارباب مدارس دنیویہ کو مشورہ دیتے کہ عصر حاضر کے سرکاری مدارس اور حکومت کے تعلیمی ادارے چونکہ قطعاً اس قابل نہیں ہیں کہ مسلمان نسل کی صحیح تربیت کریں، ان میں صرف جدید علوم پر کفایت کی جاتی ہے، اس لئے اگر نئی نسل کو اسلام پر رکھنا ہے تو ان کی دینی تربیت اور ان کو صحیح مسلمان بنانے کے لئے بے حد ضروری ہے کہ نصاب تعلیم میں ترمیم کریں اور دینیات اور عربی زبان کی مہارت کو لازمی قرار دیں تاکہ جو جدید تعلیم یافتہ کسی سرکاری ادارے میں پہنچے تو وہ نہ صرف مسلمان ہو بلکہ عالم بھی ہو، صرف جاہل

انگریزی دان نہ ہو، موجودہ مدارسِ حکومت کا نصاب تعلیم یکسر فرسودہ ہے، یہ نصاب جو انگریزی دور کے آثار قدیمہ سے تعلق رکھتا ہے، اپنی افادیت قطعاً کھو چکا ہے، اس کا کام چند خود سر، آوارہ مزاج اور دین بیزار افسران اور کلرک تیار کرنا ہے اور بس، ملک وملت کے تقاضوں سے اسے کوئی سروکار نہیں، قومی ضروریات کیا ہیں، اس سے اسے کوئی واسطہ نہیں، یہ نصاب تعلیم انگریزوں کی نقل اور مکھی پر مکھی مارنے کے سوا کچھ نہیں سکھاتا، اگر یہ مملکت مسلمانوں کی ہے، اگر یہاں اسلام کی کسی درجہ میں ضرورت ہے، اگر نئی نسل کو اسلام سے روشناس کرانا ضروری ہے اور اگر مسلمان بن کر ملک وملت کی خدمت کرنی ہے تو نصاب تعلیم میں عربی زبان لازمی کرنی چاہیے اور دینی علوم فقہ، حدیث، صرف ونحو، فرائض، معانی، بیان وغیرہ بھی لازمی طور پر نصاب کا جز ہوں تاکہ سرکاری اداروں میں کام کرنے والے مسلمان بھی ہوں اور عالم دین بھی ہوں، ظاہر ہے کہ اسلام دنیاوی تقاضوں سے زیادہ قابل توجہ ہے، اگر قدیم درس گاہوں کے فارغ التحصیل دنیا کے مال ومتاع سے محروم رہے، دنیا کی منڈی میں ان کے بیش قیمت جواہر کا کوئی خریدار نہیں اور وہ سرکاری ادارہ کی ملازمت سے مستفید نہ ہو سکے تو جدید علوم کے حاملین دین کے متاع گراں مایہ سے محروم رہے اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رہا، گویا قدیم نصاب والوں کو دنیا نہیں ملی تو جدید والوں کو دین نہیں ملا، اب دیکھئے کہ زیادہ خسارہ میں کون رہا؟ نقصان کس کا زیادہ ہوا؟ اگر یہ مشورہ ارباب مدارس دینیہ کو دیا جا سکتا ہے کہ وہ جدید علوم کو داخل نصاب کرلیں تو اس سے زیادہ اہم اور نہایت مفید مشورہ سرکاری مدارس کو دیا جانا چاہیے کہ قدیم علوم بھی پڑھائے جائیں تاکہ نئی نسل مسلمان رہے اور دنیا کے متاع کے ساتھ متاع آخرت سے بھی مالا مال ہو۔

جدید علوم جن کا نام رکھا ہے غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ سب سے زیادہ مدار انگریزی زبان پر ہے، انگریزی زبان جو انگریز پرستی کی یادگار ہے، آج اگر اس کو خانہ بدر کیا جائے اور تمام جدید علوم کو اردو میں منتقل کیا جائے تو علوم جدید کا یہ سارا شور وغل اور غلغلہ یکسر ختم ہو جاتا ہے، آج کل جدید تعلیم یافتہ حضرات میں سوائے انگریزی لکھنے، پڑھنے، بولنے کے اور کیا کمال ہے؟ بلکہ بقول ہمارے استاذ حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے ''انگریزی ان حضرات کے جہل پر نقاب ہے''۔ اگست ۴۷ء میں جو پہلا اجلاس ہوا، حضرت مرحوم بنگال سے متفقہ نمائندہ منتخب ہو گئے تھے، اسمبلی کے ممبر تھے، اسمبلی میں تقریریں سب یا اکثر انگریزی میں ہوئیں، مرحوم کو بہت صدمہ تھا، اکثر فرمایا کہ اردو میں تقریریں کریں تو معلوم ہو کہ کیا کہا گیا، غلط بات کا جواب بھی دے سکیں، یہ انگریزی تو ان کے جہل پر نقاب ہے، بالکل سچ فرمایا اور ایک حقیقت کا اظہار عجیب انداز سے فرمایا۔

جس وقت وکالت کے لئے انگریزی زبان لازم نہ تھی، کتنے ارباب علم تھے کہ جنہوں نے اردو میں وکالت کا امتحان دیا، جن کی سامنے یہ ایڈوکیٹ، بیرسٹر دم بھی نہیں مار سکتے تھے، یہ تو ملک کی بدنصیبی ہے کہ انگریز گئے لیکن انگریزیت چھوڑ گئے، اب انگریزی کی محبت دلوں میں سرایت کر گئی اور انگریزی زبان کی محبت کے ساتھ تمام خدا فراموش زندگی اور تہذیب وتمدن کے مہلک جراثیم قوم کی زندگی میں ایسے پیوست ہو گئے کہ اب ان کا نکالنا کارے دارد، بلاشبہ یہ کہنا درست ہوگا کہ مدارس عربیہ دینیہ کا رخ صرف آخرت کی طرف ہے اور سرکاری مدارس کا

رخ دنیا کی طرف ہے، لیکن اگر ملک وملت کی خدمت کے لئے اور سرکاری مناصب کے لئے کارکنوں کو تیار کرنے کی غرض سے جدید علوم کی ضرورت ہے تو اس سے کہیں زیادہ آخرت کی نعمتوں کا مستحق ہونے کے لئے قدیم علوم کی ضرورت ہے، قبل ازیں بینات کے کسی شمارے میں علوم دین ودنیا کی تفریق پر ایک بصیرت آموز تحریر آ گئی ہے۔

حقیقی علوم کیا ہیں؟

درحقیقت علوم تو وہ ہیں جن کی بنیاد وحی الٰہی سے ظہور میں آئی ہے، جو عقل انسانی کی پیداوار ہیں یہ سب صنائع کے درجہ میں ہیں، علوم کہلانے کے مستحق ہی نہیں، البتہ خدمت خلق کے جذبے سے اگر ان کو اپنایا جائے تو باعث رضا الٰہی ہیں اور اس وقت دنیا وآخرت کی تفریق بھی ختم ہوجاتی ہے، اگر کوئی شخص انگریزی زبان کو صرف اس لئے سیکھتا ہے کہ یورپ وامریکہ میں جاکر اسلام کی دعوت وتبلیغ کا کام کرے تو بدترین اعداء اسلام کی زبان اعلیٰ ترین دین اسلام کی خدمت اور رضا الٰہی کا ذریعہ بن جاتی ہے، دراصل جو حضرات انگریزی زبان میں ماہر ہوتے ہیں اور چند حروف عربی کے بھی سیکھ لیتے ہیں ان کا غرور وکبر آسمان سے باتیں کرنے لگتا ہے، سمجھتا ہے کہ تمام کمالات کا سرچشمہ ان کی ذات والاصفات میں جمع ہوگیا ہے، اور طبعاً علماء دین اور مدارس عربیہ دینیہ کی تحقیر وتوہین پر آمادہ ہوجاتے ہیں، ہمیں اس سے انکار نہیں کہ عصری تقاضوں کے پیش نظر مدارس دینیہ کا نصاب بہت سی ترمیم کا محتاج ہے یہاں احتیاط زیادہ شدید ہے، کیونکہ اسلام سے انحراف بڑھتا جارہا ہے، مولوی بے چارے اگر دنیا سے محروم ہورہے ہیں، تو مسٹر دین کو چھوڑ کر آخرت سے بے بہرہ ہورہے ہیں، دینی مدارس کے مرثیہ خوانوں سے گذارش ہے کہ ہم دین پر قانع ہیں، سرکاری ملازمتیں تمہیں مبارک ہوں، ہمارا غم نہ کھاؤ، اپنی خیر مناؤ، ہماری دنیا کی فکر نہ کرو، اپنی آخرت کی فکر کرو، قرآن وحدیث فقہ اور علوم اسلامیہ کی تدوین، امامت وخطابت کے فرائض، دعوت وتبلیغ کی خدمات، افتاء وارشاد اور اصلاح وہدایت کے وسیع منصب کو پُر کرنا کیا مسلمانوں کی قومی ضرورت نہیں ہے؟ ان دینی مناصب عالیہ کے مقابلے میں دفتر کے کلرکوں کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے؟ دینی مدارس کے فارغ التحصیل احساس کمتری میں مبتلا ہوں تو کیوں؟ دنیا میں تقسیم کار کا اصول سب کو مسلم ہے کہ تمام شعبوں کا کام ایک ہی ادارہ نہیں سنبھال سکتا، مثلاً سول سروس کے لئے الگ، عدالت وقانون کے لئے الگ اور فوج کے لئے الگ رجال کار کی ضردرت ہوتی ہے، اس اصول کو یہاں بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، اگر دینی مدارس کوئی اور کام نہ کریں، صرف ان دینی مناصب کو پُر کرلیں تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ بہرحال ان حقائق کے پیش نظر یہ سطحی سی بات کہنا کہ موجودہ مدارس دینیہ بالکل بے کار اور بے مقصد ہیں، کتنے افسوس کی بات ہے، جس کا منشا ممکن ہے کہ ناواقفیت اور سطحیت ہو یا پھر دینی مدارس سے بغض وعناد، کہنے والے کے ذہن میں غالباً یہ ہے کہ دینی مدارس کا مقصد بھی دنیا ہے آخرت نہیں اور چونکہ دنیا کے مقصد کے حصول کی اہلیت ان میں نہیں تو گویا یہ بے مقصد ہیں، انا للہ۔ کیا یہی انداز ہے سوچنے اور سمجھانے کا؟ اللہ تعالیٰ صحیح فہم عطا فرمائے۔

باب سوم

یادِ رفتگاں

مولانا مفتی محمد صادق بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ

① افسوس کہ اس ماہ میں پاکستان کے ایک جلیل القدر عالم دین حضرت مولانا مفتی محمد صادق صاحب طویل علالت کے بعد اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے ہیں: إنّا لله وإنّا إليه راجعون

مرحوم اس دور کے ممتاز علماء کرام میں سے تھے، جامعیت متانت، سنجیدگی، وقار، کرم نفس، تواضع اور حلم میں ممتاز تھے، ریاست بھاولپور کے مفتی بھی رہے، علماء کرام کے حالات ووفیات کا خاص ذوق تھا، جو علماء سرزمین بھاولپور میں پیدا ہوئے یا باہر سے بھاولپور میں کبھی آئے ان سب کے حالات زندگی کو مرتب فرمایا تھا، فقہ اور علوم دینیہ کے ساتھ علوم عقلیہ کے بھی ماہر تھے اور ان علمی کمالات کے ساتھ نہایت تجربہ کار تھے، انتظامی معاملات اور علوم اسلامیہ کے اداروں کے نظم ونسق اور مدارس کے قواعد وضوابط میں خصوصی مہارت رکھتے تھے، حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے غالی معتقد تھے اور مقدمہ بھاولپور کے تاریخی مقدمہ کے دوران حضرت امام العصر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سترہ روزہ قیام بھاولپور میں لیل ونہار ساتھ رہے اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات وخوارق وحالات نہایت والہانہ انداز سے بیان کرتے تھے اور بسا اوقات خود بھی روتے تھے اور سننے والوں کو بھی رلاتے تھے۔ ایک دفعہ ملتان سے بھاولپور ٹرین میں رفاقت نصیب ہوئی، اس عجیب و پرکیف انداز سے احوال سنائے کہ مجھ پر اتنی رقت طاری ہوئی جس کا کیف آج تک بھولا نہیں، افسوس کہ اکابر اٹھتے جاتے ہیں اور ان کی جگہ پُر ہونے کی کوئی توقع نہیں۔

اللّٰهم اغفر له اللّٰهم ارحمه وارضه واعف عنه واجعل الجنة متقلبه ومثواه

مولانا سید اظہار الحق سہیل عباسی امروہی رحمۃ اللہ علیہ

② نیز اس ماہ میں مولانا سید اظہار الحق سہیل عباسی امروہی کا بھی انتقال ہوا، مرحوم فاضل دیوبند تھے حضرت امام مولانا محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے تھے۔ ادبی ذوق پر ممتاز تھے، عربی وفارسی کے شاعر بھی تھے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور زلات معاف فرمائے۔

الحاج خواجہ ناظم الدین رحمۃ اللہ علیہ

④ ۲۲/اکتوبر ۱۹۶۴ء، ۶ بجے شام الحاج خواجہ ناظم الدین مرحوم بھی اس دنیا سے رحلت کر گئے، اگرچہ خواجہ صاحب مرحوم ان طبقہ علیا کے سیاست دانوں اور حکمرانوں میں سے تھے جن کی پوری زندگی اقتدار اعلیٰ کے عروج وزوال کی کشمکش میں گذری ہے، مگر ہمارے لئے ان کی زندگی میں کشش اور ان کی وفات پر تأسف کا موجب صرف یہ ہے کہ وہ صوم وصلوۃ کے پابند اور عامۃ المسلمین کے دوش بدوش نماز جمعہ ادا کرنے کے عادی تھے، ویسے بھی راسخ العقیدہ اور علماء دین سے عقیدت رکھنے والے مسلمان تھے۔ اس حلقہ میں اتنی دینداری بھی مغتنم ہے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔

[جمادی الثانیہ ۱۳۸۴ھ، نومبر ۱۹۶۴ء]

مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

الحمد لله الذى لا باقى إلا وجهه ولا دائم إلا ملكه و الصلوة والسلام على حبيبه الذى أخلص لله وجهه وعلى أله وصحبه الذين لا يريدون إلّا رضاه ووجهه.

یوم جمعہ ۳/رجب ۱۳۸۵ھ، ۲۹/اکتوبر ۱۹۶۵ء کو مہاجر مدنی حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مدینہ طیبہ میں واصل بحق ہوئے۔

إنا لله وإنا إليه راجعون اللّٰهم اغفرله وارحمه وأكرم نزله و وسّع مدخله وارزقه دارا خيرا من داره وجارا خيرا من جاره ، أمين يارب العالمين.

مولانا بدر عالم صاحب دورِ حاضر کے ان ممتاز علماء میں سے تھے جن کی بدولت علم ودین کی ساکھ قائم ہے، جن سے مدرسے آباد ہیں، منبر بارونق ہیں، موصوف قابل مدرس، فاضل مقرر، کامیاب ومقبول مصنف تھے، اردو، عربی کے ادیب وشاعر تھے، موثر اسلوب، شگفتہ طرزِ ادا کے مالک تھے، عام گفتگو میں بھی الفاظ کیا ہوتے موتی کی پروئی ہوئی لڑیاں ہوتی تھیں، جو ان کی نوک زبان سے بکھرتی تھیں، مؤثر تعبیر، دل نشین طرز ادا ان کی خصوصیت تھی، صدق وصفا کے مجسمہ تھے ورع وتقویٰ اور استغنا کے پیکر تھے، نصیحت وخیرخواہی اور حق گوئی میں ممتاز تھے، نہایت زیرک ومدبر تھے اور سب سے بالاتر یہ کہ آخری لمحات حیات میں مرشد کامل تھے، پاک وہند اور جنوبی ومشرقی افریقہ کے سینکڑوں بندگان خدا ان کی تربیت وتزکیہ اور بیعت وارشاد سے فیض یاب ہوئے اور شریعت کی پابندی واستقامت ان کو نصیب ہوئی، ذکی عالم تھے، صاحب فراست بزرگ تھے، مدینہ طیبہ کی سیزدہ سالہ بابرکت زندگی ان کی سرشت وطبیعت میں بہت کارگر اور موثر ثابت ہوئی، مدینہ کے انوار وبرکات نے سونے

پر سہاگہ کا کام کیا، ان کے فطری جوہر کھلے، کرم گستری، مہمان نوازی، مروت و جوان مردی اور اپنے مخلصین سے مخلصانہ ادائیں یہ وہ سب سے زیادہ حیرت انگیز جوہر تھے جو نمودار ہوئے۔ ابتدائی دور طالب علمی میں مظاہر العلوم سہارنپور کی برکات سے بہرہ اندوز ہوئے اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ متوفی ۱۳۲۳ھ کے ارشد خلفاء عارف باللہ فقیہ محدث اور صوفی باصفا حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری مدنی رحمہ اللہ متوفی ۱۳۴۶ھ کے مرکز توجہات والطاف رہے اور ان کے آغوش شفقت میں تربیت نصیب ہوئی، درمیانی عمر میں آیۃ من آیات اللہ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی متوفی ۱۳۵۲ھ کے آغوش تربیت میں پہنچے، دیوبند میں ان کے فیض اور انوار علوم ومعارف سے مستفیض ہوئے اور حضرت عارف باللہ مفتی مولانا عزیز الرحمن قدس سرہ نقشبندی المتوفی ۱۳۴۷ھ سے شرف بیعت کی سعادت نصیب ہوئی، عرصہ دراز تک ان کے انفاس قدسیہ اور صحبت مقدسہ کی برکات سے مالا مال ہوتے رہے، انتہائی استقامت واستقلال کے ساتھ اذکار واشغال نقشبندیہ کی مداومت نصیب ہوئی، بالآخر حضرت مفتی صاحب کے خلیفہ ارشد حضرت مولانا قاری محمد اسحاق صاحب میرٹھی رحمہ اللہ متوفی ۱۳۶۴ھ نے خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا، الغرض اس طرح علمی وعرفانی سرچشموں سے کما حقہ سیرابی کا موقع نصیب ہوا اور اپنے عہد کے ممتاز ترین اکابر کے فیوض سے پورے طور پر فیض یاب اور ان کی ظاہری وباطنی برکات کی سعادت سے ہمکنار ہوئے۔

حیات طیبہ کے آخری لمحات وانفاس میں سید الانبیاء رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار مقدس میں قیام کی تمنا پوری ہوگئی، چنانچہ ۱۳۷۲ھ میں مدینہ طیبہ ہجرت کی، خاک پاک مدینہ نے اور حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار مقدس نے طبیعت میں خاص استقامت کی سعادت بخشی اور چار سالہ طویل علالت کے زمانہ میں صبر وشکر کے وہ قابل رشک مظاہر وآثار ظہور میں آئے کہ عقل حیران ہے، ''فیض الباری شرح بخاری'' چار ضخیم جلدوں میں (جو حضرت شیخ امام العصر کی تقاریر درس صحیح بخاری کا مجموعہ ہے) ''عربی'' اور ''ترجمان السنۃ'' اردو میں خدمت حدیث نبوی علیہ الصلوۃ والسلام کے دو بے نظیر شاہکار ہیں جو رہتی دنیا تک ان کی زندہ یادگار اور اہل علم ودین کے طبقہ میں منبع فیض بنے رہیں گے ان شاء اللہ العزیز، ''جواہر الحکم'' کے نام سے احادیث نبویہ —علی صاحبہا أزکی التحیات وأسنی التسلیمات— کا ایک مجموعہ جو عصر حاضر کی عوامی اصلاحی خدمت کے طور پر انتہائی دل نشین تشریحات کے ساتھ تالیف فرمایا ہے، تین حصوں میں شائع ہوچکا ہے، یہ ان کی آخری تصنیف ہے اور ان کے شرح صدر کا عمدہ نمونہ ہے۔

مظاہر العلوم سہارنپور سے فراغت تحصیل علوم کے بعد دیوبند پہنچے اور حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے تلمذ کی سعادت کے ساتھ ہی دار العلوم دیوبند میں منصب تبلیغ وتدریس پر فائز ہوئے اور اسی زمانہ میں تبلیغ اور تقریر خصوصاً رد قادیانیت میں اچھی شہرت حاصل کی اور نہایت کامیاب اور مقبول مقرر ثابت ہوئے،

۱۳۴۶ھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں حضرت امام العصر مولانا انور شاہ رحمہ اللہ کے قافلہ کے اہم رفیق بنے اور حدیث کے ''اساتذہ'' میں تقرر ہوا، اسی دور میں دیوبند کے ''مہاجر'' اخبار کے قابل ترین مضمون نگار رہے، ڈابھیل کے بعد بہاول پور و بہاول نگر آپ کا مرکز فیض رہا اور آخر میں دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار (سندھ) میں استاذ حدیث و نائب مہتمم کے منصب پر فائز ہوئے، عرصہ سے مدینہ منورہ ۔ زاد ھا اللہ نورا ۔ کی سکونت کی آرزو دل میں موجزن تھی اور نہایت ہی والہانہ انداز میں مدینہ کی ہجرت کا سودا دماغ میں سمایا ہوا تھا، چنانچہ ''البدر الساری تعلیقات فیض الباری'' میں انتہاء والہانہ اور رقت انگیز انداز میں اس آرزو کا اظہار کیا جو رب العرش العظیم کی بارگاہ سے شرف قبولیت کے ساتھ سرفراز ہوئی اور نالہ ہائے سحری رنگ لائے اور جوار حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنائے تہور سے بالاتر طریقے پر واقعہ کی صورت اختیار کر لی، عبادت واستقامت، ادب و سکون، ذکر و فکر کے ساتھ مسجد نبوی کی حاضری نصیب ہوتی رہی، یہاں تک کہ علالت نے صاحب فراش بنا دیا، پورے چار سال صاحب فراش رہے، اس دور میں صبر و شکر و رضا بالقضا کے جو منازل طے کئے اور جو نعمتیں ان کو نصیب ہوئیں، قابل صد رشک ہیں:

این سعادت بزور باز و نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ماہ رجب المرجب کے مقدس مہینہ اور جمعہ کے مبارک دن میں حبیب رب العالمین کے جوار میں جنت البقیع کی خاک مقدس میں جس کا ایک ایک ذرہ آفتاب عالمتاب سے زیادہ با نور ہے اس خادم علم دین، اس باغیرت و باحمیت شخصیت نے اپنی جان کو جان آفرین کے سپرد کیا:

إنّ لله ما أخذ و له ما أعطى و كل شىء عنده إلى أجل مسمى

الغرض ذوق و وجدان، بصیرت و عرفان، علم و عمل، ورع و تقویٰ کا یہ پیکر نوری تقریر و تحریر کے کمال کا حامل اور ظرافت و شگفتگی کا مظہر اپنی باوقار شخصیت کے ساتھ اپنے احباب و اقرباء و مخلصین سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خادم علم و دین کو اپنی بیکراں رحمت سے نوازے اور جنت الفردوس میں رضوان الٰہی سے سرفراز فرمائے۔

رحمه الله رحمة الأبرار الصالحين والأخيار المقربين وصلى الله على خير خلقه سيد نا محمد وآله وصحبه أجمعين

فرصت ملی تو چند صفحات پر ان شاء اللہ حق صحبت و حق رفاقت اور حق احسان ادا کرنے کے لئے کچھ خامہ فرسائی کا ارادہ ہے، والله المو فق و المعين۔

[رجب ۱۳۸۵ھ، نومبر ۱۹۶۵ء]

مولانا عبدالرحمن کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ

الحمد لله الذی له البقاء والدوام ، فقال تعالیٰ : ﴿كل من عليها فان و يبقى وجه ربك ذو الجلال والإكرام﴾ والصلوة والسلام علی من هدانا سبل السلام وعلمنا الرضاء بالقضاء والانقياد لقدره والاستسلام ، وعلی آله و صحبه الذين فازوا بالرضوان فی دار السلام.

سہ شنبہ، ۲۷ رشعبان ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۱ دسمبر ۱۹۶۵ء کی شام کو غروب آفتاب سے کچھ پہلے مغربی پاکستان کا آفتابِ علم غروب ہوا، حضرت مولانا عبدالرحمن کامل پوری کا وصال ہوگیا:

إنا الله وانا إليه راجعون ، رحمه الله ورضی عنه وأرضاه وجعل الجنة جنة الفردوس متقلبه ومثواه

﴿كل نفس ذائقة الموت﴾ اور ﴿كل من عليها فان﴾ سنت الٰہیہ اور ابدی قانون ہے، تسلیم وانقیاد اور رضا بالقضاء کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔

”ان لله ما أخذ وله ما أعطى وكل شیء عنده إلیٰ أجل مسمی“

ترجمہ: بلاشبہ اللہ ہی کا ہے جو کچھ اس نے لے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے عطا فرمایا اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک مقررہ مدت تک کے لئے ہے“۔

کسی کو نہ مجالِ انکار ہے، نہ مقامِ چون و چرا۔

حضرت مولانا عبدالرحمن رحمہ اللہ کی وفات دنیائے علم واخلاق کا ایک بڑا حادثہ ہے اور ایسے اکابر علماء کی رحلت امارات ساعت (علامات قیامت) میں سے ہے، مولانا مرحوم علوم اسلامیہ دینیہ اور نقلی وعقلی فنونِ علم کے جامع ترین عالم تھے، اصناف علم وفضل وکمال ان کی شخصیت میں مجتمع تھیں، وہ عالم وعارف تھے، صوفی ومحقق اور فقیہ ومحدث تھے، علم اصول وکلام کے ایک ماہر اصولی اور فاضل متکلم تھے، غرض علمی دنیا کے آفتاب و ماہتاب تھے، کوہ وقار وتمکنت، پیکر حلم ورزانت، مجسم خمول وتواضع اور صلاح وتقویٰ میں یگانۂ روزگار تھے، فطری ملکات میں ان کو ایک نمایاں امتیاز حاصل تھا، ریاضت ومجاہدہ کے بغیر طبعی طور پر مرتاض تھے، اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو وہبی اور فطری اخلاق وملکات کے وہ مقامات عالیہ عطا فرمائے تھے کہ ریاضت ومجاہدات کے بعد بھی ان کا حاصل ہونا قابل فخر اور وجہ شرف ہے، اس علم وفضل اور شرف وکمال کے ساتھ انکسار وتواضع، خاموشی اور کم گوئی ان کی ایک فطری کرامت تھی، ایسی جامع کمالات شخصیت اور مجمع فضائل ہستی کی وفات سے پاکستان کے دینی اور علمی حلقوں میں جو زبردست خلا پیدا ہوا ہے افسوس کہ اس کے پُر ہونے کی توقع نہیں ہے۔

حضرت مولانا مرحوم نے غالباً ۱۳۳۲ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور سے تحصیل علوم وفنون سے فراغت حاصل کی اور حضرت مولانا خلیل احمد رحمہ اللہ سے حدیث میں فیض حاصل کیا، ان کے علاوہ دوسرے اکابر علماء مظاہر العلوم سے فیض یاب ہوئے، ۱۳۳۳ھ میں دار العلوم دیوبند پہنچے اور امام العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے دوبارہ دورۂ حدیث پڑھا، اسی طرح دیوبند اور سہارن پور کے دوآبہ علم و دین سے سیراب وسرشار ہوئے۔

حضرت مولانا خلیل احمد رحمہ اللہ اور سہارن پور کے اکابر علم کی نظر انتخاب نے موصوف کو مظاہر العلوم کی خدمت تدریس کے لئے منتخب فرمایا، علوم دینیہ اسلامیہ کی اس اہم درس گاہ میں آپ شروع میں مدرس اور اس کے بعد ایک عرصہ دراز تک صدر مدرس کی حیثیت سے علمی خدمات انجام دیتے رہے، آپ کے ان فطری کمالات اور وہبی خصوصیات ہی کی وجہ تھی کہ مظاہر العلوم کے ایک طالب علم کی حیثیت سے ترقی کر کے اسی علمی مرکز میں آپ شیخ الکل بن گئے اور اس طرح یکسوئی اور خاموشی کے ساتھ شب و روز تدریس علوم کی خدمت میں مصروف رہے کہ پھر اس پیکر زہد و قناعت و ورع و تقویٰ نے کسی دنیاوی مقصد کے لئے کہیں کا رخ نہیں کیا اور جب تک پاکستان کی مملکتِ خداداد ظہور میں نہیں آئی آپ مظاہر العلوم ہی میں قیام پذیر رہے۔

پاکستان بننے کے بعد اپنے مادر علمی مظاہر العلوم سہارن پور کو بادل نخواستہ خیر باد کہا اور ملتان کے شہرہ آفاق دینی و مرکزی درس گاہ خیر المدارس میں صدر مدرس ہوئے اور دار العلوم اسلامیہ ٹنڈو اللہ یار (سندھ) کے قیام کے بعد حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کی سعی اور حسن تدبر سے شیخ الحدیث دار العلوم کے منصب کو آپ نے قبول فرمالیا اور کچھ عرصہ اس مرکز میں درس حدیث کی خدمات انجام دیں، اس کے بعد دار العلوم اسلامیہ کی خدمت سے مستعفی ہو کر اپنے وطن بہبودی ضلع کیمبل پور میں قیام فرمایا، کچھ عرصہ بعد جناب محترم مولانا سید بادشاہ گل صاحب کے اصرار سے مجبور ہو کر جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں منصب صدارت قبول فرمایا اور چند سال علم کی خدمت انجام دی، آخر طبعی ضعف اور نگاہ کی کمزوری کی وجہ سے اس خدمت سے بھی مستعفی ہوئے اور مستقل طور پر وطن میں قیام پذیر ہو گئے اور نہایت خاموشی کے ساتھ طالبین روحانیت کی تہذیب نفس اور اخلاقی اصلاح کی خدمت انجام دیتے رہے، مشتاقان دین اور طالبانِ فیض اسی طرح خاموشی کے ساتھ فیض یاب ہوتے رہے۔

حضرت مولانا مرحوم کے وہبی کمالات اور فطری محاسن کی وضاحت کے لئے اس واقعہ کا ذکر کافی ہے کہ جس زمانے میں آپ مظاہر العلوم سہارن پور میں صدارت تدریس کے منصب پر فائز تھے، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے موصوف کو بیعت و ارشاد کا اہل سمجھ کر از خود مجاز بیعت بنایا حضرت کامل پوری نے معذرت پیش کی کہ:

”حضرت! میں نے تو اب تک بیعت بھی نہیں کی تو خلافت کا کیا استحقاق ہے؟“

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

''میرے نزدیک اہلیت شرط ہے بیعت شرط نہیں۔''

اس کے بعد حضرت مولانا عبدالرحمن مرحوم نے درخواست کی کہ اچھا اب مجھے بیعت بھی فرمالیجئے، یہ واقعہ شاید پہلی ہی نظیر ہے کہ کسی بزرگ نے بیعت سے پہلے ہی کسی بزرگ کو خلافت کی خلعت سے سرفراز فرمایا ہو اور اجازت وخلافت کے بعد پھر بیعت کر کے سلوک طے کرایا ہو۔

یہ واقعہ ایک حکیم امت اور شیخ کامل کی طرف سے مولانا عبدالرحمن رحمہ اللہ کے فطری محاسن اور وہبی فضائل کا اعتراف ہے، درحقیقت یہ ان کی فطری صلاحیت اور طبعی اہلیت ہی تھی جس کی وجہ سے ان میں ریاضت ومجاہدہ واصلاح کے بغیر مشیخت کے اوصاف مجتمع ہو گئے تھے، وہ ازخود اور وہبی طور پر شیخ وقت تھے۔

ان معنوی فضائل ومحاسن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ظاہری حسن وجمال کی نعمتوں سے بھی بہرہ مند فرمایا تھا، اپنی قامتِ رعنا، نازک اور تراشیدہ نقوش، روئے منور اور لطافت ونظافت کے ساتھ وہ جمال وکمال کا ایک پیکر نوری محسوس ہوتے تھے۔

راقم الحروف کو دارالعلوم اسلامیہ میں ان کی صحبت ورفاقت کا شرف حاصل رہا اور مرحوم کے قریب سے قریب تر مطالعہ کا موقع نصیب ہوا، لیکن ان کے فطری کمالات وفضائل کی وجہ سے ان کے ساتھ میری گرویدگی میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

افسوس کہ ایسے نازک دور میں جبکہ امت کو علم ودین کے ایسے اکابر کی سرپرستی کی بے حد ضرورت تھی، اس نعمت کا چھن جانا بڑا خسارہ، ایک بڑی مصیبت اور عظیم حادثہ ہے!

فما كان قيس هلكه هلك واحد
و لكنه بنيان قوم تهدما

ترجمہ: ''قیس ایسا نہیں تھا کہ اس کا ہلاک ہونا کسی ایک شخص کی ہلاکت ہو، لیکن اس کا ہلاک ہونا تو ایسا ہوا جیسے ایک قوم کی بنیاد منہدم ہوگئی ہے۔''

دعا ہے کہ اس پیکر صدق وصفا، سراپائے وقار وتمکنت، مجسمہ ورع وتقوی، مخزن علم وعمل، جامع کمالات بزرگ کی روح پاکیزہ ابر رحمت کے فیض قدسی سے ہمیشہ سرشار اور شاداب رہے اور ان کی قبر مبارک آفتاب کرم کی ضوفشانی سے ہمیشہ بقعۂ نور بنی رہے اور ان کا نورانی چہرہ سراپا نور ہو۔

اللّٰهم اغفرله وارحمه وأرضه وارض عنه واحشره مع الأبرار و المقربين
وصلى الله على سيدنا محمد وآله وبارك وسلم.

[رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ]

مولانا مفتی محمد شفیع سرگودھوی رحمۃ اللہ علیہ

٢٦/ربیع الاول ١٣٨٦ھ/١٢/جولائی ١٩٦٦ء شب جمعہ بوقت سحر حضرت مولانا محمد شفیع صاحب سرگودھوی کی روح مبارک پرواز کرگئی:

إنا لله و إنا إليه راجعون إنّ لله ما أخذ و له ما أعطى وكل شيء عنده إلى أجل مسمى

موصوف اس عہد کے ممتاز عالم، مشہور مفتی، مقرر، واعظ وخطیب اور صاحب جرأت وصاحب نسبت وصاحب فراست بزرگ تھے، وہ بیک وقت خانقاہ، درس گاہ، منبر ودارالافتاء کی زینت تھے، وہ جمعیت العلماء (سرگودھا) کے صدر اور جمعیت وفاق المدارس کے نائب صدر اور دینی درس گاہ سراج العلوم سرگودھا کے بانی وصدر مدرس تھے، نہایت سنجیدہ باوقار وذی عالم تھے، ملکی سیاست سے بھی وافر حصہ رکھتے تھے، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شرف تلمذ کے بعد امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے، ہندوستان و پاکستان کی سرزمین میں وہ ممتاز حافظ قرآن تھے جنہوں نے صرف ٢٧ دن میں قرآن کریم کو حفظ کرلیا تھا، امام العصر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کو اس جودتِ حفظ وقوتِ حافظہ پر حیرت ہوئی تھی، مرحوم نہایت خوش لباس اور خوش خورک تھے، لباس فاخر کے شائق تھے، نہایت نفاست پسند تھے نہایت متانت سے گفتگو فرمایا کرتے تھے، اس قحط الرجال کے دور میں ایسی جلیل القدر ہستی کی موت امت کے لئے عظیم سانحہ ہے، افسوس کہ علم ومعرفت کے خم خانے خالی ہوتے چلے جارہے ہیں اور آئندہ کوئی توقع نہیں کہ ان ہستیوں کی جگہ پُر ہوسکے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس روح پاک کو اپنی رحمت ورضوان سے سرفراز فرمائیں اور جنت الفردوس نصیب فرمائیں اور ان کے صاحبزادگان کرام خصوصاً مولانا حافظ احمد سعید صاحب اور مولانا قاری عبدالسمیع کو اپنے والد بزرگوار کا صحیح جانشین بنائے اور ان کی برکات سے ان سب کو مالا مال کرے، آمین۔

موت التقى حياة لا انقطاع لها
كم مات قوم وهم في الناس أحياء

اللّهم اغفرله وارحمه وأكرم نزله واحشره مع الأبرار الصالحين والعلماء الربانيين بفضلك وكرمك يارب العالمين.

[ربیع الثانی ١٣٨٦ھ/ اگست ١٩٦٦ء]

مولانا عبدالحنان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ ۳۰ر اگست ۱۹۶۶ء سہ شنبہ ۴ بجے شام مولانا عبدالحنان صاحب ہزاروی طویل علالت کے بعد اس عالم فانی سے رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، مرحوم دارالعلوم دیوبند کے علمی دور کے ممتاز فارغ التحصیل علماء میں سے تھے، حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ سے شرف تلمذ حاصل تھا، طالب علمی کے دور سے ہی تقریر وخطابت سے بہت گہری دلچسپی رکھتے تھے، فراغت کے بعد لاہور پہنچے اور حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمہ اللہ سے استفادہ کیا اور آسٹریلین بلڈنگ کی جامع مسجد کے خطیب مقرر ہوئے اور اسی زمانہ میں آپ کی خطابت کے جوہر کھلے، نہایت خوش بیان خطیب اور سنجیدہ مقرر تھے، عرصہ دراز تک غیر منقسم ہندوستان میں جمعیت العلماء ہند کے پلیٹ فارم پر مولانا حفظ الرحمن صاحب مرحوم کے رفیق کار رہے، اور پھر احرار کے پلیٹ فارم پر مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ساتھی رہے، دینی، سیاسی غرض ہر موضوع کے لحاظ سے بہترین خطیب تھے، ختم نبوت کی تحریک میں قید وبند کی تکلیف سے بھی دوچار ہوئے، آخر میں راولپنڈی میں مدرسہ حنفیہ محلہ ورکشاپی کے مہتمم تھے اور اس طرح مولانا قاری محمد امین صاحب کی رفاقت ومعیت میں ایک علمی درس گاہ کی خدمت انجام دیتے رہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت بیکراں اور رضوان ابدی سے جنت الفردوس میں مقام عطا فرمائے اور بال بال مغفرت ہو، (آمین)

حریفاں بادہا خوردند و رفتند
تہی خم خانہا کردند و رفتند

[جمادی الثانی ۱۳۸۶ھ، اکتوبر ۱۹۶۶ء]

مولانا عبدالخالق رحمۃ اللہ علیہ

رجب اور شعبان ۱۳۸۶ھ (ماہ نومبر و دسمبر ۱۹۶۶ء) میں ناقابل تلافی حوادث وصدمات پیش آئے، ۳ر رجب ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۴ر نومبر ۱۹۶۶ء بروز دوشنبہ ملتان کے مشہور فاضل عالم حضرت مولانا عبدالخالق صاحب واصل بحق ہوئے، إنا للہ و إنا إلیہ راجعون، مرحوم دارالعلوم کبیر والا ضلع ملتان کے بانی ومہتمم وصدر مدرس تھے، حضرۃ الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی رحمہ اللہ کے ان ممتاز تلامذہ میں سے تھے جن کی پوری زندگی علوم نقلیہ وعقلیہ کی تدریس میں گذری، نہایت ذکی عالم تھے، انداز بیان نہایت سلجھا ہوا تھا، علمی مشکلات کو سادے اور مختصر انداز سے حل کرنے پر پوری پوری قدرت رکھتے تھے۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب رحمہ اللہ کے عہد صدارت میں دارالعلوم دیوبند کے طبقہ علیا کے اساتذہ میں عہدہ تدریس پر فائز رہے، نہایت خوش پوشاک، خوش لباس تھے، بیوی وبچوں کی فکر سے آزاد، درس

وتدریس کے علمی مشاغل کے لئے یک قلم فارغ تھے، قحط الرجال کے دور میں ایسی ہستیوں کا وجود انتہائی غنیمت ہوتا ہے جن کی زندگی سے دینی درس گاہوں کی رونق قائم رہتی ہے، اس پرآشوب عہد میں جبکہ علوم دینیہ کا مقصد بھی وہی ہوگیا ہے جو علوم دنیوی کے حاملین کا ہے، وہی دنیوی آسائش وراحت دنیوی عزت ووجاہت، شکم پروری وتن آسانی۔ ایسے محقق روزگار عالم کا اٹھ جانا ناقابل برداشت صدمہ ہے: و فى الله عزاء من كل هالك.

اللہ تعالیٰ بال بال معفرت فرمائے، زلات وتقصیرات معاف فرمائے اور راحت ورضوان کے اعلیٰ درجات نصیب فرمائے، آمین۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی والدۂ ماجدہ کی وفات کا حادثہ

انتہائی رنج وغم کے ساتھ یہ خبر سنی گئی کہ ہمارے محترم عالم ربانی مولانا ابوالحسن علی میاں کی والدہ محترمہ ٦/ جمادی الاخری ١٣٨٨ھ مطابق ٣١/ اگست ١٩٦٨ء کو اس دنیائے فانی سے رحلت کر گئیں، إنا لله وإنا إليه راجعون۔

مرحومہ عابدہ، زاہدہ، صالحہ، شب خیز اور معمر خاتون تھیں جن کی نظیر عصر حاضر میں کم ملتی ہے، ان کے والد ماجد حضرت سید ضیاء الدین مرحوم بن سید سعید الدین مرحوم اپنے زمانہ میں عبادت وتقویٰ اور تعلق مع اللہ میں یگانۂ روزگار تھے، مرحومہ کے کمالات کا اندازہ اسی سے کیا جاسکتا ہے کہ ان ہی کی آغوش تربیت میں حضرت مولانا ڈاکٹر عبد العلی مرحوم اور عالم ربانی مولانا ابوالحسن جیسے نادرۂ روزگار حضرات سراپا اخلاص بنے، اپنی اولاد کو مرحومہ کی وصیت مبارکہ تھی کہ دین کو حصول دنیا کا ذریعہ نہ بنائیں، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں اس پاکیزہ روح (روح طيبة) پر جس نے اس انداز اور اس اخلاص سے تربیت کر کے امت کے سامنے سراپا عمل اور مرقع اخلاص اولاد کا نمونہ پیش فرمایا، مرحومہ نے ٩٣ سال کی عمر پائی، گویا صحیح معنی میں "خيركم من طال عمره وطاب عمله" تم میں بھلا آدمی وہ ہے جس کی عمر لمبی اور عمل اچھا ہو، کی مصداق تھیں، آنے والے سب جانے کے لئے ہی آتے ہیں لیکن مولانا علی میاں صاحب کے لئے والدہ محترمہ کی دعوات صالحہ اور نالہائے نیم شبی سے محروم ہونا بڑا صدمہ ہے، اللہ تعالیٰ مرحومہ کو رحمت ورضوان سے جنت الفردوس نصیب فرمائے اور ان کی روحانی توجہات سے ہمارے مولانا علی میاں کو بعد الموت بھی مالا مال فرمائے اور ان کی وفات، محترم مولانا علی میاں کے لئے حیات سے زیادہ باعث خیر وبرکت ہو، آمین۔

مرحومہ اپنے آبائی وطن رائے بریلی تکیہ حضرت شاہ علم اللہ رحمہ اللہ میں اپنے مرحوم شوہر حضرت مولانا حکیم سید عبد الحئی صاحب ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء کے جوار میں آسودہ خاک ہوئیں۔

فرحمها الله رحمة المؤمنات الصالحات القانتات

[شعبان ١٣٨٨ھ]

مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲؍رجب ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۳؍نومبر ۱۹۶۶ء کو مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحلت فرما گئے، مرحوم وقت کے بہترین قادر الکلام خطیب تھے، نہایت پراثر مقرر تھے، حاضر جواب تھے، بیک وقت منبر ومحراب ومدرسہ کی رونق تھے، مجلس تحفظ ختم نبوت کے عرصہ تک صدر رہے، عرصہ دراز تک حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ کے رفیق کار رہے، حضرت شاہ بخاری کے محیر العقول خطابت کی بعض خصوصیات کے صحیح وارث تھے، عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ وعلمبرداری نے ان کی زندگی میں وقار وعظمت اور عوام کے دلوں میں محبت پیدا کردی تھی، مدارس دینیہ کے سالانہ جلسے ان کے دم سے بارونق تھے، ایسے باکمال آتش فشاں خطیب کی رحلت بڑا سانحہ ہے، مرحوم کی وفات سے جلسے افسردہ ہوگئے اور دینی اجتماعات پژمردہ ہوگئے، گلستان مجلس ختم نبوت کی ہزار داستان، خوش نوا بلبل ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ قاضی صاحب کی خدمات کو خلعت قبول سے نوازے اور ان کو ترقی درجات کا وسیلہ بنائے، بعارضہ سرطان جگر بیمار رہے، آخر جان جان آفریں کے سپرد کردی، مرحوم کے جنازے میں ملتان، بہاولپور، لاہور، لائل پور کے ہزاروں بندگانِ خدا شریک ہوئے، حضرت مولانا عبداللہ درخواستی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

مولانا جان محمد سواتی رحمۃ اللہ علیہ

ماہ شعبان ۱۳۸۶ھ کی ۲۳؍تاریخ مطابق ۶؍دسمبر ۱۹۶۶ء بروز دوشنبہ ریاست سوات کے مشہور عالم مولانا جان محمد صاحب بعارضہ قلب طویل علالت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اس عالم فانی سے رخصت ہوگئے۔

مرحوم ریاست سوات کے ان ممتاز علماء میں سے تھے جن کی پوری زندگی اپنے ملک کے عوام کی اصلاح اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں خاموشی سے گذری، صاحب نسبت مخلص باخدا بزرگ تھے، خشوع وخضوع سے نماز پڑھا کرتے تھے، نالہائے سحری میں دیدہ ودل کی حسرتیں نکالا کرتے تھے، ہمارے رفیق کار مولانا فضل محمد صاحب استاذ حدیث مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کے والد ماجد تھے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس نصیب فرمائے اور پس ماندگان کو اس جانکاہ صدمہ میں صبر جمیل وشکیبائی نصیب فرما کر اجر جزیل عطا فرمائے، آمین۔

خدا کا شکر ہے کہ مرحوم کے دو فرزند مولانا فضل محمد صاحب اور قاری فضل حلیم صاحب علم وعمل اور خاموشی کے ساتھ دین کی خدمت کرنے میں اپنے والد محترم کے صحیح جانشین ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے نقش قدم پر چلنے کی مزید توفیق مرحمت فرمائے۔

[شوال ۱۳۸۶ھ، فروری ۱۹۶۷ء]

مولانا شیر محمد سندھی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ علماء ربانی کے قافلے بڑی سرعت کے ساتھ عالم آخرت کی طرف جارہے ہیں، علمی و دینی بساط بڑی تیزی سے سمٹ رہی ہے، دینی شمعیں بجھی جارہی ہیں اور علمی محفلیں سونی ہوتی جارہی ہیں اور ایسے دور میں جب کہ آئندہ کوئی توقع نہیں کہ دوبارہ یہ محفلیں آراستہ ہوسکیں گی اور یہ چراغ روشن ہوسکیں گے۔

مغربی پاکستان کے علاقہ سندھ کے ایک مشہور اور معمر عالم دین مولانا شیر محمد صاحب نے ٢٥ ررمضان المبارک ١٣٨٦ء کی شب میں داعی اجل کو لبیک کہی، موصوف سندھ کے محقق عالم، متواضع درویش اور منکسر المزاج بزرگ تھے، باخدا شخصیت تھی، صرف ونحو کے امام تھے، مسائل صرف اور دقائق نحو سے شغف کیا عشق تھا، علم صرف میں ایک عمدہ کتاب کے مصنف تھے اور سکھر میں دینی درس گاہ کے مؤسس تھے، موت بھی عجیب واقع ہوئی، ٢٤ ر رمضان کی صبح کو غسل کیا، نئے کپڑے زیب تن کئے، گویا سفر کی تیاری ہے، دن بھر روزہ رہا، قبل افطار زیادہ طبیعت خراب ہوگئی، معمولی علالت کا سلسلہ پہلے ہی سے چلا آرہا تھا، کچھ وصیتیں فرمائیں، افطار کے وقت غنودگی بڑھ گئی جس کی وجہ سے روزہ افطار نہ ہوسکا، بالآخر نصف شب ٢٥ ررمضان کو روح قفس عنصری سے ''اللہ! اللہ!'' کہہ کر پرواز کرگئی:

إنا لله وإنا إليه راجعون

سبحان اللہ! موت کیا تھی گویا زندگی کا رخ دنیا سے عالم آخرت کی طرف مڑ گیا اور طرفۃ العین میں عالم فانی سے کٹ کر عالم آخرت سے جڑ گئے، راقم الحروف کے کرم فرما اور دعا گو تھے، اللہ تعالیٰ سفر آخرت کے تمام مراحل آسانی سے طے کرائے، درجات عالیہ نصیب فرمائے اور رحمت ورضوان کے گلدستے نچھاور ہوں، خدا کا شکر ہے کہ ان کے خلف رشید برادرم مولانا محمد انور صاحب موجود ہیں، ان سے توقع ہے کہ وہ مرحوم باپ کی جانشینی کا حق ادا کرسکیں گے۔

مولانا احمد حسن چاٹگامی رحمۃ اللہ علیہ

مشرقی پاکستان کے دومشہور عالم دونوں چاٹگام کے، ایک ماہ رجب ٨٦ھ اور ایک ماہ رمضان ٨٦ھ میں داصل بحق ہوئے۔

حضرت مولانا احمد حسن صاحب جیری ضلع چاٹگام کے نہایت مخلص، جفاکش اور باخدا عالم تھے، مدرسہ اسلامیہ عربیہ جیری کے بانی تھے، اپنی پوری زندگی مدرسہ کی ترقی اور خدمت میں گذاری، ٥٦ رسال فرائض اہتمام کی انجام دہی کی توفیق نصیب ہوئی، غالباً مدرسہ معین الاسلام ہاٹھ ہزاری کی قدیم ترین درسگاہ کے فارغ التحصیل تھے، مولانا قاضی محمد حسین صاحب خلیفہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ سے مجاز تھے، بنگلہ زبان میں نہایت خوش بیان

واعظ تھے، وعظ میں بہت اثر تھا، ان کے مدرسہ میں عارف باللہ شیخ الہند حضرت محمود حسن دیوبندی اور ان کے صحیح جانشین حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا اصغر حسین صاحب (رحمہم اللہ) سب ہی حضرات کے قدم پہنچے ہیں، راقم الحروف بھی مرحوم کے اصرار پر وہاں گیا تھا اور صحیح بخاری شریف کا ایک درس بھی دیا تھا، طویل علالت کے بعد ٢٣/رمضان ١٣٨٦ھ کو ٨٧/سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

مولانا محمد اسماعیل چاٹگامی رحمۃ اللہ علیہ

شہر چاٹگام میں مولانا محمد اسماعیل صاحب ایک جید عالم تھے، دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے، عرصہ دراز تک علوم کتاب وسنت کی تدریس میں مشغول رہے، آخر میں چاٹگام شہر کے ایک محلہ میں مظاہر العلوم کے نام سے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی تھی، اہتمام کے فرائض خود انجام دیتے رہے، نہایت متواضع اور رقیق القلب تھے، اخلاص وتواضع اور رقت قلب میں ممتاز تھے، راقم الحروف کو تین چار مرتبہ شرف زیارت نصیب ہوا، بار بار دیکھا کہ تقریر سنتے وقت رویا کرتے تھے، آخر ستر سال کی عمر میں بتاریخ ٢٤/رجب ١٣٨٦ھ حیات مستعار کو الوداع کہہ کر حیات جاودانی سے ہمکنار ہو گئے، اللہ تعالیٰ ان پاکباز ان پاک طینت کو اپنی رحمت ومغفرت ودرجات عالیہ سے نوازے، آمین۔

یہ چمن یوں ہی رہے گا اور ہزاروں جانور
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے

[ذوالحجہ ١٣٨٦ھ، اپریل ١٩٧٦ء]

مولانا تاج الاسلام رحمۃ اللہ علیہ

افسوس ہے کہ مشرقی پاکستان کے مشہور عالم دین مولانا تاج الاسلام کا ٢٢/ذوالحجہ ١٣٨٦ھ کو انتقال ہو گیا، موصوف دیوبند کے ممتاز فارغ التحصیل، حضرت الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید، بنگال کے عمدہ عربی ادیب اور شاعر، مخلص اور بے لوث خادم دین اور اچھے واعظ تھے، عرصہ دراز تک علوم نبوت (قرآن وحدیث) کا درس دیا، برہمن باڑیہ میں ایک مدرسے کے بانی اور صدر تھے، طالب علمی کے زمانے میں مرزا غلام احمد قادیانی کی ہجو میں ایک بلند پایہ عربی قصیدہ لکھا تھا جسے حضرت امام العصر اور دیگر اساتذہ نے بے حد پسند فرمایا اور بڑی قدر فرمائی، اس کے چند شعر جو علمی اعتبار سے بہت اونچے تھے مجھے بھی سنائے، موصوف سے ملاقات کئی بار ہوئی، ایک مرتبہ تو مجمع البحوث الاسلامیہ کی موتمر قاہرہ کے سفر میں ہمرکابی کا موقعہ بھی ملا، موتمر کے لئے موصوف کا نام نامی میں نے ہی پیش کیا، وہاں پندرہ دن تک ایک کمرے میں رفاقت رہی اور موصوف کے اخلاص اور مزاج کی سادگی کا مزید علم ہوا۔

افسوس کہ مولانا کی وفات کے وقت میں سفر میں تھا، مدینہ طیبہ میں انتقال کی خبر سنی اور اس وقت پہنچا بھی نہ جا سکا، حق تعالیٰ آغوش رحمت میں سکون رضوان الٰہی سے سرفرازی اور جنت الفردوس نصیب فرمائے، عمر غالباً ستر سال ہوگی، رحمه الله رحمة واسعة۔

[ربیع الاول ۱۳۸۷ھ]

اہلیہ امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہما

حضرۃ الشیخ الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ مولانا حکیم محفوظ علی صاحب کی ہمشیرہ مکرمہ اور عزیز مولانا ازہر شاہ و مولانا انظر شاہ کی والدہ ماجدہ مرض سرطان سے طویل و مدید اور صبر آزما علالت کے بعد ۱۸؍ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۶؍ جون ۱۹۶۷ء بروز سہ شنبہ دیوبند محلہ خانقاہ میں رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئیں اور امام العصر رحمۃ اللہ علیہ کے قریب ہی سپرد خاک ہوئیں۔

مرحومہ گنگوہ کے ایک مشہور سادات خاندان سے تھیں، حضرت الشیخ امام العصر رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد بہت سلیقے سے بچوں کی تربیت کی اور اس ۳۵؍ سال کے عرصہ میں بڑے بڑے مصائب کا نہایت صبر و استقلال سے مردانہ وار مقابلہ کیا، مرض وفات میں اکثر بے ہوشی کی حالت طاری رہتی، آب و دانہ سے تعلق ختم تھا، لیکن نماز کے وقت ہوش آ جاتا اور فریضہ نماز ادا کر لیتیں، مرحومہ کے وصال کی اطلاع ملتے ہی یہاں مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں صبح کو چھٹی کر دی گئی، تمام اساتذہ و طلبہ اور درجات حفظ و تجوید کے بچوں نے ختمات قرآن کریم سے ایصال ثواب کیا۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس نصیب فرمائے آغوش رحمت میں جگہ دے اور رحمت و رضوان سے سرفراز فرمائے۔

اللّٰهم اغفر لها وارحمها و عافها واعف عنها و أكرم نزلها و وسّع مدخلها وارزقها دارا خيرا من دارها وجارا خيرا من جارها بحرمة سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد ﷺ.

[جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ]

حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ

ماہ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ کی ۲۴؍ تاریخ چہار شنبہ ۲۷؍ دسمبر ۱۹۶۷ء کو دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز محقق عالم، یگانہ روزگار استاذ، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی کے وصال کا جانکاہ حادثہ پیش آیا، إنا لله وإنا إليه راجعون۔ موصوف حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے تھے، درسیات کی مشکل ترین کتابوں کے اعلیٰ ترین مدرس اور استاذ تھے، اپنی حیات طیبہ کا بہت بڑا حصہ علوم نقلیہ و عقلیہ کی تدریس و تعلیم میں ہی صرف کیا، پورے ساٹھ برس تدریس علوم دینیہ کی خدمت انجام دی، ابتدائی دور میں دہلی کے مدرسہ فتح

پوری میں تدریس کے فرائض انجام دیئے، پھر دارالعلوم دیوبند میں زندگی کا طویل تر حصہ اسی کار خیر میں گذرا کچھ عرصہ ہاٹھ ہزاری چاٹگام کو اور چند ماہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کو بھی آپ کے تدریسی عہد کا شرف حاصل رہا، پھر اپنے مادر علمی دارالعلوم میں ہی واپس آ گئے اور زندگی کی آخری سانس تک فرائض تدریس انجام دیتے رہے، حضرت مولانا مدنی قدس اللہ روحہ کے وصال کے بعد دارالعلوم کے صدر الاساتذہ کے عہدے پر فائز رہے، ذکاوت، قوت حافظہ اور حسن تعبیر میں خصوصاً معقول ومنقول کی مشکلات کے حل کرنے میں یکتائے روزگار تھے اور درس نظامی کی آخری کتابوں کے بے نظیر استاذ تھے، ہند و پاک کے تقریباً تمام علماء کرام کے بلاواسطہ یا بالواسطہ استاذ تھے، شاید ہی علمی دنیا کا کوئی گوشہ ایسا ہو جہاں مرحوم کے تلامذہ نہ موجود ہوں، نصف صدی سے زیادہ تو دارالعلوم میں ہی علوم درسیہ کی خدمت انجام دی ہے، مرحوم اپنے علمی کمالات اور جامعیت کے اعتبار سے قدماء سلف کی یادگار تھے، جو کتاب پڑھاتے تھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ نہ صرف اس کے حافظ ہیں بلکہ اس کے مالہ وما علیہ پر مصنف سے بھی زیادہ حاوی ہیں، مشکل مسائل میں ایسی عمدگی کے ساتھ دھیمی دھیمی آواز میں ایک عجیب تسلسل کے ساتھ تقریر فرمایا کرتے تھے کہ کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہتا تھا، افسوس کہ علم وفضل کے آفتاب وماہتاب تیزی کے ساتھ غروب ہورہے ہیں اور علمی گلستان اس طرح اجڑتے جارہے ہیں کہ ان کی آبادی کی دوبارہ کوئی توقع نہیں۔

إنّ لله ما أخذ و له ما أعطى و كل شيئ عنده إلى أجل مسمى، اللهم اغفر له وارحمه وأرضه وارض عنه وارفع درجاته، آمين يا رب العالمين وصلى الله على صفوة البرية حبيب رب العالمين محمد وآله وصحبه وتابعيه اجمعين.

| ذوالقعدہ ۱۳۸۷ھ |

مولانا شاہ وصی اللہ الٰہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ

﴿كل من عليها فان و يبقى وجه ربك ذو الجلال و الإكرام﴾

ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنو میں یہ دردناک خبر پڑھی کہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب واصل بحق ہو گئے، إنّا لله و إنا إليه راجعون۔

موصوف ضلع اعظم گڑھ (یوپی، بھارت) کے ایک گاؤں فتح پور ''تال نرجا'' کے رہنے والے تھے، معمر بزرگ تھے، حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے اکابر خلفاء میں تھے، آپ کے فیوض وبرکات سے نہ صرف یوپی اور شمالی ہندوستان بلکہ جنوبی ہند اور بمبئی کے علاقے بھی فیض یاب تھے، مخلصین واحباب واقرباء کے قافلہ کے ہمراہ ''مظفری'' جہاز سے دیار مقدسہ حرمین شریفین کے لئے روانہ ہو چکے تھے، ماہ رمضان کے عمروں اور طوافوں کا جذبہ لئے جارہے تھے کہ داعی اجل سمندر کی طوفان خیز موجوں میں پہنچ گیا اور بجائے دیار قدس ملاء اعلیٰ کی سیر کے لئے

روح ملکوتی جسد عنصری سے بوقت سحر پرواز کر گئی اور جسد عنصری دیار قدس کے سپرد کر دیا گیا، یہ حادثہ ۲۵/۲۴/ نومبر کی درمیان شب کے اخیر حصہ میں پیش آیا، سبحان اللہ! کتنے آثار برکات ورحمت کے جمع ہو گئے۔

اللهم اغفر له وارحمه وارفع درجته ومتع المستفيضين ببركاته

افسوس کہ صالحین کے قافلے بہت ہی سرعت کے ساتھ آخرت کی طرف جا رہے ہیں اور یہ مادی دنیا روحانی برکات سے خالی ہوتی جا رہی ہے۔

إنّا لله وإنا إليه راجعون، هذا وصلى الله على صفوة البرية سر الوجود سيدنا محمد واله واصحابه وصالحي عباده اجمعين.

[شوال ۱۳۸۷ھ]

مولانا سید حمید الدین فیض آبادی رحمۃ اللہ علیہ

﴿كل من عليها فان و يبقى وجه ربك ذو الجلال و الإكرام﴾

صدمہ کی بات ہے کہ علماء ربانیین کے قافلے بڑی سرعت سے عالم آخرت کی طرف کوچ کر رہے ہیں اور یہ سرزمین صالحین کی برکات سے محروم ہوتی جا رہی ہے۔

ماہ شعبان ۱۳۸۸ھ ۱۵/ نومبر ۱۹۶۹ء کو ہندوستان کے ایک جلیل القدر محدث عالم ربانی مولانا سید حمید الدین بن محبوب علی فیض آبادی نے کار کے حادثے میں اپنی جان عزیز جہاں آفریں کے سپرد کی، مرحوم حضرت امام العصر مولانا انور شاہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور دورہ حدیث میں میرے رفیق ہم نفس تھے، عربی کے ادیب تھے اور شاعر بھی، حضرت مدنی کے بھانجے تھے اور حضرت مدنی سے بیعت بھی تھے، ابتدائی تعلیم اپنے آبائی وطن ہنسور ضلع فیض آباد (یوپی) میں حاصل کی، اس کے بعد دار العلوم دیوبند میں تحصیل کی اور جو قافلہ حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے ساتھ دیوبند سے ڈابھیل ضلع سورت گیا تھا اس کارواں میں شریک تھے، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں فراغت پائی اور ۱۶/ طلبہ جو ۶۵/ طلبہ حدیث میں سے درجہ اولیٰ میں کامیاب ہوئے ان میں آپ تھے، فراغت کے بعد ابتداءً کچھ عرصہ سرزمین سندھ کے مقام پر پیر جھنڈا میں رہے جہاں حدیث ورجال کے نادر مخطوطات سے استفادہ کا زریں موقع انھیں میسر آیا، پھر مدرسہ انوار الاسلام بہرائچ میں مدرس رہے، اس کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث رہے، آخر میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں شیخ الحدیث کے عہدے پر خدمت حدیث انجام دیتے رہے، دار العلوم دیوبند سے درس حدیث کی خدمت کے لئے بلائے گئے تھے لیکن شاید نہ آسکے، دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر تھے، دہلی سے بذریعہ کار اپنے خاندان سمیت دیوبند مجلس شوریٰ کے اجلاس کے لئے آرہے تھے، مظفر نگر کے قریب ایک ٹرک سے تصادم میں شہید ہو گئے، ممبران مجلس شوریٰ کے اکثر

افراد حضرت مولانا محمد طیب صاحب، مولانا محمد میاں صاحب، مولانا قاضی زین العابدین میرٹھی، مولانا مرغوب الرحمن بجنوری، مولانا حامد الانصاری غازی وغیرہ حضرات موقع پر پہنچے اور جنازہ دیوبند لایا گیا، نماز جنازہ حضرت مولانا فخر الدین صاحب مرادآبادی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے پڑھائی اور قبرستان قاسمی میں اپنے شیخ عارف مدنی حضرت مولانا سید حسین احمد رحمہ اللہ کے پہلو میں سپرد خاک کئے گئے، ۲۰ رسال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے تھے اور ۴۳ رسال علوم نبویہ کی خدمت کر کے ۶۳ رسال کی عمر میں عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی، بہت کچھ لکھنے کو جی چاہتا ہے تاکہ رفاقت کا تھوڑا بہت حق ادا ہو سکے لیکن:

دامان نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار

ان چند سطروں پر اکتفا کرتا ہوں۔

اللهم اغفرله وارحمه وارض عنه واحشره مع عبادك الصالحين العلماء العاملين والمحدثين، آمين يارب العالمين.

مرحوم برادر محترم مولانا سید محمد اسعد ابن العارف المدنی کے خسر تھے، اس حادثہ میں مولانا اسعد میاں کے جگر گوشہ عزیزم محمد بھی شدید زخمی ہو گئے تھے، چار پانچ دن کے بعد وہ بھی وفات پا گئے اور اس طرح مولانا سید اسعد کے لئے ذخیرہ آخرت بن گئے۔

اللهم اجعله له ذخرا و أجرا و شافعا ومشفّعا

مولانا شمس الحق فریدپوری رحمۃ اللہ علیہ

مشرقی پاکستان کے مشہور عالم ربانی جامعہ قرآنیہ لال باغ ڈھاکہ کے بانی اور شیخ الحدیث مولانا شمس الحق صاحب فریدپوری طویل علالت کے بعد بروز سہ شنبہ ۲ رذی القعدہ ۱۳۸۸ھ ۲۱ رجنوری ۱۹۶۹ھ کو واصل بحق ہوئے، مرحوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے اور سرچشمہ سلوک تھانہ بھون سے روحانی فیض حاصل کیا تھا، مخلص وحق گو تھے، بلا خوف لومۃ لائم ہمیشہ اعلان حق کرتے رہے، استقامت رائے اصابت فکر اور اظہار حق میں فرید ووحید تھے، اپنے وطن فریدپور میں سپرد خاک ہوئے۔

اللهم اغفر له مغفرة ظاهرة و باطنة وارفع درجاته واجعله من عبادك المقربين.

مولانا نصیر الدین غورغشتی رحمۃ اللہ علیہ

مغربی پاکستان کے شمال مغرب میں موضع غورغشتی ضلع کیمبل پور سے بھی علم واخلاص کے جوہر نایاب، تقویٰ وطہارت کے پیکر، صدق وصفا کے مجسمہ، عالم ربانی، عارف لاثانی، حضرت مولانا نصیر الدین صاحب کی روح مبارک عین اس وقت جبکہ وہ حج بیت اللہ کا عزم کر چکے تھے اور کراچی آنے کے لئے پا بہ رکاب تھے ۳ رذی

القعدہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۲ رجنوری ۱۹۶۹ء کو ملاءِ علیٰ کی طرف پرواز کرگئی، إنا لله وإنا إليه راجعون۔

مرحوم حضرت مولانا حسین علی نقشبندی سے روحانی کمالات حاصل کر کے ان کے خلیفہ بن گئے تھے، عرصہ دراز تک علوم نبوت کا درس دیتے رہے، تقریباً چالیس سال سے زیادہ صحاح ستہ، ہدایہ اخیرین، مشکوٰۃ کا درس دیا، علم نبوت کو ذریعہ معاش نہیں بنایا، ہزارہا مخلوق خدا کو فیضیاب فرمایا، غالباً عمر مبارک سو سال سے متجاوز تھی، تمام عمر قال اللہ وقال الرسول کی صدا سے معمور رہی، اس پرفتن دور میں ایسے نفوس قدسیہ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملیں گے جن کی تمام عمر علم ودین کی خدمت میں گزری ہو، نہ راحت کی فکر، نہ تنخواہ ومشاہروں کا تصور، نہ دولت اور عزت ووجاہت کی آرزو، فقیرانہ زندگی مسجد میں گذاری، درحقیقت اسی قسم کے پاک طینت نفوس مقدسہ ہیں جو علوم نبوت کے وارث اور مسند نبوت کے جانشین ہیں:

إنّ لله عبادا فطنا طلّقو الدنيا وخافوا الفتنا
نظروا فيها فلما علموا أنها ليست لحيّ وطنا
جعلوها لجّة واتخذوا صالح الأعمال فيها سُفنا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے کچھ سمجھدار بندے ایسے بھی ہیں جنھوں نے فتنوں سے ڈر کر دنیا کو طلاق دے دی۔
دنیا میں غور کرنے سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ کسی بھی زندہ مخلوق کا مقام اور وطن نہیں ہے۔
اس لئے انھوں نے دنیا کو ایک غرقاب سمندر سمجھ کر نیک اعمال کے سفینوں سے اسے عبور کیا ہے۔

فاللهم اغفرله وارحمه وأكرم نزله ووسّع مدخله وارزقه دارا خيرا من داره وجارا خيرا من جاره وأنزل عليه شآبيب رضوا نك ونفحات من قديم إحسانك فأنت المنان وأنت الحنان وأنت قد يم الإحسان وأنت ذو الجلال والإكرام وصلى الله على سيد بنى عدنان سيد المرسلين و إمام المتقين وخاتم النبيين إمام الخير وقائد الخير ورسول الرحمة وعلى آله و عترته واهل بيته وصحبه ومن تبعهم أجمعين إلى يوم الدين.

[ذوالحجہ ۱۳۸۸ھ]

حاجی محمد یعقوب کالیہ رحمۃ اللہ علیہ

انتقال پرملال حاجی محمد یعقوب صاحب کالیہ بتاریخ ۸ رمارچ ۱۹۶۹ء مطابق ۱۹ رذی الحجہ ۱۳۸۸ھ روز شنبہ بوقت فجر (خزانچی مدرسہ عربیہ اسلامیہ ومسجد نیوٹاؤن)

کل نفس ذائقة الموت

بہت افسوس وصدمے کے ساتھ یہ خبر سنی جائے گی کہ ہمارے ہر دل عزیز مخلص صاحب لطف وکرم حاجی

محمد یعقوب کالیہ دہلوی، مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کے خزانچی بتاریخ ۱۹ ؍ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۸ ؍ مارچ ۱۹۶۹ء کو وفات پاگئے، إنّا لله وإنّا إليه راجعون.

موصوف پہلے وہ شخص ہیں جن کے ابتدائی مشورے سے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا افتتاح جامع مسجد نیوٹاون میں کیا گیا تھا اور تقریباً مدرسہ کے ۷ ؍ ماہ گزرنے کے بعد راقم الحروف نے موصوف کو مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا خازن مقرر کیا تھا اور جو رقم میرے پاس تھی موصوف کے حوالے کردی تھی، موصوف نے نہایت اخلاص و ہمدردی سے یہ فریضہ انجام دیا اور مدرسہ کی معاونت بھی کرتے رہے، رفتہ رفتہ مدرسہ اور مدرسہ والوں سے محبت واخلاص وتعلق انتہاء تک پہنچ گیا، مجھے حق تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ مدرسہ سے یہ تعلق و ہمدردی موصوف کے لئے آخرت میں رفع درجات کا باعث ہوگی، دعا ہے کہ حق تعالیٰ موصوف کی کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور بال بال مغفرت فرماکر جنت الفردوس نصیب فرمائے، موصوف کی وفات پر مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے ناظم دفتر جناب حافظ قاری محی الدین احمد مکنون نے قطعہ تاریخ لکھا ہے جو درج کیا جاتا ہے:

صاحب خیر بزرگ اور عزیز طلباء　　خازن مدرسہ ومسجد جامع محبوب
دار فانی سے سوئے عالم جاوید گئے　　کہ تقاضائے مشیت کا یہی ہے اسلوب
یہ تو ہونا تھا کہ مجبور ہے انسان ضعیف　　چاہئے صبر کہ بے صبری ہے غایت معیوب
یہ دعا کیجئے کہ بخشش ہو خدایا ان کی　　اور کوثر سے عطا ہو انھیں جام مشروب
سال رحلت میں یہ مکنوں سے ہاتف نے کہا
قصر جنت میں ہے سلطان محمد یعقوب
۱۳۸۸ھ

[محرم الحرام ۱۳۸۹ھ]

مولانا سید احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

۵ ؍ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ ۲۴ ؍ مارچ ۱۹۶۹ء کو یوم دوشنبہ مولانا سید احمد شاہ بخاری اجنالوی کا حادثہ وفات پیش آیا إنّا لله و إنّا إليه راجعون، مولانا مرحوم قرآن کریم کے حافظ تھے، معقولات میں حضرت مولانا غلام رسول صاحب اور ان کے خلف الرشید مولانا ولی اللہ صاحب ''انھی'' والوں سے مہارت حاصل کی تھی، حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے عہد مشیخت میں دارالعلوم دیوبند سے فیض علوم نبوت حاصل کیا اور کلام وفلسفہ کی چند کتابیں حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاوی مرحوم اور حضرت مولانا عبد الحق صاحب نافع کاکاخیل سے بھی پڑھیں تھیں، ۱۳۵۲ھ صفر میں دیوبند پہنچ چکے تھے اور حضرت امام العصر مولانا محمد انورشاہ رحمہ اللہ کے جنازہ میں

بھی شرکت کی سعادت حاصل کی تھی، نہایت ذکی تھے، طبیعت میں تحقیق کا مادہ تھا، مزاج میں بہت سادہ تھے، تکلف سے بالاتر تھے، زندگی تدریس وتالیف میں خاموشی کے ساتھ گزاری، چار سال جامع محمدیہ (جھنگ) میں مدرس رہے اور سترہ سال مدرسہ دارالہدی چوکرہ (سرگودھا) میں تدریسی، تبلیغی، تالیفی زندگی گذاری اور دارالہدی سے ردشیعیت میں ماہنامہ ''الفاروق'' جاری کیا جو عرصہ ۶ / ۷ سال تک دشمنان اسلام کے حملوں کا تابڑتوڑ دفاع کرتا رہا اور دلائل حقہ سے اہل تشیع کو مبہوت کر دیا، ۱۳۸۶ھ سے سرگودھا شہر میں مسجد فاروق اعظم اور دارالعلوم فاروق اعظم کی بنیاد ڈالی، مرحوم ردّ روافض وشیعیت کے ممتاز عالم تھے، مدح صحابہ میں نکتہ آفرین طبیعت پائی تھی، ''تحقیق فدک'' ان کی محققانہ تالیف یادرہے گی، ''بسط الیدین'' محمد سبطین شیعی عالم کی کتاب کی تردید میں مشغول تھے، افسوس کہ یہ کتاب ناتمام رہ گئی اور داعی اجل کو لبیک کہہ کر واصل بحق ہو گئے:

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

تریسٹھ سال عمر پائی اور آبائی مسکن اجنالہ میں مدفون ہوئے، افسوس کہ اس طرز کے علماء جو سراپا اخلاص بن کر خاموشی کے ساتھ اونچی دینی وعلمی خدمات انجام دیتے ہوں رخصت ہو رہے ہیں اور کوئی جانشین نہیں چھوڑتے۔

إنّا لله وإنّا إليه راجعون اللهم اغفرله وارحمه و أكرم نزله بفضلك
وكرمك يا أرحم الراحمين

[صفر ۱۳۸۹ھ]

مولانا عبدالغفور عباسی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الحمد لله الذى لا باق إلّا وجهه ولا راد لقضائه والصلاة والسلام على خاتم أنبيائه وعلى آله وأصحابه وأوليائه.

شب یک شنبہ بتاریخ کیم ربیع الاول ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۸ / مئی ۱۹۶۹ھ حضرت مولانا عبدالغفور عباسی مہاجر مدنی مدینہ طیبہ کی پاک سرزمین میں اللہ تعالیٰ سے جا ملے، إنّالله وإنّا إليه راجعون.

مرحوم کا آبائی وطن موضع ''جدیا''، علاقہ چکیسر ریاست سوات تھا، ابتدائی تعلیم وطن ہی میں پائی اور آخری تعلیم مدرسہ امینیہ دہلی میں ہوئی، فراغت کے بعد کچھ عرصہ مدرسہ امینیہ میں مدرس بھی رہے، پھر ضلع مظفر گڑھ کے ایک گاؤں مسکین پور میں حضرت مولانا فضل علی صاحب قریشی نقشبندیؒ سے بیعت کی، جہاں ذکر وشغل کے ساتھ ساتھ حضرت قریشی کے مہمانوں کی خدمت میں کنویں سے پانی نکالنے اور جنگل سے لکڑیاں لانے کا سلسلہ بھی جاری رہا، خوب مجاہدہ نصیب ہوا اور آخر اپنے شیخ کامل کی توجہ سے وہ مقام حاصل کیا جو غالباً شیخ کے مریدین میں

سے کسی کو نصیب نہیں ہوا ہوگا، ان مخلصانہ خدمات اور مجاہدات وریاضات نے انہیں اپنے شیخ کا صحیح جانشین بنادیا، بالآخر ہجرت کی نیت سے مدینہ طیبہ پہنچے اور حج وزیارت کے بعد وطن آکر اپنی تمام جائیداد فروخت کردی اور مدینہ طیبہ میں سید محمود صاحب سے (جو حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے چھوٹے بھائی ہیں) تین ہزار ریال میں ایک مکان خریدا، غالباً آدھی رقم تو اسی وقت ادا کردی تھی اور باقی بعد میں ادا کی گئی۔

مدینہ طیبہ میں دوران قیام ہر سال حج کی توفیق ہمیشہ نصیب ہوتی رہی اور عمرے بھی ادا کرتے رہے، آپ کو عمرہ کرنے کا بہت شوق تھا، ہر سال ماہ رمضان میں عمرہ کے لئے جاتے رہے اور مسجد نبوی میں اعتکاف بھی کرتے رہے، یہ اسی عشق کا نتیجہ تھا کہ وفات تک نہ تو حج ترک ہوا اور نہ رمضان المبارک کا عمرہ اور مسجد نبوی کا اعتکاف چھوٹا، اس سال بے حد کمزور تھے لیکن پھر بھی اعتکاف کی سعادت نصیب ہوئی، اعتکاف میں تمام رات تراویح، قیام لیل اور ختمات قرآن میں ان کی فوق العادۃ استقامت قابل رشک تھی، اس دفعہ موسم حج میں غلبہ امراض کی وجہ سے طبیعت انتہائی کمزور تھی لیکن عشق عبادت سے سرشار طبیعت کہاں صبر کرسکتی تھی، چنانچہ سفر عشق کے لئے مدینۃ الرسول سے بلد اللہ الامین کو روانہ ہوگئے منیٰ پہنچتے ہی طبیعت خراب ہوگئی، کسی نہ کسی طرح میدان عرفات میں پہنچ گئے، لیکن وہاں بے ہوشی کا سا عالم طاری رہا، عرفات میں سرکاری ہسپتال میں داخل کئے گئے، وہاں سے سرکاری ایمبولنس کار میں مزدلفہ سے منیٰ اور وہاں سے مکہ پہنچے، شبری پر طواف زیارت اور طواف وداع فرمایا اور وقوف مزدلفہ اور رمی جمرات کے لئے باوجود توکیل کے دودَم دیے اور اسی حالت میں مدینہ طیبہ پہنچے، کچھ عرصہ کے بعد کراچی کے مخلصین کے اصرار پر بغرض علاج کراچی تشریف لے آئے لیکن جب معلوم ہوا کہ علاج سے کوئی فائدہ نہیں ہورہا ہے تو ایک ہفتہ کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور ۷۷ سال کی عمر میں جان جان آفرین کے سپرد کردی۔

مرحوم طبعاً انتہائی متواضع باوفا اور مہمان نواز تھے، صدق وصفا اور اخلاص کے پیکر اور تقویٰ وطہارت، استقامت اور بکثرت عبادت میں یکتا تھے، بیعت وارشاد کے اونچے مقام نے ان طبعی مکارم اخلاق کے لئے سونے پر سہاگہ کا کام کیا، اصلاحی مواعظ وبیان پر اچھی قدرت تھی، وعظ نہایت مؤثر ہوتا تھا، فرمایا کرتے تھے کہ: ''میں تو توبہ واصلاح کی بیعت کرتا ہوں''، چنانچہ ان کی بیعت سے نہ صرف افراد بلکہ خاندانوں کی اصلاح ہوگئی، سیرتیں اور صورتیں بدل گئیں، ان کی صحبت وتوجہ بھی نہایت مفید ومؤثر تھی، سلسلہ بیعت وارشاد پاکستان وہندوستان کے علاوہ مصر وشام اور ترکی تک پہنچ گیا تھا، سب سے بڑی کرامت اتباع سنت اور استقامت تھی جو فوق الکرامۃ تھی، انتہائی افسوس ہے کہ مدینہ طیبہ میں اپنے رنگ کے دونوں بزرگ تھے، حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنیؒ اور حضرت مولانا عبدالغفور صاحب عباسیؒ، یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہوگئے اور اس طرح مدینہ طیبہ میں سلوک وارشاد کی یہ دونوں مسندیں خالی ہوگئیں، اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت ورضوان کی آغوش میں درجات رفیعہ

عالیہ نصیب فرمائے۔

فرحمه الله رحمة الأبرار الصالحين والعلماء الربانيين والعباد المقربين.

مولانا محمد مبین خطیب رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ صالحین وعلماء کے قافلے بہت تیزی کے ساتھ عالم آخرت کی طرف جارہے ہیں، ۲۷ر محرم الحرام ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۵ر اپریل ۱۹۶۹ء کو مولانا محمد مبین خطیب دیوبندی (مولانا محمد متین خطیب کے والد ماجد) انتقال فرماگئے، مرحوم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس اللہ سرہ کے قافلہ کے رفقاء سفر میں سے تھے، نہایت صالح اور سن رسیدہ بزرگ تھے، عمر مبارک نوے سال سے متجاوز تھی، متواضع، سنجیدہ اور با اخلاق شخصیت کے آدمی تھے، حق تعالیٰ بال بال مغفرت فرما کر ان کو درجات عالیہ نصیب فرمائے، صحیح بخاری میں حضرت مرداس اسلمیؓ کی روایت سے یہ حدیث مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"يذهب الصالحون الأول فالأول و يبقى حفالة كحفالة الشعير أو التمر لا يبالي الله بهم بالة" [بخاری، کتاب الرقاق، باب ذهاب الصالحين]

یعنی صالحین یکے بعد دیگرے طبقہ بہ طبقہ رخصت ہوتے جائیں گے اور آخر میں ایسے نکمے لوگ رہ جائیں گے جیسے جَو یا کھجور کا ردی حصہ رہ جاتا ہے جن کی اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی، جن صالحین کا وجود اس عالم کے لیے باعث رحمت و موجب خیر و برکت ہے ظاہر ہے کہ ان کے اٹھ جانے سے خیر و برکت کا وہ حصہ بھی دنیا سے اٹھ جاتا ہے، "إن لله ما أخذ وله ما أعطى وكل شيئ عنده إلى أجل مسمى".

بلاشبہ اللہ کے لیے ہے جو کچھ وہ لیتا ہے اور جو کچھ دیتا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر چیز کا وقت مقرر ہے۔

[ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ]

مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ

افسوس ہے کہ اہل اللہ کے قافلے عالم آخرت کی طرف جارہے ہیں اور دنیا ان کے انوار و برکات سے محروم ہوتی جارہی ہے۔

۱۳ر ذی القعدہ ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۲ر جنوری ۱۹۷۰ء کو حضرت مولانا محمد انوری کا لائل پور (فیصل آباد) میں تقریباً ستر (۷۰) سال کی عمر میں وصال ہوا، مرحوم ہمارے دور کے جید عالم اور صاحب سلسلہ بزرگ تھے، جس سال حضرت شیخ الہندؒ کی مالٹا سے واپسی ہوئی اسی سال مرحوم دورہ حدیث کے لیے دارالعلوم دیوبند حاضر ہوئے، امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب، حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب اور حضرت مولانا محمد احمد خلف الرشید حضرت نانوتوی رحمہم اللہ سے حدیث پڑھی، حضرت

شیخ الہندؒ سے بیعت ہوئے، آپ کے بعد حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت کی اور خلافت واجازت سے مشرف ہوئے، حضرت شاہ صاحب سے خاص شغف وتعلق تھا اس لیے ''انوری'' کہلاتے تھے، بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے، بہت سے لوگ آپ کی تعلیم وتربیت سے مستفیض ہوئے۔

فرحمه الله رحمة واسعة ، اللهم أكرم نزله ووسّع مدخله ، وأبدله دارا خيرا من داره وأهلا خيرا من أهله وتقبل حسناته وارفع درجاته.

صاحبزادہ برادرم مولانا سعید الرحمن اب آپ کے جانشین ہیں، حق تعالیٰ موصوف کو علما وعملا وسیرۃ واخلاقا ان کا جانشین بنائے۔

[محرم الحرام ۱۳۹۰ھ]

مولانا شاہ محمد یعقوب مجددی بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ

بھوپال کی سرزمین تاریخ کے کسی دور میں علماء وصلحاء اور اہل فضل وکمال کا مرکز رہی ہے، حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی کی ہستی انہی ارباب قلوب کی آخری کڑی تھی جن کا فیض اس سرزمین میں جاری وساری تھا اور جن کی صحبت کی برکات سے قلوب معمور ہوتے تھے، تقریبا تیس برس پہلے کی بات ہے کہ راقم الحروف حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کی دعوت پر بھوپال گیا تھا، حضرت سید صاحبؒ کی مہمانی کا شرف نصیب ہوا، اس وقت سید صاحب عہدہ قضا اور تین درس گاہوں کے سرپرست کی حیثیت سے بھوپال میں قیام فرما تھے، سید صاحب نے مجھے لکھا تھا کہ والئ بھوپال کی خواہش ہے کہ یہ سرزمین دوبارہ علمی مرکز بنے، سید صاحب کا اصرار تھا کہ میں بھی ان کی رفاقت اختیار کروں، غرض اس سلسلہ میں پہلی مرتبہ بھوپال جانا ہوا تھا، چونکہ میں سید صاحب کا مہمان تھا اور وہ بے حد شفقت فرماتے تھے، جگہ جگہ مجھے لے جاتے تھے، کبھی وزراء سے ملاتے اور کبھی ارباب علم وفضل سے بات کراتے، ایک دن فرمایا کہ یہاں ایک صاحب دل بزرگ مجددی طریقے کے ہیں، آج ان کے ہاں جائیں گے، چنانچہ سید صاحب کی معیت ورفاقت میں حضرت موصوف کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، سید صاحب نے راقم الحروف کا تعارف کرایا اور خاموش بیٹھ گئے، نحیف ولاغر بدن، کم گو، خاموش طبع اور باوقار شخصیت، نورانی چہرہ، تبسم بلب، تسبیح بدست، یہ تھے مولانا شاہ محمد یعقوب مجددی، یوں ہی سا نقشہ خیال میں ہے، اس مجلس کی اور کوئی بات اب یاد نہیں، عرصہ کے بعد برادر محترم جناب مولانا ابوالحسن علی صاحب زیدت برکاتہم کے قلم سے بعنوان ''ایک دو ساعت با اہل دل'' ماہ نامہ الفرقان وغیرہ میں بعض ملفوظات موصوف کے نظر سے گذرے، یاد آیا کہ یہ وہی بزرگ ہیں جن سے کچھ عرصہ پہلے ملاقات وزیارت کا شرف نصیب ہوا تھا، افسوس کہ موصوف ۱۴ / ربیع الاول ۱۳۹۰ھ پنج شنبہ کی صبح بعمر ۸۷ / سال بھوپال میں داصل بحق ہوئے اور اس طرح ہندوستان کی سرزمین ایک اور صاحب دل

بزرگ سے خالی ہوگئی، إنا لله و إنّا إليه راجعون۔

انتہائی صدمہ ہے، جو جاتا ہے اس کی مسند خالی ہوجاتی ہے، جن کی زیارت سے اللہ تعالیٰ یاد آتا ہے "وخيار عباد الله إذا رؤوا ذكر الله" اللہ تعالیٰ کے بہترین بندے وہ ہیں جن کے دیدار سے اللہ یاد آتا ہے، جن کی صحبت سے دلوں کی اصلاح ہوتی ہے اور جن کے انفاس سے مسیحا نفسی کا کام جاری رہتا ہے، دنیا کے گوشے گوشے سے اللہ تعالیٰ کے ایسے نیک بندوں کے قافلے عالم آخرت کی طرف تیزی سے جارہے ہیں، "يذهب الصالحون الأول فالأول وتبقى حفالة كحفالة التمر" حق تعالیٰ کی رحمتیں ان کی روح اور قبر پر نازل ہوں، رحمت و رضوان اور روح و ریحان کی بشارتوں سے مالا مال ہوں، الفرقان لکھنو کے ذریعہ وفات کا علم ہوا، تفصیلات کے لئے الفرقان بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۹۰ھ دیکھا جائے۔

[رجب ۱۳۹۰ھ، ستمبر ۱۹۷۰ء]

عالم آخرت کے دو مسافر

مولانا سید محمد طلحہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ

رجب المرجب ۱۳۹۰ کے مبارک مہینے کی ۲۳ر تاریخ کو (مطابق ۲۵ر ستمبر ۱۹۷۰ء) جمعہ کے مبارک دن میں دو صالح بزرگ عالم آخرت کے سفر پر روانہ ہوئے: إنّا لله وإنّا إليه راجعون

صبح نو بجے ایک بزرگ اور شام تین بجے دوسرے بزرگ، ایک نماز جمعہ سے پہلے اور دوسرے نماز جمعہ کے بعد، پہلے بزرگ حضرت مولانا سید طلحہ تھے جو حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے چشم و چراغ تھے، کریم النفس، خفیف الروح، خوش طبع، خوش مذاق، عربی علوم کے فاضل روزگار، عقلی و نقلی علوم کے ماہر، ادب و تاریخ کے شہسوار، انگریزی زبان کے گریجویٹ، عربی ادب کے عاشق، اردو ادب کے دلدادہ، متواضع بردبار، باوفا، سراپا اخلاص، مودت شعار، افادہ و استفادہ کے حریص، مجلسی لطائف میں باغ و بہار اور بے تکلف، ان کمالات و خصائل کے باوصف مزاج میں بڑی سادگی اور صاف دلی تھی، دوسروں کے کمالات کے بے حد معترف رہا کرتے، کسی کے ادنیٰ کمال کے اعتراف میں کبھی بخل نہ کرتے، حسد و نفاق سے سینہ صاف تھا، نیک نیتی و خیر خواہی میں اپنی نظیر آپ تھے، تاریخ کی شخصیات کے دانائے راز تھے، ٹونک کے "مدرسہ ناصریہ" میں تعلیم پائی تھی، دو بڑی ممتاز شخصیتوں کے ممتاز شاگرد تھے: ۱۔ حضرت مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی مرحوم ۲۔ حضرت مولانا سیف الرحمن مہاجر افغانی، حضرت امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ رحمۃ اللہ کے شیدائی اور ڈاکٹر اقبال مرحوم کے دوستوں میں تھے، ہمارے محترم گرامی قدر مولانا ابوالحسن علی کے پھوپھا تھے، عرصہ دراز تک لاہور میں اورینٹل کالج پنجاب یونی ورسٹی کے پروفیسر رہے، ایک عرصہ سے کراچی میں مقیم تھے اور مولانا طفیل احمد کے دار التصنیف سے وابستہ ہوگئے

تھے اور انگریزی تراجم سے قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کے انتخاب کی خدمت میں مشغول تھے، حق تعالیٰ کی ہزار ہزار رحمتیں ان پر ان کی قبر پر اور ان کی روح پر ہوں، آمین۔

مولانا عبدالشکور کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ

دوسرے بزرگ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب موضع بہبودی ضلع کیمبل پور علاقہ چھچھ کے رہنے والے تھے، مستند عالم، خوش بیان واعظ، سراپا اخلاص اور مجسم زہد و تقویٰ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے زمانے میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور سے فارغ التحصیل ہوئے، فراغت کے بعد وہیں مدرس ہوئے اور آخر میں وہاں شیخ التفسیر کے عہدے پر فائز ہوئے، تمام زندگی بے سروسامانی میں گذاری جو علماء ربانیین اور علماء آخرت کی بڑی نشانی ہے، عرصہ دراز سے صحت خراب ہوچکی تھی، راول پنڈی میں عرصہ تک علاج جاری رہا، آخر اس فانی دنیا سے اُکتا کر عالم آخرت کا رخ کیا اور پنڈی میں واصل بحق ہوگئے اور اپنے مسکن اصلی بہبودی ضلع کیمبل پور میں اس امانت الٰہی کو سپرد خاک کیا گیا، حق تعالیٰ اپنی رحمت و مغفرت و رضوان سے مالا مال فرمائے، آمین۔

كلّ من عليها فان و يبقى وجه ربك ذوالجلال والإكرام

[رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ، نومبر ۱۹۷۰ء]

مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

الحمد لله الذى له البقاء وكتب على غيره الفناء والصلوة والسلام على خاتم النبيين وسيد الرسل الأنقيا محمد وآله الأصفياء وصحبه الأذكيا مادام تهمى العيون بالبكاء وتسلى القلوب بالعزاء، وبعد:

۲۱ر شعبان ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۲ر اکتوبر ۱۹۷۰ء بروز جمعرات بوقت ساڑھے گیارہ بجے حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری بانی خیر المدارس ملتان اس عالم فانی سے رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئے، انا لله وانا اليه راجعون، بلاشبہ موت و حیات اس عالم کون و فساد کا خاصہ ہے، یہاں جو آیا وہ رہنے کے لئے نہیں بلکہ جانے کے لئے ہی آیا، آنا اور جانا سنت بنی آدم ہے اور "كل نفس ذائقة الموت" حق تعالیٰ کا تکوینی امر ہے جس سے کسی کو بھی مخلص نہیں، یہاں صبر وضبط، تسلیم وانقیاد اور رضا بالقضا کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔

"إنّ لله ما أخذ وله ما أعطى وكل شيئ عنده بأجل مسمى"

تاہم بعض شخصیتیں قافلۂ ہستی کے لئے مینارہ نور ہوتی ہیں، ان کے وجود مسعود سے علم و دانش، زہد و تقویٰ اور یقین و معرفت کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں اور ان کے دم قدم سے علوم نبوت کا وقار قائم رہتا ہے، ان کے جانے کے بعد ایسا خلا پیدا ہو جاتا ہے کہ مستقبل میں ان کے پُر ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، حضرت مولانا

مرحوم کا شمار بھی جامع الکمالات ہستیوں میں تھا، وہ نہ صرف اپنے دور کے جید اور ممتاز عالم تھے بلکہ بڑے عاقل و متین اور مدبر و منتظم تھے، علم و وقار کا مجسمہ اور خدا ترسی وللّٰہیت کا بہترین نمونہ تھے، ان کی موت عقل و دانش، حلم و وقار، تدبر و انتظام اور مکارم اخلاق کی موت ہے، ان کے وجود سے علم اور علماء کا وقار قائم تھا، خانقاہ کی عظمت باقی تھی، ارشاد و تلقین کی شمعیں روشن تھیں اور اصلاح و تربیت کی محفلیں آباد و بارونق تھیں، پاکستان کے مرکزی اور تاریخی شہر ملتان میں ان کا مدرسہ خیر المدارس اسم با مسمّٰی تھا، جہاں تعلیم وتدریس کے ساتھ تزکیہ نفوس، اصلاح اخلاق اور تربیت قلوب کی طرف بھی توجہ تھی، صورت کے ساتھ روح بھی تھی، صفائی معاملات میں خصوصی امتیاز تھا، یوں حضرت مرحوم کی شخصیت تھانہ بھون اور دیوبند سے تعلق کی وجہ سے شہرۂ آفاق تھی، آپ حضرت حکیم الامت (قدس اللہ سرہ) کے خلیفہ مجاز اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین تھے لیکن حضرت مرحوم کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقعہ اس وقت ملا جب کہ دینی درس گاہوں کی تنظیم ”وفاق المدارس“ کی بنیاد پڑی اور وفاق المدارس کے اجتماعات میں ان سے مصاحبت وہم نشینی کے مواقع میسر آئے، انہیں جذبات سے بالاتر اور طیش وغضب سے پاک دیکھا، ان کے رگ و ریشہ میں عقل و دانش اور حلم و تدبر کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، خفیف الجسم اور لطیف الروح تھے، بڑی قابل قدر ہستی تھی، حق تعالیٰ ان کو عفو ومغفرت اور رحمت و رضوان کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز فرمائے، صاحبزادگان گرامی مولانا حافظ رشید احمد، مولانا حافظ محمد شریف اور مولانا حافظ عبد الحق کو حضرت مرحوم کا صحیح جانشین بنائے اور ان کے آثار باقیہ کو قائم و دائم رکھے۔

ایک حدیث میں ہے:

> ”یذهب الصالحون الأول فالأول و یبقی حفالة کحفالة الشعیر أو التمر لا یبالیهم الله بالة“. [بخاری، کتاب الرقاق، باب ذهاب الصالحین]

نیک لوگ یکے بعد دیگرے اٹھتے جائیں گے اور (انسانیت کی) تلچھٹ پیچھے رہ جائے گی جیسا کہ ردی جو اور کھجور رہ جاتے ہیں، حق تعالیٰ ان کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے:

> ”إنّ الله تعالیٰ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعه من قلوب العباد ولکن یقبضه بقبض العلماء حتی إذا لم یبق عالما اتخذ الناس رؤوسا جهالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا و أضلوا“. [مشکوة، کتاب العلم]

بے شک اللہ تعالیٰ اس علم کو اس طرح قبض نہیں کرے گا کہ بندوں کے سینوں سے چھین لے بلکہ قبض علم کی صورت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ علماء کو اٹھاتا رہے گا، یہاں تک کہ جب ایک عالم بھی باقی نہیں چھوڑے گا تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے، ان سے سوالات ہوں گے وہ بغیر جانے بوجھے فتوے دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے

اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بقائے انسانیت کا مدار دو چیزوں پر ہے علم صحیح اور عمل صالح۔ یہ دونوں چیزیں انسانیت کے بنیادی جوہر ہیں اور ان دونوں کی موت درحقیقت انسانیت کی موت ہے، جو حضرات علم وعمل کے جامع اور انسانیت کے اعلیٰ نمونہ ہیں اُن کے بتدریج اٹھتے چلے جانے سے یہ دونوں چیزیں اُٹھتی جارہی ہیں اور انسانیت بتدریج دم توڑ رہی ہے، کسی زمانے میں کافروں سے جو اخلاقی نمونے دیکھنے میں آتے تھے، اب وہ مسلمانوں میں بھی بمشکل نظر آتے ہیں، نصف صدی پہلے کے فاسق وفاجر جس بلندی کردار کا مظاہرہ کرتے تھے وہ آج کے بہت سے صالحین میں مفقود ہے اور کچھ عرصہ پہلے کے اُمی اور جاہل خداترسی ودین شعاری کا جو نمونہ پیش کرتے تھے وہ آج کے اہل علم ودانش کے یہاں عنقا ہے جس طرح انسانوں کی جسمانی صحت نسلاً بعد نسل کمزور ہوتی جارہی ہے اسی طرح اخلاقی صحت بھی دن بدن روبزوال ہے، آج کل عام طور پر انسان انسان نہیں، انسانیت کی چلتی پھرتی لاشیں ہیں جو حیات مستعار کا بار کندھوں پر اٹھاتے پھر رہی ہیں اور فضائے بسیط کو اپنے تعفن سے مسموم کررہی ہے:

نیستند آدم خلاف آدم اند
ایں بہائم در غلاف آدم اند

اجل مسمی (موت) کا ہاتھ انسانیت کے دسترخوان سے قیمتی دانوں کو بتدریج اٹھاتا جارہا ہے اور اب انسانیت کے ڈھیر میں خال خال حضرات ایسے نظر آتے ہیں جو انسانیت کے اخلاقی جوہر کے امین ہوں، جن کے سیرت وکردار کو دیکھ کر انسانی سیرت کی نوک پلک درست کی جائے۔

ان اکابر کے سانحۂ ارتحال کا ایک المناک پہلو یہ ہے کہ امت ان فیوض وبرکات سے محروم ہوجاتی ہے جن کا تعلق ان کی ذات سے ہوتا ہے، ان کی دعائے نیم شبی، بارگاہ خداوندی میں ان کی گریہ وزاری پوری امت کے لئے ان کا سراپا سوز وگداز، اصلاح امت کی فکر اور لگن یہ چیزیں ان کی ذات ہی کے ساتھ رخصت ہوجاتی ہیں اور امت کے لئے اس نقصان کی کوئی تلافی ناممکن ہوجاتی ہے۔

علاوہ ازیں ہر بزرگ کے ساتھ تعلق مع اللہ کی ایک نسبت قائم ہوتی ہے جو امت میں قبول حق کی ایک خاص استعداد پیدا کرتی ہے، اس نسبت کے ختم ہوجانے کے بعد قبول حق کی استعداد کا رنگ وہ نہیں رہتا ہے جو پہلے تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی صحبت ومعیت کی وجہ سے ایمان ویقین کا جو نقشہ تھا، نزول وحی کے مشاہدہ سے جو کیفیت حاصل ہوتی تھی، جبرئیل علیہ السلام کی آمد سے جو ملکوتی اثرات قلوب پر نازل ہوتے تھے اور اس کی وجہ سے تعلق مع اللہ کی جو نسبت قائم ہوتی تھی، دور نبوت کے بعد اسے آخر کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے، اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"وما نفضنا أيدينا من التراب إلّا أنكرنا قلوبنا"

[ترمذی، أبواب المناقب، باب ماجاء فی فضل النبی ﷺ]

ہم ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے فارغ بھی نہ ہو پائے تھے کہ ہمارے قلوب کی وہ کیفیت باقی نہ رہی۔

غروب آفتاب کے بعد آپ روشنی کے ہزاروں وسائل جمع کرلیں، مگر وہ روشنی اور حرارت جو وجود آفتاب سے حاصل ہوتی ہے کسی طرح حاصل نہیں ہوسکتی، اسی طرح خلافت راشدہ کے چاروں ادوار میں نسبت مع اللہ کا رنگ بدلتا رہا، دور صدیقی کی برکات کبھی واپس نہ آسکیں، نہ دور فاروقی کی نسبت کو واپس لیا جاسکا۔

فرض کیجئے ایک مکان میں بے شمار قمقمے روشن ہیں، جو اپنی تابانی اور ضیا پاشی میں مختلف ہیں، اگر ان کو یکے بعد دیگرے گل کردیا جائے تو تدریجا روشنی مدھم ہوتے ہوتے یکسر ختم ہوجائے گی اور پورے ماحول پر تاریکی کے مہیب سائے منڈلانے لگیں گے، اسی طرح اہل اللہ کا وجود اس کائنات کے لئے رشد وہدایت کی قندیل ہے، جوں جوں اہل اللہ اس عالم سے روپوش ہوتے جارہے ہیں ہدایت کا نور مدھم پڑتا جارہا ہے اور آہستہ آہستہ یہ کائنات کفر وضلالت کی تاریکیوں کی لپیٹ میں آتی جارہی ہے اور قلوب سے نور یقین مٹتا جارہا ہے اور جب رشد وہدایت کی ایک بھی شمع باقی نہیں رہے گی اور ہر چہار جانب سے تاریکی چھا جائے گی تو اس عالم کی بساط کو لپیٹ دیا جائے گا، ارشاد نبوی ہے:

"لا تقوم الساعة حتى لا يقال فی الأرض الله! الله! [مسلم، کتاب الإیمان]

"لا تقوم الساعة إلا على شرار الخلق" [مسلم، کتاب الإمارة]

قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک زمین میں اللہ اللہ کہا جاتا ہے، قیامت اس وقت قائم ہوگی جب کہ صرف شریر لوگ باقی رہ جائیں گے۔

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے مقصود صرف یاس اور حسرت کے آنسو بہانا نہیں بلکہ اس بات کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ جتنے باخدا بزرگ موجود ہیں ان کے وجود کو غنیمت سمجھ کر زیادہ سے زیادہ استفادہ کی کوشش کی جائے، افسوس ہے کہ دنیا میں فتنوں پر فتنے بڑھتے جارہے ہیں اور جن حضرات کا وجود ان فتنوں کے لئے سد راہ تھا وہ بتدریج اٹھتے جارہے ہیں۔

حق تعالی کے مقبول بندوں کو مرنے کا غم نہیں، وہ تو مرنے کی خوشی میں جیتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"تحفة المؤمن الموت" [مشکوة، کتاب الجنائز]

مؤمن کا تحفہ موت ہے۔

ان کی زندگی کا ایک ایک دن موت کے انتظار میں کٹتا ہے، موت کا دن ان کے لئے فرح وانبساط اور خوشی اور مسرت کا دن ہوتا ہے، ان کے نزدیک موت ہی وہ پُل ہے جسے عبور کر کے وہ اپنے محبوب حقیقی تک پہنچ سکتے ہیں، وہ اسی مقصد کے لئے جیتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"الكيّس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والعاجز من أتبع نفسه هواها و تمنى على الله الأماني" [مشكوة، كتاب الرقاق]

دانا وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کی زندگی کے لئے تیاری کرے اور احمق وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے دوڑائے اور اللہ پر جھوٹی آرزوئیں باندھے۔

و صلى الله على صفوة البر ية سيد الكائنات وخاتم النبيين محمد و آله و أصحابه أجمعين.

[شوال المکرم ۱۳۹۰ھ، دسمبر ۱۹۷۰ء]

مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

۲۴ رصفر ۱۳۹۱ھ ۲۱ راپریل ۱۹۷۱ء بروز بدھ علمی و دینی دنیا کو ایک عظیم سانحہ پیش آیا، اس دن ظہر کے بعد چار بجے فون پر اطلاع ملی کہ حضرت مولانا محمد علی جالندھری ۲ بج کر بیس منٹ پر ملتان میں واصل بحق ہوگئے: إنّا لله و إنّا إليه راجعون.

حضرت مولانا جالندھری مرحوم دور حاضر کے علماء دین میں بڑی خوبیوں کے آدمی تھے، عالم، عاقل، مدبر، ذکی، مجاہد، جفاکش، متواضع، باوقار اور انتھک جد وجہد کرنے والے انسان تھے، ان تمام علمی و دینی کمالات کے ساتھ نہایت منکسر المزاج اور خاموش طبع بلکہ بے مثل مقرر اور پر جوش خطیب تھے، جب کسی جلسہ گاہ کے اسٹیج پر تقریر شروع کرتے تو معلوم ہوتا کہ خاموش سمندر کی موجوں میں یکا یک بلا کا تلاطم شروع ہوگیا، تقریر نہایت مدلل و مؤثر ہوتی، موضوع سے باہر کبھی نہ جاتے، مخاطبین وسامعین کو سمجھانے کی فوق العادۃ قوت حق تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی، ٹھوس علمی مسائل کی تشریح اور مثالوں سے ذہن نشین کرانے میں اپنے عصر میں بے نظیر تھے، اسلام کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت کے جانثار، ردّ قادیانیت کے امام اور رفض و تشیع اور بدعت والحاد کی تردید میں یکتا تھے، چار چار گھنٹے بے تکان بولتے تھے اور عوام وخواص میں یکساں مقبول تھے۔

مرحوم نے نصف صدی سے زیادہ بیش بہا دینی، علمی اور سیاسی خدمات انجام دیں، عرصہ دراز تک امام الخطباء حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے رفیق کار رہے اور اس سے پہلے عرصہ تک حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے خیر المدارس میں دست راست رہے، ملتان میں مرکزی دفتر ختم نبوت کی ایک لاکھ کی

شاندار عمارت یادگار چھوڑی جو دعوت و ارشاد کا مرکز اور مبلغین ختم نبوت کی تربیت گاہ ہے، اس کے علاوہ مغربی پاکستان میں ختم نبوت کے مراکز قائم کئے اور ان میں دفتر، ٹیلیفون اور مبلغین کا انتظام کیا۔

مولانا مرحوم دار العلوم دیوبند کے مایہ ناز فارغ التحصیل امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہؒ کے شاگرد تھے اور حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ سے بیعت کا شرف حاصل کیا تھا، یاد پڑتا ہے کہ تیس سال قبل لاہور کی ایک کانفرنس میں جو جناب محمود خاں لغاری کی کوشش سے ہو رہی تھی مولانا مرحوم کی تقریر پہلی بار سنی اور وہیں حضرت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر سنی تھی، پاکستان بننے کے بعد مختلف مجالس میں اور مجلس ختم نبوت کی شوریٰ کے متعدد اجتماعات میں انہیں نہایت قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا، بلا شبہ ان کی وفات موجودہ وقت میں جبکہ سر پر قادیانیت والحاد کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں امت اسلامیہ اور مسلمانان پاکستان کے لئے بڑا دردناک سانحہ ہے:

مصائب شتى جمعت فى مصيبة
ولم يكفها حتى قفتها مصائب

آپ کی موت کے حادثہ میں کئی مصیبتیں جمع ہو گئیں ہیں اور اس کے بعد تو گویا لگاتار مصائب پر مصائب شروع ہو گئے۔

حق تعالیٰ کی مشیت ہر چیز پر غالب ہے علمی و دینی دور ختم ہوتا جا رہا ہے اور جہل و بے دینی کا دور بڑی سرعت سے آ رہا ہے، فإلى الله المشتكى، حق تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت و رضوان کے اعلیٰ مقام پر فائز فرما کر جنت الفردوس نصیب فرمائے، ان کی تمام زلات وسیئات معاف فرمائے اور جدید نسل اور ان کے اخلاف کو ان کی جانشینی کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

[ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ]

مولانا خدا بخش ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

ماہ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ میں جناب مولانا خدا بخش صاحب ملتانی واصل بحق ہوئے، إنّا لله و إنّا إليه راجعون، مرحوم حق گو، مخلص عالم تھے، سادہ لباس، سادہ مزاج لیکن پختہ دماغ پختہ علم تھے، مہمان نواز، عمدہ مقرر، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے عشاق و عقیدت مندوں میں تھے، حق تعالیٰ مرحوم کو درجات عالیہ سے جنت الفردوس سے سرفراز فرمائے۔

مولانا سید محمود احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

اسی ماہ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ میں جناب مولانا سید محمود احمد صاحب مدنی کا وصال ہوا جو قافلہ ٹھیک ۷۵ ر سال قبل فیض آباد ہندوستان سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے پہنچا تھا حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب رحمہ اللہ کے والدین اور بھائی، اس کاروان کا یہ آخری مسافر تھا جو آخرت کے سفر پر روانہ ہوا، عقل وتدبر، متانت ووقار وسنجیدگی میں بے نظیر تھے، حسن اخلاق وکرم نفس وتواضع کا کمال مرحوم کو وراثت میں ملا تھا، جس طرح حضرت مدنی رحمہ اللہ اخلاق ومجاہدات میں، علم وفضل میں، میدان سیاست کی شہسواری میں ممتاز تھے اور جس طرح حضرت مولانا مدنی کے بڑے بھائی حضرت سید احمد بانی "المدرسة الشرعية ليتامى بلدة خير البرية" اپنی باطنی نسبت وبزرگی میں اور توجہ قلبی میں ممتاز تھے، اسی طرح ان دونوں کے یہ برادر خورد مولانا سید محمود احمد صاحب اپنی ذہانت وانتظامی معاملات، حسن سلیقہ وتواضع میں ممتاز تھے، مرحوم عالم تھے، ادیب تھے اور عربی کے شاعر بھی تھے، تحصیل علوم مدینہ طیبہ میں کی تھی، ۸ ر سال کی عمر میں مدینہ پہنچے تھے، ۷۵ ر سال قیام کے بعد بعمر ۸۳ ر سال واصل بحق ہوئے، مرحوم کے جانشین و یادگار جناب مولانا سید حبیب احمد صاحب ہیں جو اپنے والد محترم کے کمالات کے صحیح وارث ہیں اور مدینہ طیبہ کے نائب امیر ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالی مرحوم کو اپنی مغفرت ورحمت ورضوان میں آسودگی نصیب فرمائے، آمین۔

[جمادی الاولی ۱۳۹۱ھ]

مولانا محمد عثمان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

گذشتہ ماہ یکم جمادی الاخری ۱۳۹۱ھ ۲۵ ر جولائی ۱۹۷۱ء کو ہمارے ایک محب ومحبوب، جوان صالح، سراپا اخلاص عالم، برادر مولانا محمد عثمان صاحب ہزاروی کا حادثہ وفات پیش آیا، مرحوم دار العلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے شرف بیعت بھی حاصل کیا، اس طرح علم وعرفان کی دونوں نسبتیں حضرت مدنی سے نصیب ہوئیں، حضرت مدنی کے کسی خلیفہ مجاز سے شرف اجازت بھی حاصل ہوا، اسی زمانہ میں کراچی آئے، ان دنوں ہمارے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کا ابتدائی دور تھا، تربیت وتکمیل کا درجہ کھولا تھا، فارغ التحصیل حضرات کو حجۃ اللہ البالغہ، مقدمہ ابن خلدون، اتقان اور علوم قرآنی کی مشکلات کا درس دیا جاتا تھا، علاوہ ازیں فقہ مذاہب اربعہ کی تحقیق، ابن رشد کی بدایۃ المجتہد کا مطالعہ، تاریخ ادب عربی، ادب کی کتابت وخطابت کی تمرین وغیرہ مضامین تھے، مرحوم نے باقاعدہ طور پر یہ مرحلہ بھی طے کیا، کچھ عرصہ بعد مدرسہ فرقانیہ راولپنڈی کے صدر مدرس وشیخ الحدیث اور ایک جامع مسجد کے خطیب ہوئے اور چند دن بعد اسلام آباد میں مدارس تعلیم القرآن جو برادر محترم اختر حسن صاحب (وزارت داخلہ کے سیکشن افسر) کی جد وجہد سے وجود میں آئے تھے، ان کی نگرانی

واہتمام کے فرائض بلا معاوضہ انجام دینے لگے، مزاج میں سادگی، تواضع، مسکنت، اصلاح وتقویٰ اور اخلاص کوٹ کوٹ کر بھر دیئے گئے تھے، طبیعت کا معصومانہ انداز، بھولے پن کے ساتھ وقار اور غناءِ قلبی قابل رشک تھا، کراچی کی حاضری کا سالانہ معمول تھا، افسوس ہے کہ عصر حاضر کے علماء اور خصوصاً نوجوان اہل علم میں یہ خصوصیت بہت کم نظر آتی ہیں، کسی عربی شاعر نے ٹھیک کہا ہے:

الموت نقاد علی کفه
جواهر یختار منها النقاد

موت کی مثال اس جوہری کی ہے جس کے ہاتھ میں جواہرات ہوں جو عمدہ ہو اس کو چن لیتا ہے۔

برادر مرحوم سے ان کے خصائص واخلاص کی وجہ سے کچھ قلبی ربط ایسا پیدا ہو گیا تھا کہ ہر وقت وہ سامنے رہتے تھے اور اب بھی اکثر ان کی یاد قائم رہتی ہے بلکہ ستاتی ہے۔

اے ہم نفسان محفل ما
رفتید ولے نہ از دل ما

حق تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرما کر رحمت ورضوان کے اعلیٰ مقامات نصیب فرمائے، آمین۔

شیخ محمد نصیف رحمۃ اللہ علیہ

اوائل رجب ۱۳۹۱ھ میں سرزمین حجاز کے ایک ممتاز ووجیہ عالم اور عربی النسل رئیس الشیخ محمد نصیف کا جدہ میں انتقال ہوا، مرحوم جدہ کے قدیم ترین باشندے تھے، ان کے آباؤ اجداد عہد عثمانی میں بہت معزز تھے، حبشہ سے جو سیاہ فام مخنث غلام درآمد کئے جاتے تھے اور عہد عثمانی میں حرم سرا کی خدمت یا حرمین شریفین کی خدمات کے لئے جن کو منتخب کیا جاتا تھا جنہیں خواجہ سرا یا عامی عربی میں اغوات (آغا کی جمع) کہا جاتا ہے ان کی دینی تعلیم و تربیت اور آداب خدمت آموزی کا فریضہ اسی خاندان کے سپرد تھا، اسی وجہ سے سلاطین آل عثمان کے ہاں ان کے اسلاف کی بڑی عزت تھی، سعودی حکومت کے پہلے فرمانروا ملک عبدالعزیز مرحوم کے بھی ان سے برادرانہ تعلقات تھے، جدہ میں جب تک سرکاری عمارات نہیں بنی تھیں شاہ عبدالعزیز مرحوم انہی کے مہمان ہوتے تھے، شاہ سعود بن عبدالعزیز سے بھی یہی تعلق رہا اور حجاز ونجد کے موجودہ حکمران شاہ فیصل سے بھی خوشگوار تعلقات تھے۔

مرحوم انتہائی کریم النفس اور با اخلاق عالم تھے، جود وسخا کا پیکر، متانت ورزانت کا مجسمہ، دراز قامت، خوب رو، دوہرا بدن، باوقار شخصیت، جاذب نظر صورت، شگفتہ مزاج، خوش اخلاق اور خوش پوش۔

ایک عظیم الشان کتب خانے کے مالک تھے جس میں سولہ ہزار کتابیں جمع تھیں، قلمی نوادرات کا بھی بڑا ذخیرہ تھا، مطالعہ سے عشق اور کتابوں کی عمدہ سے عمدہ جلد بندی کا خصوصی ذوق تھا، مراکش سے انڈونیشیا تک کے

اہل علم سے روابط وتعلقات تھے، موسم حج میں ان کا دولت خانہ اہل علم کا مہمان خانہ بن جاتا تھا۔

اصل سے شافعی المذہب تھے لیکن حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سبھی قسم کے اساتذہ سے اکتساب فیض کیا تھا اس لئے مذہبی تعصب سے بالاتر تھے، حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کے شیدائی تھے، آخر میں سلفی مسلک کے ہوگئے تھے، علم وعقل اور وجاہت وریاست کے باوجود شان وتکبر سے دور تھے اور مزاج میں انتہائی شگفتگی تھی، ہر قوم کے لطائف سنایا کرتے تھے، انہیں دیکھ کر عرب علماء اور عرب اسخیاء کی یاد تازہ ہوتی تھی، عمر اسی (۸۰) سے متجاوز تھی، مرحوم سے میرے روابط ۱۳۵۶ھ سے تھے، افسوس کہ تقریباً پینتیس سالہ ربط چشم زدن میں ختم ہوا۔

آنکھوں کے آپریشن کے لئے لندن گئے تھے مگر آپریشن نہیں کرایا، دو ہفتہ بعد واپس لوٹ آئے، آتے ہوئے چند دن لبنان میں قیام رہا، جدہ واپس ہو کر ایک ہفتہ بعد داعی اجل کو لبیک کہا اور واصل بحق ہو گئے، شاہ فیصل کے حکم سے ولی عہد نے جنازہ میں شرکت کی، حق تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت ومغفرت سے سرفراز فرمائے اور درجات عالیہ سے نوازے، معلوم ہوا ہے کہ مرحوم کی وصیت کے مطابق ان کا عظیم الشان کتب خانہ جدہ کی جامعۃ عبدالعزیز الاہلیہ میں منتقل ہوا ہے اور ان کا ذاتی مکان ''بیت نصیف'' شاہ فیصل خریدنا چاہتے ہیں، ایک محترم نے جو مرحوم کے رشتہ دار ہیں لکھا ہے کہ شاید دے دیا جائے گا۔

[شعبان المعظم ۱۳۹۱ھ، اکتوبر ۱۹۷۱ء]

مولانا محمد رسول خاں ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

ماہ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ میں حضرت مولانا محمد رسول خاں صاحب کی وفات سے درس وتدریس کی ایسی جامع ترین شخصیت کی جگہ خالی ہوگئی کہ آئندہ صدیوں میں بھی اس کے پُر ہونے کی توقع نہیں، مرحوم معمر ترین بزرگ اور استاذ الکل عالم تھے جن کی زندگی کے تقریباً اسی (۸۰) برس تعلیم وتدریس میں گذرے جن میں پورے بیس سال تو دارالعلوم دیوبند کا عہد تدریس ہے، دارالعلوم دیوبند سے فراغت تحصیل علم کے بعد مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ میں مدرس ہوئے، چند سالوں کے بعد دارالعلوم دیوبند کے اکابر وارباب اہتمام کی خواہش پر دارالعلوم ہی میں امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہؒ اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحبؒ اور حضرت مولانا حافظ احمد صاحبؒ وغیرہ اکابر واساتذہ سب شریک ہوئے، موصوف نے معرکہ کا درس دیا اور دارالعلوم میں ان کی شخصیت کی دھاک بیٹھ گئی، مرحوم کو حدیث میں حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن رحمہ اللہ سے شرف تلمذ حاصل تھا اور معقولات کی آخری کتابیں اپنے ہم وطن حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی سے پڑھی تھیں اور انہی کتابوں میں وہ اپنے استاذ کے صحیح جانشین ہوئے، دارالعلوم کے آخری علمی دور میں اصول فقہ

معقول وفلسفہ کی انتہائی کتابیں قاضی مبارک، حمد اللہ، توضیح وتلویح، مسلم الثبوت، صدرا، شمس بازغہ جن دو بزرگوں کے درمیان دائر وسائر تھیں اور وہ بہ سبیل تناوب انھیں پڑھایا کرتے، ان میں ایک حضرت مرحوم تھے اور دوسری شخصیت حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی تھی جو ان علوم وفنون کے امام تھے، آخری چار کتابوں میں دونوں بزرگوں سے راقم الحروف کو شرف تلمذ حاصل ہے، مرحوم درسیات کے محقق عالم تھے، معقول ومنقول دونوں کے بہترین مدرس تھے، حسن تعبیر پر بڑی قدرت حاصل تھی لیکن تعبیرات معقولی طرز کی ہوتی تھیں، بات نہایت منقح فرمایا کرتے تھے، خوب صورت، خوش پوش، خوش لقاء، متواضع باوقار بزرگ تھے. آخر تک تمام خصوصیات قائم رہیں، تقریبا چالیس سال کا عرصہ لاہور میں گذارا، چند سال اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ علوم مشرقی میں ''مولوی فاضل'' کی کتابیں پڑھائیں، آخر میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں قیام رہا، دور حاضر میں کوئی عالم ایسا نہیں ہوگا جو بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ کا شاگرد نہ ہو، ضلع ہزارہ کی تحصیل ''بفہ'' میں ایک گاؤں کے باشندے تھے جس کا نام اچھڑیاں ہے، حضرت مولانا غلام رسول صاحب بھی اسی علاقہ بفہ کے باشندے تھے جو معقولات میں آپ کے استاذ تھے، ویسے تو سب ہی جانے کے لئے آتے ہیں لیکن صدمہ اس کا ہے کہ آئندہ جو دور آ رہا ہے اس میں ایسی باکمال شخصیتوں کے کمالات کا ادراک بھی نہیں ہو سکے گا، آپ کی وفات سے ہندو پاک کی ایک صدی کی علمی تاریخ کی بساط الٹ گئی، آپ کی رحلت علم وتقویٰ، درس وتدریس، حسن ادا، تواضع ووقار، سنجیدگی ومتانت وغیرہ کمالات کی رحلت ہے إنّا لله و إنّا إليه راجعون، حق تعالیٰ حضرت استاذ مرحوم کو جنت الفردوس میں درجات عالیہ نصیب فرمائے، آمین۔

اللهم اغفرله وارحمه وارض عنه وعامله معاملة الأبرار والصالحين من
عبادك الأخيار بفضلك وكرمك يا عزيز يا غفار آمين يا رب العلمين.

مولانا حکیم سید عبدالجبار حیدر آبادی رحمۃ اللہ علیہ

اسی ماہ رمضان المبارک کی پندرہویں تاریخ کو ہمارے دوست ومخلص طبیب صالح ومتواضع باخدا ہستی مولانا سید عبدالجبار صاحب حیدر آبادی کا انتقال ہوا، مرحوم سراپا شفقت وتواضع تھے، علماء وطلبہ کو مفت دوائیں دیا کرتے تھے اور مفت علاج فرمایا کرتے تھے، ریڈیو پر ان کا درس قرآن اور مضامین ومقالات سب ہی عوام سے قبولیت کا خراج تحسین حاصل کر چکے تھے، بعارضہ قلب وفات ہوئی، حق تعالیٰ مرحوم کے اخلاص وپاکیزہ زندگی کا اجر عظیم عطا فرمائے اور مغفرت ورحمت ورضوان سے سرفراز فرمائے، آمین۔

مولانا عرض محمد بلوچستانی رحمۃ اللہ علیہ

اسی ماہ رمضان المبارک میں ہمارے دوست بلوچستان کے مجاہد عالم اور مصلح اور مخلص حق گو، جری رہنما، مدرسہ مطلع العلوم کوئٹہ کے بانی اور مہتمم حضرت مولانا عرض محمد صاحب ریلوے لائن پر تصادم سے شہید ہوئے، انا للہ۔ عرصہ سے بیمار تھے، ضیق النفس وغیرہ امراض کے شکار تھے، موسم سرما گذارنے کے لئے سبی آئے تھے، صبح ہوا خوری کی غرض سے باہر گئے، کچھ دماغی دورہ سا پڑا، احساس نہ ہوسکا، ریلوے لائن عبور کر رہے تھے کہ ایک انجن نے آکر ان کو شہید کردیا اور جان آفرین کو اپنی جان عزیز سپرد کر کے واصل بحق ہوگئے اور اس طرح یہ دردناک واقعہ شہادت پیش آیا جو مرحوم کے لئے علو درجات کا انشاء اللہ تعالیٰ بہترین وسیلہ ہوگا۔

رضی اللہ عنه و أرضاه جعل الجنة متقلبه و مثواه آمین

مولانا محمد خلیل انگوی رحمۃ اللہ علیہ

ماہ شعبان ۱۳۹۱ھ کے آخری عشرہ میں ۱۲/ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو مولانا محمد خلیل صاحب انگوی کا انتقال ہوا، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے حضرت الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہؒ کی وفات کے بعد سند فراغت حاصل کی تھی اور حضرت الاستاذ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے شرف تلمذ حاصل تھا، خانقاہ موسیٰ زئی شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان سے روحانی بیعت کا تعلق قائم تھا، مظہر العلوم کھڈہ کراچی، وزیر آباد (پنجاب)، سجاول (سندھ)، جامعہ قادریہ رحیم یار خاں (بہاولپور) جامعہ محمدیہ (جھنگ) کی مختلف علمی درس گاہوں میں تیس سال سے زیادہ عرصہ تک مختلف علوم دینیہ کی خدمت تدریس انجام دی، فرق باطلہ کی تردید خصوصاً مرزائیت وقادیانیت کی تردید میں شمشیر بے نیام تھے، مختلف امراض میں آخر عمر میں گرفتار ہوگئے، نشتر ہسپتال ملتان میں زیر علاج تھے، یہیں انتقال ہوا، مرحوم ایک سنجیدہ با اخلاق، خاموش و باوقار عالم، خوب صورت، خوش سیرت انسان تھے، اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت اور رحمت و رضوان سے سرفراز فرمائے، آمین۔

حریفان بادہ ہا خوردند و رفتند
تہی خم خانہا کردند و رفتند

کل من علیها فان و یبقی وجه ربك ذو الجلال و الإكرام

[شوال ۱۳۹۱ھ، دسمبر ۱۹۷۱ء]

مولانا حافظ حکیم عبدالمجید لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ

گزشتہ ماہ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ کی ۲۶ر اور فروری ۷۲ء کی ۱۲ر تاریخ کو پاکستان ایک عالم ربانی سے محروم ہوا، مولانا حافظ حکیم عبدالمجید صاحب لائل پوری نابینا کی وفات ہوئی، إنا لله وإنا إليه راجعون، مرحوم نے باوجود بصارت کے نہ ہونے کے نہایت التزام کے ساتھ تمام درس نظامی کی کتابوں سے فراغت پائی اور ہمیشہ اپنے حلقہ درس میں ممتاز رہے اور اکثر اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوتے رہے، حق تعالیٰ نے بصارت کی نعمت کی جگہ تمام علوم اسلامیہ عربیہ میں بصیرت عطا فرمائی تھی، علوم اسلامیہ کے فاضل تھے، انگریزی کے گریجویٹ تھے، حاذق طبیب تھے، عمدہ خطیب اور کامیاب مناظر تھے، رد قادیانیت میں ممتاز تھے، علم وعلماء اور علمی کتابوں کے محب صادق تھے، سنجیدہ باوقار، قدیم وجدید کے مجمع البحرین تھے، ان سب کمالات کے ساتھ اخلاص کی نعمت سے سرفراز تھے، الغرض بڑی خوبیوں کے مالک تھے، بینائی کی معذوری کی وجہ سے طالب علمی میں ایک معاون رفیق طالب علم کو ساتھ رکھتے تھے اور اس کے مصارف بھی برداشت کرتے تھے، ابتدائی کتابیں غالباً اپنے وطن میں پڑھیں، پھر دیوبند پہنچے اور دارالعلوم کے فیض سے سیراب ہوئے، ادب کی ایک کتاب میں ۴۷ر سال قبل میرے ہم درس بھی رہے اور اتفاق سے اس کتاب کے ایک امتحان میں ۱۰۵ر طلبہ میں ہم دونوں ممتاز ترین نمبروں سے ایک درجہ میں کامیاب ہوئے اور پورے نمبروں سے ۵ر نمبر زائد ملے، یہ وہ دور تھا کہ ایک سال بعد امام العصر حضرت مولانا انور شاہ رحمہ اللہ دارالعلوم کے عہدہ صدارت سے مستعفی ہوگئے تھے اور ڈابھیل ضلع سورت میں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین قائم ہوا اور وہاں تشریف لے گئے تھے، مجھ سے ایک سال بعد حضرت امام العصر رحمہ اللہ کی خدمت میں درس صحیح بخاری شریف کا فیض حاصل کیا اور حدیث کی بقیہ کتابیں وہیں ڈابھیل میں پڑھیں، ان کے مفاخر کا ایک قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ حضرت شیخ امام العصر رحمہ اللہ کے درس میں یہ طریقہ تھا (اور عام طور سے عربی مدارس میں یہی طریقہ ہے) کہ جو شخص پہلے بسم اللہ پڑھے گا وہی استاذ کے سامنے اس دن پڑھے گا، ایک دن حافظ صاحب نے بسم اللہ کی، حضرت شیخ یہ سمجھے کہ شاید کسی اور کے لئے باری حاصل کرنے کے لئے یہ سبقت کی ہوگی، مگر جب پڑھنے کا وقت آیا تو حفظ سے عبارت پڑھنا شروع کی اور کہا "حدّثنا" حضرت شیخ نے نہایت مسرور ہوکر فوراً فرمایا "مرحبا" اس روز غالباً صحیح بخاری کی کتاب العلم شروع تھی اور حسب معمول روزانہ درس بخاری شریف کا ورق ڈیڑھ ورق سبق ہوتا تھا، حافظ صاحب مرحوم نے بغیر کسی جھجک کے اس دن کے سبق کی پوری عبارت پڑھی، گویا کتاب سامنے رکھ کر پڑھ رہے ہیں، نہ حافظ صاحب مرحوم سے کسی ایک لفظ میں غلطی ہوئی، نہ سبق اس مقام تک پہنچ سکا جہاں تک حافظ صاحب نے رات کو یاد نہ کیا ہو، آج تک یہ معمہ حل نہ ہوسکا کہ حافظ صاحب نے اس ایک رات میں کتنا حصہ صحیح بخاری شریف کا یاد کیا تھا، ان کے "حدّثنا" اور حضرت شیخ کی "مرحبا" کی

آواز اب تک میرے کانوں میں گویا گونج رہی ہے، اس سال میں حضرت شیخ کے ساتھ سفر کشمیر سے واپسی پر دوبارہ ڈابھیل پہنچا تھا اور کتاب الایمان اور کتاب العلم صحیح بخاری کا درسِ شیخ سنا اور پھر وطن چلا آیا تھا۔

عام طور سے جن حضرات کو بصارت سے محرومی ہوتی ہے حق تعالیٰ ان کو قوت حافظہ اور بصیرت زیادہ عطا فرما دیتا ہے، حافظ صاحب مرحوم کو قوت حفظ اور قلبی بصیرت میں زیادہ خصوصیت عطا فرمائی تھی، میں اس واقعہ کے ذکر سے ان کا حق رفاقت ادا کرنا چاہتا ہوں، حق تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور رضوان ورحمت سے سرفراز فرمائے اور ان کی علمی خدمات اور دینی جذبے کا اپنے لطفِ بے انتہا کے مطابق صلہ عطا فرمائے،

آمين يا أرحم الراحمين

و صلى الله على سيد العالمين وخاتم النبيين وإمام المتقين محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

[صفر المظفر ۱۳۹۲ھ، اپریل ۱۹۷۲ء]

مولانا فخر الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

۲۰؍صفر ۱۳۹۲ھ ۵؍اپریل ۱۹۷۲ء کو حضرت مولانا فخر الدین احمد طویل علالت کے بعد مراد آباد میں وفات پا گئے، إنا لله وإنا إليه راجعون، افسوس کہ مسلمانان ہند اور علماء اسلام کا ایک درخشندہ تارہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا، آپ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث تھے اور عصر حاضر کے جلیل القدر محدث، محقق، عالم اور باخدا بزرگ تھے، دارالعلوم دیوبند کے اکابر مشائخ اور مسند صدارت حدیث کے ممتاز افراد جن کا سلسلہ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ سے شروع ہوا تھا وہ سلسلہ حضرت مولانا فخر الدینؒ پر بظاہر ختم ہو گیا، کامل ایک صدی میں علوم نبوت کے آفتاب و ماہتاب جن سے دارالعلوم کی چار دیواری میں بلکہ تمام عالم اسلام میں علم کی شعاعیں پہنچتی رہیں آپ اس سلسلہ کی آخری کڑی تھے اور اب تک اکابر دیوبند اور خصوصاً مسند مشیخت حدیث پر جو حضرات متمکن تھے علم و معرفت کے دونوں چشموں سے سیراب تھے اور ظاہر و باطن دونوں نسبتوں کے حامل تھے، موصوف اس حلقہ کے آخری فرد تھے، اب ایسی شخصیت جو اس مسند کو زینت دے ہماری نظروں میں نہیں۔

موصوف نے ۱۳۲۹ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اور امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ دونوں سے فیض حاصل کیا اور دونوں چشموں سے سیرابی نصیب ہوئی، سنجیدگی وقار، متانت ورزانت، ظاہری سطح میں سکون اور باطنی گہرائیوں میں جوش و خروش کی نعمتوں سے مالا مال تھے، خوش رو، خوش پوش، خفیف الروح، لطیف الجسد تھے، غالباً چوبیس برس پہلے مدینہ طیبہ میں پہلی مرتبہ حضرت مولانا عبد الحق مدنی مرحوم کے مکان پر شرف ملاقات نصیب ہوا تھا، یہ ملاقات پہلی بھی تھی اور آخری بھی، پھر غائبانہ موصوف کے مفاخر و مآثر کا حال معلوم ہوتا رہا، اکابر محدثین اور ممتاز اکابر مدرسین کا

نمونہ تھے جن کی زندگی کے پورے ساٹھ سال درس وتدریس میں گذرے، درس حدیث میں حافظ بدرالدین عینیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے علوم کا نچوڑ اپنی تقریر میں پیش کرتے تھے اور حضرت دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے خصائص کی جھلکیاں نظر آتی تھیں، ان کی تالیف ''القول الفصيح في نضد أبواب الصحيح'' تو قدوذکاء کا ایک عمدہ نمونہ ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قیامت کے قرب کے علامات سے جہاں اور مختلف فتنے سرعت سے ظاہر ہو رہے ہیں وہاں علمی انحطاط کی رفتار ان سے بھی زیادہ سریع ہے، ان اکابر کے قافلے نہایت تیزی سے سفر آخرت پر روانہ ہو رہے اور علمی مراکز ویران ہوتے جا رہے ہیں۔

نہ جانے آج تک یہ جانے والے ہیں کہاں جاتے
کھلی ہیں جب سے آنکھیں دیکھتے ہیں کارواں جاتے(١)

غفر الله له ورحمه رحمة الأبرار الصالحين وحشره في زمرة العلماء الربانيين

وفات اہلیہ محترمہ حضرت مولانا بنوری رحمہما اللہ علیہما

آج پانچواں دن ہے کہ یوم چہارشنبہ ۴؍ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ، ۱۹؍ اپریل ۱۹۷۲ء بوقت تین بجے شام ''بصائر وعبر'' کے خامہ فرسائی کرنے والے بنوری کی اہلیہ شدید علالت کے بعد داغ مفارقت دے کر سفر آخرت پر روانہ ہوگئی: إنا لله و إنا إليه راجعون.

رات کے ۸؍ بجے عشاء سے قبل جمعیت پنجابی سوداگران کے قبرستان میں (مقام یوسف پورہ کراچی) سپرد خاک ہوئی، پشاور کے عزیزوں سے لے کر جنوبی افریقہ کے احباب ومخلصین کے تعزیتی پیغامات بذریعہ تار موصول ہو رہے ہیں سب کا شکر گذار ہوں جزاهم الله أحسن الجزاء اور ''بصائر وعبر'' کے قارئین کرام سے دعائے مغفرت اور بقدر فرصت وہمت ایصال ثواب کا امیدوار ہوں، إنّ الله لا يضيع أجر المحسنين.

درس سرائے بہار وخزاں بہم آغوش است •
زمانہ جام بدست وجنازہ بردوش است

مرحومہ کے حق میں ارحم الراحمین کی بارگاہ رحمت میں رحمۃ للعالمین کی زبان میں یوں نوا سنج ہوں:

اللهمّ هذه أمتك و بنت أمتك وعبدك تشهد أن لا إله إلا أنت وحدك لا شريك لك وتشهد أنّ محمدا عبدك و رسولك أصبحت فقيرة إلى رحمتك وأصبحت (وأنت) غنيا عن عذابها تخلت عن الدنيا وأهلها إن كانت زاكية فزكّها وإن كانت مخطئة فاغفر لها و أدخلها الجنة و أعذها من

---

(١) أي تفصيلا وتعيينا، وإما إجمالا فنعلم أنهم يروحون إما إلى الجنة وإما إلى النار. (مدير)

عذاب القبر وعذاب النار ، اللهم لا تحرمنا أجرها و لا تضلنا بعدها ، وصلى الله على صفوة البرية سيد الشاكرين وسيد الصابرين إمام المتقين وخاتم النبيين وعلى آله و أزواجه و ذريته و أصحابه أجمعين.

| ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ، جون ۱۹۷۲ء |

مولانا حبیب اللہ گمانی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ حضرت مولانا سید فخر الدین احمد مراد آبادی رحمہ اللہ کی وفات کا صدمہ ابھی تازہ ہی تھا کہ حضرت مولانا حبیب اللہ گمانی بہاول پوری کے صدمہ وفات نے آنکھوں کو ازسرنو اشکبار اور دل کو بے قرار بنادیا، إنا لله و إنا إليه راجعون، ہندوستان کا ایک علمی ستارہ غروب ہوا ہی تھا کہ پاکستان کا ایک درخشندہ کوکب بھی غروب ہوگیا اور اس طرح علمی انوار کے غائب ہوجانے کی وجہ سے دونوں ملکوں میں اندھیرا چھانے لگا۔

حضرت مولانا حبیب اللہ گمانی زہد وتقویٰ کے پیکر تھے، تواضع واخلاص کے مجسمہ تھے، سادہ مزاج، سادہ پوش اور سادہ نوش باخدا بزرگ تھے، ایک عالم ربانی کی جو خصوصیات ہوسکتی ہیں ان کا بہترین مظہر تھے، دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز فاضل تھے، حضرت استاذ امام العصر محدث کشمیری مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ میاں والی واں بھچر ان کے ارشد خلفاء میں سے تھے، اپنے قصبہ گمانی میں ایک دینی درس گاہ کی بنیاد ڈالی تھی، اپنے گھر سے تمام طلبہ کے لئے روٹی سالن پکواتے اور مہمانان رسول کو کھلاتے تھے، پھر درس گاہ کے ابتدائی درجات کو وہیں چھوڑ کر علمی درس گاہ مدرسہ انوریہ کے نام سے (حضرت الاستاذ امام العصر کے نام پر) مقام طاہر والی بہاول پور میں قائم کی تھی جو علمی واخلاقی تربیت میں ممتاز تھی، راقم الحروف کو چند لمحوں کے لئے حاضری کا اتفاق ہوا تھا، بارہا حج بیت اللہ الحرام اور زیارت حرمین شریفین کا شرف حاصل کیا اور وہاں کی تجلیات الٰہیہ اور نفحات نبویہ سے مالا مال ہوئے تھے، اس مادی دنیا میں اور اس پر آشوب زمانہ میں ایسے باخدا درویش صفت بزرگ عالم کا وجود دنیائے علم وعمل دونوں کے لئے سایہ رحمت ہوتا ہے، ان کا باوقار وجود، سراپا اخلاص، زہد وتواضع کی عظیم تمثال آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہے، حب مال اور حب جاہ کا غالباً خطرہ بھی ان کے دل پر نہ گذرتا ہوگا اور ارباب قلوب کے لئے ان کی شخصیت اور باکمالات ہستی مقناطیس کا اثر رکھتی تھی۔

راقم الحروف جب مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے بالکل ابتدائی دور میں غیر آباد مسجد کے گوشے میں درس صحیح بخاری دیا کرتا تھا تو مرحوم بارہا آتے اور درس میں بیٹھا کرتے تھے، اس زمانہ میں سوء اتفاق سے کوئی تعارف وتعلق نہ ہوسکا، عرصہ دراز کے بعد ایک دن تعارف کرایا اور درس صحیح بخاری میں تشریف لانے کا ذکر فرمایا، گویا اس طرح

راقم کا امتحان لیا گیا اور الحمد للہ کہ اپنے شیخ محترم کی جوتیوں کے صدقے اللہ تعالیٰ نے رسوا نہیں فرمایا۔

الغرض دور حاضر کے علماء کے امراض سے بالکل مبرا تھے اور علمی امراض بحث وجدال و مراء وریاء سے بالاتر تھے، دو تین ماہ سے علیل تھے، ملتان کے نشتر ہسپتال میں زیر علاج رہے اور اپنے آبائی وطن گمانی میں واصل بحق ہوئے اور طاہر والی میں مدفون ہوئے۔ افسوس وصد افسوس کہ گلستان فضل کے یہ بار آور پودے اکھڑ رہے ہیں اور نئے پودے لگ نہیں رہے ہیں، اس طرح سفینہ علم کے یہ ملاح تیزی سے سفر آخرت پر جا رہے ہیں یہ گلستان اجڑ رہا ہے اور ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ:

”اتخذ الناس رؤوسا جهالا فأفتو ابغير علم فضلّو وأضلّوا“

کا زمانہ تیزی سے آ رہا ہے، إنا لله وإنا إليه راجعون۔

مولانا عبد العزیز ساہیوال والے رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ اسی ماہ میں مولانا گمانی کے بعد مولانا عبد العزیز صاحب ساہیوال والے انتقال فرما گئے، مرحوم حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے خلیفہ مجاز تھے، تبلیغی سرگرمیوں سے بھی تعلق تھا، حضرت مولانا الیاسؒ کے تبلیغی قافلوں میں ایک سال کا وقت گذارا اور انہی قافلوں میں انگلستان کا سفر بھی کیا تھا۔

فرحمه الله رحمة واسعة و أفاض عليه من شآبيب رحمته و رضوانه.

مولانا عبد الجبار ابوہر منڈی والے رحمۃ اللہ علیہ

اسی ماہ میں ایک اور مخلص عالم مولانا عبد الجبار ابوہر منڈی والے سفر آخرت پر چل بسے، مرحوم کو تعلیم بنات اور تربیت نسواں سے شغف تھا چنانچہ چشتیاں ضلع بہاولنگر میں لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کی ایک باقاعدہ منظم درس گاہ قائم کی تھی، سینکڑوں لڑکیاں زیر تعلیم تھیں اور بعض لڑکیاں درس نظامی کی کتابیں بھی پڑھتی تھیں، ”من وراء حجاب“ ان کو تعلیم دی جاتی تھی، پھر اس درس گاہ کی ایک شاخ ملتان شہر میں قائم کی جو بہت کامیابی سے چل رہی ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں ان نفوس طاہرہ پر جنہوں نے اپنی زندگیاں دینی تعلیم، دینی تبلیغ، دینی تربیت کے لئے وقف کیں۔

افسوس کہ علمی بستیاں اجڑ رہی ہیں اور ان کا ماتم کرنے والا بھی کوئی نہ رہا۔

إنّا لله وإنّا إليه راجعون فرضى الله عنه و أرضاه وجعل الجنة متقلبه ومثواه.

[جمادی الاولی ۱۳۹۲ھ، جولائی ۱۹۷۲ء]

سید جلیل الرحمٰن دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

۲۰ ؍ربیع الآخر ۱۳۹۲ھ ۳؍جون ۱۹۷۲ء یوم شنبہ بوقت عصر حرکت قلب بند ہونے سے ہماری مجلس احباب کے ایک مخلص رکن سید جلیل الرحمٰن ہم سے جدا ہو گئے، إنّا للہ۔ موصوف دہلی کے مشہور سادات خاندان کے چشم و چراغ تھے، شہرۂ آفاق مطبع مجتبائی دہلی کے مالک سید عبدالاحد صاحب مرحوم کے پوتے تھے، اپنے اسلاف کی طرح کریم النفس، شریف الطبع، باوقار، سنجیدہ، مہمان نواز تھے، خوش پوش، خوش خوراک، خوش رو تھے، عبادت گذار، ذکر و شغل کے پابند، قابل رشک خشوع سے نماز پڑھنے والے تھے، حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے بیعت اور براہ راست فیض یافتہ تھے، اس قحط الرجال کے دور میں ایسے بااخلاق کریم الخصال مخلص کی جدائی سے جتنا بھی صدمہ ہو کم ہے، مرحوم کی اہلیہ ۶ ؍ماہ قبل داغ مفارقت دے چکی تھیں جس سے باوجود صبر و استقامت کے ان کا دل ہل چکا تھا اور یہی قلبی صدمہ جان لیوا ثابت ہوا، مرحوم کو دل کا دورہ ہوا تو اسی وقت راقم الحروف کو یاد کیا، چھوٹے صاجزادے فوراً لینے کے لئے پہنچے، میں نماز عصر میں تھا، جب فارغ ہو کر وہاں پہنچا تو روح پرواز کر چکی تھی، حق تعالیٰ ان کی روح کو اپنی مغفرت و رحمت کی دولت سے مالا مال فرمائے اور پسماندگان اور احباب و اقرباء کو صبر جمیل سے نوازے۔

افسوس کہ دو تین ماہ سے مسلسل بصائر و عبر کے صفحات ماتم سرائی کے لئے وقف ہو گئے ہیں بلکہ سچ پوچھئے تو ایک عرصہ سے بینات کے ''بصائر و عبر'' ماتم ہی ماتم میں مشغول ہیں، کبھی ملک وملت کی نوحہ خوانی کی جارہی ہے، کبھی ملک وملت کے افراد کی جدائی کی مرثیہ خوانی ہو رہی ہے، کبھی پاکستان کا مرثیہ، کبھی پاکستانیوں کا مرثیہ، گویا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سارا جہاں حزن وملال کی داستان بن گیا ہے، باغ و بہار کا دور ختم ہوا اور اب خزاں کا موسم ہے، قصہ پارینہ کے بجائے آج عہد نو سے سینے کے داغ تازہ ہیں، ''قدس'' ہو کہ ''سوئز''، ''عراق'' ہو یا ''شام''، پاکستان ہو یا عربستان ہر طرف ماتم ہی ماتم ہے، گویا جہاں تمام ماتم کدہ بن گیا ہے، کسی نے خوب کہا ہے:

یہ سرائے دہر مسافرو! بخدا کسی کا مکاں نہیں
جو یہاں مقیم تھے کل کے دن کہیں آج ان کا نشاں نہیں
یہ سرائے دہر قیام ہے یہ روا روی کا مقام ہے
جسے یہ خیال ہے خام ہے جو ثبات چاہو تو یاں نہیں
یہ مدام موسم گل کہاں کرے کوئی کیا گلۂ خزاں
یہ ستم ہے گردش آسماں بچے اس سے پیر و جواں نہیں
یہ ہر ایک قبر پہ بے کسی بزبان حال ہے کہہ رہی

تمہیں آنکھ چاہیے غافلو! مجھے احتیاج بیاں نہیں
جو مثال طوطے خوش بیاں دم گفتگو تھے گہر فشاں
وہ پڑے ہیں ایسے خموش یاں کہ دہن میں گویا زباں نہیں
یہ جہاں خلیل ہے بے بقا نہیں یاں بھروسہ حیات کا
وہ ہے کون باغ جہاں میں گل چلی جس پہ بادخزاں نہیں

[اگست ۱۹۷۲ء۔ جمادی الثانیہ ۱۳۹۲ھ]

مولانا قاضی عبدالرب رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ اواخر جون ۱۹۷۲ء میں ہمارے ایک مخلص صالح عالم جناب قاضی عبدالرب صاحب کا انتقال ہوا، موصوف زیارت کاکا صاحب علیہ الرحمۃ تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور کے باشندے تھے، کریم النفس، سنجیدہ، باوقار اور تعلق و محبت میں نہایت وفادار بزرگ تھے، مزاج میں سادگی مسکنت اور تواضع تھی، معمولات کے نہایت پابند تھے، زندگی میں قانع تھے، ضیق النفس کے مرض میں عرصہ سے مبتلا تھے، مرض سے پہلے باوجود معمر ہونے کے جوان ہمت تھے، غالباً ۸۵؍ برس کی عمر پائی، پشاور میں وفات ہوئی اور اپنے آبائی گاؤں زیارت کاکا صاحب علیہ الرحمۃ میں حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جوار میں مدفون ہوئے، حق تعالیٰ درجات عالیہ جنت الفردوس میں نصیب فرمائے آمین۔

مولانا حافظ حبیب اللہ لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

ماہ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۲ھ میں مولانا حافظ حبیب اللہ صاحب کی جو عارف باللہ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کے بڑے صاحبزادے تھے، مکہ مکرمہ میں وفات ہوئی، حرمین شریفین کے مہاجر تھے، دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے چشمہ فیض سے سیراب ہوئے، غالباً تیس سال سے حرمین میں مقیم تھے، زیادہ تر مدینہ طیبہ میں اقامت رہی، ابتداء مدرسہ علوم شرعیہ میں حسبۃً للہ تدریس کی خدمت بھی انجام دیتے رہے، چند سال جامع ترمذی بھی پڑھائی، آخر میں حرم مدینہ میں تفسیر ابن کثیر پڑھایا کرتے تھے، زندگی کے آخری چند سال مکہ مکرمہ میں بسر کیے، عابد و زاہد اور دنیا کی راحتوں سے بے نیاز تھے، نہایت خاموشی اور گمنامی کے ساتھ حرمین شریفین کی زندگی بسر کی اور حرمین شریفین کی برکات سے مالا مال ہوئے، جنت معلیٰ کے پرانوار مقبرہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کے پہلو میں سپرد خاک ہوئے، حق تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ان کی قبر اور جسد مبارک پر ہوں، آمین۔

مولانا عبدالرحیم اشرفی رحمۃ اللہ علیہ

نہایت رنج وافسوس کے ساتھ یہ خبر درج کی جاتی ہے کہ ہمارے قابل قدر بزرگ اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ مولانا مفتی محمد حسن صاحب مرحوم کے نوجوان ونوعمر صاحبزادے مولانا عبدالرحیم صاحب بعارضہ قلب پرسوں بروز چہارشنبہ ۵/رجب ۱۳۹۲ھ رخصت ہوگئے: إنا لله وإنا اليه راجعون.

مرحوم نہایت خوش مزاج، خوش اخلاق، جوان صالح تھے حق تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور پس ماندگان اخوان کرام کو صبر جمیل اور اجر جزیل سے نوازے، آمین۔

[شعبان المعظم ۱۳۹۲ھ-اکتوبر ۱۹۷۲ء]

حاجی ابراہیم میاں سملکی رحمۃ اللہ علیہ

ہمارے ایک محترم اور معزز بزرگ جناب حاجی ابراہیم میاں صاحب سملکی (ضلع سورت) ۲۹/ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ یوم شنبہ کو اس دار فانی سے رخصت ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، مرحوم سملک ڈابھیل کے ایک خدا رسیدہ عابد وزاہد عمر رسیدہ بزرگ تھے، حضرت الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے عاشق اور سچے جاں نثار تھے، جب تک حضرت شاہ صاحبؒ زندہ تھے روزانہ بلاناغہ ان کی صحبت سے مستفید ہوتے رہے، بڑی قناعت کی زندگی بسر کی، ابتدائی دور میں سملک وڈابھیل کا جو قافلہ جنوبی افریقہ پہنچا تھا موصوف اپنے چند برادران حقیقی کے ساتھ اس قافلہ کے ایک مسافر تھے، کاروبار تجارت شرکت سے شروع کیا، لیکن بہت جلد مرحوم واپس آ گئے، کچھ عرصہ بعد کمپنی کو نفع ہوا اور مرحوم کا حصہ مرحوم کو بھیجا، مگر لینے سے انکار کیا اور فرمایا کہ میرا نام کمپنی سے خارج کر دیا جائے، مجھے یہاں اپنی زمینداری کی معیشت کافی ہے، آخر عمر تک اسی پر گذارہ کیا، مرحوم ہمارے کرم فرما مخلص احباب جناب حافظ عبدالرحمن میاں اور مولانا عبدالحق میاں اور مولانا حافظ محمد شفیع میاں کے والد محترم تھے، اول الذکر جنوبی افریقہ میں قابل قدر دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، اور میاں عبدالحق صاحب تمام گجرات میں دینی مدارس، تعلیم مساجد اور دینی اداروں کی قابل قدر خدمات میں نہ صرف مشغول ہیں بلکہ منہمک ہیں، یہ سب کچھ حضرت حاجی صاحب مرحوم کی توجہات اور حسن تربیت کا نتیجہ ہے، حافظ عبدالرحمن میاں تجارت میں مشغول تھے، ان کو حکم دے کر تجارت سے نکالا اور دینی خدمت میں لگا دیا، ان کے مبارک ہاتھوں سے بفضلہ تعالیٰ اچھے اچھے کام انجام پذیر ہوئے، راقم الحروف کی تالیف معارف السنن کی طباعت کا سہرا موصوف کے سر پر ہے، خدا کا شکر کہ:

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

اسی خاندان کے ایک فرد مولانا محمد بن موسیٰ میاں رحمہما اللہ نے "المجلس العلمی" کی بنیاد ڈالی ہے، جس نے تیس چالیس سال کے عرصہ میں علم حدیث اور علوم نبوت کی قابل قدر خدمات انجام دیں، "نصب

الراية في تخريج أحاديث الهداية "چار ضخیم جلدوں میں اور "فیض الباری شرح صحیح البخاری" چار ضخیم مجلدات میں اسی مجلس علمی کا کارنامہ ہے، اور حال ہی میں حدیث نبوی کی قدیم ترین اور علمی اور اعلیٰ ترین کتاب امام حدیث عبدالرزاق بن ہمام صنعانی المتوفی ۲۱۱ھ کی کتاب "المصنف" گیارہ ضخیم جلدوں میں چار لاکھ روپیہ کے صرف سے بیروت میں طبع کرائی:

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

اس کتاب کے تعارف کے لئے ان شاء اللہ تعالیٰ مستقل مقالہ لکھا جائے گا، امام حدیث عبدالرزاق امام ابو یوسفؒ کے شاگرد اور امام احمد بن حنبلؒ کے استاذ اور امام بخاریؒ کے استاذ الاستاذ ہیں — رحمهم الله جميعا — یہ کتاب آج پہلی مرتبہ وفات مصنف کے تقریباً بارہ سو سال بعد زیور طبع سے آراستہ ہوئی، کاغذ اس کے لئے جس اعلیٰ ترین معیار کا چاہا بیروت میں نہیں ملا، لندن سے خریدا گیا، آج تک اس معیار طباعت و اعلیٰ ترین کاغذ پر حدیث و تفسیر کی کوئی کتاب مصر و بیروت یا یورپ میں طبع نہیں ہوئی:

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

بہر حال اس باتوفیق خاندان نے دین کی بڑی قابل قدر خدمت کی اور ملوک و سلاطین جو کام انجام نہ دے سکے اس خاندان کے افراد نے انجام دیے، حق تعالیٰ ان خدمتوں کو قبول فرمائے اور ان کے لئے ذخیرہ آخرت فرمائے، حضرت حاجی ابراہیم میاں مرحوم اس خاندان کے بزرگ تھے۔

غفر الله له ورحمه ورضي عنه وارضاه وجعل الجنة متقلبه ومثواه، آمين يارب العالمين وصلى الله على سيدنا خاتم النبيين محمد وآله وصحبه أجمعين.

[صفر المظفر ۱۳۹۳ھ - اپریل ۱۹۷۳ء]

آغا عثمان جان مجددی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ غیر حاضری کے اس مختصر عرصے میں چند بابرکت ہستیاں ہم سے جدا ہوگئیں، صدر المشائخ آغا عثمان جان مجددی واصل بحق ہوئے جو حضرت نور المشائخ مولانا فضل عمر مجددی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے تھے اور حضرت مولانا محمد صادق مجددی مدنی کے بھتیجے تھے اور جناب ضیاء المشائخ مولانا محمد ابراہیم جان المجددی العمری کابلی کے بڑے بھائی تھے، عرصہ سے لاہور میں مقیم تھے یہیں انتقال ہوا۔

مولانا لال حسین اختر رحمۃ اللہ علیہ

جمادی الاولی ۱۳۹۳ھ کو جناب مولانا لال حسین اختر امیر مجلس تحفظ ختم نبوت کا انتقال ہوا، مرحوم نے نوعمری میں ہی مرزائیت سے تائب ہو کر اپنی تمام تر صلاحیتیں ردمرزائیت میں نہایت اخلاص واستقلال سے صرف کیں، انگریزی، عربی، اردو تینوں زبانوں میں نہ صرف پاکستان میں بلکہ یورپ اور اسٹریلیا میں بھی بے نظیر خدمتیں انجام دیں اور مرزائیت وعیسائیت کی بیخ کنی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اکابر کی دعاؤں نے ان کی خدمات میں مزید رنگ قبولیت عطا فرما دیا تھا۔

مولانا پیر خورشید احمد ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ

جمادی الاولی ۱۳۹۳ھ کو مولانا پیر خورشید احمد رحمہ اللہ کا وصال ہوا، مرحوم کی عمر سو سال سے متجاوز بتلائی جاتی تھی، حضرت شیخ المشائخ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اسیر مالٹا رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کر چکے تھے، اجازت وخلافت جانشین شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا سید حسن احمد مدنی علیہ الرحمہ سے حاصل تھی، مرحوم نہایت سادے، متواضع، صاحب استقامت بزرگ تھے، جب کراچی تشریف لاتے تو مدرسہ اسلامیہ ہی کو شرف قیام نصیب ہوتا تھا۔

حافظ ابوالحسن پشاوری رحمۃ اللہ علیہ

مکہ مکرمہ میں حافظ حاجی ابوالحسن پشاوری مہاجر مکی جنہوں نے چالیس سال کا طویل عرصۂ ہجرت نہایت اخلاص کے ساتھ عبادت اور تقوی میں گذارا تھا جمعہ کے دن ماہ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ میں وفات پائی۔

حاجی حبیب احمد پاکولا والے رحمۃ اللہ علیہ

کراچی میں ہمارے محسن ومخلص دوست حاجی حبیب صاحب پاکولا والے بمرض سرطان رخصت ہو گئے، لندن بغرض علاج تشریف لے گئے تھے، واپسی پر عمرہ کا ارادہ رکھتے تھے، احرام کی چادریں ساتھ لے گئے لیکن وہیں بعارضہ قلب وفات ہوئی، نعش کراچی لائی گئی اور میوہ شاہ کے قبرستان میں مدفون ہو گئے۔

اللهم اغفر لهم وارحمهم وعافهم واعف عنهم و أكرم نزلهم وأدخلهم الجنة ، وقهم عذاب القبر و عذاب النار، وصلى الله على خير خلقه سيدنا محمد وآله وصحبه وصالحي عباده أجمعين إلى يوم الدين.

[جمادی الثانیہ ۱۳۹۳ھ - اگست ۱۹۷۳ء]

مولانا گل بادشاہ طوروی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ صوبہ سرحد کے ممتاز جید عالم، سیاسی مفکر مولانا گل بادشاہ صاحب طوروی طویل علالت کے بعد سہ شنبہ ۸ / جمادی الاخری ۱۳۹۳ھ ۱۰ / جولائی ۱۹۷۳ء کو داعی اجل کو لبیک کہہ گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم سنجیدہ، باوقار پختہ عالم تھے، پشتو زبان کے خطیب ومقرر تھے، زندگی کا اکثر حصہ صوبہ سرحد کی سیاسی خدمات میں گذارا، برطانوی دور حکومت میں مسلسل سات برس اسارت کی زندگی گذاری اس طویل عرصہ میں گوناگوں مصائب وحوادث ان پر گذرے ان کو صابراً محتسباً برداشت کیا اور ان کے پائے استقامت میں ذرا بھی لغزش نہیں آئی، تمام زندگی ان کی ابتلاء اور پریشانیوں میں گذری کیا مجال ہے کہ کبھی خرف شکایت زبان پر آیا ہو، ہر ابتلاء کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا، مرحوم دارالعلوم دیوبند کے عمدہ فاضل تھے، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس اللہ سرہ کے اجل تلامذہ میں سے تھے اور ان سے ظاہراً وباطناً قلباً وقالباً وابستہ تھے، ابتداء سے مزاج سیاسی پایا تھا لیکن علمی ذوق وشناسائی سے کافی بہرہ ور تھے، ابتدا سے جمعیت علماء ہند سے وابستہ تھے، پاکستان بننے کے بعد حضرت مدنی رحمہ اللہ سے استفسار کیا کہ اب ہمیں کس انداز سے کام کرنا چاہئے فرمایا کہ ’’پاکستان کے وفادار رہ کر دینی وسیاسی خدمت جس طرح ملکی مصالح کا تقاضا ہو کرنی چاہیے‘‘، اسی نصیحت پر قائم رہے اور صدر جمعیت علماء ہند سرحد سے لے کر آخر تک امیر جمعیت علماء اسلام سرحد رہے، اسلام کے وفادار سپاہی اور سیاسی مجاہد، پاکستان کے سیاسی خادم، زندہ دماغ، حساس دل، مفکر مزاج، دردمند طبیعت، جفاکش، بے لوث خادم، نڈر عالم تھے، اردو کے اچھے مقرر، پشتو کے عمدہ ادیب تھے، خطابت میں سنجیدگی، معلومات پر مغز تھے۔

افسوس کہ اس دور میں ایسے باخدا عالم، مخلص جاں نثار، جفاکش جری بہادر سپاہی بہت کم ہیں بلکہ کبریت احمر سے کم نہیں ہیں، مرحوم ۶۰ / سال کی عمر میں رخصت ہوگئے اور دنیا کی راحتوں سے میں کوئی بھی حصہ حاصل نہیں کیا، مرحوم پر حق تعالیٰ کے ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں ان کی لغزشیں معاف ہوں، ان کے درجات بلند ہوں، جنت کی فراواں نعمتیں نصیب ہوں، آمین۔

اللّٰھم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه واکرم نزله ووسّع مدخله وارزقه
دارًا خیرًا من داره واهلًا خیرًا من اهله وجارًا خیرًا من جاره، وقه عذاب
القبر وعذاب النار وادخله الجنة مع الابرار.

[رجب وشعبان ۱۳۹۳ھ / ستمبر و اکتوبر ۱۹۷۳ء]

مولانا عبدالحق نافع رحمۃ اللہ علیہ

﴿كل من عليها فان و يبقى وجه ربك ذوالجلال والاكرام﴾

آہ! دورِ حاضر کے ایک گمنام محقق حضرت مولانا عبدالحق نافع ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ علوم عقلیہ کے ماہر ہی نہیں بلکہ ناقد، علوم نقلیہ کے صاحب بصیرت فاضل، عصر حاضر کے ذکی ترین عالم، نکتہ سنج، نکتہ شناس، دقیقہ رس، شعر وادب کے صاحب ذوق، ہیئت وریاضی کے امام ہم سے جدا ہو گئے، انا للہ۔ علمی مشکلات کے صاحب فہم وبصیرت، مسائل دقیقہ علمیہ کی سہل تعبیر پر قادر ترین فاضل، یگانہ روزگار ہم سے رخصت ہو گئے، انا للہ۔

بلاشبہ اسلام کے ہر دور میں علم وتحقیق کے آفتاب وماہتاب چمکتے رہے اور اسلام کی زرخیز زمین میں کیسی کیسی ہستیاں پیدا ہوئیں، علوم ومعارف کے گلستانوں میں کیسے کیسے پھول کھلے، جن سے آج تک مشام عالم معطر ہے اور رہے گا، ملت محمدیہ کے ابرِ نیساں نے برس کر کیسے کیسے لعل وگہر پیدا کئے اور اس امت مسلمہ میں کیسی کیسی باکمال شخصیتیں ظہور میں آئیں، سراپا نور صحابہ وتابعین کا تو کیا کہنا، محدثین وفقہاء میں کیسی کیسی ہستیاں ظہور پذیر ہوئیں، محققین ومتکلمین میں کیسے کیسے بابرکت افراد نے دنیاءِ علم وتحقیق کو روشن کیا، ایک طرف اگر ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، مالک رحمۃ اللہ علیہ، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ، شافعی رحمۃ اللہ علیہ نظر آتے ہیں تو دوسری طرف احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، اسحاق بن راہویہؒ، ابن المدینیؒ، دارمیؒ، بخاریؒ، مسلمؒ، ابوداؤدؒ نگاہِ عالم کو خیرہ کئے ہوئے ہیں، اسی امت میں طحاویؒ، ابن جریرؒ، ابن المنذرؒ، جصاصؒ جیسی باکمال ہستیاں نقد حدیث میں داد تحقیق دے رہی ہیں، بیسیوں نہیں، سینکڑوں نہیں، ہزاروں اہل کمال سے امت محمدیہ کا دامن بھرا ہوا ہے، باقلانیؒ، غزالیؒ، ابن رشدؒ، ابن فورکؒ، ورازیؒ وشیرازیؒ رحمہم اللہ جیسے ماہرین علوم عقلیہ وائمہ موجود ہیں۔

دور نہ جایئے متحدہ ہندوستان کی سرزمین نے شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبدالعزیزؒ، بحر العلوم جیسے جامع کمالات اور علوم عقل ونقل کے ماہر پیدا کر کے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا تھا، اس آخری دور میں دہلی، دیوبند، سہارنپور، گنگوہ، نانوتہ، بھون، میں کیسی کیسی ہستیاں ظہور میں آئیں، جن کی نظیر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی، جن کے اخلاص وتقویٰ اور علوم نبوت میں کمال کو دیکھ کر قرن اول کا شبہ ہونے لگتا ہے، آج ان کے علوم وحقائق اور علمی خصائص وکمالات کو صحیح سمجھنے والا بھی کوئی باقی نہیں رہا لیکن ان حضرات کے کچھ علوم ان کے سینوں سے سفینوں میں منتقل ہو گئے ہیں جن کے ذریعہ امت کو استفادہ اور انتفاع کا موقع مل گیا۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحب نافع اس دور کے ان علماء راسخین میں تھے جن کی دقت نظر، داد تحقیق، حسن ذوق کا بہت کم کسی کو علم ہوا، افسوس کہ ان کے علمی کمال کا کوئی حصہ بھی سینہ سے سفینہ میں منتقل نہیں ہوا۔ اس علمی

وفکری کمالات کے ساتھ حق تعالیٰ نے جن فطری کمالات سے نوازا تھا دور حاضر میں ان ملکات کا انفرادی طور پر بھی بہت کم کسی کو حصہ ملا، وہ حیا کے مجسم پیکر تھے، ان کا سرخ وسفید نورانی چہرہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے لعل بدخشاں چمک رہا ہے، مجالس علم میں جب کبھی گفتگو ہوتو انتہائی سنجیدگی، بے عدل متانت ورزانت ووقار کے ساتھ خاموش بیٹھے رہتے تھے، جب ان کو مخاطب کیا جاتا تھا تب بحث میں حصہ لیتے تھے، اس دوران چہرے پر عالمانہ رعب ہمیشہ چھایا رہتا تھا، مجلس میں ان کے وجود سے ایسی رونق ہوتی تھی گویا میر مجلس وہی ہیں، لباس میں انتہائی سادگی کے باوجود ممتاز وضع کے مالک، کھدر پوشی کے باوجود دلکش حسن وجمال کے پیکر، صاحب جودوکرم، وقار وتمکنت میں یگانہ روزگار، صبر وتحمل میں بے نظیر، نفاست طبع ولطافت مزاج میں بے مثل، مزاح میں بھی وقار واعتدال کو ملحوظ رکھتے تھے، آواز میں شیرینی، تعبیرات میں دل کشی، طبیعت میں انتہائی استغناء، رفتار وگفتار میں جاذبیت، ارباب فضل وکمال کے قدرداں، محبت ومودت میں رقت طبع کے ساتھ سنجیدگی ووقار کے مالک، افسوس کہ ایسی جامع شخصیت مدت میں پیدا ہوتی ہے۔

فکر ودماغ کی حیثیت سے انتہائی فلسفی مزاج لیکن باوجود اس فلسفیت کے عقیدہ وعمل میں عالمانہ پختگی، دماغ میں عقل وبرھان کے نور کے ساتھ قلب میں وجدانی سکون کا اجتماع حیرت انگیز تھا، بیک وقت وہ فلسفی بھی اور مؤمن قانت بھی، حقائق ایمان میں وہ منطقی برھان سے زیادہ وجدانی ایقان واطمینان کے حامل تھے۔

ماہرین علوم وفنون سے استفادہ کے عاشق تھے جو شخصیت جس فن میں کمال رکھتی تھی اس سے فیض حاصل کرنے میں دریغ نہیں کرتے تھے۔ دہلی، دیوبند، میرٹھ، گلاوٹھی، رامپور، جہاں کہیں بھی کوئی صاحب کمال دیکھا وہاں تک پہنچے، یہاں تک کہ اپنے دور میں (چکیسر ضلع سوات) میں جب قاضی مبارک کے درس کے لئے گئے تو استاذ سے اس شرط پر درس قبول کیا کہ وہ قاضی مبارک کی تشریح کے دوران مجمل، مفصل، کندیا، حافظ یوسف دراز بھوپالی کے علاوہ جو کچھ ہو اس پر اکتفاء کریں، ان پانچ شروح سے کوئی حرف نہ کہیں، دور تحصیل میں کسی طالب علم کی کیا یہ حیثیت کسی نے سنی ہے؟ زندگی کا بڑا حصہ درس وتدریس میں گذارا، تمام علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں، طبیعت ایسی پائی تھی کہ واضح کی ایضاح اور بلا مقصد بلا ضرورت تطویل سے گریز، حل مشکلات میں بقدر ضرورت پر اکتفاء کرتے تھے، اس لئے اذکیا طلبہ کو بے حد نفع ہوتا تھا اور اغبیاء محروم رہتے تھے، بنگال اور ہندوستان میں مختلف مقامات پر مدرس رہے، آخری دور دیوبند میں گذارا، دارالعلوم کے طبقہ علیا کے مدرس تھے، عقائد، جلالی، خیالی، شرح حکمت، شرح اشارات، شرح چغمنی، ابن کثیر زیادہ تر زیر درس رہیں۔

پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد دارالعلوم دیوبند سے انقطاع ہوگیا کچھ عرصہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی میں شیخ الحدیث وصدر مدرس رہے، جب راقم الحروف نے کراچی میں درس گاہ کی بنیاد ڈالی تو کچھ عرصہ میرے رفیق کار رہے، درس بخاری صدر مدرس کا منصب ان کو حاصل تھا، ضعف وخانگی ضروریات کی وجہ سے ہم ان کی رفاقت

کی نعمت سے محروم رہے۔

افسوس کہ ان کی فوق العادہ ذکاوت، جامعیت علوم، مکارم اخلاق، فطری ملکات وکمالات کے باوجود ناقدر شناس دنیا نے ان کی قدر نہیں کی، جس قدر ومنزلت کے یہ نادرۂ روزگار مستحق تھے اتنی قدر ومنزلت نہ ہوسکی:

تو نظیری زفلک آمدہ بودی چو مسیح
بازپس رفتی وکس قدر تو نشناخت دریغ

مرحوم سے میرا تعلق تقریباً نصف صدی رہا، تحابب وتوادد کی اس منزل پر ہم پہنچے جس کی نظیر کم ملے گی، میں نے اپنے معاصرین اور حلقہ احباب اور اساتذہ میں باستثناء بعض حضرات ذکاوت طبع، دقت نظر، حسن ذوق، جامعیت مزاج میں ان کی نظیر نہیں دیکھی، میرے والد محترم حضرت مولانا سید محمد زکریا صاحب (مدظلہم ودامت برکاتہم) فرماتے ہیں کہ ''مشکل سے مشکل مسائل کو آسان وسادہ تعبیر میں حل کرنے والا عالم ان جیسا نہیں دیکھا''۔

افسوس کہ علم وفضل کا یہ گوہر آبدار دنیا سے رخصت ہوگیا، میرے نصف قصائد کا موضوع ان کی ذات رہی ہے جو قلم ان کو مخاطب کر کے یہ لکھتا تھا:

اتانی منك یا فرد الزمان
کتاب لفظه عقد الجمان

یا یہ لکھتا تھا:

بلغت الغاية القصوى مرادًا
وان تطلب تجد مجدًا سواها

آج وہ اشکبار آنکھوں سے غم گساری میں یہ چند حروف سپرد قلم کر رہا ہے، مرحوم کی ولادت ۱۳۱۳ھ میں ہوئی، ٹھیک اسی (۸۰) برس کی عمر میں بتاریخ ۱۳؍ ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ مطابق ۸؍ جنوری ۱۹۷۳ء میں داعی اجل کو لبیک کہا، علالت کا سلسلہ ایک سال سے جاری تھا، میرا ایک تار مرحوم کی حالت معلوم کرنے کے سلسلہ میں گیا، جب ان کو علم ہوا تو جاہلی شاعر کا یہ شعر پڑھا:

سئمت تكاليف الحياة ومن يعش
ثمانين حولا لا ابالك يسأم

یعنی زندگی کی تکالیف سے تنگ آگیا ہوں اور جو اسی (۸۰) سال زندہ رہے ضرور زندگی سے اکتا جائے گا۔

اور فرمایا کہ ''تسلی کا جواب دو''۔

ادبی ذوق عجیب وغریب تھا کہ ایک دفعہ چار سال قبل میں مکہ مکرمہ میں تھا، مکتوب ملا، اس وقت بعض احباب کے ساتھ موٹر میں میدان عرفات، وقوف عرفات سے دو دن قبل جا رہا تھا، ڈاک راستہ میں ملی، خط راستہ میں

نہیں کھولا، جب جبل الرحمت پہنچے تو لفافہ کھولا، عربی میں رقت انگیز مکتوب تھا، سرنامہ عربی کا ایک شعر تھا:

انا محیوك یا سلمیٰ فحیینا
واذا سقیت کرام الناس فاسقینا

یہ شعر پڑھتے ہی سب پر بکاء کی کیفیت طاری ہوگئی اور اس رقت انگیز طرز تعبیر نے نہ صرف مجھ پر بلکہ سب پر رقت طاری کر دی۔

افسوس کہ میری غیر موجودگی میں ان کا حادثۂ وفات پیش آیا میں نے سرزمین مقدس حجاز مکہ مکرمہ میں ۴؍ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ جمعہ کی نصف شب کو خواب دیکھا کہ مرحوم وفات پا چکے خواب صریح تھا اور امارات وقرائن بھی اس کے موید تھے۔ اس لئے مقامات مقدسہ اور اوقات قبول دعا میں بجائے صحت و عافیت کے مغفرت اور ترقی درجات کی دعائیں کرتا رہا لیکن کسی ذریعہ سے کوئی اطلاع نہ مل سکی۔ تردد ہوا کہ شاید خواب صریح نہ ہو یا کچھ اور تعبیر ہو تو دوبارہ خواب دیکھا کہ خواب سچا ہے۔

میری ایک لڑکی نے جو حج میں ساتھ تھی تین مرتبہ ماہ ذی الحجہ میں ان کی وفات کے خواب دیکھے تھے بعد میں معلوم ہوا کہ واقعہ صحیح تھا البتہ حادثہ وفات بتاریخ ۱۳؍ذی الحجہ میں حج کے بعد وقوع میں آیا۔

صد افسوس کہ نہ آخری لمحات حیات میں ملاقات ہوسکی، نہ جنازہ میں شرکت نصیب ہوئی اب مزار مبارک پر حاضری ہوگی:

بجنازہ گر نہ آئی بمزار خواہی آمد

والد محترم نے نام عبدالحق رکھا تھا والدہ نے نافع گل، حضرت مولانا شیخ الہند رحمہ اللہ کا حکم تھا کہ اس کو عبدالحق کہا کریں، اگر کوئی نافع گل کہتا ایک آنہ جرمانہ کرتے تھے، آخر میں راقم الحروف مرحوم کو عبدالحق نافع لکھا کرتا تھا اور یہی عام ہوگیا۔

حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے مزار پُرانوار کو نور سے بھر دے اور ابر کرم کی بارش سے رحمت و رضوان کی نہریں جاری فرمادے۔ بال بال مغفرت ہو۔ اعلیٰ علیین میں مسکن ہو، بے حساب و بے کتاب جنت الفردوس نصیب ہو، آمین۔

حزینہ

علیك سلام الله یاروح نافع و رحمته ماشاء ان یترحما
تحیة حب حین یشجوفواده واضحی بحال کاد ان یتحطما

تحيه قلب هائم متألم   و يرجو من الله الرحيم ترحما
رحيم رؤف بالعباد غياثهم   يجود بعفو منة و تكرما
رزية علم ثم فضل مصيبة   تفوق رزايا الدهر حقا محتما
رثاء فقيد العلم ثم خل رزيه   تقطع قلبا هائما و متيما
فيارب انزل من سحائب رحمة   على قبره ماكان أغزر أدوما

[محرم الحرام ۱۳۹۴ھ]

مولانا عبدالمنان میواتی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ان عشت تفجع بالاحبة كلهم
وبقاء نفسك لا ابا لك افجع

حضرت مولانا عبدالحق صاحب نافع کی وفات کی خبر سے دل کا زخم ابھی تازہ تھا کہ برادر محترم مولانا عبد المنان صاحب میواتی دہلوی کی وفات حسرت آیات کی خبر سنی، مرحوم یوم سہ شنبہ ۲۷/ذی الحجہ ۹۳ھ ۲۲/جنوری ۷۴ء کی شام کو دہلی میں واصل بحق ہوئے، انا لله وانا اليه راجعون.

مرحوم سراپا اخلاص اور سراپا سوز و گداز تھے، جید عالم تھے عربی اور اردو کے بے مثل فطری شاعر تھے، عربی شعر گوئی میں اس دور میں متحدہ ہندوستان میں ان کی نظیر نہیں تھی، اشعار میں روانی، زبان دانی، اسلامی قدیم دور کے شعراء کی یاد تازہ کرتی تھی۔ حافظہ بے عدیل تھا جو قصیدہ لکھا سالہا سال تک یاد رہتا تھا، سنانے کا طرز بھی بے عدیل تھا جس وقت شعر سنانے بیٹھتے ایک ایسا وجد و بے خودی طاری ہوتی تھی کہ سراپا جذب و سراپا وجد بن جاتے تھے، سوز و گداز کے باوجود باغ و بہار تھے، ان کی مجلس عجیب پر لطف ہوتی تھی، بزرگوں سے عقیدت، بزرگوں کی خدمت اور بزرگوں کی دعاؤں کی برکت نے ان کی ساخت کو عجیب بنا دیا تھا، وہ بیک وقت شاعر بھی تھے صالح عالم بھی تھے، اور باخدا بھی تھے دلوں کو تڑپانے والے بھی تھے، راتوں کو اٹھ اٹھ کر رویا کرتے تھے، اور آخری عمر تک سلسلہ چشتیہ کا ذکر بالجہر بارہ تسبیح کا ورد پابندی سے کیا کرتے تھے، ذکر کرتے وقت ان کی دردناک آواز اندرونی سوز و گداز کی غمازی کیا کرتی تھی، جب پاکستان آتے اور مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں وارد ہوتے تو مدرسہ میں آپ کی تشریف آوری سے عجیب رونق آ جاتی تھی، مکہ المکرمہ میں موسم حج میں کچھ دن ان کی معیت و صحبت نصیب ہوئی ان کے کمالات خوب کھلے۔

دہلی کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ وفات سے کچھ ماہ قبل اپنی وفات کا احساس ہو گیا تھا گو یا وہ ہر وقت منتظر رہتے تھے اور بار بار یہ اظہار کیا کہ تین حج کی دعا کی تھی قبول ہو گئی اب سفر آخرت قریب ہے۔ افسوس کہ یہ بلبل

خوشنوا جو ہر مجلس میں چہکتی تھی اب خاموش ہوگئی اور سوز و گداز کے وہ نغمے جو ہر مجلس کو گرماتے تھے آج ختم ہوگئے۔

اللّٰهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله
وادخله الجنة واعذه من عذاب القبر ومن عذاب النار.

حاجی علی محمد موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ

پرسوں چہارشنبہ کے دن بلکہ جمعرات کی رات مغرب کے بعد ۵ رصفر ۹۴ھ، ۲۷ رفروری ۷۴ء ہمارے مخلص دوست سابق اسلامک اسٹیم شپنگ کمپنی کے اسپیشل ڈائرکٹر حاجی علی محمد موسیٰ کی اچانک وفات کا حادثہ پیش آیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کراچی وسندھ کے قدیم باشندے تھے ان کے اخلاص، تواضع، مسکنت اہل اللہ، صالحین اور علماء دین سے ان کی محبت دیکھ کر یہ یقین ہی نہیں ہوسکتا تھا کہ یہ اس صدی کا شخص ہے بلکہ محسوس ہوتا تھا کہ کوئی قدیم باقی ماندہ روح ان میں جلوہ گر ہے، سراپا اخلاص، سراپا مسکنت وتواضع، فیض رساں خدمت خلق کا دلدادہ جس کی نظیر اس دور میں بہت کم ملے گی۔ ''پان اسلامک کمپنی'' قائم ہونے سے پہلے یہ خاندان کراچی میں حجاج کرام کی خدمت کے لئے وقف تھا لیکن اس بحری کمپنی سے تعلق کے بعد حق تعالیٰ نے حجاج کرام اور علماء عظام اور حج وعمرہ پر جانے والے عام لوگ خصوصاً علماء یا ان کے احباب کے لئے وہ خدمات ان سے لیں جن کا تصور بھی اس دور میں مشکل ہے، اور حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہی امید ہے کہ ان کے یہی اعمال آخرت کے لئے سب سے زیادہ مفید ذخیرہ بھی ہوگا۔ وفات کے بعد ان کے چہرے سے گویا نور کے شعلے نکلتے دیکھے، اور لب پر تبسم کا منظر عجیب تھا، الحمد للہ کہ ان کی مغفرت اور ترقی درجات کی بہت کھلی علامات تھیں، حق تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ان پر ہوں اور جنت الفردوس کی بشارت سے سرفرازی نصیب ہو:

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

علماء واحباب ومخلصین کے قافلے آخرت کی طرف بہت سرعت سے جا رہے ہیں نہ معلوم اس مرثیہ خواں قلم کی باری کب آتی ہے؟

اللّٰهم اختم لنا بخير واجعل خير اعمارنا آخرها

[صفر المظفر ۱۳۹۴ھ / مارچ ۱۹۷۴ء]

الشیخ محمد ابوزہرہ مصری رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ مصر کے مایۂ ناز محقق عالم الشیخ محمد ابوزہرہ گذشتہ شنبہ ۱۳/ اپریل ۱۹۷۴ھ ۱۹/ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ کو واصل بحق ہوئے، انا للہ الیہ راجعون۔

موصوف دور حاضر کے ممتاز عالم، بے نظیر مصنف، حیرت انگیز خطیب تھے، ائمہ اربعہ اور چند افراد امت پر ان کی تصانیف ان کے علمی شاہکار ہیں، تصنیفی اسلوب میں نقد و تحلیل اور بحث و تحقیق کے امام تھے وہ مسلکا حنفی تھے لیکن بعض مسائل میں وہ اپنے خیال میں دلیل و حجت کے تابع تھے، موصوف سے پہلی مرتبہ اس وقت ملاقات ہوئی تھی جب لاہور میں ۵۸ء میں ''کلوکیم'' ہوا تھا تو وہ کراچی آئے تھے، مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں بھی تشریف لائے تھے پھر ''کلوکیم'' میں ان کی تقریروں کے سننے کا موقع ملا تھا، غلام احمد پرویز اور عبدالحکیم ادارہ ثقافت والے پر ان کی تنقید و تقریر قابل قدر تھی بعد میں "مجمع البحوث الاسلامیة" کی کانفرنسوں میں موصوف کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور ان کی علمی خصوصیات کے جوہر کھلے وہ بیک وقت بہترین ادیب و کاتب بھی تھے اور اعلیٰ ترین خطیب بھی تھے، حافظہ بے نظیر تھا جو لکھا سب یاد ہوتا تھا "مجمع البحوث الاسلامیة" میں جب بھی کسی موضوع پر سینکڑوں صفحات کا مقالہ تیار فرمایا تو کھڑے ہو کر خود سناتے تھے، اکثر حافظے سے سناتے تھے گویا تقریر کر رہے ہیں، عقیدہ سلیم تھا۔ مزاج میں سنجیدگی اور وقار تھا، غرض اپنے اس دور میں علماء ازہر میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے، عرصہ دراز تک وہ ''کلیۃ الحقوق'' (لاء کالج) کے عمید (پرنسپل) تھے، ہمارے مولانا عبدالرزاق صاحب جو مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں ہمارے رفیق کار تھے "المجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیة" کی دعوت پر ڈاکٹریٹ کے لئے مصر گئے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر مقالہ تیار کر رہے تھے، جامعۃ القاہرہ کی طرف سے مشرف استاد الشیخ ابوزہرہ تھے، افسوس صد افسوس کہ اس قحط الرجال کے دور میں ایسی باکمال شخصیتیں مشکل سے پیدا ہوتی ہیں، حق تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے، درجات عالیہ نصیب فرمائے اور ان کی علمی و دینی خدمتوں کو بارگاہ ربوبیت میں شرف قبولیت بخشے۔ آمین۔

مولانا سید شمس الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ ہمارے بلوچستان فورٹ سنڈیمن کے نوجوان غیور عالم مولانا شمس الدین بتاریخ ۱۴/ مارچ ۱۹۷۴، صفر ۹۴ھ بڑی بے دردی سے شہید کر دیئے گئے، انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرحوم کے اس نوعمری میں سیاسی میدان میں قدم رکھنے سے بہت سے حیرت انگیز کمالات کا ظہور ہوا، سنجیدہ باوقار، خوبصورت، خوب سیرت، اصول کے پابند عالم تھے، بلوچستان اسمبلی کے ڈپٹی اسپیکر تھے اس دوران ان کو شدید سے شدید آزمائشیں پیش آئیں اور ایسے ایسے خطرناک ہوشربا امتحانات سے واسطہ پڑا جہاں بڑوں بڑوں کے قدم ڈگمگا گئے لیکن کیا مجال کہ مولانا شمس

الدین کے پائے استقامت کو ذرہ بھر بھی لغزش ہوئی ہو، مال سے مستغنی، جاہ و منصب سے بے نیاز، فقیری میں پادشاہ، فیض رساں، خدمت خلق کے لئے وقف، جری، بہادر، جمعیت علماء اسلام اور مولانا مفتی محمود صاحب خصوصی طور پر تعزیت کے مستحق ہیں، کسے معلوم تھا کہ بلوچستان کی سنگ لاخ وادی اس ابر نو بہاری کے فیض سے اتنی جلد محروم ہو جائے گی:

اکنوں چہ تواں کرد کہ تقدیر چنیں بود

حق تعالیٰ نے موت بھی شہادت کی نصیب فرمائی، حق تعالیٰ اس شہید ملک وملت کو شہداء برحق کے درجات رفیعہ سے سرفراز فرمائیں اور حیات جاودانی نصیب فرمائیں اور شہداء کے لئے احادیث نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں جن درجات کا ذکر آیا ہے حق تعالیٰ وہ مولانا شمس الدین کو عطا فرمائیں، آمین۔ ان کی خدمات قبول ہوں ان کی خونی شہادت ان کے حق میں ہر طرح سے باعث خیر و برکت ہو، آمین ثم آمین۔

[ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ/مئی ۱۹۷۴ء]

مولانا عبدالرحمن جالندہری رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ میرے ایک قدیم ترین محب مولانا عبدالرحمن بن فقیر محمد جالندھری کل بروز شنبہ بوقت عصر مورخہ ۱۱؍ربیع الاخر ۱۳۹۴ھ، ۴؍مئی ۱۹۷۴ھ کو راہی ملک بقا ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم سے شناسائی اور تعلق ۱۳۴۴ھ میں دارالعلوم دیوبند میں پیدا ہوا وہ ۱۳۴۰ھ سے دارالعلوم میں داخل تھے اور اس وقت متوسط کتابیں پڑھتے تھے، ۱۳۴۶ھ میں دارالعلوم میں جب انقلاب آیا جس میں امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ اور چند ازاں بعد مولانا شبیر احمد عثمانی، عارف باللہ حضرت مولانا عزیز الرحمن دیوبندی اور مولانا سراج احمد رشیدی وغیرہ حضرات علیحدہ ہوئے اور طلبہ کی ایک بڑی جماعت میں ہیجان برپا ہوا، اس وقت مرحوم غالباً اپنے ماموں کے مشورے سے جو اس وقت پشاور میں تحصیلدار تھے دارالعلوم سے چلے آئے اور اورنٹیل کالج لاہور میں مولوی فاضل کلاس میں واخلہ لے لیا چند سال لاہور رہے، مولوی فاضل اور منشی فاضل کیا اور دوبارہ ۱۳۵۱ھ میں اپنی کتابوں کی تکمیل کے لئے دارالعلوم پہنچے، ۱۳۵۳ھ میں دارالعلوم سے سندفراغ حاصل کی جس کے الفاظ یہ تھے:

> "وھو عندنا سلیم الطبع جید الفھم مرضی السیرۃ، محمود السریرۃ ولہ مناسبۃ بالعلوم تامۃ، یقدر علی نشر العلوم وافا دتھا".

وہ ہمارے نزدیک سلیم الطبع، عمدہ فہم، پسندیدہ سیرت اور قابل تعریف عادت کے شخص ہیں، انہیں علوم سے پوری مناسبت ہے اور وہ علوم کی نشر و اشاعت پر قادر ہیں۔

عرصہ دراز کے بعد معلوم ہوا کہ کسی کالج میں استاذ ہیں بعد میں ریٹائر ہو گئے اور لائل پور کی کسی مسجد میں

خطیب مقرر ہوئے، اسی دوران چند ماہ ایک خاص جماعت کی ابتدائی کتابوں کی تعلیم کے لئے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی میں بھی استاذ رہے، فریضہ حج غالباً ۱۳۵۷ھ میں ادا کیا ایک بار عمرہ وزیارت کے لئے بھی سفر حرمین کی توفیق ہوئی، دوسری بار اب سے کوئی اڑھائی تین مہینے پہلے عمرہ وزیارت کے لئے بڑے ذوق وشوق سے حرمین پہنچے ایک ماہ مدینہ طیبہ میں اور ایک ماہ سے زائد مکہ مکرمہ میں قیام رہا اس دوران والہانہ ومجذوبانہ انداز میں طواف و عبادات اور مجاہدات میں مشغول رہے، طبیعت وہیں بگڑ گئی تھی لیکن آرام کا خیال نہ کیا سفینہ حجاج سے واپسی ہوئی کراچی پہنچنے سے ۳۰ر گھنٹے قبل بخار ہوا بے ہوش ہو گئے جہاز کے ہسپتال میں داخل کئے گئے مگر تشخیص نہ ہو سکی بے ہوشی کے عالم میں کراچی اتارے گئے اور سول میڈیکل ہسپتال پہنچائے گئے، معلوم ہوا کہ گردن توڑ بخار کا عارضہ ہے جس سے مریض شاذ ونادر ہی جانبر ہوتا ہے، تمام تدبیریں کی گئیں مگر ناکام ہوئیں، بالآخر عمرے کا یہ مسافر تمام عمر کے لئے سفر آخرت پر روانہ ہو گیا۔

طبیعت ابتدا ہی سے نیم مجذوبانہ تھی، دیوبند کی طالب علمی کے دوران آدھی آدھی رات کو جنگل میں چلے جاتے کبھی سہارن پور جانے کے لئے اسٹیشن پر پہنچے، ریل نکل گئی تو پا پیادہ سہارنپور چل دیئے اور ۲۲ر میل کا سفر چند گھنٹوں میں طے ہو جاتا، ۱۹۳۰ء میں لاہور میں مولوی فاضل کی تیاری کے دوران ایک خاص شکل میں ذکر وشغل کرنے لگے جس کی وجہ سے یہ کیفیت طاری ہوئی کہ بہت سے لوگوں کی صورتیں بندر وغیرہ کی نظر آنے لگیں اور بے حد پریشان ہوئے، بالآخر میرے اصرار پر اس شغل کو ترک کیا تو کچھ عرصہ بعد یہ کیفیت جاتی رہی مگر اس شغل کی وجہ سے اس وقت امتحان میں ناکام ہوئے، یہی نیم مجذوبانہ کیفیت آخر عمر تک رہی، لذائذ وشہوات سے طبعاً دور تھے، مشتبہات سے اجتناب کرتے تھے، سنا ہے کہ دورہ حدیث کے اختتام پر حضرت مدنی قدس اللہ سرہ سے بیعت بھی ہو گئے، پوری زندگی سادگی اور مجاہدے میں گذاری، زبان پر کبھی کسی کی غیبت وغیرہ نہ آتی، غالباً ۶۸ر برس عمر ہوگی کہ سفر مبارک سے سفر آخرت پر روانہ ہوئے، چہرے کی نورانیت قابل رشک تھی، مغفرت کی علامات نمایاں اور حرمین کے انوار وبرکات مشاہد تھے، الحمدللہ بہت جلد تجہیز وتکفین اور تدفین کے مراحل طے ہو گئے اور یوسف پورہ میں سوداگران دہلی کے قبرستان کراچی میں ان کی آخری آرام گاہ بنی۔ حق تعالیٰ کی بے انتہا رحمتیں اس مسافر آخرت پر ہوں جس نے تمام زندگی زہد وقناعت اور تقویٰ ومجاہدہ کی منزلیں طے کرنے میں گذاری۔

اللهم اغفرله وارحمه وارضه وارض عنه وادخله دارالنعيم بفضلك وكرمك ياارحم الراحمين.

[جمادی الاولی ۱۳۹۴ھ/جون ۱۹۷۴ء]

مولانا دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ ہمارے محب و مخلص باخدا عالم مولانا دوست محمد قریشی بتاریخ ۴ رجمادی الاولی ۹۴ ۱۳ھ، ۲۶ رمئی ۴ ۱۹۷ء ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم سے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت (ہند) کے ۵۸ ۱۳ھ میں دورہ حدیث کے ایک طالب علم کی حیثیت سے تعارف و تعلق ہوا، مرحوم سنن ابی داؤد شریف کے چند ممتاز طلبہ کے ساتھ میرے درس میں شریک تھے، ایک مخلص تلمیذ اور خادم کی حیثیت سے ان سے یہ توقع اسی وقت تھی کہ اگر عمر نے وفا کی تو یہ مسلک اہل علم کا ایک تابندہ گوہر ہوگا، فراغت کے بعد عرصہ دراز تک مختلف مدارس میں علوم دینیہ کا درس دیا پھر ردفرق باطلہ میں امتیازی خصوصیت کے حامل بنے اور تھوڑے عرصہ میں ایک ممتاز شعلہ فشاں اور فصیح اللسان خطیب کی حیثیت سے پاکستان میں ان کا تعارف ہوا اور ساتھ ہی ساتھ نقشبندی سلسلہ میں حضرت عبدالمالک صاحب نقشبندی شیخ طریقت کے (جو حضرت مولانا فضل علی قریشی رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے) دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا اور قلیل عرصہ میں اپنی قوت مجاہدہ کی وجہ سے خلیفہ مجاز بن کر خود شیخ طریقت بھی بن گئے، اس باطنی نسبت کی بنا پر عام خطباء شعلہ بیان کے عیوب سے اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی، باوجود شیخ طریقت عمدہ مقرر مشہور عالم ہونے کے اخلاق میں تواضع اور اپنے اکابر سے عقیدت مندی و وابستگی آخر تک قائم رہی۔

کوٹ ادو میں درسگاہ و خانقاہ کی بنیاد بھی ڈال دی اور وہی آخری قیام گاہ بھی ثابت ہوئی، کچھ عرصہ پہلے فالج ولقوہ کا حملہ ہوا تھا، حق تعالیٰ نے شفاء عطا فرمائی اور تقریروں کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ مرحوم خوبصورت، خوب سیرت، باوقار سنجیدہ مزاج تھے، حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے اسلوب پر خطابت کا انداز تھا حافظہ عمدہ تھا، حضرت شاہ بخاریؒ کے بعض خصوصی مواعظ و تقاریر کے گویا حافظ تھے، اللہ تعالیٰ نے باوجود کمالات کے حب مال وجاہ سے محفوظ فرمایا تھا، اور ایک بیدار دماغ، دردمند دل سے نوازا تھا، شیعہ پاکٹ بک وغیرہ جیسی تصنیفی یادگار بھی چھوڑ چکے ہیں، کچھ عرصہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے شعبہ ردفرق باطلہ کے لئے ایام تعطیل میں تشریف لایا کرتے تھے اور تعلیم و تربیت و امتحان کے بعد سند مدرسہ سے دی جاتی تھی، اس قحط الرجال کے دور میں ان کا وجود بسا غنیمت تھا افسوس کہ جو شخصیت جاتی ہے اس کی جگہ خالی ہو جاتی ہے، حق تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ان پر ہوں، درجات عالیہ نصیب ہوں ان کی دینی، تبلیغی، تربیتی خدمات بارگاہ ربوبیت میں قبول ہوں اور اس کے اجر و ثواب سے یوم محشر میں مالا مال ہوں، آمین۔

[جمادی الاخری ۹۴ ۱۳ھ، جولائی ۴ ۱۹۷ء]

مولانا خیر محمد بہاولپوری مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کے ساتھ یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ حرم محترم مکہ کے ایک باخدا بزرگ اور معمر عالم حضرت مولانا خیر محمد صاحب بہاول پوری مہاجر مکی گذشتہ ماہ جمادی الاولی ۱۳۹۴ھ میں واصل بحق ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم اپنے علم وفضل اور استقامت واستقلال میں سلف صالحین کی یادگار تھے، مسجد حرام میں نماز کے بعد درس شروع فرمایا کرتے تھے اکثر اوقات بیت اللہ الحرام کے مواجہہ شریفہ میں طالبان علوم تسکین کا سامان کرتے تھے صحیح بخاری وغیرہ کتب حدیث سے لے کر تفسیر ابن کثیر اور شاطبیہ تک تمام علوم بے تکلف پڑھایا کرتے تھے، مہاجر علماء میں اس آخر دور میں ان کی نظیر نہیں تھی، مزاج میں انتہائی سادگی، معمولات میں انتہائی پابندی اور تدریس، علوم سے شغف قابل حیرت تھا، اخلاص، تواضع، مہمان نوازی وغیرہ ایک عالم برحق کی تمام خصوصیات کے حامل تھے، آخری عمر میں ضعف وعلالت اور بینائی کی انتہائی کمزوری کے باوجود آخری شب میں حرم کی حاضری کی تڑپ قابل دید تھی۔

اس پر آشوب دور اور قحط الرجال کے زمانے میں ایسی باخدا ہستیاں، عالم باعمل، جامع العلوم ماہر الفنون، محض حق تعالی کی رضا جوئی کے لئے جفاکشی، محنت وعرق ریزی کے ساتھ علوم دینیہ کی خدمت کرنے والے کہاں سے آئیں گے؟ نہ مال کی محبت نہ جاہ کی رغبت، نہ وجاہت کی خواہش، صرف علوم ہی کی خدمت زندگی مقصد ہو۔ ایسے بزرگ اب کہاں؟ سن مبارک بظاہر نوے کے قریب ہوگا افسوس کہ مجھے زیادہ تفصیل معلوم نہ ہوسکی بہرحال تمام زندگی علم کی بادیہ پیمائی میں صرف کی اور بظاہر نصف صدی کے قریب کا زمانہ مکہ معظمہ میں کعبۃ اللہ کے سائے میں گذارا، سبحان اللہ!

ایں سعادت بزور بازو نیست

محض حق تعالیٰ شانہ کا عظیم احسان ہے کہ پاک سرزمین میں پاک نیت سے پاک طینتی کے ساتھ حیات کا یہ کاروان منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ اے اللہ! ان کے درجات کو بلند اور مغفرت ورحمت ورضوان کے اعلیٰ مقامات نصیب فرما اور ان کے صاحبزادے محمد مکی کو ان کا صحیح جانشین بنا۔

آمین یارب العلمین وصلی اللہ علی خاتم النبیین وسید المرسلین محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین.

[رجب المرجب ۱۳۹۴ھ، اگست ۱۹۷۴ء]

مفتی اعظم سید محمد امین الحسینی فلسطینی رحمۃ اللہ علیہ

اور

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

سال رواں کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ علمی دنیا کے لئے ''عام الحزن'' ہے، بڑی بڑی جلیل القدر ہستیاں اور عظیم القدر اشخاص سفر آخرت پر روانہ ہوئے، ابھی ابھی جولائی ۷۴ء، ماہ جمادی الاولی ۹۴ھ میں عالم اسلام کے مفکر، عظیم سیاسی رہنما، تجربہ کار قدیم سیاست دان اور فقہ اسلامی کے مفتی اعظم سید محمد امین الحسینی فلسطینی واصل بحق ہوئے۔ اخبارات کے صفحات پر مرحوم کے حادثہ وفات پر اظہار تاثرات کے سلسلہ کی روشنائی ابھی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ دور حاضر کے ایک متبحر عالم اور جلیل القدر محدث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مرحوم کی وفات بلاشبہ اہل علم کے لئے ناقابل برداشت خسارہ ہے جس کی مکافات وتدارک کا کوئی امکان نہیں۔

حضرت مرحوم کی زندگی پوری نصف صدی تک درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں گذری، تعلیم اور فراغت مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں ہوئی۔ مظاہر العلوم سے فراغت کے بعد دار العلوم دیوبند آ کر حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کا شرف تلمذ حاصل کیا، مطالعہ کتب کا ابتداء ہی سے ذوق تھا، درسیات سے متعلقہ شروح وحواشی کے علاوہ بھی مطالعہ کتب کا شوق رہا، حافظہ بہت ہی عمدہ اور قابل قدر تھا اس لئے تبحر ووسعت نظر میں اپنے معاصرین میں ممتاز رہے، نیز ابتداء ہی سے علمی شوق کے ساتھ عبادت کا ذوق بھی تھا، جس نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا، حضرت مولانا بدر عالم صاحب رحمہ اللہ مہاجر مدنی کچھ حالات سنایا کرتے تھے، حضرت الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ سے تلمذ کے بعد دار العلوم دیوبند ہی میں مدرس مقرر ہوئے، مفوضہ کتب کے علاوہ روزانہ صبح کی نماز کے بعد درس ترجمہ قرآن کریم بہت شوق وذوق سے دیا کرتے تھے اور جمعہ کے روز بعد نماز جمعہ موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے درس کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا، دار العلوم دیوبند ہی میں ابتدائی تدریسی عہد میں مقامات حریری کا حاشیہ لکھا اور مشکاۃ المصابیح کی شرح شروع کی تھی، اسی وجہ سے ابتدائی تدریسی زندگی میں مرحوم کو متوسط درجہ کی کتابوں سے آگے کی کتابیں برائے تدریس دی گئیں تھیں، چنانچہ ابتدائی دور میں جہاں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ جیسے محقق روزگار کو مشکوٰۃ المصابیح دی گئی تھی وہاں مرحوم کو بھی مشکوٰۃ المصابیح کی جماعت ثانیہ حوالہ کر دی گئی تھی، ۱۳۴۶ھ میں دار العلوم سے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے استعفاء دیا، اور فتنے کا دور شروع ہوا اس لئے حضرت مرحوم کو یہ پسند نہ تھا کہ وہاں اپنے تدریسی شغل کو جاری رکھیں نیز حضرت مولانا حبیب الرحمن مرحوم سے تعلقات تھے ان کو بھی ناراض کرنا مشکل تھا اس لئے مرحوم دار العلوم کو خیر باد کہہ کر

حیدر آباد دکن جا کر وکیل فیض الدین مرحوم کے ہاں اقامت پذیر ہوئے، وکیل صاحب مرحوم کو بڑا علمی ذوق تھا بڑا عظیم الشان کتب خانہ جمع کیا تھا حضرت مرحوم کے قیام کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر انھوں نے صحیح بخاری کا درس لینا شروع کیا اور یک صد ماہوار مشاہرہ بھی مقرر کیا، حضرت مرحوم کو یہ فرصت کے لمحات بڑے مغتنم مل گئے، تمام رات فتح الباری کا مطالعہ کرتے تھے اور جتنی فتح الباری مطالعہ کی اتنا ہی سبق پڑھا دیا کرتے تھے اور کچھ تصنیفی کاموں کے لئے فرصت بھی مل گئی، اس دوران حج بیت اللہ کا فریضہ بھی ادا کیا اور وکیل فیض الدین کی رفاقت میں یہ سفر کیا گیا، حج ادا کرنے سے پہلے حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہؒ کی خدمت میں بقصد بیعت تشریف لائے، دیوبند پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت امام العصر رحمہ اللہ تبدیلی آب وہوا کے لئے بجنور تشریف لے گئے ہیں، بہت بے چینی سے بجنور پہنچے، حضرت امام العصر شاہ صاحب کا قیام مولانا مشیت اللہ بجنوری کے ہاں تھا اور راقم الحروف بنوری اس وقت پہلی مرتبہ خادم خصوصی کی حیثیت سے شرف خدمت سے سرفراز تھا، یہ ماہ شوال کے اواخر ۱۳۴۶ھ کا واقعہ ہے، میری موجودگی میں شرف بیعت سے مشرف ہوئے اور اذکار کی تلقین کی، اس وقت کی تمام کیفیات وحالات الحمد للہ سب یاد ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کی وفات ۳؍صفر ۱۳۵۲ھ کو ہوئی، حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد مجاہد عصر وعارف باللہ شیخ وقت حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ کے زمانہ صدارت میں دیوبند دوبارہ تقرر ہوا اور غالباً اسی دوران حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کا سلسلہ جاری ہوا اور آخر تک دار العلوم ہی میں خدمت تدریس انجام دیتے رہے یہاں تک کہ تقسیم ہندوستان کا تاریخی واقعہ پیش آیا اور ہجرت کرکے پاکستان تشریف لائے کچھ عرصہ جامعہ عباسیہ بہاولپور میں تعلیمی خدمات انجام دیں۔ بعد ازاں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب خلیفہ مجاز حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی دعوت پر لاہور تشریف لائے اور جامعہ اشرفیہ میں جس کی ابتداء نیلا گنبد سے ہوئی شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور نہایت سکون واطمینان سے تدریسی وتصنیفی زندگی میں مصروف ترین وقت گذارا۔ "التعلیق الصبیح" جو مشکوٰۃ المصابیح کی شرح ہے وہ موصوف کی ابتدائی تصنیفات میں سے ہے، اس کے طباعت کے لئے شام کا سفر کیا اور دمشق میں قیام فرما کر طبع کرائی، آخری جزء وہاں طبع نہ ہو سکا رقم ختم ہوگئی۔ اس کے بعد کی تصانیف میں زیادہ اتقان ہے۔ تصانیف میں "سیرۃ المصطفیٰ" نہایت عمدہ منقح اور قابل اعتماد سیرت نبوی اردو میں تالیف فرمائی، صحیح البخاری کی شرح "تحفة القاری بحل مشکلات البخاری" قابل قدر سرمایہ ہے جس کے ابتدائی چند جزو طبع ہوگئے ہیں۔ اور آخری جزو بھی طبع ہو چکا ہے جو نہایت محققانہ انداز میں ہے بلکہ اجزاء سابقہ میں اپنے تحقیقی معیار میں ممتاز ہے۔ قرآن کریم کی تفسیر "معارف القرآن" کے نام سے تالیف فرما چکے ہیں جلد پنجم طبع ہوگئی جو سورۃ توبہ پر ختم ہے، بلاشبہ عمدہ قابل قدر تفسیر اور ان کی علمی پختگی کی شاہکار ہے، بعض غرر نقول کا نہایت عمدہ انتخاب فرمایا ہے، کلام باری میں ان کا رسالہ "الکلام الموثوق فی تحقیق ان القرآن کلام اللہ غیر مخلوق" نہایت عمدہ رسالہ ہے اور تقریباً تیس سالہ محنت

ومطالعہ کا نتیجہ ہے، دارالعلوم دیوبند کے آخری دور میں اس موضوع کا مطالعہ اور لکھنا شروع کیا تھا میری ناقص رائے میں یہ کتاب تحقیقی معیار اور حسن ترتیب کے اعتبار سے تمام تالیفات میں امتیازی شان رکھتی ہے، ابتداء حافظ ابن تیمیہ و حافظ ابن القیم سے متاثر تھے لیکن آخر میں امام ابوبکر باقلانی کی ''الانصاف'' سے متاثر ہوئے اور آخری تحقیق جمہور متکلمین کے بالکل موافق ہوئی اور یہی رنگ تمام کتاب میں واضح ہے، حضرت مرحوم کی قابل رشک زندگی کا ایک پہلو یہ ہے کہ تمام لمحات حیات علمی کدوکاوش سے فارغ نہیں بیٹھے۔ اور اس میں ایسا استغراق رہا کہ دنیا کی خبر نہیں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ان پر احسان رہا کہ دنیوی افکار واشغال سے فارغ رکھا اور تمام افکار واشغال علمی بادیہ پیمائی میں صرف ہوئے اور علمی جدوجہد کا سلسلہ اور قوت حافظہ آخری لمحات حیات تک باقی رہی، عربی شعر کا بہت قابل قدر ذوق تھا بے تکلف اور برجستہ شعر کہتے تھے، فارسی شعر بھی فرماتے تھے۔

بہر حال حضرت مرحوم حدیث وتفسیر میں اپنے اہل عصر میں ممتاز رہے، وہ محدث تھے، مفسر تھے، ادیب تھے، شاعر تھے، صوفی مزاج تھے، صوفیانہ لطائف ومعارف سے بہت ذوق تھا، مرحوم اپنے فضل وکمال کے پیش نظر جس قدردانی کے مستحق تھے وہ نہ ہوسکی اور جس شہرت کے مستحق تھے وہ شہرت نہ ہوسکی، مکارم اخلاق عالمانہ تھے، لطیفہ گو اور حاضر جواب تھے، اپنی رائے پر پختہ تھے، کسی شخصیت سے کم مرعوب ہوتے تھے اپنی رائے پر زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ اہل علم کے قدردان تھے، خفیف الجسم، لطیف الروح تھے، مزاج میں انتہائی سادگی تھی، دنیا کے بکھیڑوں سے بے خبر تھے، مطالعہ اور تصنیف میں ہمہ وقت مستغرق رہے، ان کے اوقات علم وعمل اور درس وتدریس سے معمور تھے، کتابوں کے عاشق تھے، نئی مطبوعہ کوئی کتاب جس قیمت سے بھی ملتی تھی خرید لیتے تھے، خوش مزاج تھے مجلس لطائف وظرائف سے مالا مال ہوتی تھی، مہمان نواز تھے آخری ملاقات وفات سے دو ہفتے پہلے ہوئی، الحمد للہ کہ حسب معمول نہایت شفقت ومحبت فرمائی، کسے معلوم تھا کہ یہ علمی پیکر معارف ولطائف کا خزانہ، اخلاق کا مجسمہ، سراپا علم وفضل، محدث ومفسر، ادیب، یگانۂ روزگار ہستی اتنی جلد ہم سے رخصت ہونے والی ہے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے درجات عالیہ نصیب فرمائے، اور اپنی خصوصی رحمت ورضوان سے مالا مال فرمائے، زلات وسیئات کو حسنات میں تبدیل فرمائے۔ افسوس کہ جنازہ کی شرکت سے محروم رہا، راولپنڈی میں اطلاع پہنچی تھی ہوائی جہاز کی سیٹ نہ ملنے سے یہ سعادت نصیب نہ ہوسکی۔

[شعبان المعظم ۱۳۹۴ھ / ستمبر ۱۹۷۴ء]

مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

﴿کل من علیها فان و یبقی وجه ربك ذو الجلال و الا کرام﴾

کل ابن انثی وان طالت سلامته
یوما علی آلة حدباء محمول

آہ! آج مسند علم وتحقیق، مسند تصنیف وتالیف، مسند تعلیم وتدریس، مسند بیعت وارشاد بیک وقت خالی ہوگئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۲۳؍ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ، ۸؍دسمبر ۱۹۷۴ء اتوار کی صبح حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے داعی اجل کو لبیک کہا اور واصل بحق ہوئے۔ اس مروحق نے زندگی کی نوے منزلیں طے کر کے سفر آخرت کے لئے قدم اٹھایا ختم ہونے والی زندگی ختم ہوگئی اور نہ ختم ہونے والی زندگی کے لئے عالم برزخ میں قدم رکھا۔

مولانا عثمانی کی ذات سے تھانہ بھون اور سہارنپور کی پوری تاریخ وابستہ تھی، آپ عالم تھے اور ذکی عالم فقیہ تھے، اور محدث رجال حدیث کے محقق تھے، اصول حدیث کے نہ صرف ماہر بلکہ اس علم کی مہمات کو کتب حدیث ورجال سے تلاش وجستجو کے ذریعہ جمع کرنے والے تھے، اکابر امت اور جہابذۂ عصر کی توجہات کا مرکز رہے، مراکز علم میں علوم حاصل کئے اور مرکز صدق وصفا میں تربیت پائی، حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی محبت وشفقت کے زیر سایہ تمام علمی وتصنیفی کارنامے انجام دیئے، علمی جواہرات کو ملفوظات وتقریرات کی صورت میں قلم بند کرتے کرتے خود صاحب جواہرات بن گئے، نسبی نسبت نے علمی وعرفانی نسبت تک پہنچا دیا، تقریر وتحریر میں حکیم الامتؒ کے جلوے نظر آنے لگے، عربی کے ادیب تھے، شاعر تھے، عربی نظم ونثر پر یکساں قدرت تھی، علمی کمالات کے ساتھ مزاج میں حد درجہ سادگی تھی۔

مولانا عثمانی کی وفاداری اور اخلاص شک وشبہ سے بالاتر تھا، بے شمار چھوٹی بڑی کتابوں کے مصنف تھے، اگر ان کی تصانیف میں ''اعلاء السنن'' کے علاوہ اور کوئی تصنیف نہ ہوتی تنہا یہ کتاب ہی علمی کمالات حدیث وفقہ ورجال کی قابلیت ومہارت اور بحث وتحقیق کے ذوق محنت وعرق ریزی کے سلیقہ کے لئے برہان قاطع ہے، اعلاء السنن کے ذریعہ حدیث وفقہ اور خصوصاً مذہب حنفی کی وہ قابل قدر خدمت کی ہے جس کی نظیر مشکل سے ملے گی، یہ کتاب ان کی تصانیف کا شاہکار اور فنی تحقیقی ذوق کا معیار ہے، علمی جواہرات کی قدر شناسی وہی شخص کرسکتا ہے جس کی زندگی اسی وادی میں گذری ہو، دور دراز مواقع اور غیر مظان سے جواہرات نکال کر خوبصورتی سے سجا کر رکھ دینا یہ وہ قابل قدر کارنامہ ہے جس پر جتنا رشک کیا جائے کم ہے، موصوف نے اس کتاب کے ذریعے جہاں علم پر احسان کیا ہے وہاں حنفی مذہب پر بھی احسان عظیم کیا ہے۔ علمائے حنفیہ قیامت تک ان کے مرہون منت رہیں

گے، بلا شبہ اس بے نظیر کتاب میں حکیم الامت قدس سرہ کے انفاس قدسیہ اور توجہات عالیہ اور ارشادات گرامی کا بہت کچھ دخل ہے، لیکن حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کے ذریعے ان کا ظہور پُرنوران کے کمال کی دلیل ہے۔ ۱۳۵۷ھ میں جب راقم الحروف قاہرہ میں مجلس علمی کی طرف سے ایک علمی خدمت پر مامور تھا اور میرے رفیق کار مولانا سید احمد رضا بجنوری تھے اس وقت حکیم الامت قدس سرہ نے اعلاء السنن کے طبع شدہ اجزاء بھیجے اور خواہش ظاہر کی کہ جب تک تمہیں اس کی ضرورت ہو اپنے پاس رکھو اور ضرورت کے بعد حضرت شیخ محمد زاہد کو ہدیۃً پیش کردیں اور اگر ان کے ذریعہ قاہرہ میں عمدہ ٹائپ سے طبع ہو سکے تو بہت اچھا ہے اور بقیہ اجزاء غیر مطبوعہ بھی نقل کرواکر ارسال کردوں گا، حضرت شیخ کوثری اس وقت دنیائے اسلام کے محقق عالم اور نادرۂ روزگار تھے اور علمائے احناف کے سرمایۂ افتخار اور بے نظیر محقق وسیع النظر متبحر عالم تھے، ترکی الاصل تھے فتنہ کمالیہ میں وطن سے ہجرت کر کے مصر میں مقیم تھے، جب کتاب میں نے پیش کی تو حضرت نے مطالعہ کر کے فرمایا کہ احادیث احکام میں حنفیہ کے نقطہ نگاہ سے اس کتاب کی نظیر نہیں اور فرمایا کہ یہ مجھے دیکھ کر حیرت ہوئی ہے کہ قدماء کی کتابوں میں بھی اس استیعاب واستیفاء کے ساتھ ادلہ حنفیہ کو جمع کر کے اس تحقیق وتنقیح کی مثال مشکل سے ملے گی اور پھر وہ تقریظ تحریر فرمائی جو کتاب کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔

اعلاء السنن کا مقدمہ ''انہاء السکن'' کے نام سے تالیف فرمایا، یہ مقدمہ اصول حدیث کے نوادر اور نفائس پر مشتمل ہے تمام کتب رجال اور کتب حدیث اور کتب اصول حدیث سے انتہائی عرق ریزی کے ساتھ وہ نفائس جمع کردیئے ہیں کہ عقل حیران ہے بجائے خود ایک مستقل بے مثال کتاب ہے۔

حلب کے مایہ ناز عالم ربانی اور دنیائے اسلام کے محقق فاضل اور ہمارے مخلص ومحترم کرم فرما الشیخ ابوغدہ عبدالفتاح کو حق تعالیٰ شانہٗ جزائے خیر عطا فرمائے کہ جنہوں نے مصنف سے اجازت لے کر کتاب کا نام ''قواعد التحدیث'' تجویز فرمایا اور اس پر قابل قدر تعلیقات واضافات ومقدمہ لکھ کر علم اور اہل علم پر احسان عظیم فرمایا اور نہایت آب وتاب کے ساتھ زیور طبع سے آراستہ کیا کہ جسے دیکھتے ہی دل سے دعا نکلتی ہے کہ کتاب جس خدمت کی مستحق تھی الشیخ ابوغدہ اطال اللہ بقاءہ نے اس خدمت کو خوش اسلوبی سے انجام دیا کہ قیامت تک آنے والی نسلیں ان کی احسان مند رہیں گی۔

بہرحال کہنا یہ ہے کہ اس شہید علم کی یہ کتاب ہی ان کی آئینہ کمالات ہے اگر اور تصنیف نہ بھی ہوتی تو صرف یہ ایک کتاب ہی کافی وشافی تھی حالانکہ ان کے قلم خوب رقم سے کتنے جواہرات مرصع خزانہ علم میں آئے ہیں ان کی قابل رشک زندگی کا پہلو یہ ہے کہ آخر لمحہ حیات تک تدریس حدیث اور تصنیف وتالیف میں مشغول رہے ''اعلاء السنن'' کا پہلا حصہ جو احیاء السنن کے نام سے چھپا تھا وہ نامقبول ہوا تھا اور اس میں کچھ ایسی چیزیں آ گئی تھیں جس سے کتاب کا حسن ماند پڑ گیا تھا، اس کو دوبارہ ادھیڑ کر ''خذ ما صفا و دع ما کدر'' کے پیش

كل ذی علم عليم" جاری تھا، بار بار اسی کا تکرار کر رہے تھے، آج بھی ان کے وجد و کیف کا وہ نقشہ آنکھوں کے سامنے ہے، گویا انہیں اس عالم سے تعلق نہیں تھا، بس یہی آیت ورد زبان ہے، مجھے اپنے دعویٰ کی تائید کا موقعہ مل گیا، میں نے پوچھا کہ اب بتاؤ بڑے عالم کون ہیں؟ اور وہ جواب میں یہی آیت دہراتے، بہت اصرار و تکرار کے بعد اعتراف کیا کہ آج یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ حضرت مولانا انور شاہؒ اس دور کے سب سے بڑے جامع و محقق عالم ہیں، بہر حال یہ مرحوم کی ذہانت و طباعی اور علمی شغف کا ایک واقعہ تھا جو نوک قلم پر آ گیا۔

اسی طالب علمی کے زمانہ میں راقم الحروف سے رفاقت اور شدید تعلق و محبت کے باوجود مرحوم میں علمی تنافس و تسابق کا جذبہ بھی غلو کی حد تک تھا، دورۂ حدیث میں اول آنے کے لئے وہ محنت کی کہ باید و شاید، اس وقت مشہور تھا کہ یوسفین میں سے کوئی اول آئے گا اتفاق سے جب قرعہ فال راقم الحروف کے نام نکل آیا تو مرحوم کو قلبی قلق اور صدمہ ہوا جو مدت تک رہا فراغت کے بعد حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے تعلق بڑھ گیا تھا انہی کے ذریعہ مسند تدریس پر پہنچے، بنارس میں خدمت تدریس کے ساتھ تجارت کا چسکہ پڑ گیا اور اس میں خاصا انہماک بلکہ غلو ہوا، مرحوم از راہ ہمدردی اپنے ہر عالم دوست کو تجارت کی ترغیب دیا کرتے تا کہ عوام میں ذلیل نہ ہو، بہر حال یہ ممتاز طالب علم، ممتاز عالم اور پھر تاجر بن گئے، مردان کے ہوتی بازار میں تجارت تھی لیکن علم سے تعلق آخر تک رہا، کبھی درس قرآن، کبھی درس حدیث، کبھی محاضرات کی شکل میں فیض رسانی کرتے رہے، یہاں تک کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حق تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور درجات عالیہ سے سرفراز فرمائے، آمین۔

[محرم الحرام ۱۳۹۵ھ/فروری ۱۹۷۵ء]

مولانا محمد زکی کیفی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ ہمارے محترم جناب مولوی محمد زکی صاحب حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان کے بڑے صاحبزادے یوم شنبہ ۱۱/محرم ۱۳۹۵ھ، ۲۵/جنوری ۷۵ء داعی اجل کو لبیک کہہ گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم ابھی ابھی تازہ تازہ دیار قدس حرمین شریفین کی حاضری سے واپس آئے تھے، فریضہ حج بیت اللہ کے ارکان والہانہ انداز سے ادا کئے، آستانہ برکات مدینہ طیبہ کی حاضری بھی نصیب ہوئی، سفر حج میں لبیک لبیک کو ایسی قبولیت نصیب ہوئی کہ سفر آخرت کے لئے لبیک کہہ کر عالم آخرت کا سفر اختیار کیا، گویا حرمین شریفین میں قبولیت کے شرف سے متاع گرانمایہ کو عطا کر کے پر آشوب دنیا سے ملوث نہیں کرایا گیا اور جلد ہی پاک وصاف کر کے اپنے پاس بلا لیا، بلا شبہ ایسی موت ہر عاقل کے لئے قابل رشک ہے اور بلا شبہ پسماندہ اکابر و اصاغر کے لئے اس قسم کی موت اور اس کا صدمہ قابل تسلی ہے، مرحوم نہایت ذکی، سنجیدہ، باوقار، مہمان نواز طبیعت کے مالک تھے، نہایت خلیق و طلیق تھے، شعر و سخن سے بہرہ ور تھے، کیفی تخلص رکھتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب کو بڑھاپے

نظر جدید تصنیف بنائی، حق تعالیٰ کی ہزار ہزاروں رحمتیں ہوں اس شہید علم پر جس نے آخری لمحہ زندگی کو خدمت علم میں خرچ کیا، مظاہر العلوم سہارنپور سے فراغت علوم کی سند حاصل کی اور وہیں عرصہ تک تدریس علوم کی خدمت انجام دیتے رہے، پھر ڈھاکہ وغیرہ میں رہے کچھ عرصہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں رہے اور آخری زندگی کے تقریباً بیس سال دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالله یار میں گذارے، افسوس یہ سال علمی سانحوں سے لبریز ہے۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی وفات ایک علمی حادثہ تھا اور اس کے زخم ابھی مندمل نہ ہونے پائے تھے کہ حضرت عثمانی کے عظیم سانحہ نے قلوب کو مجروح کردیا، صدمہ اس بات کا ہے کہ ان اکابر کے رخصت ہوجانے سے ان کی مسند علم و فضل ہمیشہ کے لئے خالی ہوجاتی ہے اور کوئی اس کو پُر کرنے والا مستقبل میں بھی نظر نہیں آتا ہے عرصہ دراز سے یہ دردناک سلسلہ یوں ہی جاری ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حق تعالیٰ حضرت مرحوم کو رحمت و رضوان کے درجات عالیہ سے سرفراز فرمائیں اور ان کی علمی خدمات کو قبول فرمائیں اور ان کے لئے اجر و ثواب کا عظیم سرمایہ بنائے اور ان کے زلات سے درگذر فرمائیں، آمین۔

[ذوالحجہ ۱۳۹۴ھ/جنوری ۱۹۷۵ء]

مولانا محمد یوسف عباسی رحمۃ اللہ علیہ

۲۱/رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ کو مولانا محمد یوسف عباسی کا مردان میں انتقال ہوا، افسوس کہ غیر موجودگی کی وجہ سے بروقت مطلع نہ ہوسکا، مولانا مرحوم مردان کے قریب ''طورو'' نامی بستی کے باشندے تھے، متحدہ ہند کی مختلف درسگاہوں میں تحصیل علم کرتے ہوئے آخر میں حضرت مولانا برکات احمد ٹونکی مرحوم کی خدمت پہنچے اور معقول و فلسفہ کی کتابیں ان سے پڑھیں، خصوصی تعلق کی بنا پر حضرت موصوف کی توجہ کا خصوصی مرکز بن گئے اور انہیں بھی اپنے شیخ محترم سے انتہائی عقیدت ہوگئی، ۱۳۴۶ھ میں دورۂ حدیث کے لئے ڈابھیل پہنچے، یہی سال میرے دورۂ حدیث کا تھا اس لئے میرا یہ ہمنام طالب علم رفیق درس، رفیق مسکن اور رفیق معاشرت بنا، ہمارے درمیان تقریباً روزانہ مباحثہ رہتا تھا، میرا عقیدہ تھا کہ دور حاضر کے سب سے ممتاز ترین محقق اور جامع عالم حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ صاحب (رحمہ اللہ) ہیں۔ مرحوم کا خیال یہ تھا کہ اس شان کے عالم حضرت مولانا برکات احمد ٹونکی ہیں، اس بحث کا فیصلہ اس دن ہوا جب ''صحیح بخاری''، ''کتاب الایمان'' کی ''حدیث ہرقل'' زیرِ درس آئی، جیسا کہ حضرت شیخ امام العصر کے اس درس کا طرۂ امتیاز تھا اس حدیث کی تشریح و تحقیق مین اسلامی تاریخ، یہودیوں کے عہد عتیق، شروحِ تورات اور تالمود وغیرہ کے حوالے آئے اور فلاسفہ کے علوم، ان پر تنقید اور دیگر بے شمار مباحث پر سیر حاصل بحث ہوئی اس دن مولانا عباسی مرحوم کی حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی، درس سے فراغت کے بعد ان پر وجد و کیف کا ایک خاص حال طاری تھا اور زبان سے بے ساختہ قرآن کریم کی آیت کا قطعہ ''وفوق

میں اور پھر امراض کے ہجوم میں یہ صدمہ بلاشبہ عظیم صدمہ ہے لیکن ترقی درجات کے لئے ارحم الراحمین کے شئون وراء الوراء ہیں، حق تعالیٰ مرحوم کو رحمت ورضوان سے مالا مال کر کے جنت الفردوس نصیب فرمائے، آمین۔ اور پس ماندگان کو اجر جزیل وصبر جمیل سے نصیب فرمائے، آمین۔ الحمد للہ کہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں تمام طلبہ نے ختم قرآن سے ایصال ثواب کیا اور اس طرح ایک ادنیٰ حق ادا کرنے کی توفیق نصیب ہوئی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

[صفر المظفر ۱۳۹۵ھ/مارچ ۱۹۷۵ء]

سیدہ فاطمہ بنوریہ رحمۃ اللہ علیہا

بلاشبہ اس دنیائے کون وفساد میں موت وحیات کی سنت مستمرہ ایسی جاری ہے کہ بجز صبر وانقیاد اور تسلیم ورضا کوئی چارہ کار نہیں۔ جس طرح یہ ایک حقیقت ہے اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض حوادث اتنے صبر آزما ہوتے ہیں کہ بڑا حوصلہ مند انسان بھی حوصلہ ہار جاتا ہے۔ ۴/ربیع الاول ۱۳۹۵ھ، ۱۸/مارچ ۱۹۷۵ء کو میری ایک تیس سالہ بچی سیدہ فاطمہ (جس کو عرصہ دراز تک سلمہا لکھا کرتا تھا، آج رحمہا اللہ لکھنا پڑا) سالوں کے مصائب وآلام برداشت کر کے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سیدہ فاطمہ رحمہا اللہ کا مرثیہ درحقیقت صبر وشکر کا نوحہ وفریاد ہے، فاطمہ کی وفات کا صدمہ عبادت وتقویٰ کا رونا ہے، فاطمہ کا ماتم حیا وشرافت کا ماتم ہے، حق تعالیٰ نے مرحومہ کو وہ فطری کمالات عطا فرمائے تھے جو اس دور میں نہ کہیں دیکھے نہ سنے۔ فاطمہ پر آنسو بہانا درحقیقت بہت سے فضائل وبہترین خصائل کا رونا ہے، میں نے اپنی ستر سالہ زندگی میں اپنے عزیزوں اور اقرباء میں تو کیا اپنے حلقہ احباب وحلقہ تعارف اور اپنے دائرہ علم میں بھی ایسا پیکر صبر اور سر سے پیر تک شکر کا مجسمہ کہیں نہیں دیکھا نہ سنا، تقریباً اڑھائی برس کی عمر سے تیس سال تک مرحومہ جن آلام وامراض کا تختہ مشق بنی، اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، ایک حادثہ میں ناک میں زخم سے ناسور ہوگیا۔ بارہ سال کی عمر میں اسی حادثہ کی وجہ سے بینائی سے محروم ہوگئی، بینائی کی محرومی سے سالہا سال تک سر میں درد اور آنکھ کی پتلیوں کے درد وکرب میں مبتلا رہی، اسی عرصہ میں ایک بار گر گئی ہاتھ ٹوٹ گیا مگر کسی کو خبر نہیں کی خود غلط جڑ گیا۔ ایک بار ٹانگ جل گئی، کھال ادھڑ گئی، پھر بدن کے نچلے حصہ میں ایسا استرخا ہوگیا کہ جس سے بوٹی کاٹی جائے تو احساس تک نہ ہو، اس سے شفایاب ہوگئی تو مرض دق میں مبتلا ہوگئی، مسلسل چار ماہ مکمل علاج کے بعد شفاء حاصل ہوگئی، پھر فالج کا حملہ ہوا پھر اچھی ہوگئی، دل کے امراض کا شدید ومدید ابتلاء پیش آیا۔ ان تمام امراض واوجاع کو جس صبر سے برداشت کرتی رہی عقل حیران ہے۔ معمولی صحت ونعمت پر جس انداز سے شکر گذاری کرتی رہی وہ محض حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ایک حیرت انگیز کرشمہ تھا۔ ان مصائب وآلام میں راتوں کا جاگنا، عبادت کرنا بارہ سال کے سن میں بصارت کے زوال کے بعد حفظ قرآن کی نعمت سے سرفراز ہوئی، تمام رات کو تلاوت وذکر اللہ میں گذارنا، گھنٹوں سجدوں میں خشیت الٰہی سے آہ وبکا کرنا، آلام ومصائب پر آہ نہ کرنا، خوف خدا سے گھنٹوں آہ وبکا کرنا، کیا کیا کہا

جائے اور کہاں تک لکھا جائے۔ اس طویل مصائب وحوادث کی زندگی میں الحمدللہ کہ دو سال حرمین شریفین کا قیام دو سفروں میں نصیب ہوا، تین حج نصیب ہوئے، بے شمار عمروں کی دولت ملی، پانچ سال کی عمر میں زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ کی پہلی مرتبہ سعادت نصیب ہوئی تھی، راتوں کو جاگنا اور طواف کرنا اور آہ وبکاء کی توفیق نصیب ہوئی:

ایں سعادت بزور بازو نیست

۲۹ رسال کی عمر میں ازدواجی زندگی میں قدم رکھا، یہ سنت بھی پوری ہوگئی۔ ایک بچی سیدہ عاصمہ کی والدہ ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا، جو والدہ کی وفات سے چند ہی روز قبل ذخیرہ آخرت بنی، عقلاً تو مجھے سکون ہوا کہ مرحومہ کی پُرآلام حیات کا خاتمہ ہوکر حیات جاودانی کی سعادت ملی اور حق تعالیٰ کی رحمت بے پناہ کی توقع پر انتہائی سکون کے لمحات مل گئے، لیکن جب ان مجسمہ کمالات کی مفارقت کو دیکھتا ہوں اور ان کی طویل مظلومی ومسکینی ومحرومی کی داستان سامنے آتی ہے تو طبعًا انتہائی صدمہ ہوتا ہے، زندگی میں عقل وطبع کے اس تجاذب وکش مکش کا ایسا ابتلا کبھی پیش نہیں آیا۔ ان مجاہدات وریاضات میں حق تعالیٰ نے قرآن کریم کا عجیب وغریب ذوق مرحومہ کو عطا فرمایا تھا۔ ایسا شرح صدر ہوا کہ آیات کریمہ کے ایسے خواص کا انکشاف ہوا کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ صبر وشکر کا یہ پیکر، رضا بالقضاء کی تصویر، نالہ وفریاد کا یہ مرغِ سحری، ہم سے کیا جدا ہوا کہ قلب کا انس وسکون ختم ہوا، دل ودماغ پر، گھر کے درودیوار پر وحشت طاری ہوئی۔ گویا ایک نور کا وجود تھا جس کے غروب سے ظلمت چھاگئی، چھ سال کی عمر سے نو سال کی عمر تک تین سال میں ٹنڈو اللہ یار میں لڑکیوں کے اسکول میں جو گھر سے متصل تھا پانچ جماعتیں پڑھیں۔ اس معمولی تعلیم کی وجہ حساب میں وہ مہارت کہ حیرت ہوتی تھی۔ ان تمام امراض وتکالیف میں حافظہ کی قوت اور دماغ کا استحضار قابل حیرت تھا۔ مرض موت میں اپنے شوہر مولانا محمد انور بدخشانی سے تجوید وقرات میں مقدمہ جزریہ پڑھا، منطق کی مشہور کتاب شرح تہذیب پڑھی، زبانی تفسیر قرآن پڑھتی رہی۔ تعجب ہے کہ یہ ہمت وقوت کہاں سے آئی، اس لئے فاطمہ کا ماتم درحقیقت بہت سے مفاخر اور فضل وکمال کا ماتم ہے۔ حق تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ان پر نازل ہوں۔ یہ تمام آلام ومصائب بارگاہ قدس میں رفع درجات کا وسیلہ ہوں۔

> اللهم اغفر لها وارحمها وعافها واعف عنها واكرم نزلها ووسع مدخلها وارزقها دارًا خيرًا من دارها واهلًا خيرًا من اهلها واغسلها بالماء والثلج والبرد، ونقها من الخطايا كما نقيت الثوب الابيض من الدنس وادخلها الجنة واعذها من عذاب القبر وعذاب النار واعظم لنا في موتها الاجر والهمنا الصبر. آمين يا ارحم الراحمين.

۴ ر ربیع الاول ۱۳۹۲ھ کو رفیقۂ حیات داغ مفارقت دے گئی تھی، ٹھیک تین سال بعد اسی تاریخ ۴ ر ربیع

الاول ۱۳۹۵ھ کو یہ لخت جگر ہم سے جدا ہوگئی۔ ''بصائر وعبر'' کا خامہ فرسا اپنے محسن قارئین بصائر وعبر سے التجا کرتا ہے کہ بقدر فرصت وہمت مرحومہ کو ایصال ثواب کر کے اجر آخرت سے سرفراز ہوں، بجائے خطوط تعزیت وہمدردی ایصال ثواب پر توجہ فرما کر ممنون فرمائیں۔

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہ ناز ہے کس کی
ہزاروں اٹھ گئے رونق وہی باقی ہے مجلس کی

بہت سے خطوطِ تعزیت اور تار احباب ومخلصین کے پہنچ رہے ہیں، فرداً فرداً جواب سے معذرت خواہ ہوں۔ حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان محسنین کو جزاء خیر عطا فرمائیں، آمین۔

[ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ / مئی ۱۹۷۵ء]

الفقید الراحل جلالۃ الملک شاہ فیصل شہید رحمۃ اللہ علیہ

فما كان قيس هلكه هلك واحد
ولكنه بنيان قوم تهدما

''بصائر وعبر'' کی کتابت ہو چکی تھی کہ یہ دردناک وحسرت ناک خبر آج ۲۵ / مارچ ۱۹۷۵ء، ۱۲ / ربیع الاول ۱۳۹۵ھ کو ۵ / بجے شام پاکستانی ریڈیو نے نشر کی کہ شاہ فیصل کو ان کے ظالم بھتیجے نے گولی کا نشانہ بنا دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مملکت سعودی کا یہ فرمانروا عصر حاضر کا سیاسی مفکر، اسلامی اتحاد کا داعی، جہاد فلسطین وقدس کا علم بردار، شعائر اسلام کی حفاظت میں بے مثال غیور فرمانروا تھا، ان کی شہادت پر جتنا ماتم ونوحہ کیا جائے کم ہے۔ اس نازک ترین دور میں عرب واسلامی دنیا کو ان کی بڑی ضرورت تھی اس وقت یہ پاسبان حرم اور خادم الحرمین الشریفین صرف حرمین وحجاز اور ریاض کا پاسبان نہ تھا بلکہ سچ یہ ہے کہ تمام عالم اسلامی اور تمام ممالک عربیہ کا پاسبان تھا، عرصہ کے بعد مسلمان وعرب سلاطین میں ایسا معتدل المزاج مدبر فمانروا پیدا ہو گیا تھا، جس کے تدبر وسیاست نے برطانیہ وامریکہ کو پریشان کر رکھا تھا، جس کے جود وکرم، نوال وعطا اور جود وسخا نے تمام پارینہ داستانوں کو پارہ پارہ کر دیا تھا، جس کے حسن اخلاق اور بردباری نے دشمنوں کو دوست بنا لیا تھا، جس نے مصری سادات حکومت پر رحم وکرم کے خزانے کھول دیئے تھے۔ اسے ۷۵ / ملین ٹن پیٹرول دیا، سقوط نہر سوئز کا ابتداء سے آج تک جتنا خسارہ ہوا وہ سب پورا کر دیا، نہر سوئز کے شہر پورٹ توفیق کو جو اسرائیل کی بمباری سے تباہ وبرباد ہو گیا تھا مکمل طور پر دوبارہ آباد کرنے کا تکفل کیا۔ جس نے مصری حکومت کی اعانت کے لئے جہاد فلسطین وقدس کے واسطے مصر میں دو بینک کھول دیئے اور یہ اعلان کیا کہ اس مقصد کے لئے جتنی امداد کی ضرورت ہو وصول کر لیا کریں۔ جس نے شام کی حکومت کو ۳۵ / کروڑ ڈالر بطور قرض ۱۵ / کروڑ ڈالر کی امداد اور بیس کروڑ ڈالر ترقیاتی کاموں کے لئے دینے منظور کئے، جس نے عمان کی حکومت کو ایک کروڑ پچاس لاکھ ڈالر ماہانہ اور ڈیڑھ کروڑ ڈالر اپنی آمد کے موقعہ پر بطور خاص دینے کا

اعلان کیا تھا، جس نے تنظیم آزادی فلسطین کو پچاس لاکھ ڈالر سالانہ امداد دینے کا اعلان کیا تھا، جس نے پاکستان کے زلزلے میں ایک کروڑ ڈالر کا عطیہ دیا، سربراہ کانفرنس میں تیس کروڑ کا عطیہ دیا۔ جس نے پاکستان کی سلامتی اور امداد میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ یہ تو مرحوم کے دریائے سخا کے چند قطرے ہیں، ورنہ عالم اسلام میں ان کی سخاوت وجود کی کی نہریں بہہ رہی ہیں، اپنی یازدہ سالہ حکومت میں عرب اور مسلمانوں پر وہ عظیم احسانات کئے جو قیامت تک دنیا یاد رکھے گی۔ بلاشبہ حق تعالیٰ نے ان کے لئے زمین کے خزانے کھول دیئے تھے، ۲۹/ارب ڈالر سالانہ تک تیل کی آمدنی پہنچ گئی تھی، لیکن الحمد للہ کہ اس مرد حق نے بھی خوب شکر ادا کیا، مسلمانوں کی امداد کے لئے اپنے خزانوں کے دروازے کھول دیئے تھے۔ ان کی موت بلاشبہ تمام عالم اسلام کے لئے دور حاضر کا سب سے بڑا المیہ ہے، عرب سیاست میں ان کی رحلت سے جو خلا پیدا ہو گیا بمشکل پُر ہوگا۔ ان کے بھتیجے فیصل بن مساعد کے ہاتھ سے یہ حادثۂ کبریٰ پیش آیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خدا کا شکر کہ مرحوم عمر کے آخری مراحل میں نالہائے سحری کے عادی ہو گئے تھے، نماز کے پابند تھے، مزاج میں تواضع ومسکنت کی انتہاء تھی۔ راقم الحروف کو دو مرتبہ خصوصی ملاقاتوں میں قریب سے قریب تر ہو کر ان کی شخصیت کو پڑھنے اور دیکھنے کا موقع ملا تھا اور ان کے وقار ومتانت اور اسلامی ہمدردی کے گہرے نقوش قلب پر مرتسم ہو گئے تھے، حق تعالیٰ ان کے زلات کو معاف فرمائے اور جس طرح دولت کے خزانے ان کی زندگی میں ان کے لئے کھول دیئے تھے۔ اسی طرح ان کے مرنے کے بعد اپنی عفو ومغفرت اور رحمت بیکراں کے دروازے ان پر کھول دے، دولت وثروت کی زوال پذیر سلطنت کے بدلے محض اپنے فضل وکرم سے رحمت ورضوان کی لازوال سلطنت انہیں نصیب فرمائیں (آمین) اور ان کے جانشین خالد بن عبد العزیز کو ان کا صحیح جانشین بنائے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائیں (آمین)۔

[ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ/مئی ۱۹۷۵ء]

مولانا عبد الودود مردانی رحمۃ اللہ علیہ

ماہ صفر ۱۳۹۵ھ میں گڑھی کپورہ ضلع مردان کے ہمارے ایک مخلص وصالح عالم دین مولانا حافظ عبد الودود صاحب واصل بحق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم نے تمام عمر سلف کے طرز پر حفظ قرآن سے لے کر درسی علوم کے مختلف فنون کی کتابیں پڑھائیں، خاموشی کے ساتھ قناعت کی زندگی بسر کی، جمعیۃ العلماء احناف یوسف زئی کے ناظم اعلیٰ بھی تھے، کچھ عرصہ جمعیۃ علماء اسلام کے لئے شیخ الاسلام حضرت الاستاذ عثمانی رحمہ اللہ کی سرپرستی میں بھی خدمات انجام دیتے رہے۔ مرحوم سنجیدہ باوقار اور مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک تھے، حضرت مولانا عبد الرحمن رحمہ اللہ بہبودی والوں سے شرف بیعت بھی حاصل تھا۔ اس طرح تھانوی سلسلہ کے فیض یافتہ تھے، تراویح میں ختم قرآن کریم کا معمول رہا۔ صرف آخری رمضان المبارک میں علالت کی وجہ سے صرف ۲۲/ بارے سنائے مگر ختم نہ کر سکے۔ شب وفات میں عشاء کی نماز باجماعت کی سعادت نصیب ہوئی تہجد کے لئے پانی

رکھوایا عین تہجد کے وقت آخری شب میں روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔ حق تعالیٰ مغفرت ورحمت ورضوان کے مقامات عالیہ نصیب فرمائیں۔ آمین۔

[جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ؍ جون ۱۹۷۵ء]

آہ! علامہ ابوالوفا قندھاری رحمۃ اللہ علیہ

نشستہ در ظلم با قمر چہ کار مرا
چراغ تیرہ شبم با سحر چہ کار مرا

حضرت مولانا ابوالوفا قندھاری افغانی کی روح مبارک ملاءِ اعلیٰ کی طرف پرواز کرگئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اذاجاء اجلهم لا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون

آج رات ۲۵،۲۶ ؍جولائی ۱۹۷۵ء کی درمیانی رات شنبہ ۱۷؍ رجب المرجب ۱۳۹۵ھ حیدرآباد دکن سے ایک تاریہ دردناک خبر لے کر آیا کہ حضرت مولانا ابوالوفا وفات پاگئے، ٹیلیگرام ۲۳؍ جولائی کا ہے نہ معلوم وصال کب ہوا۔ افسوس کہ ان چند ماہ میں آسمان علم کے کیسے کیسے آفتاب و ماہتاب اور درخشاں ستارے یکے بعد دیگرے غروب ہوتے گئے، بصائر و عبر کے مرثیہ خوان قلم کی روشنائی خشک ہونے سے پہلے نو بہ نو مصیبت کی مرثیہ خوانی کرنی پڑ رہی ہے، حضرت والا مولانا سید محمد زکریا رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات کی جان کاہ مصیبت کا پہاڑ سر پر ٹوٹا، جس نے دماغ کو پاش پاش کردیا ان ٹکڑوں کو سمیٹنے سے فرصت نہیں ملی تھی کہ ایک باخدا عالم، گمنام درویش، دور حاضر کے ولی اللہ، پارسا متقی، زاہد، فقہ حنفی کے محقق، حنفیہ کے محسن اعظم، فاضل قندھاری کی وفات نے حواس باختہ کردیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ افغانستان وقندھار کا یہ مایہ ناز عالم جس نے حیدرآباد دکن کو اپنا گہوارہ علم بنالیا تھا ان کے کمالات وصفات کے بیان کے لئے دفتر چاہئے۔

وہ فقہ حنفی کے امام تھے، قدماء حنفیہ کی کتابوں کے حافظ تھے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کے عاشق تھے، جس دیدہ ریزی سے ان ائمہ کی کتابوں کو دنیا کے گوشہ گوشہ سے جمع کرکے ان کی حفاظت کرتے تھے اور پھر ان کی اشاعت کے انتظامات کرتے تھے آج کی دنیا اس کا اندازہ لگانے سے بھی قاصر ہے، زہد وتقوی کا یہ پیکر مجسم جس مقام پر پہنچا تھا یہ عیش پرست دنیا اس کا تصور بھی نہیں کرسکتی، ورع وخشیت کا جو درجہ ان کو نصیب تھا عصر حاضر کا گمان بھی وہاں نہیں پہنچ سکتا۔

حیدآباد دکن جیسے شہر میں جس کی عیش پرستی کے سیلاب میں پہاڑ بھی بہہ گئے اور جہاں بڑوں بڑوں کے قدم بھی پھسل گئے، اس مرد خدا کے پائے استقامت کو کیا مجال کہ ذرہ برابر بھی لغزش پیدا ہوئی ہو، مرحوم صحیح معنی میں عالم باعمل تھے، قرآن کے حافظ تھے عشرہ قرأت کے عالم تھے، تجوید وقرأت میں دو کتابوں کے مصنف تھے،

رات کو جب اٹھتے تھے تو جب تک وضو کرتے تھے اور نماز کی تیاری کرتے تھے دردناک فارسی اشعار پڑھتے تھے اور خوب رویا کرتے تھے، پھر تہجد میں طویل طویل قیام کرتے تھے اور دردناک لہجے میں اس والہانہ انداز میں قرآن کریم کی قرأت کرتے کہ سننے والوں کو تڑپا دیا کرتے تھے اور بسا اوقات آہ و بکا کی کیفیت طاری ہوتی تھی، صبح کی نماز خود پڑھایا کرتے، طوال مفصل کی بڑی سورتیں پڑھتے تھے اور کبھی کبھی نماز میں حفص رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت کے علاوہ بقیہ قرأت سبعہ میں سے کوئی قرأت پڑھا کرتے تھے۔ مدرسہ نظامیہ حیدرآباد دکن میں عرصہ دراز تک مدرس اور استاذ رہے تھے، بعد میں معمولی سی پنشن ہوگئی تھی، بس اسی حقیری پنشن سے قوت لا یموت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ کسی رئیس جاگیردار کا نہ کھاتے تھے نہ کسی حیدرآبادی رئیس و جاگیردار کی دعوت قبول کرتے تھے۔ وہ جاگیردار جو صالحین میں شمار ہوتے تھے کبھی ان کے یہاں بھی چائے کا ایک گھونٹ تک نہیں پیا، باوجود اس کے یہ تمام حضرات رؤساء و جاگیرداران سے ایسی عقیدت رکھتے اور ان کا ایسا احترام کرتے تھے کہ عقل حیران ہے، کمال یہ ہے کہ کبھی ان رؤسا کے یہاں ملنے جایا کرتے تھے لیکن نہ چائے نہ پانی۔

عالم ہو یا غیر عالم غنی ہو یا فقیر کسی کا ہدیہ قبول نہیں کیا کرتے، خیرات و صدقات تو کجا۔ نہایت مخلصانہ ہدیہ جو بغیر اسراف کے ہو وہ بھی کبھی قبول نہیں کیا، یہ ان کا ایک خاص اضطراری ذوق تھا کسی کی حجت و دلیل نہیں سنتے تھے اس سلسلہ کے بڑے دل چسپ واقعات ہیں (۱)۔

مولانا محمد انوار اللہ صاحب مرحوم کے شاگرد رشید تھے، اکثر کتابیں حیدرآباد دکن میں مرحوم سے پڑھی

---

(۱) یہاں ایک واقعہ کا ذکر کرنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے جو خود حضرت بنوری مدظلہ، کو پیش آیا، وہ حضرت ہی کے الفاظ میں یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ ایک زمانہ میں مولانا مرحوم پر تنگی کا ایسا دور تھا کہ کئی کئی دن کا فاقہ ہوتا مجھے (حضرت بنوری کو) مرحوم کا اصول معلوم تھا کہ وہ کسی کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا کرتے، میں نے مولانا محمد موسیٰ میاں افریقی کو مولانا کے بارے میں لکھا، انھوں نے مرحوم کے نام بغیر کسی تعارف کے کچھ رقم بھیجی مرحوم نے مجھے ڈابھیل خط لکھا کہ یہ افریقہ میں کون صاحب ہیں جنہوں نے مجھے رقم بھیجی ہے، اور میرا پتہ ان کو کس نے بتایا؟ اور یہ کہ میں اس رقم کو واپس کرنا چاہتا ہوں اس کی واپسی کی صورت کیا ہوسکتی ہے؟ میں نے لکھا کہ یہ ایک مخیر عالم ہیں علماء کرام کو عموماً ہدایا بھیجتے رہتے ہیں ان کو آپ کے نام سے واقفیت ہوگی اس لئے انھوں نے آپ کو بھی ہدیہ بھیج دیا ہوگا۔ آپ اسے واپس نہ کیجئے بلکہ قبول فرما لیجئے۔ آپ کو وہ حدیث معلوم ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کچھ مال عطا فرمانا چاہا تو انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کسی ایسے شخص کو دیجئے جو مجھ سے زیادہ ضرورتمند ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''بغیر اشراف نفس کے کچھ مل جائے تو اسے قبول کرلیا کرو'' اور آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ زاہد نہیں، لہٰذا آپ بھی اس ہدیہ کو جو اشراف نفس کے بغیر آیا ہے رد نہ فرمایئے۔ مرحوم نے اس کے جواب میں لکھا کہ تم نے یہ حدیث نہیں پڑھی کہ ''الید العلیا خیر من الید السفلی'' میں نے لکھا کہ اول تو یہ حدیث ہدیہ سے متعلق نہیں بلکہ صدقہ سے متعلق ہے، علاوہ ازیں ''ید علیا'' کی ایک تفسیر لینے والے ہاتھ سے بھی کی گئی ہے۔ بہرحال آپ کے پاس اس ہدیہ کے رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ مرحوم نے پھر لکھا کہ میں یہ دروازہ ایک دفعہ بند کرچکا ہوں اب تمہاری تلقین سے اس کو کھولنا نہیں چاہتا بس مجھے یہ بتاؤ کہ یہ رقم کیسے واپس کی جائے؟ اس کے بعد خط آیا کہ اب مجھے طریقہ معلوم ہوگیا ہے۔ بہرحال اس شدید تنگی میں بھی موصوف نے اس رقم کا ایک حبہ تک استعمال نہیں کیا بلکہ پوری کی پوری رقم واپس کرکے دم لیا۔ کیا اس حرص و طمع کے دور میں اس کی نظیر مل سکتی ہے؟ اس نوعیت کے نہ جانے کتنے واقعات مرحوم کو پیش آئے ہوں گے۔ (مدیر)

تھیں، اس لئے حیدر آباد دکن بعد میں ان کا مسکن اور وطن ثانی بنا، موصوف کی زندگی کا سب سے بڑا قابل صد فخر کارنامہ احیاء المعارف النعمانیہ جیسے ادارے کی تاسیس ہے، اس ادارے کا اساسی مقصد یہ تھا کہ حضرات ائمہ کرام، امام ابوحنیفہ، ابو یوسف، محمد بن الحسن شیبانی رحمہم اللہ کی اصلی کتابوں کو مہیا کر کے تعلیقات ومقدمات کے ساتھ عمدہ سے عمدہ صورت میں شائع کیا جائے۔ اس کے بعد طبقہ ثانیہ وثالثہ کے ائمہ فقہا حنفیہ کی تالیفات کی خدمت کی جائے، امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ جیسی ہستی اس ادارے کی معاون رکن بن گئی اور جیب خاص سے ایک رقم بھی عطا فرمائی، اس لحاظ سے حضرت شیخ کی رہنمائی اور اعانت کا شرف اس ادارے کو حاصل رہا اور حضرت شیخ کی رہنمائی سے ہی یہ معلوم ہوا کہ قاہرہ میں ایک محقق حنفی عالم الشیخ محمد زاہد کوثری موجود ہیں، چنانچہ امام العصر کے بعد دوسری ہستی، محقق روزگار، متصلب حنفی، وسیع النظر، ترکی علامہ کی سرپرستی بھی ان کو نصیب ہوئی۔

۱۳۵۰ھ سے ۱۳۷۱ھ تک مدۃ العمر حضرت شیخ کوثری اس ادارے کے بے نظیر علمی معاون اور رہنما رہے، نہ صرف رہنما بلکہ مقدمات وتعلیقات میں نام بے نام اصلاح فرمایا کرتے تھے اور استنبول کے علمی کتب خانہ کے نوادرات کی اطلاع دیا کرتے تھے، اور ان کے فوٹو وغیرہ منگوانے میں ان کی رہنمائی فرمایا کرتے تھے اور طباعت کے لئے کتابوں کا انتخاب ان کی رائے سے ہوتا تھا، قاہرہ میں شیخ رضوان محمد رضوان ان کی رہنمائی سے وکیل احیاء المعارف منتخب ہوئے جن کی کوششوں سے احیاء المعارف کی کتابیں قاہرہ میں آب وتاب سے عمدہ تصحیح کے ساتھ چھپنی شروع ہوگئیں، حضرت شیخ کوثری کی رہنمائی ہی سے ادارہ نادرترین مخطوطات سے مالامال ہوگیا اور امام ابوزید دبوسی اور امام جصاص کے نوادر مؤلفات ادارے میں پہنچ گئیں، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوری کا امام العصر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی وجہ سے ادارے سے تعلق ہوا، ”کتاب الحجة علی اهل المدینة“ انہی کی تصحیح ومقابلہ وتعلیقات سے حیدرآباد میں طبع ہوئی، رفتہ رفتہ مجلس علمی ڈابھیل کی بھی توجہ ہوئی اور امام محمد بن الحسن کی کتاب الآثار کی شرح مولانا ابوالوفا صاحب رحمہ اللہ سے لکھوانے کی خواہش کی جس کی دو جلدیں طبع ہوگئیں اور غالباً شرح پوری نہ ہوسکی یا طباعت پذیر نہ ہوسکی۔ راقم الحروف بنوری کو ۱۳۵۰ھ میں اس ادارے کی مجلس عاملہ کا رکن منتخب کیا گیا۔ بعد میں غالباً مولانا عبدالرشید نعمانی کو بھی ادارے کا ممبر بنایا، الغرض احیاء المعارف النعمانیہ کے ذریعہ جس طرح ٹھوس علمی خدمت کی اور قدماء ائمہ اور قدماء فقہاء حنفیہ کی کتابیں عمدہ ترین ٹائپ میں تعلیقات ومقدمات کے ساتھ شائع کرتے رہے، یہ قیامت تک ان کی یادگار رہے گی اور انشاء اللہ تعالیٰ ان کے لئے صدقہ جاریہ رہے گا، احیاء المعارف النعمانیہ کی جس انہماک وشغف اور عشق ومحبت سے علمی خدمت کی اس کی نظیر ہم نے نہ کبھی دیکھی نہ سنی اور اگر نہ دیکھتے تو یہ گمان بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ ایسی کوئی ہستی بھی ہوگی جو اس انداز سے خدمت کرتی ہو۔ شب وروز علاوہ عبادت وسحر خیزی کے یا تصحیح ومقابلہ ہے یا تعلیق کا کام ہے۔ اور کمال تو یہ تھا کہ خود ایک حبہ تک کا معاوضہ مجلس سے نہ لیتے تھے اور کوشش یہ ہوتی تھی کہ دوسرا شریک کار مقابلہ کے لئے بھی ایسا ملے کہ معاوضہ نہ دینا پڑے۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب حیدر آبادی – متع الله الامة بخدماته الدينية – جو آج کل پیرس میں قیام پذیر ہیں، وہ ادارے کی مجلس عاملہ کے رکن تھے ان سے بھی مقابلہ وتصحیح کی خدمات لیتے تھے، انتہائی بوس تکلیف کی زندگی گذارتے تھے اور انتہائی معمولی حقیر پنشن پر زندگی بسر کرتے تھے لیکن کیا مجال کہ کوئی معاوضہ مجلس سے وصول کریں، آج انہی کے اخلاص واحتیاط کی برکت سے ادارے کے کتب خانے میں بے شمار علمی مخطوطہ نوادر کا ذخیرہ جمع ہوگیا اور مطبوعات کا بڑا سرمایہ فراہم ہوگیا خود مرحوم کا بڑا نادر کتب خانہ تھا نہ معلوم کہ ان ذخائر علمیہ اور علمی خزانوں کا کیا حشر ہوا ہوگا۔ حضرت مرحوم نے تجرد کی زندگی گذاری اور تمام زندگی علمی خدمات کی نذر کی اور تقریبا پچاس برس تک احیاء المعارف کی جلیل القدر قابل رشک خدمات انجام دیں، مرحوم کی برکت سے کتب ستہ میں سے پہلی مرتبہ الجامع الکبیر مصنفہ امام محمد بن الحسن عمدہ تعلیقات ومقدمہ کے ساتھ زیور طبع سے آراستہ ہوئی اور امام ابو یوسف کی کتاب الآثار کا پہلی مرتبہ دنیائے علم کو علم ہوا کہ امام ابو یوسف کی بھی کتاب الآثار ہے، مرحوم ہی کی کوشش سے حکومت کے مطبعہ دائرۃ المعارف سے امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب المبسوط شائع ہونی شروع ہوئی۔ اس شہید علم پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں جس نے اس پرآشوب دور میں سلف صالحین کی یاد تازہ کردی، میرا انتہائی اصرار رہا کہ ادارے کو پاکستان کراچی منتقل فرما دیں، میری طرف سے ہر ممکن امداد سے دریغ نہ ہوگا کیونکہ مجھے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ آپ کے بعد ادارے کا مستقبل تاریک ہے اور اس شمع فروزاں کے بعد اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا، میرے اصرار پر بات سمجھ میں آ گئی تھی اور وعدہ فرمایا کہ اگر ارکان مجلس راضی ہوں تو میں اس سلسلہ میں عملی قدم اٹھاؤں گا لیکن افسوس کہ یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا، کاش اگر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب حیدر آباد میں ہوتے تو شاید ادارے کی حیات کی صورت باقی ہوتی، مقدرات کا کیا چارہ کار کیا جائے، تفصیلات تو معلوم نہیں لیکن اجمالاً تو مایوسی ہے، خدا کرے کہ مایوسی کی اس شب دیجور میں کوئی امید کی کرن پیدا ہو، مولانا ابو الوفا قندھاری افغانی کی وفات سے ورع وزہد کا ایک پیکر، تقویٰ وخشیت الٰہی کی قوی روح، جہد وسعی کا ایک حیرت انگیز نمونہ، سلف صالحین کی عجیب یادگار، بوس وخمول کی حیثیت سے ہو یا قناعت وزہد کی جہت سے ہو ایک عظیم ترین شخصیت دنیا سے رخصت ہوگئی، بس اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت ہے کہ ایک ضعیف ونحیف جسم میں قدیم ترین سلف کی روح جلوہ گر ہوگئی تھی، عصر حاضر میں اس کا تصور بھی نہیں ہوسکتا علم وعمل، شب خیزی اور نالہائے سحری کا یہ بلبل ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگیا، بہار دنیا میں جو روز افزوں خزاں کی ہوائیں چل رہی ہیں بجز قدرت خداوندی کوئی توقع نہیں کہ دوبارہ اس چمنستان دہر میں ایسا گلدستہ نمودار کرے جس کی خوشبو سے دماغ علم معطر ہو، وفی الله عزاء من كل فائت۔ حق تعالیٰ ان کی روح پر فتوح پر جنت الفردوس کے دروازے کھول دے اور نعیم جنت کے رحمت ورضوان کے وہ مقامات عالیہ نصیب فرمائے جو ارحم الراحمین کی رحمت ازلیہ کے شایان شان ہوں:

اللّٰهم اغفر له، اللّٰهم ارحمه، اللّٰهم ارفع درجاته عندك فى مقعد صدق يارب الغلمين.

قاری محمد حسن امروہوی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ ہمارے محترم قاری محمد حسن صاحب امروہوی نے جمعرات ۹ر جمادی الاخری ۱۳۹۵ھ، ۱۹ر جون ۱۹۷۵ء صبح کو داعی اجل کو لبیک کہا، مرحوم قاری محمد صدیق بنگالی استاذ مدرسہ فرقانیہ لکھنو کے شاگرد رشید تھے، لیکن اپنی خداداد قابلیت اور موزونیت طبع سے حسن تجوید وحسن قرات اور حسن تلاوت کے اس مقام پر پہنچے تھے کہ متحدہ ہندوستان میں ان کی کوئی ہمسری نہیں کرسکتا تھا، میں نے اپنی زندگی میں اتنا موثر پڑھنے والے قاری کو کبھی نہیں دیکھا نہایت وقار وخشوع کے ساتھ وردناک آواز میں اس انداز سے تلاوت فرماتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ قرآن آج نازل ہورہا ہے، خصوصاً فجر کی نماز میں سننے والوں پر ایسی کیفیت طاری ہوتی تھی کہ دنیا ومافیہا سے غائب ہوجاتے تھے۔ رنگون، راندیر، سورت، ریاست قلات میں زندگی گذاری، آخری زندگی کراچی میں گذری، افسوس کہ کوئی اپنا شاگرد رشید ایسا نہیں چھوڑا جس سے ان کی یاد تازہ ہو، طبیعت میں انتہائی ظرافت تھی، خوش مزاج مرنج مرنجان تھے ان میں محاکات کا مادہ غضب کا تھا جب کسی کی نقل اتارتے تو اصل سے یہ نقل بڑھ جاتی تھی، کبھی کبھی مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں بعد عصر تشریف لایا کرتے تھے ان کی آمد سے اچھی خاصی محفل قرأت آراستہ ہوجاتی تھی، طلبہ سے قرآن سنتے اور خود بھی سناتے، اچھے پڑھنے والوں کے بڑے قدردان تھے اور انکی قراءت سے بے حد محظوظ ہوتے تھے۔ افسوس کہ راقم الحروف اپنی علالت کی وجہ سے نماز جنازہ میں شرکت سے محروم رہا۔

رحمه الله رحمة واسعة، وارفع درجاته فی مقعد صدق عند ملیك مقتدر.

مولانا ابواحمد عبداللہ لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

پنج شنبہ ۲۹ر جمادی الاخری ۱۳۹۵ھ، مطابق ۱۰ر جولائی ۱۹۷۵ء کو قبیل مغرب گوجرانوالہ میں حضرت مولانا ابواحمد عبداللہ لدھیانوی کا قریباً ۹۳ر سال کی عمر میں انتقال ہوا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم موضع بلیہ وال ضلع لدھیانہ (مشرقی پنجاب) کے ایک علمی خاندان کے چشم وچراغ تھے، مرحوم کو مولانا نور احمد امرتسری، مولانا مفتی محمد حسن، مولانا سلطان محموو، امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی (نوراللہ قبورہم) سے شرف تلمذ حاصل تھا اور حضرت مفتی محمد حسنؒ کے خلیفہ مجاز تھے، حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے دست مبارک سے انہیں حدیث کی سند اجازت لکھ کر دی تھی، جو ایجاز کا اعلیٰ نمونہ ہے، تبرکا اس کا متن درج ذیل ہے:

بسم الله الرحمن الرحیم

نحمده ونصلی علی نبیه الکریم وبعد!

فان الصالح السعید المولوی عبد الله قدقرا الامهات الست فی الحدیث، فانا اجیزه باذن الله واوصیه بالبر والتقویٰ والله الموفق

والمعین۔ فقط

العبد

محمود عفی عنہ

یکم ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ

مرحوم نے زندگی کا طویل سفر اپنے اسلاف واکابر کے نقش قدم پر طے کیا، مدۃ العمر تعلیم وتدریس اور ارشاد وتلقین کے پاکیزہ مشاغل میں منہمک رہے، تقسیم سے قبل لدھیانہ وغیرہ میں تدریس کے فرائض انجام دیئے اور تقسیم کے بعد گوجرانوالہ میں آرہے اور وہاں "دارالعلوم نعمانیہ" کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا، جس کے آخر دم تک مہتمم رہے۔ قیام پاکستان کے بعد موصوف عالم اسلام کے اتحاد اور ارباب حکومت کی اصلاح کے لئے متفکر رہا کرتے تھے، ان پر پاکستان کے ارباب حل وعقد، اعلیٰ افسران، فوجی حکام اور عالم اسلام کے سربراہوں اور چید شخصیتوں کو دینی دعوت دینے کا جذبہ غالب آگیا تھا ان کا یہ احساس تھا اگر عالم اسلام کے ذمہ دار افراد کا رخ اسلام کی طرف پھر جائے اور وہ اسلام کو ایک ضابطہ حیات اور ایک لائحہ عمل یقین کر کے صدق دل سے اس پر عمل پیرا ہوجائیں تو مسلمان آج بھی اقوام عالم سے آگے نکل سکتے ہیں، اس پیغام کو متعلقہ حضرات تک پہنچانے کے لئے موصوف نے ایک ادارہ تصنیف وتالیف قائم کیا تھا، جس کے زیر اہتمام متعدد کتابیں خود مرتب کر کے ہزاروں کی تعداد میں شائع کیں اور اعلیٰ احکام اور سربراہان عالم اسلام کے نام ارسال کیں۔ حق تعالیٰ شانہ مرحوم کو اپنی رحمت ورضوان سے نوازے اور ان کے گرامی قدر صاحبزادگان مولانا عبدالواسع، مولانا محمد اسماعیل، مولانا حافظ محمد طاہر اور مولانا محمد احمد کو ان کا صحیح جانشین بنائے، آمین۔

[شعبان المعظم ۱۳۹۵ھ/ستمبر ۱۹۷۵ء]

مولانا فاروق احمد بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء حضرت مولانا فاروق احمد رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات سے بہاول پور کے ان جلیل القدر علماء کرام کی یاد تازہ ہوگئی جن میں شیخ الجامعۃ العباسیہ مولانا غلام محمد گھوٹوی، مولانا احمد علی، مولانا محمد صادق، مولانا عبیداللہ، مولانا محمد علی رحمہم اللہ تعالیٰ کی جیسی نادر روزگار شخصیتیں شامل ہیں۔ مولانا سہارنپور کے علمی خاندان کی یادگار تھے۔ اور برِّ اعظم کے مشہور عالم دین مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ کے حقیقی بھتیجے تھے۔ بہاول پور میں نصف صدی سے ادھر کا عرصہ قال اللہ وقال الرسول اور درس وتدریس میں گذارا، باوجود پیرانہ سالی اور کمزوری کے ابھی تک مرحوم کے فیض کا سلسلہ جاری تھا جس سے اہلیان بہاول پور محروم ہوگئے۔ مرحوم کی قیام گاہ مرجع خاص وعام بنی ہوئی تھی۔ صبح اور شام کے اوقات میں بے شمار مخلوق آپ کے فیوض وبرکات سے فی سبیل اللہ مستفیض ہوتی تھی۔

اس قحط الرجال کی دور میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وجود کسی نعمت عظمیٰ سے کم نہ تھا جس سے اہلیانِ بہاولپور محروم ہوگئے۔ مولانا نے ۲۷؍ رمضان المبارک کو داعیٔ اجل کو لبیک کیا اور ۲۷، ۲۸؍ رمضان المبارک کی درمیانی بابرکت شب کو علماء، صلحاء، حفاظ اور عوام وخواص کے اجتماع عظیم نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کی، جس کے بعد ایک اشک بار جم غفیر کی موجودگی میں انھیں سپرد خاک کردیا گیا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائیں اور اعلیٰ علیین میں جگہ دیں۔ آمین۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

[زوالقعدہ ۱۳۹۵ھ / دسمبر ۱۹۷۵ء]

مولانا گل محمد سکھروی رحمۃ اللہ علیہ

یوم الجمعہ ۲۱؍ ذوالحجہ ۱۳۹۵ھ، دسمبر ۷۵ء کو میری دوسری اہلیہ کے والد ماجد مولانا گل محمد صاحب سکھر میں واصل بحق ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کے اخلاص، کرم نفس، جود وسخا، ہمت ومردانگی، جفاکشی، غیرت دینی، مکارم اخلاق کا مجھے پہلے سے علم ہو چکا تھا، دو سالہ تعلق کے عرصہ میں ان کے اوصاف حمیدہ کا مشاہدہ بھی ہوتا رہا، طویل ترین علالت کے دوران ان کی استقامت وصبر کو دیکھ کر حیرت ہوئی، آخر میں دق وسل جیسے موذی مرض میں مبتلا ہوئے لیکن کیا مجال کہ ان کی خوش خلقی اور صبر وتحمل میں ذرا بھی فرق آیا ہو، کبھی اپنی تکلیف کی کسی سے شکایت نہیں کی، حکایت حال کے طور کچھ زبان پر کبھی آیا تو آیا، خواص میں اس قسم کے کمالات ہوں تو زیادہ تعجب نہیں ہوتا لیکن عوام امت میں ایسے قابل رشک صفات یقینا باعث تعجب ہیں۔ حق تعالیٰ کی اس مخلوق کے گمناموں میں نامعلوم کتنے اولیاء اللہ ہیں جن کا کسی کو علم نہیں، اگر مشاہیر میں یہ کمالات ومحاسن موجود ہوں جب بھی قابل قدر ہیں، لیکن غیر مشہور گمنام شخصیتوں میں اس قسم کے محاسن حیرت افزا ہیں، خدا کا شکر ہے کہ مرحوم کا تمام خاندان صالحین واہل علم کا ہے، ان کے والد ماجد حضرت مولانا شیر محمد صاحب مستند عالم اور باخدا شخصیت تھی، صرف ونحو کے تو امام تھے، حضرت عارف سندھی مولانا حماد اللہ ہالیجوی سے بیعت واصلاح کا تعلق تھا، بارہا ملاقات ہوئی، ان کی بزرگانہ شفقت واخلاص کا ممنون ومعترف ہوں، مرحوم انوار العلوم سکھر کے روح رواں تھے، اس کی ترقی کے لئے ہمیشہ کوشاں تھے، ان کی اہلیہ محترمہ طلبہ کے لئے سکھر کی گرمی میں سالن اور روٹی اپنے ہاتھ سے تیار کیا کرتی تھیں اور صبح وشام گھنٹوں یہ صبر آزما خدمت انجام دیا کرتی تھیں اور اب بھی کرتی ہیں، بیماری وعلالت میں کبھی کوئی نماز فوت نہیں ہوئی، جس رات صبح کو وفات مقدر تھی اشارے سے تہجد پڑھی اور سورہ رحمٰن وسورہ یاسین کی تلاوت کی اور تبسم کیا، تیمارداروں کو الوداع کہی سب کو صبر کی تلقین کی، جزع وفزع اور آہ وبکاء نہ کرنے کی وصیت کی، جمعہ کی صبح اذان کے بعد بھائیوں اور بیٹوں کو نماز کے لئے جانے کا حکم دیا اور اس دوران ان کی روح ملاء اعلیٰ کی طرف پرواز کر

گئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حق تعالیٰ جنت الفردوس میں درجات عالیہ نصیب فرمائے اور رحمت ورضوان ومغفرت کے مقامات عالیہ سے سرفراز فرمائیں، آمین۔ میری اہلیہ کو اسی جمعہ کی رات یعنی وصال سے چند لمحے قبل خواب میں زیارت ہوئی صبر واستقاست کی تلقین کی، دنیا سے رخصتی کا حال سنایا اور اپنا حسین وخوبصورت اور دلاویز گھر جنت میں دکھلایا، والہانہ انداز سے اہلیہ نے اس مکان میں رہنے کا اشتیاق ظاہر کیا تو فرمایا کہ تمھیں بھی یہاں آنا ہے لیکن ابھی وقت نہیں آیا، فرمایا محنت کرو تمھارا گھر بھی تیار ہوگا، میرا گھر تیار ہوگیا، حسب عادت راقم الحروف کی خدمت ورضاجوئی کی وصیت فرمائی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقاں پاک طینت را

افسوس کہ باوجود کوشش جنازے پر نہ پہنچ سکا، تدفین کے بعد مزار پر فاتحہ خوانی نصیب ہوئی

ان لله ما اخذوله ماعطى وكل شيء عنده باجل مسمّى فالحمد لله رب العالمين حمد الصابرين الى يوم الدين.

[محرم الحرام ۱۳۹۶ھ/فروری ۱۹۷۶ء]

مولانا عبدالباری انصاری لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

جمعہ کے مبارک دن ۲۸؍محرم ۱۳۹۶ھ، ۳۰؍جنوری ۱۹۷۶ء دور حاضر کے اسلامی مفکر، عصر حاضر کے متکلم وفیلسوف حضرت مولانا عبدالباری انصاری لکھنوی ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہوگئے اور ان کی روح پاک عالم غیب کی طرف پرواز کرکے واصل بحق ہوگئے. انا لله وانا اليه راجعون

وہ عالم تھے، وہ عارف تھے، وہ صوفی باصفا تھے، سراپا اخلاص تھے، ورع وتقویٰ کے پیکر تھے، عصر حاضر کے علماء ربانیین کے ایک ممتاز فرد تھے، حیدرآباد دکن کی سرزمین میں دنیا سے الگ ہوکر اپنی دنیا بسانے والے ایک ہی شخص نظر آئے، مرحوم کا ابتدائی تعارف حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی سیرۃ النبی کے جزء سوم سے ہوا، جس میں معجزات پر ان کا فاضلانہ مضمون ہے پھر غالباً ۱۳۵۹ھ میں حیدرآباد دکن میں پہلی ملاقات کا شرف بمعیت حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم حاصل ہوا، دوسری ملاقات کا شرف اس وقت نصیب ہوا جب میں دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الله یار میں ۱۳۷۰ھ میں اقامت پذیر تھا اور مہمانی کی سعادت بھی نصیب ہوئی اور دو ایک نجی مجالس بھی رہیں جن میں ہم دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب ہوئے اور ''صدق جدید'' میں مرحوم نے اپنے سفرنامے میں اس کا ذکر بھی فرمایا، پھر تیسری ملاقات کی سعادت کراچی میں حاصل ہوئی جبکہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کی بنیاد پڑ چکی تھی اس مرتبہ الحمدللہ قریب سے قریب تر دیکھنے کا موقع ملا اور مجالس میں ان کو اچھی طرح پالیا اور عقیدت ان سے بڑھ گئی، فکر کی گہرائی میں قرآنی حقائق کے ذوق میں بے مثل تھے، نئی نسل کی تربیت

واصلاح پر غور کرنے میں بے نظیر تھے۔

جدید فلسفے اور جدید الٰہیات پر ان کی نظر اور ہمہ گیری حیرت انگیز تھی، ان جدید فلاسفہ کے نظریات پر اتنی وسیع نظر تھی کہ حیرت ہوتی تھی گویا ان کے سر پر جوتے مارے ہیں، ان کی نظر نہیں ملتی، ان کے افکار کو جس جستجو اور عرق ریزی سے یکجا کر کے ان سے استنباط کرتے تھے انہی کا حصہ تھا۔

حضرت حکیم الامتؒ کے دامن سے وابستگی سے تو ان کی دنیا ہی بدل گئی اپنی جائداد اور وسائل معاش کو خدمت دین کے لئے وقف کر کے حضرت تھانوی قدس سرہ کے علوم اور حقائق و معارف کو جدید نسل کی رہنمائی کے لئے مفید سے مفید و مؤثر بنانے کے لئے تمام قلمی و فکری صلاحیتیں ختم کر دیں اور یہ ان کی زندگی کا اہم ترین کارنامہ ہے، حضرت تھانوی قدس سرہ کی تمام مختلف الانواع تصانیف سے، متفرق موضوعات سے، منتشر ملفوظات سے، مواعظ حکیمہ سے ایک ایک چیز موضوع کے تحت یکجا کر کے روح نکال دی، اس کی مؤثر تمہیدات اور منقح تشریحات سے چار چاند لگا دیئے، درحقیقت تمام امت پر اور خصوصاً تھانوی بارگاہ کے خوشہ چینوں پر ناقابل فراموش احسان کیا ہے۔

اصلاح علم و عمل کے نام سے سورہ العصر کی تفسیر لکھ کر تمام علماء اور خادمانِ دین کو عبرت آموز سبق دیا۔

''سائنس اور مذہب'' جیسی نافع و عظیم تصنیف سے تمام فلاسفہ اور ملاحدہ کے سر پر جوتے لگائے اور اللہ تعالیٰ کی حجت پوری کر دی، زہد و قناعت کی قابل رشک زندگی بسر کی، تمام مرغوبات و لذائذ کو یک قلم ترک کے زاہدین کے لئے نظیر قائم کر گئے، بلاشبہ دور حاضر کی مخلص ترین باخدا شخصیت تھی افسوس کہ ان کے کمالات و خصائص ان کے ساتھ دفن ہو گئے، علماء اور ارباب قلم میں اس ذوق اور ان خصوصیات کی کوئی ہستی نظر نہیں آتی، انا للہ وانا علیہ راجعون۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اللہ تعالیٰ کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں اس مشتِ استخوان پر اور ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں ان کی روح پر فتوح پر جنت الفردوس میں اپنے حضرت شیخ تھانوی کے جوار قدس میں مقام اعلیٰ نصیب ہو اور ان کی روح ان مخلصانہ و محققانہ تصانیف کے ثمرات سے اور فقیرانہ زندگی کی برکات سے مالا مال ہو۔

آمين يارب العالمين وصلى الله على صفوة البراية خاتم النبيين سيدنا محمد وآله وصحبه اجمعين.

مولانا سید مہدی حسن شاہ جہان پوری رحمۃ اللہ علیہ

جس طرح بارانِ رحمت سے خشک صحرا، وادیاں، جھلسے ہوئے کھیت اور خشک باغات سرسبز و شاداب ہو کر لہلہاتے ہیں، ٹھیک اسی طرح علماء ربانیین کا وجود قلوب عباد کے لئے باران رحمت ہے، بلکہ علماء حقانی کا وجود تمام کائنات کے لئے رحمت و نعمت ہے، ان کے وجود سے دلوں کو حیات، روحوں کو غذا اور دماغوں کو تازگی ملتی ہے،

فضاء عالم منور ہوتی ہے، ظلمات کفر وضلال کافور ہو جاتی ہیں، بلکہ صحیح تعبیر یہ ہے کہ اس عالم کی بقاء کا راز علماء ربانیین کے وجود میں مضمر ہے اور یہی وجہ ہے کہ سمندروں کی مچھلیاں، صحراؤں کے کیڑے مکوڑے اور جنگلات کے حشرات وحیوانات تک ان کے لئے دعا کرتے ہیں، آسمانوں کے فرشتے دعا کرتے ہیں، زمین کے فرشتے ان کے قدموں کے نیچے پر بچھاتے ہیں، بلاشبہ جو ہستیاں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وارث، نیابت نبوت کی زینت بخش اور ہدایت مخلوق کا ذریعہ ہوں ان کے یہ فضائل ہونے چاہئیں، چنانچہ زبان خاتم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اور اس قسم کے فضائل ان کے منقول ہیں۔ انہی علماء ربانیین میں سے حضرت مولانا سید مہدی حسن شاہجہان پوری کی شخصیت تھی جن کی زندگی کے ستر سال سے زیادہ قرآن وحدیث وفقہ وعلوم اسلامی کی خدمت میں گزرے، رجب ۱۳۰۰ھ شاہجہانپور محلہ ''ملاخیل'' میں ولادت بابرکت ہوئی اور غالباً ماہ جمادی الاولی ۱۳۹۶ھ کے اواخر میں شاہجہانپور محلہ ''جھنڈا کلاں'' میں واصل بحق ہوئے،، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ گیارہ سال راندیر ضلع سورت میں پوری صحاح ستہ پڑھائیں، جامعہ اشرفیہ میں سات سال اور جامعہ محمدیہ میں چار سال۔ نیز متفرق علوم کی کتابیں پڑھاتے رہے اور افتاء کا کام بھی کرتے رہے، پورے تیس سال راندیر سورت میں افتاء کی خدمت انجام دی، ۱۳۶۸ھ سے لیکر ۱۳۹۰ھ تک دارالعلوم دیوبند میں صدارت افتاء کی خدمات انجام دیتے رہے اور شرح معانی الآثار طحاوی بھی پڑھاتے رہے اور سالہا سال کے بقایا استفتاءات، ہزاروں کی تعداد میں نمٹائے اور تقریباً اٹھارہ گھنٹے یومیہ مشغول رہتے تھے، آخری عمر میں فالج کا حملہ ہوا کچھ افاقہ ہوا لیکن ہاتھوں پر رعشہ کا اثر باقی رہا، دارالعلوم کا تعلق ختم ہو گیا تھا اور اپنے گاؤں شاہجہان پور میں مرض کے ایام گزارتے رہے، آپ تعجب کریں گے کہ مرتعش ہاتھوں میں قلم لے کر ایک اہم ترین کتاب کی تصنیف شروع کی یعنی امام ابومحمد ابن حزم کی کتاب ''المحلی'' پر تنقید، جہاں امام موصوف کے قلم نے وہ کام کیا جو حجاج کی تلوار کرتی تھی اور علماء میں عام مثل ہے ''سیف الحجاج و قلم ابن حزم توأمان'' کہ حجاج بن یوسف کی تلوار اور ابن حزم کا قلم دونوں جڑواں بہنیں ہیں۔ اور تمام ائمہ دین میں کسی کو بھی نہیں چھوڑا کہ تردید نہ کی ہو اگرچہ زیادہ تر حصہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور ہر دور میں علماء امت نے ابن حزم کے جوابات دیئے اور '' القدح المعلی فی رد المحلی '' کے نام سے بعض اکابر نے مستقل کتاب بھی لکھی۔ بہر حال محدث شاہجہان پوری کے قلم سے اس وقت بھی ایک اہم تصنیف کی جا رہی تھی ''السیف المجلی فی الرد علی المحلی'' کے نام سے دو ایک چھوٹے چھوٹے اجزاء طبع بھی ہو گئے تھے اور راقم الحروف کے پاس بھی بھیجے گئے تھے، ایسی علالت کی حالت میں ایسی اہم تالیف میں مشغول ہونا لوگوں کے لیے موجب تعجب ہوگا مگر جس کی زندگی جس کام میں فنا کا مقام حاصل کر لیتی ہے اس کی یہی شان ہوتی ہے۔ افسوس کہ حضرت محدث شاہجہان پوری کی مرثیہ نگاری کے لیے قلم اس وقت ہاتھ میں آرہا ہے جب کہ ڈاکٹروں اور طبیبوں نے قلبی عارضہ کی وجہ سے دماغی کاموں سے منع کر دیا ہے اور راحت کی تاکید کی ہے اس لیے بہت افسوس کے ساتھ ''بصائر وعبر'' کا نامہ نگار اپنی معذوری کی وجہ سے

مرثیہ نگاری سے قاصر ہے، اس لیے برادر محترم مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی سے خواہش کی کہ عرصہ دس بارہ سال پہلے حضرت مرحوم کی "كتاب الحجة" کی تعلیقات کی وجہ سے مرحوم کا جو علمی ترجمہ سپرد قلم کیا تھا اور حیدر آباد دکن کے دائرۃ المعارف میں طبع ہو گیا تھا اس کا ترجمہ شامل کر دیا جائے، نیز ۱۹۴۷ء میں جب راقم الحروف کراچی آیا تھا اور مرحوم سورت میں تھے اس وقت ایک مکتوب گرامی حسرت ناک آیا تھا جس میں ایک غمگین واقعہ کا ذکر کیا تھا اور چند عربی اشعار مجھے لکھے تھے، اس قت ارتجالاً چند عربی اشعار بطور تعزیت و تسلی اسی قافیہ و بحر پر فوراً نوک قلم پر آ گئے تھے وہ بھی شامل کر دیے جائیں تا کہ کسی درجہ میں حق ادا ہو سکے اور کسی قدر ان کی قدر و منزلت کی طرف اشارہ ہو سکے:

فغاں کہ گشت نیو شدہ سخن خاموش
دگر چہ گو نہ تسلی کنم من ایں لب و گوش

اللّٰهم اغفرله مغفرةً لا تغادر ذنبا وارحمه رحمة كاملة تخص بها عبادك المقربين وادخله فى جنات النعيم وارضه وارض عنه مالا يوازيه منزلة ولا نعيم، وصلى الله على صفوة عباده خاتم النبيين سيدنا محمد وآله وصحبه وتبعه وعلماء الدين.

[شعبان المعظم ۱۳۹۶ھ]

حالاتِ محدث شاہجہانپوری رحمۃ اللہ علیہ

[جو ۱۳۸۵ھ میں کتاب الحجۃ کے مقدمہ کے لئے لکھے گئے]

کتاب الحجۃ کے شارح اور مصحح شیخ محدث علامہ مفتی مہدی حسن کا سلسلہ نسب یہ ہے:

مہدی حسن بن سید کاظم حسن بن علامہ سید فضل اللہ بن سید محب اللہ شاہ بن شیخ العصر سید قطب الدین المعروف قطبی میاں بن شیخ سید درویش بن شیخ سید شہاب الدین احمد شاہ آبادی بن شیخ کامل سید ابو اسحاق ابراہیم بن فاضل سید شہاب الدین احمد شاہ گیلانی۔

جن کا سلسلہ نسب بیس واسطوں سے امام ربانی شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی الحسنی الحسینی سے جا ملتا ہے، مفتی صاحب کے جد امجد شیخ ابو اسحاق ابراہیم شاہجہاں کے عہد سلطنت میں بغداد سے دہلی تشریف لائے اور نو سال بعد بغداد کی طرف مراجعت فرما ہوئے، دوبارہ پھر ہندوستان آئے، اور اورنگ آباد دکن میں وفات پائی۔ پھر ان کے صاحبزادہ سید احمد ۱۰۹۰ھ میں بعہد سلطان عالمگیر بغداد سے دہلی آئے، شاہ آباد میں سکونت اختیار کی وہیں انتقال ہوا اور محلہ کڑہ میں دفن ہوئے وہاں ان کی قبر زیارت گاہ خاص و عام ہے، مفتی صاحب ۱۳۰۰ھ میں شاہجہان پور کے محلہ ملاخیل میں پیدا ہوئے پہلا نام خواجہ حسن تھا بعد ازاں ایک عارف کے اشارہ سے نام بدل کر مہدی حسن کر دیا گیا یہ

اس بزرگ کی فراست تھی کہ مہدی حسن کے نام میں ان کے ہدایت یافتہ ہونے کی نیک فال تھی۔

قرآن کریم والد ماجد سے پڑھا انہی سے کچھ حصہ حفظ بھی کیا بقیہ حفظ بارہ سال کی عمر میں دیگر اساتذہ سے پورا کیا اسی طرح فارسی کی ابتدائی کتابیں والد ماجد اور بڑے بھائی سے پڑھیں، پندرہ سال کی عمر ہوئی تو محلہ کی مسجد میں پہلی مرتبہ تراویح میں مصلی سنایا، پھر اپنے شہر کے مدرسہ عین العلم میں داخل ہوئے، اور صرف ونحو کی کتابیں مدرسہ کے اساتذہ سے پڑھیں جن میں سب سے مشہور بانی مدرسہ مولانا شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ نیز نحو اور فقہ کی کچھ کتابیں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں اور جب مفتی کفایت اللہ صاحب مدرسہ امینیہ دہلی میں منتقل ہوئے تو آپ کے والد ماجد نے آپ کو بھی وہیں بھیج دیا، چنانچہ ادب فارسی، ادب عربی، علوم عقلیہ منطق وفلسفہ، اصول فقہ اور علم حدیث وغیرہ تمام علوم وفنون کی کتابیں حضرت مفتی کفایت اللہؒ اور دیگر ساتذۂ مدرسہ سے پڑھیں، ۱۳۲۶ھ میں سند فراغ حاصل کی اور مدرسہ امینیہ میں ہی مدرس بن گئے، صحیح بخاری اور جامع ترمذی کے اطراف سنا کر شیخ العصر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ سے حدیث کی اجازت حاصل کی اور ۱۳۲۸ء میں دارالعلوم دیوبند سے سند فضیلت حاصل کی، قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت مولانا شفیع الدین صاحب مہاجر مکی سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

پھر مدرسہ اشرفیہ راندیر ضلع سورت صوبہ بمبئی میں صدر مدرس ہوئے اور سات سال تک صحاح ستہ کے علاوہ منطق وفلسفہ اور بلاغت کی کتابیں پڑھائیں، پھر چار سال تک مدرسہ محمدیہ راندیر میں صدر مدرس کی حیثیت سے صحاح ستہ کی تدریس کے فرائض انجام دیئے۔

۱۳۳۸ھ سے ۱۳۶۸ھ تک مسلسل تیس سال صوبہ بمبئی میں افتاء میں مشغول رہے تا آنکہ ۱۳۶۸ھ میں دارالعلوم دیوبند میں صدر مفتی کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا اور تادم تحریر (۱۳۸۵ھ) وہاں افتاء اور دین وعلم کی خدمت میں مشغول ہیں۔ دارالعلوم دیوبند میں دومرتبہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح معانی الآثار کا بحث وتحقیق کے ساتھ درس دیا، پہلا حج ۱۳۳۷ھ (۱۹۱۹ء) میں کیا اس کے بعد اب تک چار حج کر چکے ہیں، ان اسفار میں حرمین کے علماء ومشائخ سے ملاقاتیں ہوئیں، مختلف مسائل میں بطور افادہ واستفادہ ان سے علمی مذاکرے رہے اور وہاں کے اکابر مشائخ نے اجازتوں سے مشرف فرمایا، مکہ مکرمہ میں جن مشائخ سے اجازت حاصل ہوئی ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

شیخ احمد بن علی نجار الطائفی المکی الشافعی مدرس حرم۔ شیخ عمر بن ابی بکر جنید الشافعی وکیل حنابلہ۔ شیخ سید حسین بن علی الملک۔ ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ شیخ محمد مرزوقی۔ شیخ سید محمد بن ہاشم الحنفی۔ شیخ حبیب اللہ بن مایابی المالکی الشنقیطی۔ شیخ محمد حسن پشاوری مہاجر مکی مؤلف غنیۃ الناسک۔ شیخ عمر بن حمدان المحرسی المالکی۔ مولانا شیخ شفیع الدین

الہندی مہاجر مکی وغیرہ۔

اور مدینہ منورہ میں جن مشائخ سے اجازت حاصل ہوئی ان کے اسماءگرامی یہ ہیں:

شیخ احمد شمس المالکی المغربی۔ شیخ محمد زکی بن شیخ علامہ سید احمد برزنجی الشافعی۔ قاضی القضاۃ شیخ ابراہیم بن عبدالقادر البری المدنی مدرس حرم مدنی۔ شیخ محمد عائش بن محمود الشافعی المصری المدنی۔ شیخ عبدالقادر الطرابلسی الحنفی۔ شیخ محمد طیب المغربی المالکی۔ محدثہ امۃ اللہ بنت شیخ محدث شاہ عبدالغنی مجددی مہاجر مدنی۔ شیخ عبداللہ بن حسین بن محسن الانصاری الیمنی۔ مولانا شیخ خلیل احمد سہارنپوری مہاجر مدنی صاحب بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد۔

مفتی صاحب کو شیخ محقق علامہ محمد زاہد الکوثری نزیل قاہرہ سے بھی بذریعہ خط اجازت حاصل ہوئی اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات کتاب الحجۃ علیٰ اہل المدینہ اور کتاب الآثار کی اجازت امام العصر مولانا الشیخ محمد انور شاہ الکشمیری سے حاصل کی، موصوف نے عربی اور اردو میں متعدد کتابیں لکھیں، عربی میں ان کی چند تالیفات کے نام حسب ذیل ہیں:

اللالی المصنوعہ فی الروایات المرجوعہ. شرح کتاب الآثار تین جلدوں میں، شرح کتاب الحجۃ، الدر الثمین، رجال کتاب الآثار، شرح بلاغات محمد فی کتاب الآثار، الاہتداء فی رد البدعۃ۔

اور اردو میں مختلف موضوعات پر ان کی بہت سی کتابیں ہیں ان میں سے چند نام یہ ہیں:

القاء اللمعہ علی حدیث لا جمعہ، اقامۃ البرہان، التحقیق المتین، قطع الوتین، بئس القرین، الاختلاف المبین، مفید القاری والسامع، التوضیحات، کشف الغمہ عن سراج الائمہ، فراستہ العریف، التحقیق التام فی حدیث اذا خرج الامام فلا صلاۃ ولا کلام، رفع الارتیاب، شمیم حیدری، ضربۃ الصمصام، اظہار دجل المرید، اظہار الصواب، اظہار اسرار المتحدثین، الاسعاف، التنویر فی حکم الجہر بالتکبیر، القول الصواب، طلوع بدر الرشاد، وغیرہ.

موصوف اردو میں بہت عمدہ ادیبانہ شعر کہتے ہیں اور کچھ اشعار ان کے عالمانہ ہیں، وہ اپنی تحریر میں بڑے طویل النفس ہیں، تکان اور اکتاہٹ ان کے قریب بھی نہیں پھٹکتی، ان کا عربی اسلوب تحریر بڑا آسان اور واضح ہے، اس میں کوئی گنجلک نہیں ہوتی، وہ صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث کے علم الرجال کے متخصص اور ممتاز عالم ہیں، انہیں علمائے حنفیہ سے خصوصی شغف اور کتب رجال اور طبقات وتراجم کے اوراق میں سے علمائے احناف کے التقاط کا خصوصی اہتمام ہے۔ کثیر المطالعہ، شب بیدار، انتہائی مہمان نواز، کریم النفس، فراخ دست، کشادہ رو، اللہ کے دین کے معاملہ میں حمیت وغیرت ان پر غالب آجاتی ہے تو پھر کسی لومۃ لائم کی پروانہیں کرتے۔ آج وہ کتب

فتاوی کی وسعت معلومات میں اپنی نظیر نہیں رکھتے، چالیس برس سے زیادہ کا عرصہ گزرتا ہے کہ وہ کتب فتاوی کے مطالعہ کے لئے وقف ہیں، رمضان مبارک میں بکثرت عبادت کرتے ہیں، ہر رمضان میں اعتکاف کرتے ہیں اور قرآن کریم کے کئی کئی دور ختم کرتے ہیں، نرم خو، خاموش طبع، صلح جو، فقراء سے محبت اور علماء کا عزت واحترام کرتے ہیں شکل وشمائل اور رہن سہن میں علماء کی سی زندگی بسر کرتے ہیں، عمر چوراسی ۸۴ رکو پہنچ چکی ہے مگر فتوی نویسی اور خدمت علم میں جوانوں کی سی ہمت ونشاط کے ساتھ منہمک ہیں۔ حق تعالیٰ ان کی عمر مبارک میں برکت فرمائے اور اس دور میں ان کے سے رجال بکثرت پیدا کرے۔

مکتوب منظوم

(جو مفتی مہدی حسنؒ کو ۱۹۴۷ء میں ان کے خط کے جواب میں ارتجالاً لکھا گیا)

سلام على شيخ جليل المناقب   ومن علمه كالنور وسط الغياهب
سلام على حبر العلوم وبحرها   ومن فيضه فى الد هر من الا طايب
سلام على مفتى الانام ومن   يحل الفتاوىٰ فى جميع المارب
سلام على هادى الانام بوعظه   يرق له قلب العد والمغاضب
سلام خلوص فى دعاء تحية   هد ية داع ثم دعوة غائب
اتانى كتاب بالحوادث ناطقاً   افاض دموعاً من عيون السحائب
اولئك حساد و اعداء نعمة   يقولون زوراً باختلاق الاكاذب
لقد علموا علم اليقين بانهم   يقولون كذبا بافتراء المثالب
واعداء علم يمكرون مكائدا   و ياتون بالكيد العظيم المآرب
يا شيخ صبرا فى رزايا ملمة   عواقبه تحلو عقيب المصائب
لحى الله ذى الدنيا مناخاً لراكب   فكل عظيم فى العناوالمتاعب
اشد بلاءً فى الورىٰ خيرامة   لنا قدوة فيهم و اسوة راغب
وقاك له من طروق حوادث   واولاك مجداً من رفيع المراتب
نرجوا رحيما ان يسد حالنا   ويحفظنا كيدا لعدو المشاغب
فنحمد ربا للورىٰ وهو عالم   ونرجوه فضلاً فى صلاح العواقب
كريم ودود ذوالعطا يا مهيمن   رؤوف رحيم عالم بالمغائب

مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ

۱۱؍شوال ۱۳۹۶ھ (مطابق ۱۶؍اکتوبر ۱۹۷۶ء) چہارشنبہ کو ایک بجے رات سرزمین پاکستان میں دار العلوم دیوبند کی آخری یادگار حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دنیائے فانی سے رخصت ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم مختلف عوارض خصوصاً عارضہ قلب میں کچھ عرصہ سے مبتلا ہو گئے تھے اور عوارض اور امراض وتکالیف کو قابل رشک صبر وتحمل سے برداشت کرتے رہے اور رضا بالقضاء کے اعلیٰ ترین مقام کے حصول اور ترقی درجات سے مالا مال ہوتے گئے اور کمال یہ ہے کہ بزرگوں کی صحبت وتوجہات کی برکت سے طبیعت ایسی بن گئی تھی کہ آخر وقت تک علم ودین کے مشاغل سے وابستہ رہے، افتاء کی مجلسیں بھی ہوتی رہیں، تالیف وتصنیف کا سلسلہ بھی کسی نہ کسی صورت میں قائم رہا، علمی مشاورت اور دینی مسائل میں غور وخوض کا سلسلہ بدستور قائم رہا۔

امام العصر حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ سے تلمذ واستفادے کے بعد حضرت مفتی صاحب کا ہمیشہ ظاہری وباطنی تعلق شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قائم رہا، انقلاب کے زمانے میں جبکہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم سے جدا ہو گئے تھے اس وقت بھی آپ کا تعلق ایک لمحے کے لیے منقطع نہیں ہوا تھا، برابر حاضری ہوتی رہی، کیا مجال ہے کہ تعلق وعقیدت وارادت میں ذرا بھی فرق آئے، انہی دنوں میں جب کہ اختلاف وافتراق شباب پر تھا حضرت مفتی صاحب' حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں زیارت وعیادت کے لیے حاضر ہوئے اور دو روپے ہدیۂ عقیدت پیش کیا، حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے نہایت محبت وشفقت سے قبول فرمایا۔

حضرت مفتی صاحب کی علمی زندگی میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی توجہات کا بہت بڑا دخل رہا، بالکل ابتدائی دور میں جب معارف اعظم گڑھ میں فوٹو کے جواز پر ایک مبسوط مقالہ آیا جو درحقیقت شیخ محمد بخیت مطیعی شیخ الازہر کے رسالہ "اباحة الصور الفوتوغرافيه" کا چربہ تھا اور اچھا خاصا محققانہ علمی انداز تھا کیونکہ شیخ محمد بخیت اپنے دور میں مصر کے سب سے بڑے عالم ومحقق سمجھے جاتے تھے اور مذاہب امت کے ادلہ وتفصیلات میں بقول حضرت شیخ محمد زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ آیۃ من آیات اللہ تھے (۱)، جب یہ مقالہ شائع ہوا تو حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کو اس کی فکر ہوئی اور اپنے حلقہ تلامذہ میں سے حضرت مفتی صاحب کو بلایا اور فرمایا کہ اس کا جواب لکھیں، چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے ان کی علمی راہنمائی میں القاسم (ماہنامہ دار العلوم دیوبند) میں اس پر ایک مفصل علمی وتحقیقی مضمون لکھا، جو بعد میں "التصوير لاحكام التصوير" کے نام

---

(۱) قاہرہ میں ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء کی ایک مجلس میں راقم الحروف نے حضرت شیخ محمد زاہد الکوثری سے عرض کیا کہ آپ ان کے کمالات کے بیان میں اتنا غلو فرماتے ہیں کہ استحضار مذاہب ائمہ میں ان کو آیۃ من آیات اللہ فرماتے ہیں، حالانکہ فلاں فلاں مسائل وحوادث میں ان کی فقہی رائے بہت کمزور ہے، اس پر شیخ کوثری نے فرمایا "نعم كان غير موفق فى النوازل" یعنی جی ہاں! جدید مسائل وحوادث میں صائب الرائے نہیں تھے۔

سے مستقل رسالہ کی شکل میں شائع ہوا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کی راہنمائی میں آیت خاتم النبیین کی شرح تفسیر عمدہ ادیبانہ انداز سے عربی میں تالیف فرمائی جو "هدية المهد يين" کے نام سے شائع ہوئی اس پر حضرت امام العصر رحمہ اللہ کی قابل رشک تقریظ ہے، اس کے چند جملے ملاحظہ ہوں:

> اما بعد: فان صاحبنا الاحوذی المولوی محمد شفیع الديو بندی وفقه الله لما يحب و يرضاه، جمع باستدعائی رسالته "هدية المهديين فی آية خاتم النبيين" جزاه الله عنی وعن سائر المسلمين خير الجزاء وقد سرد فيه نحو مائة وخمسة وستين حديثاً فی انقطاع النبوة بعد ما بعث الله نبيه محمدًا مصطفاه ....الی قوله وهاك رسالة تفسير ية حديثية كلامية فقهية و بعد ذالك كله ادبية يسری الفاظها كسراية الروح فی البدن و يقع فی قلب المؤمن كحلاوة الايمان ويجری فی العروق كمحض اللبن.

هلم يا صاح الی روضة يجلو بها العانی صداهمه
نسيمها يعثر فی ذيله و زهرها يضحك فی كمه

ترجمہ: ہمارے رفیق دانشمند مولوی محمد شفیع دیو بندی نے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائے۔ میری فرمائش پر رسالہ "هدية المهديين فی آية خاتمه النبيين" جمع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں میری طرف سے اور تمام مسلمانوں کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائیں، اس میں اس مضمون کی قریبا ۱۶۵ / حدیثیں ذکر کی ہیں کہ بعثت محمد یہ کے بعد نبوت ختم ہو چکی ہے...... یہ رسالہ تفسیری بھی ہے اور حدیثی بھی، کلامی بھی اور فقہی بھی اور ان تمام امور کے ساتھ ساتھ ادبی بھی، جس کے الفاظ روح کی طرح بدن میں سرایت کرتے ہیں، حلاوت ایمان کی طرح قلب مومن میں جاگزیں ہوتے ہیں اور خالص دودھ کی طرح رگ و پے میں گردش کرتے ہیں۔ اے رفیق! اس گلشن کی سیر کرو جس سے ایک غم زدہ شخص اپنے ہموم وافکار کا زنگ دور کرتا ہے اس کی باد صبا اس کے دامن سے اٹھکیلیاں کرتی ہے اور اس کی کلیاں اس کے دامن میں مسکراتی ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے رسالہ "التصريح بما تواتر فی نزول المسيح" کو حضرت مفتی صاحب نے مرتب فرمایا اور اس پر ایک بہترین ادیبانہ اور فاضلانہ مقدمہ لکھا، جو بجائے خود ایک مستقل رسالہ ہے (۱) اس طرح حضرت شیخ رحمہ اللہ کی توجہات سے ان کی علمی قابلیت اور رد قادیانیت کے سلسلہ میں ان کی خدمات میں روز افزوں

---

(۱) رسالہ "التصريح بما تواتر فی نزول المسيح" کی روشنی میں حضرت مفتی صاحب نے "مسیح موعود کی پہچان" کے نام سے ایک اور رسالہ لکھا، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ان تمام علامات کو جو قرآن وحدیث میں وارد ہیں مرتب کر کے ثابت کیا کہ قادیان کے نام نہاد مسیح مرزا غلام احمد قادیانی میں ان میں سے ایک علامت بھی نہیں پائی جاتی جس سے ہر ادنیٰ عقل وفہم کا آدمی یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ مرزائے قادیان کا دعویٰ مسیحیت ومہدویت محض کذب وافتراء ہے، یہ نفیس رسالہ بارہا چھپ چکا ہے۔

ترقی ہوتی گئی اور حضرت شیخ رحمہ اللہ سے نسبت میں قوت پیدا ہوتی چلی گئی۔

جس وقت میں نے اپنا رسالہ "بغية الاريب فى احكام القبلة و المحاريب" مرتب کیا اور بعض ماخذ ومراجع دیکھنے کے لیے پشاور سے سفر کر کے دیو بند حاضر ہوا تھا اور پھر خیال ہوا کہ اکابر واساتذہ کی کچھ تقریظیں بھی تبرک کے لیے لکھواؤں، اس وقت حضرت مولانا محمد شفیع صاحب دارالعلوم دیو بند کے منصب افتاء پر فائز تھے، جب رسالہ دیکھا بہت ہی خوش ہوئے اور بے حد متاثر ہوئے اور فرمایا کہ اس پر ایسی تقریظ لکھنے کو جی چاہتا ہے جس طرح حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے رسالہ هدية المهديين فى آية خاتم النبيين پر تقریظ لکھی ہے، اسی رسالہ ھدیۃ المھد یین کے متن سے آئندہ ختم النبوۃ فی القرآن، ختم النبوۃ فی الاحادیث اور ختم النبوۃ فی الآثار تینوں رسالے بطور شرح مرتب ہوئے۔

مقدمہ بہاول پور میں حضرت امام العصر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دست راست رہے اور آپ ہی کے قلم سے حضرت شیخ رحمہ اللہ کی دقیق وعمیق تعبیرات سہل اردو میں مرتب ہوئیں، جو مقدمہ بہاول پور کے نام سے معروف ہے اور فرمایا کہ ایک رات اسی کام میں ایسی گذری کہ عشاء کے بعد صبح تک اس کی تکمیل میں مشغول رہا اس طرح حضرت شیخ کی دعاؤں وتوجہات کے مرکز بنے رہے۔ ۱۹۷۲ء میں قادیانی مسئلہ کے سلسلہ میں جو محاذ قائم ہوا تھا اور حضرت شیخ کے جوتوں کے صدقے میں حق تعالیٰ نے راقم الحروف سے کام لیا اس کے لیے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادے عزیز گرامی برادرم مولانا تقی صاحب کو میں نے راولپنڈی میں بلایا تھا، مسئلہ قادیانیت میں امت اسلامیہ کے موقف کی ترتیب وتالیف میں برادر موصوف نے ایک دفعہ پوری رات گذار دی ایک لمحہ کے لیے بھی آرام نہ کر سکے، میں نے حضرت مفتی صاحب سے فون پر اور بعد میں زبانی یہ عرض کیا تھا کہ آپ کے مقدمہ بہاول پور اور حضرت شیخ کی خدمت ومساعدت سے پوری مشابہت اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمادی جس سے حضرت مفتی صاحب بہت خوش ہوگئے اس طرح اللہ تعالیٰ نے برادر موصوف کو اپنے والد محترم کا صحیح خلف الرشید بنایا. فطوبى له هذه السعادة وهنيئًا له بهذه الخلافة۔

الغرض حضرت مفتی صاحب کی علمی طبیعت ومزاج میں حضرت شیخ رحمہ اللہ کی توجہات کو بڑا دخل ہے، جس طرح حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی توجہات سے یہ مزاج بن گیا کہ وقت کی قدر ہو اور ضیاع وقت سے احتراز کیا جائے اور مفید عوام تالیفات سے دین کی خدمت کی جائے۔

حضرت مرحوم کی خصوصیات وتالیفات اور دارالعلوم کراچی کی تاسیس پر اور ''ادارۃ المعارف'' قائم کرنے پر لکھنے والے بہت کچھ لکھیں گے اور لکھتے رہیں گے مجھے تو صرف یہ لکھنا ہے کہ بیک وقت وہ دارالعلوم دیو بند اور تھانہ بھون دونوں کی جامع شخصیت تھی اور دونوں کے صحیح نمائندے تھے اور علم وفضل کے ساتھ مزاج میں بے حد سادگی تھی، نہایت متواضع تھے، اہل علم وفضل کے بڑے قدردان تھے، باوقار بردبار تھے، ۱۳۴۴ھ سے لے کر آج

۱۳۹۶ھ تک میرا ان کا تعلق رہا، ابتداء سے انتہا تک جو چیز نظر آئی وہ یہ ہے کہ علمی شغف، علمی قدردانی، دیوبند اور تھانہ بھون کے صحیح مسلک ومشرب کی نمائندگی کا صحیح حق ادا کیا، حضرت مفتی صاحب کو حق تعالیٰ نے بہت سی نعمتوں سے نوازا اور اولادِ صالح کی نعمت سے مرحوم کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں اور اپنی عمر کے آخری مراحل میں ''معارف القرآن'' جیسی تفسیر کے ذریعہ سے علمی دینی خدمت انجام دے کر آخرت کے لیے بہت کچھ ذخیرہ جمع فرمایا۔

مجھے اس کا صدمہ ہے کہ جنازے کی شرکت سے محروم رہا حضرت کے وصال سے ۱۲ر گھنٹے قبل میں ایک ضروری کام سے سکھر پہنچ گیا تھا، وصال کی صبح کو اطلاع ملی بہت کوشش کی کہ کسی طرح جنازے میں شامل ہوسکوں، موئن جو داڑو کے ایئرپورٹ تک ۹۰ر میل بذریعہ ٹیکسی سفر کیا کہ شاید ہوائی جہاز میں کوئی سیٹ مل جائے اور اس طرح یہ آرزو پوری ہوجائے لیکن افسوس کہ بے نیل مرام واپس آیا۔ ۵ر گھنٹے کی تگ ودو سے ایک طرف شکستہ بدن اور مقصد میں ناکامی سے شکستہ خاطر واپس آیا اور حسرتوں کو دل میں لے کر آیا۔ حق تعالیٰ اس نحیف البدن خفیف الروح عالم باعمل کے درجات بلند فرمائے اور تمام زلات وسیئات معاف فرما کر رضوان ورحمت کے عالی مقامات پر پہنچائے، جنت الفردوس میں مقام نصیب فرمائے، آمین۔ اور ان کی صالح ذریت کو ان کا صحیح جانشین بنائے۔ مولانا محمد احمد تھانوی صاحب نے تاریخ وفات میں متعدد مواد نکالے ہیں ایک ان میں سے ''موت العالم الصالح موت العالم'' ہے۔

مولانا اطہر علی بنگالی رحمۃ اللہ علیہ

یہ معلوم ہوکر مزید صدمہ ہوا کہ اسی رات اسی تاریخ کو حضرت مولانا اطہر علی صاحب خلیفہ مجاز حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ڈھاکے میں طویل علالت کے بعد انتقال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم بنگلہ دیش کے ممتاز ترین عالم تھے۔ علمی وسیاسی خدمات میں مشہور بزرگ تھے، جس وقت بنگلہ دیش مشرقی پاکستان تھا اس وقت مرکزی قومی اسمبلی کے ممبر بھی رہ چکے تھے، کچھ عرصہ نظام اسلامی پارٹی کے صدر بھی رہے، اسی دوران ایک دفعہ سالانہ عظیم اجتماع میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور راقم الحروف کو بھی دعوت تھی، ایک جلسہ کی صدارت راقم الحروف کے ذمہ تھی، خطبہ صدارت اردو بنگلہ میں شائع کیا گیا تھا اور ایک جلسہ کے صدر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تھے، جامعہ امدادیہ کے نام سے کشورگنج میں ایک عظیم درس گاہ کے بانی تھے، یہ مدرسہ جو اپنی تعمیری خصوصیات میں سب سے ممتاز تھا، کچھ عرصہ راقم الحروف اس کی مجلس شوریٰ کا رکن بھی رہا، بلکہ علمی مشیر بھی، مرحوم بنگلہ دیش (سابق مشرقی پاکستان) کے علماء وفضلاء میں جامع شخصیت تھے، وہ عالم بھی تھے، صوفی بھی، دیوبند کے فاضل تھے، تھانہ بھون کے بھی فیض یافتہ تھے، حضرت حکیم الامت کے خلیفہ تھے، سیاسی خدمات میں بھی حصہ لیتے تھے بلکہ عملی سیاسیات میں حصہ لینے سے مدرسہ کی علمی حیثیت کو نقصان پہنچتا رہا اور بسا اوقات وقتی مصالح کے پیش نظر اس کا فائدہ

اٹھایا گیا لیکن مستقل طور پر مدرسہ کی حیثیت مجروح ہوتی گئی، جدید انقلاب میں افسوس کہ بہت شدید ابتلاء کے دور سے گذرے، جیل میں بھی رہے، آخر بہت سے ناقابل برداشت صدمات سے دوچار ہوکر اس دنیا فانی سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگئے۔ حق تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس نصیب فرمائے اور ان کی علمی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کے زلات کو عفو فرما کر درجات عالیہ سے سرفراز فرمائے، آمین۔

[ذیقعدہ ۱۳۹۶ھ/نومبر ۱۹۷۶ء]

نواب محمد مسعود علی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ ہمارے محترم کرم فرما جناب عشرت علی قیصر کے والد محترم جناب محمد مسعود علی صاحب طویل علالت کی بعد پنجشنبہ ۷ رشوال ۹۷ھ کو واصل بحق ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کی بعض صفات وکمالات دیکھ کر رشک آتا تھا کہ اس پر آشوب دور میں قوت ایمان کے ایسے دل کش نمونے موجود ہیں۔ حدیث بخاری شریف میں جن سات اشخاص کے بارے میں لسانِ نبوت سے یہ بشارت سنی تھی اور پڑھی تھی کہ سات اشخاص قیامت کے روز میدان حشر میں عرش عظیم کے سایہ تلے ہوں گے، ان میں ایک شخص کے بارے میں یہ الفاظ ہیں "ورجل قلبه معلق فی المساجد(۱)" کہ ایک شخص وہ ہے جس کا دل ہر وقت مسجد میں رہتا ہے، پہلی مرتبہ اس کا مصداق مرحوم کو دیکھا کہ ہر وقت مسجد کی حاضری کی فکر دامن گیر رہتی تھی، نماز پڑھ کر آتے ہی دوبارہ دوسری نماز کی فکر کا شدید تقاضا شروع ہوجاتا، بیماری اور بے ہوشی کے عالم میں بھی مسجد جانے کی فکر اور تقاضا رہا، اس آخر عمر میں مسجد بہت پہلے پہنچتے تھے، خود اذان اقامت کی خدمت انجام دیتے تھے، دوسری قابل غبطہ بات یہ دیکھی کہ ہر وقت زبان پر ذکر اللہ جاری رہتا۔ حدیث نبوی میں ہے "لا تزال لسانك رطباً من ذكر الله(۲)" کہ تمہاری زبان اللہ کی یاد سے ہر وقت تر وتازہ رہے، اس حدیث کا مصداق آپ کی ذات گرامی کو دیکھا، حق تعالیٰ درجات عالیہ جنت الفردوس میں نصیب فرمائے اور بال بال مغفرت فرمائے اور اس جانکاہ حادثہ میں ہمارے کرم فرما قیصر صاحب کو اور ان کی بقیہ اولاد کو صبر جمیل اور اجر جزیل نصیب فرمائے اور تمام پسماندگان کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

[ذوالقعدہ ۱۳۹۷ھ]

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوة، ج:۱ ص:۹۰، ط: قدیمی

(۲) سنن الترمذی، ابواب الدعوات عن رسول الله ﷺ، باب ماجاء فی فضل الذکر، ج:۲ ص:۱۷۳، ط: فاروقی کتب خانہ

مولانا محمد احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ سال ١٣٩٦ھ کے اختتام پر کئی اکابر کی وفات کے حوادث پیش آئے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی (دارالعلوم دیوبند کے مفتی اور پاکستان کے مفتی اعظم، تلمیذ امام العصر مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ ومجاز بیعت حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) نے سفر آخرت اختیار کیا، جناب عارف باللہ بابا نجم احسن صاحب مجاز صحبت حضرت حکیم الامت تھانوی واصل بحق ہوئے اور حضرت مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ کے شاگرد رشید مولانا نیاز محمد بنوی، بانی دارالعلوم الاسلامیہ لکی مروت ضلع بنوں راہی دار آخرت ہوئے، رحمهم الله جميعاً واسكنهم الله دار النعيم۔

حسرت وافسوس ہے کہ سال ١٣٩٧ھ کے آغاز پر دو حادثے پیش آئے۔ ایک حادثہ یہ کہ مولانا محمد احمد تھانوی (برادر خورد حضرت مولانا جمیل احمد تھانوی) نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم عالم تھے، فاضل تھے، جامعہ اشرفیہ سکھر کے بانی و مہتمم تھے اور مادہ ہائے تاریخی کے استخراج میں یکتائے وقت تھے، ان دو تین سالوں میں بڑے بڑے واقعات وحوادث اور وفیات کے تاریخ مادے نکالنے میں مرحوم نے اپنے جوہر دکھائے۔ کسے کیا معلوم تھا کہ یہ تاریخ نگار جو ١٣٩٦ھ کے اختتام تک اکابر کے تاریخی مادے نکالتا رہا وہ سال نو (١٣٩٧ھ) کے بالکل آغاز میں ۷ محرم کو خود سال نو کی تاریخی شخصیت بن جائے گا، یہ عبرت کدہ عالم کے تاریخی بصائر ہیں جو چشم بصیرت کے لیے درس عبرت ہیں اور آنسو بہانے کی لیے سامان حزن وملال:

سنی حکایت ہستی تو درمیان سے سنی   نہ ابتداء کی خبر، نہ انتہا معلوم

اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس نصیب فرمائے اور ان کی ذریت کو ان کا خلف الصدق بنائے، آمین۔

مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ

دوسرا حادثہ مولانا عبدالماجد دریابادی مدیر "صدق" کی وفات کا ہے، مرحوم نے صرف عمر طبعی پوری نہیں کی بلکہ تقریباً ایک صدی مراحل عمر طے کر کے سفر آخرت پر روانہ ہوئے، مرحوم ایک مفکر، صاحب بصیرت، فلسفی مزاج، حقیقت آگاہ شخصیت تھی، آخری ساٹھ سالہ زندگی کا شاید ایک لمحہ بھی مرحوم نے ضائع نہیں کیا۔ ہماری نگاہ میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے بعد پہلی شخصیت ہے جس نے نظم وضبط کے ساتھ تمام علمی مشاغل جاری رکھے جس میں کوئی خلل نہیں آنے دیا، اردو میں مخصوص ادبی اسلوب کے مالک تھے اور ایک خاص طرز انشاء کے ممتاز ترین ادیب تھے اور متحدہ ہندوستان میں جو ممتاز ارباب قلم گذرے ہیں ان میں سے ایک ممتاز فرد تھے، احادیث اور قرآنی آیات سے اصلاحی نکات کے استنباط کا اچھا سلیقہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا تھا، مرحوم رسمی عالم نہ تھے لیکن باوجود اس

کے اپنی علمی صلاحیت سے بڑا کام لیا، قرآن کریم کی تفسیر تین جلدوں میں لکھی اور عربی دان طلبہ پر بڑا احسان کیا کہ عربی تفسیر کی اصلی عبارتیں سب نقل کر دیں۔ رسمی عالم نہ ہونے کی وجہ سے اور ارباب کمال اور ارباب علوم نبوت سے راسخ صحبت کے نہ ہونے سے عقیدے میں پختگی نہ آ سکی۔ بہر حال اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی مغفرت و رحمت سے نوازے اور سیئات و زلات سے درگذر فرما کر خادمانِ دین کی صف میں جگہ نصیب فرمائے، آمین۔

[صفر المظفر ۱۳۹۷ھ؍فروری ۱۹۷۷ء]

حکیم عبد السلام صاحب ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ مورخہ ۲؍صفر ۹۷ھ ۲۲؍جنوری ۷۷ء ہمارے کرم فرما مخلص دوست جناب حکیم عبد السلام صاحب ہزاروی مختصر علالت کے بعد ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم سے میری پہلی ملاقات ۱۹۳۲ء میں ہری پور میں ہوئی جبکہ مرحوم میر پور میں سکونت پذیر تھے (ہری پور کے مضافات میں ایک چھوٹی سی بستی تھی) اس وقت مرحوم ''پیغام سرحد'' ایک ہفتہ وار اخبار میں طبع آزمائی کرتے تھے، مرحوم نہایت باوقار، سنجیدہ، بااخلاق صحیح العقیدہ صحیح المسلک تھے، اکابر دیوبند و دہلی سے وابستہ تھے، سیاسی ذہن حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا تھا، اسی پلیٹ فارم پر سیاسی خدمات انجام دیا کرتے تھے اور متعدد بار قید و بند کا نشانہ بنے لیکن پائے استقامت کو کبھی لغزش نہیں ہوئی، علماء اور فضلاء سے ملاقات میں بہت مسرت اور روحانی کیف محسوس کرتے تھے اور ان کا مکان انہی علماء و فضلاء کا مہمان خانہ تھا۔ اچھے خاصے طبیب تھے، مرحوم مولانا حکیم اجمل خان صاحب سے طبی استفادہ بھی کر چکے تھے اور ان سے شرف تلمذ بھی حاصل تھا، آخری حیات میں بھی طب یونانی معاشی ذریعہ تھا، لیکن چونکہ دماغ سیاسی تھا باوجود طبی مشاغل کے سیاسی افکار سے کبھی فارغ نہیں رہے، پاکستان میں جب یونانی طب کو باقاعدہ بنانے کی لیے نیم سرکاری ادارہ ''آل پاکستان طبی بورڈ'' قائم ہوا مرحوم اس کے چیئر مین مقرر ہوئے اور ملک کے طول وعرض میں دورے کرنے پڑے اور طبی امتحانات لیتے رہے اور سرٹیفکیٹ جاری کرانے میں نیک نیتی اور حسن اخلاق کا ثبوت دیتے رہے، مرحوم خوش روح، ہنس مکھ، خوش مزاج تھے اور بہت سی خوبیوں کے مالک تھے:

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور حسن عقیدہ اور حسن کردار کی برکات سے مالا مال فرمائے۔ امید ہے کہ مرحوم کے صاحبزادے مولوی عبد الرشید ان کے صحیح جانشین ثابت ہوں گے۔ اور جناب طارق صاحب بھی ان کے نام کو روشن کریں گے۔

[ربیع الاول ۱۳۹۷ھ؍مارچ ۱۹۷۷ء]

مولانا سید محمد زکریا بنوری رحمۃ اللہ علیہ

(والد ماجد حضرت بنوریؒ)

آہ! میرے والد محترم: انا لله وانا اليه راجعون:

رفتم واز رفتن من عالمے تاریک شد
من مگر شمعم جو رفتم بزم برہم ساختم

۲۴ر جمادی لاولیٰ ۱۳۹۵ھ، ۵ جون ۱۹۷۵ء یوم الخمیس (وما ادراك مايوم الخميس) کی تاریخ میری زندگی کا دوسرا بڑا عظیم حادثہ ہے، اس ستر سالہ زندگی میں پہلا حادثہ کبریٰ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ (متوفی ۳ر صفر ۱۹۵۳ء) کا سانحۂ وفات تھا، یہ دوسرا حادثہ کبریٰ میرے والد حضرت مولانا سید محمد زکریا صاحب کا وصال ہے۔ یوں تو زندگی میں بے شمار حوادث اور حوصلہ شکن واقعات، صبر آزما سوانح پیش آئے لیکن یہ دو عظیم حادثے بلاشبہ ایسے پیش آئے کہ صبر وشکیبائی جواب دے چکی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ پہلا حادثہ اس وقت پیش آیا جب کہ عالمِ شباب تھا، برداشت کی طاقت تھی لیکن حضرت والد کے وصال کا یہ دردناک سانحہ اس وقت پیش آیا کہ جوانی کی طاقتیں جواب دے چکی ہیں اور سیدہ فاطمہ مرحومہ کی جدائی کے زخم ابھی مندمل نہ ہونے پائے تھے، نیز اس سے قبل دو اڑھائی سال میں یکے بعد دیگرے مخلصین واحباب علماء وفضلاء کی رحلت، رفیقہ حیات کی جدائی، غرض مسلسل صدمات نے نڈھال کر دیا تھا۔

حقائق اور وجدانی کیفیات کے لئے الفاظ وتعبیرات کا دامن بہت تنگ ہوتا ہے۔ حقائق کی تعبیرات سے الفاظ ہمیشہ قاصر رہتے ہیں اور پھر اس مبالغہ آمیز دنیا میں کسی حقیقت کی صحیح ترجمانی کا حق ادا ہونا بے حد مشکل ہے۔

یوم الخمیس ۲۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ دن کے پونے دس بجے چند روز کی شدید کرب وبے چینی کے بعد میرے والد محترم، میرے آقا، میرے آغا جی، میرے مربی، دنیا میں میرے ماویٰ، میرے ملجا، دنیائے اسلام کی متاعِ گرانمایہ، جہانِ علم وعمل کے جوہرِ آبدار، ایمان وعرفان کی عظیم ترین شخصیت اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئی، جس کے لئے دو مہینوں سے بیتاب تھے اور آخر چشم زدن میں عالمِ غیب کی طرف روح لطیف نے پرواز کی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کا وجود ہمارے لئے سایہ رحمت الٰہی تھا، حق تعالیٰ کی ایک عظیم ترین نعمت تھی، دعوات نیم شبی اور نالہ ہائے سحری کا ایک سرچشمہ تھا جو خشک ہوگیا، ہمارے سکون قلب کا ذریعہ تھا جس سے ہم محروم ہوگئے۔ والد محترم کی وفات حسرت آیات صرف ایک والد کی مرثیہ خوانی نہیں بلکہ علم وعرفان کا مرثیہ ہے، ایک صاحب کرامات وخوارق عارف باللہ کا ماتم ہے۔ ایک محقق روزگار کا نوحہ ہے، ایک فیلسوف عصر کا غم

ہے۔ ایک اولوالعزم وجود کی جدائی پر اظہار حزن ہے، مجاہدات و ریاضات میں مصروف رہنے والی عظیم شخصیت کا درد و الم ہے، ایک صاحب کمال معتبر کا نوحہ ہے، ایک باخدا صاحب مکارم اخلاق، جود و سخا، ہمت و شجاعت کا نالہ و شیون ہے، ایک گوشہ نشین صوفی، صاحب صدق و صفا کی جدائی و فراق کا درد و غم ہے، ایک عاشق رسول کا درد و اضطراب ہے، اسرار کائنات کے دانائے راز کی گریہ و زاری ہے، حقائق و معارف کے عالم کی مرثیہ خوانی ہے، شریعت اسلامیہ کے یگانہ روزگار فاضل کا نالہ فریاد ہے، طریقت و حقیقت کے واقف رموز کا حزن و غم ہے۔

والد ماجد کیا تھے؟ ایک گمنام ہستی! جس نے ایک عالم اپنے اندر سمیٹ رکھا تھا، شفیق بلخیؒ، ابراہیم ادھمؒ، بایزید بسطامیؒ، سری سقطیؒ، معروف کرخیؒ، جنید بغدادیؒ کے احوال و مواجید تو دنیا نے پڑھے ہیں لیکن اس فقیر بے نوا کی شاہانہ پرواز کی کس کو خبر؟ تقلیل کلام، تقلیل منام، تقلیل اختلاط مع الانام کے واقعات تو آپ سن چکے ہوں گے لیکن اس مجاہدِ زمانہ کے احوال حیرت افزا کی دنیا کو کیا خبر؟ عنفوانِ شباب ہی میں تقلیل خوراک کی جب ریاضت شروع کی تو روزانہ صرف ایک مثقال خوراک یعنی ساڑھے تین ماشے غذا پر سالہا سال زندگی بسر کی، پندرہ دن میں بمشکل اجابت کی ضرورت پڑتی تھی، رویائے صادقہ و مبشرات کا جب سلسلہ شروع ہوا تو سولہ سال کی عمر سے بیس سال تک سو مرتبہ سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بابرکت سے شرف یابی ہوئی۔ اور ہر دفعہ زیارت مبارکہ میں ارشادات و ہدایات، تلقین اذکار، نصائح عالیہ سے سرفرازی ہوتی تھی، ''اویسی'' نسبت کے وہ کمالات نصیب ہوئے کہ عقل حیران ہے، رویائے صادقہ اور مبشرات کا سلسلہ آخری عمر تک جاری رہا۔ اذکار و اشغال و مجاہدات کا اتنا غلبہ ہوا کہ عہد کیا کہ تمام زندگی اپنے پروردگار کی عبادت و مناجات میں گذاروں گا۔ آپ کے والد مرحوم حضرت سید میر مزمل شاہ رحمہ اللہ کا وصال ہو گیا تھا، والدہ مکرمہ حیات تھیں، جن کا اصرار تھا کہ ازدواجی زندگی اختیار کریں، لیکن عزمِ عبادت و طاعت کے منافی سمجھ کر انکار کرتے رہے، یہاں تک کہ ایک خواب میں یہ حقیقت واضح کر دی گئی کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فلاں بی بی سے فلاں خاندان میں عقد نکاح باندھ رہے ہیں، اس رویائے صالحہ کے بعد انکار ختم ہو گیا اور ازدواجی زندگی میں قدم رکھ ہی لیا اور اس رویائے صادقہ کی تعبیر اس طرح صادق آ گئی، مرشد کامل کی تلاش و جستجو کے لئے جب استخارہ کیا تو خواب دیکھا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اچھا تم ٹھہرو، میں حق تعالیٰ شانہٗ سے پوچھ کر آتا ہوں، چنانچہ اس ساری حقیقت کا معائنہ خواب میں ہو رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جاتے ہیں اور تشریف لاتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ فرما رہا ہے کہ جس قسم کی شخصیت کو تم چاہتے ہو وہ نہیں ملے گی لیکن تمہیں صبر نہیں آئے گا جاؤ تلاش کرو، چنانچہ ۱۹۰۶ء کے آخر میں یہ سفر شروع ہوا، بنور، سرہند، دہلی بارگاہ سلطان الاولیا اور اجمیر خواجہ چشتی کی بارگاہ۔ سے گزرتے ہوئے شاہ جیلاں کے دربار بغداد پہنچے اور ہر جگہ ہر مقام پر چلّے اور اعتکاف و مراقبات و مکاشفات کا سلسلہ جاری رہا۔ مہینوں اس طرح بادیہ پیمائی کی، اس درمیان عجیب و غریب واقعات اور حیرت انگیز مبشرات پیش آتے رہے، واپس آ کر تمام ہندوستان کی

بادیہ پیمائی کر کے ناسک (صوبہ بمبئی) کے جنگل میں شیروں اور چیتوں کے درمیان تکمیل ریاضات کے لئے ڈیرہ ڈال دیا، ایک مرتبہ ۸/ماہ اور دوبارہ ۹/ماہ کی گوشہ نشینی اختیار کر کے چنوں اور پتوں پر گذارہ کیا:

> لایزال العبد یتقرب الیّ بالنوافل حتی کنت سمعه الذی یسمع بی و بصره الذی یبصر بی... الخ (۱)

کبھی بندہ بارگاہِ ربوبیت میں عبادت کرتے کرتے اس مقام کو پہنچ جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کے کان سے سنتا ہے اور اسی کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔

صحیح بخاری کی یہ حدیث پڑھی ضرور تھی لیکن اپنے زمانہ میں اس کا مصداق اپنے والد کو پایا، چنانچہ ان ریاضات ومجاہدات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انعام واکرام سے مالا مال فرمایا، قلب میں بے پناہ قوت ودیعت کردی گئی، شدید بارش کے وقت قلب کی طرف توجہ فرماتے اور بارگاہ ایزدی میں دعا کرتے، اس کا اثر یہ ہوتا کہ ایک مربع میل میں موسلا دھار بارش نہیں ہوتی تھی۔ آفتاب کی شعاعوں کی تمازت جب ناقابل برداشت ہوتی تھی تو خواہش ہوتی تھی کہ بادل سایہ فگن رہیں، شیروں اور چیتوں کی آوازوں سے جب جنگل گونجنے لگتا قلب کی توجہ کانوں کی طرف مبذول ہوجاتی اور ایسا محسوس ہوتا کہ کان کسی آواز کو نہیں سن رہے ہیں، ان مجاہدات وریاضات نے دل کی دنیا یکسر بدل کر رکھ دی تھی، علم وآگہی، فکروشعور کا ایک بحر بیکراں قلب میں موجزن تھا، جب کسی مسئلہ پر غور شروع کرتے تو مشاہدہ ہوتا کہ میلوں طویل کاغذات سامنے پھیلے ہوئے ہیں اور ابتداء سے لے کر آخر تک ساری تحقیقات آنکھوں کے سامنے ہیں، جو حق ہوتا وہی دل میں راسخ ہوجاتا، غرض فطرت کی اس تربیت گاہ میں جو حالات وواردات پیش آئے قلم کو یارائے بیان نہیں۔ فرماتے تھے کہ ان دنوں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کا خاص فضل میرے شامل حال ہے، جو دعا قلب کی زبان سے نکلتی بارگاہ ایزدی سے خلعت قبول لے کر آتی۔

جب علم توجہ اور علم استحضار ارواح ''اسپر یچو ویلزم'' میں قدم رکھا تو روحانی قوت کے وہ کرشمے دیکھے اور عالم ارواح کے وہ عجائبات منکشف ہوئے کہ عقل حیرت میں ہے، جب سلب امراض کا ارادہ کیا تو اس درجہ کمال حاصل ہوا کہ بمجرد ارادہ مریض بالکل تندرست ہو کر بیٹھ جاتا تھا کہ جیسے کوئی مرض ہی نہیں۔ جب علم اسرار الحروف وعملیات وتعویذات کی وادی میں قدم رکھا تو اس فن کی ادق کتابیں ''شمس المعارف'' امام بونی کی وغیرہ از بر تھیں، طب کی طرف جب توجہ ہوئی تو افغانستان میں ایسے محیر العقول علاج کئے کہ جرمنی، فرانس، لندن وامریکہ سے مایوس العلاج مریض آتے اور ان کے علاج سے شفایاب ہوتے، بارہا اس قسم کے مریضوں کا علاج کیا اور حیرت انگیز مسیحائی دکھائی، تجارت کا شوق ہوا تو چین سے سبز چائے اور جاپان سے میناری گری اور کٹلیری کا سامان منگوا کر پشاور شہر بازار گھنٹہ گھر میں ہول سیل کی دکان کر کے تاجروں کو پیچھے دھکیل دیا۔ ٹھیکیداری کا خیال ہوا تو کابل میں بڑے

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، ج:۲ ص:۹۶۳، ط: قدیمی

بڑے ٹھیکے لئے یہاں تک کہ امیر امان اللہ خان والیٔ افغانستان کے لئے سب سے پہلے جس نے ہوائی جہاز خریدے وہ حضرت والد ماجد ہی تھے، جس کا پانچ لاکھ روپیہ آج بھی ہمارا قرض افغان گورنمنٹ کے ذمے باقی ہے جو امیر امان اللہ خان کے تخت سلطنت سے محروم ہونے کے بعد طوائف الملوکی کی نذر ہو گئے، یہ واقعہ ۱۳۴۵ھ کا ہے۔

حیدرآباد دکن اور بھاول پور میں بڑے بڑے ٹھیکے لئے، بہاول پور میں آج بھی متعدد نہروں کے پل ان کی یادگار ہیں۔ زراعت کا شوق ہوا تو افغانستان کے مشرقی علاقے مقام گجنہ خوگیانی ضلع جلال آباد میں۔ جہاں حضرت والد ماجد کی ننہال سرداران محمد زیٔ آباد تھے۔ زمین خریدی، اپنے ہاتھ سے انار بیدانہ کی شاخیں اور پودے لگائے جو بعد میں اس علاقے میں بیدانہ انار کا اعلیٰ ترین باغ شمار کیا گیا لیکن چھ ماہ کی اندر ہی سب کو ختم کر کے کابل میں اقامت گزیں ہوئے۔ جب کبھی کچھ کمایا اور ہزاروں کمایا گھر آ کر بیٹھ گئے دو چار ماہ میں سب مال و دولت ٹھکانے لگا دیا، کسی کا مکان بنوا دیا، کسی کی شادی کرادی، جب سب کچھ خرچ ہوا دوبارہ فکر کرنے لگے، الغرض اتنی انقلاب انگیز اور ہنگامہ خیز زندگی کسی کی نہ دیکھی نہ سنی اور کمال یہ ہے کہ ان کمالات میں سے کسی بھی کمال کو نہ پیشہ بنایا نہ ذریعہ معاش اور نہ کوئی اہمیت دی، سیلاب آیا اور گذر گیا۔ اکثر زندگی فقیرانہ گذاری، لیکن مہمانداری اور مہمان نوازی زندگی کی سب سے بڑی خصوصیت تھی جو ورثہ میں ملی تھی، ہزاروں لاکھوں کمائے لیکن میرے علم میں نہیں کہ کبھی زکوٰۃ واجب ہونے کا موقع آیا ہو:

قرار در کف آزادگان نگیرد مال
نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غربال

بے شمار مخلوق خدا کے ساتھ احسانات کئے مگر کیا مجال کہ کبھی دل میں اس کا خطرہ بھی گذرا ہو یا زبان پر کبھی ذکر آیا ہو، ان سب کمالات و کرامات میں سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ آپ نے اپنی ہستی کو ایسا مٹا کے چھوڑا کسی کو ان باتوں کی ہوا بھی نہ لگنے دی، آخری زندگی میں کوئی معاش کا ذریعہ اختیار نہیں کیا سب چیزوں کو بالکلیہ ترک کر دیا اور یاد خدا میں مسلسل تیس برس گذارے اور حق تعالیٰ نے راقم الحروف کو خدمت کی سعادت نصیب فرمائی: ذٰلك من فضل الله علينا وعلى الناس ولكن اكثر الناس لا يشكرون۔

اصحاب کمال کے بڑے قدر دان تھے، کسی کی بات پسند آ جائے اتنی داد دیتے کہ حیرت ہوتی تھی، باوجودیکہ مزاج جلالی تھا لیکن ہر وقت خوش مزاج خوش طبع نظر آتے تھے۔ جس مجلس میں موجود ہوں سکون و وقار کے ساتھ پوری مجلس کی رونق ان سے ہوتی تھی، مزاج آخر تک علمی رہا اور علمی موشگافیوں کی بڑی قدر دانی فرماتے تھے۔ ابتدائی عہد تعلیم سے ہی کتابوں پر تعلیقات و حاشیہ نویسی کا شغل رہا، میر ایساغوجی جدیدہ اور شرح حاجی گلستاں بوستاں پر ان کی تعلیقات دیکھ کر تعجب ہوتا ہے، خط اتنا پاکیزہ کہ موتی ٹنکے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ خوش نویسی ایسی کہ بسا اوقات ان کے خطوط پر خصوصاً ابتدائی دور کے خطوط پر کسی ایرانی خوشنویس کا شبہ ہونے لگتا ہے،

حساب میں اتنی مہارت کہ حیرت ہوتی تھی، حالانکہ تعلیم جدید مڈل سے زیادہ نہ تھی لیکن مہارت ایسی کہ آج کل کے ایم اے کو نہ ہو، علمی مشغلہ عرصے سے متروک ومہجور تھا لیکن معلومات تازہ، ایک دفعہ ۱۳۴۶ھ میں دیوبند حضرت امام العصر مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی غرض سے تشریف لائے، ان دنوں حضرت شیخ مجھے اپنی کتاب ''ضرب الخاتم علی حدوث العالم'' پڑھاتے تھے، درس میں بیٹھ گئے اور تقریر سنتے رہے، اس وقت اتفاق سے علم کلام کا ''مسئلہ خلق افعال عباد'' جو مشکل ترین مسئلہ ہے زیر بحث آیا، شیخ نے تقریر فرمائی اور مشکلات سلجھاتے رہے، درمیان میں حضرت والد صاحب سوالات کرتے رہے، حضرت شیخ جوابات دیتے رہے، فراغت درس کے بعد حضرت شیخ نے دریافت فرمایا: حضرت! علمی مشغلہ کب سے متروک ہے؟ فرمایا: پچیس برس ہوئے، حضرت شیخ نے بہت تعجب سے سنا اور پھر مختلف مجالس میں بارہا فرمایا کہ ''ان کے والد کا علمی مشغلہ پچیس سال سے متروک ہے لیکن معلومات عمدہ اور تازہ ہیں''۔ امام العصر جیسے علمی سمندر کی یہ داد کتنی وزنی ہے۔

امام غزالیؒ و امام رازیؒ کے عاشق تھے، ابن تیمیہؒ و ابن القیمؒ کے قدردان تھے اور ان کی تبحر علمی کی داد دیا کرتے تھے۔ شیخ ابن عربی، شیخ اکبر کے انتہائی مدح سرا تھے، مولانا روم کی مثنوی کی علمی مشکلات کی تمثیلات کے بے حد قدر دان تھے اور کشف حقائق میں ان کو بے نظیر سمجھتے تھے۔

عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں میں عمدہ مصنف تھے، ''مطالع الانوار فی فضائل اہل بیت النبی المختار'' عربی میں اور ''ایضاح المشکلات'' اردو میں جس میں وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود وغیرہ مشکلات تصوف اور مشکلات کلام پر سیر حاصل بحثیں کی ہیں، دو ضخیم جلدوں میں تحریر فرمائی۔ اپنے خوابوں کو جمع کیا ہے ''المبشرات'' نام رکھا اور تعلیقات میں ان کی تعبیرات ''عبیر المسرات'' کے نام سے لکھی ہیں۔ روح ونفس کا مقالہ مجلس علمی نے طبع کرادیا ہے۔ فرماتے تھے کہ مجھے صرف تین چیزوں سے محبت ہے: (۱) اللہ تعالیٰ سے (۲) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (۳) اپنی خوابوں سے۔ فرماتے تھے کہ خوابوں سے اس لئے محبت ہے کہ ان میں حق تعالیٰ کا دیدار ہے اور یا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہے۔ فرماتے تھے اگر شرعاً جائز ہوتا تو میں اپنے ان خوابوں کو اپنے ساتھ قبر میں دفن کرنے کا حکم دیتا۔ پھر مجھے ان کی حفاظت کی انتہائی وصیت فرمائی۔ الغرض دنیا میں نہ کسی کمال کو چھوڑا، نہ کسی پیشے کو چھوڑا اور سب سے بڑا کمال یہ کہ کسی کمال کو کمال نہ سمجھا، نہ دل اس میں لگایا، البتہ فرمایا کرتے تھے کہ جو احسانات حق تعالیٰ نے مجھ پر کئے وہ اس دور میں کس پر کئے ہیں؟ وہ بہت سے ادوار ہیں۔ عربی شاعر نے صحیح کہا ہے:

اتزعم انك جرم صغير　　وفيك انطوى العالم الاكبر

کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم چھوٹے سے جسم ہو حالانکہ تم میں تمام عالم اکبر سمٹ گیا ہے۔ کوئی اور عربی شاعر یوں گویا ہوا:

لیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

حق تعالیٰ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں کہ تمام عالم کو کسی ایک فرد واحد میں جمع کرے۔

امام بخاریؒ سے خواب میں پوری صحیح بخاری پڑھ کر اجازت لی اور حافظ بدرالدین عینیؒ سے عمدۃ القاری اور حافظ ابن حجرؒ عسقلانی سے فتح الباری پڑھ کر اجازت لی۔ ایک دفعہ افغانستان میں امیر نصر اللہ خان نائب السلطنہ کابل کا ترکہ فروخت ہو رہا تھا اس میں حضرت والا نے ایک ''سمور'' کے پوستین کو ۱۴ر ہزار افغانی روپیہ سے خریدا (مساوی ۱۰ر ہزار روپیہ ضرب برطانوی) رات کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، محبت آمیز لہجہ میں عتاب فرمایا کہ جب تمہارے پاس دولت ہوتی ہے تو ایسا اسراف کرتے ہو کہ ہزاروں کا پوستین خریدتے ہو، ایک شخص آئے گا تمہارے پیٹ میں چاقو مار کر تمہاری آنتیں نکالے گا اور صاف دھو کر پھر رکھ دے گا اور سینہ سی دے گا، یہ شخص نورانی ہوگا اور اس کا چاقو بھی نورانی ہوگا۔ ایک دفعہ ایک بلی پال رکھی تھی اس نے جگہ ناپاک کر دی اس کو مارا گھر سے نکال دیا، رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، عتاب فرمایا کہ تم نے کیوں بلی کو مارا؟ کیا وہ عقل و شعور رکھتی ہے؟ خبردار! دوبارہ ایسا نہ کرنا، صبح جا کر بلی کو تلاش کیا اور گھر لائے۔ پڑوس میں ایک نادار نے پانچ روپیہ قرض مانگے، اتفاق سے قرض دینے سے انکار کیا، شب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، عتاب فرمایا کہ تم نے سائل کو کیوں روپے نہیں دیئے؟ جاؤ اس کے گھر دے کر آؤ۔ غرض اس طرح عجیب و غریب روحانی تربیت و عظیم ترین تعلق کا سلسلہ قائم تھا۔ کتنے مبشرات ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے انتہائی محبت اور وہ تعلق تھا جس کی نظیر عالم میں کم ملے گی۔ ایک دفعہ بیمار ہو گئے تھے، خواب میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زکریا! جب تم بیمار ہوتے ہو تو میں بھی بیمار ہوتا ہوں۔ جب تمہارے سر میں درد ہو تو میرے سر میں بھی درد ہوتا ہے۔ اس قسم کے حیرت انگیز منامات اور مبشرات کتنے ہیں۔ ایک دفعہ وسوسہ دل میں آیا کہ سکرات موت میں کیا حالت ہوگی؟ شیطان بہت پریشان کرے گا۔ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی فرمایا کہ ''جہاں میں ہوں شیطان کا کیا کام''؟ وفات سے چند روز قبل میں حسب معمول اذان فجر سے کچھ قبل یا بوقت اذان رات کی حالت معلوم کرنے پہنچا فرمایا: آ گئے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں! فرمایا آج حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، پادشاہ خاں (خادم خصوصی جو آخری وقت شب و روز خدمت کرتا تھا اور بے انتہا راحت پہنچاتا تھا) کو فرمایا: اے پادشاہ خان! جو خدمت تم کر رہے ہو میں بھی کرتا ہوں۔ سبحان اللہ! کیا مقام تھا، حق تعالیٰ کی زیارت کا شرف تو بے شمار مرتبہ حاصل ہوا، ایک دفعہ جب دیدار پُر انوار کی سعادت نصیب ہوئی، حق جل ذکرہٗ نے فرمایا: ''زکریا! تمہاری مثال میرے سامنے ایسی ہے جیسے کہ ایک ماں کے گود میں دو تین دن کا بچہ ہو، بچہ نہیں جانتا کہ ماں اس کے ساتھ کیا کیا کر رہی ہے''؟ ان ہی

ایام میں خواب دیکھا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ امی وابی سے کہتے ہیں: کہ یارسول اللہ! میں نے خواب دیکھا کہ حق تعالیٰ کرسی پر جلوہ گر ہیں اور میں ان کا طواف کر رہا ہوں، جب یہ بیان شروع کیا وہی صورت وحالت سامنے ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خواب کی تعبیر دے رہے ہیں، مجھے تو معلوم نہیں کہ آج تک کبھی کسی نے اس انداز کے مبشرات کی سعادت عظمیٰ حاصل کی ہو۔

بچپن سے دادی اور پھوپی سے سنا کرتا تھا کہ تمہارے والد کی عمر سو سال ہوگی جبکہ راقم الحروف کی عمر پانچ برس کی تھی یعنی اب سے ٹھیک ۶۵ ر برس قبل گھر میں سنا اور ایک دفعہ خود بھی فرمایا کہ میری چھوٹی ہمشیرہ ''مریم'' نے ایک دفعہ جب اس پر حالت طاری ہوئی، میری پیشانی پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ زکریا! تمہاری عمر سو سال ہے سو سال۔ وہ صاحبِ خوارق وکرامات تھی، واردات واحوال غریبہ طاری ہوتے تھے، اس حالت میں جو بات کہتی تھی یقینی ہوتی تھی، بچپن سے دونوں بھائی بہن کا آپس میں خونی رابطہ سے زیادہ روحانی رابطہ تھا، مکاشفات وواردات میں جب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی تھی ایک دوسرے کے لئے سفارش کرتے تھے، ان کا معاملہ فطری تھا، بغیر سابقہ ریاضات کے حالات طاری ہوتے تھے، والد صاحب کا معاملہ ریاضات کے بعد شروع ہوا، دوسری بڑی ہمشیرہ یعنی میری عمہ نے مجھ سے فرمایا کہ ایک دفعہ شب قدر نصیب ہوئی اور اس کا علم بھی ہوا کہ شب قدر ہے، انھیں وضو کیا، نماز پڑھی، سب سے پہلے دعا اپنے بھائی کے لئے کی کہ ان کی عمر سو سال ہو، یہ باتیں میں سن چکا تھا، بہرحال اس انقلاب آفرین زندگی کے تمام نشیب وفراز دیکھ کر آخری حیات طیبہ یاد خدا میں بسر کی اور ٹھیک سو سال اپنی حیرت انگیز زندگی کے پورے کر کے اپنی جان کو جان آفرین کے سپرد کر گئے۔ مسکراتے ہوئے نور کے شعلوں میں واصل بحق ہوئے۔ بلاشبہ یہ صدمہ میری زندگی میں عظیم ترین صدمہ ہے۔ جب سید البشر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جن سے بڑھ کر استقامت وصبر کا پہاڑ مادر گیتی نے نہیں دیکھا نہ کبھی دیکھے گی، سید نا ابراہیمؓ اپنے جگر گوشے کی وفات پر یوں نغمہ سرا ہیں: ''العین تدمع والقلب یحزن وانا بفراقك یا ابراهیم لمحزونون'' حضرات صحابہ کرام پر جو صبر واستقامت کے پہاڑ تھے، حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کیا کیا کیفیتیں طاری ہوئی تھیں۔

اے اللہ! ہم تو ضعیف وناتواں ہیں، ہمیں صبر عطا فرما، اور اے اللہ! اس حادثہ جانکاہ اور روح فرسا میں ہماری اعانت فرما کر احسان فرما۔

اور اے اللہ! میرے والد محترم کے مرقد مبارک کو روضة من ریاض الجنة بنا، اور ان کی روح پاک کو اعلیٰ علیین میں پہنچا کر اکرام واعزاز فرما۔ اور اے اللہ! ان کا مسکن وماویٰ جنت الفردوس کو بنا، اور اے اللہ! ان سے وہ معاملہ فرما جو تیری شان ارحم الراحمین کے شایان شان ہو، اور اے اللہ! آپ کا معاملہ جو محبوبان بارگاہ رحمت سے ہے اور جو مقربین بارگاہ قدس سے ہے وہ معاملہ فرما۔ اے اللہ! جس طرح آپ نے اپنی ذات سے اور اپنے حبیب

پاک سے دنیا میں جو نسبت ان کو عطا فرمائی تھی آخرت میں اسی کے شایان شان رفع درجات وعلو مقامات نصیب فرما، جن کے بارے میں یہی کہا جائے "مالا عین رأت و لا اذن سمعت و لا خطر علی قلب بشر"۔

اور اے اللہ! جس طرح ان کا آپ پر حسن ظن تھا اس کے مطابق معاملہ فرما۔ اور اے اللہ! جس چیز کو ہم نہ جانتے ہیں اور نہ اسے اپنے جہل سے مانگ سکتے ہیں ان کو وہ نعمتیں نصیب فرما کر سرفراز فرما۔

اور اے اللہ! جس طرح آپ نے ہمیں ان کی حیات طیبہ میں دعوات سحری اور نالہائے نیم شبی کی برکات سے سرفراز فرمایا تھا، مفارقت کے بعد ان کی روح پرفتوح کی برکات سے مالا مال فرما کر سرفراز فرما، تیری رحمت بہت وسیع ہے اور تیری قدرت بہت محیط ہے، اور اے اللہ! پشاور سے لے کر کراچی تک اور کراچی سے لے کر افریقہ تک اور افریقہ سے لے کر لندن و یورپ تک جن مخلصین ومحسنین نے ایصال ثواب کر کے احسان فرمایا ہے اور جو محسنین ایصال ثواب فرما رہے ہیں ان سب کو اجر عظیم عطا فرما کر احسان فرما اور جن کے بے شمار تعزیت کے ٹیلیگرام اور بے شمار خطوط تعزیت آئے ہیں ان سب حضرات کا رفع درجات فرما۔ اور اے اللہ! ہمارے قلب حزیں اور پسماندگان کے قلوب محزونہ کو صبر وسکون عطا فرما کر احسان عظیم فرما۔

فالعیون دامعة والقلوب فاجعة ونحن بفراقه لمحزونون، ولا نقول الا مایرضی به ربنا تبارك وتعالیٰ. هذا وصلی الله علی خیرالبشر اصبر من جاء ومن غبر صاحب القبر الاطهر ا لانور ومن تسکن قلوب المحبین بحبه و بذکره و بفکره، کلماذکر وخطر.

[رجب المرجب ۱۳۹۵ھ/اگست ۱۹۷۵ء]

نامناسب نہ ہوگا کہ اگر ان خطوط تعزیت میں سے دو تعزیت نامے شائع کروں۔ ایک تعزیت نامہ برادر محترم مولانا محمد اشرف صاحب صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج کا ہے۔ دوسرا تعزیت نامہ برادر محترم مولانا عبد القدوس صاحب قاسمی کا جو شعبہ اسلامیات کے سابق صدر پشاور یونیورسٹی کے ہیں۔ وجزاهما الله خیرا بحسن عزائهما۔

مخدومی ومطاعی حضرۃ الاستاذ المکرم رزقکم الله صبرا جمیلا وعافیة کاملة

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی حضرت آغاجی نور اللہ مرقدہٗ واعلی اللہ مقامہ کی وفات حسرت آیات کی خبر ''نوائے وقت'' میں پڑھی۔ جس بات کا اندیشہ تھا آخر ہو ہی گئی۔

انا لله وانا اليه راجعون. اللّٰهم اغفرله وارحمه وانزل عليه شآبيب رحمتك وبرّد مضجعه وادخله فى اعلى الجنة جنة الفردوس، وارزقنا وارزق اهله صبرا جميلا.

اللہ تعالیٰ اس حادثۂ کبریٰ میں آپ کو صبر واستقامت عطا فرمائے۔ موت حق ہے آج وہ کل ہماری باری ہے۔ لیکن حضرت آغاجی رحمہ اللہ تعالیٰ کی موت ایک عصر کا خاتمہ، عالم کی موت، ایک گوشہ نشین محقق، ایک انتہائی بلند پایہ مصنف، ایک باخدا درویش، ایک مرتاض صوفی، ایک عارف یگانہ اور ایک عظیم شخصیت کی موت ہے، جسے زندگی میں زمانہ نے کماحقہٗ نہیں پہچانا اور نہ ان کی وہ قدر کی جیسا ان کا حق تھا۔ لیکن حق یہ ہے کہ علم وعرفان، عقل وذوق کا ایسا آمیزہ مدتوں میں دیکھنے میں آتا ہے:

سالہا در کعبہ وبت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید برون

ان کے مجاہدات، ان کی کرامات، ان پر باری تعالیٰ کے مخصوص احسانات وخصائص تو دنیا کی آنکھوں سے اوجھل ہی رہیں گے کہ وہ اس جنس انمول کے دکھاوے سے گرد آلود نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ان کی مرنجان مرنج طبیعت، ان کے گوناگوں فضائل، ان کی محبت، فقیر پر خصوصی نوازشیں، ہر ایک سے بزرگانہ شفقت، دلبرانہ عتاب جب یاد آتا ہے تو کلیجہ منہ کو آتا ہے، بہرحال زمانہ نے ایک فرد وحید اور گوہر عجیب کو گم کر دیا۔ جن لوگوں نے حضرت قدس سرہ کو بے تکلفی کے عالم میں نہیں دیکھا وہ کیا جانے کہ عالم کس آفتاب نور وبرکت سے محروم ہو گیا۔ نہ صرف پشاور، نہ صرف پاکستان بلکہ پورا عالم اپنے ایک عظیم وبزرگ فرزند سے محروم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی ہر بشری لغزش وخطا کو ان کے جد امجد، سید السادات، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے معاف فرمائے اور جنت میں اپنے دادا جان علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ اور آپ کو اور عزیز محمد اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اس حادثہ جانکاہ میں خود ہی آپ کا مونس وغمگسار ہو اور ان کی برکات وفیوض اور ان کی روح پرفتوح کے فیضان سے آپ کو اور ہم سب کو ہمیشہ مالا مال رکھے۔ آمین۔

دل روتا ہے آہ! وہ شفقتیں، بزرگانہ محبتیں، دل نوازیاں، ہمت افزائیاں، عطا ووفا کہاں ملے گی۔ رخصت اے مرد درویش رخصت آہ: الفراق الى يوم التلاق:

مملوفى الحياة وفى المهات لحق انت احدى المعجزات
عليه تحية الرحمات تترى برحمات غواد رائحات

صدمہ عظیم ہے، یہ اشکبار اس بارے میں پورا شریک غم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی غمگساری فرمائے اور

آپ کو اس صدمہ پر اپنی انتہائی نوازشوں اور رحمتوں سے نوازے۔ انشاء اللہ کراچی میں حاضری پر تعزیت کی سعادت حاصل کروں گا، بندہ کے جملہ متعلقین اور آپ کے اور حضرت آغا جی مرحوم کے دسترخوانِ کرم بہت بہت تعزیت اور اظہارِ غم کرتے ہیں، میرے تمام عزیزوں کی طرف سے پرسۂ غم قبول فرمائے۔

والسلام
شریکِ غم خاکپائے بزرگان
محمد اشرف

مخدومی المحترم عزی اللہ مصابکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آغا جی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت آپ کے لئے تو مصابِ عظیم ہے، ہم سب منتسبین کو بھی علی تفاوت الدرجات اس حادثۂ فاجعہ میں کچھ حصہ ضرور ملا۔ اس عاجز کے بس میں اور تو کچھ نہ تھا صرف دعا ہی تھی۔ اپنے گھر پر چند علماء اور احباب ومخلصین کو دعوت دی کہ ان کے ایصالِ ثواب کے لئے ختم قرآن کریم پڑھا جائے، اور اس وقت سے لے کر اب تک دعاؤں میں یاد جاری ہے، آغا جی رحمۃ اللہ علیہ میں خاندانِ سادات کے بہت سے آثار نمایاں تھے۔ ان کی ذہانت، جرأت، شہامت، علم، سخا، تقوی، اخلاص، شفقت کس کس وصف کو انسان بھول سکتا ہے، چند دن کی صحبت جو کراچی میں میسر آئی اس میں مجھے شفقتِ پدری کا سکون محسوس ہوتا رہا۔ یہاں کے مشاغل نے بہانہ بن کر آخری ایام کی دعاؤں سے محروم کر دیا۔ ورنہ کئی دفعہ ارادہ کیا کہ اور کچھ نہ ہو تو کم از کم ایک ہفتہ کے لئے حاضری دے آؤں۔ ان کے وصال کے بعد بھی آج تک اسی حیص بیص میں رہا کہ عریضہ کی بجائے خود ہی حاضر ہو کر شریکِ تعزیت ہو جاؤں، مگر گرمی کی شدت بڑھتی چلی گئی، اس لئے بالآخر اس عریضہ کی تقدیم لازمی نظر آئی۔

اخبارات میں تا حال روزانہ علماء وطلبہ کی طرف سے مجالس ایصالِ ثواب کی اطلاعات چھپتی رہتی ہیں۔ یعنی ملک بھر سے تحائف انکی روحِ مبارک کو برابر پہنچ رہے ہیں۔ ان کے اپنے اعمالِ خیر بھی عظیم تھے، ان تحائف کا ازدواج ان کے درجات کو مزید ارفع واعلیٰ کر دے گا۔ واللہ عندہ حسن الثواب۔

آغا جی رحمۃ اللہ علیہ ان آخری ایام میں (جب کہ میں کراچی میں تھا) آپ کا ذکر ہمیشہ بہت احترام ومحبت کے لہجے میں کیا کرتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جذباتِ محبت زیادہ ترقی پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ ان کے جذباتِ محبت کے ثمرات آپ کی ذات کو اور آپ کے جذبات شوق خدمت اور ادعیہ اخلاص کے ثمرات ان کی روح کو احسن ما یجزی والد عن ولدہ عطا فرمائے۔

حضرت مولانا عزیر گل صاحب مدظلہ نے مولانا محمد ایوب بنوری کے والد مرحوم کی تعزیت کے موقع پر

ان کو یہ شعر سنایا تھا، یہ عاجز بھی بزرگوں کی تقلید کے طور پر اس کا اعادہ کرتا ہے:

خير من العباس اجرك بعده
والله خير منك للعباس

والسلام

دعاجو: محمد عبدالقدوس

(معرفت شعبہ اسلامیات، پشاور یونیورسٹی)